www.KitaboSunnat.com

فہم القرآن

اول

میاں محمد جمیل
پرنسپل اورینٹل شریعہ کالج

ابوہریرہ اکیڈمی
۳۷۔ کمرشل کمپلیکس اقبال ٹاؤن لاہور



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

فہم القرآن

میاں محمد جمیل
ایم۔اے
فاضل اُردو۔علوم اسلامیہ

جلد اوّل

ابوہریرہؓ اکیڈمی
۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہم القرآن

حقوق بحق مصنف

از قلم ـــــــــ میاں محمد جمیل ایم اے

جلد اوّل ـــــــــ پارہ 1 تا پارہ 5

اشاعتِ اوّل ـــــــــ ستمبر: 2006ء

اشاعتِ چہارم ـــــــــ مئی 2014ء

قیمت ـــــــــ

ملنے کے پتے

نعمانی کتب خانہ۔ اسلامی اکیڈمی۔ محمدی کتب خانہ

مکتبہ دارالسلام، سلفیہ، رحمانیہ، اسلامیہ، قدوسیہ۔ اردو بازار لاہور

ناشر

ابوہریرہؓ اکیڈمی ۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

042-35417233

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلد اوّل

فہم القرآن

پارہ:1

الفاتحہ ❁ البقرہ آیت 1 تا 141

پارہ:2

سورۃ البقرہ آیت 142 تا 252

پارہ:3

سورۃ البقرہ آیت 253 تا 286 ❁ سورۃ آلِ عمران آیت 1 تا 91

پارہ:4

سورۃ آلِ عمران آیت 92 تا 200 ❁ سورۃ النساء آیت 1 تا 23

پارہ:5

سورۃ النساء آیت 24 تا 147

فہرست عنوانات ومضامین، مصنف اور ان کی دیگر کتب کا تعارف آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com





محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عظمتِ قرآن

قرآنِ مجید ہدایت و رہنمائی کا روشن آفتاب، قلب و ذہن کے لیے نسخہء شاداب، مسائل اور مصائب کا تریاق، دافعِ امراض، حلِ مشکلات، اس میں تدبر و تفکر کرنے سے سماجی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل حل کرنے کا ادراک اور صلاحیت حاصل ہوتی ہے، اس کی تلاوت باعثِ اجر و ثواب اور اس پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

«يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِي وَ مَسْأَلَتِي اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَآ اُعْطِي السَّآئِلِيْنَ» (رواہ الترمذی: کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء کیف کانت قراءۃ النبی [ضعیف])

''اللہ رب العزت فرماتے ہیں جسے قرآن پاک کی تلاوت نے میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھا میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا۔''

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بڑائی و کبریائی اور خیر و برکت کے لحاظ سے یکتا اور تنہا ہے یہی مقام ذکر و اذکار میں قرآن مجید کو حاصل ہے۔ قرآن مجید کو زندگی کا رہنما بنانے سے دنیا و آخرت کے مسائل و مصائب کا مداوا ہونے کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس سے انحراف اور بے اعتنائی پریشانیوں اور ناکامیوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ)) (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو بلند فرماتا ہے اور اسی کے سبب لوگوں کو ذلیل کرتا ہے۔''

کتابِ ہدایت کا تقاضا ہے کہ اخلاصِ نیت کے ساتھ حتی المقدور اس کے ہر حکم اور ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ کوئی فرد یا قوم مسلمان ہونے کے باوجود جان بوجھ کر اس کے کچھ احکامات چھوڑ دے اور صرف من پسند باتوں کو اختیار کرے تو اس سے نہ مسائل حل ہو پائیں گے اور نہ ہی مشکلات رفع ہوں گی بلکہ اس منافقت اور دوغلے پن کی وجہ سے مسلمان دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوں گے۔

''کیا تم اس کتاب کے بعض احکامات کو تسلیم کرتے اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ تم میں سے جو یہ رویہ اختیار کرے گا اس کے لیے دنیا کی زندگی میں ذلّت اور آخرت میں شدید عذاب ہوگا اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے''۔ (البقرۃ:۸۵)

تلاوت کی فضیلت

دنیا میں صرف اور صرف ایک ہی کتابِ مقدس ہے جس کی فقط تلاوت کرنے سے ایک مسلمان کو ایک ایک حرف کے بدلے بارگاہِ ایزدی سے اجر و ثواب سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ نبی محترم ﷺ کا فرمان:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ))

(رواہ الترمذی: کتاب فضائل القرآن [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ ''الف'' ایک حرف ہے اور ''لام'' ایک حرف ہے'' اور ''میم'' ایک حرف ہے۔''

((عَنْ عُثْمَانَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))(رواہ البخاری: کتاب فضائل القرآن)

''حضرت عثمان ؓ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں وہ آدمی بہتر ہے جو قرآن پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَّهُ اَجْرَانِ))(رواہ مسلم: باب فضل الماھر فی القرآن)

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا کہ ماہر قرآن۔ اللہ کے تابع فرمان اور لکھنے والے معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جسے پڑھنے میں مشکل پیش آتی ہے اس کے لیے دوہرا ثواب ہے۔''

آدابِ تلاوت

(۱)۔ اکثر محدثین کا نقطۂ نگاہ ہے کہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا ہو تو باوضو ہونا ضروری ہے۔ کچھ اہلِ علم کا خیال ہے کہ بغیر وضو کے بھی قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ البتہ افضل یہ ہے کہ باوضو ہو کر قرآن پڑھا جائے۔ تاہم بغیر وضو کے زبانی تلاوت کرنے پر کسی کو اعتراض نہیں۔

(۲)۔ قرآن مجید کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کرتے ہوئے اس پر تدبر اور تفکر کرنا چاہیے۔

۱۔ { وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ } (المزمل: ۴) ''قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیجیے۔''

۲۔ { اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ } (محمد: ۲۴)

''کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔''

(۳)۔ قرآن مجید کی تلاوت اخبار بینی کے انداز میں کرنے کی بجائے نہایت خوش الحانی کے ساتھ کرنا چاہیے۔

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِأَصْوَاتِكُمْ))

(رواہ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ [صحیح])

''حضرت براء بن عازب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآنِ مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ خوبصورت بناؤ۔''

(۴)۔ تلاوت کے وقت آواز اتنی بلند ہو کہ اپنے آپ کو سنائی دے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ کو تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ حضرت ابوبکر ؓ کو تھوڑی سی بلند آواز اور حضرت عمر ؓ کو نسبتاً آہستہ آواز رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ (رواہ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب فی رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل [حسن])

(۵)۔ تلاوت کا بہترین وقت نمازِ تہجد ہے۔ (مزمل: ۶) اگر تہجد پڑھنا نصیب نہ ہو تو صبح کی نماز کے بعد تلاوت کرنا زیادہ افضل ہے۔

(۶)۔ تلاوت کی ابتداء ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' سے ہونی چاہیے۔

(۷)۔ تلاوت کرتے ہوئے الفاظ کے مخارج وصفات کا خیال اور ان کی ادائیگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

{ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ } (البقرۃ: ۱۲۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی اور وہ اس کا حقِ تلاوت ادا کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے گا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

نزولِ قرآن کے مراحل

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روزِ اوّل سے لوحِ محفوظ میں موجود اور محفوظ ہے۔ لوحِ محفوظ سے قرآن مجید کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ یکبارگی بیت المعمور میں لیلۃ القدر کی رات اتارا گیا جو پہلے آسمان پر ایک مقام ہے اس کے بعد امت کے حسبِ حال تیئس سالوں میں نبی آخر الزماں خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ پر اس کا نزولِ مسعود ہوا۔ قرآنِ مجید کی نہ صرف دنیا میں محفوظ و موجود رہنے کی گارنٹی دی گئی ہے۔ بلکہ دو اور مقام یعنی عرشِ معلیٰ اور آسمانِ دنیا میں بھی ہے۔

تدوینِ قرآن

عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج بہت ہی کم تھا۔ مذہبی، ثقافتی اور تجارتی مرکز ہونے کے باوجود مکہ میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد تقریباً بیس سے زیادہ نہ تھی اور یہ بھی معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ شدید علمی بحران اور پڑھائی لکھائی کا رواج نہ ہونے کے باوجود نبی معظم ﷺ نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ جوں ہی قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو اسے اپنی نگرانی میں مرتب کرواتے۔ کاغذ کی عدم دستیابی کی وجہ سے قرآن مجید کو ہڈی، لکڑی، پتھر یہاں تک کہ بعض درختوں کے پتے اس طریقے سے تیار کئے جاتے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا جیسا کہ پرانے زمانے کے کتبات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس طرح مکمل قرآن مجید مختلف کتبات کی شکل میں محفوظ کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حفظِ قرآن اور اس کی تبلیغ کا سلسلہ ایسی ٹھوس بنیادوں پر شروع کیا گیا جو قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ تاہم مکمل کتابی شکل میں قرآن مجید اس وقت مرتب ہوا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذّاب کے ساتھ صحابہ کرام کا مقابلہ ہوا۔ تحفظ ختمِ نبوت کے اس معرکہ میں دوسرے شہداء کے ساتھ تقریباً سات سو حفاظ صحابہ شہید ہوئے (القرطبی) اس سانحہ سے متاثر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اگر حفاظ کرام اسی طرح شہید ہوتے رہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ امت قرآن مجید کے کچھ حصہ سے محروم ہو جائے میری درخواست ہے کہ قرآن مجید کو کتابی شکل میں یکجا کر دیا جائے۔ ابتداءً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر معذرت کی کہ چونکہ رسولِ کریم ﷺ نے اس طرح کرنے کا حکم نہیں دیا لہٰذا ہمیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار توجہ دلانے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ آمادہ ہوئے تو انہوں نے کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کی ہدایت فرمائی بالآخر قرآن مجید ایک نسخہ کی شکل میں مرتب کر دیا گیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔ (رواہ البخاری: کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عراق اور دوسرے ممالک میں قرآن مجید کے لہجہ اور تلفظ میں اختلاف رونما ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کی کتابت اور لغت میں قرآن مجید کی متعدد نقول تیار کروا کر مملکت اسلامیہ کے دور دراز علاقوں میں ارسال فرما دیں۔ چنانچہ جو قرآن عظیم ربِ عظیم نے اپنے رسولِ کریم ﷺ پر نازل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا تھا۔ وہ کسی تحریف اور تغیر و تبدل کے بغیر من وعن اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ و موجود رہے گا جس کی تصدیق اسلام کے بدترین دشمن ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

"THIS RECENSION OF UTHMAN THUS BECAME THE ONLY STANDARD "TEXT FOR THE WHOLE MUSLIM WORLD UP TO THE PRESENT DAY

ترتیبِ قرآن

جو قرآن مجید اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے، وہ بعینہٖ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے موجودہ ترتیب کے مطابق لکھوایا، صحابہ کو یاد کرایا اور خود پڑھا۔

{ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ } (القیامۃ:۱۷)

''بے شک قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آیت { لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ } (النساء:۹۵) نازل ہوئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اُدْعُ لِيْ زَيْدًا وَلْيَجِيْئِيْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ وَالْكَتِفِ)) (رواہ البخاری: باب کاتب النبی)

''زید کو میرے پاس بلاؤ کہ وہ دوات اور شانہ کی ہڈی لے کر حاضر ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ اور سبب تفصیل کے ساتھ سیرت کی تمام کتب میں درج ہے کہ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر گئے اور ان کو لکھا ہوا قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو کہنے لگے:

((اَعْطُوْنِي الْكِتٰبَ الَّذِيْ عِنْدَكُمْ اَقْرَأُهٗ)) (دار قطنی: باب فی نہی المحدث عن مس القرآن [ضعیف])

''جو قرآن تمہارے پاس ہے اسے لاؤ تاکہ میں بھی اسے پڑھوں۔''

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مِمَّا تَنَزَّلُ عَلَيْهِ الْآيَاتُ فَيَدْعُوْ بَعْضَ مَنْ كَانَ لَهٗ يَكْتُبُ لَهٗ وَيَقُوْلُ لَهٗ ضَعْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا)) (رواہ ابو داؤد: باب من جھر بھا، [صحیح])

''جب نبی ﷺ پر آیات اترتیں تو کاتب وحی کو بلا کر فرماتے اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھو۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت { وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۝ } نازل ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے کہا: ((ضَعْهَا عَلٰى رَأْسِ مِائَتَيْنِ وَثَمَانِيْنَ مِنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ)) ''اس آیت کو ۲۸۰ آیت کے بعد لکھوایئے گا۔'' (تفسیر خازن: جلد ۱)

ربطِ قرآن

تدوین قرآن میں یہ بات تو واضح ہے کہ موجودہ ترتیب نبی مکرم ﷺ نے وحی کی روشنی میں قائم فرمائی لیکن کسی حدیث سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ سورتوں اور آیات کی ترتیب کا آپس میں کیا ربط ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگر قرآن کی آیات کا پس منظر اور ربط بیان کیا جاتا تو تمام آیات نہ سہی تو کم از کم محکم آیات کا ربط بیان کرنے سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتی جو اضافی بوجھ کے مترادف ہوتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کے دوران سامع کی طبیعت اور موقع کی مناسبت سے ایک نہیں کئی باتیں کرنا پڑتی ہیں۔ تیسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج بھی سربراہِ مملکت قوم کو خطاب کرے تو اس کے سامنے پوری قوم اور ملک کے مسائل ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات سربراہِ مملکت کو بین الاقوامی مسائل پر بھی بات کرنا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے خطاب میں معنوی اور واقعاتی ربط تو ہوتا ہے لیکن اس کی گفتگو میں کلام کا ظاہری ربط نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں آدم علیہ السلام سے لے کر ہر زمانے کی بڑی بڑی اقوام کے احوال، ان کے انجام کا تفصیلی بیان اور قیامت تک تمام انسانوں کے لیے ضابطہ حیات اور انہیں مخاطب کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ بات اہلِ علم پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ اپنی فہم و فراست کے مطابق سورتوں اور آیات کا ربط تلاش کریں۔ کیونکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نبی ﷺ نے وحی الٰہی کے ذریعے جو ترتیب قائم فرمائی ہے وہ کسی ربط کے بغیر ہو سکتی۔ لہٰذا میں نے کوشش کی کہ سورتوں اور آیات کا باہمی ربط بیان کیا جائے تاکہ قرآن پڑھنے اور سمجھنے والے کو ایک تسلسل اور کیف محسوس ہو۔

شماریاتِ قرآن

پارے:30، سورتیں:114، رکوع:540، آیات:6666، کلمات:86430، حروف:221265

تفسیر کا تعارف

رسولِ محترم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے مرکزی مقصد یہ بھی تھا کہ آپ قرآن کے مطابق لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں اور اپنی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر فرمائیں۔ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے براہِ راست سیکھا، سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن فہمی کی دعا سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اولاد اور شاگردوں کو قرآن پڑھایا اور سمجھایا۔ اس طرح قرآنِ مجید کی تبلیغ تحریر، تقریر اور تدریس کے ذریعے نسل در نسل جاری رہی تا آنکہ 270 ہجری میں جامع البیان کے نام پر علامہ ابوجعفر بن جریر طبری نے چالیس سال کی جدوجہد سے کتبات، مسوّدات اور مختلف اہلِ علم سے استفادہ فرما کر تیس جلدوں پر محیط تفسیر جامع البیان لکھی جو تفسیر ابن جریر کے نام سے معروف ہے۔ ان کے بعد حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیر المعروف امام ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر رقم فرمائی جو تمام مسالک کے نزدیک ممتاز اور منفرد تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ بعد ازاں ہر دور اور ہر زبان میں قرآن مجید کی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ برصغیر میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں تراجم اور تفاسیر کا بے شمار ذخیرہ اردو زبان میں پیش کیا گیا جو علمی اور اسنادی اعتبار سے عربی کے سوا تمام زبانوں میں لکھی جانے والی تفاسیر پر حاوی ہے۔ ماضی قریب میں تفہیم القرآن، تدبر قرآن، معارف القرآن، تفسیر ثنائی، تیسیر القرآن، ضیاء القرآن کے مؤلفین نے اپنے اپنے انداز اور نقطۂ نگاہ سے فرقانِ حمید کی تفسیریں لکھیں جو اردو زبان میں ممتاز تفاسیر شمار ہوتی ہیں۔

فہم القرآن اور اعترافِ حقیقت

تفسیر کا نام سورۃ الانبیاء کی آیت 79 { فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ } سے لیا گیا ہے۔ میں اس سچائی کا محض روایتی اور عاجزانہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ اعتراف کرتا ہوں کہ خدمتِ قرآن کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مجھ سے کم علم آدمی کوئی نہیں گزرا ہوگا کہ جس نے قرآن مجید کے کسی پہلو پر قلم اٹھایا ہو۔ میں نے بزرگوں کی خوشہ چینی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ میرے کام میں حسن وخوبی کا کوئی پہلو دکھائی دے تو وہ اللہ کے فضل وکرم کا نتیجہ اور متقدمین کی پرخلوص کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کوتاہی اور کمزوری کو میری کم علمی اور کوتاہ فہمی تصور کرتے ہوئے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کی تصحیح کی جائے۔ اپنے مختصر تدریسی تجربہ اور تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے چند باتوں کی ضرورت محسوس کی جس بنا پر ضروری سمجھا کہ اگر درج ذیل باتیں تفسیر میں جمع کر دی جائیں تو عوام الناس، طلبہ اور مبتدی خطباء کے لیے نہایت مفید اور بہتر ہوگا۔

(۱)۔ لفظی اور بامحاورہ ترجمہ (۲) ربطِ کلام (۳)۔ ہر آیت کے الگ الگ مسائل کا بیان

(۴)۔ تفسیر بالقرآن کے حوالے سے ہر آیت کے مرکزی مضمون سے متعلقہ چند آیات جمع کرنا۔

اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کے شرف سے نوازے اور تعاون کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

نوٹ: (قاری حضرات سے گزارش ہے کہ وہ لفظی ترجمہ کی بجائے رواں ترجمہ سے استفادہ کریں کیونکہ لفظی ترجمہ میں باہم ربط نہ ہونے کی وجہ سے الجھن پیش آسکتی ہے۔ لفظی ترجمہ تعلیم وتعلم کے لیے زیادہ مفید ہوتا ہے۔)

مفسّر کا تعارف

میاں محمد جمیل بن میاں محمد ابراہیم گوہڑ چک 8 پتوکی (قصور) اپریل 1947ء کو آرائیں فیملی میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور سکول کی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ تجویدِ قرآن جامعہ محمدیہ اور درسِ نظامی کی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے پائی بعد ازاں وفاق المدارس کیا اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایم۔اے اسلامیات اور فاضل اردو کی ڈگریاں حاصل کیں۔ فراغتِ تعلیم کے بعد لاہور میں کاروبار کرنے کے ساتھ ساتھ جون 1986ء میں جامع مسجد ابوہریرہؓ کی بنیاد کریم بلاک اقبال ٹاؤن میں رکھی اور اعزازی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی۔ 1997ء میں ابوہریرہؓ شریعہ کالج کا آغاز کیا جو اب تک ملک میں واحد ادارہ ہے جس میں طلبہ کو چار سال میں درسِ نظامی اور بی۔اے (Compulsoy) کروایا جاتا ہے۔ 1987ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات اور 1996ء سے لے کر 2002ء تک مرکزی جمعیت اہلحدیث کے سیکرٹری جنرل رہے سیکرٹری شپ کا دوسرا ٹینور پورا ہونے پر آئندہ ذمہ داری سنبھالنے سے معذرت کی اور اپنے آپ کو تعلیم وتصنیف کے لیے وقف کیا دیگر کتب تالیف کرنے کے بعد 2005ء عیدالاضحیٰ کے بعد تفسیر فہم القرآن کا آغاز کیا اس کی تکمیل سوا سات سال میں ہوئی جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کے شرف سے سرفراز فرمائے اور اس کام میں معاون بننے والے حضرات کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ یارب العالمین!

۱۔ لفظی ترجمہ کے ساتھ ساتھ سلیس بامحاورہ ترجمہ جو دل میں اُتر جائے۔

۲۔ علم وادب کا مرقع اور ہر آیت کی تفسیر حدیث رسول ﷺ کے ساتھ ہے۔

۳۔ ہر آیت کے الگ الگ مسائل کی نشاندہی جو ذہن پر منقش ہو جائیں۔

۴۔ آیت کے مرکزی مضمون کی تفسیر دیگر آیات کے ساتھ ایک مکمل تقریر جو علماء اور لیکچرار حضرات کے لیے عظیم تحفہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۃ فاتحہ کے اسمائے گرامی اور ان کی وجہ تسمیہ

مقامِ نزول: مکہ معظمہ، ایک رکوع، آیات سات، الفاظ پچیس اور حروف ایک سو تینتیس ہیں۔

رسولِ مکرم ﷺ سے سورۃ فاتحہ کے کئی نام منقول ہیں جن میں سے مشہور نام یہ ہیں:

۱۔ **فاتحۃ الکتاب:** قرآنِ حکیم کا آغاز اور دنیا و آخرت کے حقائق کے انکشاف کا سرچشمہ۔ (رواہ البخاری: باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب)

۲۔ **اُمّ القرآن:** قرآنِ مجید کے عناوین و مضامین کا مرقع۔ (رواہ مسلم: باب وجوب قراء الفاتحۃ فی کل رکعۃ)

۳۔ **الشفاء:** جسمانی بیماریوں کا علاج، روحانی پریشانیوں کا تریاق۔ (رواہ الدارمی: باب فضل الفاتحۃ [صحیح])

۴۔ **السبع المثانی:** نماز میں بار بار پڑھی جانے والی سات آیات مقدسات۔ (القرآن) (رواہ البخاری: باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب)

فاتحہ اور قرآنِ مجید کے مضامین

قرآنِ مجید کے مضامین میں پہلا مرکزی مضمون توحید ہے اور فاتحہ کی ابتدا ہی توحید سے ہوتی ہے۔ توحید میں سب سے پہلے اللہ کی ذات، اس کی صفات کا ادراک اور اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر صفات میں سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ کائنات کا رب ہے جس کے معانی خالق، رازق، مالک اور بادشاہ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی مہربان نہایت ہی رحم کرنے والا ہے۔

قرآنِ حکیم کا دوسرا مضمون یہ ہے کہ اس جہاں کے علاوہ اور بھی جہاں ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس دنیا میں تمہارا خالق، مالک، رازق اور بادشاہ ہے اور وہ تمہیں مارنے کے بعد آخرت میں زندہ کر کے اپنی عدالتِ عظمیٰ میں طلب کرے گا۔ اس دن ہر ایک کو اُس کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ وہ عادل و منصف اور حاکمِ مطلق ہے اور اس کا سارا نظام عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ قرآنِ مجید میں دنیا و آخرت کے بارے میں عدل و انصاف اور جزاء و سزا کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔

تیسرا مضمون: جس کو قرآن عبادت کا نام دے کر اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے تقاضا کرتا ہے کہ بندے کا اپنے رب کے ساتھ تعلق طالب و مطلوب، عابد و معبود اور مخلوق و خالق، محکوم و حاکم کا ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر زندگی گزارنے کا کوئی دوسرا طریقہ ٹھیک نہیں۔ یہی انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔ اس لیے اپنے رب کی عبادت کرنا اور اسی سے ہی مدد طلب کرنا چاہیے کیونکہ اس کے اِذن اور امر کے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔

چوتھا مضمون صراطِ مستقیم ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کو اپنے رب کے احکام و ارشادات کے مطابق زندگی گزارنا چاہیے۔ صراطِ مستقیم کا تعیّن فرماتے ہوئے قرآنِ مجید اس کی تشریح اور تقاضے بیان کرتے ہوئے وضاحت کرتا ہے، کہ یہ انعام یافتہ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کا راستہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام اسی راستے کی دعوت دیتے رہے۔ اس کے بغیر نہ کوئی صراطِ مستقیم ہے اور نہ ہی کوئی طریقۂ حیات قابلِ قبول ہوگا۔ اس سے نبوت کی ضرورت و اہمیت از خود عیاں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ محمد مصطفی ﷺ کے اُسوہ میں ہی عبادات، معاملات کا طریقہ اور اخلاقیات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تمام تقاضے پورے ہوتے ہیں اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

پانچواں مضمون: قرآنِ مجید سورۃ فاتحہ کی زبان میں انعام یافتہ، مغضوب اور گمراہ لوگوں کے حوالے سے قوموں کے عروج وزوال بیان کرتا ہے تاکہ سمع واطاعت اور تسلیم ورضا کا رویہ اختیار کرنے والوں کو بہترین انجام اور ان کا مرتبہ ومقام بتلایا جائے، باغیوں اور نافرمانوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جائے۔ قرآنِ مجید کے باقی ارشادات واحکامات انہی مضامین کی تفصیلات اور تقاضے ہیں اور یہی قرآن کا پیغام ہے۔ اسی بنیاد پر سورۃ الحمد کو فاتحہ اور ام الکتاب کا نام دے کر اس کو کتاب مبین کی ابتداء میں رکھا گیا ہے۔ ادبی زبان میں ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں:

✵ فاتحہ ابتدا ہے	✵ قرآن اس کی تکمیل	✵ فاتحہ دعا ہے	✵ قرآن اس کا جواب
✵ فاتحہ عنوان ہے	✵ قرآن اس کا مضمون	✵ فاتحہ خلاصہ ہے	✵ قرآن اس کی تفصیل
✵ فاتحہ پھول ہے	✵ قرآن اس کی خوشبو ہے	✵ فاتحہ دروازہ ہے	✵ قرآن اس کا محل ہے

فاتحہ کی فضیلت

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيْلُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ سَمِعَ نَقِيْضًا مِّنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِّنَ السَّمَآءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ أَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ أُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِّنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيْتَهٗ))

(رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل الفاتحۃ)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام رسولِ اقدس ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران انہوں نے اوپر سے ایک زوردار آواز سنی اور اپنا سر اٹھا کر فرمایا کہ آسمان کا جو دروازہ آج کھولا گیا ہے یہ اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا یہ ایسا فرشتہ ہے جو آج ہی زمین پر نازل ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ پھر اس فرشتے نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور کہا دونوروں کی خوشخبری سنیے! یہ دونوں نور آپ ہی کو عطا کیے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرا سورۃ البقرۃ کی آخری آیات۔ آپ ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ کی مانگی مراد پوری ہو جائے گی۔''

فاتحہ کی فرضیت

((قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَاسَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللّٰهُ أَثْنٰى عَلَيَّ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَبْدِیْ وَإِذَا قَالَ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَیَّ عَبْدِیْ فَإِذَا قَالَ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِیْ وَبَيْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ فَإِذَا قَالَ إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ)) (رواہ مسلم: کتاب الصلوۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نماز کو میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کرلیا ہے۔ میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جو اس نے مانگا۔ جب بندہ کہتا ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب بندہ کہتا ہے ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد وستائش کی۔ جب بندہ کہتا ہے۔ ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی کا اقرار کیا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میرے بندے نے اپنے کام کو میرے سپرد کردیا۔ جب بندہ عرض کرتا ہے: ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کا معاملہ ہے۔ میں نے اپنے بندے کو عطا کیا جو اس نے مانگا۔ جب بندہ درخواست کرتا ہے۔ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ چیز مل جائے گی جس کا اس نے سوال کیا۔''

فاتحہ کی عظمت

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَآ أُنْزِلَتْ فِی التَّوْرَاةِ وَلَا فِی الْإِنْجِيْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الَّذِیْ أُعْطِيْتُهٗ))

(رواہ الترمذی: فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الکتاب (صحیح))

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس سورت جیسی کوئی سورۃ تورات، انجیل، زبور اور قرآنِ مجید میں نازل نہیں ہوئی۔ یقیناً یہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیات ہیں اور قرآنِ عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔''

فاتحہ اور نماز

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))

(رواہ البخاری: کتاب الأذان، باب وجوب القرأۃ للإمام والمأموم فی الصلوات کلها)

''رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَقْطَعُ))

(رواه الدار قطنی: کتاب الصلاۃ [صحیح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کام کی ابتدا اللہ کے ذکر سے نہ کی جائے وہ بے برکت اور نامکمل ہے۔''

رسولِ کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ہر کام کی ابتدا بسم اللہ یعنی اللہ کے اسم مبارک سے کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ اور ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے سے مراد بسم اللہ کے الفاظ پڑھنا نہیں بلکہ کام اور موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس کا نام لینا ہے تاکہ اس اسم مبارک سے ابتدا کرتے ہوئے کام اور موقع کا احساس آدمی کو رب کریم کے قریب کر دے جیسا کہ سونے اور نیند سے بیدار ہونے کے وقت دعا کے الفاظ احساس دلاتے ہیں کہ نیند اور بیداری، موت اور زندگی کی طرح آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ہر آدمی کو ایسے ہی مرنا اور اٹھنا ہوگا۔ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے سے تصور ابھرتا ہے کہ بڑائی اور کبریائی اللہ کی ذات کو زیبا ہے۔ یہ اللہ کا مال ہے اس پر کسی غیر کا نام لینے کی بجائے صرف مالکِ حقیقی کا نام ہی لینا چاہیے۔ قرآنِ مجید میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو۔ سواری پر براجمان ہوتے ہوئے لفظ ''سُبْحَانَ الَّذِیْ'' سے دعا کا آغاز کرتے ہوئے یہ خیال آنا چاہیے کہ جس مالک نے اس کو میرے تابع کیا ہے مجھے بھی اس ذاتِ کبریا کا تابع فرمان ہونا چاہیے۔ سواری کو حاصل اور مطیع کرنا میرے بس کا روگ نہیں تھا۔ قرآنِ مجید کی تلاوت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

{ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ } (النحل:۹۸)

''جب قرآنِ مجید کی تلاوت شروع کرو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

ثابت ہے کہ موقع کی مناسبت سے ہر کام کا آغاز ربِ کریم کے مبارک نام سے ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں یہ فلسفہ پایا جاتا ہے کہ جب کوئی کام شروع کیا جائے تو اس پر اللہ کا نام لیتے ہوئے احساس پیدا ہو کہ جو کام کرنا چاہتا ہوں وہ میرے لیے جائز بھی ہے یا نہیں۔ اگر کام حرام اور ناجائز ہو تو مومن کو اللہ کے نام کی لاج رکھتے ہوئے اس کام سے باز آنا چاہیے۔ جائز کام کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے سے آدمی کا عقیدہ تازہ اور پختہ ہو جائے گا کہ اس کام کی ابتدا رحمن و رحیم کی مہربانی کا نتیجہ ہے اور اس کی تکمیل بھی اس کے کرم کا صلہ ہے۔

''بسم اللہ'' ہر سورۃ کا حصہ ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں میرا رُجحان ان دلائل کی طرف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہر سورت کا حصہ نہیں اس سے سورت کی ابتدا ہونے کے ساتھ دو سورتوں میں فرق کا پتہ چلتا ہے البتہ سورۃ النمل کی آیت ۳۰ ہونے کے حوالے سے یہ قرآنِ مجید کا جزو ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى تُنْزَلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الرَّحِيم))(رواہ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب من جھر بھا[صحیح])

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سورت کے فرق کو نہیں سمجھ سکتے تھے یہاں تک کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' نازل ہوئی۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَرَأْتُمُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاقْرَءُ وا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)إِنَّهَا أُمُّ الْقُرْآنِ وَأُمُّ الْكِتَابِ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِي وَبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)إِحْدَاهَا))

(رواہ سنن الکبریٰ للبیہقی: باب الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) آيَةٌ تَامَّةٌ مِنَ الْفَاتِحَةِ[صحیح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سورۃ فاتحہ کی قراءت کرو تو اُس کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کرو یہ اُم القرآن اور اُم الکتاب اور بار بار پڑھی جانے والی ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کی آیاتِ میں سے ایک ہے۔''

اسم ''اللہ'' کی خصوصیت

''اللہ'' کا نام صرف اور صرف خالقِ کائنات کی ذات کو زیبا اور اس کے لیے مختص ہے۔ یہ اس کا ذاتی نام ہے اس اسم مبارک کے اوصاف اور خواص میں سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ کائنات میں انتہا درجے کے کافر، مشرک اور بدترین باغی انسان گزرے ہیں اور ہوں گے۔ جن میں اپنے آپ کو داتا، مشکل کشا، موت وحیات کا مالک کہنے والے حتی کہ ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' کہلوانے والا بھی ہوا ہے مگر اس نام کی جلالت وہیبت کی وجہ سے اپنے آپ کو ''اللہ'' کہلوانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ مکے کے مشرک اپنے بتوں کو سب کچھ مانتے اور کہتے تھے لیکن وہ بتوں کو ''اللہ'' کہنے کی جرأت نہیں کر سکے تھے۔ ''اللہ'' ہی انسان کا ازلی اقرار اور اس کی فطری آواز ہے جس بنا پر ہر کام ''بِسْمِ اللّٰهِ'' سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اسم مبارک اپنے آپ میں خالقیت، مالکیت، جلالت وصمدیت، رحمن ورحیمیت کا ابدی اور سرمدی تصور لیے ہوئے ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ کا نام 2697 مرتبہ آیا ہے۔ ایمان کی تازگی کے لیے چند مقامات تلاوت کیجیے۔

① ۔ اللہ ہی خالق ہے:

{ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ } (الزمر:٦٢)

② ۔ اللہ ہی رازق ہے:

{ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝٥٨ } (الذاریات:٥٨)

③ ۔ اللہ ہی معبودِ حقیقی ہے:

{ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ } (آلِ عمران:١٨)

④ ۔ اللہ ہی اقتدار، زوال اور عزت وذلّت کا مالک ہے:

{ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۚ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَنْ تَشَآءُ ۭ } (آلِ عمران:۲۶)

⑤۔اللہ ہی حاکمِ مطلق اور خالقِ کل ہے:

{ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ } (الأعراف:۵۴)

⑥۔اللہ ہی مالک اور ہر چیز پر قادر ہے:

{ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝ } (الملک:۱)

⑦۔اللہ ہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے:

{ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ } (النمل:۶۲)

⑧۔اللہ ہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے:

{ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ } (الحدید:۳)

⑨۔اللہ ہی غیب اور ظاہر کو جانتا ہے:

{ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ } (الحشر:۲۲)

⑩۔اللہ ہی موت و حیات پر اختیار رکھنے والا ہے:

{ اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ } (الملک:۲)

⑪۔اللہ ہی زمین و آسمان کا نور ہے:

{ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ } (النور:۳۵)

⑫۔اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے:

{ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ } (البقرۃ:۲۱۳)

⑬۔اللہ ہی مومنوں کا دوست ہے:

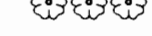
{ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ } (البقرۃ:۲۵۷)

⑭۔اللہ ہی کفار کو گھیرنے والا ہے:

{ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ } (البقرۃ:۱۹)

⑮۔اللہ ہی قیامت کے دن کا مالک ہے:

{ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ } (الفاتحۃ:۳)



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا — ۱ اٰيَاتُهَا — ۷

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱

تمام تعریفیں اللہ کے لیے رب تمام جہان

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''(۱)

فہم القرآن

اللہ کائنات کے رب نے اپنی مخلوق کی پرورش کا بندوبست ایسے مضبوط نظام کے ساتھ فرمایا ہے کہ ہر چیز کو زندگی اور اس کی بقا کے لیے جو کچھ اور جس قدر چاہیے اُسے اسی حالت اور مقام پر پہنچایا جا رہا ہے۔ پتھر کا کیڑا چاروں طرف بند چٹان کے اندر اپنی خوراک لے رہا ہے، مرغی کا بچہ انڈے میں پل رہا ہے، مچھلیاں دریا میں، پرندے فضا میں اور درندے صحرا میں اپنی اپنی خوراک لے رہے ہیں اور اپنے ماحول میں مطمئن اور خوش وخرم دکھائی دیتے ہیں۔ ہر دانہ اپنی آغوش میں زندگی اور ہر بیج اپنے سینے میں نشوونما کا سامان لیے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ پھول کی کلی کو جس ہوا اور فضا کی ضرورت ہے اسے مہیا کی جا رہی ہے۔ زندگی کے لیے ہوا اور پانی اس قدر لازمی جُز ہیں کہ ان کے بغیر زندگی لمحوں کی مہمان ہوتی ہے۔ یہ اتنے ارزاں اور وافر ہیں کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے قرآن نے اللہ کی ہستی کا تعارف رب اور اس کے نظامِ ربوبیت سے بات کا آغاز کیا ہے تاکہ انسان کا وجدان پکار اٹھے کہ مجھے اس ہستی کا شکر ادا کرنا اور تابع فرمان رہنا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اور یہ نظام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کسی منتظم کے بغیر جاری اور قائم نہیں رہ سکتا ایک زندہ ضمیر شخص جب اپنے چاروں طرف رب کی ربوبیت کے اثرات ونشانات دیکھتا ہے تو اس کے دل کا ایک ایک گوشہ پکار اٹھتا ہے۔

{ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝۱۴ } (المؤمنون:۱۴)

''اللہ تعالیٰ برکت والا اور بہترین پیدا کرنے والا ہے۔''

مانگنے کا صحیح طریقہ اور اسلامی تہذیب کا جزو لازم ہے کہ انسان ہر حال میں اپنے رب کا حمد خواں اور شکر گزار رہے۔ حمد گوئی سے یہ بات خود بخود ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی عطا اور ملکیت ہے اور انسان انتہائی ناتواں اور بے بس ہے۔ اس سے انسان کے دل میں یہ عقیدہ بھی جڑ پکڑتا ہے کہ جمال وکمال کسی کا اپنا نہیں بلکہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے۔ اس لیے حقیقی اور ہمہ وقتی حمد وستائش اسی مالک کو زیبا ہے۔ پھر مالک بھی ایسا جو صرف انسانوں اور جنات کا ہی نہیں وہ تو حیوانات، جمادات، نباتات حتیٰ کہ ارض وسمٰوٰت کا رب ہے۔ جو ابتدا سے انتہا تک ہر چیز کی ضرورت کو کمالِ رحمت اور ربوبیت سے پورا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر رہا ہے۔حمد میں دوسرے کی ذات کی بڑائی اور اس کے احسانات کا احساس واعتراف پایا جاتا ہے۔قرآنِ مجید ابتدا ہی میں انسان کو یہ باور کرواتا ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے رب کی تعریف وتوصیف اور حمد وشکر بیان کرنے میں لگا ہوا ہے۔

{ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ } (الحشر:۱)

''زمین وآسمان میں موجود ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

اے انسان! اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے تجھے مانگنے سے پہلے اپنے رب کی حمد وشکر اور اس کی عنایت وعطا کا اعتراف کرتے ہوئے پہلے اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ شکر گزار ہی تابع فرمان ہوا کرتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا یوں بیان کیا کرتے تھے:

((أَللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَآ أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ)) (رواه مسلم: باب مايقال في الركوع والسجود)

''اے اللہ! میں تیری رضامندی کے ذریعے تیری ناراضی سے اور تیری معافی کے ذریعے تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں میں اس طرح تیری تعریف نہیں کر سکتا جس طرح تیری شایانِ شان ہے۔''

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ))

(رواه مسلم: كتاب الذكر والدعاء والتوبة والإستغفار، باب التسبيح أول النهار وعند النوم)

''اللہ کی پاکی اس کی تعریف کے ساتھ اس کی مخلوق کی تعداد، اس کے نفس کی رضا، اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی مقدار کے برابر۔''

مسائل

۱۔ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کی حمد وستائش کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے:

۱۔ تمام تعریفیں جہانوں کو پالنے والے کے لیے ہیں۔(الانعام:۴۵) ۲۔ اللہ کی حمد وثنا بیان کرنا مومنوں کی صفت ہے۔(التوبۃ:۱۱۲) ۳۔ صبح وشام اللہ کی حمد بیان کرنے کا حکم ہے۔(فاطر:۵۵) ۴۔ بجلی کی کڑک اور فرشتے بھی اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔(الرعد:۱۳) ۵۔ کائنات کی ہر چیز اللہ کی ثنا خواں ہے۔(بنی اسرائیل:۴۴)



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾

بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا

''بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔''(۲)

فہم القرآن

رحمن فعلان کے وزن پر مبالغے یعنی سپر ڈگری (Super Degree) اور رحیم فعیل کے وزن پر اسم صفت مشبہ کے صیغے ہیں۔ اہلِ علم کے نزدیک رحمن کی صفت سب کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا صرف مومنوں کے لیے خاص ہے۔

الرَّحْمٰنِ: لامتناہی اور رحمتِ مجسم کا ترجمان ہے اور لفظ ''**الرَّحِيْمِ**'' کائنات پر نازل ہونے والی مسلسل اور دائمی رحمت کی ترجمانی کرتا ہے۔

اس لحاظ سے معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ''اللہ'' بے انتہا مہربان، ہمہ وقت اور ہر حال میں رحم فرمانے والا ہے فرق یہ ہے کہ رحیم کسی مشفق شخصیت کو کہا جاسکتا ہے مگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ''الرحمن'' کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحیمیت کسی اضطرار اور مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اس کی رحمانیت کا عین تقاضا ہے۔ اس صفت کا تذکرہ قرآنِ مجید میں مختلف الفاظ اور انداز میں پایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جس قدر سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے لیکن جب اللہ کے حضور یہ کہتے ہوئے آب دیدہ ہوتا ہے کہ الٰہی! میرے جرائم اور خطاؤں کی آندھیوں نے میرے گلشنِ حیات کو برباد کردیا ہے۔ جس طرح تو ویران وادیوں، تپتے ہوئے صحراؤں اور اجڑے ہوئے باغوں کو اپنے کرم کی بارش سے سرسبز وشاداب بنادیتا ہے اسی طرح مجھے بھی حیاتِ نو سے ہمکنار کردے۔ بندۂ مومن کی عاجزی اور سرافگندگی پر رحمن ورحیم کی رحمت کے سمندر میں ایک تلاطم برپا ہوجاتا ہے جس کی وسعتوں کا تذکرہ رسولِ کریم ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی رحمت اس قدر وسیع وعریض ہے جیسے بحرِ بیکراں میں سوئی ڈبو کر نکال لی جائے تو اس سے سمندر کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے ہی کائنات کے تمام جن وانس کی حاجات اور تمناؤں کو پورا کردیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سمندر میں سوئی ڈبو کر باہر نکال لینے کے برابر بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم)

اللہ تعالیٰ معافی اور درگزر سے کام لیتا ہے کیونکہ اس نے ابتدائے آفرینش سے لکھ رکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ)

مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری رحمت وشفقت ہر آن ان کے قریب رہتی ہے۔

{ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ } (الأعراف:۱۵۶)

''میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔''

{ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ } (الأنعام:۵۴)

''تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَنْ يُّدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوْا وَلَآ أَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلَآ أَنَا إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَّرَحْمَةٍ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَلَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَّزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَّسْتَعْتِبَ))

(رواہ البخاری: کتاب المرضٰی، باب تمنی المریض الموت)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ کسی کو اس کے عمل جنت میں داخل نہیں کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے پاک نبی! آپ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے مجھے نواز دے۔ اس لیے میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب چلو۔ تم میں کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ وہ نیک ہوگا تو اس کے اعمال میں اضافہ ہو جائے گا۔ اگر وہ برا ہے تو ممکن ہے وہ توبہ کر لے۔''

رسولِ اکرم ﷺ کی دعا:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ))

(رواہ ابو داؤد: کتاب النوم، باب مایقول إذا أصبح [حسن])

''اے اللہ! میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں مجھے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا اور میرے سب کاموں کی اصلاح فرما تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ ۲۔ اللہ کی شفقت و مہربانی نے زمین و آسمان کا احاطہ کر رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعتیں:

۱۔ اللہ ایک ہے بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۳)

۲۔ سب کچھ جاننے کے باوجود نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ (الحشر: ۲۲)

۳۔ اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (الاعراف: ۱۵۶)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر مہربانی کرنا از خود اپنے آپ پر لازم قرار دے لیا ہے۔ (الانعام: ۵۴)

۵۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر: ۵۳)

۶۔ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہوا کرتی ہے۔ (الاعراف: ۵۶)

۷۔ اللہ کی رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ (المؤمن: ۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

مالک	دن	بدلہ

''قیامت کے دن کا مالک ہے۔'' (۳)

فہم القرآن

اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت جو بیان ہورہی ہے وہ قرآنِ مجید کا تیسرا مرکزی مضمون ہے۔ اللہ جزاء وسزا کے دن کا مالک ہے۔ قیامت کے دن پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائد اور اس کی ابتدائی تعلیم میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت یعنی اس کی اَن گنت نعمتوں اور بے پایاں رحمتوں کے تذکرے کے بعد ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ کہیں انسان اس کی رحمت وشفقت دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجائے کہ مجھے میرے کیے دھرے پر پوچھا ہی نہیں جائے گا اور انسان کو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس فرمان میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اے انسان! نا صرف تجھے موت آنی ہے بلکہ موت کے بعد تُو اٹھایا اور اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا پھر تجھے اپنی ایک ایک حرکت اور عمل کا پورا پورا حساب دینا ہے اور جزا یا سزا سے تیرا واسطہ پڑنا ہے۔ قرآن مجید کے عظیم مفسر اور نکتہ دان حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم اعظم کے ساتھ چار صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ جس میں یہ واضح کیا ہے کہ اے انسان! میں ہی وہ اللہ ہوں جس نے تجھے پیدا کیا اور میں ہی اپنی آغوشِ نعمت میں تیری پرورش کرتا ہوں۔ تجھ سے کوئی خطا ہوجائے تو بے پایاں رحمت کے ساتھ تیری پردہ پوشی کرتا ہوں۔ جب تو میری بارگاہ میں معذرت پیش کرتا ہے تو میں ہی تیری خطاؤں کو معاف کرنے والا ہوں۔ ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کی صفت میں یہ اشارہ دیا ہے کہ نیک اعمال کے بدلے قیامت کے دن تجھے پوری پوری جزائے خیر سے نوازا جائے گا۔

مالک کا لفظ استعمال فرما کر یہ واضح کردیا گیا کہ اس دن کا برپا ہونا بدیہی امر ہے۔ اس دن نیک وبد کو سزا دلوانے یا معاف کروانے کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا۔ بڑے بڑے سرکش اور نافرمان خمیدہ کمر اور سر جھکائے ربِ کبریا کی عدالت میں ذلت ورسوائی کی حالت میں پیش کئے جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دوسرا عکس ہے کیونکہ اس کے بغیر نیکوں کو پوری پوری جزا اور نافرمانوں کو ٹھیک ٹھیک سزا نہیں مل سکتی۔ اس لیے عقیدۂ آخرت ایمان کا اہم جز قرار پایا ہے۔ اس دن انبیائے کرام علیہم السلام بھی نفسا نفسی کے عالم میں ہوں گے اور ربِ ذوالجلال دنیا کے سفاک، ظالم اور متکبر حکمرانوں اور انسانوں کو اس طرح خطاب کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کو یکجا کرکے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمائیں گے کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ ظالم وسفاک اور نخوت وغرور رکھنے والے آج کہاں ہیں؟

((يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ)) (رواہ مسلم: کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین کے معانی:

اطاعت وبندگی۔(الزمر:۱۱) شریعت:(یونس:۱۰۴) قانون:(یوسف:۷۶)

حکمرانی:(المومن:۵۶) جزاءوسزا(بدلہ):(الذاریات:۶)

مسائل

۱۔ قیامت کے برپا ہونے میں کوئی شک نہیں اس دن نیکوں کو جزااور بروں کوسزا ملے گی۔

۲۔ قیامت کے دن پرایمان لانا فرض ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت برپا ہوکر رہے گی:

۱۔ قیامت قریب ہے۔(الحج:۱)

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ آج کس کی بادشاہی ہے؟۔(المومن:۱۶)

۳۔ قیامت کے دن کوئی کسی کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔(الانفطار:۱۹)

۴۔ قیامت کے دن ''اللہ'' ہی کی بادشاہی ہوگی۔(الفرقان:۲۶)

۵۔ قیامت کے دن ''اللہ'' ہی فیصلے صادر فرمائے گا۔(الحج:۵۶)

مختلف مراحل کے حوالے سے قیامت کے اہم ترین نام:

۱۔اَلسَّاعَةُ (الاعراف:۱۸۷)	گھڑی (مقرر وقت)
۲۔یَوْمُ الْقِیَامَةِ (البقرۃ:۱۱۳)	کھڑے ہونے کا دن (مُردوں کے کھڑے ہونے کا دن)
۳۔اَلْیَوْمُ الْحَقُّ (النباء:۳۹)	سچا دن (جس کے آنے میں نہ کوئی شک ہے اور نہ اس دن کسی فیصلہ میں کوئی غلطی ہوگی)
۴۔یَوْمٌ مَّعْلُوْمٌ (الشعراء:۳۸)	جانا ہوا دن یا مقررہ دن
۵۔اَلْوَقْتُ الْمَعْلُوْمُ (الحجر:۳۸)	جانا ہوا وقت یا مقررہ وقت
۶۔اَلْیَوْمُ الْمَوْعُوْدُ (البروج:۲)	وعدے کا دن
۷۔اَلْیَوْمُ الْاٰخِرُ (النساء:۳۸)	آخری دن
۸۔یَوْمُ الْاٰزِفَةِ (المومن:۱۸)	قریب آنے والی مصیبت کا دن
۹۔یَوْمٌ عَسِیْرٌ (المدثر:۹)	سخت دن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔یَوْمٌ عَظِیْمٌ (الانعام:۱۵)	بڑا دن
۱۱۔یَوْمٌ عَصِیْبٌ (ھود:۷۷)	سخت دن
۱۲۔یَوْمُ الْبَعْثِ (الروم:۵۶)	جی اٹھنے کا دن
۱۳۔یَوْمُ التَّلَاقِ (المومن:۱۵)	باہم ملنے کا دن
۱۴۔یَوْمُ التَّنَادِ (المومن:۳۲)	پکار کا دن
۱۵۔یَوْمُ الْجَمْعِ (الشوری:۷)	اکٹھا ہونے کا دن
۱۶۔یَوْمُ الْحِسَابِ (صٓ:۱۶)	حساب کا دن
۱۷۔یَوْمُ الْحَسْرَةِ (مریم:۳۹)	حسرت کا دن
۱۸۔یَوْمُ الْخُرُوْجِ (قٓ:۴۲)	(قبروں سے) نکلنے کا دن
۱۹۔یَوْمُ الْفَصْلِ (الدخان:۴)	فیصلے کا دن
۲۰۔اَلْقَارِعَةُ (القارعة:۱)	کھٹکھٹانے والی
۲۱۔اَلْغَاشِیَةُ (الغاشیة:۱)	چھا جانے والی
۲۲۔اَلطَّآمَّةُ الْکُبْرٰی (النازعات:۳۴)	بڑی مصیبت
۲۳۔اَلنَّبَاُ الْعَظِیْمُ (النباء:۲)	بڑی خبر
۲۴۔اَلْحَآقَّةُ (الحاقة:۱)	ضرور آنے والی گھڑی
۲۵۔اَلْوَعْدُ (الانبیاء:۳۸)	وعدہ
۲۶۔اَلْوَاقِعَةُ (الواقعة:۱)	وقوع پذیر ہونے والی
۲۷۔اَمْرُ اللّٰهِ (الحدید:۱۴)	اللہ کا حکم
۲۸۔اَلصَّآخَّةُ (عبس:۳۴)	بہرہ کرنے والی گھڑی
۲۹۔یَوْمُ الدِّیْنِ (الفاتحة:۳)	بدلے کا دن
۳۰۔یَوْمٌ کَبِیْرٌ (ھود:۳)	بڑا دن
۳۱۔یَوْمٌ اَلِیْمٌ (ھود:۲۶)	دردناک دن
۳۲۔یَوْمٌ مُّحِیْطٌ (ھود:۸۴)	گھیرنے والا دن
۳۳۔یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (ھود:۱۰۳)	حاضری کا دن



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔'' (۴)

فہم القرآن

''اللہ'' کے حضور نمازی غلامانہ انداز میں ہاتھ باندھ کر اور سراپا عجز و انکساری کے ساتھ اس بات کا اقرار اور اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ اے اللہ! تو ہی میرا معبود ہے اس لیے میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔ اس میں نہ کسی کو سہیم سمجھتا ہوں اور نہ کسی کو آپ کے ساتھ شریک کرتا ہوں۔ نمازی یہ عہد و اقرار ابتداءً قیام کی حالت میں اور آخر میں تشہد میں بیٹھ کر کرتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ابتدا میں اس نے جامع الفاظ میں اقرار کیا تھا اور تشہد میں فقیروں کی طرح دامن پھیلا کر عرض کرتا ہے کہ میری تمام مناجات و عبادات اور نذر و نیاز اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہیں۔

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ)) (رواہ البخاری: باب التَّشَهُّدِ فِی الآخِرَةِ)

''ہمہ قسم کی لسانی، بدنی اور مالی عبادات اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

یہی وہ مطالبہ ہے جو رسالت مآب ﷺ کی زبانِ اطہر سے کروایا گیا ہے۔ اس میں یہ تقاضا بھی کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت نہایت اخلاص اور بلاشرکتِ غیرے ہونی چاہیے۔

{ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ } (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

''آپ اعلان کریں! یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت ''اللہ'' رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کرنے والا ہوں۔''

اس کے بعد مومن دل کی اتھاہ گہرائیوں اور انتہائی عاجزی کے ساتھ عرض گزار ہوتا ہے کہ الٰہی! یہ حاضری اور عاجزی تیری توفیق اور عنایت کا نتیجہ ہے کیونکہ کتنے ہی انسان ہیں جو صحت، فرصت اور تونگری کے باوجود تیری بارگاہ میں حاضر ہونے کی سعادت نہیں پاتے۔ اے اللہ! تیری مدد ہمیشہ میرے شاملِ حال رہے۔ میرا ایمان ہے کہ تیرے بغیر کوئی میری مدد نہیں کرسکتا۔ لہٰذا میں ہر دم تجھ سے مدد کا طلبگار اور تیری دستگیری کا خواستگار ہوں۔ میرا تیرے حضور یہ عہد ہے کہ میں تجھے مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہوئے تجھ ہی سے نصرت و حمایت کا طلبگار رہوں گا کیونکہ تو داتا ہے میں محتاج، تو غنی ہے میں تیرے در کا فقیر، تو بے نیاز ہے میں نیاز مند، تو بادشاہ ہے میں فقیر بے نوا اس لیے میری مدد فرما۔ میں تیری دستگیری اور مدد کے بغیر نہ اپنا ایمان سلامت رکھ سکتا ہوں اور نہ اپنی عزت و جان کی حفاظت کرسکتا ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی عقیدہ رسولِ گرامی ﷺ نے سکھلایا اور اسی عقیدہ کو نماز کے بعد دعا کی صورت میں دہراتے اور مانگتے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ...)) (بخاری: باب الذکر بعد الصلوۃ)

''اے اللہ! جو چیز تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو نہ دے اسے کوئی دینے والا نہیں۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ إِنِّيْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔))

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب منہ [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں رسولِ کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا آپ ﷺ نے فرمایا: بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں۔ اللہ کو یاد رکھنا وہ تجھے یاد رکھے گا، تو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے گا تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر، جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کر اور یقین رکھ کہ اگر پوری مخلوق تجھے کچھ نفع دینے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ اتنا ہی نفع دے سکتی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے نقصان پہنچانے پر تل جائے تو تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیرے حق میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھالی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔''

مسائل

۱۔ ہر شخص کو صرف اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے مدد کا طلب گار ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے:

۱۔ جنوں اور انسانوں کو اللہ نے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ (الذّاریات: ۵۶)

۲۔ ہر رسول، اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا تھا۔ (النحل: ۳۶)

۳۔ اللہ ہی کے لیے رکوع و سجود اور ہر عبادت ہونی چاہیے۔ (الحج: ۷۷)

۴۔ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ (النساء: ۳۶) ۵۔ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرنی چاہیے۔ (الزمر: ۲)

۶۔ اللہ کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ (الانفال: ۱۰) ۷۔ اللہ ہی سے مدد مانگنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۴۵)

۸۔ اللہ تعالیٰ غنی اور کائنات کے سارے انسان اس کے در کے فقیر ہیں۔ (فاطر: ۱۵)

۹۔ مدد کرنے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ (النساء: ۴۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵

ہمیں ہدایت عطا فرما	راستہ	سیدھا

''ہمیں سیدھے راستے کی راہنمائی فرما''

فہم القرآن

اہلِ علم نے ہدایت کے مدارج کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں لیکن بنیادی طور پر اس کی چار اقسام ہیں: ① طبعی اور فطری ہدایت ② الہامی ہدایت ③ توفیقی ہدایت ④ ہدایت وحی۔

طبعی اور فطری ہدایت:

چاند، سورج اور سیارے طبعی رہنمائی کے مطابق اپنے مدار میں رواں دواں ہیں۔ ہوائیں اسی اصول کی روشنی میں رخ بدلتی اور چلتی ہیں۔ بادل فطری رہنمائی سے ہی راستے تبدیل کرتے اور برستے ہیں حتیٰ کہ اسی اصول کے تحت درخت روشنی کی تلاش میں ایک دوسرے سے اوپر نکلتے ہیں۔ فطری ہدایت کے مطابق ہی مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی ماں کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، بطخ کا بچہ خود بخود پانی کی طرف چلتا اور انسان کا نومولود ماں کی چھاتی کے ساتھ چمٹتا ہے۔ اس طبعی اور فطری ہدایت کی قرآن نے اس طرح رہنمائی فرمائی ہے:

{ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰ } (البلد:۱۰)

''ہم نے اسے دو واضح راستے دکھا دیئے۔''

الہامی ہدایت:

الہام وحی کی ایک قسم ہے لیکن وحی اور الہام میں فرق یہ ہے کہ وحی صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے جب کہ الہام انبیاء کے علاوہ نیک اور عام آدمی حتیٰ کہ قرآنِ مجید نے شہد کی مکھیوں کے لیے بھی وحی یعنی الہام کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کوئی بات القا فرما دیتا ہے۔ اسے ہدایتِ وہبی بھی کہا جاتا ہے۔

ہدایت بمعنیٰ توفیق اور استقامت:

ہدایت کی تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت اور توفیق سے اپنے بندے کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے۔

((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ)) (رواہ الترمذی: کتاب الدعوات [صحیح])

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔''

((اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَأَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ)) (رواہ الترمذی: باب ماء فی جامع الدعوات [حسن])

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اے اللہ! میری راہنمائی فرما اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ فرما۔''

وحی اور حقیقی ہدایت:

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس ہدایت کی دو شکلیں ہیں اور دونوں آپس میں لازم وملزوم اور ضروری ہیں۔ ایک ہدایت ہے ہر نیکی کی ظاہری حالت اور اس کی ادائیگی کا طریقہ جو ہر حال میں سنتِ نبوی کے مطابق ہونا چاہیے، دوسری اس کی روح اور اصل۔ اسے قرآن نے اخلاص سے تعبیر فرمایا ہے۔

اخلاص کے اثرات دل پر اثر انداز ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوگی جس کا بدلہ جنّت ہے۔ کردار پر مرتب ہوں گے تو نفس اور معاشرے میں پاکیزگی پیدا ہوگی جس سے آدمی کو دنیا میں نیک نامی اور کامیابی حاصل ہوگی۔ بندہ اللہ کے حضور ہاتھ باندھے، نظریں جھکائے، نہایت عاجزی اور بے بسی کے عالم میں عرض کرتا ہے۔ میرے خالق و مالک! میں تیری بارگاہ میں عرض گزار ہوں کہ میں دنیا کی رزم گاہ میں کمزور اور ناتواں ہوں۔ میرا دشمن بڑا ذلیل، طاقت ور، عیّار اور چالاک ہے جو چاروں طرف سے اپنے لشکروں کے ساتھ ہر آن مجھ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ اور میں اسے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ وہ ہر دم مجھے پھسلانے کے درپے ہے۔ تیری دست گیری اور رہنمائی کے بغیر نہ میں اس کا مقابلہ کر سکتا ہوں اور نہ ہی سیدھی راہ پر گامزن رہ سکتا ہوں۔ دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں، مسائل کے طوفانوں اور مشکلات کے جھکڑوں میں میری عاجزانہ درخواست ہے کہ مجھے لمحہ لمحہ اور قدم قدم پر صراطِ مستقیم کی رہنمائی اور اس پر ثابت قدمی کی توفیق نصیب فرما۔

مومن اپنے ساتھ دوسروں کے لیے بھی ہدایت اور مدد کا طالب ہوتا ہے تاکہ ایک فرد کی بجائے ہدایت یافتہ لوگوں کا ایک قافلہ اور کارواں ہوتا کہ شیطانی لشکروں کا مقابلہ کرنا اور غلبۂ دین آسان ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کو گفتگو کا ملکہ اور ایسا معجزانہ اسلوب عنایت فرمایا تھا جو بنی نوعِ انسان میں کسی کو نہ حاصل ہوا نہ ہوگا۔ آپ نے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل چند الفاظ اور انتہائی سادہ انداز میں بیان فرما دیے ہیں۔ لیکن صراطِ مستقیم کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر اس مسئلہ کو ایک نقشہ کے ذریعے سمجھانے کا طریقہ اختیار فرمایا تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَطًّا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ مُسْتَقِيْمًا قَالَ ثُمَّ خَطَّ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰذِهِ السُّبُلُ وَلَيْسَ مِنْهَا سَبِيْلٌ إِلَّا عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُوْ إِلَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ {وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ}))(رواہ احمد: باب مسند عبداللہ بن مسعود [حسن])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک لکیر کھینچی پھر فرمایا یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے پھر اس کے دائیں اور بائیں خط کھینچ کر فرمایا یہ راستے ہیں۔ ان میں ہر ایک پر شیطان کھڑا ہے اور وہ اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی {بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلتے رہنا اور پگڈنڈیوں پر نہ چلنا}۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآنِ مجید نے اس راستے کو نبی ﷺ کا راستہ قرار دیا اور اسے بصیرت سے تعبیر کیا ہے۔

{ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ } (یوسف:۱۰۸)

''آپ فرما دیجئے! یہ میرا راستہ ہے میں اور میرے پیروکار بصیرت کی بنیاد پر اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔''

((عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذِهٖ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا قَالَ قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَآءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ إِلَّا هَالِكٌ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ حَيْثُمَا قِيْدَ انْقَادَ))

(رواہ ابن ماجۃ: کتاب المقدمۃ، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین [صحیح])

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسا وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل ڈر گئے ہم نے کہا اللہ کے رسول یقیناً یہ تو الوداعی وعظ لگتا ہے لہٰذا آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں واضح دین پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی مانند ہے ہلاک ہونے والے کے علاوہ کوئی اس سے نہیں ہٹے گا تم میں سے جو زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ تم پر جو میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ پر چلنا لازم ہے اسے داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑنا اور امیر کی اطاعت کرتے رہنا اگرچہ وہ حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ مومن نکیل والے اونٹ کی طرح ہوتا ہے اسے جہاں بھی لے جایا جائے وہ جاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ہر لمحہ اور ہر قدم پر صراطِ مستقیم کی درخواست کرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صراطِ مستقیم:

۱۔ صراطِ مستقیم کی بنیاد۔ (آل عمران:۱۰۱) ۲۔ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا صراطِ مستقیم ہے۔ (آلِ عمران:۵۱)
۳۔ صراطِ مستقیم کے سنگ میل۔ (الانعام:۱۵۱ تا ۱۵۳) ۴۔ ہر کسی کو صراطِ مستقیم کی ہی دعوت دینا چاہیے۔ (الانعام:۱۵۳)
۵۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا صراطِ مستقیم پر ہے۔ (یٰس:۶۱) ۶۔ صراطِ مستقیم کی ہی پیروی کرو۔ (الانعام:۱۵۳)
۷۔ اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (الحج:۵۴)
۸۔ اللہ ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔ (الشوریٰ:۵۲) ۹۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۱۳)
۱۰۔ نبی اکرم ﷺ صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ (الشوریٰ:۵۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

راستہ	ان لوگوں کا تو نے انعام کیا	اُن پر	نہ	غضب کیا گیا	ان پر اور نہ جو گمراہ ہوئے

''ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا سوائے ان کے راستے کے جن پر غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہوئے۔''(۷)

فہم القرآن

اب انعام یافتہ اور ہدایت یافتہ جماعت کا راستہ، ان کے ساتھ محبت اور ان کی معیت کی درخواست کی جاتی ہے جب کہ دوسرے گروہ سے اجتناب اور نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جس کارواں کے راستہ کی دعا کی جارہی ہے وہ محض عقیدت کی بنیاد پر ہی نہیں بلکہ ان کے کردار اور اعلیٰ مقام کی وجہ سے ہے۔ جو خدا کے فرستادہ، پسندیدہ اور انعام یافتہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں ان پر سب سے بڑا انعام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پیغام اور کام کے لیے منتخب فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو سیدھا راستہ بتلائیں اور اس پر چل کر دکھائیں۔ اس قافلۂ قدسیہ کے معزز افراد ایک مشن کے داعی، خاندانِ نبوت کے افراد اور رشتۂ رسالت کے حوالے سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالْأَنْبِيَآءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ))(رواہ البخاری: باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم)

''لوگو! میں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ قریب ہوں اور انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں جدا جدا ہیں لیکن دین ایک ہے۔''

انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ:

{ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ } (النساء:۶۹)

''تو وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ۔ رفیق ہونے کے لحاظ سے یہ لوگ کتنے اچھے ہیں۔''

پہلے انبیاء کی نبوتوں اور شخصیتوں کی تائید کرنا ہمارے لیے ضروری اور ہمارے ایمان کا حصہ ہے لیکن سمع وطاعت صرف نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی کرنا ہوگی۔ اس سے اس نظریہ کی از خود نفی ہوجاتی ہے جو رسالت مآب ﷺ کے ارشادات کے مقابلہ میں کسی نبی یا شخصیت کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ فاتحہ کے آخر میں جس گروہ سے نفرت کا اظہار اور جن کی عادات اور رسومات سے بچنے کی دعا کی جارہی ہے وہ صرف گروہ بندی کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان سے اس لیے الگ رہنا ہے کہ وہ اپنی بے اعتدالیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کے غضب کے سزاوار ٹھہرے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''آمین'':

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِينُهُ تَامِينَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))(رواہ البخاری: کتاب الأذان،باب جھر الإمام بالتأمین)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے ہم آہنگ ہوگئی اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیے گئے۔''

آمین کی فضیلت واہمیت:

((عَنْ أَبِي مُصَبِّحٍ الْمَقْرَائِيِّ قَالَ كُنَّا نَجْلِسُ إِلٰى أَبِي زُهَيْرٍ النُّمَيْرِيِّ وَكَانَ مِنَ الصَّحَابَةِ فَيَتَحَدَّثُ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ فَإِذَا دَعَا الرَّجُلُ مِنَّا بِدُعَاءٍ قَالَ اخْتِمْهُ بِآمِينَ فَإِنَّ آمِينَ مِثْلُ الطَّابِعِ عَلَى الصَّحِيفَةِ))(رواہ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ،باب التأمین وراء الإمام[ضعیف])

''حضرت ابو مصبح المقرائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ کے ہاں بیٹھے تھے جو صحابی تھے وہ اچھی اچھی باتیں بیان کرتے تھے۔ہم میں سے ایک آدمی نے دعا شروع کی تو صحابی نے فرمایا دعا ''آمین'' کے ساتھ ختم کرو کیونکہ دعا کو آمین کے ساتھ ختم کرنا ایسے ہی ہے جیسے خط پر مہر لگا دی جائے۔''

سورہ فاتحہ کی آیات کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کا حصہ ہے اور یہی ساتویں آیت ہے اور اس کا پڑھنا واجب ہے۔لیکن راجح قول کے مطابق بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا حصہ نہیں بلکہ ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ''الگ آیت ہے اور ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ''الگ آیت ہے۔(دیکھیے ایسر التفاسیر جلد ا صفحہ ۱۰)

مسائل

۱۔ صراطِ مستقیم کے ساتھ دنیا اور آخرت میں انعام یافتہ لوگوں کی رفاقت کی دعا کرنا چاہیے۔

۲۔ مغضوب لوگوں کے طریقے سے اجتناب کرنا اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ مانگنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انعام یافتہ اور مغضوب لوگ:

۱۔ انبیاء،صدیق،شہداء اور صالحین انعام یافتہ لوگ ہیں۔(النساء:۶۹)

۲۔ حضرت آدم،نوح،ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام انعام یافتہ حضرات تھے۔(مریم:۵۸)

۳۔ مشرکوں پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔(الاعراف:۱۵۲) ۴۔بنی اسرائیل مغضوب لوگ ہیں۔(البقرۃ:۶۱)

۵۔ مغضوب لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔(الفتح:۶) ۶۔گمراہ اور مغضوب کو دلی دوست نہیں بنانا چاہیے۔(الممتحنۃ:۱۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۃ البقرۃ کا تعارف

''سورۃ البقرۃ'' کے چالیس رکوع اور دو سو چھیاسی آیات، چھ ہزار اکتیس الفاظ اور بیس ہزار حروف بنتے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی چند آیات کے سوا باقی تمام آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ اس میں بنی اسرائیل کے ایک مقتول کو دوسرے مقتول یعنی ذبیحہ گائے کے ذریعہ زندہ کیا گیا۔ جس سے بنی اسرائیل کے اندھے قتل کا فیصلہ سنایا گیا ہے اس لیے اس سورۃ کا نام ''البقرۃ'' قرار پایا۔ اس میں شرک کی نفی اور موت کے بعد جی اٹھنے کے عملی ثبوت پیش کیے گئے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کے بارے میں دوٹوک الفاظ میں بتایا ہے کہ اس کے من جانب اللہ ہونے، رشد و ہدایت اور اس کی رہنمائی میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش اور نقصان کا اندیشہ نہیں لیکن اس سے وہی لوگ مستفید ہو پائیں گے جو اپنے رب کی رہنمائی کی چاہت، پیروی اور اس کی ممنوع کردہ چیزوں کو مسترد کریں گے۔ اس کے بعد ایمان اور اسلام کے بنیادی ارکان اور ان پر عمل کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ قرآن مجید کا انکار کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا اور رسول اللہ ﷺ کو فرمایا ہے کہ خدا کے منکروں کو جس طرح چاہیں سمجھائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

بعد ازاں متذبذب اور دو غلے کردار کے حامل اور مفاد پرست لوگوں کی نشان دہی اور ان کے انجام کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ یہ خطرناک، کذاب اور مسلمانوں کی آستینوں کے سانپ ہیں۔ ان سے بچ کر رہنا اور یہ دھوکہ باز اور ابن الوقت اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے۔ اس کے بعد قرآنِ مجید اور انبیاء کی دعوت یعنی اللہ کی توحید اور اس کے ایسے آفاقی اور ٹھوس دلائل دیئے ہیں۔ جن سے شہری، دیہاتی، ان پڑھ، تعلیم یافتہ غرض کہ ہر انسان کو واسطہ پڑتا ہے اور وہ ان سے استفادہ کرتا ہے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ زمین و آسمان اور دنیا و مافیہا کی چیزوں کو بنانے اور سجانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ ان دلائل کے بعد ہر انسان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اسے صرف ایک رب کی عبادت کرنا چاہیے پھر قرآنِ مجید کے بارے میں چیلنج دیا ہے کہ اگر تمہیں اس کے من جانب اللہ ہونے میں شک ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا سب مل کر کوئی ایک سورت بنا لاؤ۔

چوتھے رکوع میں آدم علیہ السلام کے مقام و مرتبہ بیان کے بعد شیطان کی شرارتوں اور سازشوں اور حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اس کی عداوت اور کش مکش کا ذکر کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کے پھسلنے اور ان کو زمین پر بھیجنے کا مقصد واضح فرمایا ہے کہ اگر شیطان کی شیطنت اور دنیا و آخرت کے خوف و خطر سے بچنا اور اپنا کھویا ہوا مقام جنت حاصل کرنا چاہتے ہو تو صرف اور صرف اللہ کی ہدایات کی پیروی کرتے رہنا۔ جس سے تمہیں دنیا میں امن نصیب ہوگا اور آخرت کے خوف و غم سے مامون ہو جاؤ گے۔

پھر دنیا کی اقوام میں ایک معزز اور منفرد قوم کے عروج و زوال کے اسباب کا نہایت ہی تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے اس پر ناصحانہ انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے سیاسی، جہادی اور مذہبی پیشواؤں کے کردار پر روشنی ڈالی گئی کہ وہ اس قدر دین کی حقیقت اور اخلاق کی دولت سے تہی دامن ہوئے کہ انہوں نے دین و اخلاق کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بنا لیا۔ پھر بنی اسرائیل کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی پستیوں کی نشاندہی فرمائی کہ جس وقت بنی اسرائیل پستیوں کا شکار ہوئے اور جب کبھی انہیں اپنی عزتِ رفتہ کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے کردار کو سنوارنے اور جدوجہد کا راستہ اپنانے کے بجائے جادو ٹونے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذریعے عزت وعظمت کو پانے کی کوشش کی اور پھر اس سارے دھندے کو اللہ کے عظیم پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ لگا ڈالا۔ حالانکہ جادو کفر ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہرگز کفر نہیں کرتے تھے۔ کبھی اپنے بوسیدہ اور پراگندہ خیالات کی تائید کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سہارا لینے کی کوشش کی اور مقدس شخصیات کو اپنے ہم عقیدہ ثابت کرنے کی مذموم کوششیں کیں یہاں تک کہ ان زمینی حقائق کا بھی انکار کیا جو دنیا کے سینے پر بیت اللہ، صفا و مروہ اور زمزم کی شکل میں خاندانِ ابراہیم علیہ السلام کی خدمات کا منہ بولتا ثبوت اور ان کی قبلہ گاہ ہے۔ بنی اسرائیل کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ اگر دنیا و آخرت کی بلندیوں کے طلب گار ہو تو پھر ابتلاء اور آزمائشوں کے لیے اپنے آپ کو تیار کرو کیونکہ آزمائش ایمان کی بلندی اور دنیا کی ترقی کا پیش خیمہ ہے۔ جو لوگ حق و باطل کی رزم گاہ میں شہید ہوں انہیں مردہ مت کہو کیونکہ انہوں نے عظیم مقصد کے لیے قربانی دی ہے لہٰذا وہ زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی کے بارے میں رائے زنی کرنے کی اجازت نہیں ہے اور تمہارے لیے بنی اسرائیل کے جرائم سے بچنا لازم ہے۔

اس کے بعد اس سورۂ مبارکہ میں انسانی زندگی کے مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جس میں معاشی، سماجی، جہادی، معاشرتی، اخلاقی، خاندانی اور انفرادی مسائل کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر شعبے کے لیے اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ معاشی مسائل کے حل اور ان میں ناہمواری ختم کرنے کے لیے صدقہ و خیرات کی ترغیب مؤثر اور مدلل انداز میں دیتے ہوئے فرمایا کہ غریبوں، مسکینوں اور اعزاء و اقربا کی مالی خدمت کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے جسے اللہ تعالیٰ سات سو گنا سے بھی زیادہ کر کے قیامت کے دن واپس لوٹائے گا جس دن نیکی کے علاوہ کوئی چیز کارآمد نہ ہوگی۔ صدقہ کی تحریک دینے کے بعد سود کو نہ صرف حرام قرار دیا بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ اسلام سے بڑھ کر کوئی دین غریبوں اور مستحقین کا ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ سود کے خاتمہ کے ساتھ صدقات اور تجارت کو فروغ دینے کی ترغیب دیتے ہوئے لین دین کے معاملات کو احاطۂ تحریر میں لانے کا حکم دیا۔ اس سورۃ کی ابتدا اسلام کے ارکان اور ایمان کے مدارج سے ہوئی اس کا اختتام بھی دین و ایمان کے بنیادی اصولوں پر کیا گیا ہے۔ آخر میں مومنوں کو ایک دعا سکھلائی گئی ہے کہ اپنے رب کے حضور یہ درخواست کرتے رہو کہ اے مولائے کریم! ہمارے عمل میں دانستہ و غیر دانستہ طور پر جو کوتاہی سرزد ہو تو اسے معاف اور صرفِ نظر فرماتے ہوئے کفار پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔ یہی مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائے اور دنیا میں اسلام کا پرچم سربلند رکھتے ہوئے کامیاب انسان کے طور پر زندگی بسر کرے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ)) (رواہ مسلم: باب استحباب صلوۃ النافلۃ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ بیشک اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ بقرۃ کی تلاوت کی جاتی ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ الْبَقَرَة مَدَنِيَّة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوْعُهَا — ۴۰
اٰيَاتُهَا — ۲۸۷

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الٓمّٓ ۚ ①

الف لام میم

''الٓمّٓ''(۱)

فہم القرآن

ربطِ سورۃ: فاتحہ دعا ہے اور قرآن اس کا جواب، فاتحہ خلاصہ ہے اور قرآن اس کی تفصیل۔

اپنے حجم اور مضامین کے لحاظ سے یہ فرقانِ حمید کی سب سے بڑی سورت ہے۔ ''الٓمّٓ'' حروف مقطعات ہیں جن کے مفسرین نے اپنی اپنی فہم و دانش کے مطابق کئی معانی لکھے ہیں جن کی تفصیل مختلف تفاسیر میں موجود ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی قسموں میں سے قسمیں ہیں۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں ''الٓمّٓ'' اللہ تعالیٰ کے اسمائے اعظم میں سے ہے۔ جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ قرآن کے اعجاز کا نمونہ ہیں۔

لیکن اس بات پر تمام اہل علم متفق ہیں کہ ان حروف کا کوئی معنیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں البتہ جو مفہوم عقل کے قریب تر نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں اہلِ زبان حروفِ مقطعات کا استعمال کرنے کے بعد اپنی فصیح اللسانی اور شستہ کلامی کا مظاہرہ کرتے اور سامعین ان حروف کا معنیٰ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ گویا کہ صاحب زبان ایسے الفاظ طرح مصرعہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حروف کا معنیٰ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کیونکہ ان کا شریعت کے مسائل اور معاملات سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا امت کا اتفاق ہے کہ ان حروف کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ یہ قرآن مجید کا حصہ ہیں۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَآ أَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ))

(رواہ الترمذی: باب ماجاء فیمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الأجر [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ ''الف'' ایک حرف ہے اور ''لام'' ایک حرف ہے ''اور ''میم'' ایک حرف ہے۔''

''الٓمّٓ'' چھ سورتوں کی ابتدا میں استعمال ہوا ہے۔ البقرۃ، آل عمران، العنکبوت، الروم، لقمان، السجدۃ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذٰلِكَ	الْكِتٰبُ	لَا	رَيْبَ ۛ	فِيْهِ ۛ	هُدًى	لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ۲
یہ	کتاب	نہیں	شک	اس میں	ہدایت	پرہیزگاروں کے لیے

''اس کتاب میں کوئی شک نہیں یہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔''(۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فاتحہ دعا ہے اور قرآن اس کا جواب، فاتحہ خلاصہ ہے اور قرآن اس کی تفصیل۔

یہ عظیم سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ یہاں یہود و نصاریٰ آپ کے مخاطبین تھے۔ اس لیے ''هٰذَا'' کی بجائے اسم اشارہ بعید ''ذٰلِكَ'' استعمال کیا گیا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا بیان اور تذکرہ تم توراۃ اور انجیل میں پاتے ہو۔

''ذٰلِكَ'' کا استعمال اس لیے بھی کیا گیا ہے کہ اس زمانے میں اہلِ عرب کسی عظیم چیز کی طرف توجہ دلاتے وقت دُور کا اشارہ قریب کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ اِس دور میں اہلِ فارس بھی اپنی زبان میں قریب چیز کے لیے دُور کے اشارات استعمال کرتے تھے اور انہی سے متاثر ہو کر اردو میں بھی آں جناب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

پہلی امتوں بالخصوص یہود و نصاریٰ نے آسمانی کتابوں میں اپنے رجحانات اور مفادات کی خاطر کئی قسم کے اضافے، التباسات اور مغالطے پیدا کر دیے تھے۔ اس وجہ سے ان کتابوں پر لوگوں کا اعتماد ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے آغاز ہی میں قرآن مجید کے بارے میں دوٹوک الفاظ میں یہ وضاحت فرما دی گئی ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے اور اس کے احکامات اور ارشادات میں کسی قسم کا شک اور تردّد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے نفاذ اور اس پر عمل کرنے سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنے سے یقیناً تمہیں دنیا اور آخرت میں بہترین نتائج اور ثمرات حاصل ہوں گے۔

یہ کتاب ہر لحاظ سے قیامت تک قابل اعتماد اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید کے من جانب اللہ اور مستند ہونے کے بارے میں جرمنی کی بین الاقوامی یونیورسٹی کی رپورٹ۔

''یونانی زبان میں انجیل کے جتنے نسخے دنیا میں پائے جاتے تھے کامل ہوں یا جزئی ان سب کو جمع کر کے ان کے ایک ایک لفظ کا باہم موازنہ (Collation) کیا گیا۔ اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے الفاظ یہ ہیں ''کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں'' اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے ''یہ ہے انجیل کا قصہ'' اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد کچھ لوگوں کو قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ اس لیے جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ'' اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین دستیاب نسخے خرید کر یا اس کے فوٹو لے کر جس طرح بھی ممکن ہو جمع کیے جائیں۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا جب ۱۹۳۳ء میں پیرس یونیورسٹی میں تھا تو اس کا تیسرا ڈائریکٹر پریتسل (Pretzl) پیرس آیا تھا کہ پیرس کی پبلک لائبریری میں قرآن مجید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جو قدیم نسخے پائے جاتے ہیں ان کے فوٹو حاصل کرے۔ اس پروفیسر نے بیان کیا کہ اس وقت ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں قرآن مجید کے بیالیس ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے (Collection) کا کام جاری ہے۔

بعد ازاں اس ادارہ نے رپورٹ شائع کی جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ''قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا اس کا اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلافِ روایت ایک بھی نہیں۔ گویا کہ قرآنِ مجید ہر قسم کے ردّوبدل سے مبرّا ہے۔'' (ماخوذ: خطباتِ بہاولپور از ڈاکٹر حمید اللہ)

بلاشبہ قرآنِ مجید عظیم اور شک وشبہ سے بالا، انسانوں کی راہنمائی اور خیر خواہی کے لیے آخری آسمانی کتاب ہے لیکن اس سے ہدایت پانے کے لیے تقویٰ لازم قرار پایا ہے۔ تقویٰ کے بارے میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس سوال کا جواب دینے کی بجائے امیر المومنین سے عرض کی کہ جب آپ کسی ایسی پگڈنڈی پر گزرنے کا موقع پائیں جس کے چاروں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں تو اس راستہ پر آپ کس طرح گزریں گے؟ امیر المومنین نے فرمایا اس راستے کا راہی دامن بچا کر ہی گزرے گا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اسی کا نام تقویٰ ہے۔ اور ایسے شخص کو متقی کہا جائے گا جو گناہوں کی آلائشوں سے بچ کر صراط مستقیم پر ثابت قدمی سے چل کر اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر یہ کتاب پرہیزگاروں کے لیے ہے تو پھر اس کا کیا کمال ہے؟ شاید ان کا مقصد یہ ہے کہ کتاب تو ایسی ہونی چاہیے تھی جو فاسقوں، فاجروں اور مجرموں کو کھینچ کر صراط مستقیم پر گامزن کر دے۔ دراصل یہ لوگ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور کی صلاحیتوں سے ہمکنار فرما کر یہ اختیار دیا ہے کہ وہ نیکی اور بدی، نفع اور نقصان، دائمی اور عارضی فوائد میں جس کا چاہے انتخاب کرے۔ برائی سے اجتناب نہ کرنے والے کی مثال اس مریض کی طرح ہے جس کو ایک خیر خواہ حکیم اور مہربان والدین بار بار دوائی کھلانے کی کوشش کریں لیکن مریض دوائی کھانے کی بجائے اپنا منہ بند کر لے اور اس کے مرض میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے۔ ایسے حضرات سے پوچھنا چاہیے کہ اس میں حکیم کی حکمت، ماں کی مامتا اور والد کی شفقت کا کیا قصور ہے؟ اس لیے جاننا چاہیے کہ انسان کے لیے ہدایت کو جبری کی بجائے اختیاری بنایا گیا ہے۔ اگر ہدایت آدمی پر مسلط کر دی جاتی تو اس کو قبول کرنے میں انسان کا کیا کمال ہوتا؟ پھر حیوان اور انسان میں امتیاز چہ معنی دارد؟ لہٰذا یہ کتاب انہی کے لیے ہدایت ہے جو ہدایت کے طالب اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید میں کوئی عیب اور نقص نہیں اور اس کے منجانب اللہ ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

۲۔ اللہ سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے والوں کے لیے قرآن مجید سرچشمۂ ہدایت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر بالقرآن

تقویٰ اور اس کے فوائد:

۱۔ اللہ کی ذات، احکام اور اس کے شعائر کے احترام کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ (الحج:۳۲)

۲۔ تقویٰ نام ہے اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہونے اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے کا۔ (النور:۵۲)

۳۔ تقویٰ نام ہے سمع واطاعت کے باوجود اپنے رب سے ڈرتے رہنے کا۔ (التغابن:۱۶)

۴۔ (الانفال:۲۹) (البقرۃ:۱۰۳) (الطلاق:۲) (النبا:۳۱)

قرآن مجید کی عظمت وصداقت:

۱۔ قرآن مجید سراپا رحمت اور کتاب ہدایت ہے۔ (لقمان:۳)

۲۔ یہ بابرکت اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ (الانعام:۹۲)

۳۔ اس میں ہدایت کے متعلقہ ہر چیز واضح کی گئی ہے۔ (النحل:۸۹)

۴۔ یہ روشن اور بین کتاب ہے۔ (المائدۃ:۱۵) ۵۔ پہلی کتابوں کی حقیقی تعلیم کی نگہبان ہے۔ (المائدۃ:۴۸)

قرآن مجید کے اسمائے گرامی:

۱۔ اَلْقُرْآن (الاسراء:۸۸)
۲۔ اَلْفُرْقَان (الفرقان:۱)
۳۔ اَلذِّکْر (الانبیاء:۵۰)
۴۔ اَلتَّنْزِیْل (الشعراء:۱۹۲)
۵۔ اَلْحَدِیْث (الزمر:۲۳)
۶۔ اَلْمَوْعِظَة (یونس:۵۷)
۷۔ اَلْحِکْمَة (القمر:۵)
۸۔ اَلْحُکْم (الرعد:۳۷)
۹۔ اَلْحَکِیْم (یٰس:۲)
۱۰۔ اَلْمُحْکَم (ھود:۱)
۱۱۔ اَلشِّفَاء (الاسراء:۸۲)
۱۲۔ اَلْھُدٰی (البقرۃ:۲)
۱۳۔ اَلْھَادِی (الاسراء:۹)
۱۴۔ اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْم (المائدۃ:۱۶)
۱۵۔ اَلْحَبْل (آل عمران:۱۰۳)
۱۶۔ اَلرَّحْمَة (الاسراء:۸۲)
۱۷۔ اَلرُّوْح (الشوریٰ:۵۲)
۱۸۔ اَلْقَصَص (یوسف:۳)
۱۹۔ اَلْبَیَان (آل عمران:۱۳۸)
۲۰۔ اَلتِّبْیَان (النحل:۸۹)
۲۱۔ اَلْمُبِیْن (یوسف:۱)
۲۲۔ اَلْبَصَائِر (الاعراف:۲۰۳)
۲۳۔ قَوْلُ الْفَصْل (الطارق:۱۳)
۲۴۔ اَلْمَثَانِی (الزمر:۲۳)
۲۵۔ اَلنِّعْمَة (الضحیٰ:۱۱)
۲۶۔ اَلْبُرْھَان (النساء:۱۷۴)
۲۷۔ اَلْبَشِیْر (فصلت:۴)
۲۸۔ اَلنَّذِیْر (فصلت:۴)
۲۹۔ اَلْقَیِّم (الکھف:۲)
۳۰۔ اَلْمُھَیْمِن (المائدۃ:۴۸)
۳۱۔ اَلنُّوْر (الاعراف:۱۵۷)
۳۲۔ اَلْعَزِیْز (فصلت:۴۱)
۳۳۔ اَلْکَرِیْم (الواقعہ:۷۷)
۳۴۔ اَلْعَظِیْم (الحجر:۸۷)
۳۵۔ اَلْمُبَارَک (الانبیاء:۵۰) (بحوالہ تفسیر رازی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ	يُؤْمِنُوْنَ	بِالْغَيْبِ	وَ	يُقِيْمُوْنَ	الصَّلٰوةَ	وَ	مِمَّا
جولوگ	ایمان لاتے ہیں	غیب پر	اور	قائم کرتے ہیں	نماز		اور اس سے جو

رَزَقْنٰهُمْ	يُنْفِقُوْنَ ۝۳
ہم نے انہیں دیا	وہ خرچ کرتے ہیں

''جولوگ غیب پر ایمان لاتے، نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' (۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کتابِ حق کے تعارف کے بعد اس کے پیغام کا بیان اور اس سے ہدایت پانے والوں کے چھ جامع اور مرکزی اوصاف کا تذکرہ۔

ایمان کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ انسان اَن دیکھی حقیقتوں کا اقرار کرے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا اور اس کے حکم کے مطابق ہر بات کو ماننا شرطِ اول ہے۔ یہی انسانیت کا شرف اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری ہے۔ ان حقیقتوں پر اَن دیکھے ایمان لانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آدمی میں یہ استعداد اور طاقت نہیں کہ وہ اپنی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی زیارت کر سکے اور نہ ہی اس میں ملائکہ اور قبر کے عذاب کو دیکھنے کی ہمت ہے۔ انسان تو ان آنکھوں کے ساتھ جنت کے حسن و جمال کی جھلک بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ رسولِ محترم ﷺ کے بارہ میں حدیث میں آیا ہے کہ جب آپ ﷺ نے جبرئیلِ امین کو اصلی حالت میں ملاحظہ فرمایا تو آپ کا جسم اطہر تھر تھرانے لگا اور آپ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے آپ ﷺ اپنے آپ میں شدید خطرہ محسوس کرتے ہوئے گھر آ کر شدید گرمی کے موسم کے باوجود کمبل لے کر لیٹ گئے اور کچھ سکون کے بعد اپنی زوجہ مکرمہ سے اظہار فرمایا کہ میں اپنے بارے میں شدید اندیشہ محسوس کر رہا ہوں۔ (رواہ البخاری: کتاب بدء الوحی)

قبر کے عذاب کے بارے میں فرمایا:

''اگر انسان اور جن قبر کا عذاب سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔'' (رواہ البخاری: کتاب الجنائز، باب المیت)

جنت کی حور کے بارے میں ارشاد ہوا:

''اگر وہ آسمان سے نیچے جھانکے تو ہر چیز منور ہو جائے۔'' (رواہ البخاری: کتاب الجہاد، باب الحور العین)

گویا کہ انسان اپنی ہمت سے بڑھ کر نہ حسن و جمال دیکھ سکتا ہے اور نہ ہیبت ناک منظر برداشت کر سکتا ہے اس بنا پر غیب پر ایمان لانا ایمان کی اولین شرط ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غلام ہے۔ غلام کا کام اپنے آقا کا حکم ماننا ہے، ہر حکم کی حقیقت جاننا نہیں۔

اقامتِ صلوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے جنّوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ عبادت کا لفظ بڑا جامع ہے عبادت کی سب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ صورت نماز ہے۔ اسی لیے پہلے انبیاء اور امتوں کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور امت محمدیہ کو بھی یہی حکم ہوا ہے کہ وہ نماز قائم کرے۔ (النور: ۵۶) دین اجتماعیت کا سبق دیتا ہے اور نماز اس کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔ تاکہ مسلمانوں میں وحدت اور اجتماعیت کا شعور پیدا ہو۔ اقامتِ صلوٰۃ سے مراد اس کے ظاہری آداب وشرائط بجالانے کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور روحانی فوائد کا حصول ہے۔ اس لیے یہاں ''اِقْرَءُوا الصَّلٰوۃَ'' یا صرف ''صَلُّوا'' کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' کا جامع لفظ استعمال فرما کر واضح کیا ہے کہ نماز پڑھنے اور ادا کرنے کے لحاظ سے جامع اور مکمل ہونی چاہیے۔ اس میں طہارت، ارکان کی صحیح ادائیگی، اخلاص اور جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم شامل ہے۔ اس طرح یہ پانچ وقت کا اجتماعی عمل ہے۔ ''اَقِیْمُوا الدِّیْنَ'' (الشوریٰ: ۱۳) کا لفظ پورے دین کے لیے بھی استعمال ہوا۔ جس طرح دین کا تقاضا صرف اس کے احکامات پڑھ لینے سے پورا نہیں ہوتا جب تک اسے پورے طور پر اپنایا اور نافذ نہ کیا جائے ایسے ہی نماز پوری جامعیت کے ساتھ اس وقت قائم ہوگی جب اس کے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔ نمازی کو حکم ہے کہ نماز میں نظر کو اِدھر اُدھر نہ اٹھائے۔ یہی حکم نماز کے بعد ہے کہ غیر محرم عورتیں سامنے آئیں تو مرد اپنی نگاہوں کو نیچے رکھا کریں۔ تشہد میں نمازی درود اور التحیات میں سب کی سلامتی کی دعائیں مانگتا ہے۔ یہی جذبہ اسے نماز کے بعد بھی اختیار کرنا چاہیے۔ نماز کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اسے اس قدر انہماک کے ساتھ ادا کیا جائے جیسے بندہ اپنے رب کی زیارت کر رہا ہو۔

((أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) (رواه البخاری: کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الإیمان والإسلام والإحسان)

''اپنے رب کی عبادت اس تصور کے ساتھ کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ تصور پیدا نہیں ہوسکتا تو کم از کم یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

زکوٰۃ کی فرضیت

دین نے لوگوں کو نماز باجماعت کی شکل میں مسجد میں پانچ وقت اکٹھا ہونے کا حکم دیا ہے تو یہ بات کس طرح گوارا ہوسکتی تھی کہ ایک شخص خوشحال زندگی بسر کر رہا ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا جسم پر چیتھڑے لپیٹے ہوئے زندگی کے تھپیڑے کھاتا رہے اور صاحبِ ثروت اس کی پرواہ نہ کرے۔ اسلام کا اجتماعی نظام دو بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے ایک روحانی اور دوسری مادی معاشرے کی تطہیر، تزکیۂ نفس اور تعلق باللہ کے لیے پانچ وقت نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ باہمی ہمدردی، قرابت اور معاشی استحکام کے لیے زکوٰۃ فرض قرار دی گئی تاکہ معاشرتی اونچ نیچ اور معاشی افراط وتفریط کو توازن کے پیمانے کے قریب رکھتے ہوئے باہمی محبت واخوت کی فضاء قائم کی جائے۔

قرآنِ مجید نے بار بار صدقہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس تحریک کو محض لوگوں کی مرضی پر نہیں چھوڑا کہ جس کا دل چاہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرچ کرے ورنہ مال پر مست ہو کر پھرتا رہے۔ زکوٰۃ کو فرض قرار دیتے ہوئے اسے ایمان کی مبادیات میں شامل فرمایا۔ قرآنِ مجید میں زکوٰۃ اور نماز کا چھبیس مرتبہ اکٹھا ذکر ہوا ہے۔ نماز حقوق اللہ کی ترجمان ہے اور زکوٰۃ حقوق العباد کی پاسبان۔ یہاں لفظ زکوٰۃ کی بجائے ''رَزَقْنٰهُمْ'' استعمال فرما کر اشارہ دیا کہ اجتماعی زندگی کامیابی کے ساتھ گزارنے کے لیے زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا فرمایا ہے اس میں سے دوسروں پر خرچ اور صرف کرتا رہے۔ جسمانی قوت ہے تو نحیف اور ناتواں بندوں کی خدمت کرے، مالی استعداد ہے تو غریبوں اور ناداروں پر خرچ کرے، علم و بصیرت ہے تو لوگوں کی راہنمائی کرے، اقتدار اور اختیار ہے تو مجبوروں اور کمزوروں کی مدد کرتا رہے۔ البتہ ''رَزَقْنٰهُمْ'' سے پہلی مراد زکوٰۃ ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق حکم:

((فَقَالَ وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا)) (رواہ البخاری: باب وجوب الزکوۃ)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے ضرور لڑائی کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے۔ یقیناً زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر لوگوں نے بکری کا بچہ دینے سے انکار کیا جو وہ اللہ کے رسول کے عہد میں دیا کرتے تھے۔ میں اس کے روکے جانے پہ لڑائی کروں گا۔''

مسائل

۱۔ غائب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ۲۔ نماز قائم کرنا فرض ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرنا چاہیے۔
۴۔ ارکانِ اسلام کے تقاضے پورے کرنے والے لوگ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

نماز کی اہمیت:

یہاں نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت کے چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ ان شاء اللہ تفصیلی مسائل مرحلہ وار موقعہ بموقعہ بیان ہوں گے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کو نماز کا حکم۔ (العنکبوت: ۴۵) ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نماز۔ (ابراہیم: ۳۷)
۳۔ حضرت موسیٰ ﷺ کو نماز کا حکم۔ (یونس: ۸۷) ۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نماز۔ (مریم: ۳۱)
۵۔ بنی اسرائیل کو نماز کا حکم۔ (البقرۃ: ۸۳) ۶۔ تمام امتوں کو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم۔ (البینۃ: ۵)
۷۔ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (الحج: ۴۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِيْنَ	يُؤْمِنُوْنَ	بِمَآ	اُنْزِلَ	اِلَيْكَ	وَمَآ	اُنْزِلَ
اور جولوگ	ایمان لاتے ہیں	اس پر جو	نازل کیا گیا	آپ کی طرف	اور جو	نازل کیا گیا

مِنْ	قَبْلِكَ ۚ	وَبِالْاٰخِرَةِ	هُمْ	يُوْقِنُوْنَ ۝۴
سے	آپ سے پہلے	اور آخرت پر	وہ	یقین رکھتے ہیں

''اور جولوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور اس پر جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔'' (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

ایمان کے مرکزی ارکان کا ذکر کرنے کے بعد لفظ ''مَا'' استعمال فرما کر ایمان کی ان تمام مبادیات وشروعات کا احاطہ کیا گیا ہے جو ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔ اس کی تفصیلات کے لیے رسول کریم ﷺ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ نے یہی لفظ ''مَا'' استعمال فرما کر اس بات کا واضح اشارہ دیا ہے کہ ایمان کی تکمیل اس جامع تصور کے بغیر ممکن نہیں۔

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ))

(شرح السنة: کتاب الایمان، باب رد اہل البدع والاھواء [صحیح])

''تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کردے۔''

اسلام کی وسعتِ تعلیم کا اندازہ لگائیں کہ وہ صرف قرآنِ مجید پر ہی نہیں بلکہ پہلی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ضروری سمجھتا ہے۔ حالانکہ نزولِ قرآن کے بعد وہ منسوخ ہوچکی ہیں۔ اس کے باوجود قرآن مجید ان کی حقیقی تعلیمات اور پہلے انبیاء کی تائید کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تمام انبیاء کی شان اور مقام کے اعتراف واحترام کا حکم دیتا ہے کیونکہ پہلے انبیاء بھی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ تھے، ان پر نازل ہونے والی کتابیں بھی من جانب اللہ تھیں اور دین کے بنیادی ارکان ہمیشہ سے ایک ہی رہے ہیں لیکن ہدایت کے لیے اب قرآن اور اس پر کما حقہٗ عمل کرنے کے لیے جناب محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی واجب الاتباع قرار پائی ہے۔ جسے سنت اور حدیث کہا گیا ہے۔ ایمان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے جبریلِ امین علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا:

((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ))

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب بیان الإیمان والإسلام والإحسان)

''تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے۔''

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ»

(رواہ مسلم: بَاب بَيَانِ عَدَدِ شُعَبِ الْإِيمَانِ وَأَفْضَلِهَا وَأَدْنَاهَا وَفَضِيلَةِ الْحَيَاءِ وَكَوْنِهِ مِنَ الْإِيمَانِ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے ستر سے زیادہ اجزاء ہیں۔ ان میں افضل ترین ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان میں شامل ہے۔''

ایمان کا معنیٰ:

ایمان کا معنیٰ ہے۔ ① دل سے تصدیق کرنا۔ ② زبان سے اس کا اظہار کرنا۔ ③ اقرار اور اظہار کے مطابق عمل کرنا۔

ایقان کا معنیٰ:

کسی سچائی کو دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ اس طرح تسلیم کرنا کہ اس میں شک اور تردد کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس طرح مانتے اور عمل پیرا ہوتے ہیں وہی ایمان دار ہیں۔ جب تک آدمی آخرت پر سچا ایمان نہ لائے اس وقت تک اس کی زندگی پر قرآن وسنت کے پورے اثرات مرتب نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد سب سے زیادہ عقیدۂ آخرت پر زور دیا ہے کیونکہ اس کے بغیر نیکو کاروں کو پورا پورا اجر اور نافرمانوں کو ٹھیک ٹھیک سزا نہیں مل سکتی۔ آخرت کی جواب دہی کا تصور ہی انسان کو درست رکھ سکتا ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید، پہلی آسمانی کتب اور آخرت پر ایمان لانا فرض ہے۔

تفسیر بالقرآن

آخرت پر یقین محکم ہونا چاہیے:

۱۔ آخرت برحق اور اس کے برپا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (الکہف: ۲۱)

۲۔ ایمانداروں کی نشانی یہ ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۴)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور آخرت کو جھٹلانے والوں کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ (الاعراف: ۱۴۷)

۴۔ آخرت کے منکروں کی خواہشات کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ (الانعام: ۱۵۱)

۵۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ (العنکبوت: ۶۴) ۶۔ اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والے کو کوئی ڈر نہیں ہوگا۔ (المائدۃ: ۶۹)

۷۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں۔ (الرعد: ۲۶)

۸۔ اخروی زندگی ہی بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ: ۱۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُولٰٓئِكَ	عَلٰى	هُدًى	مِّنْ	رَّبِّهِمْ	وَ	اُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵
یہ لوگ	پر	ہدایت	سے	اپنے رب	اور یہی لوگ		وہ	فلاح پانے والے

''یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمان کے سات اوصاف اپنانے اور ان کے تقاضے پورے کرنے والوں کو کامیابی کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔

①۔کتابِ مبین کے الفاظ اور اس کی ہدایت پر کسی شک وتردد کے بغیر یقین کرنا۔②۔قرآنِ مجید کے بتلائے ہوئے اَن دیکھے حقائق پر ایمان لانا۔③۔نماز کی شرائط کے مطابق اس کی ادائیگی کرنا۔④۔اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا انفاق۔ ⑤۔قرآن وحدیث کی صورت میں جو کچھ محمد کریم ﷺ پر نازل ہوا ہے اسے اعتقاداً، قولاً اور عملاً تسلیم کرنا۔⑥۔انبیاء کرام علیہم السلام اور پہلی کتب آسمانی کی تصدیق کرنا۔⑦۔آخرت کی جواب دہی پر ایمان لانا ان لوگوں کے بارہ میں فرمایا جارہا ہے کہ یہی وہ خوش نصیب ہیں جو اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح وکامیابی سے سرفراز ہونے والے ہیں۔

فلاح کسی ادھوری اور جزوی کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ فلاح اس مکمل کامیابی کو کہا جاتا ہے جس کے دامن میں دنیا وآخرت کی سعادتیں اور برکتیں سمٹ آئی ہوں۔

''لَيْسَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ كُلِّهِ اَجْمَعُ مِنْ لَّفْظَةِ الْفَلَاحِ لِخَيْرَيِ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ كَمَا قَالَهُ اَئِمَّةُ اللُّغَةِ۔''(تاج العروس)

''ائمہ لغت نے تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے زیادہ اور کوئی جامع لفظ نہیں جو دنیا وآخرت دونوں کی خیرات وبرکات پر دلالت کرتا ہو۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اور غائب پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا۔ ۲۔اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرنا۔
۳۔ قرآن مجید، پہلی کتابوں اور انبیاء کرام پر ایمان لانا۔ ۴۔آخرت کو یقینی جاننا ایمان کے بنیادی ارکان ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کامیاب کون؟

۱۔ ایمان کے تقاضے پورے کرنے والے کامیاب ہوں گے۔(الاعراف:۱۵۷)
۲۔ رسول ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی عزت وتکریم کرنے والے کامیاب ہوں گے۔(الاعراف:۱۵۷)
۳۔ اللہ کے راستے میں مال وجان کے ساتھ جہاد کرنے والے کامیاب ہوں گے۔(التوبہ:۸۸)
۴۔ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنے والے کامیاب ہوں گے۔(الروم:۳۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	سَوَآءٌ	عَلَيْهِمْ	ءَاَنْذَرْتَهُمْ	اَمْ لَمْ
بیشک	جن لوگوں نے	کفر کیا	یکساں ہے	ان پر	آپ انہیں ڈرائیں	یا نہ
تُنْذِرْهُمْ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶	خَتَمَ	اللّٰهُ	عَلٰى	قُلُوْبِهِمْ	وَ عَلٰى
انہیں ڈرائیں	وہ ایمان نہیں لائینگے	مُہر لگادی	اللہ نے	پر	ان کے دل	اور پر
سَمْعِهِمْ ؕ	وَعَلٰٓى	اَبْصَارِهِمْ	غِشَاوَةٌ ۫	وَّلَهُمْ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ ۝۷ ع
ان کے کان	اور پر	ان کی آنکھیں	پردہ ہے	اوران کے لیے	عذاب	بڑا

''بلاشبہ کافروں کے لیے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔(۶) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔''(۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کی دوسری قسم جنہوں نے حق کا انکار کیا ان کے مزاج اور انجام کا بیان۔

لغت میں کفر کا معنیٰ ہے کسی شے کو چھپانا۔ جو شخص نعمت کو چھپائے اور اس کا شکر ادا نہ کرے اس کے فعل کو کفر اور کفران نعمت کہتے ہیں۔ سب سے بڑا کفر ''اللہ'' کی وحدانیت اور شریعت، نبوت کا انکار کرنا ہے۔ قرآنِ مجید میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت اور کفر باللہ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

''اَلْكُفْرُ عَدَمُ تَصْدِيْقِ الرَّسُوْلِ فِيْمَا عُلِمَ بِالضَّرُوْرَةِ مَجِيْئُهٗ بِهٖ'' (تفسیر رازی: ص۳۰۶)

''کفر کے معنیٰ یہ ہیں کہ رسول اور پیغمبر کی اس بات میں تصدیق نہ کرنا جس کا بدیہی اور قطعی طور پر دین سے ہونا معلوم ہو چکا ہے۔''

حقائق کا مسلسل انکار اور ہٹ دھرمی پر قائم رہنے والوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کے لیے سمجھانا اور نہ سمجھانا یکساں ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں ایک طرف نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام ''اللہ'' کا پیغام پہنچانا اور لوگوں کو سمجھانا ہے۔ اگر یہ لوگ حق کا مسلسل انکار کئے جا رہے ہیں تو آپ کو دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ایسے ہٹ دھرم لوگوں پر مزید صلاحیتوں کو صرف کرنا چاہیے کیونکہ ان کے سچ اور حق کو قبول کرنے والے اعضاء بے کار کر دیے گئے ہیں۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہی ان کی قوتِ فہم وسماعت ختم کر دی ہے اور ان کی بصارت پر پردے ڈال دیے ہیں تو ان کا کیا قصور ہے؟ درحقیقت یہ لوگ آیات کے سیاق وسباق سے ہٹ کر یہ معنیٰ نکال کر اپنی کم فہمی یا منفی سوچ کا اظہار کرتے ہیں۔ جبکہ ان آیات کا مفہوم سمجھنے کے لیے ایک مشفق ومہربان حکیم کی مثال سامنے رکھنی چاہیے جو کسی مریض کو مرض کے نقصانات بتلا اور دوائی کے فائدے سمجھا کر بار بار دوائی کھلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن مریض نہ صرف اپنا منہ بند کر لیتا ہے بلکہ ہر قسم کی بد پرہیزی اور حکیم کے ساتھ بدتمیزی کرنے میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے۔ مریض کی بدتمیزی اور ہٹ دھرمی دیکھ کر اگر حکیم یہ کہہ دے کہ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مریض اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے لہٰذا اسے مرنے ہی دینا چاہیے تو اس میں حکیم کا قصور سمجھا جائے گا یا مریض کا؟

دوسرے مقام پر قرآن مجید نے واضح فرمایا ہے کہ ان کے گناہوں اور کفر کی وجہ سے ان کے کان بہرے، آنکھیں اندھی اور دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔ (الاعراف: ۱۷۹)

ان آیات میں کفر و شرک کے مریض کی حالت اور نبی کریم ﷺ کی بھرپور کوششوں کا نقشہ پیش فرما کر ربِ کریم نے آپ ﷺ کو تسلی دی ہے اور انکار کرنے والوں پر ہمیشہ کی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کو اس قدر ہولناک اور اذیت ناک عذاب ہوگا کہ وہ دنیا کی سب نعمتوں اور سہولتوں کو بھول جائیں گے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُؤْتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللهِ يَا رَبِّ وَيُؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللهِ يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِيْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ)) (رواہ مسلم: کتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب صبغ أنعم أهل الدنيا في النار.....)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: روزِ قیامت دنیا میں سب سے زیادہ ناز و نعمت میں پلنے والے جہنمی کو لا کر آگ میں غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے کبھی کوئی بہتری دیکھی؟ کیا تجھے کوئی نعمت ملی؟ تو وہ کہے گا: اللہ کی قسم! اے میرے رب میں نے کوئی نعمت نہیں دیکھی۔ پھر ایک جنتی کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ تکلیفوں میں رہا اسے جنت کی سیر کروا کر پوچھا جائے گا اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف اور سختی دیکھی؟ وہ عرض کرے گا نہیں اللہ کی قسم! مجھے کبھی کوئی تکلیف اور مصیبت نہیں آئی۔''

مسائل

۱۔ کفر پر پکے لوگوں کو سمجھانا یا نہ سمجھانا ایک جیسا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

جن لوگوں کے دلوں پر اللہ نے مہریں لگائی ہیں:

۱۔ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔ (یونس: ۷۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ (النساء: ۱۵۵)

۳۔ اللہ کفار کے دلوں پر مہر ثبت کرتا ہے۔ (الاعراف: ۱۰۱)

۴۔ جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد کفر کیا ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی۔ (المنافقون: ۳)

۵۔ اللہ ہر تکبر کرنے والے سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (المومن: ۳۵)

۶۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر ثبت فرما دی سو وہ نہیں جانتے۔ (التوبہ: ۹۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸

اور بعض لوگ جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن پر آخرت اور نہیں وہ ایمان لانے والے

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۹

وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ اور جو لوگ ایمان لائے اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں وہ سمجھتے

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہیں۔(۸) وہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ نہیں دیتے مگر وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور وہ سمجھ نہیں رکھتے۔''(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمان کی مبادیات تسلیم کرنے اور حق سے انکار کرنے والوں کے بیان کے بعد تیرہ آیات میں منافقوں یعنی دو غلے لوگوں کے کردار کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی ﷺ اور ہر داعی حق کو تین قسم کے لوگوں سے سابقہ پیش آئے گا۔ لہٰذا گھبرانے اور حوصلہ ہارنے کی بجائے داعی کو اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔

نفاق:

دل میں کفر اور ظاہر میں اسلام کا اظہار کرنا نفاق کہلاتا ہے۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں، اعتقادی نفاق اور عملی نفاق دونوں احکام کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

تین قسم کے لوگ:

نظریاتی اعتبار سے دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔(۱) حق اور سچ قبول کرنے والے۔(۲) حق کا انکار کرنے والے (۳) ذاتی مفاد یا فکری انتشار کی وجہ سے ہمیشہ تذبذب کا شکار اور دنیوی مفاد کی خاطر حق سے اعراض کرنے والے لوگ جنہیں قرآن مجید نے منافق قرار دیا ہے۔ یہ ڈبل چہرے اور دوہرے کردار کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایسا شخص نہ قول کا سچا اور نہ کردار کا پختہ ہوتا ہے۔ اسے ہر بات میں دنیا کا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے مقدس نام اور دین کے پاکیزہ کام کو بھی اپنی ذات اور مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ حتیٰ کہ آخرت کے عقیدے کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ منافق لوگ مسلمانوں کی آستینوں میں گھسے ہوئے سانپ ہیں جو ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور شرارتوں میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ ''اللہ'' اور مومنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

درحقیقت یہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ کتنا برا اور بدبخت ہے وہ آدمی جو اپنی ذات کو دھوکے میں مبتلا رکھے۔ کیونکہ منافق اللہ کے رسول کو دھوکہ دیتے، دین اور دین داروں کو مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور مومنوں کو بھی دین کی وجہ سے استہزا کا نشانہ بنایا جاتا ہے جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے دھوکہ کو اپنی ذات کے ساتھ دھوکہ اور مذاق قرار دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسولِ محترم ﷺ نے منافق کے کردار کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلَى هٰذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هٰذِهِ مَرَّةً)) (رواہ مسلم: کتاب صفات المنافقین وأحکامھم)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی دوسرے کی طرف۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي))

(رواہ مسلم: کتاب الإیمان باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دھوکہ دیا وہ مجھ سے نہیں۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (رواہ البخاری: باب علامۃ المنافق)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔''

مسائل

۱۔ منافق اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن حقیقتاً وہ ایمان دار نہیں ہوتا۔

۲۔ منافق اللہ اور ایمانداروں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ۳۔ منافق حقیقی فہم وشعور سے عاری ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافق کا جھوٹا دعویٰ:

۱۔ منافق دعوی ایمان کے باوجود ایمان دار نہیں ہوتا۔ (البقرۃ:۸)

۲۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق دعویٰ ایمانی میں جھوٹے ہیں۔ (المنافقون:۱)

۳۔ منافقین نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہوا ہے۔ (المنافقون:۳)

۴۔ منافق ایمان کے دعویٰ کی جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ (التوبۃ:۵۶)

منافق کی دھوکہ بازیاں:

۱۔ منافق اللہ اور مومنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ (البقرۃ:۹)

۲۔ منافق رسول ﷺ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ (المنافقون:۱)

۳۔ منافق نماز بھی دھوکہ دینے کی خاطر پڑھتے ہیں۔ (النساء:۱۴۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيْ	قُلُوْبِهِمْ	مَّرَضٌ ۙ	فَزَادَهُمُ	اللّٰهُ	مَرَضًا ۚ	وَلَهُمْ
میں	ان کے دلوں	بیماری	سو بڑھا دی ان کی	اللہ نے	بیماری	اور ان کے لیے
عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ۢ	بِمَا	كَانُوْا	يَكْذِبُوْنَ ⑩		
عذاب	اذیت ناک	کیونکہ	تھے وہ	جھوٹ بولتے		

''ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں زیادہ کر دیا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقت ایک روحانی بیماری ہے جس سے کئی جرائم جنم لیتے ہیں۔

منافق جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی روحانی اور اخلاقی بیماریوں میں اضافہ ہی ہوا جاتا ہے بالکل اس مریض کی طرح جس کے لیے بہترین خوراک بھی بیماری میں اضافے کا سبب بنتی ہو۔ یہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ انسان جسمانی طور پر ہی بیمار نہیں ہوتا بلکہ اس کی روح بھی بیمار ہوتی ہے جسم مادی عناصر سے بنا ہے۔ اس کا علاج مادی عوامل سے ہوتا ہے۔ روح اللہ تعالیٰ کا حکم اور ملکوتی ہے۔ اس کا علاج روحانی یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نبی کی تابعداری سے ہوتا ہے۔

((إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))

(رواہ مسلم: کتاب المساقاۃ، باب أخذ الحلال وترک الشبہات)

''یقیناً حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ ان کے درمیان کچھ متشابہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔ یہ اس چرواہے کی طرح ہے جو چراگاہ کے قریب جانور چراتا ہے ہوسکتا ہے وہ جانور چراگاہ میں چرنا شروع ہو جائیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سنو! یقیناً جسم میں ایک ٹکڑا ہے وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے یاد رکھو! وہ دل ہے۔''

رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا گیا کہ کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

(مؤطا امام مالک: کتاب الکلام، باب ما جاء فی الصدق والکذب [صحیح])

((إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا))(رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب)

''تم جھوٹ سے کنارہ کش رہو۔اس لیے کہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں پہنچا دیتا ہے۔جب ایک شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''

دل کی حالت:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَآءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللهُ {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ}))(رواہ الترمذی: کتاب تفسیر القرآن[حسن])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل پالش ہو جاتا ہے۔اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ {ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔}''

نبی ﷺ کی دعا:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْثِهٖ وَنَفْخِهٖ))(رواہ ابن ماجہ: بَابُ الِاسْتِعَاذَةِ فِي الصَّلَاةِ[صحیح])

''اے اللہ میں شیطان، اس کے کچوکے اس کے سانس اور اس کی پھونک سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ منافقت دل کی بیماری ہے۔ ۲۔ منافق جھوٹا ہوتا ہے۔ ۳۔ منافق کو اذیت ناک عذاب ہوگا۔

۴۔ منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ منافق کی بیماری کو بڑھا دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

روحانی بیماریاں:

۱۔ ریاکاری۔(البقرۃ: ۲۶۴، النساء: ۱۴۲، الانفال: ۴۷، الماعون: ۴ تا ۶)

۲۔ قلب کی سختی روحانی بیماری ہے۔(المائدۃ: ۱۳، الزمر: ۲۲) ۳۔کفر۔(البقرۃ: ۱۰)

۴۔ تکبر۔(النحل: ۲۲، لقمان: ۱۸، النساء: ۱۷۲) ۵۔کجی۔(التوبۃ: ۱۱۷، آلِ عمران: ۷، الصّف: ۵)

۶۔ دل کا زنگ آلود ہونا۔(المطففین: ۱۴) ۷۔حسد۔(البقرۃ: ۱۰۹، النساء: ۵۴)

۸۔ سرکشی۔(البقرۃ: ۹۰، ۲۱۳، یونس: ۹۰) ۹۔بُغض۔(آلِ عمران: ۱۱۸، المائدۃ: ۹۱، الممتحنۃ: ۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا

اور جب کہا جاتا ہے انہیں نہ فساد کرو میں زمین وہ کہتے ہیں صرف

نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

ہم اصلاح کرنے والے خبردار بیشک وہ وہی فساد کرنے والے ہیں اور لیکن وہ نہیں سمجھتے

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔(۱۱) خبردار یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں، لیکن وہ نہیں سمجھتے۔''(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقت کی بیماری کی وجہ سے منافق کو اصلاح اور بگاڑ کے درمیان شعور نہیں رہتا۔

اصلاح وفساد کی ابتدا انسان کے ضمیر سے ہوتی ہے۔ ضمیر بگڑتا ہے تو طبیعت میں برائی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو آدمی کے کردار پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ جس سے اکثر اوقات سوچ کے زاویے اس قدر بگڑ جاتے ہیں کہ آدمی کو اصلاح اور بگاڑ میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ خاص کر ایسا شخص جو اپنے مفاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقدس نام اور دین کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے۔ تو اس کا ضمیر اس حد تک پستی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اس سے ہر گناہ اور جرم کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ایسے لوگوں پر جتنے نگران مقرر کر دیے جائیں اور انہیں لاکھ سمجھائیں۔ اصلاح کی بجائے ان کے بگاڑ میں اضافہ ہی ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رشوت کے خاتمہ کے لیے انسدادِ رشوت ستانی کے محکمہ سے رشوت کے ریٹ بڑھ جاتے ہیں۔ فروغِ تعلیم کے نام پر جہالت، معلوماتِ عامہ کے نام پر گندہ لٹریچر، کلچر کے نام پر بے حیائی، عدل وانصاف کے نام پر ججز اور وکلاء کی قانونی موشگافیاں، شیطان کی آنت کی طرح پھیلا ہوا عدالتی نظام بگڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ ملک وملت کے وسیع تر مفاد کے نام پر وسیع تر فساد کا جال بچھا دیا جاتا ہے۔ امن وامان قائم کرنے کے نام پر بے گناہوں کا قتلِ عام یہ سب اصلاح اور فلاح کے نام پر ہی تو کیا جاتا ہے۔ ایسی حکومتوں، افسروں اور اداروں کے ذمہ داران کو سمجھا کر دیکھ لیجئے۔ جواب یہی ملے گا کہ ہم تو اصلاحِ احوال اور فلاحِ عوام کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ یہ لوگ فسادی ہیں مگر حقیقی شعور سے محروم ہونے کی وجہ سے اصلاح اور فساد میں فرق نہیں سمجھتے جس وجہ سے اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو خبردار اور ہوشیار رہنے کا حکم دیا گیا کہ ان منافقوں اور فسادیوں سے بچتے رہنا۔

مسائل

۱۔ منافق فسادی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مصلح سمجھتا ہے۔ ۲۔ منافق حقیقی سمجھ سے تہی دامن ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

فسادی کون؟

۱۔ منافقین (البقرۃ:۱۱) ۲۔ زمین میں فساد لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہے (الروم:۴۱) ۳۔ یاجوج وماجوج (الکہف:۹۴)
۴۔ فرعون (یونس:۹۱) ۵۔ یہودی (المائدۃ:۶۴) ۶۔ بچوں کے قاتل (القصص:۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ

اور جب کہا جاتا ہے انہیں تم ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے لوگ وہ کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے

اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

ایمان لائے بے وقوف خبردار بلاشک وہ وہی بے وقوف اور لیکن نہیں وہ جانتے

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ جس طرح صحابہ ایمان لائے تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں۔ خبردار یہی بے وقوف ہیں لیکن وہ بے علم ہیں۔'' (۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق دوغلا، جھوٹا اور فسادی ہی نہیں ہوتا بلکہ اپنی منافقت کے کھوٹ کی وجہ سے مخلص مسلمانوں کو بیوقوف کہتا اور سمجھتا ہے۔

منافق ابن الوقت اور مفاد پرست ہوتا ہے۔ اسی لیے مخلص، ایثار پیشہ اور با اصول شخص کو پسند نہیں کرتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایثار کے پیکر اور قربانی کے خوگر تھے۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اسلام کی سربلندی کی خاطر ہر چیز قربان کرنے کی بے مثال اور لازوال مثالیں قائم کیں تھیں۔ منافقین ایسے مخلص حضرات کو کس طرح پسند کر سکتے تھے؟ ربّ کریم نے جب منافقوں کو حکم دیا کہ تم بھی نبی ﷺ کے اصحاب کی طرح مخلصانہ ایمان اور فداکاری کا رویہ اختیار کرو۔ منافقین نے تسلیم ورضا کا رویّہ اپنانے کی بجائے کہا کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح کاروبار تباہ کرلیں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں؟ یہ تو سراسر حماقت کا راستہ ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے خالق و مالک کا فرمان تسلیم کرنا اور اس کے حکم پر سب کچھ قربان کر دینا بے وقوفی نہیں۔ حماقت اور بے وقوفی تو یہ ہے کہ آدمی اپنے رب کا نافرمان اور اس کے ساتھ عدمِ اخلاص کا رویّہ اور فانی دنیا کے لیے ہمیشہ کی زندگی کو برباد کرلے۔ اس فرمان میں رہتی دنیا تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو جہان والوں کے لیے معیار قرار دیتے ہوئے صحابہ کو برا کہنے والوں کو احمق، منافق اور علم وآگہی سے نابلد قرار دیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ منافق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔ ۲۔ حقیقتاً منافق بے وقوف ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

بیوقوف کون؟

۱۔ ملت ابراہیم سے اعراض کرنے والا بیوقوف ہے۔ (البقرۃ: ۱۳۰) ۲۔ صحابہ کو برا کہنے والا بیوقوف ہے۔ (البقرۃ: ۱۲)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ سے انحراف کرنے والا بیوقوف ہے۔ (البقرۃ: ۱۳)

۴۔ قبلہ پر اعتراض کرنے والے بیوقوف ہیں۔ (البقرۃ: ۱۴۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا

اور جب ملتے ہیں جو لوگ ایمان والوں کو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب علیحدہ ہوتے ہیں

اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۱۴

طرف اپنے شیاطین کی کہتے ہیں بیشک یقیناً ہم تمہارے ساتھ محض ہم مذاق کرتے ہیں

''اور جب منافق ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان دار ہیں اور جب اپنے بڑوں (شیطانوں) کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بلا شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق کی منافقت کے سبب اور حقیقی شعور سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے اس کے کردار میں دوغلا پن اور کھوکھلا پن پیدا ہوجاتا جس وجہ سے منافق ایسی گفتگو کرتا ہے۔

منافق جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اسلام کی خوبیاں، رسول محترم ﷺ کے اوصاف اور مومنوں کے حسنِ کردار کا ذکر کرتے ہوئے ایمان کے دعویدار بنتے ہیں۔ لیکن جب اپنے لیڈروں کی طرف جاتے ہیں تو ان کو تسلی دیتے ہیں کہ ہمارے بارے میں فکر نہ کرنا ہم تمہارے ہی ہیں ہم تو مسلمانوں کے ساتھ شغل اور دکھاوے کے لیے ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہاں قرآنِ مجید نے ان کے بڑوں کو شیطان قرار دیا ہے کیونکہ ان کے بڑے شیطان کی طرح نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ منافق اخلاقی لحاظ سے اس قدر سفلہ مزاجی کا شکار ہوتا ہے کہ وہ ایمان جیسے گراں قدر اور حساس معاملے کو بھی مذاق سمجھتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ان کے گناہ کی طرف توجہ دلائی جائے تو وہ اپنی خفت مٹانے اور شرمندگی چھپانے کے لیے کہتے ہیں کہ تم تو خواہ مخواہ سنجیدہ ہو رہے ہو ہم تو خوش طبعی کے طور ایسا کر رہے تھے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللّٰهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ)) (رواہ البخاری: باب ما قیل فی ذی الوجہین)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک بدترین شخص دو چہروں والا (منافق) ہوگا۔ جو اس طرف ایک چہرے کے ساتھ آتا ہے اور دوسری طرف دوسرے چہرے سے۔''

مسائل

۱۔ منافق دوغلی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ ۲۔ بڑے منافق شیطان کے قائم مقام ہوتے ہیں۔
۳۔ منافق اللہ اور اہلِ ایمان کو مذاق کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَللّٰهُ	يَسْتَهْزِئُ	بِهِمْ	وَيَمُدُّهُمْ	فِيْ	طُغْيَانِهِمْ	يَعْمَهُوْنَ ⑮
اللہ	مذاق کرتا ہے	ان سے	اور زیادہ کرتا ہے ان کو	میں	ان کی نافرمانی	اندھے ہو رہے ہیں

''اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی نافرمانیوں میں مہلت دیتا ہے وہ اپنی نافرمانیوں میں بھٹک رہے ہیں۔'' (۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقت کرنا اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

یہاں منافقین کے کردار کے بارے میں لفظِ طغیان استعمال کیا ہے جو ایک محاورہ بھی ہے کہ دریا میں طغیانی ہے۔ یعنی دریا اپنی حد سے آگے بڑھ گیا ہے۔ یہی حالت گناہ کے وقت انسان کی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی فطرتِ سلیم سے آگے بڑھ کر گناہ کرتا ہے۔ کسی کو مذاق کرنا ''اللہ'' کی شان کے خلاف ہے لیکن مومنوں سے مذاق کرنے کی وجہ سے منافقوں کے مذاق کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرما رہا ہے۔ کیونکہ مومنوں کو اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف سمجھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بات کو وسیع ترین تناظر میں یوں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ أَحَبَّ إِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ إِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِیْ لَأُعْطِیَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَأُعِیْذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُّ عَنْ شَیْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَّفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَکْرَهُ مَسَاءَ تَهٗ)) (رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ میں نے جو چیز بندے پر فرض کی اس سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں جس سے وہ میرا قرب حاصل کرے۔ بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ میں اپنے کسی کام میں اتنا تردّد نہیں کرتا جتنا ایک مومن کی جان قبض کرنے میں کرتا ہوں کیونکہ بندہ موت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اس کی تکلیف اچھی نہیں لگتی۔''

کوئی مجرم اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر نہیں ہوسکتا اس کے باوجود مجرم کو ڈھیل اور منافق کو دین اور دین داروں کے ساتھ مذاق کرنے کی مہلت دیتا ہے۔ اس عیاری اور چالاکی کی وجہ سے ان کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہے۔ یہ جھوٹ، سازش اور منافقت کے پردہ چاک ہونے کے خوف سے دل ہی دل میں پریشان رہتے ہیں اور ایسی باتوں اور ساتھیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ایسی باتوں پر خوش ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ گناہ کا نقصان صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ذلّت اور آخرت میں سزا ہوگی بلکہ گناہ کا پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان کا دل گناہ کی وجہ سے پریشان رہتا اور گناہ سے آدمی کی طبیعت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مجرم ضمیر کا چور اور بزدل ہوتا ہے۔ نیکی میں اطمینان ہے اور گناہ میں پریشانی۔ کبھی جرائم پیشہ اور بدکار کو ٹٹول کر دیکھو بظاہر ہشاش بشاش نظر آنے کے باوجود وہ کس طرح پریشان ہوتا ہے۔ قرآن مجید اسی قلبی اضطراب کا ذکر کر رہا ہے کہ وہ اپنے نفس کی طغیانیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں۔ نفسیات کے معلّم اعظم ﷺ نے گناہ کی تعریف یوں فرمائی:

((اَلْإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ))(رواہ مسلم: باب تفسیر البر والإثم)

''گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور لوگوں کو اس کا علم ہونا تیرے لیے ناگوار ہو۔''

مسائل

۱۔ منافق کو قیامت کے دن استہزا کرنے کی سزا دی جائے گی۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ منافق اور کافر کو دنیا میں ڈھیل دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

استہزا اور اس کی سزا:

۱۔ انبیاء کے ساتھ استہزا کیا گیا۔ (الزخرف: ۷) ۲۔ اللہ اور اس کی آیات سے مذاق کیا گیا۔ (التوبۃ: ۶۵)
۳۔ نماز کے ساتھ استہزا کیا گیا۔ (المائدۃ: ۵۸) ۴۔ کفار نے نبی کریم ﷺ سے استہزا کیا۔ (الانبیاء: ۳۶)
۵۔ استہزا کرنے والوں کو رسوا کن عذاب ہوگا۔ (الجاثیۃ: ۹) ۶۔ اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ۔ (البقرۃ: ۲۳۱)
۷۔ اللہ کی آیات اور انبیاء سے مذاق کی سزا جہنم ہے۔ (الکہف: ۱۰۶)
۸۔ اے نبی ﷺ ہم آپ سے مذاق کرنے والوں سے نمٹ لیں گے۔ (الحجر: ۹۵)
۹۔ جہاں اللہ کی آیات سے مذاق کیا جائے وہاں نہ بیٹھو۔ (النساء: ۱۴۰)



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	اشْتَرَوُا	الضَّلٰلَةَ	بِالْهُدٰى ۪	فَمَا رَبِحَتْ
یہی لوگ	جنہوں نے	خرید لی	گمراہی	ہدایت کے بدلے	تو نہ فائدہ مند ہوئی

تِّجَارَتُهُمْ	وَمَا	كَانُوْا	مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾
ان کی تجارت	اور نہ	تھے وہ	ہدایت پانے والے

''یہی لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے خرید لیا ہے۔ پس نہ ان کی تجارت نے ان کو فائدہ دیا اور نہ یہ ہدایت پانے والے ہوئے۔''(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصّف میں ایمان لانے، نیک اعمال اور جہاد کرنے کو اپنے ساتھ تجارت کرنے کے مترادف قرار دیا ہے منافق ایمان اور اعمال میں مخلص نہیں ہوتے اس لیے وہ اس تجارت میں ہدایت کے بدلے گمراہی کے خریدار بن جاتے ہیں اور دھوکہ باز کی تجارت دینی ہو یا دنیوی اس کا انجام آخر خسارہ ہوتا ہے۔

ایمان کے جھوٹے دعوے اور اس جھوٹ کے ذریعے مومنوں کو دھوکہ دینے کی بنا پر منافقوں کے دل ایمان کی روشنی اور صحیح فیصلہ کرنے کی بصیرت سے محروم ہو چکے ہیں۔ منافق کی حالت اس شخص جیسی ہو جاتی ہے جو نقصِ بصر کی وجہ سے ہر چیز کو ٹیڑھا دیکھتا ہے۔ اسی بنا پر منافق ایمان اور بصیرت سے محروم ہونے کی وجہ سے فساد کو اصلاح اور صحابہ کے ایمان کو غیر دانشمندانہ اقدام اور بے وقوفی قرار دیتے ہیں۔ مزید برآں کہ اللہ کی طرف سے ان کی رسی دراز ہو چکی ہے۔ جس بنا پر یہ عقل و دانش سے اندھے، حقیقی اور دائمی نفع و نقصان میں فرق کرنے کی صلاحیت سے تہی دامن ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے نفع کی بجائے نقصان پانے والے سوداگر بن چکے ہیں۔ حالانکہ کم سے کم عقل رکھنے والا انسان بھی وہ کام کرتا ہے جس میں اسے زیادہ سے زیادہ فائدہ دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو نفع و نقصان کا اس قدر شعور بخشا ہے کہ ایک گنوار اور اَن پڑھ ریڑھی لگانے والے محنت کش کو معلوم ہو جائے کہ اس کے مال کی قیمت فلاں بازار یا شہر میں زیادہ ہے تو وہ وہاں جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ اور اس کے بندوں کو دھوکہ دینے والے منافق اس قدر کوتاہ چشمی کا شکار ہو چکے ہوتے ہیں کہ انہیں ایمان و ایقان اور کفر و نفاق، آخرت اور دنیا کی نعمتوں میں فرق دکھائی نہیں دیتا۔ جب کہ دنیا آخرت کی کھیتی اور نیک اعمال آخرت کی نعمتوں کی قیمت ہیں۔

دنیا دارالعمل اور تجارت گاہ ہے اس بنا پر فطری طور پر انسان کے ہر عمل کے پیچھے نفع اور نقصان کی سوچ کارفرما ہوتی ہے۔ اچھی سوچ کے بدلے ہدایت نصیب ہوتی ہے، ہدایت اور نیک عمل کے بدلے جنت عطا ہوگی۔ قرآنِ مجید نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور مال و جان کے ساتھ دین کی سربلندی کے لیے کوشش کرنے کو بہترین نیکی اور تجارت قرار دیا ہے۔ (الصّف: ۱۱ تا ۱۳) قتال فی سبیل کے بیان میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدلے جنت کا سودا کر لیا ہے۔ (التوبۃ:۱۱۱) مومن اپنے رب کی تابعداری کر کے اس کی رضا کا طلب گار اور جنت کا خریدار بن جاتا ہے۔ منافق اپنی منافقت اور کافر اپنے کفر کی وجہ سے اس سوداگری میں دنیا کی ذلّت اور آخرت کی سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ منافق جس عارضی عزت اور منفعت کے لیے جو کچھ کرتا ہے وہ حقیقت میں نقصان اور ہدایت سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ جب کوئی شخص جان بوجھ کر خسارے کی تجارت کرنے سے باز نہ آئے تو اسے نفع کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہی ہدایت کا معاملہ ہے لہٰذا گمراہی کا طالب ہدایت کس طرح پا سکتا ہے؟ اسی لیے ارشاد ہوا کہ یہ لوگ ہدایت نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتے رہنا چاہیے:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى))

(رواه البخاری: باب التَّعَوُّذِ مِنْ شرِ مَا عَمِلَ وَمِنْ شرِ مَا لَمْ يَعْمَلْ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، پرہیز گاری، تندرستی اور خوشحالی کا سوال کرتا ہوں۔''

سابقہ آیات میں منافقین کی نشانیاں:

۱۔ منافق دعوی ایمان میں جھوٹا ہوتا ہے۔ ۲۔ منافق شعور سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔
۳۔ منافقت دل کی بیماری ہے۔ ۴۔ منافق اصلاح کے نام پر فساد کرتا ہے۔
۵۔ منافق احمق ہونے کے باوجود مومنوں کو بے عقل سمجھتا ہے۔ ۶۔ منافق ایمان جیسی گراں قدر نعمت کو مذاق سمجھتا ہے۔
۷۔ منافق ہدایت کی بجائے گمراہی کا طلب گار ہوتا ہے۔

مسائل

۱۔ منافق ہدایت کے بدلے گمراہی کے خریدار ہوتے ہیں۔ ۲۔ منافقین کی تجارت سودمند نہ ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

منافق کا کردار اور انجام:

۱۔ منافق دغاباز، ریاکار اور بے توجہگی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ (النساء:۱۴۲)
۲۔ منافق کے کلمہ پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ (المنافقون:۱)
۳۔ منافق کی قسم پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ اسے ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ (المنافقون:۲)
۴۔ منافق جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ (النساء:۱۴۵) ۵۔ منافق کفار سے دوستی رکھتا ہے۔ (البقرۃ:۱۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَثَلُهُمْ	كَمَثَلِ	الَّذِي	اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ	فَلَمَّا	أَضَاءَتْ	مَا حَوْلَهُ
ان کی مثال	جیسے مثال	جس نے	بھڑکائی آگ	پھر جب	روشن کر دیا	جو اس کا اردگرد

ذَهَبَ	اللَّهُ	بِنُورِهِمْ	وَتَرَكَهُمْ	فِي	ظُلُمَاتٍ	لَّا يُبْصِرُونَ ﴿۱۷﴾
لے گیا	اللہ	ان کی روشنی	اور انہیں چھوڑ دیا	میں	اندھیرے	وہ نہیں دیکھتے

''ان کی مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی جب آگ نے آس پاس کے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا اب وہ دیکھ نہیں سکتے۔'' (۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ منافق کے کردار کی مثال۔

اس مثال کے ذریعے اسلام اور نفاق، منافقین اور سرورِ گرامی ﷺ کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے دن رات کی جدوجہد سے دینِ اسلام کو اس طرح پیش فرمایا کہ جس سے کفر اور اسلام، گمراہی اور ہدایت کے درمیان اس طرح امتیاز پیدا ہوا جس طرح روشنی اور اندھیرے کے درمیان فرق ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود منافقوں کے لیے اُن کے کفر ونفاق کی تاریکیاں اسلام کی روشن تعلیمات اور آپ ﷺ کی درخشاں سیرت کے درمیان حائل ہوگئیں یہ سب کچھ اس طرح ہوا جیسے ایک آدمی نے آگ جلا کر گھٹا ٹوپ راستے کو منور کر دیا ہوتا کہ اس راستے پر چلنے والے کو نشیب وفراز کا پتہ چل جائے۔ جونہی مسافر اس راستے پر چلنے کے لیے آمادہ ہوا تو اس کے خبثِ باطن کی وجہ سے اچانک راستہ خطرناک اندھیروں میں چھپ گیا۔ ذرا سوچئے اس مسافر کی کیا حالت ہوگی؟ بالکل یہی کیفیت منافقوں کے ساتھ پیش آئی کہ نبی معظم ﷺ کی ذات اور آپ کی تعلیمات کو سچ جاننے کے باوجود ان کا کفر ونفاق اور دنیاوی مفاد اس طرح حائل ہوا کہ اسلام کا راستہ روشن ہونے کے باوجود ان کو تاریک نظر آیا۔ اس کی وجہ ان کی منافقت اور گھناؤنا کردار تھا۔ جس بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا۔ اب صراطِ مستقیم کو دیکھنا اور اس پر چلنا ان کے بس کی بات نہیں کیونکہ اندھیرے میں کوئی چیز دکھائی نہیں دیا کرتی۔ یاد رہے کہ روشنی یعنی ہدایت ایک ہی ہے لیکن کفر وضلالت کے اندھیرے کئی قسم کے ہوتے ہیں اس لیے اندھیرے کے لیے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

منافق کا محشر کے دن حال:

قرآنِ مجید نے دوسرے مقام پر اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں نورِ ہدایت سے منہ موڑ لیا۔ ان کا محشر میں یہ حشر ہوگا۔

{ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ﴿۱۳﴾} (الحدید:۱۳)

''اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف دیکھو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔ ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور وہاں نور تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب ہوگا۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَاراً فَلَمَّا اَضَآءَ تْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفِرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَآبُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهَا وَجَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَیَغْلِبْنَهٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا هٰذِهٖ رِوَایَةُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهَا قَالَ فَذَالِكَ مَثَلِیْ وَمَثَلُكُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا)) (رواہ البخاری: کتاب الرقاق، رواہ مسلم: کتاب الفضائل)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا: میری مثال آگ روشن کرنے والے شخص کی طرح ہے۔ جب آگ سے اس کا آس پاس روشن ہو گیا تو پروانے اس میں گرنے لگے۔ آگ جلانے والے نے انہیں بچانے کی سر توڑ کوشش کی لیکن وہ اس سے بے قابو ہو کر گرتے رہے۔ بس میں تمہیں آگ سے بچانے کے لیے پیچھے سے پکڑتا ہوں لیکن تم ہو کہ اس میں گرتے جا رہے ہو۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم میں اس طرح ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسے ہے کہ میں تمہیں پیچھے سے پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ میری طرف آؤ اور آگ سے بچو، لوگو! آگ کی بجائے میری طرف آؤ۔ لیکن تم مجھ سے بے قابو ہو کر آگ میں گرے جا رہے ہو۔''

مسائل

۱۔ اسلام ایک روشنی ہے۔ ۲۔ نفاق اور کفر اندھیرے ہیں۔ ۳۔ نورِ ایمان کے بغیر ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

تفسیر بالقرآن

دین ایک روشنی ہے:

۱۔ اسلام ایک روشنی ہے۔ (الصّف:۷) ۲۔ ایمان اور دین نور ہے۔ (التغابن:۸)

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام روشنی کی دعوت دیتے تھے۔ (ابراہیم:۵) ۴۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت روشنی اور نور ہے۔ (ابراہیم:۱)

۵۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (البقرۃ:۲۵۷)

۶۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زمین و آسمان کا نور ہے (النور:۳۵)

۷۔ جس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی روشنی پر ہے۔ (الزمر:۲۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صُمٌّ	بُكْمٌ	عُمْيٌ	فَهُمْ	لَا	يَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾
بہرے	گونگے	اندھے	سووہ	نہیں	پلٹیں گے

''بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہیں پلٹتے۔'' (۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقوں کا تذکرہ جاری ہے۔ منافقت کی بیماری کے ظاہری اعضا پر منفی اثرات۔

جو لوگ رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ اقدس کو پہچاننے اور دین اسلام کے اوصاف کو جاننے کے باوجود کفر و نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ اس شخص کی طرح ہیں جو آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا اور زبان سے گونگا ہے۔ ایسے لوگ نہ عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں نہ نصیحت کی زبان سنتے ہیں اور نہ ہی سبق آموزی کے لیے سوچنے پر تیار ہیں۔ یہ تو چلتے پھرتے انسانی ڈھانچے اور لکڑی یا پتھر کے ستون کی طرح ہیں اس کے سوا کچھ نہیں۔ لکڑی اور پتھر تو نہیں سنا کرتے لہٰذا یہ لوگ ہدایت پائیں تو کس طرح؟ کان، آنکھ اور چھونے کی حس ہدایت پانے اور راہنمائی حاصل کرنے کے جسمانی ذرائع ہیں یہ مفلوج ہو جائیں تو ایسے شخص کو کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ گونگا، بہرہ اور اندھا شخص کسی کا ہاتھ پکڑے بغیر کہیں نہیں جا سکتا۔ یہی منافق کی حالت ہوتی ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَآءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ})) (رواہ الترمذی: باب ومن سورۃ ویل للمطففین [حسن])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: آدمی جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے جب وہ بے چین ہو کر توبہ و استغفار کرتا ہے تو اس کے دل کو پالش کر دیا جاتا ہے اور اگر پھر وہ مزید گناہ کرتا ہے تو وہ نکتہ بڑھا دیا جاتا ہے حتی کہ وہ پورے دل پر غالب آ جاتا ہے اور یہی زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ (ہرگز نہیں بلکہ جو وہ کماتے تھے اس کے سبب ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے) (المطففین: ۱۴)۔''

مسائل

۱۔ کافر اور منافق اندھے، بہرے، گونگے ہونے کی وجہ سے اعلام کی روشنی سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

تفسیر بالقرآن

کان، آنکھ اور دل سے کام نہ لینے والے لوگ:

۱۔ کفار کان، آنکھ اور دل کو استعمال نہیں کرتے۔ (الاعراف: ۱۷۹)

۲۔ دل، آنکھ اور کان سے استفادہ نہ کرنے والے جانوروں سے بدتر ہیں۔ (الاعراف: ۱۷۹)

۳۔ جہنمی سماعت و بصیرت استعمال نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کریں گے۔ (الملک: ۱۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ

یا جیسے بارش کی مانند آسمان سے اس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی وہ ڈال لیتے ہیں

اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں بوجہ کڑک ڈر موت کے اور اللہ گھیرنے والا

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا

کافروں کو قریب ہے بجلی اُچک لے ان کی آنکھیں جب بھی وہ چمکی ان پر چل پڑتے ہیں

فِيْهِ ۬ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

اس میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے ان پر وہ کھڑے ہوئے اور اگر چاہتا اللہ

لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۳ ۲

چھین لیتا ان کی سماعت اور ان کی آنکھیں یقیناً اللہ پر ہر چیز قادر

''یا آسمان سے بارش کی طرح جس میں اندھیرے گرج اور بجلی ہو۔ موت سے ڈر کر کڑک کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔(۱۹) قریب ہے بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے۔ جب ان کے لیے روشنی ہوتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں کو لے جائے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''(۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دین کے بارے میں دوسری مثال۔

دین اسلام ایک ابر باراں ہے مگر اس میں منافق کی حالتِ زار بیان کی گئی ہے۔ بارش کی مثال کے ساتھ اسلام کی روشنی اور نفاق کی تاریکیوں کا فرق واضح کیا جا رہا ہے۔ جس طرح بارش اوپر سے نازل ہوتی ہے اللہ کا دین بھی آسمانوں سے نازل ہوا ہے۔ اس سے نہایت لطیف انداز میں کفار کے الزام کی تردید کی جا رہی ہے کہ دین کسی شخص کے ذہن کی اختراع اور زمین کی پیداوار نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ جس طرح بارش سے بیک وقت ہر چیز تر و تازہ ہو جاتی ہے ایسے ہی دین اسلام سے دل شاد، کردار میں نکھار اور دنیا میں برکات نازل ہوتی ہیں۔ بارش میں بسا اوقات اندھیرا اور گرج چمک ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح ہی دین اسلام اختیار کرنے، اس کے نفاذ سے اس کے متبعین کو دنیا میں فوائد بھی ملتے ہیں اور انہیں امتحانات اور کچھ دینوی نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن سچے اور پکے مسلمان ان مشکلات کو قبول کرتے ہوئے آگے ہی بڑھا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ دنیا و آخرت میں اپنی منزلِ مراد کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس منافق بارش میں چلنے والے اس مسافر کی طرح ہوتا ہے جو بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں ڈال کر اپنے آپ کو بجلی کی چکا چوند روشنی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنے سے نہ روشنی اس سے دور ہو سکتی ہے اور نہ وہ آسمانی بجلی کی چمک کڑک سے بچ سکتا ہے۔ جس طرح ساری دنیا مل کر بھی بارش کو نہیں روک سکتی ایسے ہی منافق اور کفار جتنی چاہیں کوشش کریں نہ یہ اسلام کی روشنی مٹا سکتے ہیں اور نہ ہی غلبۂ اسلام میں ان کی کوششیں اور سازشیں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔

منافق کا کردار یہ ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں سے فائدہ حاصل ہونے کی توقع ہو تو منافق مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ مخلص مسلمانوں سے بھی چار قدم آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جوں ہی اس کے مفاد کو ٹھیس پہنچنے کا خدشہ ہو تو اس کے قدم جم جاتے ہیں۔ منافقوں کی حرکات اور منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی سمع و بصر کی حقیقی صلاحیتیں سلب کر لی ہیں۔ اگر ربِّ ذوالجلال چاہے تو ان کے کان اور آنکھوں کی جسمانی صلاحیتوں کو بھی مسخ کر دے کیونکہ قادرِ مطلق کی طاقت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔

((عَنْ أَبِي مُوسٰى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ مَابَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَكَانَتْ مِنْهَآ أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَآءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ أُخْرٰى إِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهٗ مَابَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ))

(رواہ البخاری: کتاب العلم، باب فضل من علم)

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس علم اور ہدایت کے ساتھ مجھے بھیجا ہے اس کی مثال زمین پر مسلسل برسنے والی بارش کی طرح ہے۔ زمین کا جو قطعہ اچھا تھا اس نے اسے قبول کیا اس نے گھاس اور سبزے کو خوب اگایا۔ دوسری زمین سخت تھی پانی جذب ہونے کی بجائے اس پر کھڑا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ لوگوں نے خود پانی پیا اور جانوروں کو پلایا اور پھر اس سے کھیتی باڑی کی جبکہ تیسرا زمین کا ٹکڑا چٹیل میدان تھا نہ اس نے پانی جذب کیا اور نہ ہی پانی اس کے اوپر ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دین دے کر مجھے مبعوث فرمایا اس دین کی فہم حاصل کرنے والے اور اس سے نفع اٹھانے والے کی مثال ایسے ہے کہ اس نے علم سے فائدہ اٹھایا خود سیکھا اور لوگوں کو بھی تعلیم دی۔ دوسری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بے پرواہی سے علم کی طرف توجہ نہ کی اور نہ ہی اس بات کو قبول کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔''

مسائل

۱۔ دینِ اسلام بارانِ رحمت ہے۔ ۲۔ اسلام پر عمل پیرا ہونے میں آزمائشیں بھی آتی ہیں۔
۳۔ منافق صرف فائدے کی بنیاد پر اسلام پر عمل کرتا ہے۔ ۴۔ منافق کسی آزمائش میں پورا نہیں اترتا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو منافقین کے سمع و بصر ختم کر دے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت و سطوت رکھنے والا ہے۔
۷۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی گرفت کرنے والا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور وہ لوگ جو سے تم سے پہلے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ

تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو

بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

چھت اور اس نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس کے ساتھ سے پھل (جمع)

رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

رزق تمہارے لیے سو نہ بناؤ اللہ کے لیے کوئی شریک اور تم جانتے ہو

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔(۲۱) اس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل فرما کر اس سے تمہارے لیے پھل پیدا کیے جو تمہارے رزق ہیں جاننے کے باوجود اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔''(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمانداروں، کفار اور منافقین کے ذکر کے بعد توحید اور عبادت کا بیان ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا مرکزی پیغام ''اللہ'' کی توحید اور اس کی ربوبیت کا اقرار ہے جس کا منطقی نتیجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔

اکثر مفسرین نے عبادت کا معنی تذلّل یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنا بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت میں عاجزی اور انتہا درجے کی انکساری ضروری ہے کہ آدمی اللہ کے حضور قیام کرے تو نا صرف زبان سے اقرار کرے بلکہ اس کا پورا جسم خاموش گواہی دیتا ہو کہ میرے جسم کا ایک ایک ریشہ تیرے حضور عاجز و بے بس ہے۔ جبینِ نیاز جھکائے تو اپنے آپ کو عجز و انکساری کی انتہا تک لے جائے گویا کہ وہ پستیوں کے سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ زبان جنبش کرے تو اس کی حمد و ثنا کے گیت گائے، دستِ سوال دراز کرے تو سراپا التجا بن جائے۔ مال خرچ کرے تو اس عاجزی کے ساتھ کہ میں تو مالک کی ملکیت ہی واپس لوٹا رہا ہوں نہ میرا مال ہے اور نہ اس میں میرا کمال ہے۔

اس عہد کو نمازی پانچ وقت تشہد کی زبان میں دہراتا ہے کیوں کہ عبادت تین ہی طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ))(رواہ البخاری: باب التَّشَهُّدِ فِي الآخِرَةِ)

''تمام قسم کی قولی، فعلی اور مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادت کا جامع تصور:

{ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ } (الانعام: ۱۶۲ تا ۱۶۳)

''کہہ دیجیے! یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا اسلام لانے والا ہوں۔''

اس آیت میں عبادت کا وسیع تخیل پیش کیا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی منڈی اور بازار میں ہو تو امانت و دیانت کا نمونہ بن جائے، کسی کے ہاں مزدور اور خدمت گزار ہو تو وفاداری کا پیکر ہو جائے، حکمران ہو یا کوئی ذمہ داری اٹھائے تو قوم کا خادم اور مالکِ حقیقی کا غلام بن کر رہے۔ غرضیکہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور شعبہ رب کی غلامی اور سرافگندگی کے لیے وقف کرنے کا نام ہی عبادت ہے۔ یہی انسان کی تخلیق کا مقصد اور اسی کے لیے انسان کا ہر عمل وقف ہونا چاہیے۔ انبیائے عظامؑ اپنی دعوت کا آغاز اسی سے کیا کرتے تھے۔

اس تصورِ عبادت سے ہٹنا مقصدِ حیات کی نفی اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ جس کا آدمی کو کسی حال میں حق نہیں پہنچتا۔ ایمان، کفر اور نفاق کی بڑی بڑی نشانیاں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بلا امتیاز تمام طبقاتِ انسانی کو عبادت کا حکم دیتے ہوئے اپنی عبادت کے استحقاق کی یہ دلیل دی ہے کہ اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں، تمہارے آباؤ اجداد اور سب لوگوں کو پیدا فرمایا۔ اسی نے تمہارے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو سائبان، پھر آسمان سے پانی نازل کیا جس سے تمہارے رزق کا بندوبست فرمایا۔ یہ سب کچھ ایک رب نے پیدا کیا اور وہی تمہارا خالق و مالک ہے۔ یہ حقائق تم بھی جانتے ہو کہ تمہاری اور کائنات کی تخلیق اور تمہارے رزق کے بندوبست میں اللہ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے پھر ایسے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کی کس طرح جرأت کرتے ہو؟ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں لہٰذا تمہیں صرف ایک اللہ کی ہی عبادت کرنا چاہیے۔ توحید ربوبیت اور خالقیت کا شعور دلا کر انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے تاکہ انسان یہ سمجھے کہ کسی غیر کی نہیں بلکہ میں اپنے خالق، رازق اور مالک کی ہی عبادت کر رہا ہوں۔ ابتدا میں توحید کے طبعی، فطری اور آفاقی دلائل دیئے گئے ہیں تاکہ انسان کو توحید سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسی سے قرآن مجید کا آغاز ہوا ہے کیونکہ توحید فطرت کی آواز اور انسان کے ضمیر کی ترجمان ہے۔

{ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ۝ } (العلق: ۱)

''اپنے پیدا کرنے والے رب کے نام سے پڑھیے۔''

ایک مبلغ کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے سامع کے سامنے اولاً توحید کی ایسی دلیل پیش کرے جس کو سمجھنے اور تسلیم کرنے میں آسانی ہو۔ لہٰذا یہاں پانچ دلائل ایسے بیان ہوئے ہیں جن کا بدترین منکر بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہاں تخلیقِ انسانی کے مختلف دلائل دیے جاتے ہیں باقی دلائل کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر بیان ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ اللہ جو سب سے بہترین بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔'' (المومنون: ۱۲ تا ۱۴)

اَنْدَادًا ''ند'' کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے ہمسر اور شریک۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا سدِ باب کرنے کے لیے ہر ایسے قول و فعل سے منع فرمایا ہے جس میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو۔ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: "مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ" ''جس طرح اللہ اور آپ چاہیں۔'' اس پر آپ نے فرمایا: "جَعَلْتَنِي لِلّٰهِ عَدْلًا" ''تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا دیا ہے کہو "مَاشَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ" ''جو اللہ اکیلا چاہے۔'' (رواہ احمد: مسند عبداللہ بن عباس [صحیح])

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام انسانوں کا خالق اور پالنے والا ہے۔ سب کو اپنے رب کی ہی عبادت کرنا چاہیے۔
۲۔ اللہ ہی نے زمین کو فرش، آسمان کو چھت بنایا اور وہی آسمان سے بارش نازل کرتا اور ہمارے لیے رزق پیدا کرتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔ ۴۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

تفسیر بالقرآن

عبادت اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت:

۱۔ جن اور انسان اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ (الذّاریات: ۵۶)
۲۔ تمام انبیاء اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے اور شیطان کی عبادت سے روکتے تھے۔ (الاعراف: ۵۹، ۶۵، ۷۳)
۳۔ عبادت کا مفہوم۔ (انعام: ۱۶۳) ۴۔ اللہ کی عبادت کرنے میں کامیابی ہے۔ (الحج: ۷۷)

تخلیقِ انسانی کے مختلف مراحل:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ (آلِ عمران: ۵۹) ۲۔ حضرت حوا، حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئی۔ (النساء: ۱)
۳۔ انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل۔ (المؤمنون: ۱۲ تا ۱۴) ۴۔ یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ (الحجر: ۲۶)
۵۔ اللہ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر: ۲)
۶۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر۔ (الحج: ۵)
۷۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ، پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔ (المومن: ۶۷)
۸۔ کیا تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الکہف: ۳۷)



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنْ	كُنْتُمْ	فِيْ	رَيْبٍ	مِّمَّا	نَزَّلْنَا	عَلٰى	عَبْدِنَا
اور اگر	تم ہو	میں	شک	سے جو	ہم نے اُتارا	پر	اپنا بندہ

فَاْتُوْا	بِسُوْرَةٍ	مِّنْ	مِّثْلِهٖ ص	وَادْعُوْا	شُهَدَآءَكُمْ	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اِنْ
تو لے آؤ	ایک سورۃ	سے	اس جیسی	اور بلالو	اپنے مددگاروں کو	اللہ کے سوا	اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾	فَاِنْ	لَّمْ تَفْعَلُوْا	وَلَنْ تَفْعَلُوْا	فَاتَّقُوا	النَّارَ
تم سچے ہو	پھر اگر	تم نہ کرسکو	اور ہرگز نہ کرسکو گے	تو ڈرو	آگ

الَّتِيْ	وَقُوْدُهَا	النَّاسُ	وَ	الْحِجَارَةُ ج	اُعِدَّتْ	لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾
جو	اس کا ایندھن	انسان	اور	پتھر ہیں	تیار کی گئی	کافروں کے لیے

لٹھ ہُن

''ہم نے جو اپنے بندے پر اتارا ہے اگر اس میں تمہیں شک ہو تو تم اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (۲۳) پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تو ہرگز نہیں کرسکو گے پس اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: توحید کے بیان کے بعد قرآنِ مجید کے بارے میں چیلنج دیا گیا ہے کیونکہ قرآن نے ہی توحید کے دلائل اور دیگر مسائل بتلائے ہیں اس لیے ابتدا میں قرآن کی حقانیت کے بارے میں شک کرنے والوں کو چیلنج دیا گیا ہے کہ یہ قرآن من جانب اللہ ہے اور کسی انسان کی ذہنی اختراع نہیں ہے اگر پھر بھی تمہیں یقین نہیں آتا تو تم ایسا کلام بنا کر دکھاؤ۔

اہلِ مکہ رسالت مآب ﷺ کی نبوت کے انکار کے لیے مختلف بہانے بنایا کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ نبوت کے منصبِ جلیلہ کے لیے معاشی اعتبار سے خوشحال، سیاسی لحاظ سے طاقتور اور خاندانی اعتبار سے کسی بڑے قبیلے کا سردار ہونا چاہیے تھا۔ پھر مکہ میں ابوالحکم بن ہشام یعنی ابوجہل اور کبھی طائف کے مختلف سرداروں کے نام لیتے تھے حالانکہ لوگوں کی نظروں میں آپ ﷺ کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا نام جچتا ہی نہیں تھا کیونکہ سیرت وصورت کے حوالے سے آپ کا پلہ سب پر بھاری تھا۔ جب اس میں ناکامی کا منہ دیکھتے تو پروپیگنڈہ کرتے کہ یہ کلام روم کے فلاں شخص سے خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے پیش کیا جارہا ہے۔ قرآن مجید نے پہلے اور دوسرے اعتراض کا یہ جواب دیا کہ نبوت تو سراسر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا دل نورِ الٰہی کا اہل، کونسی زبان اس کے بیان کرنے پر قادر، اور کون سے کندھے اس بارگراں کو اٹھانے کے متحمل ہوسکتے ہیں۔ [الانعام: ۱۲۴] دوسرے اعتراض کا جواب فقط اتنا دیا کہ جس شخص کو تم محمد (ﷺ) کا معلم و مرشد کہتے ہو وہ تو عربی کے حروفِ ابجد سے بھی واقف نہیں جبکہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ، حقائق و ہدایت کا بے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثل منبع اور عربی ادب کا شاہکار ہے۔[النحل: ۱۰۳] ان دلائل کے باوجود کفار کو کھلے چیلنج دیئے جن میں ایک زوردار چیلنج یہ ہے کہ ہم نے اپنے محبوب بندے پر قرآن نازل کیا ہے اگر اس کے من جانب اللہ ہونے پر تمہیں شک ہے اور تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا جہاں کے جن وانس اور جس کو چاہو اور جب چاہو اپنے ساتھ ملا کر ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ لیکن یاد رکھنا اب تک یہ نہ ہوا اور نہ قیامت تک ایسا ہو سکے گا۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع، لازوال اور بے مثال ہے اسی طرح اس کا کلام اعلیٰ، ارفع، لازوال اور بے مثال ہے۔ انسانوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے اللہ کریم کی طرف سے نبی محترم ﷺ کو قرآن مجید کی صورت میں ایسا معجزہ عطا کیا گیا ہے جس کی طاقت سے نبی معظم ﷺ نے دنیا کے سخن وروں، قانون دانوں، شاعروں اور ادیبوں کو لاجواب کر دیا ہے۔ اس کے باوجود ہر دور کے کافر قرآن مجید، فرقان حمید کی مخالفت کرتے آرہے ہیں لیکن بالآخر انہیں اپنی ناکامیوں کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ جس کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں تاکہ قرآن کے طالب علم کو معلوم ہو جائے کہ منکرینِ قرآن کس طرح اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ قرآن کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کا روگ نہیں لہٰذا آگ سے بچو جس میں پتھروں اور انسانوں کو جھونکا جائے گا جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومت فرانس کی وزارتِ معارف نے قرآنِ حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس کا اعتراف۔

''بے شک قرآن کا طرزِ بیان اللہ تعالیٰ کا طرزِ بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق ومعارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ کلامِ الٰہی ہی ہو سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک وشبہ کرنے والے بھی جب اس کی عظیم تاثیر کو دیکھتے ہیں تو تسلیم واعتراف پر مجبور ہو جاتے ہیں، پچاس کروڑ مسلمان (اس تحریر کے وقت مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی تھی 2014ء میں یہ تعداد ڈیڑھ ارب سے زائد ہے) جو سطح زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیح مشن میں کام کرنے والے بالاجماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔'' [معارف القرآن مفتی محمد شفیع]

ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتاب ''تمدنِ عرب'' میں قرآن کی حیرت انگیزی کا اعتراف کیا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''پیغمبر نبی اُمّی اسلام کی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے، جس کی آواز نے ایک قومِ ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک کے زیرِ حکومت نہ آئی تھی رام کیا، اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیروزبر کر ڈالا۔''

مسٹر وڈول جس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''جتنا بھی ہم اس کتاب یعنی قرآن کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی مرغوبیت نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، فوراً ہمیں مسخر اور متحیر کر دیتی ہے اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے، اس کا طرزِ بیان باعتبار اس کے مضامین کے، عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنچ جاتے ہیں، غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پرزور اثر دکھاتی رہے گی۔'' (شہادۃ الاقوام، ص ۱۳)

مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنروی کی کتاب الاسلام کا ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا، اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی۔ اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کئے ہیں:

''عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل ان پڑھ تھا، تمام مستشرقین نے اقرار کرلیا ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مطمئن کیا اور ان کو خدا کا معترف ہونا پڑا۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے، اور بشپ چلّا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا۔'' (شہادۃ الاقوام ص ۱۴)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۶ میں تحریر ہے:

''قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل موافق ہیں، بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں، مظاہرِ قدرت، تاریخ، الہامات، انبیاء کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت، مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے، بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے خدا کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے، بت پرستی کو بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے، قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔

۲۔ ساری مخلوق مل کر بھی قرآن کی ایک سورت جیسی سورت نہیں بنا سکتی۔ ۳۔ جہنم میں پتھر اور ''اللہ'' کے نافرمان جھونکے جائیں گے۔

۴۔ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے۔ ۵۔ قرآن کے منکر جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن کے چیلنج:

۱۔ جن اور انسان مل کر اس جیسا قرآن بنالاؤ۔ (بنی اسرائیل: ۸۸) ۲۔ کوئی دس سورتیں بنالاؤ۔ (ھود: ۱۳)

۳۔ کوئی اس جیسی ایک سورت بنالاؤ۔ (یونس: ۳۸) ۴۔ قیامت تک نہیں بنا سکتے۔ (البقرۃ: ۲۳)

۵۔ اس جیسی کوئی آیت لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (الطور: ۳۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

اور خوشخبری دو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک یقیناً ان کے لیے باغات

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ

بہتی ہیں سے ان کے نیچے نہریں جب دیئے جائیں گے ان کو اس سے سے کوئی پھل

رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ

رزق وہ کہیں گے یہ وہ جو کہ ہمیں دیا گیا سے پہلے اور انہیں دیا جائیگا اس سے

مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ملتا جلتا اور ان کے لیے اس میں بیویاں پاکیزہ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

''اور ایمان لانے اور صالح اعمال کرنے والوں کو خوش خبری دیں کہ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ جب جنتی پھلوں سے رزق دیے جائیں گے تو وہ کہیں گے یہ وہی ہیں جو ہم اس سے پہلے دیے گئے تھے اور انہیں اس سے ملتے جلتے پھل دیے جائیں گے اور ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، قرآن مجید اور نبوت کے بارے میں شک وانکار کرنے والوں کو سخت ترین عذاب کا انتباہ کرنے کے بعد اب ان لوگوں کو کامیابی کی نوید اور پیغامِ مسرت دیا جارہا ہے جو ایمانِ خالص کے ساتھ نیک عمل کرتے ہیں۔

یاد رہے نیک عمل میں ایمان باللہ کے بعد تین چیزیں لازم ہیں:

(۱)۔اخلاصِ نیّت (۲)۔سنت کی اتباع (۳)۔فرائض پر ہمیشگی

نوافل میں پہلی دو شرائط لازمی ہیں اور تیسری شرط افضل ہے ضروری نہیں۔

جنت کے پھل شکل وصورت کے اعتبار سے دنیا کے پھلوں سے ہم رنگ اور ہم شکل ہوں گے۔ جنہیں دیکھتے ہی اہلِ جنت پکار اٹھیں گے کہ ان جیسے پھل تو دنیا میں بھی ہمیں دیے گئے تھے۔ شاید یہ اس لیے ہوگا کہ جنتیوں کو اتنی بھی زحمت اور پریشانی نہ اٹھانا پڑے کہ وہ جنت کے باغات اور پھلوں کے بارے میں ملائکہ یا ایک دوسرے سے پوچھنے کی زحمت اٹھائیں۔ یہ کیا ہے؟ اور وہ کونسا پھل ہے اور اسے کس طرح کھانا ہے؟ لہٰذا پہلے سے ہی ان کی شکلوں اور ناموں سے متعارف اور مانوس ہوں گے تاکہ انہیں ایک ناواقف شخص کی طرح شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ تاہم جنت کے پھل رنگت، حجم، لذت اور خوشبو کے اعتبار سے دنیا کے پھلوں سے ہمارے تصورات سے کہیں بڑھ کر مختلف ہوں گے۔ اسی طرح جنت کی عورتیں جسمانی آلائشوں اور بیماریوں سے پاک، خاوندوں کی نافرمانی سے محفوظ اور سوتنوں کے حسد ورشک سے مبرا ہوں گی۔ ان کے حسن و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمال کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اس طرح فرمایا کرتے تھے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ اللهُ تَعَالٰى أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ}))(رواہ البخاری: باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا۔ اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو۔ {کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے}۔''

((وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ نِّسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا يَعْنِي الْخِمَارَ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا))(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

''اگر اہل جنت کی عورتوں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق و مغرب اور جو کچھ اس میں ہے روشن اور معطر ہو جائے نیز اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔''

قرآنِ مجید نے ''أَزْوَاجٌ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنیٰ ہے جوڑا۔ جو اس طرح ہوگا کہ اگر نیک خاتون کا خاوند جہنم رسید ہوا تو اسے دوسرے جنتی کی زوجہ بنا دیا جائے گا اور جس کی بیوی جہنمی ہوگی اسے دنیا کی نیک خاتون عطا کی جائے گی۔ قرآن مجید نے عورتوں کی حیا کے پیشِ نظر یہ نہیں فرمایا کہ ان کے لیے خوبصورت مرد ہوں گے۔ ایسا کہنا قرآن کے اسلوبِ بیان کے خلاف تھا۔ مرد طبعی طور پر نسبتاً عورت سے کم حیا رکھتا ہے اس لیے فرمایا کہ جنت میں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی۔ یہ اس لیے بھی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو دنیا میں نگران بنایا ہے اور جنت میں بھی ان کو عورتوں پر سردار بنائے گا۔ جنتیوں کو یہ خوشخبری بھی دی جا رہی ہے کہ جنت اور اس کی نعمتیں ان کے لیے ہمیشہ اور جنتیوں کو حیاتِ جاوداں حاصل ہوگی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ وَاقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ {وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ}))(رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ گھوڑے پر سوار شخص اس کے سائے میں سو سال تک چل سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: اور سائے ہیں لمبے لمبے۔''

((عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ قَيْسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ طُوْلُهَا سِتُّوْنَ مِيْلًا لِلْمُؤْمِنِ فِيْهَا أَهْلُوْنَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا يَرٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا))(رواہ مسلم: باب فی صفة خیام الجنة)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جنت میں مومن کے لیے موتی کا ایک ایسا خیمہ ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی وہاں مومن کے گھر والے ہوں گے جن کے ہاں وہی جائے گا کوئی کسی کو نہ دیکھ سکے گا۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالَّذِيْنَ عَلٰى آثَارِهِمْ كَأَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَآءِ إِضَآءَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ لَا تَبَاغُضَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَحَاسُدَ لِكُلِّ امْرِيءٍ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَرَآءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ))(رواه البخاری: باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں پہلا گروہ جنت میں چودھویں رات کے چاند کی صورت میں داخل ہوگا اس کے بعد کے لوگ آسمان میں چمکدار اور حسین ستارے کی مانند ہوں گے ان کے دل ایک ہی آدمی کے دل کی طرح ہوں گے ان کے درمیان نہ کوئی بغض ہوگا اور نہ ہی حسد۔ ہر ایک جنتی کے لیے حور العین میں سے دو بیویاں ہوں گی جن کی ہڈیوں کا گودا، گوشت اور ہڈیوں کے درمیان سے نظر آئے گا۔''

مسائل

۱۔ صاحب ایمان اور نیک اعمال کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت، ہر قسم کے پھل، پاکیزہ بیویاں اور جنت میں ہمیشہ رہنے کی خوشخبری ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنت کی ازواج:

۱۔ حوریں نوجوان، کنواریاں اور ہم عمر ہوں گی۔(الواقعہ: ۳۵ تا ۳۸) ۲۔ یاقوت و مرجان کی مانند ہوں گی۔(الرحمٰن: ۵۸)
۳۔ خوبصورت اور خوب سیرت ہوں گی۔(الرحمٰن: ۷۰) ۴۔ خیموں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔(الرحمٰن: ۷۲)
۵۔ شرم وحیا کی پیکر اور انہیں کسی نے چھوا نہیں ہوگا۔(الرحمٰن: ۵۶)
۶۔ خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والیاں ہوں گی۔(الصافات: ۴۸، ۴۹) ۷۔ جنتیوں کی ہم عمر ہونگی۔(ص: ۵۲)



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ

یقیناً اللہ نہیں شرماتا یہ کہ وہ بیان کرے مثال جو مچھر خواہ جو اس سے اوپر

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

سو جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں بیشک وہ حق سے ان کے رب سے اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ

کفر کیا وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس سے مثال وہ گمراہ کرتا ہے اس سے

كَثِيْرًا ؕ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾

بہت کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہت کو اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو

وقف لازم

''اللہ تعالیٰ یقیناً نہیں شرماتا کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی ہو یا اس سے حقیر تر چیز کی جو لوگ ایمان لائے وہ تو اسے اپنے رب کی طرف سے حق سمجھتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال کے ساتھ کیا ارادہ کیا ہے۔ اللہ اس مثال کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور نہیں گمراہ کرتا مگر نافرمانوں کو۔'' (۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے مرکزی اور بنیادی باتوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ اب قرآنِ مجید میں بیان ہونے والی امثال کی وضاحت اور ان کے ردِّعمل کا بیان ہوتا ہے۔

انسانی فطرت شروع سے اس بات کی متقاضی رہی ہے کہ جو بات مشکل یا لطیف ہو وہ مثال کے ذریعے سمجھائی جائے تو نہ صرف بات اس کی سمجھ میں آجاتی ہے بلکہ وہ بات آدمی کو مدت تک یاد رہتی ہے۔ فطرت کے اس تقاضے اور فہم کی آسانی کے لیے قرآن مجید میں کئی مسائل کو امثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ بالخصوص توحید کی حقانیت اور شرک کی ناپائیداری اور بے بضاعتی سمجھانے کے لیے جب یہ مثال دی گئی کہ شرک کا عقیدہ اور اس کے متعلقات مکڑی کے جالے کی طرح ناپائیدار اور کمزور ہیں جیسے مضبوط چھت کے ہوتے ہوئے مکڑی کا تانا بانا کمزور ہوتا ہے۔ [العنکبوت: ۴۱] جو نہ ہوا کو روکتا ہے اور نہ ہی مکڑی کا سردی اور گرمی میں دفاع کرتا ہے۔ بلکہ معمولی ہوا بھی جالے سمیت مکڑی کو اٹھا کر دور پھینک دیتی ہے۔ یہی مشرک کے عقیدے کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مضبوط سہارا چھوڑ کر کبھی مُردوں کو پکارتا ہے اور کبھی بے جان شجر و حجر کو وسیلہ بناتا ہے۔ حالانکہ معبودانِ باطلہ سے اگر مکھی کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ کس قدر طالب و مطلوب کمزور ہیں۔ [الحج: ۷۳] مکھی کی مثال سے یہ بھی واضح ہوا کہ جس طرح عام مکھی پھول اور گندگی پر بیٹھنے سے پرہیز نہیں کرتی۔ ایسے ہی مشرک توحید اور شرک میں فرق نہیں کرتا اور جگہ جگہ ٹکریں مارتا پھرتا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ مشرک اور کافر ان مثالوں پر غور کرتے ہوئے اپنے باطل نظریہ پر نظر ثانی کرتے۔ اُلٹا انہوں نے یہ کہا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ربِ جلیل کو اتنی حقیر چیزوں کی مثال نہیں دینا چاہیے تھی ایسی مثالیں دینا ذاتِ کبریا کو زیبا نہیں ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ مخلوق ہونے کے ناطے تم سب یکساں ہو۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی بڑی مخلوق کا واحد خالق اور مالک ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے ذرا اپنی طرف غور کیجئے کہ ایک باپ کے بچے حسن و جمال، طاقت وصلاحیت اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اس کے باوجود باپ ہونے کے ناطے وہ سب سے ایک جیسا پیار کرتا ہے۔ بلکہ فطرتاً کمزور اولاد کے ساتھ زیادہ شفقت کرتا ہے۔ جب فطرت تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے تو خالق اپنی مخلوق کو کیوں حقیر سمجھے وہ تو سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے۔ قرآن نے مچھر کی مثال بیان نہیں کی صرف اشارہ فرما کر کفار کو چوکنا اور ذلیل کیا ہے کہ یہ ''اللہ'' کی مرضی ہے کہ جس چیز کی مثال بیان کرے یا اس کی طرف اشارہ فرمائے بہر حال ساری کی ساری مخلوق اسی کی ہے۔ خالق اپنی مخلوق کے تذکرہ میں عار نہیں سمجھتا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایمان داروں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور انکار کرنے والوں کا کفر وتمرد اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے وہ چیز مادی ہو یا روحانی انسان کو نظر آئے یا اس کی آنکھیں اسے دیکھنے سے قاصر ہوں۔ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کے اختیار میں ہے اسی لیے وہ ہدایت اور گمراہی کو اپنی ملکیت قرار دے کر اسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے کہ میں جس کو چاہوں ہدایت دوں اور جس کو چاہوں گمراہ کروں تاہم یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کا طلبگار ہے۔ اسی لیے اس نے انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگ ہدایت پا جائیں لیکن لوگوں کی اکثریت ہمیشہ گمراہی کو پسند کرتی رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو اختیاری قرار دیا ہے وہ جبراً کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ گمراہ کرتا ہے اس لحاظ سے ''یُضِلُّ'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو گمراہ ہونا چاہتا ہے۔ اسے وہ گمراہی میں آگے بڑھنے دیتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کوئی مثال دینے میں عار محسوس نہیں کرتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثال پر ایمان والوں کا ایمان بڑھتا ہے اور کافر مزید گمراہ ہو جاتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر اعتراض کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ ۴۔ فاسق لوگ ہدایت پانے کی بجائے مزید گمراہ ہو جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

توحید وشرک کے بارے میں چند امثال:

۱۔ ایک غلام کے دو مالک ہوں تو؟۔ (الزمر:۲۹) ۲۔ ناکارے اور کارآمد غلام کی مثال۔ (النحل:۷۶)

۳۔ مشرک کی تباہی کی مثال۔ (الحج:۳۱) ۴۔ باطل معبودوں اور مکھی کی مثال۔ (الحج:۷۳)

۵۔ دھوپ اور سایہ کی مثال۔ (فاطر:۲۱) ۶۔ اندھیرے اور روشنی کی مثال۔ (فاطر:۲۰)

۷۔ اندھے بہرے، دیدے اور سننے والے کی مثال۔ (ھود:۲۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ	يَنْقُضُوْنَ	عَهْدَ	اللّٰهِ	مِنْۢ	بَعْدِ	مِيْثَاقِهٖ ۪
جولوگ	توڑتے ہیں	وعدہ	اللہ کا	سے	بعد	اس کے پختہ کرنے

وَ يَقْطَعُوْنَ	مَآ	اَمَرَ اللّٰهُ	بِهٖٓ	اَنْ	يُّوْصَلَ	وَ يُفْسِدُوْنَ
اور کاٹتے ہیں	جس	حکم دیا اللہ	اس سے	یہ کہ	وہ جوڑے رکھیں	اور وہ فساد پھیلاتے ہیں

فِي	الْاَرْضِ ؕ	اُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾
میں	زمین	وہی لوگ	وہ	نقصان اٹھانے والے

''جولوگ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے پختہ عہد کو توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا انہیں کاٹتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔''(۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ مجید کی ابتدا یعنی البقرہ کے آغاز میں بنیادی اور مرکزی باتوں کا بیان ہوا ہے یہاں اس عہد کا ذکر ہو رہا ہے جس کی پاسداری کرنے کا حکم ہے جو روزِ اول ہی سے انسان سے لیا گیا تھا۔

تمام مفسرین نے اللہ کے عہد سے مراد وہی عہد لیا ہے جس کا تفصیلی ذکر سورۃ الاعراف: ۱۷۲ میں آیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت (آدم علیہ السلام) کو پیدا فرمایا تو آدم علیہ السلام اور اس کی پوری اولاد سے عہد لیا کہ کیا میں تمہارا رب ہوں؟ سب نے عہد کیا کہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ اسی عہد کی یاد اور وفاداری کے لیے انبیاء عظام مبعوث فرمائے گئے جنہوں نے ہر انداز سے لوگوں کو تجدیدِ عہد اور اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آمادہ کرنے کی کوششیں فرمائیں۔ لیکن ہر دور کی اکثریت نے اس عہد کی پاسداری کرنے کی بجائے کفر و شرک اور نافرمانی و سرکشی کو اختیار کیا۔ حالانکہ یہ عہد انسان کی جبلت میں اس حد تک رچا بسا ہے کہ انتہا درجہ کے مشرک اور کافر کو بھی شرک اور اس کے کفر کی نشاندہی کی جائے تو وہ چونک اٹھتا ہے اور اپنے کفر و شرک سے انکار کرتا ہے کیونکہ شرک و کفر فطرت کے خلاف ہے اور توحید فطرت کی آواز ہے۔ قرآن مجید نے عہد کے ساتھ میثاق کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے انتہائی پختہ عہد، لہٰذا توحید سے بڑھ کر پختہ عہد کوئی نہیں ہو سکتا۔ فطرت کے خلاف کرنا، رشتہ داریوں کو توڑنا، باہمی محبتوں کو قطع کرنا اور عہد شکنی کرنا۔ یہ امور فساد کی جڑ ہیں اور دنیا میں انہی کی وجہ سے فساد برپا ہوتا ہے ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں ناقابلِ تلافی نقصان پائیں گے۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ))(مسند احمد: کتاب باقي مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک [صحیح])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں جب بھی رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تو فرماتے کہ جو امانت دار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں وہ ایمان دار نہیں اور جو بدعہد ہے وہ دین دار نہیں۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ))(رواہ مسلم: باب صلة الرحم وتحریم قطیعتها)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ فرماتے ہیں رحم عرش کے ساتھ لپٹ کر کہتا ہے جو مجھے ملائے ''اللہ'' اسے ملائے اور جو مجھے کاٹے ''اللہ'' اسے کاٹ ڈالے۔''

((عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اِسْتِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرْفَعُ لَهٗ بِقَدْرِ غَدْرِهٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِيْرِ عَامَّةٍ))

(رواہ مسلم: باب تحریم الغدر)

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن انسان کی مقعد کے نزدیک جھنڈا ہوگا۔ ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا، جو اس کی عہد شکنی کے بقدر بلند کیا جائے گا۔ خبردار! سربراہِ مملکت سے بڑھ کر کسی کی عہد شکنی نہیں ہوتی۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عہد اور رشتہ داریوں کو توڑنے والے فسادی ہیں۔ ۲۔ فساد کرنے والے دنیا و آخرت میں نقصان پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

نقصان پانے والے لوگ:

۱۔ اسلام کا انکار کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (البقرۃ:۱۲۱)

۲۔ اسلام کے بغیر دین تلاش کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (آل عمران:۸۵)

۳۔ شیطان کی تابعداری کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (المجادلۃ:۱۹)

۴۔ مشرک نقصان پائیں گے۔ (الزمر:۶۵) ۵۔ کافر نقصان پائیں گے۔ (النحل:۱۰۹)

فسادی لوگ:

۱۔ فساد کرنے سے رُک جاؤ۔ (الاعراف:۸۵) ۲۔ حق کو خواہشات کے تابع کرنا فساد کرنے کے مترادف ہے۔ (المومنون:۷۱)

۳۔ منافق فسادی ہوتے ہیں۔ (البقرۃ:۱۱) ۴۔ خدا کے نافرمان فسادی ہیں۔ (الروم:۴۱)

۵۔ یاجوج و ماجوج فساد کریں گے۔ (الکہف:۹۴) ۶۔ فرعون فساد کرنے والا تھا۔ (یونس:۹۱)

۷۔ یہودی فساد پھیلانے والے ہیں۔ (المائدۃ:۶۴) ۸۔ بچوں کا قتل فساد ہے۔ (القصص:۴)

۹۔ فسادیوں کی سزا۔ (المائدۃ:۳۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَيْفَ	تَكْفُرُوْنَ	بِاللّٰهِ	وَ كُنْتُمْ	اَمْوَاتًا	فَاَحْيَاكُمْ ۚ	ثُمَّ
کس طرح	تم کفر کرتے ہو	اللہ کا	اور تم تھے	مردہ	اس نے تمہیں پیدا کیا	پھر

يُمِيْتُكُمْ	ثُمَّ	يُحْيِيْكُمْ	ثُمَّ	اِلَيْهِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
تمہیں مارے گا	پھر	تمہیں زندہ کریگا	پھر	اس کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے

''تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''(۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ سے بنی آدم کا کیا ہوا عہد توڑنا یعنی توحید کا انکار کرنے کا کوئی جواز نہیں اس پر سوالیہ انداز میں انتباہ کیا گیا ہے کہ تمہارے پاس اس سے انکار کی کوئی عقلی، نقلی اور فطری دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر وشرک، رسالت مآب ﷺ کا انکار، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے ابدی اور ازلی عہد کو توڑنا، باہمی تعلقات کو قطع کرنا اور زمین پر دنگا فساد کرنا۔ یہ ایسے کام ہیں جن میں اعتقادی اور عملی طور پر ''اللہ'' کی نافرمانی اور اس کا انکار پایا جاتا ہے۔ جس کا انسان کو کسی اعتبار سے حق نہیں پہنچتا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عدم سے وجود بخشا اور اس کے بعد موت سے ہمکنار کر کے دوبارہ زندہ کرنے کے بعد ابدی زندگی کے لیے اٹھائے گا یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے اختیار میں نہیں۔ انسان اپنے خالق کے سامنے بے بس ہے جب انسان اپنی موت وحیات اور وجود پر اختیار نہیں رکھتا تو اسے اتنی جرأت کیونکر ہو کہ وہ قادرِ مطلق کا انکار کرے۔ حالانکہ اس کا اپنے اعمال سمیت ربِ ذوالجلال کے حضور پیش ہونا یقینی امر ہے جس میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں ہے۔ بے شک انسان کا جسم راکھ کی شکل اختیار کر کے ہواؤں کی نذر ہو جائے یا پانی میں حل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان ذرّات کو مجتمع فرما کر انسانی جسم کو روح سمیت اپنے حضور پیش ہونے کا حکم صادر فرمائے گا۔ اس حقیقت کو قرآن اور رسولِ معظم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

{ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ } (بنی اسرائیل:۵۰)

''آپ فرمائیں تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔ یا اس سے بڑی مخلوق جو تمہارے دل میں آئے۔''

{ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ } (طٰہٰ:۵۵)

''اس زمین سے ہی ہم نے تمہیں پیدا کیا اس میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلٰى نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيْهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُوْنِيْ ثُمَّ اطْحَنُوْنِيْ ثُمَّ ذَرُّوْنِيْ فِي الرِّيْحِ فَوَ اللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّيْ لَيُعَذِّبَنِّيْ عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهٖ ذٰلِكَ فَأَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَقَالَ اجْمَعِيْ مَا فِيْكِ مِنْهُ فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ قَالَ يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ)) (رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی اپنے آپ پر بڑا ظلم وستم کرتا تھا۔ موت کے قریب اس نے اپنے بیٹوں کو کہا جب میں فوت ہو جاؤں تو میری لاش کو جلا کر راکھ ہواؤں میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر میرے رب نے قابو پالیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ اس سے پہلے اس نے کسی کو عذاب نہ دیا ہو گا۔ چنانچہ اس کی موت پر اس کے ساتھ ایسے ہی کیا گیا اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ تیرے پاس جو کچھ ہے سب جمع کر دے۔ جمع کرنے کے بعد اس آدمی سے پوچھا کہ تو نے اس طرح کیوں کیا؟ جواباً اس نے عرض کی۔ اے اللہ! تیرے ڈر کی وجہ سے میں نے ایسا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔''

جہنمیوں کا اعتراف:

{ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ } (المؤمن: ۱۱)

''کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟۔''

تمام مفسرین نے دو اموات سے مراد ایک وہ موت لی ہے جب انسان عدم کی حالت میں ہوتا ہے، دوسری موت انسانی زندگی کا خاتمہ ہے اس طرح ایک دنیوی زندگی ہے اور دوسری جنت یا جہنم کی زندگی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو ہی موت وحیات پر اختیار ہے اور اسی کی طرف سب نے جمع ہونا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اقتدار اور اختیار کا انکار کرنا کفر ہے۔

۳۔ انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے رب کی ذات اور صفات کا انکار کرے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کا کوئی جواز نہیں:

۱۔ ''اللہ'' ہی خالق ہے اس کے ساتھ کفر کیوں؟ (البقرہ: ۲۸)

۲۔ ''اللہ'' کی آیات پڑھی جانے کے باوجود کفر کرنے کا کیا معنی؟ (آل عمران: ۱۰۱)

۳۔ زمین وآسمان بنانے اور بارش اتارنے والا ''اللہ'' ہے اس کے ساتھ دوسرا الٰہ کیوں؟ (النمل: ۶۰)

۴۔ بحر وبر میں رہنمائی کرنے والا ''اللہ'' ہے اس کا انکار کیوں؟ (النمل: ۶۳)

۵۔ زندہ کرنے والے اور رزق عطا فرمانے والے ''اللہ'' کے ساتھ کفر کرنا چہ معنی دارد؟ (النمل: ۶۴)

۶۔ پریشانیوں کا مداوا کرنے والا صرف ''اللہ'' ہے اس کا انکار کیوں؟ (النمل: ۶۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤی

وہ جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو میں زمین تمام پھر قصد کیا

ع ۳ ۳

اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

طرف آسمان پھر انکو ٹھیک بنا دیا سات آسمان اور وہ ہر چیز جاننے والا

''اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کا ارادہ فرمایا تو ان کو ٹھیک ٹھیک سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''(۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ ہی موت وحیات کا مالک ہے۔ اس نے انسان کو بے اختیار خلیفہ نہیں بنایا بلکہ سب کو اس کے لیے پیدا کیا اور ایک حد تک زمین کا نظام انسان کے حوالے کیا تا کہ اس کی آزمائش کی جائے۔

اس رکوع کی ابتدا توحید اور انسانی تخلیق کے تذکرے سے ہوئی۔ اب اس خطاب کا اختتام اللہ کی توحید پر کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ وہی تمہاری موت وحیات اور فنا و بقا کا مالک ہے اور اسی کے سامنے تم نے پیش ہونا ہے۔ اس نے فقط تمہیں ہی پیدا نہیں فرمایا بلکہ زمین کی ہر چیز تمہارے لیے پیدا فرمائی۔ اس کے بعد عرشِ معلّٰی پر متمکن ہوا جس طرح اس کی شایانِ شان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے احترام و مقام کے پیش نظر چیزیں پہلے اس لیے بنائیں اور سجائیں گئیں تا کہ مکیں سے پہلے مکاں، مہمان سے پہلے دسترخواں، مخدوم سے پہلے خدام، حاکم سے پہلے اس کی ریاست تشکیل پائے۔ نہ صرف ان کو آدم علیہ السلام کے لیے بنایا گیا بلکہ ان کو بنی نوع انسان کے لیے مسخر بھی کر دیا گیا ہے۔ (الجاثیۃ: ۱۳)

استواء کا معنٰی اللہ تعالیٰ کا آسمانوں پر متمکن ہونا ہے۔ جس کی یہ وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پہلے پانی پر تھا۔ پھر جس طرح اس کی شایان شان ہے عرش پر مستوی ہوا۔ (ہود: ۷) آیت کے آخر میں واضح کر دیا ہے کہ اے انسان! اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش پر استوا ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اب وہ زمین اور اس کے مافیہا سے بے خبر ہے۔ کان کھول کر سن لو! کہ اللہ تعالیٰ پل پل کی خبر اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی ہر چیز انسان کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ ۳۔ اللہ ہی نے سات آسمان بنائے وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

۱۔ سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ (ابراہیم: ۳۳) ۲۔ رات دن کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ (النحل: ۱۲)
۳۔ نہروں اور کشتیوں کو مسخر فرمایا۔ (ابراہیم: ۳۲) ۴۔ اللہ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو مسخر کر دیا۔ (الحج: ۶۵)
۵۔ زمین کی ہر چیز انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ (البقرۃ: ۲۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا

اور جب کہا آپکے رب نے فرشتوں سے یقیناً میں بنانے والا زمین میں ایک نائب انہوں نے کہا

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

کیا تو بنائے گا اس میں جو فساد کریگا اس میں اور بہائے گا خون اور ہم تسبیح کرتے

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

تیری تعریف کیساتھ اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں تیری فرمایا بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کی۔ کیا آپ زمین میں ایسا نائب بنائیں گے جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ جبکہ ہم حمد وثناء کے ساتھ تیری تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہیں۔ فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس مکین کے لیے ہر چیز بنائی اور سجائی گئی اس کی تخلیق کا مقصد بیان کیا ہے۔

زمین و آسمان کو بنانے اور سجانے کے بعد ربِ کائنات نے کائنات کی اعلیٰ ترین مخلوق ملائکہ کے پرشکوہ اجتماع میں پورے جلال وکمال کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور خلافت کا اعلان فرمایا۔ اللہ، اللہ کیا احترام ومقام ہے جناب آدم علیہ السلام کا! اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اس کو بہترین سانچے میں استوار فرمایا۔ اپنی روح کو اس میں القاء کیا اور پھر خلافت کے منصب پر فائز فرما کر اعلیٰ ترین مخلوق سے سجدہ کروایا اور اس کی خلافت کا اعلان فرمایا خلافت کا اعلان سنتے ہی ملائکہ نے اللہ کے حضور اس خدشہ کا اظہار کیا کہ یہ تو ایسی مخلوق ہے کہ جو زمین میں قتل وغارت اور دنگا فساد کرے گی جب کہ ہم تیری حمد وستائش کرتے ہیں۔ خلافت سے مراد اللہ تعالیٰ کی خلافت نہیں بلکہ زمین میں حضرت آدم علیہ السلام کی حکمرانی ہے یا پھر آدم علیہ السلام جنات کے خلیفہ ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام سے پہلے زمین کا نظام جنات کے سپرد تھا۔ ملائکہ کی تشویش کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں:

(۱) آدم کا متضاد عناصر سے تخلیق پانا۔

(۲) قبل ازیں جنات کی قتل وغارت گری اور نافرمانیوں کا مشاہدہ کرنا۔

(۳) آدم کا اعلیٰ منصب پر فائز ہونا اور اس کو وسیع اختیارات ملنا۔

بعض مفسرین نے ملائکہ کے اس خدشہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ خود خلافت کے منصب کے امیدوار تھے جس کی وجہ سے انہوں نے جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق اور تقرری پر اعتراض کیا تھا۔

ملائکہ حرص وہوس اور رشک وحسد سے پاک پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے اور ایسا کہنے کی ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ کے کسی کام پر معترضانہ گفتگو کر سکے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

{ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ } (الانبیاء:۲۳)

''اللہ تعالیٰ کے کسی کام پر سوال نہیں ہوتا البتہ مخلوق سے سوال کیا جاتا ہے''

''وَ كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ'' کا مفہوم جاننے کے لیے ہر ذی شعور سمجھتا ہے کہ جب چھوٹا آدمی کسی بڑے کے سامنے اس کے فرمان یا کام پر اظہار خیال کرتا ہے۔ بے شک اس ہستی نے ہی اظہارِ خیال یا تبصرہ کا موقعہ فراہم کیا ہو تو پھر بھی چھوٹا آدمی نہایت ادب اور دبی زبان بلکہ اکثر دفعہ اشارے، کنائے سے بات کرتا ہے۔ یہاں بھی سلسلۂ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملائکہ نے ذاتِ کبریا کے حضور چند الفاظ اور معمولی جذبات کا اظہار کیا تھا۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جو تم چھپاتے ہو میں اسے بھی جانتا ہوں۔

کچھ لوگوں نے ملائکہ کے سامنے تخلیقِ آدم کے تذکرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشاورت کا رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ ذاتِ کبریا کے متعلق مشورہ کے لفظ استعمال کرنا کئی لحاظ سے محلِ نظر اور اس سے گستاخی کا پہلو نکلتا ہے۔ کیونکہ مشورہ کرنے میں کسی نہ کسی سطح پر حاجت اور کمزوری پائی جاتی ہے۔ اگر مشورہ لینے والے میں کسی قسم کی کمزوری نہ بھی ہو اور وہ دل جوئی کے لیے دوسرے سے مشورہ لے رہا ہو تو اس دل جوئی کے پیچھے بھی مروت قائم رکھنے کی محتاجی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حاجتوں اور احتیاطوں سے مبرّا ہے۔ میرے نقطہء نگاہ سے تخلیقِ آدم کے تذکرہ کو ایک اطلاع یا شاہانہ سرکاری اعلان کہنا چاہیے۔ اس بنا پر ہی ملائکہ کے اظہارِ تشویش پر فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم میں سب کچھ اور بہتر جانتا ہوں۔

مسائل

۱۔ انسان زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمران ہے اسے دنگا فساد کرنے کی بجائے خلافت کا حق ادا کرنا چاہیے۔
۲۔ ملائکہ ہر دم اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کرتے ہیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

خلافت اور اس کی ذمہ داریاں:

۱۔ خلافت نیک لوگوں کا استحقاق ہے۔ (النور:۵۵) ۲۔ خلافت آزمائش ہے۔ (الانعام:۱۶۵)
۳۔ عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا کرے گا۔ (الاعراف:۱۲۹)
۴۔ اللہ ہی لوگوں کو ایک دوسرے کا خلیفہ بناتا ہے۔ (فاطر:۳۹) ۵۔ نماز قائم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (الحج:۴۱)
۶۔ حضرت داؤد کو حکم کہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنا۔ (ص:۲۶) ۷۔ فیصلے انصاف کے ساتھ انصاف کرنا۔ (المائدہ:۴۲)
۸۔ ہم نے زمین میں ان کے بعد تمہیں خلافت دی تاکہ ہم دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (یونس:۱۴)
۹۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں لے جاتا اور تمہارے بعد کسی اور کو خلیفہ بنا دیتا۔ (الانعام:۱۳۳)
۱۰۔ میرا رب تمہارے سوا کسی اور کو خلافت دے دے تو تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (ہود:۵۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَعَلَّمَ	اٰدَمَ	الْاَسْمَآءَ	كُلَّهَا	ثُمَّ	عَرَضَهُمْ	عَلَى	الْمَلٰٓئِكَةِ
اور سکھائے	آدم کو	نام (جمع)	سب چیزیں کے	پھر	انہیں پیش کیا	پر	فرشتے

فَقَالَ	اَنْۢبِـُٔوْنِيْ	بِاَسْمَآءِ	هٰٓؤُلَآءِ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾	قَالُوْا
پھر فرمایا	مجھ کو بتلاؤ	نام	ان کے	اگر	تم ہو	سچے	انہوں نے کہا

سُبْحٰنَكَ	لَا عِلْمَ	لَنَآ	اِلَّا	مَا عَلَّمْتَنَا	اِنَّكَ	اَنْتَ	الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾
تو پاک ہے	علم نہیں	ہمیں	مگر	جو تو نے ہمیں سکھایا	بیشک تو	ہی	جاننے والا حکمت والا

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام بتلائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ (۳۱) انہوں نے عرض کی اے اللہ تیری ذات پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا آپ نے ہمیں سکھایا ہے۔ یقیناً تو علم و حکمت والا ہے (۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ خلیفہ کی علمی برتری اور فضیلت کا بیان۔

جناب آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں سے آگاہ کر دیا گیا جن سے انہیں واسطہ پڑنا تھا۔ پھر ان اشیا کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے حکم دیا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتلاؤ۔ ملائکہ نے نام بتلانے سے معذوری ظاہر کی اور عرض کی کہ بارِ الٰہ! تیری ذات، احکام اور کام ہر کمزوری اور نقص سے پاک ہے ہم تو فقط اتنا ہی جانتے ہیں جو کچھ آپ نے ہمیں بتلایا ہے بلاشبہ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ملائکہ کے اقرار سے ثابت ہوا کہ ملائکہ غیب نہیں جانتے۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ملائکہ کو ان چیزوں کے نام بتلاؤ حکم پاتے ہی حضرت آدم علیہ السلام نے بلا تامّل ان کے نام بتلا دیئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کیا میرا پہلے سے یہ فرمان نہیں تھا کہ میں زمین و آسمان کے ظاہر اور باطن کو جانتا ہوں؟ اور وہ بھی مجھے معلوم ہے جو تم ظاہر کر رہے تھے اور جو تم چھپائے ہوئے ہو۔ اس میں واضح طور پر ملائکہ کے لیے اشارہ ہے کہ یہ چیزیں تمہارے سامنے ہونے کے باوجود تم ان کے نام نہیں بتلا سکے تو پھر تم آدم علیہ السلام کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو کیسے جان سکتے ہو اور جس طرح آدم علیہ السلام نے میرے عطا کردہ علم کے ذریعے تم پر برتری حاصل کی ہے اسی طرح ہی میری ہدایت کی روشنی میں خیر و شر اور نیکی و بدی میں امتیاز کر کے برتری حاصل کرے گا۔ بعض مفسرین غیر مستند روایات اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کی بنیاد پر لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کے نام ملائکہ سے الگ کر کے اور بعض کا خیال ہے کہ ملائکہ کی موجودگی میں ہی بتلائے گئے تھے۔ فرشتے اہلیت نہ رکھنے کی وجہ سے یہ نام بھول گئے جبکہ آدم علیہ السلام اپنی لیاقت کی بنیاد پر ان چیزوں کے نام یاد رکھنے اور بتلانے میں کامیاب رہے۔

قرآن مجید لاحاصل موشگافیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ اس طرح انسان اصل مقصود اور عملی زندگی سے نکل کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ	يٰٓاٰدَمُ	اَنْۢبِئْهُمْ	بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ	فَلَمَّآ	اَنْۢبَاَهُمْ	بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ
اس نے فرمایا	اے آدم	انہیں بتادے	ان کے نام	سوجب	اس نے انہیں بتلائے	ان کے نام

قَالَ	اَلَمْ	اَقُلْ	لَّكُمْ	اِنِّيْٓ	اَعْلَمُ	غَيْبَ	السَّمٰوٰتِ
فرمایا	کیانہیں	میں نے فرمایا	تمہیں	بیشک میں	جانتاہوں	چھپی ہوئی باتیں	آسمان (جمع)

وَالْاَرْضِ ۙ	وَاَعْلَمُ	مَا	تُبْدُوْنَ	وَمَا	كُنْتُمْ	تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾
اورزمین کی	اورمیں جانتاہوں	جو	تم ظاہر کرتے ہو	اورجو	تم ہو	چھپاتے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تم ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب آدم نے انہیں ان چیزوں کے نام بتادیے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں نہیں فرمایا تھا کہ زمین اور آسمانوں کے غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے ہو'' (۳۳)

قیل وقال کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتلائے۔ ۲۔ ملائکہ وہی کچھ جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ انہیں بتلاتا ہے۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو تمام چیزوں کے نام بتلادیے۔

۴۔ جس بات کا علم نہ ہو اس کے بارے میں ناواقفیت کا اعتراف کرنا ملکوتی صفت ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز جاننے والا ہے اور اس کا ہر کام اور حکم پُر حکمت ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مخلوق کے علم کا ماخذ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی۔ (الانبیاء:۲۵)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنا سکھایا۔ (العلق:۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ کچھ بتلایا جو یہ نہیں جانتا تھا۔ (العلق:۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لکھنا سکھایا۔ (العلق:۴) ۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنا اور بیان کرنا سکھلایا۔ (الرحمن:۴)

۶۔ انسان کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ (الرحمن:۲) ۷۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا۔ (البقرۃ:۳۱)

۸۔ فرشتوں نے بھی سب کچھ اللہ تعالیٰ سے سیکھا۔ (البقرۃ:۳۲)

۹۔ سدھائے ہوئے جانوروں کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (المائدۃ:۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذْ	قُلْنَا	لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اسْجُدُوْا	لِاٰدَمَ	فَسَجَدُوْٓا	اِلَّآ
اور جب	ہم نے فرمایا	فرشتوں کو	تم سجدہ کرو	آدم کو	تو انہوں نے سجدہ کیا	سوائے

اِبْلِيْسَ ؕ	اَبٰى	وَاسْتَكْبَرَ ۫	وَكَانَ	مِنَ	الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾
ابلیس کے	اس نے انکار کیا	اور تکبر کیا	اور وہ ہو گیا	سے	کفار

''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔'' (۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خلیفہ کی علمی برتری اور شان کے سامنے کائنات کی اعلیٰ اور مقدس ترین مخلوق ملائکہ کو جھکنے کا حکم۔

سجدہ کا حکم ہوتے ہی تمام ملائکہ آدم علیہ السلام کے حضور سر بسجود ہوئے لیکن شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کا احترام و مقام دیکھ کر حسد اور تکبر کی وجہ سے سجدہ ریز ہونے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ وہ جرم پر جرم اور گستاخی پر گستاخی کرتا چلا گیا۔ اس جگہ اجمال ہے جبکہ دوسرے مقامات پر شیطان کے انکار کی تفصیلات یوں بیان کی گئی ہیں۔

{ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ } (الاسراء:۶۱)

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا اور اس نے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

{ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ } (الاعراف:۱۲)

''میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

{ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ } (الحجر:۳۳)

''شیطان نے کہا میں ایسا نہیں کہ انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

{ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ }

(الاسراء:۶۲)

''شیطان کہنے لگا یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی تمام اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔''

{ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ } (ص:۸۲)

''کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکا دوں گا۔''

حسد اور تکبر ایسی بُری چیز ہے کہ جس سے انسان کے تمام اعمال غارت اور بسا اوقات دنیا میں بھی ذلت و رسوائی سے دو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چار ہونا پڑتا ہے۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے تکبر کا مفہوم اور اس کے نقصانات یوں ذکر فرمائے ہیں:

((اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ))(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ)

''تکبر حق بات کو چھپانا اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔''

((عَنْ عَبْدِاللهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ))

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ))(رواہ ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی الحسد [حسن])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اللهُ سُبْحَانَهُ الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ إِزَارِيْ مَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِيْ جَهَنَّمَ))(رواہ ابن ماجۃ: باب البراءۃ من الکبر والتواضع [صحیح])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے ان میں سے جو کوئی ایک مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔''

غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں:

((عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَقُلْتُ رَسُوْلُ اللهِ أَحَقُّ أَنْ يُّسْجَدَ لَهٗ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ إِنِّيْ أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَأَنْتَ يَارَسُوْلَ اللهِ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَآءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ))(رواہ أبوداؤد: کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأۃ [صحیح])

''حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو بادشاہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول سجدے کے زیادہ لائق ہیں۔ میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو میں نے عرض کی: میں نے حیرہ میں دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بتلایئے! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔آپ نے فرمایا: ایسے نہ کرو اگر میں نے کسی کو کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دینا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پر جو حق رکھا اس وجہ سے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔''

بریلوی مکتبہ فکر کے جیّد عالم پیر محمد کرم شاہ صاحب الاَزہری کی نظر میں تعظیمی سجدہ حرام ہے:

''جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی وسعتِ علم اور اپنے عجز کا اعتراف کرلیا تو پروردگارِ عالم نے انہیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلّل اور خضوع۔شریعت میں اس کا معنٰی ہے۔''وَضْعُ الجَبْهَةِ عَلَىَ الْأَرْضِ'' پیشانی کا زمین پر رکھنا۔بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنٰی مراد ہے کہ فرشتوں کو ادب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنٰی مراد ہے۔یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اولین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جارہا ہے اس کی عزت واحترام کے لیے ہو عبادت کے لیے نہ ہو تو اس کو سجدہ تحیہ کہتے ہیں۔یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم ﷺ نے اس سے بھی منع فرمادیا۔ اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔''(ضیاء القرآن: جلد اول، البقرہ: ۳۴)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ۲۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار اور تکبر کرنے والا کافر ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

متکبرین:

۱۔ سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا۔(ص: ۷۴) ۲۔تکبر کرنا فرعون اور اللہ کے باغیوں کا طریقہ ہے۔(القصص: ۳۹)

۳۔ تکبر کرنے والے کے دل پر اللہ مہر لگادیتا ہے۔(المؤمن: ۳۵)

۴۔ متکبر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔(النحل: ۲۳) ۵۔تکبر کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔(المومن: ۷۶)

۶۔ جو کچھ اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے، اس پر اتراؤ نہیں کیونکہ اللہ فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔(الحدید: ۲۳)

۷۔ یقیناً اللہ تکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔(النساء: ۳۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا

اور ہم نے کہا اے آدم رہو تم اور تمہاری بیوی جنت اور دونوں کھاؤ اس سے وافر

حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

جہاں تم چاہو اور نہ قریب جانا اس درخت پھر تم ہو جاؤ گے سے ظالموں

''اور ہم نے فرمایا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو وافر کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں شمار ہو گے۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسجودِ ملائکہ بننے کے بعد آدم علیہ السلام کے جنت میں قیام وطعام کا انتظام وانصرام اور خاص درخت سے احتیاط کا حکم۔

ارشاد ہوا کہ اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں قیام کرو اور اس درخت کے سوا تم جو چاہو کھا پی سکتے ہو۔ ہاں اگر تم اس کے قریب چلے گئے تو ظالموں کی صف میں شامل ہو جاؤ گے۔ ① جنت میں رکھنے کی یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ جنت کی سہولتوں، بہاروں اور نعمتوں کو اچھی طرح دیکھ لیں اور ان سے لطف اندوز ہو لیں۔ تاکہ دنیا کی عارضی نعمتوں کو جنت کے مقابلے میں خاطر میں نہ لائیں اور دوبارہ یہاں آنے کی کوشش کریں۔ ② شاید یہ اس لیے بھی موقع دیا گیا کہ وہ آسمانی نظام کا براہِ راست مشاہدہ کر لیں تاکہ بحیثیت خلیفہ زمین کے انتظامات کرنے میں انہیں سہولت رہے۔ ③ بطور آزمائش اس درخت سے اس لیے منع کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منع کردہ امور سے بچنے کی تربیت پائیں اور غلطی ہونے کی صورت میں معذرت کا رویہ اختیار کریں۔ ④ اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ انہیں شیطان کی عداوت اور دشمنی کا مزید مشاہدہ ہو تاکہ دنیا میں جا کر شیطانی اثرات وحرکات سے بچنے کی ہر وقت کوشش کرتے رہیں۔

مسائل

۱۔ آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی دنیا میں آنے سے پہلے جنت میں رہائش پذیر ہوئے۔

۲۔ اللہ کی نافرمانی کر کے انسان ظالم ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظالم کون؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (الانعام: ۲۱) ۲۔ شرک کرنے والا ظالم ہے۔ (لقمان: ۱۳)

۳۔ اللہ کی مسجدوں سے روکنے اور ان میں خرابی پیدا کرنے والا ظالم ہے۔ (البقرۃ: ۱۱۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا ظالم ہے۔ (الزمر: ۳۲) ۵۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۵۷)

۶۔ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ (الانعام: ۲۱) ۷۔ ظالم کی سزا جہنم ہوگی۔ (الانبیاء: ۲۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاَزَلَّهُمَا	الشَّيْطٰنُ	عَنْهَا	فَاَخْرَجَهُمَا	مِمَّا	كَانَا
پھران دونوں کو پھسلا دیا	شیطان نے	اس سے	پھر انہیں نکلوا دیا	سے جو	وہ تھے
فِيْهِ ۠	وَقُلْنَا	اهْبِطُوْا	بَعْضُكُمْ	لِبَعْضٍ	عَدُوٌّ ۚ	وَلَكُمْ
اس میں	اور ہم نے فرمایا	تم اُتر جاؤ	تمہارے بعض	بعض کے	دشمن ہیں	اور تمہارے لیے
فِي	الْاَرْضِ	مُسْتَقَرٌّ	وَّمَتَاعٌ	اِلٰى	حِيْنٍ ﴿۳۶﴾	
میں	زمین	ٹھکانہ	اور فائدہ	تک	وقت	

''لیکن شیطان نے ان کو پھسلا کر وہاں سے نکلوا دیا اور ہم نے فرمایا کہ اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور اب ایک وقت مقرر تک تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔'' (۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت آدم علیہ السلام سے شیطان کا پہلا انتقام۔

حکم تھا کہ اے آدم! تم دونوں نے اس درخت کے قریب نہیں جانا۔ اس کے باوجود انہوں نے درخت کا پھل کھالیا۔ اس طرح آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو بالآخر شیطان پھسلانے میں کامیاب ہوا۔ جس کی پاداش میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو جنت سے نکل جانے کا حکم صادر ہوا۔ ان کے ساتھ ہی شیطان کو بھی زمین پر دھتکار دیا گیا۔ خروج کا حکم دیتے ہوئے پھر فرمایا تم ایک دوسرے کے دشمن ہو لہٰذا ایک مدت کے لیے اب زمین ہی تمہارے لیے جائے قرار ہوگی۔

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۹ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت حوا کو آدم علیہما السلام سے ہی پیدا کیا گیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام شیطان کے پھسلاوے میں آکر اللہ تعالیٰ کا حکم بھول گئے اور اس درخت سے نہ بچ سکے۔ یہ واقعہ بیان فرما کر شیطان کے ہتھکنڈوں اور اس کے خوشنما مغالطوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آدم علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیاں شیطان کی فریب کاریوں میں مبتلا ہوتے رہیں گے۔ ان سے وہی خوش نصیب بچ سکیں گے جنہوں نے اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام اور اپنی والدہ حضرت حوا کے واقعہ کو پوری غیرت کے ساتھ ذہن میں رکھا اور شیطان کو اپنا دشمن سمجھا:

((وَنَسِيَ اٰدَمُ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَخَطِئَ اٰدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ))

(رواہ الترمذی: تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الأعراف [صحیح])

''آدم علیہ السلام بھول گئے ان کی اولاد بھی بھولتی رہے گی آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی اس کی اولاد بھی خطا کرے گی۔''

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ..... إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ...))

(رواہ البخاری: کتاب الإعتکاف، باب زیارۃ المرأۃ زوجھا في اعتکافہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔''

بعض مفسرین نے علمی موشگافیوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے چونکہ شیطان کا جنت میں داخلہ ممنوع تھا اس لیے وہ سانپ کی شکل اختیار کر کے جنت میں داخل ہوا اور اس نے حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کو ورغلایا۔ حالانکہ سانپ بننے کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت دی ہے کہ وہ انسان کے جسم میں داخل ہوئے بغیر اس پر منفی اثرات مرتب کر سکتا ہے اس لیے شیطان کا سانپ بننا ضروری نہیں اور نہ ہی کسی حدیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰهُ اٰدَمَ فِي الْجَنَّةِ تَرَكَهُ مَاشَآءَ اللّٰهُ أَنْ يَّتْرُكَهُ فَجَعَلَ إِبْلِيْسُ يُطِيْفُ بِهٖ يَنْظُرُ مَاهُوَ فَلَمَّا رَآهُ أَجْوَفَ عَرَفَ أَنَّهُ خُلِقَ خَلْقًا لَا يَتَمَالَكُ))

(رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب خلق الانسان خلقا لا یتمالک)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم علیہ السلام کی صورت گری کی تو اس کے بعد جتنی دیر اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کو چھوڑے رکھا۔ شیطان ان کے اردگرد چکر لگانے لگا اور دیکھنے لگا کہ یہ کیا ہے؟ جب اس نے آدم علیہ السلام کا پیٹ دیکھا تو اس نے پہچان لیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رکھ سکے گی۔''

مسائل

۱۔ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو شیطان نے پھسلا دیا تھا۔ ۲۔ درخت کا پھل چکھنے کی وجہ سے انہیں جنت سے نکال دیا گیا۔
۳۔ شیطان بنی نوع انسان کا ازلی دشمن ہے۔ ۴۔ زمین میں انسان نے ہمیشہ نہیں رہنا۔

تفسیر بالقرآن

آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالنے کے شیطانی ہتھکنڈے:

۱۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہیں پھسلا دیا۔ (الاعراف: ۲۰)
۲۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کی غلط رہنمائی کی۔ (الاعراف: ۲۲)
۳۔ آدم علیہ السلام کو ورغلانے کے لیے شیطان نے قسمیں اٹھائیں۔ (الاعراف: ۲۱)
۴۔ شیطان نے اپنے آپ کو آدم علیہ السلام کا خیر خواہ ثابت کیا۔ (الاعراف: ۲۱)
۵۔ جنت میں ہمیشہ رہنے کا جھانسہ دیا۔ (طٰہٰ: ۱۲۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَتَلَقّٰٓى	اٰدَمُ	مِنْ	رَّبِّهٖ	كَلِمٰتٍ	فَتَابَ	عَلَيْهِ ؕ
پھر سیکھ لیے	آدم	سے	اپنا رب	چند کلمے	پھر اس نے توجہ فرمائی	اس پر

اِنَّهٗ	هُوَ	التَّوَّابُ	الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾
بیشک وہ	وہ	توبہ قبول کرنیوالا	رحم کرنے والا

''حضرت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔''(۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت آدم علیہ السلام کا سنبھلنا اور اپنے رب سے معافی کا خواستگار ہونا اور رب کریم کا انہیں معاف فرما دینا۔

جب آدم علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نہ صرف وہ اپنے رب کے حضور معافی کے خوستگار ہوئے بلکہ اپنے رب سے معافی کا طریقہ، انداز اور الفاظ کی درخواست بھی کر رہے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی خطا کو اپنے بے پایاں کرم سے معاف کر دے۔ اس مقام پر تینوں بڑی مخلوقات کی فطرت کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ ملائکہ نے معمولی لغزش پر لفظ ''سبحان'' کے ذریعے معذرت کی اور انہیں اسی طرح تقرب حاصل رہا۔ شیطان اپنے جرم پر ڈٹا رہا تو ہمیشہ کے لیے پھٹکار کا مستحق اور راندۂ درگاہ ہوا۔ آدم علیہ السلام اپنی غلطی پر معذرت خواہ ہوئے تو اس کی معذرت نے شرفِ قبولیت پایا اور وہ خلافت کے منصب پر فائز رہے اس لیے ربِّ کریم ہمیشہ سے توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ جب بھی میری بارگاہ میں کوئی معذرت کا دامن پھیلائے گا تو میں اسے معاف ہی کرتا رہوں گا۔

((مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))

(رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب إستحباب الإستغفار والإستکثار منہ، حسن)

''جس نے مغرب سے سورج طلوع ہونے سے پہلے توبہ کر لی اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا۔''

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ»

(رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یقیناً اللہ عزوجل بندے کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جان حلق تک پہنچ جائے۔''

بعض لوگوں نے اپنا من گھڑت عقیدہ ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ نبی محترم ﷺ کے وسیلہ سے قبول ہوئی تھی۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں اس کا بالکل کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ قرآنِ مجید نے سورۃ الاعراف: ۲۲، ۲۳ میں یہاں تک بیان فرمایا ہے کہ درخت کا پھل کھانے کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا لباس اتر گیا، برہنہ ہو جانے کی وجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے وہ اپنی شرم گاہوں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپ رہے تھے۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! کیا میں نے تمہیں اس درخت کے قریب جانے سے روکا نہیں تھا؟ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے نبی محترم ﷺ کا وسیلہ پیش کیا ہوتا تو قرآنِ مجید اس کا ضرور تذکرہ کرتا۔کیا اللہ تعالیٰ نے اصل حقیقت کو اپنے بندوں سے چھپالیا ہے؟ (نعوذ باللہ من ذالک) یہ ایسا الزام اور بہتان ہے جس کا ایک مومن تصور بھی نہیں کرسکتا۔جن کلمات کے ذریعے توبہ قبول ہوئی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ آدم علیہ السلام نے وہ کلمات اپنے رب سے سیکھ لیے جو یہ تھے:

{ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳ } (الأعراف:۲۳)

''اے ہمارے رب ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

اللہ کا اپنے بندوں کو معاف کرنے کے لیے قسمیں اٹھانا:

«فَأَقُولُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِي فِيمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَيَقُولُ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ»

(رواہ البخاری: باب کَلَامِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَعَ الْأَنْبِیَاءِ وَغَیْرِهِمْ)

''آپ ﷺ فرماتے ہیں میں عرض کروں گا اے میرے پروردگار! مجھے توحید پرست لوگوں کے متعلق سفارش کی اجازت دیجیے۔اللہ فرمائیں گے مجھے میری عزت، جلال، کبریائی اور عظمت کی قسم! میں توحید پرستوں کو خود جہنم سے نکالوں گا۔''

مسائل

۱۔ انسان کو اپنے رب کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ رحم کرنے اور توبہ قبول فرنے والا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ غفور ہے۔(الحجر:۴۹) ۲۔اللہ تعالیٰ رحیم ہے۔(الزمر:۵۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے۔(الفاتحہ:۲) ۴۔اللہ ہی بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔(الشوریٰ:۲۵)

۵۔ اللہ بخشنے اور رحمت کرنے والا ہے۔(الکہف:۵۸) ۶۔اللہ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔(الاعراف:۱۵۶)

۷۔ اللہ کی رحمت سے گمراہ ہی مایوس ہوتے ہیں۔(الحجر:۵۶) ۸۔توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔(البقرۃ:۱۶۰)

۹۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔(الزمر:۵۳) ۱۰۔اللہ تعالیٰ کی مومنوں پر خاص رحمت ہوتی ہے۔(الاحزاب:۴۳)

۱۱۔ توبہ کرنے والے کے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔(الفرقان:۷۰)

۱۲۔ اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔(الاحزاب:۷۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ

ہم نے حکم دیا اُتر جاؤ یہاں سے سب پس جب تمہیں آئے میری طرف سے ہدایت سو جس نے

تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

تابعداری کی میری ہدایت کی تو نہیں کوئی خوف اُن پر اور نہ وہ غم کھائیں گے

''ہم نے حکم دیا تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے، جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر کوئی خوف وغم نہیں ہوگا۔'' (۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خلافت کے قیام کے لیے آدم علیہ السلام کو زمین پر اُترنے کا حکم اور خلافت کی ذمہ داریاں پوری کرنے پر بے خوف اور تابناک مستقبل کی ضمانت۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم اور حوا تمہاری توبہ قبول ہوئی لیکن تم آسمان سے اُتر جاؤ لہٰذا جنت سے نکل جاؤ اور تم زمین پر جا کر شیطان کی سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقہ سے نبھانے کی کوشش کرو۔ یاد رکھنا تمہارا زمین پر جانے کا یہ معنیٰ نہیں کہ تم شتر بے مہار کی طرح جدھر چاہو نکل کھڑے ہو بلکہ تمہیں ایک دستورِ حیات دیا جائے گا جس کے مطابق تم نے انفرادی، اجتماعی، سماجی، معاشرتی، معاشی، سیاسی غرض کہ تم نے اپنی زندگی کا ہر گوشہ اور زاویہ اس کے مطابق ڈھالنا ہوگا یہی خلافت کا تقاضا اور تمہاری زندگی کا مقصد ہے۔ جس نے اس ہدایت نامے کی پابندی کی اسے دنیا کی زندگانی میں امن و سکون ملے گا اور آخرت میں کوئی خوف اور کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے والا خوف وغم سے محفوظ رہے گا۔

۲۔ انسان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دستورِ حیات کا پابند ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت ہی کامل اور حقیقی ہدایت ہے۔

تفسیر بالقرآن

بے خوف کون؟

۱۔ اللہ کی ہدایت پر عمل کرنے والا بے خوف ہوگا۔ (البقرۃ:۳۸) ۲۔ اولیاء اللہ کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (یونس:۶۲)

۳۔ اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والے کو کوئی ڈر نہیں ہوگا۔ (المائدۃ:۶۹)

۴۔ ایمان لانے کے بعد استقامت دکھلانے والوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (الاحقاف:۱۳)

۵۔ رب کے سامنے اپنے آپ کو مطیع کر دینے والا بے خوف ہوگا۔ (البقرۃ:۱۱۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَكَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَآ	اُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
اور جن لوگوں نے	کفر کیا	اور جھٹلایا	ہماری آیات	وہی	آگ والے

هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾
وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے

''اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں اور اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہ کی ان کا انجام۔

قرآنِ مجید کا یہ اندازِ فکر اور اسلوبِ بیان ہے کہ جب انعام واکرام کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ برائی کے مضمرات وعواقب بیان کرتے ہوئے اس کے انجام کے بارے میں بھی انتباہ کرتا ہے تاکہ قرآن کا مطالعہ کرنے والا بیک وقت یہ سمجھ جائے کہ نیکی کے کیا فوائد ہیں اور برائی کے نقصانات کیا ہیں؟ یہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار اور ان کی تکذیب کرنے والوں کو خبردار کیا جارہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر اور اس کے احکامات کا انکار اور تکذیب کرتے رہے تو تمہیں جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا))

(رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یقیناً اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تمہاری آگ جہنم کی آگ کا ستر واں حصہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ اللہ کے رسول! آگ جلانے کے لیے یہی کافی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس آگ سے وہ انہتر حصے زیادہ ہے ان میں سے ہر حصے کی گرمی اس جیسی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کا انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں ہمیشہ رہنے والے لوگ:

۱۔ مشرک جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرۃ: ۳۹) ۲۔ کافر اور تکذیب کرنے والے جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ (الزخرف: ۷۴)

۳۔ منافق ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (التوبہ: ۶۸) ۴۔ اللہ کے دشمن جہنم میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ (فصلت: ۲۸)

۵۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی جہنم میں ہمیشگی کا سبب ہوگی۔ (الجن: ۲۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اذْكُرُوْا	نِعْمَتِيَ	الَّتِيْٓ	اَنْعَمْتُ	عَلَيْكُمْ
اے اسرائیل کی اولاد	یاد کرو	میری نعمت	وہ جو	میں نے دی	تمہیں

وَ اَوْفُوْا	بِعَهْدِيْٓ	اُوْفِ	بِعَهْدِكُمْ ۚ	وَ اِيَّايَ	فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾
اور پورا کرو	میرا وعدہ	میں پورا کروں گا	تمہارا وعدہ	اور مجھ ہی سے	ڈرو

''اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا فرمائی اور میرے وعدہ کو پورا کرو میں تمہارے وعدہ کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' (۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کو امتِ محمدیہ سے پہلے دنیا میں سب سے زیادہ عزت وعظمت اور اقتدار واختیار ملا مگر انہوں نے اس کی ناقدری اور ناشکری کی جس وجہ سے وہ ذلیل وخوار ہوئے ان کی ذلت ورسوائی کے اسباب کی تفصیل سورۃ البقرۃ کی سوآیات میں بیان ہوئی ہے۔ (عہد کی تفصیل دیکھیں البقرۃ: ۸۳)

ہر دور میں اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جس کا عبرانی زبان میں معنیٰ ہے۔ ''اللہ کا بندہ'' لہٰذا بنی اسرائیل کا معنیٰ ہوا کہ اللہ کے بندے کی اولاد۔ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا اصلی وطن کنعان، فلسطین تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں آباد ہوئے۔ ان کی ہجرت کے بعد ان کے آبائی وطن کنعان، فلسطین اور پورے شام پر عمالقہ نامی قوم نے قبضہ کرلیا۔

جناب یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں چوتھے بیٹے کا نام یہودہ تھا اسی نسبت سے بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اپنے دور میں بڑی معزز اور محترم قوم تھی ان میں ہزاروں کی تعداد میں جلیل القدر انبیاء ہوئے۔ جن میں سب سے نمایاں حضرت موسیٰ اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہوئے ہیں۔ مصر میں جب بنی اسرائیل پر فرعون نے مظالم ڈھانے شروع کیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انتھک اور بے مثال جدوجہد کرکے ان کو فرعون کے جور وستم سے نجات دلوائی۔ فرعون دریا میں غرق ہوا تو اس کے بعد بنی اسرائیل کو عمالقہ سے جہاد کا حکم ہوا۔ بنی اسرائیل فلسطین کی طرف چلے تو قریب جاکر انہیں عمالقہ کی طاقت کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا لڑو ہم تو یہیں ٹھہریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر انہوں نے جہاد کرنے سے انکار کردیا۔ جس کی پاداش میں انہیں چالیس سال تیہ کے صحرا میں سزا کے طور پر رہنا پڑا۔ اسی مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہوئے ان کے بعد بنی اسرائیل نے یوشع بن نون کی زیرِ کمان جہاد کیا اور فاتحانہ انداز میں فلسطین میں داخل ہوئے۔

بنی اسرائیل میں مجموعی طور پر یہودی اور عیسائی دونوں شامل ہیں لیکن بعض مقامات پر بنی اسرائیل سے مراد صرف یہودی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں جس کا علم بات کے سیاق وسباق سے ہوتا ہے بنی اسرائیل کے سیاسی اور مذہبی راہنماؤں، حکمرانوں اور عوام کے گھناؤنے کردار کا قرآن مجید کی ابتدا میں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت دنیا میں یہ دو بڑے مذاہب تھے۔ باقی مذاہب ان کی بگڑی ہوئی شکلیں تھیں۔ جبکہ ہندوستان میں جسے قدیم تاریخ میں بلاد الہند کہا جاتا ہے یہاں کے ہندو اپنے مذہب کو تین ہزار سال پرانا مذہب ثابت کرتے ہیں اس مذہب کی اکثر رسومات اور گائے پرستی کا تصور یہودی مذہب سے ہی لیا گیا ہے۔ ہندو مذہب کی اصلاح کے لیے بدھ مت کی تحریک چلی جو اپنی عادات ورسومات کے لحاظ سے عیسائیت کے زیادہ قریب تھی اور ہے۔ گویا کہ اسلام سے قبل دو ہی بڑے مذہب تھے جس بنا پر سورۃ البقرہ کو قرآن مجید کی ابتدا میں رکھا گیا ہے۔ تاکہ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے شخص کے ذہن میں شروع ہی سے یہ بات منقش ہو جائے کہ پہلی اقوام بالخصوص بنی اسرائیل کے عروج وزوال کے اسباب کیا تھے؟ وہ کیوں ذلت ورسوائی کے اندھے کنویں میں الٹے ہو کر گرے؟ اس کے پیچھے ان کے علماء اور سیاسی راہنماؤں کا کیا کردار تھا؟ بنی اسرائیل کے حوالے سے امت مسلمہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اس عظیم قوم کا کردار سامنے رکھو کہ بزرگوں کی گدی نشینی، صاحب زادگی، مذہبی امتیازات، ابناء اللہ کے بھاری بھرکم دعوے، اقتدار اور وسیع اختیارات بھی اس قوم کو ذلت سے نہ بچا سکے۔

اس سبق کے ساتھ ہی یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ مدینہ اور اس کے گرد وپیش کے جتنے قبائل تھے وہ یہودیوں کو بزرگوں کی اولاد اور انبیاء کے وارث تصور کرتے تھے جس وجہ سے یہ قبائل یہودیوں کے نظریات کو سچ اور حق کی کسوٹی سمجھتے تھے۔ اس لیے پہلے یہودیوں کو سمجھاتے ہوئے یہ احساس دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اے میرے بندے یعقوب کی اولاد! میری عطا کردہ نعمتوں، فضیلتوں اور رفعتوں کا احساس کرتے ہوئے تمہارا اولین فرض بنتا ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی مخالفت کرنے کی بجائے اس کی نصرت وحمایت کرتے ہوئے حلقۂ اسلام میں داخل ہو کر اس عہد سے وفا کرو جو تم سے توحید اور خاتم النبیین کے بارے میں لیا گیا ہے۔ میں تمہیں ایفائے عہد کے بدلے دوبارہ نعمتوں اور عزتوں سے سرفراز کروں گا۔ یاد رکھنا اگر سابقہ مقام کی بحالی اور عزتِ رفتہ کے خواہش مند ہو تو تمہیں نبی آخر الزماں ﷺ کی قیادت میں آئے بغیر یہ شرف نہیں مل سکتا۔ اس کے لیے درج ذیل امور کو بجالانا ہوگا چنانچہ پہلے خطاب میں بنی اسرائیل کو ابتدائی سبق اور تورات وانجیل کی بنیادی تعلیمات کی یاددہانی کے طور پر سولہ باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ میری نعمتوں کو ہر دم یاد رکھا کرو۔

۲۔ عہد وفا کرو گے تو تمہارے ساتھ بھی ایفائے عہد ہوگا۔

۳۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

۴۔ قرآن مجید پر ایمان لاؤ کیونکہ یہ تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے۔

۵۔ سب سے پہلے کفر کرنے والے نہ ہو جاؤ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ دنیا کے معمولی مفاد کے بدلے ''اللہ'' کی آیات کو فروخت نہ کرو۔

۷۔ حق اور باطل کے التباس سے اجتناب کرو۔

۸۔ جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی کوشش نہ کرو۔

۹۔ نماز ادا کرو۔

۱۰۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے رہو۔

۱۱۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔ یاد رہے کہ یہودیوں نے رکوع کو نماز سے نکال رکھا ہے جس وجہ سے رکوع کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔

۱۲۔ لوگوں کو نیکی کا حکم کرو مگر اپنے آپ کو نہ بھول جانا۔

۱۳۔ ''اللہ'' کی دی ہوئی عقل کا صحیح استعمال کرتے رہو۔

۱۴۔ مصائب پر صبر کرو۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ سے صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو۔

۱۶۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کا عقیدہ پختہ اور اس کے تقاضے پورے کرو۔

ان فرامین میں سے ہر فرمان ایک مضمون کا حامل ہونے کے ساتھ اصلاحِ ذات اور فلاحِ جماعت کا جامع پروگرام پیش کر رہا ہے بالخصوص پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے والے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسی بات کا انکار کرے جو اس کے نظریہ کی تائید کر رہی ہو گویا کہ اہل علم کی یہ شان نہیں کہ وہ کفر کے امام بنیں بلکہ انہیں ہدایت کا پیشوا ہونا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ سے کیے ہوئے وعدوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔

۳۔ ''اللہ'' کا خوف دل و جان میں بسائے رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

وعدہ پورا کرنا چاہئے:

۱۔ اللہ کے بندے وعدہ ایفاء کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۷۷) ۲۔ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ (الانعام: ۱۵۲)

۳۔ ایماندار اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد پورا کرتے ہیں۔ (الرعد: ۲۰) ۴۔ اللہ کے عہد کا ایفاء ضروری ہے۔ (النحل: ۹۱)

۵۔ قیامت کے دن ایفائے عہد کے بارے میں سوال ہوگا۔ (الاسراء: ۳۴) ۶۔ اے ایمان والوں عہد پورے کرو۔ (المائدہ: ۱)

۷۔ جو اللہ کا وعدہ پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (البقرۃ: ۴۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ	اٰمِنُوْا	بِمَآ	اَنْزَلْتُ	مُصَدِّقًا	لِّمَا	مَعَكُمْ
اور	تم ایمان لاؤ	اس پر جو	میں نے نازل کیا	تصدیق کرنے والا	اس کی جو	تمہارے پاس

وَلَا	تَكُوْنُوْٓا	اَوَّلَ	كَافِرٍ	بِهٖ ۪	وَلَا	تَشْتَرُوْا
اور نہ	ہو جاؤ	پہلے	کافر	اس کے	اور نہ	فروخت کرو

بِاٰيٰتِيْ	ثَمَنًا	قَلِيْلًا ۫	وَّاِيَّايَ	فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾
میری آیات کو	قیمت	تھوڑی	اور مجھ ہی سے	ڈرو

''اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی وہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور تم اس کے پہلے ہی منکر نہ بنو اور میری آیات کو تھوڑی قیمت پر نہ فروخت کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو'' (۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کو عظمتِ رفتہ کی یاد دہانی اور اللہ کا خوف دلانے کے بعد نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بلا چون و چرا تسلیم کرو اور ان سے دنیا کے مفاد کی خاطر روگردانی نہ کرو۔

سچائی کو قبول کرنے میں سب سے پہلے جو رکاوٹ پیش آتی ہے وہ دنیاوی مفاد، گروہی تعصّبات اور آدمی کا قدیم رسومات ونظریات پر قائم رہنا ہے جنہیں چھوڑنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اس میں انسان کو وقتی مفادات، ماضی کے نظریات، آباء واجداد کی روایات اور معاشرے کی فرسودہ رسومات کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ ان کو چھوڑنے سے کئی قسم کے الزامات برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ لیکن اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ انہی زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں۔ ان جکڑ بندیوں سے نجات پانا اور حقیقت کو قبول کرنا بڑی جرأت و جوانمردی کا کام ہے۔ اہلِ کتاب کو دعوت دی جارہی ہے کہ تمہیں سب لوگوں سے پہلے قرآنِ مجید پر ایمان لانا چاہیے کیونکہ قرآن کوئی نیا دین پیش نہیں کرتا یہ تو تمہاری بنیادی تعلیمات کی تائید کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے راستے میں رکاوٹ بننے کی بجائے ہراول دستے کا کردار ادا کرتے ہوئے آگے بڑھ کر قرآن کا پیغام سینے سے لگاؤ اور پرچمِ اسلام کو تھام لو۔ تمہیں وہ سب کچھ عزت کے ساتھ مل جائے گا جس کے چھن جانے کا تم خوف محسوس کرتے ہو۔

لہٰذا دونوں آیات کے آخر میں تلقین کی گئی ہے کہ مفادات کے چھن جانے کا ڈر، لوگوں کا خوف اور مستقبل کے خدشات سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ دنیا کے مفادات اور تحفظات اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے مقابلے میں نہایت ہی معمولی چیز ہیں۔

''اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑے داموں میں فروخت نہ کرو اور اگر منہ مانگے دام ملیں تو بیچ دو بلکہ مقصد یہ ہے کہ کسی قیمت پر حق کو نہ بیچو۔ کیونکہ ساری دنیا کے خزانے بھی اس کے مقابلے میں حقیر ترین معاوضہ ہیں۔'' [ضیاء القرآن]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنی اسرائیل کو یہ کہہ کر سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہیں میرے سوا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں اس لیے بھی خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ قرآن تمہاری بنیادی اور صحیح باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور اسے میں نے ہی اپنے بندے محمد عربی ﷺ پر نازل کیا ہے لہٰذا تمہارے لیے اس سے انکار کرنے کا کوئی علمی و اخلاقی جواز نہیں بنتا۔ اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی بجائے آگے بڑھ کر اسے قبول کر دنیا کے معمولی مفاد اور عارضی وقار کی خاطر میری آیات کے ساتھ سودے بازی نہ کرو کیونکہ میرے ارشادات کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت ذرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِالسُّوْقِ دَاخِلًا مِّنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتَيْهِ فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهٖ ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهٖ قَالَ أَتُحِبُّوْنَ أَنَّهُ لَكُمْ قَالُوْا وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ عَيْبًا فِيْهِ لِأَنَّهُ أَسَكُّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ فَقَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ))

(رواہ مسلم: کتاب الزھد والرقائق، باب)

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بازار کی ایک جانب سے داخل ہوئے آپ کے ساتھ لوگ بھی تھے آپ ایک مردہ بکری کے بچے کے پاس سے گزرے آپ نے اس کے ایک کان کو پکڑ کر پوچھا کون اسے ایک درہم کے بدلے لینا پسند کرے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم تو اسے کسی چیز کے بدلے بھی لینا نہیں چاہتے اور ہم اس کا کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ یہ بکری کا بچہ تمہارا ہوتا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو کان چھوٹے ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا جاتا۔ اب یہ مرا ہوا ہے تو ہم کیسے اسے پسند کریں گے۔ آپ نے فرمایا: جیسے تمہارے نزدیک یہ بکری کا مردہ بچہ بڑا ہی حقیر ہے۔ اللہ کی قسم! دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيْمُ السَّمِيْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُوْا {فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا}))

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب أولئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: یقیناً روزِ قیامت ایک بڑا اور موٹا آدمی لایا جائے گا اللہ کے ہاں اس کا مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ ہوگا اور فرمایا: یہ آیت پڑھو {قیامت کے دن ہم ان کافروں کے لیے ترازو قائم نہیں کریں گے}۔''

پادریوں کی دنیا پرستی:

جس تورات و انجیل کی قرآن نے تصدیق کی وہ وہی تھیں جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئیں۔ مگر نزولِ قرآن تک ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابوں کے کچھ حصے آمیزش اور تحریف و تناقص کا شکار ہو چکے تھے جبکہ بعض حصے بالکل ناپید ہو گئے تھے۔ لہٰذا قرآن نے جہاں ان کتابوں کی مجمل تصدیق کی، وہاں یہ بھی بتایا کہ وہ تحریف اور تبدل کا شکار ہو چکی ہیں۔ گویا قرآن کے اپنے الفاظ میں اگر وہ ان کتابوں کا ''مصدق'' ہے تو وہ ان کا ''مہیمن'' بھی ہے۔ یعنی ان کی اصلی تعلیم کا محافظ و نگران اور اسے درست طور پر پیش کرنے والا {وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ} ''قرآن کی عظمت یہ ہے کہ اس نے ان حقائق کا اعلان اس وقت کیا جب یہودی اور عیسائی انہیں کسی قیمت پر ماننے کو تیار نہ تھے۔''

پاپاؤں اور کارڈینلوں کی ہوسِ زر، دنیا طلبی اور عیش پرستیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے تاریخ پاپائیت کا مستند مورخ کریٹن پوپ بونی فیس نہم کے بارے میں لکھتا ہے:

His ends were purely temporal and had no care for the higher intrests of the Church. (M.Creighton: History of the Papacy, vol. 1, p. 182,183)

''اس کے مقاصد سراسر دنیاوی تھے اور اسے کلیسا کے اعلیٰ مفادات کی کوئی پرواہ نہ تھی۔''

حتیٰ کہ جب اس کے آخری وقت (last hour) پوچھا گیا کہ وہ کیسا ہے تو اس نے جواب دیا:

If I had more money I should be well enough. (M.Creighton: History of the Papacy, vol. 1, p. 182,183)

''اگر مجھے مزید دولت مل جائے تو میں (اب بھی) ٹھیک ٹھاک ہو سکتا ہوں۔''

صلیبی جنگوں کا ایک اہم محرک بھی جلب زر اور حصول جاہ تھا۔ پوپ اربن دوم (۱۰۸۸)ء نے پہلی صلیبی جنگ پر ابھارتے ہوئے مسیحی شہزادوں اور بہادروں کو کہا تھا:

The wealth of our enemies will be yours and you will despoil them of their treasures.

''ہمارے دشمنوں کی دولت تمہاری ہو جائے گی اور تم انہیں ان کے خزانوں سے محروم کر دو گے۔''

[عیسائیت تجزیہ و مطالعہ از پروفیسر ساجد میر]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ کر دنیا کمانا اس کی آیات کو معمولی قیمت پر فروخت کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ اللہ کی کتابوں پر پورا یقین رکھنا چاہیے۔ ۳۔ اللہ سے ہی ڈرتے رہنا چاہیے۔



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا	تَلْبِسُوا	الْحَقَّ	بِالْبَاطِلِ	وَتَكْتُمُوا	الْحَقَّ
اور نہ	ملاؤ	حق کو	باطل سے	اور نہ چھپاؤ	حق

وَاَنْتُمْ	تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾	وَاَقِيْمُوا	الصَّلٰوةَ	وَاٰتُوا	الزَّكٰوةَ
حالانکہ تم	جانتے ہو	اور قائم کرو	نماز	اور ادا کرو	زکوٰۃ

وَارْكَعُوْا	مَعَ	الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾
اور رکوع کرو	ساتھ	رکوع کرنے والے

''اور حق و باطل کی آمیزش نہ کرو اور نہ ہی جان بوجھ کر حق کو چھپاؤ۔ (۴۲) اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' (۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کو خطاب جاری ہے۔ دنیا کے فائدے کی خاطر حق و باطل کا التباس نہ کرو۔ بلکہ نماز کی صورت میں حقوق اللہ اور زکوٰۃ کی شکل میں حقوق العباد کا اہتمام کرتے ہوئے نماز میں رکوع کرتے ہوئے اسے جماعت کے ساتھ پڑھا کرو۔

بنی اسرائیل کے علماء اور سیاسی رہنما نہ صرف اپنے مفادات پر شریعت کے احکام قربان کرتے بلکہ جو احکام ان کی ''انا'' گروہی مفادات اور سیاسی سوچ کے خلاف ہوتے ان کو چھپا لیتے تھے۔ بصورتِ دیگر اپنے دھڑے کی حمایت کی خاطر ان کی تاویلات کرتے ہوئے اس طرح اپنے عقیدے کے سانچے میں ڈھالتے اور اس طرح التباسِ حق و باطل کرتے کہ پڑھنے اور سننے والا شخص آسمانی کتاب اور علماء کی تاویلات اور ذاتی نظریات کے درمیان فرق نہیں کر سکتا تھا کہ ان میں تورات و انجیل کی اصل عبارت کونسی ہے۔ بلکہ وہ ان کے فروعی مسائل، فقہی تاویلات اور اصطلاحات کو بنیادی اور اصل دین تصور کرتا تھا۔ حالانکہ ان کے منصف مزاج لوگ اس بات کا کھلا اعتراف کرتے ہیں۔

((عن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ وَصِفَةُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهُ)) (رواہ الترمذی: بَاب فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم [ضعیف])

''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی صفات لکھی ہوئی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں گے۔''

Careful comparison of the Bibles published recently with the first and other early versions will show great differences; but by whose authority these changes have been made, no one seems to know. (J.R. Dore: op.cit., p.98)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''شائع ہونے والے بائبل کے نسخوں کا اگر پہلے اور ابتدائی نسخوں سے مقابلہ کیا جائے، تو ان میں بہت زیادہ اختلافات ظاہر ہوں گے۔لیکن یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ یہ تبدیلیاں کس سند اور اختیار کی رو سے کی گئی ہیں۔''

برنارڈ ایلن (Bernard M.Allen) نے درج ذیل تبصرہ اناجیل اربعہ پر کیا تھا، مگر یہی بات عہدِ عتیق اور بائبل کے دوسرے حصوں پر بھی صادق آتی ہے:

We have, therefore, no security that the narratives and sayings as given in the Gospels necessarily represent what actually happened or what was actually said. (B.M. Allen: op. cit., p.9)

''ہمارے پاس اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ اناجیل میں دیے ہوئے واقعات واقوال لازماً وہی کچھ پیش کرتے ہیں جو حقیقت میں واقع ہوا اور جو کہا گیا تھا۔'' [عیسائیت تجزیہ ومطالعہ]

یہاں نماز کی تلقین اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دے کر انہیں سبق دیا جا رہا ہے۔تمہیں اپنے مفادات کے سامنے جھکنے کی بجائے اللہ کے حضور سرنگوں ہونا چاہیے اور لوگوں سے مال بٹورنے کی بجائے زکوٰۃ کی صورت میں خرچ کرنے کی عادت اپنانی چاہیے۔کیونکہ اللہ کی رضا کی خاطر پوری زکوٰۃ ادا کرنے والا نہ بخیل ہوتا اور نہ لوگوں کا مال بٹورتا ہے۔تنہا نماز پڑھنے کی بجائے مسلمانوں کے ساتھ مل کر رکوع کیا کرو۔یہودیوں نے اپنی نماز میں رکوع کو خارج کر دیا ہے۔اس لیے رکوع کی ادائیگی کا ذکر فرما کر جماعت کی اہمیت کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ دین میں صرف نماز پڑھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ نماز باجماعت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

نماز باجماعت:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً)) (رواہ البخاری: کتاب الأذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا زیادہ افضل ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے والوں کے بارے میں اپنی ناراضگی کا یوں اظہار فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَآءَ))

(رواہ البخاری: کتاب الاذان، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب اکٹھی ہو جائیں تو میں نماز کا حکم دوں نماز کے لیے اذان دی جائے پھر میں کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کروائے اور میں جماعت سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے ہاں جاؤں، ان پر ان کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دوں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کوئی یہ جانتا کہ اسے نماز کے بدلے موٹی ہڈی یا دو پائے ملیں گے تو وہ عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہوتا۔''

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا انہیں دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ آپ کی بات مان لیں تو انہیں بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ آپ کی اس بات میں اطاعت کریں تو انہیں بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو دی جائے گی۔'' (رواہ البخاری: باب وجوب الزکوٰۃ)

مسائل

۱۔ سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا بڑا گناہ ہے اور یہ یہودیوں کی عادت ہے۔

۲۔ حق جاننے کے باوجود حق بات کو چھپانا بڑا گناہ ہے۔ ۳۔ زکوٰۃ کی ادائیگی اور نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اقامتِ صلوٰۃ کے تقاضے:

۱۔ وضو کیا جائے۔ (المائدۃ:۶) ۲۔ نماز مقررہ اوقات پر ادا کی جائے۔ (النساء:۱۰۳)

۳۔ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ (النساء:۴۳) ۴۔ نماز میں غفلت اور ریاکاری نہیں ہونی چاہیے۔ (الماعون:۵،۶)

۵۔ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔ (البقرۃ:۴۳) ۶۔ نماز میں عاجزی ہونی چاہیے۔ (البقرۃ:۲۳۸)

۷۔ نماز خشوع کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔ (المؤمنون:۲) ۸۔ اقامت صلوٰۃ کا اجر۔ (العنکبوت:۴۵)

زکوٰۃ کا حکم اور اس کے فائدے:

۱۔ حضرت ابراہیم، لوط، اسحاق و یعقوب علیہم السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔ (الانبیاء:۷۳)

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے اہلِ خانہ کو زکوٰۃ کا حکم۔ (مریم:۵۵)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔ (مریم:۳۱) ۴۔ بنی اسرائیل کو زکوٰۃ کا حکم۔ (البقرۃ:۸۳)

۵۔ تمام امتوں کو زکوٰۃ کا حکم۔ (البینۃ:۵) ۶۔ زکوٰۃ مال کا تزکیہ کرتی ہے۔ (التوبۃ:۱۰۳)

۷۔ ایمان، نماز اور زکوٰۃ مومن کو بے خوف اور بے غم کرتی ہے۔ (البقرۃ:۲۷۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اَتَاْمُرُوْنَ	النَّاسَ	بِالْبِرِّ	وَتَنْسَوْنَ	اَنْفُسَكُمْ	وَاَنْتُمْ
کیا تم حکم دیتے ہو	لوگ کو	نیکی کا	اور تم بھول جاتے ہو	اپنا آپ	حالانکہ تم

تَتْلُوْنَ	الْكِتٰبَ ؕ	اَفَلَا	تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾
پڑھتے ہو	کتاب	کیا پھر نہیں	تم عقل کرتے

''کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم پھر بھی عقل نہیں کرتے۔'' (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کے مذہبی اور سیاسی راہنماؤں کا کردار یہ تھا کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے مگر اپنے آپ کو بھول جاتے تھے جو دانشمندی کے خلاف ہے۔

بنی اسرائیل کے علماء نے دین اور اس کی تبلیغ کو پیشہ کے طور پر اختیار کر رکھا تھا۔ بظاہر ان کا اوڑھنا بچھونا دین ہی تھا۔ لیکن دین کو محض ڈیوٹی اور پیشہ کے طور پر اختیار کئے ہوئے تھے۔

ایسے لوگوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ دینی مشغلے سے تمہیں وقتی مفاد تو حاصل ہو جائے گا۔ لیکن حقیقی اور دائمی فائدے سے محروم رہو گے۔ کتاب اللہ کا علم جاننے اور منصبِ امامت سنبھالنے کے باوجود ایسا کرنا عقل مندی کا تقاضا نہیں۔

اہلِ کتاب کے مذہبی پیشواؤں کا کردار:

''تاریخ اخلاق یورپ'' کے فاضل مؤلف نے اس شرمناک اور وحشت ناک صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

... that inveterate prevalance of incest among the clergy, which rendered it necessary angain and again to issue the most stringent enactments that priests should not be permitted to live with their mothers and sisters. (W.Lecky: op.cit., p.231 -- H.C.Lea:op.cit., p.138)

''اہل کلیسا میں محرمات سے مباشرت کا چلن اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ پادریوں کو اپنی ماؤں اور بہنوں کے ساتھ رہنے سے روکنے کی خاطر بار بار انتہائی سخت قوانین جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی۔''

گریگوری دہم نے لے اونز (Lyons) کی دوسری کونسل میں شریک ہونے والے معزز ترین پادریوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

You are the ruin of the world. (Ibid., p.353)

''تم دنیا کی اخلاقی تباہی کے باعث ہو۔''

The History of Christian monasticism ..... during the 1,000 years of the

Church's complete domination of Europe, is the most sordid chapter in the history of civilized religions ..... at least four-fiths of the monasteries of Europe during the 1,000 years were corrupt ..... a monastery was generally a nursery of sloth, sensuality and vice. (Rationalist Encyclopaedia pp.398-399)

''مسیحی رہبانیت کی ان ہزار سالوں کی تاریخ جب یورپ پر کلیسا کا مکمل تسلط تھا، مہذب مذاہب کی تاریخ کا تاریک ترین باب ہے..... ان ہزار سالوں کے دوران کم از کم ۵ / ۴ راہب خانے بدمعاشی کے اڈے تھے۔ ایک راہب خانہ عموماً کاہلی، شہوت پرستی اور اخلاقی خرابی کا گہوارہ ہوتا تھا۔'' [عیسائیت تجزیہ ومطالعہ]

بدعمل علماء کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

((يُجَآءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ فَيَدُوْرُ كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُوْنَ أَيْ فُلَانُ مَاشَأْنُكَ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَآ اٰتِيْهِ وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيْهِ))

(رواه البخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة النار.....)

''قیامت کے دن ایک آدمی کو لا کر آگ میں ڈالا جائے گا اس کی انتڑیاں آگ میں باہر نکل آئیں گی وہ ان کے گرد ایسے چکر کاٹے گا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے جہنمی اس کے پاس جمع ہو کر پوچھیں گے اے فلاں! تجھے کیا ہوا کیا تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم دیتا تھا اور برے کاموں سے منع نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا میں تمہیں اچھی باتوں کا حکم دیتا تھا لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا اور میں تمہیں برے کاموں سے روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا۔''

مسائل

۱۔ لوگوں کو نیکی کا حکم دینا خود اس پر عمل نہ کرنا بے عقلی کی دلیل ہے۔ ۲۔ مبلغ کو سب سے پہلے عمل کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قول وفعل کے تضاد کی ممانعت:

۱۔ ایمان داروں کے قول وفعل میں تضاد کیوں؟۔ (الصّف: ۲) ۲۔ عمل نہ کرنے والوں کی مثال گدھوں جیسی ہے۔ (الجمعہ: ۵)

۳۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ (البقرۃ: ۴۴)

وَاسْتَعِيْنُوْا	بِالصَّبْرِ	وَالصَّلٰوةِ ؕ	وَاِنَّهَا	لَكَبِيْرَةٌ	اِلَّا
اور مدد چاہو	صبر	اور نماز کے ساتھ	اور بیشک وہ	البتہ مشکل	مگر
عَلَى	الْخٰشِعِيْنَ ۙ﴿۴۵﴾	الَّذِيْنَ	يَظُنُّوْنَ	اَنَّهُمْ	مُّلٰقُوْا
پر	عاجزی کرنے والے	وہ جو	یقین رکھتے ہیں	بیشک وہ	ملاقات کرنیوالے
رَبِّهِمْ	وَاَنَّهُمْ	اِلَيْهِ	رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع		
اپنے رب سے	اور بیشک وہ	اس کی طرف	لوٹنے والے		

ع ۵ ۱۱ ۱۵

''صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بات عاجزی کرنے والوں کے سوا دوسروں کے لیے بہت مشکل ہے۔(۴۵) جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''(۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دوغلا پن اختیار کرنے کی بجائے، عُسر ویُسر میں دین پر قائم رہو اور نماز اور صبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد کے طالب بنو۔

اے بنی اسرائیل! تمہیں اپنے آپ کو شریعت کا پابند صبر وشکر کا خوگر اور نماز قائم کرنے والا ہونا چاہیے لیکن یاد رکھو یہ کام نسبتاً مشکل ہیں۔ صبر وشکر اور نماز کی ادائیگی وہی لوگ کیا کرتے ہیں جن کے دل ''اللہ'' کے خوف سے لرزاں وترساں رہتے ہیں اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ ہم نے دنیا میں ہمیشہ نہیں بیٹھ رہنا بلکہ آخر کار ہمیں اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور فکرِ آخرت کے نتیجہ میں آدمی سے نیک اعمال کا ظہور ہوتا ہے۔ اس فکر کے بغیر دینی کام اچھی عادت اور پیشہ تو ہو سکتے ہیں مگر توشۂ آخرت نہیں بن سکتے اور نہ ہی کردار میں اچھی تبدیلی کا باعث بن سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نماز کے ذریعے مدد طلب کرنا:

((إِذْ أَتٰى عَلٰى جَبَّارٍ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هَاهُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَأَةٌ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْهَا فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ قَالَ أُخْتِيْ فَأَتٰى سَارَةَ قَالَ يَا سَارَةُ لَيْسَ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِيْ وَغَيْرَكِ وَإِنَّ هٰذَا سَأَلَنِيْ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّكِ أُخْتِيْ فَلَا تُكَذِّبِيْنِيْ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهِ فَأُخِذَ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِيْ وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَأُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِيْ وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتْ فَأُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهِ فَقَالَ إِنَّكُمْ لَمْ تَأْتُوْنِيْ بِإِنْسَانٍ إِنَّمَا أَتَيْتُمُوْنِيْ بِشَيْطَانٍ فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَأَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ مَهْيَا قَالَتْ رَدَّ اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ أَوِ الْفَاجِرِ فِيْ نَحْرِهِ وَأَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِيْ مَاءِ السَّمَاءِ))

(رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا)

''جب (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بی بی سارہ) ایک ظالم حکمران کے ملک سے گزرے تو اس کے نوکر چاکروں نے بادشاہ کو کہا کہ ہمارے شہر میں ایک مسافر آیا ہے جس کی عورت بہت ہی زیادہ خوبصورت ہے۔ ظالم بادشاہ نے حکم دیا۔ ابراہیم کو فوراً میرے سامنے پیش کرو۔ ان سے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا یہ میری بہن ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بادشاہ سے فارغ ہو کر حضرت سارہ کے پاس آئے اور کہا اے سارہ! اس سرزمین میں میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں۔ اس ظالم بادشاہ نے مجھے پوچھا ہے کہ یہ تیرے ساتھ عورت کون ہے؟ تو میں نے تجھے اپنی بہن کہا ہے کیونکہ دینی رشتہ کے اعتبار سے تو میری بہن ہے، تجھے اس کے سامنے یہی کہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ میں جھوٹا ثابت ہو جاؤں۔ اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو جبراً منگوایا جب وہ اس کے پاس پہنچائی گئی تو ظالم نے دست اندازی کی کوشش کی لیکن دھڑام نیچے گرا اور فریاد کرنے لگا اے نیک خاتون! اپنے رب سے میری عافیت کی دعا کر میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ حضرت سارہ کی دعا سے وہ اچھا ہو گیا پھر دوسری مرتبہ زیادتی کی کوشش کی دوبارہ پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ اللہ کی گرفت میں آیا۔ اب پھر التجا کی کہ اے نیک عورت! اب کے بار پھر دعا کر میں اچھا ہو جاؤں تو میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ حضرت سارہ نے دعا کی تو اللہ کے فضل و کرم سے وہ پھر صحیح ہو گیا۔ اس بار اس نے اپنے نوکر کو بلا کر کہا تم کیسی عورت میرے پاس لائے ہو یہ عورت ہے یا شیطان؟ (بے شرم اپنی بے شرمی کو مٹانے کے لیے ایسا کہہ رہا تھا۔ حالانکہ شیطان خود تھا۔) اس نے ہاجرہ کو حضرت سارہ کی خدمت میں دے دیا۔ جب حضرت سارہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں تو آپ ''اللہ'' کے حضور نماز میں مصروف تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز کی حالت میں اشارہ سے پوچھتے ہیں کیا معاملہ ہوا؟ حضرت سارہ نے عرض کیا: اللہ ذوالجلال نے کافر و فاجر کی شرارت کو اس پر الٹ دیا ہے پھر سارا ماجرا ذکر کیا اور کہا بالآخر اس نے اپنی بیٹی کو خادمہ کے طور پر میرے حوالے کر دیا ہے۔ جناب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیثِ مبارکہ ذکر کرنے کے بعد کہا اے بارش پر پلنے والو۔ (یعنی اے عرب قوم!) یہی تو تمہاری والدہ ہاجرہ ہیں۔''

مسائل

۱۔ مشکل کے وقت حوصلہ اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ ۳۔ ہر شخص کی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری یقینی ہے۔
۲۔ مشکل کے وقت صبر کرنا اور نماز پڑھنا بھاری کام ہیں مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آسان ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نماز کا حکم:

۱۔ (البقرۃ: ۴۳، ۸۳، ۱۱۰) ۲۔ (النساء: ۷۷، ۱۰۳) ۳۔ (الانعام: ۷۲) ۴۔ (یونس: ۸۷) ۵۔ (الحج: ۷۸)
۶۔ (النور: ۵۶) ۷۔ (الروم: ۳۱) ۸۔ (المجادلہ: ۱۳) ۹۔ (المزمل: ۲۰)

يٰبَنِيْٓ	اِسْرَآءِيْلَ	اذْكُرُوْا	نِعْمَتِيَ	الَّتِيْٓ	اَنْعَمْتُ
اے اولادِ	یعقوب	یاد کرو	میری نعمت	وہ جو	میں نے انعام کی

عَلَيْكُمْ	وَاَنِّيْ	فَضَّلْتُكُمْ	عَلَى	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾
تم پر	اور یہ کہ میں نے	تمہیں فضیلت دی	پر	دنیا والے

''اے اولاد یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام دنیا پر فضیلت عطا فرمائی۔'' (۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کو دوسرا خطاب۔

بنی اسرائیل سے پہلے خطاب میں کچھ باتوں کا حکم دیا اور کچھ کاموں سے منع کیا تھا۔ اب دوسرے خطاب کا آغاز بھی نہایت دل کش انداز میں کرتے ہوئے نعمتوں کی یاد دہانی کرواتے ہوئے بنی اسرائیل کو نیکی اور عظمت رفتہ کی یاد دہانی کرواتے ہوئے احساس دلایا گیا ہے کہ ہوش کے ناخن لو اور نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ اور آپ ﷺ مخالفت سے باز آؤ۔

بنی اسرائیل پر احسانات

① ۔ جور واستبداد سے نجات:

{ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ } (الدخان: ۳۰)

''ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت آمیز عذاب سے نجات دی۔''

② ۔ دریا میں راستہ بنانا:

{ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ } (البقرۃ: ۵۰)

''جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑا اور تمہیں نجات دی۔''

③ ۔ بچھڑے کی پرستش کے بعد توبہ قبول کی:

{ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ } (البقرۃ: ۵۲) ''پھر ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔''

④ ۔ دوبارہ زندگی عطا کرنا:

{ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ } (البقرۃ: ۵۶)

''پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تم کو زندہ کیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔''

⑤۔ بادلوں کا سایہ کیا:

{ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ } (البقرۃ:۵۷) ''اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا۔''

⑥۔ من وسلویٰ اُتارا:

{ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى } (البقرۃ:۵۷) ''اور ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا۔''

⑦۔ بارہ چشمے جاری کیے:

{ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا } (البقرۃ:۶۰) ''پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔''

⑧۔ دنیا میں حکمران بنایا:

{ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا } (المائدۃ:۲۰) ''اور تمہیں بادشاہ بنایا۔''

⑨۔ اقوامِ عالم پر عزت عطا فرمائی:

{ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ } (البقرۃ:۴۷) ''میں نے تمہیں اقوامِ عالم پر فضیلت دی۔''

⑩۔ جو کچھ بنی اسرائیل کو دیا وہ کسی اور کو نہ دیا:

{ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ } (المائدۃ:۲۰)

''اور جو کچھ تمہیں دیا سارے عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔''

⑪۔ تواتر کے ساتھ انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے:

{ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ } (البقرۃ:۸۷) ''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے رسول بھیجے گئے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کو نعمت اور فضل سے نوازے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (ابراہیم: ۳۴)

۴۔ اگر لوگ اپنے رب کا شکر ادا کریں تو وہ مزید انعامات سے نوازے گا۔ (ابراہیم: ۷)

((أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) (رواہ أبو داؤد: باب فی الإستغفار [صحیح])

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

وَاتَّقُوْا	يَوْمًا	لَّا تَجْزِيْ	نَفْسٌ	عَنْ	نَّفْسٍ	شَيْـًٔا
اور ڈرو	اس دن	نہ نفع دے گا	کوئی شخص	سے	کوئی شخص	کچھ

وَّلَا	يُقْبَلُ	مِنْهَا	شَفَاعَةٌ	وَّلَا	يُؤْخَذُ
اور نہ	قبول کی جائے گی	اس سے	کوئی سفارش	اور نہ	لیا جائے گا

مِنْهَا	عَدْلٌ	وَّلَا	هُمْ	يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾
اس سے	کوئی معاوضہ	اور نہ	ان	مدد کی جائے گی

''اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور نہ سفارش قبول ہوگی اور نہ کسی سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔'' (۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل سے دوسرا خطاب

دنیا کی عدالتوں میں مجرم جن طریقوں سے بچ نکلتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱)۔ حقیقی مجرم کی جگہ دوسرے کو پھنسا دینا۔ (۲)۔ شخصی سفارش کے ذریعے مجرم کو بچا لینا۔

(۳)۔ رشوت کے ذریعے بچ نکلنے میں کامیاب ہونا۔ (۴)۔ سیاسی دباؤ کے ذریعے مجرم کا رہائی پانا۔

یہاں بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے ہر فرد کو باور کرایا جا رہا ہے کہ یہ ہتھکنڈے دنیا کی بے انصاف عدالتوں، رشوت خور ججوں، کمزور اور غلط عدالتی نظام میں چل سکتے ہیں۔ جس وجہ سے مظلوم سر چھپاتے اور ظالم دندناتے پھرتے ہیں۔ لیکن اللہ کی عدالت میں ان باتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ محشر کے میدان میں کسی مجرم کو دم مارنے اور آنکھ اٹھا کر دیکھنے اور بلا اجازت بولنے کی بھی جرأت نہ ہوگی۔ اس دن کوئی نفس اور کوئی متاع کام نہ آئے گی۔ قرآن مجید نے ان اصولوں کو مختلف مقامات اور انداز میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ کسی مجرم کے دل میں قیامت کے دن چھوٹ جانے کا تصور بھی پیدا نہ ہو۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن رشتہ دار، غلط سفارش اور اس کا مال مجرم کو کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

تفسیر بالقرآن

سفارش کی گنجائش نہیں:

۱۔ کون ہے جو اللہ کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ (البقرۃ: ۲۵۵)

۲۔ دوستی اور سفارش کام نہیں آئے گی۔ (البقرۃ: ۲۵۴) ۳۔ مجرموں کو سفارش کا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ (المدثر: ۴۸)

۴۔ ظالموں کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارشی۔ (المؤمن: ۱۸) ۵۔ کافروں کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔ (انعام: ۵۱) (الروم: ۱۳)

نوٹ! فدیہ کے بارے میں البقرۃ: ۱۲۳ دیکھیے۔

وَاِذْ	نَجَّيْنٰكُمْ	مِّنْ	اٰلِ	فِرْعَوْنَ	يَسُوْمُوْنَكُمْ	سُوْٓءَ
اور جب	ہم نے تمہیں نجات دی	سے	آل	فرعون کی	وہ تمہیں دیتے تھے	بدترین
الْعَذَابِ	يُذَبِّحُوْنَ	اَبْنَآءَكُمْ	وَيَسْتَحْيُوْنَ	نِسَآءَكُمْ ؕ	وَفِيْ
عذاب	وہ ذبح کرتے تھے	تمہارے بیٹے	اور زندہ چھوڑ دیتے تھے	تمہاری عورتیں	اور میں
ذٰلِكُمْ	بَلَآءٌ	مِّنْ	رَّبِّكُمْ	عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾	وَاِذْ	فَرَقْنَا	بِكُمُ
اس	آزمائش	سے	تمہارا رب	بڑی	اور جب	ہم نے پھاڑ دیا	تمہارے لیے
الْبَحْرَ	فَاَنْجَيْنٰكُمْ	وَاَغْرَقْنَآ	اٰلَ فِرْعَوْنَ	وَاَنْتُمْ	تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾
دریا	پھر ہم نے تمہیں بچالیا	اور ہم نے ڈبو دیا	آل فرعون	اور تم	دیکھ رہے تھے

''اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے۔ وہ تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔(۴۹) اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑ دیا اور تمہیں اس سے بچالیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے دریا میں غرق کر دیا۔''(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل سے خطاب جاری ہے اس میں دو احسانات کا تذکرہ فرما کر نصیحت کی گئی ہے۔

بنی اسرائیل پر فرعون کے بدترین مظالم کی اہلِ تاریخ دو وجوہات تحریر کرتے ہیں۔ ایک جماعت کا نقطۂ نگاہ ہے کہ اس وقت کے نجومیوں نے فرعون کو اس بات کی خبر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تیرے اقتدار کو چیلنج کرے گا۔ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی افرادی قوت کے خوف سے فرعون نے ان کے بچوں کو قتل کرنے اور عورتوں کو باقی رکھنے کا حکم جاری کیا تھا۔

یاد رہے بنی اسرائیل کے جوانوں کا قتل عام اور ان کی عورتوں کو باقی رکھنے کا اقدام دو مرتبہ اٹھایا گیا ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اور دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کے بعد۔(المؤمن: ۲۳)

یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں کا احساس، آخرت کا خوف اور ان کے ماضی کے الم ناک دور کا حوالہ دے کر سمجھایا ہے کہ آج تم کمزور اور بے خانماں مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہو تمہیں وہ وقت بھی یاد رکھنا چاہیے جب فرعون تمہارے جوانوں اور نونہالوں کو سرِعام ذبح کرتا تھا اور تمہاری ماؤں اور بہو، بیٹیوں کو باقی رہنے دیتا تھا۔ قرآنِ مجید نے اسے بلائے عظیم قرار دے کر ان تمام مضمرات کی طرف اشارہ کیا ہے جو مظلوم اور غلام قوم کو پیش آیا کرتے ہیں اور ظالم مظلوم کی بہو بیٹیوں کے ساتھ جو سلوک کیا کرتے ہیں اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ نے تم پر احسانِ

عظیم کرتے ہوئے ان مظالم سے تمہیں نجات دلائی اور تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے بدترین دشمن کو ذلت کی موت دیتے ہوئے اسے ہمیشہ کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس سے دنیا میں تمہاری عظمت وسچائی اور بزرگی کی دھوم مچ گئی کہ بنی اسرائیل کے لیے دریا رک گیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا کا بدترین مغرور وسفاک، خدائی اور مشکل کشائی کا دعوی کرنے والا ڈبکیاں لیتے ہوئے دہائی دیتا رہا کہ لوگو! میں موسیٰ علیہ السلام اور اس کے رب پر ایمان لاتا ہوں لیکن آواز آئی کہ تیرا ایمان ہرگز قبول نہیں ہوگا اب تجھے آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا جائے گا۔

{ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۹۱ } (یونس:۹۱)

''کیا اب؟ حالانکہ تو نافرمان تھا اور تو فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔''

قیامت کے دن مظلوم بچیاں اس طرح سوال کریں گی:

{ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىٕلَتْ ۝۸ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ } (التکویر:۸،۹)

''اور زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی تھی؟''

یہاں انتباہ کیا گیا ہے کہ جو بچوں کو قتل کرتے ہیں قیامت کے دن وہ بچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرے گا کہ مولائے کریم! آج اس ظالم سے پوچھا جائے کہ مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا بے شک قاتل والدین ہی کیوں نہ ہوں۔

ظلم کے بارے میں رسولِ محترم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) (رواہ البخاری: کتاب المظالم والغصب، باب الظلم۔۔۔)

''ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے۔''

مسائل

۱۔ فرعون بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا۔ ۲۔ فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔
۳۔ ظلم مظلوم پر بھاری آزمائش ہوتی ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ڈبویا اور بنی اسرائیل کو بچا لیا۔

تفسیر بالقرآن

فرعون کے مظالم:

۱۔ فرعون نے اپنی قوم میں طبقاتی کشمکش پیدا کی۔ (القصص:۴)
۲۔ بنی اسرائیل قتل وغارت کے عذاب میں دو مرتبہ مبتلا کئے گئے۔ (الاعراف:۱۲۷ تا ۱۲۹)
۳۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اقتدار بخشا تا کہ فرعون کو اپنی قدرت دکھلائے۔ (القصص:۵،۶)
۴۔ فرعون نے ظلم کرنے کے لیے میخیں تیار کی ہوئی تھیں۔ (الفجر:۱۰)
۵۔ فرعون نے اپنی بیوی پر اس لیے ظلم کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی۔ (التحریم:۱۱)

وَاِذْ	وٰعَدْنَا	مُوْسٰٓى	اَرْبَعِيْنَ	لَيْلَةً	ثُمَّ	اتَّخَذْتُمُ
اور جب	ہم نے وعدہ لیا	موسیٰ (علیہ السلام)	چالیس	رات	پھر	تم نے پکڑ لیا
الْعِجْلَ	مِنْۢ	بَعْدِهٖ	وَاَنْتُمْ	ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾	ثُمَّ	عَفَوْنَا
بچھڑا	سے	اس کے بعد	اور تم	ظالم (جمع)	پھر	ہم نے معاف کر دیا
عَنْكُمْ	مِّنْۢ	بَعْدِ	ذٰلِكَ	لَعَلَّكُمْ	تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾	وَاِذْ
تم سے	سے	بعد	یہ	تا کہ تم	شکر ادا کرو	اور جب
اٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْكِتٰبَ	وَ	الْفُرْقَانَ	لَعَلَّكُمْ	تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾
ہم نے دی	موسیٰ	کتاب	اور	فرق کر دینے والی	تا کہ تم	ہدایت پاؤ

''اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور تم ظالم بن گئے۔(۵۱) لیکن ہم نے اس کے بعد پھر تمہیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔(۵۲) اور جب ہم نے موسیٰ کو تمہاری ہدایت کے لیے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔''(۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل پر تیسرا اور چوتھا احسان۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کے علاقہ سے واپسی کے وقت سفر کے دوران نبوت سے سرفراز فرمایا اور دو معجزے عطا فرمائے لاٹھی کا اژدہا بن جانا اور ہاتھ کا روشن ہونا۔ ان معجزات کے ساتھ موقع بموقع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایات ملتی رہیں۔ جن میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جا کر نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانے کی ہدایت، توحید کے دلائل، بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ بنی اسرائیل کو صبر اور نماز کی تلقین اور ہر قسم کی راہنمائی کا بندوبست، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مجادلہ کے نتیجہ میں جادوگروں سے مقابلہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم کامیابی کا حصول جس کے نتیجے میں جادوگروں کا موقعہ پر ہی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان اس کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہوگی۔ بالآخر فرعون اور اس کے لشکروں کا غرقاب ہونا اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فلسطین پر حملہ آور ہو جاؤ اللہ اسے تمہارے ہاتھوں فتح کرے گا لیکن بزدل قوم نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم اور تمہارا خدا لڑو ہم تو اتنے طاقتوروں کے ساتھ نہیں لڑ سکتے اس کی پاداش میں انہیں طورِ سینا کے ریگستان میں چالیس سال کے لیے مقید کر دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ کوہِ طور پر تیس دن کے لیے حاضری دو تا کہ آپ کو تحریری طور پر تختیوں کی شکل میں آپ کو تورات دی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طورِ سینا پر فروکش ہوئے تو تیس دن کی مدت کو چالیس دن میں تبدیل کر دیا گیا۔

بنی اسرائیل اس قدر احسان فراموش اور متلون مزاج قوم تھی کہ جوں ہی ان کا دشمن غرقاب ہوا یہ دریا عبور کر کے ابھی

تھوڑی ہی دیر چلے تھے کہ راستہ میں انہوں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو بتوں کے سامنے مراقبہ، اعتکاف اور طواف کر رہے تھے۔ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے احسانات کو فراموش کرتے ہوئے بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہمیں بھی ایسا ہی معبود بنا دیجیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرک کے نقصانات بتاتے ہوئے فرمایا کہ یہ قوم تو ہلاکت اور بربادی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ جن کی یہ پوجا کر رہے ہیں وہ باطل اور ان کا یہ عمل شرک ہے۔ کیا تم اللہ کے بغیر کسی اور کو معبود مانتے ہو؟ جبکہ اس نے تمہارے دشمن کو غرق کر کے پوری دنیا میں تمہیں ممتاز کر دیا ہے۔ اس وقت تو یہ لوگ باز آئے لیکن غلامانہ ذہن رکھنے والی قوم شرک سے کس طرح باز آسکتی تھی؟ جوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو سامری نام کے ایک آدمی نے سونے کا ایک بچھڑا بنا کر انہیں کہا کہ یہی وہ معبود ہے جس کی تلاش میں موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے سب کچھ فراموش کرتے ہوئے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔ [طٰہٰ: ۸۷، ۸۸]

مسائل

۱۔ غیر اللہ کی پوجا یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ آدمی کو ڈھیل دے تو اسے توبہ اور شکر کرنا چاہیے۔
۳۔ تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا سرچشمہ تھی۔
۴۔ حضرت موسیٰ کو بڑے بڑے معجزات عنایت کیے گئے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ:

۱۔ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تیس راتوں کا وعدہ ہوا پھر مزید دس راتوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ (الاعراف: ۱۴۲)
۲۔ اسی مدت میں انہیں تختیوں کی شکل میں تورات عنایت کی گئی۔ (الاعراف: ۱۴۳ تا ۱۴۵)

فرقان کیا ہے؟

۱۔ اگر تم عقل مند ہو تو بتاؤ کونسا فریق امن کا زیادہ حق دار ہے۔ (الانعام: ۸۱)
۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والے معجزے عطا کیے۔ (البقرۃ: ۵۳)
۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو لوگوں کے لیے ہدایت اور حق و باطل میں فرق کر دینے والی کتاب بنا کر نازل کیا ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۵)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن سے پہلے تورات و انجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لیے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب بنا کر نازل فرمایا۔ (آل عمران: ۳)
۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حق و باطل میں فرق کرنے والی اور روشن کتاب عنایت فرمائی۔ (الانبیاء: ۴۸)
۶۔ اللہ تعالیٰ بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔ (الفرقان: ۱) ۷۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر دو جماعتوں کے ٹکراؤ میں فرق واضح کر دیا۔ (الانفال: ۴۱)

وَاِذْ	قَالَ	مُوْسٰى	لِقَوْمِهٖ	يٰقَوْمِ	اِنَّكُمْ	ظَلَمْتُمْ
اور جب	کہا	موسیٰ نے	اپنی قوم سے	اے میری قوم	بیشک تم	تم نے ظلم کیا

اَنْفُسَكُمْ	بِاتِّخَاذِكُمُ	الْعِجْلَ	فَتُوْبُوْٓا	اِلٰى	بَارِئِكُمْ	فَاقْتُلُوْٓا
اپنے اوپر	تم نے بنالیا	بچھڑا	سوتم رجوع کرو	طرف	اپنے پیدا کرنے والے	سوتم قتل کرو

اَنْفُسَكُمْ ؕ	ذٰلِكُمْ	خَيْرٌ	لَّكُمْ	عِنْدَ	بَارِئِكُمْ ؕ	فَتَابَ
اپنی جانیں	یہ	بہتر	تمہارے لیے	نزدیک	تمہارا پیدا کرنیوالا	اس نے توبہ قبول کی

عَلَيْكُمْ ؕ	اِنَّهٗ	هُوَ	التَّوَّابُ	الرَّحِيْمُ ۵۴
تمہاری	بیشک وہ	وہی	توبہ قبول کرنے والا	نہایت رحم کرنے والا

''اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب تم اپنے رب کے حضور توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو تمہارے رب کے نزدیک اسی میں بہتری ہے پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کی وہ توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔'' (۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سنگین جرم معاف کرتے ہوئے پانچواں احسان۔

جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے اتر کر اپنی قوم کی طرف آئے تو انہوں نے بچھڑے کو جلا کر دریا میں پھینک دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جن لوگوں نے شرک کا ارتکاب کیا ہے ان کے رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیں۔ یہی تمہاری توبہ ہے اور یہی توبہ کا طریقہ تمہارے رب کے ہاں مقبول ہے۔ جب مشرک ہزاروں کی تعداد میں قتل ہو چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں قوم کے لیے معافی کی درخواست کی جس کو قبول کرتے ہوئے رب کریم نے باقی ماندہ لوگوں کی توبہ قبول فرمائی کیونکہ اللہ تائب ہونے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کے مشرکوں کو ختم کرنے اور ایمانداروں کے ایمان کو پرکھنے کے لیے توبہ کا یہ طریقہ اس لیے مقرر کیا گیا تاکہ لوگ شرک کے بدترین گناہ اور اس کی سنگینی سے آگاہ ہو جائیں اور آئندہ شرک کرنے سے باز رہیں۔

توبہ کے متعلق نبی اکرم ﷺ کے ارشادات:

((عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْئُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْئُ اللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا))

(رواہ مسلم: باب قبول التوبۃ من الذنوب وإن تکررت الذنوب والتوبۃ)

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: یقیناً اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتے ہیں تاکہ دن کو خطائیں کرنے والا توبہ کرلے اور دن کو ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کرلے یہ سلسلہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک جاری رہے گا۔'' (یعنی قیامت تک)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ))

(رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ [حسن])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی پاک ہوجاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔''

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَأَيِسَ مِنْهَا فَأَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِيْ وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ)) (رواہ مسلم: کتاب التوبۃ، باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بھا)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے توبہ کرنے پر اس بندے سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو چٹیل میدان میں اپنی سواری پر تھا اور اس کی سواری گم ہوگئی جس پر اس کا کھانا، پینا تھا۔ وہ سواری اور زندگی سے ناامید ہوکر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ اچانک اس کی سواری مل گئی وہ خوشی میں آکر یہ کہہ دیتا ہے کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔''

مسائل

۱۔ شرک کرنے والا اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ کی اہمیت:

۱۔ توبہ کرنا مومن کا شیوہ ہے۔ (التوبۃ: ۱۱۲) ۲۔ توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۲۲)
۳۔ توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی [illegible] ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۰) ۴۔ توبہ کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (القصص: ۶۷)
۵۔ توبہ کرنے والوں کے لیے فرشتے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (المؤمن: ۷ تا ۹)
۶۔ توبہ کرنے والے کے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ (الفرقان: ۷۰)

وَاِذْ	قُلْتُمْ	يٰمُوْسٰى	لَنْ نُّؤْمِنَ	لَكَ	حَتّٰى	نَرَى
اور جب	تم نے کہا	اے موسیٰ	ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے	تجھے	جب تک	ہم دیکھ لیں

اللّٰهَ	جَهْرَةً	فَاَخَذَتْكُمُ	الصّٰعِقَةُ	وَ	اَنْتُمْ	تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾	ثُمَّ
اللہ	سامنے	پھر تمہیں آلیا	کڑک نے	اور	تم	دیکھ رہے تھے	پھر

بَعَثْنٰكُمْ	مِّنْۢ	بَعْدِ	مَوْتِكُمْ	لَعَلَّكُمْ	تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾
ہم نے تمہیں اٹھایا	سے	بعد	تمہاری موت	تاکہ تم	شکر کرو

''اور جب تم نے موسیٰ سے کہا کہ جب تک ہم اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ تمہارے دیکھتے ہی تمہیں کڑک نے آلیا۔ (۵۵) پھر تمہاری موت کے بعد ہم نے تمہیں زندہ کیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔'' (۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی بدترین گستاخی معاف کرتے ہوئے ان پر چھٹا احسان فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آسمانی دستاویزات یعنی تورات کو یہ کہہ کر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ جب تک ہم اللہ کے ساتھ خود ہم کلام نہیں ہوتے اور اسے دیکھ نہیں لیتے اس وقت تک ہم اس کتاب کی تصدیق نہیں کریں گے۔ اس نازک صورتِ حال کے پیشِ نظر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی کہ اے رب! انہیں اپنی ہم کلامی اور زیارت سے مشرف فرما۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ اپنی قوم کے ستر نمائندوں کو کوہِ طور پر لے آئیں۔ جب یہ لوگ طور سینا پر پہنچے تو زوردار دھماکے سے مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ''اللہ'' کے حضور عجز و انکساری سے فریاد کی کہ اے رب! ان لوگوں کی حماقت کی وجہ سے آپ نے انہیں تباہ کر دیا ہے اگر ایسا ہی کرنا تھا تو پہلے مار دیا ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور انہیں دوبارہ زندہ کر دیا گیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی زیارت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

((عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ رَأَیْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ أَنّٰی أَرَاهُ))

(رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب فی قولہ نور أنی أراہ وفی قولہ رأیت نورا)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے ہیں؟ جواباً آپ نے فرمایا وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔''

شکر کا جامع مفہوم یہ ہے کہ آدمی کو جو کچھ میسّر ہو اس کی قدر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ شکر ایسی صفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات والا صفات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۴۷ میں ارشاد ہوا کہ لوگو! تمہیں عذاب کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کچھ حاصل نہیں ہوتا اگر تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کا شکریہ ادا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارا قدر دان ہوگا۔

یہاں شاکر کا لفظ استعمال فرما کر شکر کی اہمیت کو دو چند کر دیا ہے۔ سورۃ ابراہیم آیت ۷ میں یہ خوشخبری عطا فرمائی کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے تو وہ تمہیں مزید عنایات سے نوازے گا۔

سورۃ ابراہیم میں شکر کے بالمقابل کفر کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معانی ناقدری اور احسان فراموشی کے ہیں اس لیے ہر زبان میں ناشکری کو کفرانِ نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ابلیس لعین کو جب اس کے جرم کی پاداش میں ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ قرار دیا گیا تو اس نے بنی نوع انسان کے بارے میں ان الفاظ میں اپنے خبثِ باطن کا اظہار کیا:

''جس وجہ سے مجھے راندہ درگاہ قرار دیا گیا ہے میں اس کے لیے صراطِ مستقیم میں رکاوٹ بنوں گا اور میں ان کے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں سے حملہ آور ہوں گا۔ اے اللہ! تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔'' (الاعراف: ۱۶، ۱۷)

بنی آدم کو ناشکری کے گناہ سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی نعمتوں کی قدر کرنے اور ہر دم شکر گزار رہنے کا حکم دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا اتنا خیال رکھتے کہ آپ تہجد کی نماز میں اس قدر قیام کرتے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجایا کرتا تھا جنہیں دیکھ کر آپ کے اہلِ خانہ نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں تو آپ اس قدر کیوں مشقت اٹھاتے ہیں جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کیا میں ان نعمتوں پر اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (رواہ البخاری: کتاب الجمعۃ، باب قیام النبی اللیل)

اسی بنا پر آپ ﷺ فرض نماز کے بعد اس دعا کا اہتمام کیا کرتے تھے:

((أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) (رواہ أبوداؤد: باب فی الإستغفار [صحیح])

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ موت دے کر زندہ کرنے پر قادر ہے۔ ۲۔ ہر دم اللہ کا شکر گزار رہنا چاہیے۔

۳۔ احسان مندی کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کی اہمیت:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر اس کا شکر یہ ادا کرو۔ (الانفال: ۲۶) ۲۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو زیادہ دیتا ہے۔ (ابراہیم: ۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تمہارے تابع کیا جس سے تازہ مچھلی، زیبائش کا سامان نکلتا ہے اس پر اللہ کا شکر کرو۔ (النحل: ۱۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو باعثِ سکون اور دن کو کسبِ معاش کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ اس کا شکر ادا کرو۔ (القصص: ۷۳)

۵۔ شکر کے بارے میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی دعائیں۔ (ص: ۳۵، النمل: ۱۹)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ

اور ہم نے سایہ کیا	تم پر	بادل	اور ہم نے اتارا	تم پر	من	اور سلوا

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ

تم کھاؤ	سے	پاک	جو ہم نے تمہیں دیا	اور نہیں	انہوں نے ہمارا نقصان کیا	اور لیکن

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

تھے	ان کی جانیں	وہ ظلم کرتے تھے

''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا۔ کہ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔'' (۵۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل پر من وسلویٰ کی شکل میں ساتواں اور آٹھواں احسان۔

بنی اسرائیل کا آزادی کے بعد شکر کی بجائے شرک کرنا، جناب موسیٰ علیہ السلام پر عدم اعتماد کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کو خود دیکھنے کا گستاخانہ مطالبہ، وطن کی آزادی کے لیے جہاد فی سبیل اللہ سے انکار جیسے پے در پے سنگین جرائم کرنے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو صحرائے سینا میں تڑپ تڑپ کر مرنے دیا جاتا۔ لیکن اس کے باوجود رحیم وکریم رب نے انہیں پہلے سے زیادہ عمدہ و لذیذ کھانا، گھنے بادلوں کا سایہ، پینے کے لیے میٹھے اور صاف وشفاف چشموں کا پانی عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے ہم پر زیادتی نہیں کی وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔ یعنی جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اپنے جرائم کے بدلے خود ہی ذلیل وخوار ہوتے رہے۔ چنانچہ حکم دیا کہ بس میری عبادت کرو، امن سے رہو اور دشمن کے مقابلے میں اپنے آپ کو جہاد کے لیے تیار کرو۔ اس میں یہ حکمت پنہاں تھی کہ فرعون کی غلامی میں پلنے والی نسل ختم ہو اور نئی نسل کھلی فضا اور آزاد ماحول میں پروان چڑھے جو جسمانی لحاظ سے کڑیل جوان اور فکری طور پر آزادی کے متوالے، عقیدہ اور کردار کے اعتبار سے انتہائی پختہ ہوں۔ جو قابض قوم عمالقہ سے نبرد آزما ہو کر اپنا آبائی وطن ملک فلسطین آزاد کروانے کی ہمت اور جرأت رکھتے ہوں۔

صحرائے سینا کا حدود اربعہ:

یہ مثلث نما جزیرہ ہے جو بحر الکاہل (بحیرہ روم کے شمال کی طرف) اور ریڈ سی (جنوب کی طرف) کے درمیان مصر میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ساٹھ ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ اس کی زمینی سرحدیں سویز نہر مغرب کی طرف اور اسرائیل۔ مصر سرحد، شمال مشرق کی طرف ہیں۔ سینائی جزیرہ نما جنوب مغربی ایشیا میں واقع ہے۔ اسے مغربی ایشیا بھی کہتے ہیں یہ جغرافیائی اصطلاح

ہے جبکہ مصر کا باقی حصہ شمالی افریقہ میں واقعہ ہے جغرافیائی وسیاسی مقاصد کے لیے سینائی کو اکثر افریقہ کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

سینائی تقریباً مکمل طور پر صحرا ہے اور تبا (Taba) میں سباہ ساحل (Sabah Coast) کے ساتھ ساتھ واقعہ ہے۔ (موجودہ اسرائیل قصبہ ایلٹ (Eilat) کے نزدیک) جہاں ایک ہوٹل اور رقص گاہ (Casino) ہے جب ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف حرکت کی جائے تو وہاں نیویبا (Nuweiba) داھاب (Dahab) اور شرم الشیخ (Sharm el Sheikh) واقع ہیں سینائی العریش (El Arish) میں غزہ پٹی کے نزدیک شمالی ساحل پر بھی واقع ہے۔

جبلِ موسیٰ جسے جبلِ سینائی بھی کہتے ہیں۔ تورات میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس جگہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدائی احکام وصول کیے جنوبی سینائی جزیرہ نما میں واقع ہے جس کے لیے دعویٰ ہے کہ یہ تورات کے سینائی پہاڑ کی جگہ ہے۔

اس قصے کی تفصیلات بائبل کی کتاب، گنتی استثناء اور یشوع میں موجود ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دشتِ فاران سے بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کو فلسطین کا دورہ کرنے کے لیے بھیجا تا کہ وہاں کے حالات معلوم کر کے آئیں۔ یہ لوگ چالیس دن دورہ کر کے وہاں سے واپس آئے اور انہوں نے قوم کے مجمعِ عام میں بیان کیا کہ واقعی وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ لیکن جو لوگ وہاں بسے ہوئے ہیں وہ زور آور ہیں۔ ہم اس لائق نہیں ہیں کہ ان لوگوں پر حملہ کریں وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے وہ سب بڑے قد آور ہیں اور ہم نے وہاں بنی عناق کو بھی دیکھا جو جبار ہیں اور جباروں کی نسل سے ہیں اور ہم تو اپنی ہی نگاہ میں ایسے تھے جیسے ٹڈے ہوتے ہیں اور ایسے ہی ان کی نگاہ میں تھے۔ یہ بیان سن کر سارا مجمع چیخ اٹھا کہ ''اے کاش ہم مصر ہی میں مر جاتے یا کاش اس بیابان میں ہی مرتے۔ خداوند کیوں ہمیں اس ملک میں لے جا کر تلوار سے قتل کرانا چاہتا ہے؟ پھر تو ہماری بیویاں اور بال بچے لوٹ کا مال ٹھہریں گے۔ کیا ہمارے لیے بہتر نہ ہوگا کہ ہم مصر واپس چلے جائیں؟ پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ آؤ ہم کسی کو اپنا سردار بنالیں اور مصر لوٹ چلیں۔ اس پر ان بارہ سرداروں میں سے جو فلسطین کے دورے پر بھیجے گئے تھے۔ دو سردار یوشع اور کالب اٹھے اور انہوں نے اس بزدلی پر قوم کو ملامت کی۔ کالب نے کہا ''چلو ہم یک دم جا کر اس ملک پر قبضہ کر لیں کیونکہ ہم اس قابل ہیں کہ اس پر حملہ کریں۔'' پھر دونوں نے یک زبان ہو کر کہا ''اگر خداوند ہم سے راضی رہے تو وہ ہمیں اس ملک میں پہنچائے گا فقط اتنا ہو کہ تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ اس ملک کے لوگوں سے ڈرو اور ہمارے ساتھ خداوند ہے سو ان کا خوف نہ کرو۔'' مگر قوم نے جواب یہ دیا کہ ''انہیں سنگسار کر دو۔'' آخر کار اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکا اور اس نے فیصلہ فرمایا کہ اچھا اب یوشع اور کالب کے سوا اس قوم کے بالغ مردوں میں سے کوئی بھی اس سر زمین میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ یہ قوم چالیس سال تک بے خانماں پھرتی رہے گی یہاں تک کہ جب ان میں سے بیس برس سے لے کر اوپر کی عمر تک کے سب مرد مر جائیں گے اور نئی نسل جوان ہو کر اٹھے گی تب انہیں فلسطین فتح کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اس دوران وہ سب لوگ مر کھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے۔ شرق اردن فتح کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد یوشع بن نون کے عہدِ خلافت میں بنی اسرائیل اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کر سکیں۔

''مَنّ'' کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيهَا شِفَاءٌ مِنَ السُّمِّ وَالْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ)) (رواه الترمذی: باب ماجاء فی الكمأة والعجوة [صحيح])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عجوہ (کھجور کی ایک خاص قسم) جنت سے ہے اور اس میں زہر کے لیے شفا ہے اور کھنبی ''مَنّ'' سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا کا باعث ہے۔''

مسائل

۱۔ صحرائے سینا میں بنی اسرائیل پر بادل سایہ فگن رہتا تھا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حلال اور طیب چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ ۴۔ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔
۵۔ من کا معنیٰ میٹھی چیز، سلویٰ نمکین تھا۔ ۶۔ اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظالم کون؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (الانعام: ۲۱) ۲۔ شرک کرنے والا ظالم ہے۔ (لقمان: ۱۳)
۳۔ اللہ کی مسجدوں سے روکنے اور ان میں خرابی پیدا کرنے والا ظالم ہے۔ (البقرۃ: ۱۱۴)
۴۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا ظالم ہے۔ (الزمر: ۳۲) ۵۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۵۷)
۶۔ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ (الانعام: ۲۱) ۷۔ ظالم کی سزا جہنم ہوگی۔ (الانبیاء: ۲۹)

ظالم کی سزا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (الحج: ۱۰) ۲۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۱۴۰)
۳۔ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہوتی ہے۔ (الاعراف: ۴۴) ۴۔ ظالم کامیاب نہیں ہوں گے۔ (الانعام: ۲۱)
۵۔ قیامت کو ظالموں کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ (المؤمن: ۵۲) ۶۔ ظالم پر لعنت ہوتی ہے۔ (ھود: ۱۸)

وَاِذْ	قُلْنَا	ادْخُلُوْا	هٰذِهِ	الْقَرْيَةَ	فَكُلُوْا	مِنْهَا	حَيْثُ
اور جب	ہم نے فرمایا	تم داخل ہو جاؤ	اس	بستی	پھر کھاؤ	اس سے	جہاں

شِئْتُمْ	رَغَدًا	وَّادْخُلُوا	الْبَابَ	سُجَّدًا	وَّقُوْلُوْا	حِطَّةٌ	نَّغْفِرْ
تم چاہو	کھلا	اور تم داخل ہو	دروازہ	سجدہ کرتے ہوئے	اور کہو	بخشش	ہم بخش دیں گے

لَكُمْ	خَطٰيٰكُمْ ؕ	وَسَنَزِيْدُ	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾	فَبَدَّلَ	الَّذِيْنَ
تمہارے لیے	تمہاری خطائیں	اور عنقریب ہم زیادہ دیں گے	نیکی کرنے والے	پھر بدل ڈالا	وہ لوگ

ظَلَمُوْا	قَوْلًا	غَيْرَ	الَّذِيْ	قِيْلَ	لَهُمْ	فَاَنْزَلْنَا	عَلَى
انہوں نے ظلم کیا	بات	دوسری	وہ جو	کہی گئی	انہیں	پھر ہم نے اتارا	پر

الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	رِجْزًا	مِّنَ	السَّمَآءِ	بِمَا	كَانُوْا	يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع
وہ لوگ	انہوں نے ظلم کیا	عذاب	سے	آسمان	کیونکہ	وہ تھے	نافرمانی کرتے

ع ۷ ۱۲ ۲

''اور جب ہم نے تمہیں حکم دیا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جو کچھ جہاں سے چاہو کھلا کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور بخشش مانگو ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔ (۵۸) پس ظالموں نے اس بات کو بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی پھر ہم نے ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔'' (۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نواں احسان: دشمن پر غلبہ عطا فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے ناشکری کی اور ظلم وزیادتی کا بازار گرم کیے رکھا۔

بیت المقدس میں بنی اسرائیل کے داخل ہونے کے واقعہ کے بارے میں مفسرین کے دو نقطہ نگاہ ہیں۔ ایک مکتب فکر کا خیال ہے کہ ان کا داخلہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوا تھا اور دوسروں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں بیت المقدس میں داخل ہوئے تھے لیکن ٹھوس حقائق کی بنیاد پر اکثریت کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بیت المقدس میں داخل ہوئے تھے۔ ''حِطَّةٌ'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکائے اس سے معافی مانگتے ہوئے اور لوگوں کے ساتھ درگزر کا رویہ اختیار کرتے ہوئے داخل ہونا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو یکسر تبدیل کر دیا اور خدا فراموشی اور تکبر کا رویہ اختیار کر کے دنیا دار فاتحین کی طرح قتل وغارت اور لوٹ کھسوٹ کا مظاہرہ کیا وہ سجدہ کرنے کی بجائے الٹے پاؤں داخل ہوئے جس کے بدلے میں ان پر طاعون کی بیماری مسلط کی گئی جس سے ان کی فتح کی

خوشیاں غارت ہوئیں اور یہ ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں اور نافرمانوں کو اس طرح سزا دیتا ہے۔ بظاہر بنی اسرائیل کا واقعہ بیان ہوا ہے لیکن اس میں ہر طاقت ور اور فاتح کے لیے ہدایت ہے کہ وہ متکبر اور ظالم بننے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مفتوحہ قوم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درگزر کا مظاہرہ کرے۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قِيْلَ لِبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ {ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ} فَدَخَلُوْا يَزْحَفُوْنَ عَلٰى أَسْتَاهِهِمْ فَبَدَّلُوْا وَقَالُوْا حِطَّةٌ حَبَّةٌ فِيْ شَعَرَةٍ))

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب وإذ قلنا ادخلوا هذه القرية...)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا: {دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور بخشش مانگنا} تو وہ اپنی پیٹھوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور ''حطۃ'' کی جگہ ''حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ'' کہتے ہوئے داخل ہوئے۔''

((عَنْ أُسَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ هٰذَا الطَّاعُوْنَ رِجْزٌ سُلِّطَ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَوْ عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا فِرَارًا مِّنْهُ وَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوْهَا))

(رواہ مسلم: کتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها)

''حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاعون کی بیماری وہ عذاب ہے جسے تم سے پہلے کسی قوم یا بنی اسرائیل پر مسلط کیا گیا تھا۔ جب طاعون کی بیماری کسی علاقے میں پھیلی ہوئی ہو تو اس بیماری کی وجہ سے وہاں سے نہ نکلو اور جب کسی علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہو تو وہاں مت جاؤ۔''

رسولِ کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار فتح مکہ کے موقع پر ملاحظہ فرمائیں کہ جب آپ نے مکہ فتح کیا تو اتنی عاجزی اور انکساری کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے کہ آپ کا سر مبارک اس حد تک جھکا جا رہا تھا کہ آپ کی مبارک داڑھی سواری کے پلان کے ساتھ لگ رہی تھی اور آپ کی زبانِ اطہر سے اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے الفاظ جاری تھے۔ اس موقع پر مجاہدین کو حکم صادر فرمایا کہ جو مخالف بیت اللہ یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو یا اپنے گھر کے کواڑ بند کر لے اس پر کسی قسم کی دست درازی نہیں کرنا یہاں تک کہ مکہ سے نکل جانے والوں کا بھی پیچھا کرنے سے منع فرمایا۔ (ابن ہشام)

مسائل

۱۔ نیکی کرنے والوں کو اللہ زیادہ دیتا ہے۔ ۲۔ ظالم اللہ کے احکام تبدیل کر دیتے ہیں۔
۳۔ نافرمانوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ ۴۔ فتح حاصل ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔
۵۔ فتح حاصل ہونے پر اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ ۶۔ فاتح کو مفتوح قوم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درگزر کرنی چاہیے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پھر ہم نے کہا مار اپنا عصا پتھر تو پھوٹ پڑے

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا

اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر قوم نے اپنا چشمہ تم کھاؤ

وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ

اور پیو سے رزق اللہ اور نہ پھرو میں زمین فساد مچاتے اور جب تم نے کہا

يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ

اے موسیٰ ہرگز نہ صبر کریں گے پر کھانا ایک دعا کریں ہمارے لیے اپنا رب وہ نکالے

لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا

ہمارے لیے اس سے جو اگاتی ہے زمین سے ترکاری اور ککڑی اور گندم اور مسور

''اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا اپنا چشمہ پہچان لیا۔ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرنا۔ (۶۰) اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر بالکل صبر نہیں کر سکتے اس لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ دسواں احسان: قبائل کی تعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے ٹھنڈے، میٹھے پانی کے بارہ چشمے جاری فرمائے لیکن اس قوم نے صبح وشام من وسلویٰ اور ٹھنڈا پانی ملنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی۔

قرآن مجید کا اسلوبِ بیان ہے کہ وہ کسی واقعہ کو زیب داستان اور حکایت گوئی کے لیے بیان نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے سوا باقی تمام واقعات کو مختلف اجزاء کی صورت میں موقع محل کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ کسی واقعہ کی کڑیوں اور اجزا کو تقدم وتاخر کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ایک خاص نصیحت اور کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے۔

یہاں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے تاکہ اس واقعہ میں یہودیوں کے مظالم اور نافرمانیوں کی فہرست یکجا بیان کی جائے قرآن کی تلاوت کرنے والا شخص فاسقوں اور نافرمانوں کی سرشت سے مکمل طور پر آگاہ ہو سکے۔ صحرائے سینا میں جب موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ کیا گیا تو بنی اسرائیل کے قبائل کی تعداد کے مطابق بارہ چشمے جاری کیے گئے اس لیے کہ پانی پینے پلانے پر جھگڑا کرنے کی بجائے پرامن طریقے سے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور دشمن کے خلاف بھرپور انداز میں جہاد کی تیاری کر سکیں لہٰذا حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اکل وشرب سے لطف اندوز ہوتے رہو لیکن دنگا فساد سے بچو۔ اس حکم کے باوجود ناہنجار قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر ڈالا کہ ایک ہی قسم کے کھانے پر اکتفا کرنا ہمارے لیے ہرگز ممکن نہیں ہمیں تو

وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

اور پیاز اس نے کہا کیا تم بدلنا چاہتے ہو جو کہ وہ ادنیٰ اس سے وہ بہتر تم اترو

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ

شہر پس بیشک تمہارے لیے جو تم مانگتے ہو اور ڈالدی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور وہ لوٹے

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ

غضب کے ساتھ سے اللہ یہ اس لیے کہ وہ وہ تھے وہ کفر کرتے اللہ کی آیات اور قتل کرتے تھے

النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع ۷

انبیاء ناحق یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور تھے حد سے بڑھتے

اور پیاز دے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز طلب کرتے ہو؟ شہر میں جاؤ وہاں تمہاری طلب کی سب چیزیں ملیں گی۔ ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور حد سے گزر جانے کا نتیجہ تھا'' (۶۱)

زمین کی پیداوار، ساگ، ترکاری، کھیرا، ککڑی، گیہوں، لہسن، پیاز اور دال چاہیے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ تم ادنیٰ کو اعلیٰ اور بہتر کو کم تر کے ساتھ بدلنا چاہتے ہو؟ اس مطالبہ سے باز آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری سے بچو لیکن بنی اسرائیل اپنے مطالبہ پر مصر رہے جس کے نتیجے میں انہیں حکم ہوا کہ شہر میں داخل ہو جاؤ جو کچھ تم نے چاہا ہے وہ تمہیں مل جائے گا۔ لیکن یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی وجہ سے تم پر ذلت اور غربت مسلط کر دی گئی ہے اس طرح وہ اللہ کے غضب اور مسکینی کے مستحق ٹھہرے کیونکہ یہ بار بار اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والے اور انبیا کو قتل کرنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی ارب پتی ہونے کے باوجود نہ سیر چشم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی ہوس کی آگ ماند پڑتی ہے اور دنیا میں اس قوم کو کبھی قرار نہیں حاصل ہوا۔ کبھی بخت نصر نے دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا اور کبھی اہل روم نے انہیں اپنے ملک سے نکال دیا۔

سورۃ آل عمران آیت: ۱۱۲ میں وضاحت فرمائی ہے کہ انہیں دنیا میں قرار دو ہی وجہ سے حاصل ہو سکتا ہے اللہ کے ہو کر رہیں یا پھر دوسروں کے دستِ نگر ہو کر زندگی بسر کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی مدت کے بعد یہودی اسرائیل کے نام پر امریکہ اور یورپ کے سیاسی گداگر بلا کر اسرائیل کی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ خورد و نوش کی فراوانی عطا فرمائے تو دنگا فساد کرنے کی بجائے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

۲۔ اعلیٰ کی بجائے ادنیٰ چیز کی طلب کرنا مغضوب قوم کا طریقہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرنے والے لوگ دنیا میں ذلیل اور آخرت کو سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَالَّذِيْنَ	هَادُوْا	وَالنَّصٰرٰى	وَالصّٰبِـِٕيْنَ
بیشک	جولوگ	ایمان لائے	اور جولوگ	یہودی ہوئے	اور نصاریٰ	اور بے دین
مَنْ	اٰمَنَ	بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	وَعَمِلَ	صَالِحًا	فَلَهُمْ
جو	ایمان لائے	اللہ پر	اور آخرت کے دن	اور عمل کرے	نیک	تو ان کے لیے
اَجْرُهُمْ	عِنْدَ	رَبِّهِمْ ۚ	وَلَا	خَوْفٌ	عَلَيْهِمْ	وَلَا	هُمْ	يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾
ان کا اجر	ہاں	ان کا رب	اور نہ	کوئی خوف	ان پر	اور نہ	وہ	غمگین ہوں گے

''بے شک مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں میں سے جو بھی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے گا تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (۶۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انعام اور احسان کا ادراک اور ذلت و رسوائی کا احساس دلانے کے بعد حقیقی ایمان اور عمل صالح کا صلہ بتلایا گیا ہے۔

اس فرمان میں اس بات کی دوٹوک انداز میں وضاحت کی گئی ہے کہ خالی خولی ایمان، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نسبت جوڑنا یا اپنے آپ کو صابی کہلوانا اس سے نجات نہیں ہوگی۔ نجات اللہ اور آخرت پر ایمان لانے اور صالح اعمال سے ہوگی۔

مفسرین نے صابی کے دو معنیٰ کیے ہیں۔ آتش پرست یا بے دین یعنی سیکولر۔ بعض لوگوں نے زرتشت مراد لیے ہیں جو نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے کافر تھے اور ایران میں پایا جاتا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ زرتشت بھی اللہ کے نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خالی خولی دعوؤں اور حسب و نسب کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے حضور قابلِ قدر اور لائقِ اجر بات اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور آخرت کی جواب دہی کی تیاری کرنا ہے۔ یہاں رسالت مآب ﷺ پر ایمان لانے کا اس لیے تذکرہ نہیں کیا کہ ایک تو ایمان باللہ مکمل ہی ایمان بالرسالت اور اس کے تقاضوں سے ہوتا ہے۔ دوسرا اس سے پہلے بنی اسرائیل کو یہی دعوت دی گئی ہے کہ جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا اس پر ایمان لاؤ۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی یہودی ہو یا عیسائی یا کسی اور عقیدے پر ہو اس کے لیے صرف اللہ پر ایمان لانا اور نیک اعمال ہی کافی ہیں۔ ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے قرآنِ مجید نے کئی مقامات پر اس بات کو کھول کر بیان کیا ہے کہ جب تک نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان اور اس کی اطاعت نہیں کرو گے تمہارا ایمان قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو نبی آخر الزماں کی اطاعت کے ساتھ مشروط فرما دیا ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۳۱ میں فرمایا کہ اگر تم میری محبت کے طلب گار ہو تو میرے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کرو۔ اس سے نہ صرف تمہیں میری محبت حاصل ہوگی بلکہ تمہارے گناہ معاف اور تم پر رحم کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

{ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ } (محمد:۳۳)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد نہ کرو۔''

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ بِكِتَابٍ أَصَابَهُ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ الْكُتُبِ فَقَرَأَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَغَضِبَ فَقَالَ أَمُتَهَوِّكُونَ فِيهَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً لَا تَسْأَلُوهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوهُ بِهِ أَوْ بِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوا بِهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ مُوسَى عليہ السلام كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي))

(مسند احمد: باب مسند جابر بن عبداللہ [حسن])

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایک کتابچہ لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ کتابچہ نبی کریم ﷺ کے پاس لائے اور اسے نبی ﷺ کے سامنے پڑھا نبی ﷺ نے غضب ناک ہو کر فرمایا: ابن خطاب! کیا تم اس میں رغبت رکھتے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں تمہارے پاس صاف اور واضح شریعت لے کر آیا ہوں تم اہلِ کتاب سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرو گے وہ تمہیں سچ بتائیں تم اس اسلام کو ان کی سچی خبر کی وجہ سے جھٹلا دو یا ان کی جھوٹی خبر کی وجہ سے تصدیق کر بیٹھو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو جائیں تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر چارا نہیں ہوگا۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن نجات کا دارومدار خالی خولی ایمان یا کسی مذہبی نسبت پر نہیں بلکہ نجات کا انحصار سچے ایمان اور صالح اعمال پر ہے، ایسے لوگ خوف وغم سے آزاد ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت یافتہ لوگ پریشانیوں سے محفوظ ہوں گے:

۱۔ ہدایت کی پیروی کرنے والے کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:۳۸)

۲۔ اللہ کے لیے خرچ کرنے والے کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:۲۶۲)

۳۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:۲۷۷)

۴۔ اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (یونس:۶۲) ۵۔ متقی اور مصلح کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (الاعراف:۳۵)

۶۔ ایمان پر استقامت دکھلانے والوں کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (الاحقاف:۱۳)

وَاِذْ	اَخَذْنَا	مِيْثَاقَكُمْ	وَرَفَعْنَا	فَوْقَكُمُ	الطُّوْرَ ؕ	خُذُوْا
اور جب	ہم نے لیا	تم سے پختہ وعدہ	اور ہم نے بلند کیا	تمہارے اوپر	کوہ طور	پکڑو
مَآ	اٰتَيْنٰكُمْ	بِقُوَّةٍ	وَّاذْكُرُوْا	مَا	فِيْهِ	لَعَلَّكُمْ
جو	ہم نے تمہیں دیا	مضبوطی کیساتھ	اور یاد رکھو	جو	اس میں	تاکہ تم
تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾	ثُمَّ	تَوَلَّيْتُمْ	مِّنْ	بَعْدِ	ذٰلِكَ ۚ	فَلَوْلَا
پرہیزگار ہو جاؤ	پھر	تم پھر گئے	سے	بعد	اس	پس اگر نہ
فَضْلُ	اللّٰهِ	عَلَيْكُمْ	وَرَحْمَتُهٗ	لَكُنْتُمْ	مِّنَ	الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾
فضل	اللہ کا	تم پر	اور اس کی رحمت	تو تم ہوتے	سے	نقصان پانے والے

''اور جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور تمہارے اوپر طور پہاڑ کھڑا کیا کہ ہم نے جو تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (۶۳) لیکن تم اس کے بعد پھر گئے اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والے ہوتے۔'' (۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گیارھواں احسان۔ بار بار جرائم کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو معافی دی اور اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے فضل وکرم سے نوازتا۔

بعض لوگوں کا نقطۂ نگاہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو جبراً ہدایت کیوں نہیں دیتا؟ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ انسان کو عقل وشعور کی دولت سے اس لیے مالا مال کیا گیا ہے کہ وہ حیوانوں اور جانوروں کے مقابلے میں اپنے نفع ونقصان کا خود فیصلہ کرے تا کہ انسان اور حیوان کا فرق نمایاں رہے۔ اس لیے انسان کو جبراً ہدایت دینے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا۔ لیکن پھر بھی ربِّ کریم نے لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے بنی اسرائیل کا واقعہ پیش فرمایا ہے۔ کیونکہ جبری ہدایت دیر پا نہیں ہوتی یہ اسی وقت تک رہتی ہے جب تک جبر کا ماحول قائم رہتا ہے۔ جونہی جبری ماحول ختم ہوگا ہدایت کو دل سے قبول نہ کرنے والا انسان پھر گمراہی کی طرف پلٹ جائے گا۔ دائمی اور دیر پا ہدایت وہی ہوتی ہے جو دل کی گہرائی اور عقل وشعور کی رسائی سے حاصل ہو۔ جبری ہدایت کا مطالبہ کرنے والوں کے لیے بنی اسرائیل کے واقعات ان کی نظر کشائی کے لیے کافی ہیں۔

یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانیوں اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے سروں پر کوہِ طور منڈلا کر حکم دیا گیا کہ مانتے ہو یا پہاڑ گرا کر تمہیں زمین کے ساتھ چپکا دیا جائے۔ اس موقعہ پر حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت یاد کرو اور اللہ کا خوف اختیار کرتے ہوئے گناہوں سے بچ جاؤ۔ ان لوگوں نے اس وقت تو اقرار کر لیا لیکن جونہی ان کے سروں سے پہاڑ ٹل گیا تو یہ لوگ پہلے کی طرح سرکشی پر اتر آئے۔ اس عہد شکنی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت

سے انہیں مہلت عطا فرمائی تا کہ وہ از خود اپنی اصلاح کی طرف پلٹ آئیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا اور تمہیں مہلت نہ دی جاتی تو تمہارا انجام تو اسی وقت ہی بدترین ہوتا اور تم ہمیشہ کے لیے نقصان پانے والوں میں سے ہو جاتے۔ یہاں واقعہ تو ماضی کا بیان کیا جا رہا ہے لیکن ضمیریں مخاطب کی استعمال کی گئی ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اور تم سے پہلے لوگوں کے اعمال ایک جیسے ہو چکے ہیں، تم اپنے آپ کو انہی کا جانشین سمجھتے اور ان کا دفاع کرتے ہو۔ اگر ان کے سروں پر پہاڑ رکھا جا سکتا ہے تو تم پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی قوت و سطوت سے کس طرح باہر ہو سکتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو مسلم اتھارٹی جبراً اسلام کے احکام پر عمل کروا سکتی ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت پر حدود اللہ کا نفاذ فرض قرار دیا گیا ہے۔ جو حکمران اس کا نفاذ نہیں کرتے انہیں ظالم، فاسق اور کافر شمار کیا گیا ہے۔ (المائدۃ: ۴۴ تا ۴۷)

بچوں کو جبراً نماز پڑھانا چاہیے:

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ))

(رواہ ابو داؤد: کتاب الصلاۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ [صحیح])

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں انہیں نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے سزا دو اور ان کے بستر جدا کر دو۔'' (یعنی بالغ بچیوں اور بچوں کو اکٹھا نہ سونے دو۔)

مسائل

۱۔ ایمان کے دعوے دار کو جبراً عمل کروانا چاہیے۔ ۲۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے پرہیز گاری پیدا ہوتی ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ہر انسان گھاٹے میں ہے۔

تفسیر بالقرآن

بنی اسرائیل کے منحرف ہونے کے واقعات:

۱۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ کرنے کے بعد انحراف کیا۔ (البقرۃ: ۶۴)
۲۔ اللہ کی عبادت، والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے، لوگوں کو اچھی بات کہنے اور صوم و صلاۃ کی پابندی کا عہد کرنے کے بعد انحراف کیا۔ (البقرۃ: ۸۳)
۳۔ اپنوں کا خون بہانے اور قتل نہ کرنے کے عہد کے بعد منحرف ہو گئے۔ (البقرۃ: ۸۵)
۴۔ قیدیوں کو رشوت دے کر چھڑانے کی ممانعت کے باوجود باز نہ آئے۔ (البقرۃ: ۸۵)
۵۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت کے باوجود مچھلیاں پکڑنے کا جرم کیا۔ (البقرۃ: ۶۵)

وَلَقَدْ	عَلِمْتُمُ	الَّذِيْنَ	اعْتَدَوْا	مِنْكُمْ	فِي السَّبْتِ
اور یقیناً	تم نے جان لیا	جنہوں نے	زیادتی کی	تم سے	ہفتہ کے دن میں
فَقُلْنَا	لَهُمْ	كُوْنُوْا	قِرَدَةً	خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾	فَجَعَلْنٰهَا
پھر ہم نے کہا	ان سے	تم ہو جاؤ	بندر	ذلیل	پھر ہم نے اسے بنایا
نَكَالًا	لِّمَا	بَيْنَ يَدَيْهَا	وَمَا	خَلْفَهَا	وَمَوْعِظَةً
عبرت	اس کے لیے	موجود	اور جو	اس کے بعد	اور نصیحت
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾					
پرہیزگاروں کیلئے					

''اور یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم ہے جو تم میں سے ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے انہیں حکم دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔(۶۵) ہم نے ان کو موجود اور آنے والوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔''(۶۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کے انحراف کا مشہور واقعہ شکر گزاری کی بجائے بدعہدی کرتے ہوئے ہفتہ کے دن کی بے حرمتی کی اور اس کی سزا۔

بنی اسرائیل میں یہ واقعہ نسل در نسل زبان زد عام اور تورات وانجیل کے کئی صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔اس لیے اس کی یاد دہانی کے لیے تفصیلات ذکر کرنے کے بجائے ایک اشارہ ہی کافی سمجھا گیا ہے۔

تاہم سورۃ الاعراف میں اس کی کچھ تفصیل بیان ہوئی ہے کہ تم وہ لوگ ہو کہ جب تمہاری ہی خواہش کے مطابق تمہارے لیے عبادت کا دن ''ہفتہ'' مقرر کیا گیا کہ اس دن تمہیں عبادت کرنے کے سوا کچھ نہیں کرنا چاہیے۔تم نے اس دن میں بھی سرکشی اور تمرّد کے کئی راستے نکال لیے۔ہوا یہ کہ مچھلیاں دوسرے دنوں کے بجائے ہفتہ کے روز کثرت کے ساتھ سمندر کی تہ پر تیرتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔انہوں نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کیا لیکن سمندر کے متصل اس طرح کے بڑے بڑے گھاٹ تیار کیے کہ مچھلیاں خود بخود تالابوں میں بھر جاتیں اگلے دن انہیں پکڑ لیا جاتا۔اس طرح انہوں نے ہفتہ کے دن کی بے حرمتی اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی روح کو پامال کیا۔جس کی پاداش میں ان کے چہروں کو تبدیل کر کے بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا تاکہ ان کے جیسے ذہن ہیں شکلیں بھی ویسی ہو جائیں۔ان کے چہروں کو مسخ کر کے بستی کے گرد و جوار اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔اتنی ذلّت ورسوائی کے باوجود ان کی اولادیں گناہوں سے بچنے کی بجائے اللہ کی نافرمانی میں آگے ہی بڑھتی چلی گئیں۔نصیحت تو اللہ سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے والے ہی حاصل کرتے ہیں۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندروں کی نسل انہی لوگوں سے ہے۔حالانکہ حدیث میں وضاحت پائی جاتی ہے کہ وہ بندر بننے کے تین دن بعد مر گئے۔(رواہ مسلم: کتاب الجمعۃ)

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ أَنَّهُمْ

أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ الْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ)) (رواه البخاری: کتاب الجمعة، باب فرض الجمعة)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم آخر میں آنے والے قیامت کے دن پہلے ہوں گے بے شک یہود و نصاریٰ ہم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں پھر ہفتہ اور اتوار کے دن کی عبادت ان پر فرض کی گئی انہوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت سے نواز دیا یہودی اور عیسائی ایام کے معاملہ میں ہمارے تابع ہیں یعنی شمار کرنے میں جمعہ کا دن پہلے ہفتہ اور اتوار کے دن بعد میں آتے ہیں۔ یہود ہفتہ اور عیسائی اتوار کے روز عبادت کرتے ہیں اور ہمارے لیے جمعہ افضل قرار دیا گیا ہے۔''

جمعہ کی فضیلت و اہمیت:

((عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهِ)) (رواه النسائی: باب التشديد في التخلف عن الجمعة [صحيح])

''حضرت ابو الجعد الضمری کو نبی کریم ﷺ کی رفاقت حاصل رہی وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی تین جمعے سستی کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے اللہ رب العزت اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''

((عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيْبٍ ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَصَلّٰى مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى)) (رواه البخاری: کتاب الجمعة)

''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور حسب توفیق صفائی کی پھر اس نے تیل یا خوشبو لگائی پھر وہ مسجد آیا اس نے دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالی اور اس نے جو اس کے لیے لکھی گئی نماز ادا کی پھر جب امام نکلا خاموش رہا تو اس کے ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ)) (رواه مسلم: باب الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة...)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے تو پانچ نمازیں اور جمعہ۔ ہفتہ بھر کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔''

مسائل

۱۔ یہودیوں کے لیے ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑنا ممنوع تھا۔ ۲۔ یہودیوں نے ہفتہ کے دن کا احترام نہیں کیا۔
۳۔ شعائر اللہ کا احترام نہ کرنے سے قومیں ذلیل ہو جاتی ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ

اور جب فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے یہ کہ تم ذبح کرو ایک گائے

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

وہ کہنے لگے کیا تو کرتا ہو ہم سے مذاق فرمایا میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی یہ کہ میں ہو جاؤں سے جاہلوں

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ انہوں نے کہا ہم سے مذاق کرتے ہو؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ میں جاہلوں میں ہونے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔'' (۶۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کے جرائم کی فہرست کا تسلسل جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑنا اور تعمیل حکم سے روگردانی کرنے والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غیر سنجیدہ ہونے کا الزام دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اندھے قتل (Blind Murder) کا فیصلہ کرنے کے لیے قوم کے مشکوک افراد کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہے کہ کوئی ایک گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا کوئی ٹکڑا مقتول کی لاش کے ساتھ لگاؤ تو مردہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ بتلا دے گا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی قوم بڑی گستاخ اور بہانہ ساز تھی۔ انہوں نے قتل چھپانے اور قاتلوں کو بچانے کے لیے الٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ آپ تو سراسر مذاق کر رہے ہیں۔ کبھی اس طرح بھی قتل کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا ہے اور مردے زندہ ہوا کرتے ہیں ان کے انکار کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے گائے پرستی کا شرک کر چکے تھے۔ جس کے اثرات باقی ہونے کی وجہ سے بہانے تراشنے لگے۔

مسائل

۱۔ شرعی اور سنجیدہ مسئلہ یا پریشان حال کو مذاق کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے۔ ۲۔ جہالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

جاہل کون؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ الٰہ بنانے والے جاہل ہیں۔ (الاعراف: ۱۳۸)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ مذاق کرنا جہالت ہے۔ (البقرۃ: ۶۷)

۳۔ اغلام بازی کرنے والے جاہل ہیں۔ (النمل: ۵۵) ۴۔ نبی محترم کو جاہلوں سے اعراض کی ہدایت تھی۔ (اعراف: ۱۹۹)

۵۔ موسیٰ علیہ السلام نے جہالت سے پناہ مانگی۔ (البقرۃ: ۶۷) ۶۔ حضرت نوح کو جہالت سے بچنے کا حکم۔ (ہود: ۴۶)

۷۔ جاہلوں سے بحث کی بجائے اجتناب اور اعراض کرنا چاہیے۔ (الفرقان: ۶۳)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

انہوں نے کہا دعا کریں ہمارے لیے آپکا رب بتلائے ہمیں کیسی ہو وہ اس نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے بیشک وہ

بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا

گائے نہ بوڑھی اور نہ چھوٹی عمر جوان درمیان اس پس کرو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے انہوں نے کہا

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ

دعا کریں ہمارے لیے آپکا رب بتلادے ہمیں کیسا اس کا رنگ اس نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے بیشک وہ ایک گائے زرد رنگ

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ

گہرا اس کا رنگ خوش کرتی ہو دیکھنے والے انہوں نے کہا دعا کریں ہمارے لیے آپکا رب وہ بیان کردے ہمیں وہ کیسی

''انہوں نے کہا اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ کیسی گائے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ نہ بالکل بڑھیا ہو اور نہ بچی بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ جو تمہیں حکم دیا گیا ہے کر گزرو۔ (۶۸) پھر وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمارے لیے اس کے رنگ کی وضاحت کردے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس گائے کا رنگ گہرا زرد ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہو۔ (۶۹) وہ کہنے لگے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ ہمیں اس کے بارے میں مزید بتلائے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر آپ کے ساتھ غلط بیانی اور مذاق کروں۔ کیونکہ پریشانی کے وقت مذاق کرنا اور قتل جیسے مقدمے کو غیر سنجیدہ طور پر لینا سراسر جہالت ہے۔ پیغمبر کی شان تو انتہائی اعلیٰ اور ارفع ہوتی ہے۔ ایک ادنیٰ درجے کے معقول آدمی سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ پریشانی کے موقعہ پر اس قسم کا مذاق کرے۔ لیکن حیلہ ساز اور مشرکانہ عقائد رکھنے والی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔

مکمل حکم آنے کے باوجود اپنا جرم چھپانے کے لیے وہ سوال پر سوال کرتے چلے گئے۔ جن کے جواب میں یہ کہہ کر گائے کا تعین کیا گیا کہ وہ بوڑھی ہو نہ بچی بلکہ بھرپور جوان ہونی چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم مجرموں کا سراغ لگانے میں سنجیدہ ہو تو تمہیں اس حکم پر عمل کرنا چاہیے۔

لیکن انہوں نے گائے کی رنگت کے بارے میں سوال کر ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہونا چاہیے تاکہ دیکھنے والوں کو بھلی اور خوبصورت لگے رنگ اور عمر پوچھ لینے کے باوجود کہنے لگے یہ اوصاف تو کئی گائیوں میں پائے جاتے ہیں اس کی مزید وضاحت ہونی چاہیے۔ بار بار کے حیلوں اور بہانوں کی وجہ سے ان کے ضمیر پر ایک بوجھ تھا۔ ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے، اپنی شرمندگی مٹانے اور گھمبیر صورت حال سے بچنے کے لیے انہوں نے کہا ان شاء اللہ اس سوال کے بعد ہم اس حکم

اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝۷۰ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ

بیشک گائے مشتبہ ہوگئی ہم پر اور بیشک ہم اگر چاہا اللہ ضرور ہدایت پالینگے اس نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ

بیشک وہ ایک گائے نہ سدھی ہوئی پھاڑے زمین اور نہ پانی دیتی کھیتی بے عیب نہیں کوئی داغ

فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۱ ع

اس میں انہوں نے کہا اب تم لائے ٹھیک بات پھر انہوں نے ذبح کیا اس کو اور وہ قریب نہ تھے کرنے والے

کس قسم کی گائے ہو۔ کیونکہ گائیں ہمارے سامنے ملی جلی ہیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً ہم ہدایت پانے والے ہوں گے۔ (۷۰)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہ ہو بلکہ وہ تندرست اور بے داغ ہو۔ انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا انہوں نے اسے ذبح کیا حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔'' (۷۱)

پر عمل کر گزریں گے۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھر وضاحت فرمائی کہ اس گائے کو آج تک ہل جوتنے اور کنواں چلانے میں استعمال نہ کیا گیا ہو۔ مزید یہ کہ اس کے پورے جسم پر کسی قسم کا کوئی داغ نہیں ہونا چاہیے۔ اس قدر بحث و تکرار اور سوالات و استفسارات کے بعد گائے ذبح کی۔ جس کے گوشت کا ایک ٹکڑا انہوں نے مقتول کی لاش کو لگایا تو اللہ تعالیٰ نے اس مردہ کو زندہ کیا۔

قتل کا گناہ:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا لِأَنَّهٗ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ)) (رواہ البخاری: باب خلق آدم وذریتہ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی نفس ظلماً قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کو بھی ہوتا ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلا قتل کیا تھا۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ))

(رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔''

''حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ماں کی نافرمانی کرنے، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے، خود نہ دینے اور لوگوں سے عطیہ طلب کرنے کو حرام قرار دیا ہے، بے مقصد باتوں سے، زیادہ سوال کرنے اور مال کو ضائع کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔'' (رواہ البخاری: باب عقوق الوالدین من الکبائر)

مسائل

۱۔ شریعت کے احکام میں قیل وقال اور بہانے تلاش کرنا یہودیوں کا طریقہ ہے جس سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

وَاِذْ	قَتَلْتُمْ	نَفْسًا	فَادّٰرَءْتُمْ	فِيْهَا ؕ	وَاللّٰهُ	مُخْرِجٌ	مَّا
اور جب	تم نے قتل کیا	ایک آدمی	پھر تم جھگڑنے لگے	اس میں	اور اللہ	ظاہر کرنیوالا	جو
كُنْتُمْ	تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾	فَقُلْنَا	اضْرِبُوْهُ	بِبَعْضِهَا ؕ	كَذٰلِكَ	يُحْيِ	اللّٰهُ
تم تھے	چھپاتے	پھر ہم نے حکم دیا	اسے مارو	اس کا ٹکڑا	اس طرح	زندہ کریگا	اللہ
الْمَوْتٰى ۙ	وَيُرِيْكُمْ	اٰيٰتِهٖ	لَعَلَّكُمْ	تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾			
مردے	اور تمہیں دکھاتا ہے	اپنی نشانیاں	تاکہ تم	عقل کرو			

''اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے۔(۷۲) تو ہم نے حکم دیا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگاؤ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردے کو زندہ کرے گا اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''(۷۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کی شریعت کے بارے میں عادات اور حیلہ سازیوں کے ذکر کے بعد اصل واقعہ کا ذکر۔

چچا کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے رات کی تاریکیوں میں بھتیجوں نے چچا کو قتل کر کے اس کی لاش اپنے مخالفوں کے محلہ میں پھینک دی۔ جب صبح ہوئی تو خود ہی مدعی بن کر بے گناہوں کو اس قتل کا ذمہ دار ٹھہرانے لگے۔ قریب تھا کہ اس کے ردعمل میں مزید قتل وغارت شروع ہو جاتی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قاتلوں کا سراغ لگانے کے لیے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم رکھا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش کو لگایا جائے اس طرح مردہ زندہ ہو کر اپنے قاتلوں کی نشاندہی کر دے گا۔ متعدد سوالات کے جواب میں مجبوراً انہوں نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کی لاش کو لگایا۔ مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتلایا جس سے یہ لوگ مزید قتل وغارت سے محفوظ ہوئے اور مجرموں کو سزا ہوئی۔

اس حکم کی تعمیل پر ان کے گائے پرستی کے تصور کو کاری ضرب لگی جس سے اس بات کا مشاہدہ کروایا گیا کہ گائے مشکل کشا اور معبود نہیں ہے جو اپنی جان نہیں بچا سکتی وہ مشکل کشا کس طرح ہو سکتی ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ جس طرح اس مقتول نے زندہ ہو کر قتل کی واردات اور اپنے قاتل کا نام بتلایا ہے ایسے ہی سب انسان قبروں سے زندہ ہو کر اپنے اعمال کا اقرار کریں گے اور بالآخر ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزاء وسزا ملے گی۔

مسائل

مقتول کا زندہ ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے جو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر واضح دلیل ہے۔

نوٹ! موت کے بعد زندہ ہونے کے ثبوت ''البقرۃ آیت ۲۵۹'' کے تحت تفسیر بالقرآن میں ملاحظہ فرمائیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ

پھر سخت ہوگئے تمہارے دل سے بعد اس سو وہ پتھر کی طرح یا

اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ

اس سے زیادہ سخت اور بیشک پتھر سے البتہ پھوٹ نکلتی ہیں اس سے نہریں

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا

اور بیشک اس سے البتہ جو پھٹ جاتے ہیں تو نکلتا ہے اس سے پانی اور بیشک اس سے

لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۷۴

البتہ گرتا ہے سے اللہ کے ڈر اور نہیں اللہ بے خبر سے جو تم کرتے ہو

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ بعض پتھروں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔'' (۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں حیلے بہانے کرنے سے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔

انسان جب اللہ کے احکام سے سرتابی، مسلسل نافرمانیوں کا ارتکاب اور مسائل کی کھال اتارنے کی عادت اختیار کر لیتا ہے تو اس کا دل سخت سے سخت ہو جاتا ہے بالآخر مستقل طور پر گمراہی کے راستے پر چل نکلتا ہے۔

دل کی سختی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت ہے دل سخت ہو جائے تو ایمان کا بیج جسے آگے چل کر اعمال کی صورت میں پھل پھول لانے ہوتے ہیں وہ ابتدا ہی میں مردہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح پتھروں کی کئی اقسام ہیں اسی طرح انسانوں کے دلوں کا حال ہے پتھروں سے نہریں نکلتی، چشمے پھوٹتے اور خوفِ خدا سے نوں وزنی پہاڑ سر کے بل زمین پر آ گرتے ہیں۔ لیکن افسوس انسانی دل گوشت کا ایک ٹکڑا ہونے کے باوجود پتھر سے سخت، پتھر سے سخت تر خوفِ خدا سے عاری ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اور اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور اس پر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرنے والے پتھروں اور بہنے والے چشموں کی وہ قدر و منزلت نہیں جو انسان کے دل سے نکلنے والی آہوں، اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں اور اس کے حضور جھکنے والی پیشانیوں کی ہے۔ آخر میں یہ اشارہ فرمایا کہ اے انسان! جو اللہ فلک بوس پہاڑوں کی اقسام، میلوں تک پھیلی غاروں، چٹانوں اور ان میں سے پھوٹنے والے چشموں، چلنے والی آبشاروں اور بہنے والے پانی کے قطرات کو جانتا ہے وہ تیرے دل اور اعمال سے کس طرح بے خبر ہو سکتا ہے؟

دل نرم کرنے کا طریقہ:

۱۔یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهِ فَقَالَ لَهُ إِنْ أَرَدْتَّ أَنْ يَلِينَ قَلْبُكَ فَأَطْعِمِ الْمِسْكِينَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ))(مسند احمد:باب مسند أبی هريرة[حسن])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے دل کی سختی کے متعلق شکایت کی تو آپ نے فرمایا:اگر تو اپنے دل کو نرم کرنا چاہتا ہے تو مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر۔''

۲۔اللہ کا ذکر کرنا:

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَإِنَّ صِقَالَةَ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ .....))

(صحيح الترغيب للألبانی:۱۴۹۵[صحيح])

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ فرمایا کرتے تھے ہر چیز کی پالش ہوتی ہے دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔''

۳۔قرآن کی تلاوت کرنا:

{ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ } (الانفال:۲)

''مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب انہیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ گناہوں سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ ۲۔اللہ کے ذکر سے دل نرم ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دل کی سختی کے اسباب:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے دل سخت ہوتا ہے۔(البقرۃ:۷۴)

۲۔ عہد شکنی کی وجہ سے دل سخت ہوتا ہے۔(المائدۃ:۱۳)

۳۔ اللہ کی یاد سے غافل ہونے والے دلوں کے لیے جہنم ہے۔(الزمر:۲۲)

۴۔ برے اعمال کی وجہ سے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔(المطففین:۱۴)

اَفَتَطْمَعُوْنَ	اَنْ	يُّؤْمِنُوْا	لَكُمْ	وَقَدْ	كَانَ	فَرِيْقٌ
کیا پھر تم توقع رکھتے ہو	یہ کہ	وہ ایمان لے آئیں	تمہارے لیے	اور تحقیق	تھا	ایک فریق
مِّنْهُمْ	يَسْمَعُوْنَ	كَلٰمَ اللّٰهِ	ثُمَّ	يُحَرِّفُوْنَهٗ	مِنْۢ	بَعْدِ
ان میں سے	وہ سنتے ہیں	اللہ کا کلام	پھر	وہ بدل ڈالتے ہیں اس کو	سے	بعد
مَا	عَقَلُوْهُ	وَهُمْ	يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾			
جو	انہوں نے اسے سمجھ لیا	اور وہ	جانتے ہیں			

''مسلمانو! کیا تم توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کا کلام سن کر سمجھنے اور جاننے کے باوجود اسے بدل دیتے ہیں۔'' (۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن کے دلوں پر مہرِ قساوت لگ چکی ہو ان سے ایمان لانے کی توقع کرنا عبث ہے۔

اے امت محمدیہ کے لوگو! کیا تم اب بھی بہانہ باز، پتھر دل اور کلام اللہ کی تحریف کرنے والے لوگوں سے ایمان لانے کی امید باندھے ہوئے ہو؟ حالانکہ ان کے جرائم اور عادات کا تفصیلی ریکارڈ تمہارے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں سے ایمان اور خیر کی توقع رکھنا فضول ہے جو جان بوجھ کر قرآن مجید کا مفہوم ہی نہیں بدلتے بلکہ انہوں نے تورات وانجیل کے الفاظ تک بدل ڈالے ہیں۔ جس سے تورات وانجیل کے نزول کا مقصد فوت ہو گیا۔ یہودیوں نے تورات میں قطع و برید کر کے بیت اللہ کے ساتھ اس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق منقطع کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جناب اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ثابت کرنے کے لیے تاریخ کا ریکارڈ بدل ڈالا پھر اس سے بڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہودی اور عیسائی ہونے کے جھوٹے دعوے کیے۔ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام تورات اور انجیل کے نزول سے سینکڑوں سال پہلے رحلت فرما چکے تھے۔ ایسا وہ کسی غفلت یا لاعلمی کی بنا پر نہیں کرتے بلکہ جان بوجھ کر کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ کلام اللہ کی تحریف کرنے والے سے خیر کی توقع رکھنا فضول ہے۔ ۲۔ پتھر دل، بہانہ ساز انسان کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

کلام اللہ میں اہلِ کتاب کی تحریف کے مختلف طریقے:

۱۔ آیات کو ان کے محل سے آگے پیچھے کر دینا۔ (النساء:۴۶) ۲۔ اپنی طرف سے کچھ باتیں گھڑ کر شامل کرنا۔ (البقرۃ:۷۹)
۳۔ زبان مروڑ کر مفہوم بدل ڈالنا۔ (آل عمران:۷۸) ۴۔ بنیادی باتیں چھوڑ کر شبہات کے پیچھے لگنا۔ (آل عمران:۷)

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا

اور جب وہ ملتے ہیں جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ

انکے بعض طرف بعض کہتے ہیں کیا بتلاتے ہو انہیں جو ظاہر کیا اللہ

عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا

تم پر تاکہ وہ جھگڑا کریں تم سے اس کے ساتھ سامنے تمہارا رب تو کیا نہیں تم سمجھتے کیا نہیں

يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

وہ جانتے بیشک اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں

''اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان دار ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں مسلمانوں کے سامنے وہ کچھ کیوں بیان کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ اسے اللہ کے ہاں تمہارے خلاف پیش کر دیں؟ تمہیں عقل نہیں۔(۷۶) کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ بیان کرتے ہیں۔''(۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح یہودی بہانہ ساز اور متلوّن مزاج ہیں، منافقوں کی بھی یہی عادات ہیں۔

منافقوں کی عادات کا ذکر کرتے ہوئے آیت ۱۳ میں یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ لوگ ایمان والوں کو ملتے ہیں تو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ایمان کے دعویدار بنتے ہیں اور جب اپنے مذہبی پیشواؤں اور لیڈروں کے پاس جاتے ہیں تو انہیں یقین دہانیاں کرواتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ساتھی ہیں۔ یہاں اہلِ کتاب کے اندرونِ خانہ کا انکشاف کرتے ہوئے بتلایا جا رہا ہے کہ ان کے مذہبی رہنما ان سے کہتے ہیں کہ تورات وانجیل میں بیان ہونے والے حقائق جن میں نبی آخر الزماں ﷺ اور قرآنِ مجید کی تصدیق پائی جاتی ہے۔ ان کا مسلمانوں کے سامنے ذکر کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ پھر یہ کہہ کر انہیں خوفزدہ کرتے ہیں کہ اس طرح دنیا میں مسلمانوں کے سامنے لاجواب اور آخرت میں تمہارے رب کے ہاں مسلمان تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ اپنی بات کو مؤثر بنانے کے لیے ان کے خطبا اور پیشوا بڑے معصوم بن کر اپنے تقویٰ کی دھاک بٹھاتے ہوئے فکرِ آخرت کا تصور دے کر لوگوں کو حقائق کے انکشاف سے روکتے تھے۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ان حقائق کا انکشاف نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سے یہ حقیقت چھپی رہ جائے گی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تورات، انجیل نازل فرمائی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید، لوگوں کی اعلانیہ اور پوشیدہ حرکات وافعال کو جانتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو وہ چھپانے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ آخرت میں ان کے ظاہر اور باطن کو طشت از بام کر دیا جائے گا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کے باطن اور ظاہر سے واقف ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

اوران میں ان پڑھ ہیں وہ نہیں جانتے کتاب سوائے آرزوئیں اورنہیں وہ مگر گمان کرتے ہیں

''اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں جو آرزوؤں اور گمان کے علاوہ کتاب اللہ کا کچھ علم نہیں رکھتے اور وہ وہم وگمان کی بنیاد پر امید لگائے ہوئے ہیں۔''(۷۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کے علماء کی دیکھا دیکھی ان کا ان پڑھ طبقہ یعنی عوام الناس بھی بے بنیاد اُمیدیں لگائے ہوئے ہے۔ یاد رہے کہ مذہبی پیشواؤں اور سیاسی راہنماؤں کے منفی اور مثبت اثرات عوام پر ضرور اثر انداز ہوا کرتے ہیں۔

علمائے یہود نے حسب ونسب، مصنوعی تقدّس اور مذہب کا نام لے کر خود ساختہ رسومات کو عوام کے ذہن پر اس طرح مسلط کر دیا تھا جس سے عوام سمجھنے لگے کہ فقط بزرگوں کا احترام، علماء کی خدمت اور مذہبی رسومات ہی اصل دین ہے۔ حالانکہ ان تصورات کی کوئی بنیاد نہیں تھی کہ جس اساس پر وہ اپنے آپ کو جنت کا ٹکٹ ہولڈر سمجھتے اور یہ امید لگا بیٹھے تھے کہ بخشش کے لیے بزرگوں سے محبت اور ان کے دامن کے ساتھ وابستہ ہونا ہی کافی ہے یہاں ان کے بے بنیاد نظریات کی نفی کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ دین صرف جذبات اور خوش کن تصورات کا نام نہیں ہے۔ اس کے لیے تو باطل نظریات کو چھوڑنا، بے بنیاد تصورات سے نجات پانا اور جان ومال کی قربانی دینا پڑتی ہے۔

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ قِرَادٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهِ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا حَمَلَكُمْ عَلٰى هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ أَوْ يُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا ائْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ))(بیھقی فی شعب الإیمان:۱۵۳۳ [صحیح])

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن وضو کیا۔ آپ ﷺ کے اصحاب آپ کے وضو کے پانی کو اپنے جسموں پر ملنے لگے۔ نبی محترم ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا تم اس طرح کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی، اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بنا پر۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ جب بات کرے تو سچ بولے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو امانت کا حق ادا کرے اور اپنے ہمسائیوں سے اچھا برتاؤ کرے۔''

مسائل

۱۔ بے بنیاد خواہشات نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔

فَوَيْلٌ	لِّلَّذِيْنَ	يَكْتُبُوْنَ	الْكِتٰبَ	بِاَيْدِيْهِمْ	ثُمَّ	يَقُوْلُوْنَ	هٰذَا
سو بربادی	ان کیلئے جو	لکھتے ہیں	کتاب	اپنے ہاتھوں سے	پھر	وہ کہتے ہیں	یہ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	لِيَشْتَرُوْا	بِهٖ	ثَمَنًا	قَلِيْلًا	فَوَيْلٌ	لَّهُمْ	
اللہ کی طرف سے	تاکہ وہ حاصل کریں	اس سے	قیمت	تھوڑی	خرابی	ان کیلئے	
مِّمَّا	كَتَبَتْ	اَيْدِيْهِمْ	وَوَيْلٌ	لَّهُمْ	مِّمَّا	يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾	
اس سے جو	لکھا	انکے ہاتھوں نے	اور خرابی	ان کیلئے	اس سے جو	وہ کماتے ہیں	

''ان لوگوں کے لیے بربادی ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے تھوڑی قیمت کمائیں۔ تباہی ہے جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور تباہ ہو جو کچھ انہوں نے کمایا۔''(۷۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کا حال یہ ہے کہ ایک طرف اپنے نیک اور جنتی ہونے کے بلند و بالا دعوے کرتے ہیں اور دوسری طرف خود ساختہ تصورات اور ذاتی خیالات کو تورات و انجیل کی زبان میں ڈھال بنا کر لوگوں کا مال بٹورتے اور سیاسی مفادات حاصل کرتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور ان کے حکام نے اپنی کتابوں کی صرف تاویلات و تحریفات اور ان کے الفاظ میں تغیر و تبدل ہی نہیں کیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنی تاویلات اور نظریات کو وحی الٰہی کا رنگ دے کر تورات و انجیل میں اس کا اندراج کر دیا تھا۔ قرآن مجید کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے جس کی وجہ سے امتِ محمدیہ کے پیشہ ور علماء اور مفاد پرست حکمران قرآن مجید میں کمی بیشی اور تبدیلی تو نہیں کر سکے البتہ تشریح و تفسیر کے پردے میں قرآن مجید کے معانی و مفاہیم میں تبدیلی کرنے سے گریز نہیں کرتے اور اپنے اپنے گروہی نظریات اور شخصی تفردات کو قرآن و سنت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ذاتی اور جماعتی مفادات اٹھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کمائی اور ان کے اعمال جہنم میں داخلے کا باعث ہوں گے۔

تورات و انجیل میں ترمیم و اضافے:

One story tells that man was created before the animals, while another tells us that the animals were created before man. (George Barcaly: The Making and Meaningof the Bible, p.48)

''ایک کہانی یہ بیان کرتی ہے کہ انسان جانوروں سے پہلے پیدا کیا گیا جبکہ دوسری ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جانور انسانوں سے پہلے بنائے گئے۔''

کتاب پیدائش کے دوسرے باب کے پہلے باب سے اس فرق کے بارے میں کیتھولک بائبل میں نوٹ لکھا ہے:

This account ..... comes from a different source and is composed in a very differnt style. (Catholic Bible (RSV) p.995)

''یہ بیان کسی دوسرے ذریعے سے آیا ہے اور پہلے باب سے بالکل مختلف طرزِ تحریر میں لکھا ہوا ہے۔''

ایک اور مسیحی مصنف لکھتا ہے:

So many different minds are represented in the pages of the New testament, so many writers with differing personalities and points of view. (William Neil: The Bible Story, London, 1975, p.215 --- Also see "Interprentation" --- A Journal of Bible Thecology, Viginia vol. 37(July 1983) p.20)

''عہدِ جدید (اور بائبل کے دوسرے حصوں) کے صفحات بہت سے مختلف دماغوں اور بہت سے لکھنے والوں (کی کاوش) کا نتیجہ ہیں، جن کی شخصیات اور نقطہ ہائے نظر آپس میں مختلف ہیں۔''

ول ڈیورنٹ نے لکھا:

It is clear that there are many contradictions between one Gospel and another, many dubious statements of history..... (Will Dusrant : The story of Civilisation, New York, 1957, vol. 3)

''یہ بات واضح ہے کہ ایک انجیل کے دوسری انجیل سے بہت تضادات ہیں، اور ان کے بہت سے بیانات تاریخی طور پر مشکوک ہیں۔'' [عیسائیت تجزیہ ومطالعہ از ساجد میر]

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِسَخْلَةٍ جَرْبَاءَ قَدْ أَخْرَجَهَا أَهْلُهَا قَالَ تُرَوْنَ هَذِهِ هَيِّنَةً عَلَى أَهْلِهَا؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ وَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هَذِهِ عَلَى أَهْلِهَا))

(سنن دارمی: باب فی ھوان الدنیا علی اللہ [حسن])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر بکری کے مردہ بچے کے پاس سے ہوا۔ جس کو اسکے اہل والوں نے باہر پھینک دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اسے اس کے اہل والوں پر بے فائدہ تصور کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! دنیا اللہ کے نزدیک اس مردہ بکری کے بچے سے بھی کم تر ہے۔''

مسائل

۱۔ دین کی غلط تشریح کر کے دنیا کمانے والوں کے لیے جہنم اور ہلاکت ہے۔

تفسیر بالقرآن

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت:

۱۔ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ: ۱۷) ۲۔ دنیا کھیل اور تماشا ہے۔ (الانعام: ۳۲)

۳۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ (الرعد: ۲۶) ۴۔ دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔ (الحدید: ۲۰)

۵۔ دنیا عارضی اور آخرت پائیدار ہے۔ (المؤمن: ۳۹)

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

اورانہوں نے کہاہرگزنہیں چھوئے گی ہمیں آگ سوائے دن (جمع) چند فرمادیں کیاتم نے لیا سے اللہ

عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

کوئی وعدہ توہرگزنہ خلاف ورزی کریگا اللہ اپناوعدہ کیا تم کہتے ہو پر اللہ جو نہیں تم جانتے

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں چند روز کے علاوہ آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔ان سے پوچھیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لیا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ کچھ کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔''(۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اہلِ کتاب خود ساختہ عقائد کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے تھے اور آج ان کا دعویٰ ہے کہ ہم گنتی کے چند دن جہنم میں ڈالے جائیں گے۔اس کے بعد جنت ہماری اور ہم جنت کے وارث ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، نبی آخرالزماں ﷺ کی نبوت کا انکار اور بھاری جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود یہودیوں کی خوش فہمیوں کی انتہا یہ تھی اور ہے کہ وہ بڑی بے باکی کے ساتھ تورات کے حوالے سے دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کے ناطے سے ہم جہنم میں نہیں جاسکتے۔سوائے ان چند دنوں کے جن دنوں میں ہمارے بزرگوں نے بچھڑا پوجنے کی غلطی کی تھی۔اس دعویٰ کی قلعی کھولنے کے لیے ان سے سوال کیا جارہا ہے کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ جس کی خلاف ورزی کی اللہ تعالیٰ سے توقع نہیں کی جاسکتی؟ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو تمہیں کوئی ثبوت پیش کرنا چاہیے۔درحقیقت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے بنیاد اور جہالت کی بات کرتے ہیں۔فرقہ پرستی کے مضمرات میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ ہمارے بعض علماء اور مشائخ نے اس سے دو قدم آگے بڑھ کر اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں میں یہ تاثر پیدا کر رکھا ہے کہ جنت میں جانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کسی پیر کا مرید یا کسی امام کا مقلد ہوجائے۔حالانکہ اس نظریہ کی دلیل قرآن وسنت میں نہیں پائی جاتی۔

مسائل

۱۔ یہودیوں کا عقیدہ شرعی حقائق کے منافی اور عدل وانصاف کے اصولوں کے خلاف ہے۔

۲۔ من گھڑت دینی مسائل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کا معاملہ:

۱۔ ہرایک کو اس کے اپنے اعمال کام آئیں گے۔(البقرۃ:۱۳۴)۲۔کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔(الانعام:۱۶۴)

۳۔ کوئی کسی کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔(فاطر:۴۳)

۴۔ کسی کے گناہ کے متعلق کسی دوسرے سے نہیں پوچھا جائے گا۔(الرحمن:۳۹)

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

کیوں نہیں جس نے کمائی کوئی برائی اور گھیر لیا اس کو اس کی خطاؤں نے پس یہی لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

آگ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کئے

الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

نیک عمل یہی لوگ جنت والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

ع ۱۱ ۹

''کیوں نہیں جس نے برے کام کیے اور اس کے برے کاموں نے اسے گھیر لیا پس یہی لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(۸۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتی ہیں اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔''(۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: من گھڑت تصورات اور بداعمالیاں آدمی کو جہنم میں لے جائیں گی جبکہ جنت کے وارث تو صاحبِ ایمان اور صالح اعمال کرنے والے لوگ ہی ہوں گے۔

اہلِ کتاب اور ہر فرد کو یہ باور کروایا جارہا ہے کہ بلند بانگ دعوے، دل کش نعرے، حسب ونسب کے امتیازات اور بزرگوں کے ساتھ نسبت اس شخص کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتے جو ایمان سے عاری اور تادم مرگ شرک وبدعت میں ملوث رہا ہو اسے ہر حال میں جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں جانا ہے اور ان میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اس کے برعکس کوئی شخص اعلیٰ حسب ونسب اور بڑے بڑے امتیازات والقابات سے محروم، مگر صاحبِ ایمان وکردار ہو۔ ایسے لوگ جہاں کہیں کے رہنے والے اور جو بھی ہوں اگر ان کا دامن ایمان کی نعمت اور کردار کی دولت سے مالا مال ہے تو وہ جنت میں ضرور جائیں گے اور وہاں انہیں حیاتِ جاوداں حاصل ہوگی۔

یاد رہے کہ یہاں زندگی بھر گناہوں میں گھرے ہوئے سے مراد کفر وشرک اور بدعات میں ملوث ہونے والا شخص ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ وَّلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ))

(رواہ الترمذی: کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الکبر [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔''

مسائل

۱۔ کفر وشرک اور کبیرہ گناہ کا مرتکب اگر توبہ کے بغیر مرجائے تو وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

۲۔ ایمان خالص اور عمل صالح اپنانے والے لوگ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ

اور جب ہم نے لیا پختہ عہد بنی اسرائیل سے تم عبادت نہ کرنا اللہ کے سوا اور ماں باپ سے

اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا

حسن سلوک اور قرابت دار اور یتیم (جمع) اور مسکین (جمع) اور تم کہنا لوگوں سے اچھی بات اور قائم کرنا

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

نماز اور ادا کرنا زکوٰۃ پھر تم پھر گئے سوائے چند کے تم میں سے اور تم پھر جانے والے

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور ماں باپ اور قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور لوگوں کو اچھی باتیں کہو گے نماز قائم اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور تم پھر جانے والے ہو۔'' (۸۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا حالانکہ یہود نے اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ نہیں لیا البتہ اللہ تعالیٰ نے ضرور ان سے ان باتوں کا وعدہ لیا ہوا ہے۔

ہر دَور میں دین کے بنیادی ارکان اور احکام ایک ہیں اور ان کی ترتیب بھی ایک جیسی ہی رہی ہے۔ سب سے پہلے خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا جسے حقوق اللہ کہا جاتا ہے۔ حقوق اللہ کے بعد والدین کی تابعداری اور ان کے ساتھ احسان کرنا ہے۔ اور ان کے ساتھ قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، لوگوں سے اچھی بات کہنا، نماز کا اہتمام کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رب اور خالق ہے لیکن اس نے اپنی تخلیق اور ربوبیت کا ذریعہ والدین کو بنایا ہے اس لیے اپنی ذات کے بعد اس نے اس مقدس رشتہ کو تقدیس وتکریم دیتے ہوئے ہدایات فرمائیں کہ اولاد کو چاہیے کہ اپنے والدین کے ساتھ ہر دم اچھا سلوک کرتی رہے۔ نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی اسی ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے ارشادات فرمائے:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلوۃ)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز وقت پر ادا کرنا۔ پھر پوچھا تو فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اس کے بعد پوچھنے پر آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

((عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أَبَرُّ قَالَ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ)) (رواہ ابوداؤد: باب فی بر الوالدین [صحیح])

''بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ! میں کس سے اچھا سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی ماں سے پھر اپنی ماں سے پھر اپنی ماں سے پھر اپنے باپ سے اور پھر قریبی رشتہ داروں سے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهُ أَوْلِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى))(رواه مسلم: باب الإحسان إلى الأرملة.....)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے رشتہ دار یا کسی دوسرے یتیم کی پرورش کرنے والا اور میں جنت میں ایسے ہوں گے۔ راوی نے درمیانی اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ الْيَهُوْدَ دَخَلُوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكَ فَلَعَنْتُهُمْ فَقَالَ مَالَكِ قُلْتُ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالُوْا قَالَ فَلَمْ تَسْمَعِيْ مَاقُلْتُ وَعَلَيْكُمْ))(رواه البخاری: باب الدعاء علی...)

اچھی بات کا حکم: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں نے نبی ﷺ کے پاس آ کر کہا: السام علیک کہ تجھ پر ہلاکت ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان پر لعنت کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: عائشہ! تجھے کیا ہوا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ نے ان کی بات نہیں سنی۔ فرمایا تو نے میری بات نہیں سنی میں نے وعلیکم کہا کہ تم پر بھی ہو۔''

بیوہ اور مسکین کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ السَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ))(رواه البخاری: باب فضل النفقة علی الأهل)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوہ اور مسکین پر نگران اللہ کی راہ میں مجاہد کی طرح ہے یا رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔''

مسائل

۱۔ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، والدین سے حسن سلوک کرنا، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے اچھا برتاؤ کرنا اور ہمیشہ اچھی بات کہنا، نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ سے عہد نبھانے کے مترادف ہے۔

تفسیر بالقرآن

مقامِ والدین:

۱۔ بنی اسرائیل سے والدین کے ساتھ احسان کا عہد لیا گیا۔ (البقرۃ: ۸۳)

۲۔ والدین سے نیکی کرنے کا حکم۔ (بنی اسرائیل: ۲۳) ۳۔ والدین کو اُف کہنا اور جھڑکنا جائز نہیں۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

۴۔ والدین کے سامنے عاجزی سے رہنا اور ان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ (بنی اسرائیل: ۲۴)

۵۔ غیر مسلم والدین کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ (لقمان: ۱۵) (دیگر احکام کے بارے میں اگلے مقامات پر وضاحت ہوگی)

وَاِذْ	اَخَذْنَا	مِيْثَاقَكُمْ	لَا تَسْفِكُوْنَ	دِمَآءَكُمْ	وَلَا تُخْرِجُوْنَ
اور جب	ہم نے لیا	تم سے پختہ عہد	تم نہ بہاؤ گے	اپنوں کے خون	اور تم نہ نکالو گے

اَنْفُسَكُمْ	مِّنْ	دِيَارِكُمْ	ثُمَّ	اَقْرَرْتُمْ	وَاَنْتُمْ	تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾
اپنوں	سے	تمہارے گھر	پھر	تم نے اقرار کیا	اور تم	گواہ ہو

''اور جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا کہ آپس میں نہ خون بہاؤ گے اور نہ اپنوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم اس پر گواہ ہو۔'' (۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ عہد کا حصہ۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنی اسرائیل سے اپنی بندگی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک، یتیم و مساکین کے ساتھ تعاون اور لوگوں سے خوش اخلاقی و خوش گفتاری کے ساتھ پیش آنے، نماز اور زکوٰۃ کا عہد لیا تھا۔ اسی طرح ان سے یہ عہد بھی لیا تھا کہ آپس میں دنگا فساد کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے صلح و آشتی کے ساتھ رہنا۔ لیکن انہوں نے نہ صرف اس عہد کی مخالفت کی بلکہ قتل و غارت اور ظلم و زیادتی کا بازار گرم کیا۔ طاقت ور کمزور کے لیے وحشی درندے کی شکل اختیار کر گیا۔ ماضی میں جو کچھ فرعون ان کے ساتھ کیا کرتا تھا انہوں نے اس سے بڑھ کر اپنے لوگوں پر ظلم ڈھائے کہ کمزور طبقات کو ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ طاقتور قبائل اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے ایک دوسرے کو لڑایا کرتے اور پھر لوگوں کے سامنے سچا ہونے اور اپنے آپ کو مظلوموں کا خیر خواہ ثابت کرنے کے لیے حقوقِ انسانیت کے علمبردار بن جاتے اور مغلوب قبیلے کے قیدیوں کو رہائی دلانے کے لیے فدیے کا بندوبست کرتے تاکہ یہ لوگ ہمیشہ کے لیے ان کے ممنون رہیں۔ جس طرح امریکہ، برطانیہ اور دیگر اتحادیوں نے پہلے 2001ء میں افغانستان اور عراق کے لاکھوں بے گناہ لوگوں کو شہید کیا اور پھر انسانیت اور تعمیر نو کے نام پر اپنے مفاد کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کیے اور لوگوں کو خوراک اور ادویات مہیا کیں تاکہ دنیا کو باور کرایا جائے کہ ہم ظالم نہیں خیر خواہ اور انسان دوست لوگ ہیں۔

مسائل

۱۔ بنی اسرائیل سے کشت و خون نہ کرنے کا عہد لیا گیا۔ ۲۔ بنی اسرائیل سے اپنے لوگوں کو در بدر نہ کرنے کا عہد لیا گیا۔

ثُمَّ	اَنْتُمْ	هٰٓؤُلَآءِ	تَقْتُلُوْنَ	اَنْفُسَكُمْ	وَتُخْرِجُوْنَ	فَرِيْقًا
پھر	تم	وہ لوگ ہو	ہو قتل کرتے ہو	اپنوں کو	اور تم نکالتے ہو	ایک فریق
مِّنْكُمْ	مِّنْ	دِيَارِهِمْ	تَظٰهَرُوْنَ	عَلَيْهِمْ	بِالْاِثْمِ	وَالْعُدْوَانِ
تم سے	سے	ان کے وطن	تم چڑھائی کرتے ہو	ان پر	گناہ سے	اور سرکشی
وَاِنْ	يَّاْتُوْكُمْ	اُسٰرٰى	تُفٰدُوْهُمْ	وَهُوَ	مُحَرَّمٌ	عَلَيْكُمْ
اور اگر	وہ آئیں تمہارے پاس	قیدی	تم فدیہ دیتے ہو ان کا	حالانکہ وہ	حرام کیا گیا	تم پر
اِخْرَاجُهُمْ	اَفَتُؤْمِنُوْنَ	بِبَعْضِ	الْكِتٰبِ	وَتَكْفُرُوْنَ	بِبَعْضٍ	
نکالنا ان کا	کیا تم ایمان لاتے ہو	بعض حصہ	کتاب	اور انکار کرتے ہو	بعض حصہ	

''پھر تم وہ لوگ ہو جو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو اور اپنے لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو، گناہ اور ظلم کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو فدیہ دے کر انہیں چھڑاتے ہو حالانکہ ان کو ان کے گھروں سے نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل نے نہ صرف اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا بلکہ اس حد تک عہد شکن ثابت ہوئے کہ انہوں نے باہمی تعلقات کو توڑتے ہوئے اپنوں میں سے کمزور لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔

اس بات پر یہودیوں کو سمجھایا گیا ہے کہ مظلوموں کی حالت زار تمہاری سیاست اور مذموم منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے جبکہ تورات میں تمہیں اس بات سے منع کیا اور تم سے عہد لیا گیا تھا کہ اپنوں کو قتل کرنا اور کمزوروں کو ان کے گھروں سے نکالنا سنگین اخلاقی اور معاشرتی جرم ہے۔ یہاں بار بار مخاطب کی ضمیر لا کر انہیں شرم دلائی جا رہی ہے کہ یہ تمہارے ہی ہم نسب اور ہم وطن ہیں۔ جن میں سے کچھ کو تم قتل کر دیتے ہو اور کچھ کو ان کے گھروں سے نکال کر باہر پھینکتے ہو۔ تمہاری سازشوں کی وجہ سے وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں۔ اس کے بعد فدیہ دے کر چھڑاتے ہو۔ ایسا کرنا نہ صرف اخلاقی جرم ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے کہ کلام اللہ کے جس حصہ پر چاہا عمل کر لیا اور جس سے دنیا کے نقصان کا اندیشہ ہوا اسے چھوڑ دیا۔ اس طرح نہ صرف شریعت بازیچۂ اطفال بن جاتی ہے بلکہ آدمی کی طبیعت میں مستقل طور پر منافقت اور مفاد پرستی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی سزا دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں شدید ترین عذاب ہے۔ جو لوگ دین کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور خیر خواہی کرنے کی بجائے ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں ان پر نہ آخرت کا عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کرنے والا ہوگا۔

فَمَا	جَزَآءُ	مَنْ	يَّفْعَلُ	ذٰلِكَ	مِنْكُمْ	اِلَّا	خِزْيٌ
سوکیا	سزا	جو	کرے	یہ	تم میں سے	سوائے	رسوائی
فِي	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا ۚ	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	يُرَدُّوْنَ	اِلٰٓى	اَشَدِّ
میں	زندگی	دنیا	اور قیامت کے دن	وہ لوٹائے جائیں گے	طرف	سخت
الْعَذَابِ ؕ	وَمَا	اللّٰهُ	بِغَافِلٍ	عَمَّا	تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾
عذاب	اور نہیں	اللہ	بے خبر	اس سے جو	تم کرتے ہو

جو تم میں سے ایسا کام کرے گا ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور قیامت کے دن انہیں سخت عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔'' (۸۵)

''نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں انصار (جو اسلام سے قبل مشرک تھے) کے دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج، ان کی آپس میں آئے دن جنگ رہتی تھی، اسی طرح یہودِ مدینہ کے تین قبیلے تھے..... بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے، بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے اور بنو قینقاع اور بنو نضیر خزرج کے حلیف تھے، جنگ میں یہ اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرتے، ان کے گھروں کو لوٹتے اور انہیں جلاوطن کر دیتے۔ حالانکہ تورات کے مطابق ایسا کرنا ان کے لیے حرام تھا، پھر جو لوگ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی بن جاتے تو انہیں فدیہ دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شریعت کو موم کی ناک بنالیا تھا، پسندیدہ حکم پر عمل کر لیتے اور مرضی کے خلاف حکم کو کوئی اہمیت نہ دیتے۔ قتل، لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنا اور ایک دوسرے کی ظلم پر مدد کرنا، ان کی شریعت میں حرام تھا، ان جرائم کا انہوں نے کھلم کھلا ارتکاب کیا اور جو فدیہ دے کر چھڑا لینے کا حکم تھا اس پر عمل کیا۔ حالانکہ اگر وہ پہلے تین امور کا لحاظ رکھتے (قتل و غارت گری سے باز رہتے، دوسروں کو جلاوطن نہ کرتے، ظلم و ستم سے رک جاتے) تو فدیہ دے کر چھڑانے کی نوبت ہی نہ آتی۔'' (ماخوذ از ''تفسیر احسن البیان'')

اہلِ کتاب کے ایک دوسرے پر مظالم:

ہربرٹ ملر نے لکھا ہے:

''رومی بادشاہ تھیوڈوسیس نے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں حکماً بند کر دیں اور کیتھولک عیسائیت کو ملک کا واحد قانونی مذہب قرار دیتے ہوئے ان سب ''دیوانوں'' (madmen) سے ہر قسم کے شہری حقوق چھین لیے جو کیتھولک عیسائیت سے متفق نہ تھے۔''

When Theodosius deprived heretics of civil rights, religious orthodoxy became the price of citizenship for the first time in history. *(Herbert Muller: op.cit pp.86-87; Cambridge Modern History (1907) vol.10 p.152)*

''جب تھیوڈوسیس نے ملحدین کو شہری حقوق سے محروم کیا' تو عقیدہ کی تبدیلی شہریت کی قیمت قرار پائی۔''

اور پوپ لیو دواز دہم نے تو رواداری (Toleration) کو صاف الفاظ میں سچے مذہب سے بے پروائی (Indifference) سے تعبیر کرتے ہوئے بتا دیا کہ عیسائیت میں نقطۂ نظر کے اختلاف کو برداشت کرنے کی قوت و صلاحیت کہاں تک ہے۔ عملاً بھی اس نے تنخواہ دار مخبرین (Informers) کی مدد سے مسلمہ عقائد سے ہٹے ہوئے افراد سے اپنی جیلیں بھر دیں۔

''مشرکین'' (pagans) اور ''ملحدین'' (heretics) کے بعد جو طبقہ مسیحی عدم رواداری اور تشدد کا پہلا نشانہ بنا، وہ یہودی تھے۔ یہودیوں سے مسیح کے ''خون کا بدلہ'' لینے کے لیے انجیل کی اس آیت کا حوالہ استعمال کیا گیا جس میں مسیح کے وقت کے یہودیوں نے رومی حاکم پیلاطس کی مسیح کو مصلوب کرنے پر ہچکچاہٹ دیکھتے ہوئے کہا تھا ''اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!'' (متی ۲۷:۲۵):

With the triumph of Christianity, the children of Israel had to repay his duffering a millionfold. (Herbert Muller : op.cit., p.91)

''عیسائیت کے غلبہ کے بعد بنی اسرائیل کو مسیح کی تکالیف کا کئی لاکھ گنا بدلہ چکانا پڑا۔''

ملحدین، مشرکین اور یہود وغیرہ پر ظلم و تشدد اور ان کے قتل و غارت پر عیسائی حکمرانوں اور امراء کو اکساتے ہوئے ایک مشہور پوپ ہلڈر برینڈ (Hilderbrand) نے کہا تھا:

Cursed be he that refraineth his sword from blood. *(H.C.Lea: A history of the Inquisition in spain (New York 1906) vol. 1, pp.81, 115)*

''جو اپنی تلوار کو (ان لوگوں کا) خون کرنے سے روک رکھے وہ لعنتی ہے۔'' (عیسائیت تجزیہ و مطالعہ، پروفیسر ساجد میر)

مسائل

۱۔ بنی اسرائیل عہد توڑنے والی قوم ہے۔ ۲۔ بنی اسرائیل پر رشوت لینا حرام تھا۔
۳۔ دین کے کچھ ارکان پر عمل کرنا اور کچھ کو چھوڑ دینا دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ جہنم کا سبب ہوگا۔
۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔



أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ

یہی لوگ جنہوں نے خریدلی زندگی دنیا آخرت کے بدلے سونہیں ہلکا نہ کیا جائے گا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾ ع

ان سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے

''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے سوان پر عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔'' (۸۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہود و نصاریٰ کی یہ عہد شکنیاں اس لیے تھیں کہ انہوں نے آخرت کو فراموش کر کے دنیا کو مقدم کر لیا تھا۔ دنیا کے لیے وہ تمام اخلاقی اور دینی حدیں پھاندنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

کفار اور مشرکین کے بارے میں قرآن مجید بار بار اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ ان لوگوں پر نہ عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ہی انہیں جہنم سے نجات ملے گی جس شخص کے بارے میں عذاب ہلکا ہونے کا امکان ہے وہ جناب ابوطالب ہیں ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے اس امید کا اظہار کیا ہے۔

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ))

(رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب قصة ابی طالب)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ کے پاس آپ کے چچا ابوطالب کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا شاید اسے میری شفاعت قیامت کے دن فائدہ دے اسے آگ پر کھڑا کیا جائے گا۔ وہ آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچتی ہوگی جس سے اس کا دماغ کھولے گا۔''

''جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا یقیناً ہم انہیں جہنم واصل کریں گے جب ان کے جسموں کی کھال گل جائے گی تو ہم دوسری کھال سے بدل دیں گے تاکہ عذاب کا مزا چکھتے رہیں اللہ تعالیٰ یقیناً زبردست اور حکمت والا ہے۔'' (النساء:۵۶)

مسائل

۱۔ آخرت کی زندگی پر دنیا کو ترجیح دینے والوں پر جہنم کا عذاب ہلکا نہیں ہوگا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے بدلے مال اور منصب حاصل کرنا حرام ہے۔ ۳۔ دوزخیوں کی کوئی کچھ بھی مدد نہیں کر سکے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۗ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى

اور تحقیق ہم نے دی موسیٰ کتاب اور ہم نے مسلسل بھیجے سے اس کے بعد رسول (جمع) اور ہم نے دیے عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ

بیٹا مریم واضح دلائل اور ہم نے اسکی مدد کی روح القدس (جبرئیل) کے ساتھ کیا پھر جب آیا تمہارے پاس کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۗ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

اسکے ساتھ جو نہ چاہتے تھے تمہارے نفس تم نے تکبر کیا بس ایک جماعت تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت تم قتل کرنے لگے

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور انہوں نے کہا ہمارے دل پردہ میں بلکہ ان پر لعنت اللہ انکے کفر کے سبب سو تھوڑے جو ایمان لاتے ہیں

''بلاشبہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، اور ان کے بعد مسلسل رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو واضح دلائل دیے اور روح القدس سے اس کی تائید فرمائی۔ جب تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تو تم نے تکبر کیا پس ایک جماعت کو تم نے جھٹلا دیا اور دوسری جماعت کو تم نے قتل کر ڈالا۔ (۸۷) اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردے میں ہیں۔ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی ہے اب ان میں ایمان لانے والے تھوڑے ہیں۔'' (۸۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل سے عہد لینے کے بعد اس کی یاد دہانی کے لیے مسلسل انبیاء مبعوث کیے گئے مگر یہ لوگ تکبر اور ظلم میں آگے ہی بڑھتے گئے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے پختہ عہد سے انحراف، قومی جرائم اور اجتماعی ذلت کا احساس دلا کر بنی اسرائیل کو یاد کروایا گیا ہے کہ اپنی تاریخ کا ریکارڈ ذہن میں لاؤ۔ جب ہم نے تمہاری رہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت کی اور ان کے بعد اس عہد کی یاد دہانی اور ایفا کے لیے متواتر انبیائے کرام مبعوث فرمائے۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے کہ جن کے سامنے حاذق اطبا، معروف دانشور اور بڑے بڑے اہل علم طفل مکتب دکھائی دیتے تھے۔ لیکن اے اہلِ کتاب! تم نے ہر اس بات کا انکار کیا جو تمہارے رواج اور مزاج کے خلاف تھی۔ تم نے نا صرف روشن معجزات اور ٹھوس دلائل کا متکبرانہ جواب دیا بلکہ انبیاء کی کثیر تعداد کی تکذیب کرتے ہوئے انہیں ماننے سے انکار کر دیا اور کچھ انبیاء کو شہید ہی کر ڈالا۔ اب تم گناہوں اور اپنے استکبار کو چھپانے کے لیے کہتے ہو کہ ہم قرآن اور اس نبی کی رسالت کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ ہمارے دل علم و دانش کے گہوارے ہیں اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمیں اس نبی کی باتوں کی سمجھ ہی نہیں آتی۔ ہمارے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہو چکا ہے۔ یہی وہ بہانے ہیں جو ہر دور میں نام نہاد دانشور اور متعصب مذہبی لوگ کرتے آئے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دلائل سمجھنے اور حقائق کو جاننے کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس کی وجہ یہ

نہیں کہ وہ علم ومعرفت رکھتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر خدا کی پھٹکار پڑ چکی ہے۔

تکبر کا معنیٰ اور انجام:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَّنَعْلُهٗ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) (رواہ مسلم: باب تحریم الکبر وبیانہ)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے کہا کہ آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَيُسَاقُوْنَ إِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ))

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب منہ، [حسن])

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہم سے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی اور انہیں بولس نامی جہنم کی جیل میں لے جایا جائے گا۔ ان پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کی زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔''

مسائل

۱۔ بنی اسرائیل نے کچھ انبیاء کو شہید کیا اور اکثر کو جھٹلا دیا۔ ۲۔ منکرین حق بات ماننے کی بجائے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردہ میں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لعنتی کون؟

۱۔ شیطان لعنتی ہے۔ (النساء: ۱۱۸) ۲۔ کافر لعنتی ہیں۔ (الاحزاب: ۶۴)

۳۔ اصحاب السبت لعنتی ہیں۔ (النساء: ۴۷) ۴۔ یہودی لعنتی ہیں۔ (المائدۃ: ۶۴)

۵۔ جھوٹے لعنتی ہیں۔ (آل عمران: ۶۱) ۶۔ ظالم پر لعنت ہوتی ہے۔ (ھود: ۱۸)

۷۔ حق چھپانے والے لعنتی ہیں۔ (البقرۃ: ۱۵۹) ۸۔ اللہ اور رسول کو تکلیف دینے والے لعنتی ہیں۔ (الاحزاب: ۵۷)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ

اور جب ان کے پاس آئی کتاب سے پاس اللہ تصدیق کرنے والی اسکی جو انکے پاس

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

اور وہ تھے سے پہلے فتح مانگتے پر جولوگ انہوں نے کفر کیا سو جب آیا انکے پاس

مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

جو وہ پہچانتے تھے انہوں نے کفر کیا اس کیساتھ سو لعنت اللہ پر کافر (جمع)

''اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب آئی جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ لوگ اس سے پہلے کفار پر فتح چاہتے تھے۔ جب یہ حق ان کے پاس آیا تو اسے پہچان لینے کے باوجود انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔'' (۸۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ اہل کتاب ہمیشہ سے حق پہچاننے کے باوجود اس کے انکاری رہے ہیں اسی کا سبب ہے کہ ان پر اللہ کی پھٹکار برستی ہے۔

یہود اہل ثروت ہونے اور سماجی اثر ورسوخ رکھنے کے باوجود عرب میں سیاسی اقتدار سے محروم تھے۔ اس وجہ سے وہ عیسائیوں، مشرکوں اور دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ بحث وتکرار کرتے ہوئے کہا کرتے کہ عنقریب نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لانے والے ہیں ہم اس کی رہنمائی اور قیادت میں تم سب پر غلبہ پائیں گے۔ اس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا کر نہایت آہ و زاری سے دعائیں کیا کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے حلف دیتے کہ ہمارے پاس آخری نبی تشریف لائے تو ہم اس کی نصرت و حمایت کریں گے۔ [البقرۃ:۸۹] اسی اثناء میں محمد عربی ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور آپ نے انہیں کتاب الٰہی کا پیغام دیتے ہوئے اپنے آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔

علامہ ابن کثیر ان آیات کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہودی اوس اور خزرج پر فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو یہودیوں نے اپنی بات کا انکار کر دیا۔ معاذ اور بشر بن براء رضی اللہ عنہما نے کہا اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ کیونکہ جب ہم مشرک تھے تو تم ہمیں نبی آخر الزماں ﷺ کا حوالہ دے کر فتح کی دعائیں کرتے تھے اور تم ہمیں مبعوث ہونے والے نبی اور اس کی صفات کے متعلق بتلاتے رہتے تھے سلام بن مشکم کہنے لگا: ہمارے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں آئی کہ جسے ہم پہچانتے ہوں وہ کون سی چیز ہے جس کے متعلق ہم تمہیں بتلاتے تھے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت {وَلَمَّا جَآءَهُمْ} نازل فرما دی۔''

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ ''الرحیق المختوم'' میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ شرف وعظمت اور فضل وکمال کی سب سے بلند چوٹی پر جلوہ فگن تھے۔ عفت وامانت، صدق وصفا

اور جملہ اُمورِ خیر میں آپ ﷺ کا وہ امتیازی مقام تھا کہ آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی آپ کی یکتائی وانفرادیت پر کبھی شک نہ گزرا۔ آپ کی زبان سے جو بات نکلی دشمنوں کو یقین ہوگیا کہ وہ سچی ہے اور ہو کر رہے گی۔ واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں۔ ایک بار قریش کے ایسے تین آدمی اکٹھے ہوئے جن میں سے ہر ایک نے اپنے بقیہ دو ساتھیوں سے چھپ چھپا کر تن تنہا قرآنِ مجید سنا۔ لیکن بعد میں ہر ایک کا راز دوسرے پر فاش ہوگیا۔ ان تینوں میں سے ایک ابوجہل بھی تھا۔ تینوں اکٹھے ہوئے تو ایک نے ابوجہل سے دریافت کیا کہ بتاؤ تم نے جو کچھ محمد ﷺ سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا: میں نے کیا سنا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے اور بنو عبدِ مناف نے شرف وعظمت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے غرباء ومساکین کو کھلایا تو ہم نے بھی کھانا کھلایا، انہوں نے داد ودہش میں سواریاں عطا کیں تو ہم نے بھی دیں، انہوں نے لوگوں کو عطیات سے نوازا تو ہم نے بھی ایسا کیا، یہاں تک کہ جب ہم اور وہ ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوگئے اور ہماری اور ان کی حیثیت ریس کے دو مدِّ مقابل گھوڑوں کی ہوگئی تو اب بنو عبدِ مناف کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ بھلا بتایئے ہم اسے کب پاسکتے ہیں؟ خدا کی قسم! ہم اس شخص پر کبھی ایمان نہ لائیں گے اور اس کی ہرگز تصدیق نہ کریں گے۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر صبح کے وقت رسول محترم ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام کے بارے میں مذاکرات کیے اور انہیں یقین ہوگیا کہ حقیقتاً آپ ﷺ نبی آخر الزماں ہیں۔ جب آپ سے گفتگو کرنے کے بعد مغرب کے وقت واپس آئے تو نہایت تھکے ماندے دکھائی دے رہے تھے۔ چچا ابو یاسر میرے والد سے پوچھتے ہیں: أَهُوَ هُوَ؟ ''کیا یہی وہ نبی ہے جس کا تذکرہ تورات وانجیل میں پایا جاتا ہے؟'' والد کہتے ہیں کیوں نہیں یہ وہی رسول ہے۔ وہ پوچھتے ہیں: أَتَعْرِفُهُ وَتُثْبِتُهُ؟ ''کیا واقعی تو اسے پہچانتا ہے؟'' تو انہوں نے کہا: ہاں میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ چچا ابو یاسر کہتے ہیں: فَمَا فِي نَفْسِكَ مِنْهُ؟ ''پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟'' میرے والد نے جواب دیا: عَدَاوَةُ وَاللهِ مَا بَقِيتُ ''کہ اللہ کی قسم! جب تک زندہ ہوں مخالفت کرتا رہوں گا''۔ [ابن ہشام: شہادۃ عن صفیۃ]

مسائل

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حسد وبغض کی وجہ سے بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا غضب، اور عذاب مسلّط ہوا۔

۲۔ حق کا انکار کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار:

۱۔ بنی اسرائیل رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منتظر تھے۔ (فاطر: ۴۲)

۲۔ یہود ونصاریٰ رسول اللہ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۴۶)

۳۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی بنیاد پر لوگوں پر فتح یاب ہونے کی خواہش رکھتے تھے۔ (البقرۃ: ۸۹)

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

برا ہے جو بیچ ڈالا انہوں نے اسکے بدلے اپنے آپ یہ کہ انہوں نے کفر کیا اس سے جو نازل کیا اللہ

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

ضد یہ کہ نازل کرتا ہے اللہ سے اپنا فضل پر جو وہ چاہتا ہے سے

عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹۰

اپنے بندے سو وہ پلٹے غضب پر غضب اور کافروں کے لیے عذاب ذلیل کرنے والا

''بُرا ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا۔ وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے ساتھ کفر کرتے ہیں اس ضد کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا نازل فرمایا۔ یہ لوگ غضب پر غضب کے ساتھ پلٹے اور انکار کرنے والوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''(۹۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہود کے گھناؤنے کردار کے پیچھے دنیا کے مفاد کے ساتھ حسد و بغض بھی شامل ہے جس کی بنا پر نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

''بَغْيًا'' کا معنیٰ ہے کسی کام یا بات پر خواہ مخواہ اڑ جانا۔ یہ لفظ حقیقت کے برعکس کام کرنے کے لیے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ یہود نے رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت وحمایت کرنے کی بجائے اس بنا پر تمرّد اور انکار کا راستہ اختیار کیا کہ نبی تو ہم میں سے ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ نبوت صرف بنی اسرائیل کا استحقاق ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ نبوت کسی خاندان یا قوم اور علاقے کا استحقاق نہیں یہ تو سراسر اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب اور فضل ہے۔ وہ اپنے پیغام اور کام کے لیے جس کو چاہے پسند کرتا ہے۔ اہلِ کتاب دنیا کی حشمت اور آپ ﷺ سے بغض کی بنا پر کفر کا راستہ اختیار کر کے ہمیشہ کے لیے خدا کی پھٹکار اور ذلت کے مستحق قرار پائے۔ ایسے منکروں کے لیے ذلّت ناک عذاب تیار ہو چکا ہے۔

تورات کے منکر، انبیاء کے قاتل اور مزید یہ کہ سرورِ گرامی ﷺ کے ساتھ عداوت اور کتاب مبین کے ساتھ حسد کر کے ''غَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ'' کے کٹہرے میں کھڑے ہوئے یہ لوگ دنیا کی ذلت اور آخرت کے ذلیل ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

مسائل

۱۔ کفر اختیار کرنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔ ۲۔ ضد انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

۳۔ نبوت کسی کا استحقاق نہیں یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہوتا ہے۔

۴۔ حق کا انکار کرنیوالوں کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ نے آخری انتخاب نبی ﷺ کا فرمایا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ

اور جب کہا جاتا ہے انہیں تم ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا اللہ نے وہ کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں

بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ

اس پر جو نازل کیا گیا ہم پر اور انکار کرتے ہیں اس سے جو اسکے علاوہ حالانکہ وہ حق

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ

تصدیق کرنیوالا اسکی جو انکے پاس فرمادیں سو کیوں تم قتل کرتے رہے اللہ کے انبیاء

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ

اس سے پہلے اگر تم ہو مومن (جمع) اور تحقیق تمہارے پاس آئے موسیٰ کھلی نشانیوں کیساتھ

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

پھر تم نے پکڑلیا بچھڑا سے اس کے بعد اور تم ظالم (جمع)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ جو ہم پر کتاب اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے۔ وہ اس کے سوا سب کا انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ قرآن حق ہے اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ ان سے یہ پوچھیں کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا؟ (۹۱) تمہارے پاس موسیٰ واضح دلائل لے کر آئے لیکن تم نے ان کی غیر حاضری میں بچھڑے کی پوجا کی اور تم زیادتی کرنے والے ہو۔'' (۹۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب اپنے گھناؤنے کردار اور بغض کو چھپانے کے لیے یہ بہانہ بناتے ہیں کہ ہم اسی بات کو مانیں گے جو ہم پر نازل ہوئی اس کا جواب یہ دیا گیا کہ پھر تم نے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کیا تھا؟

یہودیوں کو جب بھی دعوت دی گئی کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی ہے تو انہوں نے مذہبی عصبیت اور خود ساختہ علمی مقام کی بنا پر اعلان کیا کہ ہم تورات کے سوا ہر چیز کا انکار کرتے رہیں گے۔ بے شک اس میں ہماری تائید ہی کیوں نہ پائی جاتی ہو۔ اس انکار پر ان سے پوچھا جا رہا ہے اگر تم تورات پر فی الحقیقت ایمان رکھتے ہو تو تمہیں ان سوالات کا جواب دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ باتیں تو سراسر تمہارے عقیدے کے مطابق اور تورات میں پائی جاتی ہیں ان سے انحراف کا تمہارے پاس کیا جواز ہے؟

جس بات میں تمہاری تائید ہوتی ہو اس کے انکار کا کیا جواز ہے؟

تم نے انبیاء کرام کو کیوں قتل کیا جب کہ وہ تمام کے تمام بنی اسرائیل میں سے تھے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چالیس دن کی غیر حاضری میں بچھڑے کی پرستش کیوں کی اور اب تک گائے پرستی کے کیوں قائل

ہو جب کہ تورات میں واضح طور پر گائے پرستی سے منع کیا گیا ہے؟

دراصل تم حقیقی ایمان سے تہی دامن ہو چکے ہو اور تم نے باطل نظریات کو ایمان کا درجہ دے دیا ہے جس میں گائے پرستی کا گھٹیا عقیدہ بھی شامل ہے۔ حالانکہ شرک تمام گناہوں کا منبع اور سب سے بڑا ظلم ہے۔

{ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ } (لقمان:۱۳)

''اور جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي ﷺ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَإِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ))

(رواہ ابن ماجہ: بَابُ الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ [حسن])

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل ﷺ نے وصیت کی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور تجھے آگ میں جلا دیا جائے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْ قَتَلَ نَبِيًّا وَإِمَامُ ضَلَالَةٍ وَمُمَثِّلٌ مِّنَ الْمُمَثِّلِينَ)) (رواہ احمد: باب مسند عبداللہ بن مسعود [حسن])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو نبی نے قتل کیا یا اس نے نبی کو قتل کیا اور گمراہ امام اور تصویریں بنانے والے کو عذاب ہوگا۔''

مسائل

۱۔ یہودی تورات، قرآن اور کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے وہ صرف اپنے خود ساختہ نظریات کو مانتے ہیں۔

۲۔ قرآن مجید پہلی کتب سماوی کی تصدیق کرتا ہے۔ ۳۔ گائے پرستی شرک اور ظلم ہے۔

تفسیر بالقرآن

قتل انبیاء بدترین جرم:

۱۔ یہود انبیاء کے قاتل ہیں۔ (آل عمران: ۱۱۲) ۲۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی۔ (المؤمن: ۲۶)

۳۔ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی چڑھانے کی کوشش کی۔ (النساء: ۱۵۷)

۴۔ کفار نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ (الانفال: ۳۰)

بنی اسرائیل کے بچھڑے کا انجام:

۱۔ بچھڑا کس نے بنایا؟ (طٰہٰ: ۹۵، ۹۶) ۲۔ بچھڑا کس چیز سے بنایا گیا؟ (طٰہٰ: ۹۶)

۳۔ بچھڑا آواز نکالتا تھا۔ (طٰہٰ: ۸۸) ۴۔ بچھڑے کا انجام کیا ہوا۔ (طٰہٰ: ۹۷)

۵۔ بچھڑا پوجنے والوں پر ''اللہ'' کی لعنت برستی ہے۔ (طٰہٰ: ۸۷)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا

اور جب ہم نے لیا تم سے پختہ عہد اور ہم نے بلند کیا تمہارے اوپر کوہِ طور پکڑو

مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۚ وَاُشْرِبُوْا

جو ہم نے دیا تمہیں مضبوطی سے اور سنو وہ بولے ہم نے سنا اور ہم نہیں مانتے اور سرایت کر دیا گیا

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ

میں ان کے دل بچھڑا بسبب انکے کفر فرمادیں برا جو تمہیں حکم دیتا ہے اس کا

اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۹۳

تمہارا ایمان اگر تم ہو مومن (جمع)

''جب ہم نے تم پر طور پہاڑ کو اٹھا کر تم سے وعدہ لیا اور حکم دیا کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی سے تھام لو اور توجہ سے سنو۔ انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور نہیں مانتے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت سرایت کر گئی۔ ان سے فرما دیجیے کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم ایمان والے ہو۔'' (۹۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہود کہتے ہیں کہ ہم تو وہی مانیں گے جو ہم پر نازل ہوا یہ اس بات میں بھی سچے نہیں کیونکہ ان پر طور پہاڑ بلند کر کے عہد لیا گیا تھا اس کے باوجود انہوں نے انکار کر دیا تھا یہ ان کے شرک اور دنیا کی ہوس کا نتیجہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر آیت ۶۳ کے ساتھ ملا کر پڑھیے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جبری ہدایت کی بجائے اختیاری ہدایت کا طریقہ پسند فرمایا ہے۔ جبری ہدایت کے نظریے کی تردید کے لیے بنی اسرائیل کا عملی تجربہ پیش فرمایا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ جبری ہدایت دیر پا نہیں ہوا کرتی جب تک انسان اخلاص اور دل کی صفائی کے ساتھ حقیقت قبول نہ کرے۔ یہودیوں کے سر پر کوہِ طور اُٹھانے اور ان کے سننے اور سمجھنے کے باوجود انہوں نے ''اللہ'' کی نافرمانی کا اعلان کیا۔ جس کا بنیادی سبب شرک بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بیان فرمایا ہے کہ میں نے ہر انسان کے سینے میں دو کی بجائے ایک دل رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک دل میں توحید اور شرک، اللہ کی محبت اور غیر کی محبت بیک وقت نہیں رہ سکتی۔ اللہ کی محبت غالب ہوگی تو انسان توحید کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کی غلامی میں لذت محسوس کرے گا اور تابعداری میں آگے ہی بڑھتا جائے گا اگر غیر اللہ کی محبت غالب ہوگی تو انسان اللہ تعالیٰ سے دور اور اس کی نافرمانی کا راستہ اختیار کرے گا کیونکہ شرک توحید کے متوازی نظریے کا نام ہے اسی بنا پر یہودیوں نے بار بار اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کیونکہ ان کے دلوں میں گائے پرستی کا نظریہ گھر کر چکا تھا۔ انسان کی ہر حرکت وعمل کے پیچھے نظریہ کی قوت ہی کارفرما ہوتی ہے اور انسان ویسا ہی عمل کرتا ہے جیسے اس کی فکری قوت اس کی راہنمائی کرتی ہے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ جس طرح تمہارے عقائد ہیں جنہیں تم نے

ایمان کا درجہ دے رکھا ہے ویسے ہی تمہارے اعمال برے ہو چکے ہیں۔ جس وجہ سے تم حقیقی ایمان سے تہی دامن ہو چکے ہو۔ کیونکہ ایمان ایک ایسی چیز ہے اگر وہ مضبوط ہو تو آدمی کے کردار میں نکھار پیدا ہوتا ہے آدمی کے اعمال اچھے ہوں تو ایمان میں تازگی اور احساس بڑھتا ہے۔ آدمی کا کردار اچھا نہ ہو تو اس سے اس کا ایمان بھی متاثر ہوتا ہے۔

''حضرت حنظلہ بن ربیع اسیدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے میرا حال پوچھا۔ میں نے بتایا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انہوں نے تعجب سے کہا سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ہمیں جنت اور دوزخ کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو ہماری کیفیت ایسی ہوتی گویا کہ ہم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن جب آپ ﷺ کی مجلس سے نکل کر بیوی بچوں اور کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! ہماری بھی یہی حالت ہے چنانچہ ہم روانہ ہوئے اور رسول کریم کی خدمت میں پہنچے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حنظلہ منافق ہو گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا وہ کس طرح میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ جب ہم آپ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت اور دوزخ کے متعلق بتاتے ہیں تو ہمارا حال یہ ہوتا ہے گویا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب آپ سے علیحدہ ہو کر بیوی بچوں اور کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں تو اکثر باتیں بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر تمہاری کیفیت ہمیشہ ایسی رہے جو وعظ و نصیحت کے وقت میرے پاس ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بستروں اور راستوں میں تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن حنظلہ! ہر گھڑی مختلف ہوتی ہے یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرائی۔'' (رواہ مسلم: باب فضل دوام الذکر و الفکر)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لینے کے لیے ان پر طور پہاڑ کو بلند کیا۔
۲۔ کفر کی وجہ سے بنی اسرائیل کے دلوں میں بچھڑے کی محبت جاگزیں ہو چکی۔
۳۔ اسلام قبول کرنے کے بعد شرک کرنا برے عقیدہ کی نشانی ہے۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں کے جرائم:

۱۔ یہودی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ (آل عمران: ۱۱۷) ۲۔ اللہ کی کتاب میں تحریف کرنا ظلم ہے۔ (البقرۃ: ۷۵)
۳۔ یہودیوں کا مریم صدیقہ پر الزام لگانا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۶) ۴۔ یہودیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا دعویٰ کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۷)
۵۔ آیات اللہ کا انکار کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۳) ۶۔ یہودیوں کا انبیاء کو بغیر حق کے قتل کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۵)
۷۔ یہودیوں کا ہفتہ کے دن میں زیادتی کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۴) ۸۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۶۰)

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

فرمادیں اگر ہے تمہارے لیے آخرت کا گھر پاس اللہ خاص طور پر سے سوائے لوگ

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ

تو تم تمنا کرو موت اگر تم ہو سچے اور وہ ہرگز اس کی تمنا نہیں کریں گے کبھی اس سبب جو آگے بھیجا

اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى

ان کے ہاتھ (جمع) اور اللہ جاننے والا ظالموں کو اور البتہ تم پاؤ گے انہیں زیادہ حریص لوگ پر

حَيٰوةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا

زندگی اور سے جو لوگ انہوں نے شرک کیا چاہتا ہے ان کا ہر ایک کاش وہ عمر پائے ہزار سال اور نہیں

هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

وہ اس سے دور کرنیوالی سے عذاب یہ کہ وہ عمر دیا جائے اور اللہ دیکھنے والا جو وہ کرتے ہیں

''آپ فرمادیں کہ اگر آخرت کا گھر اللہ کے نزدیک تمہارے ہی لیے مختص ہے اور کسی کے لیے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت کی تمنا کرو۔ (۹۴) لیکن وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (۹۵) آپ انہیں سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص پائیں گے۔ یہ حرص مشرکوں سے بھی زیادہ ہے ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ کاش اسے ایک ہزار سال کی عمر دی جائے حالانکہ یہ عمر بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتی۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح دیکھ رہا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔'' (۹۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کے من گھڑت عقیدہ اور خود ساختہ دعویٰ کا جواب اور دنیا کے بارے میں ان کی حرص۔

یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم اللہ کے محبوب اور انبیاء کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو ہمارے لیے ہی بنایا اور سجایا ہے بالفرض اگر ہمیں جہنم میں جانا بھی پڑا تو یہ چند دنوں کے لیے جانا ہوگا بالآخر ہم جنت کے لیے اور جنت ہمارے ہی لیے ہے۔ ہم ہی اس کے وارث ہوں گے۔ وہ یہ بات اتنی شدّ و مد کے ساتھ کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے عوام الناس یہ سمجھ بیٹھے کہ جنت میں جانے کے لیے یہودی ہونا از حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر کسی کو جنت کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیے۔ یہ یہودیوں کے باطل عقیدہ کے اثرات ہیں کہ جس بنا پر مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو چکا ہے جس کا خیال ہے کہ آدمی کے عمل جیسے بھی ہوں جنت میں جانے کے لیے بزرگوں سے نسبت اور محبت ہی جنت میں داخلے کی ضمانت ہے۔ لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے یہود کو مخاطب کرتے ہوئے چیلنج دیا گیا ہے کہ بزعم خود اگر تم جنت کے وارث اور اللہ کے پیارے ہو تو

پھر تمہیں موت سے ڈرنے کی بجائے اس کا آرزومند ہونا چاہیے تاکہ تم اپنے رب سے ملاقات کا شرف اور جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہوسکو۔ مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ تم موت کے تصور سے کانپتے اور دنیا کی لذّت کی خاطر ہر ذلت برداشت کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہو۔ تم اپنے نظریے اور جنت کی خاطر کوئی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں ہو حالانکہ جس آدمی کے سامنے ایک مقصد اور منزل ہوتی ہے وہ تو اس کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ تم تو موت کے بارے میں مشرکوں سے بھی زیادہ ڈرتے ہو حالانکہ زندگی ہزار سال ہو یا اس سے زیادہ۔ وہ مجرم کو خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتی اور نہ ہی زندگی کے طویل ہونے سے انسان کا کوئی گوشہ حیات خدائے علیم وبصیر سے اوجھل ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پل پل کی خبر رکھنے والا اور تمہاری جلوت وخلوت سے خوب واقف ہے۔

((عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزَعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِي قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ فَقَالَ قَائِلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ)) (رواہ ابوداؤد: کتاب الملاحم [صحیح])

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ قومیں تمہارے خلاف ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں جیسے میزبان کھانے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پوچھنے والے نے عرض کی: کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی آپ نے فرمایا: بلکہ تم اس وقت بہت زیادہ ہوگے لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے تنکوں جیسی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رعب تمہارے دشمن کے دلوں سے نکال دے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا: اللہ کے رسول وہن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔''

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ قَالَتْ عَائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذَاكِ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ)) (رواہ البخاری: باب، من أحب لقاء اللہ أحب اللہ لقاءہ)

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی نے کہا کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بات یہ نہیں حقیقت یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت ہوتا ہے تو اس کو اللہ کی رضامندی اور انعام واکرام

کی بشارت دی جاتی ہے۔ بشارت کے پیش نظر موت اسے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اس وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور گرفت کی وعید سنائی جاتی ہے۔ یہ وعید اسے اپنے سامنے چیزوں سے سب سے زیادہ ناپسند ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

جہاں تک بزرگوں سے نسبت اور محبت کا تعلق ہے اگر ان کے صالح اعمال وتعلیمات کو نہ اپنایا جائے تو یہ نسبتیں اور محبتیں کوئی کام نہ آئیں گی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِيْنَ أَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ قَالَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ لَآ أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَآ أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَاعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَآ أُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَاصَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللهِ لَآ أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَافَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَاشِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَآ أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا))(رواہ البخاری: باب ھل یدخل النساء والولد فی الأقارب)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ کرلو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا، اے بنی عبدِ مناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکوں گا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا اور اے صفیہ رسول کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا اور اے فاطمہ بنتِ محمد! میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔''

مسائل

۱۔ شرک اور دنیا کی بے جا محبت آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔

۲۔ مشرک اور یہودی دنیا کے بارے میں سب سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

موت یقینی ہے:

۱۔ ہر شے فنا ہو جائے گی۔ (الرحمن: ۲۶، القصص: ۸۸) ۲۔ قلعہ بند ہونے کے باوجود موت نہیں چھوڑتی۔ (النساء: ۷۸)

۳۔ موت کی جگہ اور وقت مقرر ہے۔ (الاعراف: ۳۴) ۴۔ پہلے انبیاء فوت ہوئے۔ (آل عمران: ۱۴۴)

۵۔ رسول اللہ ﷺ بھی موت سے ہمکنار ہوں گے۔ (الزمر: ۳۰)

قُلْ	مَنْ	كَانَ	عَدُوًّا	لِّجِبْرِيْلَ	فَاِنَّهٗ	نَزَّلَهٗ	عَلٰى
فرمادیں	جو	ہو	دشمن	جبرئیل کا	تو بیشک اس نے	اس کو اتارا	پر
قَلْبِكَ	بِاِذْنِ	اللّٰهِ	مُصَدِّقًا	لِّمَا	بَيْنَ يَدَيْهِ	وَهُدًى
تیرا دل	حکم کیساتھ	اللہ	تصدیق کرنے والا	اسکی جو	اس سے پہلے	اور ہدایت
وَّبُشْرٰى	لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾	مَنْ	كَانَ	عَدُوًّا	لِّلّٰهِ	وَمَلٰٓئِكَتِهٖ	وَرُسُلِهٖ
اور خوشخبری	ایمان والوں کے لیے	جو	ہو	دشمن	اللہ کا	اور اس کے فرشتے	اور اس کے رسول
وَجِبْرِيْلَ	وَمِيْكٰلَ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	عَدُوٌّ	لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾
اور جبرئیل	اور میکائیل	تو بیشک	اللہ	دشمن	کافروں کا

''اے رسول آپ فرمادیجیے! جو جبرائیل کا دشمن ہو بلاشک اسی نے ہی تو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔ (۹۷) جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو بلاشبہ ایسے کافروں کا اللہ بھی دشمن ہے۔'' (۹۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کے دیگر حیلوں کے ساتھ یہ حیلہ اور بہانہ بھی تھا کہ جبریل ہمارے ذاتی دشمن ہیں جس کی وجہ سے ہم رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتے۔ یہاں اس بات کا جواب دیا گیا ہے۔

بیّن حقائق اور ٹھوس دلائل کا مسلسل انکار کرنے کی وجہ سے یہود اس قدر بدحواس ہو چکے تھے کہ وہ نبی ﷺ سے پوچھتے ہیں اچھا یہ بتائیں کہ آپ پر کون سا فرشتہ وحی لاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام جو ملائکہ کا امانت دار سردار اور اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ پسندیدہ اور مقرب فرشتہ ہے۔ یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات لایا اور اسی نے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری۔ یہودی جبریل امین علیہ السلام کا نام سنتے ہی کہنے لگے اب تو آپ پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جبرائیل تو ہمارا ازلی دشمن ہے۔ اس نے ہمارے بزرگوں کے سروں پر کوہ طور رکھا تھا اور یہی ہمیں مشکلات اور عذاب میں مبتلا کرتا رہا ہے۔ ہاں اگر میکائیل ہوتے تو کچھ غور کیا جاسکتا تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جبرئیل امین ہو یا میکائیل پیغام رسانی کا سلسلہ ہو یا قہر الٰہی کا معاملہ۔ جو کچھ بھی جبرائیل امین نے کیا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے۔ جبرائیل امین سے دشمنی دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام ملائکہ سے دشمنی رکھنے کے مترادف ہے کیونکہ حضرت جبرائیل اور ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کرتے۔ اگر تمہارے آباء واجداد پر عذاب نازل ہوا تو یہ ان کے اعمال کا نتیجہ تھا اور تم اسی روش پر چلتے رہے تو تمہارا انجام ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ یہودی اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے حضرت

جبرائیل علیہ السلام کی اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ جب جبرائیل امین کو مشکوک ثابت کر دیں گے تو محمد ﷺ کی نبوت کا معاملہ از خود ختم ہو جائے گا۔ ہمارے ہاں بھی یہودیوں کی طرح کچھ نام نہاد مسلمان اہلِ بیت کا نام لے کر مختلف بہانے بنا کر خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کرام کی تحقیر کرتے ہیں تا کہ اسلام کی پوری تاریخ کو مسخ کر دیا جائے۔ کچھ لوگ حدیث کے ذخیرہ کو مشکوک بنانے کی سعی لا حاصل میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ قرآن کے ہوتے ہوئے ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں۔ قرآن ہی کافی ہے۔ اسی سازش کا تسلسل ہے کہ اسلام دشمن لوگ چند علماء کو نشانہ بنا کر علمائے حق کو بدنام کرتے ہیں تا کہ دین کے سپوتوں کو لوگوں کی نظروں میں حقیر اور مشکوک کر دیا جائے جس بنا پر لوگ از خود اسلام سے دور ہو جائیں گے۔ اس آیت کے آخر میں فرمایا جا رہا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ قرآن آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر اتارا ہے۔ جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور تسلیم و رضا اختیار کرنے والوں کو ہدایت اور خوشیوں کا پیغام دیتا ہے۔ کیونکہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام رساں اور نمائندہ ہے کسی کے نمائندہ کے ساتھ دشمنی اصل اتھارٹی کے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہوتی ہے جس کا دفاع یا بدلہ لینا اتھارٹی کی ذمہ داری بنتی ہے اسی بنیاد پر نبی محترم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی تھی اور اسی وجہ سے آپ نے اردن میں موتہ کے مقام پر تین ہزار کا لشکرِ جرار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زیر کمان بھیجا۔ کیونکہ شرجیل بن عمرو غسانی نے آپ کے نمائندے حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا جو اس زمانے میں اعلانِ جنگ سے بڑھ کر اقدام تصور کیا جاتا تھا لہٰذا اس کا بدلہ لینا آپ ﷺ نے اپنی ذمہ داری سمجھی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید حضرت جبریل کے ذریعے جناب محمد ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل کیا۔
۲۔ قرآن مجید مومنوں کو دنیا و آخرت میں خوشخبری کا پیغام دیتا ہے۔
۳۔ انبیاء، ملائکہ، میکائیل اور حضرت جبریل امین علیہم السلام سے دشمنی رکھنا اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھنے کے مترادف ہے۔
۴۔ جبریل امین ملائکہ کے سردار ہیں۔

تفسیر بالقرآن

جبریل امین علیہ السلام کا مرتبہ و مقام:

۱۔ جبریل علیہ السلام ملائکہ کے سردار ہیں۔ (التکویر: ۲۱) ۲۔ جبریل علیہ السلام مقرب ترین فرشتہ ہے۔ (النجم: ۸)
۳۔ جبریل علیہ السلام طاقتور فرشتہ ہے۔ (النجم: ۵) ۴۔ جبریل علیہ السلام دیانت دار ہیں۔ (الشعراء: ۱۹۳)
۵۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر قرآن اتارا ہے۔ (البقرۃ: ۹۷)
۶۔ شب قدر کی رات فرشتے اور جبریل اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔ (القدر: ۴)
۷۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام ملائکہ کے سردار ہیں۔ (نبا: ۳۸)

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ

اور تحقیق ہم نے اتاری آپکی طرف نشانیاں واضح اور نہیں انکار کرتے اس کا

اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ

مگر نافرمان کیا جب بھی انہوں نے عہد کیا کوئی عہد توڑ دیا اس کو ایک فریق ان سے

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ

بلکہ اکثر ان کے نہیں ایمان رکھتے اور جب آیا انکے پاس ایک رسول سے طرف

اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ تصدیق کرنیوالا اسکی جو ان کے پاس پھینک دیا ایک فریق سے جو لوگ دیے گئے

الْكِتٰبَ ۘ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

کتاب اللہ کی کتاب پیچھے اپنی پیٹھ گویا کہ وہ نہیں جانتے

''اور یقیناہم نے آپ کی طرف دلائل بھیجے جن کا انکار نافرمانوں کے سوا کوئی نہیں کرتا۔(۹۹) یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر مانتے ہی نہیں۔(۱۰۰) جب ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں تھے۔''(۱۰۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ مضمون کا تسلسل جس میں یہودیوں کا کردار پیش کیا جارہا ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! ہم نے آپ کی طرف واضح ہدایت اور احکامات نازل فرمائے۔ اس کے باوجود یہ لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہورہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات میں کوئی الجھاؤ اور پیچیدگی پائی جاتی ہے ایسا ہرگز نہیں ہماری ہدایات تو بدرِ منیر کی طرح روشن اور اس کے دلائل ناقابل تردید ہیں۔ ایسی ہدایات اور بیّن دلائل کا انکار تو وہی لوگ کرتے ہیں جنہوں نے دانستہ طور پر نافرمانی کا وطیرہ اپنا لیا ہو۔ ان کی تاریخ یہ ہے کہ جب بھی ان سے عہد لیا گیا تو ان کی اکثریت نے اس عہد کو توڑ دیا۔ جب بھی اس وعدے کی یاد دہانی اور تجدید عہد کے لیے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ان کے پاس آئے تو ان کے ایک طبقہ نے حقائق جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام سے اس طرح روگردانی اور ایسی لاپرواہی کے ساتھ اسے پسِ پشت ڈالا جیسا کہ ان کے پاس کوئی ہدایت پہنچی ہی نہیں۔ انسان کی اخلاقی پستی کی اس وقت انتہا ہوجاتی ہے جب اسے اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات کا پاس اور کیے ہوئے وعدہ کا احترام نہ رہے۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا

عَهْدَ لَهُ)) (رواہ احمد: باب مسند أنس بن مالک [صحیح])

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جب بھی خطبہ ارشاد فرمایا آپ نے یہ کلمات ضرور ارشاد فرمائے جو امانت دار نہیں وہ ایماندار نہیں اور جو عہد کا پاسدار نہیں وہ دیندار نہیں۔''

عہد شکن کی سزا:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ))

(رواہ البخاری: باب إذا غصب جارية فزعم أنها ماتت فقضي بقيمة)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہر غدار کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کرنا پرلے درجے کی نافرمانی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے احکام بڑے واضح اور بیّن ہیں۔
۳۔ یہودی پرلے درجے کے عہد شکن اور کتاب اللہ سے پیٹھ پھیرنے والے ہیں۔
۴۔ یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ ۵۔ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ ایمان سے تہی دامن ہوا کرتی ہے۔
۶۔ یہود و نصاریٰ اپنے تصدیق کرنے والے کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

تفسیر بالقرآن

عہد شکن کون اور اس کی سزا؟

۱۔ کافر عہد کی پروا نہیں کرتا۔ (الانفال: ۵۶) ۲۔ بنی اسرائیل عہد شکن تھے۔ (النساء: ۱۵۵)
۳۔ فاسق عہد شکن ہوتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۷) ۴۔ عہد شکنی کے باعث آدمی ملعون اور اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ (المائدۃ: ۱۳)
۵۔ عہد شکن کو آخرت میں عذاب ہوگا۔ (الرعد: ۲۵)
۶۔ عہد شکن اور دغاباز لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے۔ (الانفال: ۵۶، ۵۷)

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا

اورانہوں نے پیروی کی جو پڑھتے تھے شیطان پر بادشاہت سلیمان اور نہ

كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ

کفر کیا سلیمان اور لیکن شیطان (جمع) انہوں نے کفر کیا وہ سکھاتے لوگ جادو

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ

اور جو نازل کیا گیا پر دوفرشتے بابل میں ہاروت اور ماروت اور نہ وہ دونوں سکھاتے

مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

سے کوئی ایک یہاں تک وہ کہہ دیتے صرف ہم آزمائش پس تو کفر نہ کر

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ

سو وہ سیکھتے ان دونوں سے جو وہ جدائی ڈالتے اس سے خاوند کے درمیان اور اس کی بیوی

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اور نہیں وہ نقصان پہنچانیوالے اس سے سے کوئی ایک مگر حکم سے اللہ

''اور وہ اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین حضرت سلیمان کی مملکت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہیں کیا تھا۔ یہ کفر تو شیطان کرتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے جو بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا۔ وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش میں ہیں تو کفر نہ کر۔ پھر بھی لوگ ان سے وہ چیزیں سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں اور درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سوا کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب اپنے باطل نظریات کو ہی انبیاء کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی بداعمالیاں بھی انبیاء کے ذمہ لگاتے ہیں جیسے کہ انہوں نے جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ لگا رکھا ہے۔

آیت کے پہلے حصے کے بارے میں بنی اسرائیل کی روایات کی بنا پر بعض مفسرین نے بڑی بے ہودہ باتیں درج کی ہیں جن کا عقل و نقل کے ساتھ دور کا بھی واسطہ دکھائی نہیں دیتا البتہ بنیادی اختلاف اہلِ علم کا یہ ہے کہ جو لوگ دوسرے ''ما'' کو نافیہ بناتے ہیں ان کے نزدیک معنیٰ یہ بنتا ہے کہ ہاروت اور ماروت فرشتے ہونے کی بجائے شیطان تھے۔ جن کے ہاں لفظ ''ما'' موصولہ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جادو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا۔ ہم دونوں تفاسیر پیش کر رہے ہیں تاکہ قارئین کو دونوں کا نقطۂ نگاہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ اہل علم کے نزدیک قرآن مجید کا یہ مقام بھی مشتبہات میں سے ہے۔

وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ

اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور انہیں نفع نہ دے اور تحقیق وہ جان چکے جس نے یہ خریدا

مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ

نہیں اس کیلئے آخرت میں سے حصہ اور البتہ برا جو انہوں نے بیچا اس سے

اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

اپنے آپ کو کاش وہ جانتے ہوتے اور اگر بیشک وہ وہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بن جاتے

لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۲ ۱۲

تو جگہ پاتے سے پاس اللہ بہتر کاش وہ ہوتے جانتے

یہ لوگ وہ کچھ سیکھتے تھے جو انہیں نقصان پہنچاتا اور انہیں نفع نہیں دیتا تھا وہ جانتے تھے کہ اس کے خریدار کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں کاش کہ وہ اسے جانتے۔ (۱۰۲) اگر یہ لوگ صاحب ایمان اور پرہیز کرنے والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ثواب پاتے کاش کہ وہ اسے جان لیتے۔'' (۱۰۳)

تفہیم القرآن:

اس آیت کی تاویل میں مختلف اقوال ہیں مگر جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں بنی اسرائیل کی پوری قوم بابل میں قیدی اور غلام بنی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسانی شکل میں ان کی آزمائش کے لیے بھیجا ہوگا جس طرح قوم لوط کے پاس فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں گئے تھے، اسی طرح ان اسرائیلیوں کے پاس وہ پیروں اور فقیروں کی شکل میں گئے ہوں گے۔ وہاں ایک طرف انہوں نے بازارِ ساحری میں اپنی دکان لگائی ہوگی اور دوسری طرف وہ اتمامِ حجت کے لیے ہر ایک کو خبردار بھی کرتے ہوں گے کہ دیکھو، ہم تمہارے لیے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں، تم اپنی عاقبت خراب نہ کرو مگر اس کے باوجود لوگ ان کے پیش کردہ عملیات اور نقوش و تعویذات پر ٹوٹ پڑتے ہوں گے۔ فرشتوں کے انسانی شکل میں آ کر کام کرنے پر کسی کو حیرت نہ ہو وہ سلطنتِ الٰہی کے کارپرداز ہیں اپنے فرائضِ منصبی کے سلسلے میں جس وقت جو صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے اختیار کر سکتے ہیں۔ ہمیں کیا خبر کہ اس وقت بھی ہمارے گرد و پیش کتنے فرشتے انسانی شکل میں آ کر کام کر جاتے ہوں گے۔ رہا فرشتوں کا ایک ایسی چیز سکھانا جو بجائے خود بری تھی، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے پولیس کے بے وردی سپاہی کسی رشوت خوار حاکم کو نشان زدہ سکّے اور نوٹ رشوت کے طور پر دیتے ہیں تاکہ اسے عین حالتِ ارتکابِ جرم میں پکڑیں اور اس کے لیے بے گناہی کے عذر کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔

تفسیر ثنائی:

جو ترجمہ میں نے اختیار کیا ہے وہی قرطبی نے پسند کیا ہے چنانچہ تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ میں مذکور ہے مولانا

نواب محمد صدیق حسن خان صاحب مرحوم نے بھی نقل کیا ہے بلکہ ترجیح دی ہے کہ ہاروت و ماروت شیاطین سے بدل ہے جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ شیاطین سے دو شخص ہاروت و ماروت مراد ہیں اگر قرآن مجید کی آیات پر غور کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلی آیات میں خدا نے شیاطین کا فعل تعلیم سحر فرمایا ہے۔ ''یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ'' دوسری میں اسی تعلیم سحر کی کیفیت بتلائی ہے یعنی ''وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ'' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں تعلیمات کے معلم ایک ہی ہے یعنی شیاطین، کیونکہ یہ نہایت قبیح اور فصاحت کے خلاف ہے کہ مجمل فعل کے ذکر کے موقع پر تو ایک کو فاعل بتلایا جائے اور تفصیل کے موقع پر کسی اور کو بتلایا جائے۔ رہا یہ سوال کہ یہ مبدل منہ جمع ہے یعنی شیاطین اور بدل تثنیہ ہے یعنی ہاروت ماروت سو اس کا جواب یہ ہے کہ مبدل میں جمعیت باعتبار اتباع کے ہیں اور بدل تثنیہ باعتبار ذات کے ہے۔

ضیاء القرآن:

اس آیت میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ اس میں ''ما'' نافیہ ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود کا یہ کہنا کہ جادو بھی آسمان سے فرشتوں پر نازل ہوا اور فرشتوں نے ہی ہمیں یہ سکھایا اس لیے یہ بھی صحائف آسمانی کی طرح آسمانی چیز ہے اور مقدس ہے۔ یہود کا یہ کہنا سراسر باطل ہے ''وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ'' فرشتوں پر ہرگز کوئی جادو نازل نہیں کیا گیا۔ ہاروت اور ماروت بدل بعض ہوگا شیاطین سے یعنی شیاطین جن کے سرکردوں کے نام ہاروت اور ماروت ہیں وہ جادو سکھایا کرتے تھے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ''ہٰذَا اَوْلٰی مَا حُمِلَتْ عَلَیْہِ الْاٰیَۃِ مِنَ التَّاْوِیْلِ وَ اَصَحَّ مَا قِیْلَ فِیْہَا وَ لَا یَلْتَفِتُ اِلٰی سِوَاہُ'' یعنی آیت کی یہی تاویل کرنا چاہیے۔ یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے اور اس کے علاوہ کسی قول کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے واقعی اس تاویل سے کئی شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ''مَا اُنْزِلَ'' میں ما موصولہ ہے اور اس کا عطف اِتَّبَعُوْا کے تحت ہے یعنی یہودی فلسطین میں مروج جادو پر بھی عمل پیرا تھے اور جب بختِ نصر بیت المقدس کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو جنگی قیدی بنا کر بابل لے گیا تو بجائے اس کے کہ اس کفر و الحاد کی بجائے دنیا میں وہ توحید کی تبلیغ کرتے الٹا وہاں کے لوگوں سے انہوں نے جادو سیکھا اور اس پر بھی عمل پیرا ہوئے۔ اب یہاں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ ہاروت و ماروت جو معصوم فرشتے تھے انہیں کیونکر جادو کی تعلیم دینے کے لیے بابل میں اتارا گیا تو اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں خصوصاً بابل کی مملکت میں جادو کا بہت رواج تھا جادو کے زور سے لوگ طرح طرح کے کرشمے دکھاتے جس سے سادہ لوح لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔ ان کے نزدیک جادو اور معجزہ میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا بلکہ وہ جادو کو علم کی ایک مفید ترین شاخ تصور کرنے لگے تھے اور جادو گروں کو مقدس ماننے لگے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے نازل کیے جو لوگوں کو جادو کی اصلیت سے آگاہ کریں تاکہ وہ آسانی سے جادو کی فریب کاری اور معجزہ کی حقیقت میں تمیز کر سکیں اور اگر انہوں نے جادو سیکھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو یہ ان کی اپنی غلطی تھی فرشتے تو انہیں صاف طور پر بتا دیتے کہ ہمیں تو فقط تمہاری آزمائش کے لیے بھیجا گیا ہے اگر تم نے جادو پر

عمل شروع کر دیا تو خوب سن لو کہ ایمان رخصت ہو جائے گا اور کافر ہو جاؤ گے۔

فہم القرآن:

قرآن مجید یہودیوں کی تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے بتلاتا ہے کہ یہودی اس قدر دولتِ انصاف سے تہی دامن ہو گئے کہ اپنی حمایت میں آنے والے پیغمبروں کی تائید بھی ان کی طبیعتوں پر گراں اور ناگوار ثابت ہوئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اس طرح پس پشت ڈالا اور اس حد تک لاپرواہی کا مظاہرہ کیا جیسا کہ کتاب ہدایت کے ساتھ ان کی کبھی نسبت ہی نہیں تھی آسمانی ہدایت سے محروم ہونے کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جادو اور کفریہ وظائف کرنے لگے اور پھر اس کو عظیم پیغمبر اور منصف ترین حکمران جناب سلیمان علیہ السلام کے دامن پاک پر یہ کہہ کر داغ لگانے کی کوشش کی کہ وہ بھی تو جادو کے ذریعے ہی ہواؤں اور فضاؤں پر حکومت کیا کرتے تھے جس کی وضاحت کرتے ہوئے اس کتاب عظیم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی صفائی پیش کرنے کے ساتھ جادو کی حقیقت بتلائی جا رہی ہے کہ جادو تو کفر ہے اور سلیمان علیہ السلام ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

بے شک مولانا مودودی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے ہاروت اور ماروت سے مراد فرشتے لیے ہیں، لیکن میرا رجحان ان مفسرین کی طرف ہے جنہوں نے ہاروت، ماروت سے مراد شیطان لیے ہیں اس لئے قرآن مجید نے جادو کو کفر قرار دیا ہے کیونکہ کسی کو آزمانے کے لیے کفریہ کلمے کہنے جائز نہیں۔

جادو کی تاریخ:

اہلِ لغت، مفسرین اور محدثین نے تحریر فرمایا ہے کہ جادو ایسا عجیب وغریب علم اور فن ہے جس سے سب سے پہلے لوگوں کی فکر ونظر کو متاثر کیا جاتا ہے اسی بناء پر انبیاء کرام علیہم السلام پر لگنے والے الزامات میں ایک سنگین الزام یہ بھی ہوا کرتا تھا کہ یہ رسول نہیں بلکہ جادوگر ہے۔ انبیاء کے مخالف اسی الزام کی بنیاد پر بہت سے لوگوں کو ان سے دور رکھنے میں کامیاب ہوا کرتے تھے کیونکہ ہر نبی کی گفتگو اس قدر مؤثر اور مدلّل ہوا کرتی تھی جس سے لوگوں کی سوچ کے زاویے تبدیل ہو جایا کرتے تھے اس لیے مخالف یہ کہہ کر لوگوں میں پروپیگنڈا کرتے کہ اس نبی کے قریب ہونے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ اس کی زبان میں جادو ہے۔

جادو کا معنیٰ:

عربی ڈکشنری کے حوالے سے اہل لغت نے سحر کے کئی معانی بیان کیے ہیں۔

سحر ایسا عمل جس کے ذریعے شیطان کی قربت یا اس کی مدد طلب کی جائے۔

الازھری کا خیال ہے کسی چیز کو اس کی اصلیت سے بدل دینے کا نام سحر ہے۔ (تہذیب اللغۃ)

صاحب المعجم الوسیط سحر کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایسا علم جس کی بنیاد انتہائی لطیف ہو۔

محیط المحیط کے مصنف لکھتے ہیں کہ سحر ایسا فن ہے جس سے کسی چیز کو اس طرح پیش کیا جائے جس سے لوگ ششدر رہ جائیں۔

شریعت کے حوالے سے علماء نے جادو کی مختلف تشریحات کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

''اَلسِّحْرُ هُوَ عَقْدٌ وَرُقًى وَكَلَامٌ يُتَكَلَّمُ بِهٖ اَوْ يَكْتُبُهٗ اَوْ يَعْمَلُ شَيْئًا يُؤَثِّرُ فِيْ بَدَنِ الْمَسْحُوْرِ اَوْ قَلْبِهٖ اَوْ

عَقْلِهٖ'' (المغنی لابن قدامه)

''جادو! گرہ، دم اور ایسی تحریر یا حرکات پر مشتمل ہوتا ہے جس کے ذریعے دوسرے کے وجود اور دل و دماغ پر اثر انداز ہوا جاتا ہے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ جادو کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' وَالسِّحْرُ هُوَ مُرَكَّبٌ مِّنْ تَأْثِيْرَاتِ الْاَرْوَاحِ الْخَبِيْثَةِ وَانْفِعَالِ الْقُوَى الطَّبِيْعِيَّةِ عَنْهَا'' (زاد المعاد)

''جادو خبیث جنات کے ذریعے کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ خبیث جنات سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ جس سے لوگوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔''

جادو کی اقسام:

مشہور مفسر امام رازی رحمہ اللہ نے جادو کو آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کی تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جادوگروں نے اپنے فن کے لیے کون کون سے طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔

جادو کوئی مستقل اور مستند علم نہیں کہ جس کو کرنے کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین کیا گیا ہو کیونکہ جادو تصنع بازی کا نام ہے اس لیے ہر دور میں اس کی کرشمہ سازی اور اثر انگیزی میں اضافہ کرنے کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد کیے گئے۔ مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ:

۱۔ کفریہ، شرکیہ الفاظ کے ہیر پھیر کے ذریعے جادو کرنا۔

۲۔ برے لوگوں، خبیث جنات اور شیاطین کے ذریعے کسی پر اثر انداز ہونا۔

۳۔ علم نجوم کے ذریعے غیب کی خبریں دینا اور دوسرے کو متاثر کرنا۔

۴۔ توجہ سمریزم کی مخصوص حرکات، (ہپناٹزم) کے ساتھ حواس خمسہ کو قابو کرنا۔

جادو کے انگلش میں نام:

کالا جادو Black Magic سفید جادو White Magic قوت ارادی Will Power

توجہ مرکوز کرنا oncentrate Pay heed, Pay attention

مسمریزم Spell pound Force to concentrate by magic

توجہ دینا، توجہ دلانا = Concentrate = Focus

جادوگر بننے کے گھٹیا طریقے:

غلط وظائف، بھرپور شعبدہ بازی اور فنی مہارت کے باوجود جادوگر اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک جادوگر اللہ تعالیٰ کی کسی حلال کردہ چیز کو اپنے لیے حرام قرار نہ دے۔ اس کے ساتھ ہی اسے خاص قسم کی غلاظت اور بدترین قسم کا گناہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے جادوگر مرد ہو یا عورت اس سے خاص قسم کی بو آیا کرتی ہے۔ یہ لوگ جسمانی طور پر جس قدر گندے ہوں گے اسی رفتار سے ان کے شیطانی عمل دوسروں پر اثر انداز ہوں گے یہی وجہ ہے کہ ایک جادوگر اپنے شاگرد کو اپنا پیشاب

پینے کا سبق دیتا ہے اور دوسرا پاخانہ کھانے کا حکم دیتا ہے اور کوئی غسلِ واجب سے منع کرتا ہے۔ گویا کہ کوئی نہ کوئی غلاظت اختیار کرنا جادوگر کے لیے ضروری ہے۔ البتہ آج کل لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس قسم کی باتیں چھپاتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر جادو اثر انداز نہیں ہوتا۔ بے شک جادہ کتنا اچھا لباس پہنے ہوئے ہو۔ اس طرح ہی جادو کفریہ اور شرکیہ وظائف کے بغیر اثر انداز نہیں ہوتا۔

جادو کی فتنہ انگیزیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام جادو سے خوف زدہ ہو گئے:

{ وَ جَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝۴۱ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۴۲ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝۴۳ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝۴۴ } (الاعراف:۱۱۳ تا ۱۱۶)

''جادوگر فرعون کے پاس آ کر کہنے لگے اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہمیں صلہ بھی ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں میرے دربار میں منصب ملیں گے۔ پھر جادوگر کہنے لگے موسیٰ تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم ہی ڈالو۔ پھر انہوں نے اپنی رسیاں وغیرہ پھینکیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور لوگ ان سے دہشت زدہ ہو گئے کیونکہ وہ زبردست جادو کے ساتھ آئے تھے۔''

{ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝۶۴ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝۶۵ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝۶۶ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝۶۷ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝۶۸ } (طٰہٰ:۶۴ تا ۶۸)

''اپنی سب تدبیریں جمع کرو اور متحد ہو کر مقابلہ میں آؤ اور سمجھ لو کہ آج جو غالب رہا وہ جیت گیا۔ کہنے لگے موسیٰ تم ڈالتے ہو یا پہلے ہم ڈالیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تم ہی ڈالو'' پھر ان کے جادو کے اثر سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں یک دم دوڑنے لگی ہیں۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں خوف زدہ ہو گئے ہم نے موسیٰ سے کہا: ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثرات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً ۶۰ سال ہو چکی تھی یہود و نصاریٰ اور اہل مکہ ہر طرف سے ناکام و نامراد ہو گئے۔ تب اہل یہود نے آپ کی ذات پر جادو کے ذریعے اثر انداز ہونے کی کوشش کی جس کے لیے لبید بن اعصم نے اپنی بہنوں یا بیٹیوں سے مل کر کسی طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال حاصل کیے اور ان میں گرہیں ڈالتے ہوئے کھجور کے گابے کا ایک پتلا بنا کر ہر گرہ میں ایک ایک سوئی داخل کر دی اور ان پر جادو کیا۔ اس جادو کے اثرات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ایک مہینہ تک مضمحل رہی۔ اس تکلیف کے آخری ایام میں آپ رات کو بھی بے سکونی محسوس کرتے تھے۔ اس کیفیت کو

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس طرح بیان کرتی ہیں کہ جب آپ ﷺ صلح حدیبیہ سے واپس لوٹے تو آپ پر جادو کا شدید ترین حملہ ہوا جس کا آپ کے ذہن پر یہ اثر ہوا کہ آپ خیال کرتے کہ میں یہ کام کر چکا ہوں جبکہ آپ نے وہ کام کیا نہیں ہوتا تھا۔ اس صورتِ حال میں آپ اللہ کے حضور اٹھتے بیٹھتے دعائیں کرتے، بالآخر آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اس کربناک صورتِ حال سے آگاہ کر دیا گیا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: عائشہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تکلیف سے نکلنے کی تدبیر بتا دی ہے۔ اب میں اس سے شفایاب ہو جاؤں گا وہ اس طرح کہ میرے پاس خواب میں دو فرشتے آئے ان میں ایک میرے سر کی طرف اور دوسرا پاؤں کی طرف کھڑا ہوا۔ ایک نے دوسرے سے میری تکلیف کے بارے میں پوچھا۔ وہ جواب دیتا ہے۔ آپ ﷺ کو جادو ہو گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا جادو کس نے کیا؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کس چیز سے جادو کیا گیا ہے؟ دوسرے نے کہا آپ ﷺ کے بالوں اور نر کھجور کے خوشے میں کیا گیا ہے۔ یہ کہاں رکھا گیا ہے؟ فلاں ویران کنویں میں رکھا ہوا ہے۔

اس خواب کے بعد رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ اس کنویں کے درختوں سے بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔ جب وہ پتلا وہاں سے نکالا گیا تو حضرت جبرائیل امین تشریف لائے انہوں نے بالوں کی گرہیں کھولنے اور جادو کے اثرات ختم کرنے کے لیے فرمایا آپ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی ایک ایک آیت پڑھتے جائیں یہ گیارہ آیات ہیں اس طرح گیارہ گرہیں کھولتے ہوئے سوئیاں نکال دی جائیں۔ آپ کی نگرانی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا تو آپ ﷺ کی طبیعت اس طرح ہشاش بشاش ہو گئی جس طرح کسی جکڑے ہوئے انسان کو کھول دیا جائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کا معمول تھا کہ رات سوتے وقت ان سورتوں کی تلاوت کر کے جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچتے اپنے آپ کو دم کیا کرتے تھے جس کی تفصیل معوذات کے باب میں بیان کی جائے گی۔ (رواہ البخاری: کتاب الطب، باب السحر)

اس واقعہ پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات:

غیر مسلم اور منکرین حدیث اس واقعہ پر اعتراضات کرتے ہوئے درج ذیل سوالات اور شبہات پیدا کرتے ہیں:

اعتراض:

آپ ﷺ پر جادو کے اثرات تسلیم کر لیے جائیں تو کفار کے اس اعتراض کا جواب دینا مشکل ہو گا۔

{ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸ } (الفرقان:۸)

''اور ظالموں نے کہا کہ تم صرف ایک جادو کے مارے ہوئے آدمی کی پیروی کرتے ہو۔''

جواب:

۱۔ اہل مکہ نے آپ ﷺ پر جادو ہونے کا الزام نبوت کے ابتدائی دور میں لگایا تھا اور یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں صلح حدیبیہ کے بعد نبوت کے بیسویں سال پیش آیا یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی شخص نے اپنی تائید کے لیے اوپر دلیل کو پیش نہیں کیا۔

۲۔ نبی پر جادو ہونا ناممکن نہیں کیونکہ آپ ﷺ زندگی میں بیمار بھی ہوئے اور غزوہ احد میں زخمی بھی ہوئے تھے بحیثیت

انسان زندگی میں آپ کو متعدد بار روحانی پریشانیاں اور جسمانی تکالیف بھی اٹھانی پڑی تھیں۔ لہٰذا آپ ﷺ پر جادو کا اثر انداز ہونا عقل وفکر اور فطرت کے خلاف نہیں۔

۳۔ جادو کے اثرات نبوت کے امور پر اثر انداز نہیں ہوئے تھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کار نبوت کی ادائیگی کا ذمہ لیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تکلیف کے دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے کوئی مسئلہ پہلے سے الٹ بیان کر دیا ہو۔

جادو، ٹونے کا شرعی علاج

جو شخص جادو یا جنات کے اثرات محسوس کرے اسے درج ذیل اقدامات کرنے چاہییں۔ کیونکہ دین نے ایسا کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے۔

طہارت کا اہتمام:

طہارت اور صفائی کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور ہر وقت باوضو رہنا سنّت بھی ہے اور مفید بھی۔

خوشبو کا استعمال:

خوشبو سنت سمجھ کر لگائیں گے تو دنیا میں شفا اور آخرت میں جزا ملے گی۔

تلاوتِ قرآن مجید اور کثرتِ ذکر:

ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے خاص کر گھر میں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھنا۔ یاد رکھیے کہ قرآن مجید کی تلاوت کم از کم اتنی آواز میں ہونی چاہیے کہ پڑھنے والے کو قرآن مجید کے الفاظ سنائی دیں۔

دَم:

سورۃ البقرۃ، آیت الکرسی اور آخری تین سورتیں یعنی معوذات کے ساتھ صبح، شام تین تین مرتبہ پڑھ کر اپنے آپ کو دم کرنا سنت ہے۔

مسلسل دُعا:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سُحِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى أَنَّهُ لَيُخَيَّلُ لَهُ))

(رواہ احمد: باب مسند عائشہ رضی اللہ عنہا [صحیح])

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر جب جادو ہوا تو آپ بار بار اللہ تعالیٰ سے جادو کے اثرات کو ختم کرنے کی دعا کرتے تھے۔ لہٰذا ایسی صورت حال میں مریض کو اٹھتے بیٹھتے ہر وقت دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کے حضور اس مصیبت سے نجات کی التجائیں کرنی چاہیں۔''

اذان دینا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ))

(رواہ البخاری: باب فضل التأذین)

''اثرات زدہ گھر میں اذان کہنی چاہیے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اذان سن کر شیطان دُور بھاگ جاتا ہے۔''

لعنت بھیجنا:

جادو کرنے، کروانے والے اور شیطان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کثرت کے ساتھ درج ذیل الفاظ پڑھنا چاہئیں کیونکہ جب نماز کی حالت میں ایک جن نے آگ کا بگولہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے قریب کیا تھا تو آپ نے اس پر یہ الفاظ کہے تھے۔

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ))(رواہ مسلم: باب جَوَازِ لَعْنِ الشَّيْطَانِ فِي أَثْنَاءِ الصَّلَاةِ وَالتَّعَوُّذِ مِنْهُ...)

آپ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی لعنت کرنے والا لعنت کرتا ہے اگر واقعتاً مظلوم ہے تو اس کی لعنت ظالم پر ضرور اثر انداز ہو گی۔ ''عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ'' تفصیل کے لیے دیکھیے میری کتاب جادو کی تباہ کاریاں

((عَنِ الْقَعْقَاعِ اَنَّ كَعْبَ الْاَحْبَارِ رضی اللہ عنہ قَالَ لَوْلَا كَلِمَاتٌ اَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِيْ يَهُوْدُ حِمَارًا فَقِيْلَ لَهٗ مَاهُنَّ قَالَ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَيْسَ شَيْئٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللهِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَءَ وَبَرَءَ)) (رواہ مالک: باب مایؤمر بالتعوذ [صحیح])

''حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں یہ دعا نہ پڑھتا ہوتا تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے۔ حضرت کعب سے ان کلمات کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا وہ کلمات یہ ہیں: میں پناہ چاہتا ہوں تیرے عظیم چہرے کی بدولت جس سے بڑھ کر کوئی عظیم چیز نہیں اور اللہ کے ان کامل کلمات کے ساتھ جن سے کوئی نیک و فاجر سبقت نہیں لے جا سکتا اور اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ جو میں جانتا ہوں اور جو میں نہیں جانتا ہر اس چیز کی شر سے جسے اس نے پیدا کیا اور پھیلایا یا جس کے پاس سے میرا گزر ہوتا ہے۔''

مسائل

۱۔ جادو کرنا اور سیکھنا کفر ہے۔ ۲۔ جادوگر شیطان سے مدد طلب کرتا ہے۔

۳۔ جادو بذاتِ خود کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ۴۔ جادوگر قیامت کے دن عذاب سے دو چار ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جادو کیا ہے؟:

۱۔ جادو کفر ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۲) ۲۔ جادو کی اصلیت نہیں ہوتی۔ (الاعراف: ۱۱۶)

۳۔ جادو شیاطین کے ذریعے ہوتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۲) ۴۔ جادوگر کامیاب نہیں ہوتا۔ (طٰہٰ: ۶۹)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تَقُوْلُوْا	رَاعِنَا	وَقُوْلُوا
اے	وہ لوگ	جو ایمان لائے	نہ	کہو	راعنا	اور کہو

انْظُرْنَا	وَاسْمَعُوْا ؕ	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾
انظرنا	اور سنو	اور کافروں کیلئے	عذاب	دردناک

''اے ایمان والو! تم اپنے (نبی) کو ''راعنا'' نہ کہو۔ بلکہ ''انظرنا'' کہو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (۱۰۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودی جبریلِ امین، حضرت سلیمان علیہ السلام اور پہلے انبیاء کے بدترین گستاخ تھے اور ہیں اسی عادتِ خبیثہ کی وجہ سے نبی آخر الزماں ﷺ کی گستاخیاں کیا کرتے ہیں جس کی سزا جہنم قرار دی گئی ہے۔

ہر زبان میں کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو دوسری زبان سے ملتے جلتے اور ہم آواز ہوتے ہیں۔ عربی کے جو الفاظ عبرانی زبان سے مشابہت اور مماثلت رکھتے ہیں ان میں ایک لفظ ''رَاعِنَا'' ہے۔ جس کو ذرا کھینچ کر ادا کیا جائے تو اس کے معانی بنتے ہیں احمق، اجڈ اور چرواہا۔ مسلمانوں کی عزت، اسلام کی عظمت و رفعت اور نبی محترم ﷺ کے احترام و اکرام میں روز افزوں اضافہ دیکھ کر یہودی اپنے دلوں میں کڑھتے اور جلتے رہتے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آپ کی مجلس میں آتے تو آپ کی گفتگو کے دوران ''رَاعِنَا'' کا لفظ استعمال کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ ہم آپ کی بات کو سمجھ نہیں سکے۔ بسا اوقات فہم کلام کے لیے مسلمان بھی آپ کی خدمت میں ''رَاعِنَا'' عرض کرتے لیکن دونوں کی ادائیگی اور نیت میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ صحابہ کا مقصد یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ تھوڑا سا توقف فرمائیں تاکہ آپ کا ارشاد سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہودی گستاخی کے انداز میں بولتے اور بعد ازاں اپنی مجلسوں میں مسلمانوں کا مذاق اڑاتے کہ دیکھو ان کا نبی اور یہ لوگ کس قدر نادان اور بیوقوف ہیں کہ انہیں اس لفظ کا مفہوم سمجھ نہیں آتا۔ اس موقع پر ارشادِ خداوندی نازل ہوا کہ اے مسلمانو! اب کے بعد اس ذو معنیٰ لفظ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو۔ اس کی بجائے ''اُنْظُرْنَا'' کا لفظ استعمال کیا کرو جس کا معنیٰ ہے اے رسول کریم ﷺ ہماری طرف نظرِ التفات فرمائیں۔ پھر جو کچھ آپ کی زبان اقدس سے الفاظ جاری ہوں انہیں پوری توجہ اور اخلاص کے ساتھ سنا کرو۔

''وَاسْمَعُوْا'' کا لفظ استعمال فرما کر یہ اشارہ بھی دیا کہ دورانِ خطاب متکلم کو ٹوکنا سننے والے کی عدم توجہ کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا سامع کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کے کلام کو ایسے انہماک کے ساتھ سنے کہ حتی الوسع اسے استفسار کرنے کی حاجت پیش نہ آئے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو عدمِ توجہ اور بدنیتی کے ساتھ سننے کی بجائے ہمہ تن گوش ہو کر سننا اور ماننا چاہیے۔ یہ بھی انتباہ فرمایا کہ رسولِ خدا کی گستاخی کرنا کفر ہے۔

یہودی انبیاء کے گستاخ

نوح علیہ السلام اور شراب:

بائبل میں لکھا ہے کہ ''اس نے مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا'' اس کے بیٹے حام نے انہیں اس حالت میں دیکھا۔ (پیدائش ۹:۶، ۲۰:۹۔۲۲)

لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیاں:

بائبل کے بیان کے مطابق، لوط علیہ السلام کی دوسگی بیٹیوں نے انہیں شراب پلائی اور پھر باری باری ان سے ہم آغوش ہوئیں۔ (نعوذ باللہ) حتی کہ لوط علیہ السلام کی یہ دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور ان سے ایک ایک بیٹا پیدا ہوا۔ (پیدائش ۱۹:۳۰۔۳۸)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹوں پر الزام:

بائبل کے بیان کے مطابق، داؤد کا بیٹا امنون بھی عشق اور زنا کاری کے مرحلہ سے گزرا اور اس نے یہ کام اپنی سوتیلی بہن تمر سے کیا۔ اس نے مقصد برآری کے لیے فریب اور جھوٹ سے کام لیا اور دھوکہ سے بہن کو الگ کمرہ میں بلا کر اس سے زبردستی کی۔ داؤد نے یہ سب سنا تو ''نہایت غصہ ہوا'' مگر امنون کو پورے دو سال تک کوئی سزا نہ ملی۔ یہاں تک کہ داؤد کے ایک دوسرے بیٹے اور تمر کے سگے بھائی ابی سلوم نے دھوکہ سے امنون کو مروا کر اپنی بہن کا بدلہ لے لیا۔ (سموئیل۔ باب ۱۳)

حضرت سلیمان علیہ السلام پر شرک کا الزام:

''سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے محبت کرنے لگا اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اور تین سو حرمیں تھیں اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند کے ساتھ کامل نہ رہا، جیسا کہ اس کے باپ داؤد کا دل تھا سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔ (سلاطین ۱:۱۔۴)

گستاخ اور شاتم رسول کی سزا

نبی کریم ﷺ کی عظمت و تکریم مسلمان کے ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ آپ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا آخرت میں سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا اور دنیا میں واجب القتل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے اور اسلام کے بے شمار دشمنوں کو معاف فرما دیا لیکن چند بدبختوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹ جائیں تو بھی انہیں قتل کر دیا جائے۔ یہ فرمان ذاتی انتقام پسندی کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ آپ ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ شاتم رسول دوسروں کے دلوں سے عظمت و احترام رسول گھٹانے کی کوشش کرتا اور ان میں کفر و نفاق کے بیج بوتا ہے۔ اس لیے توہین رسول کو برداشت کر لینا، ایمان سے ہاتھ دھونے اور دوسروں کے ایمان چھن جانے کا

راستہ کھولنے کرنے کے مترادف ہے۔ نیز رسالت مآب ﷺ چونکہ ہر زمانے کے مسلمانوں کی محبت عقیدت کا مرکز ومحور ہے اوراس کے بغیر مسلمان کا ایمان اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے اس لیے جو زباں رسول اللہ ﷺ پر طعن کے لیے کھلتی ہے۔ اگر اسے کاٹا نہ جائے اور جو قلم آپ کی گستاخی کے لیے اٹھتا ہے اگر اسے توڑا نہ جائے تو اسلامی معاشرہ اعتقادی وعملی فساد کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کو نازیبا الفاظ کہنے والا امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے الفاظ میں ساری امت کو گالی دیتا ہے نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے ایمان اور غیرت کی خاطر گستاخی کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب "اَلصَّارِمُ المسْلُوْلُ عَلٰی شَاتِمِ الرَّسُوْلِ" میں فرماتے ہیں کہ آئمہ اہلحدیث امام احمد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک شاتم رسول کی توبہ اسے قتل کی سزا سے نہیں بچا سکتی جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ سے اس سلسلہ میں توبہ کے قبول وعدم قبول کے دونوں قول منقول ہیں۔ البتہ امام ابوجعفر رحمہ اللہ کے نزدیک اگر وہ سزا سے پہلے توبہ کرے تو سزا سے بچ سکتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اکثر محدثین اور فقہا کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ شاتم رسول توبہ کے باوجود قتل کی سزا کا مستحق ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی کتاب کے مختلف مقامات پر جو دلائل دیے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱)۔ شاتمِ رسول فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی توبہ سے اس بگاڑ کی تلافی نہیں ہو سکتی جو اس نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔

(۲)۔ اگر توبہ کی وجہ سے سزا نہ دی جائے تو اس سے دوسرے بدبختوں کو جرأت ہوگی کہ وہ جب چاہیں توہین رسول کا ارتکاب کریں اور جب چاہیں توبہ کر کے سزا سے بچ جائیں۔ اس طرح غیروں کو موقع ملے گا کہ وہ مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو بازیچۂ طفلاں بنالیں گے۔

(۳)۔ نبی کریم ﷺ کی اہانت وتحقیر کے جرم کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی۔ حقوق اللہ اللہ تعالیٰ چاہے معاف کر دے مگر حقوق العباد میں زیادتی اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک متعلقہ مظلوم اسے معاف نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ اپنی حیاتِ مبارکہ میں اگر کسی کا یہ جرم معاف کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے۔ مگر اب اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ امت مسلمہ یا مسلمان حاکم آپ ﷺ کی طرف سے نیابتہً اس جرم کو معاف کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

(۴)۔ قتل، زنا، سرقہ جیسے جرائم کے بارے میں بھی اصول یہی ہے کہ ان کا مجرم سچی توبہ کرنے سے آخرت کی سزا سے بچ سکتا ہے، مگر دنیاوی سزا سے نہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ قاتل، زانی یا چور گرفتار ہو جائے اور کہے کہ میں نے جرم تو کیا ہے مگر اب توبہ کرتا ہوں تو اسے چھوڑ دیا جائے اسے ہر صورت سزا دی جائے گی۔ اسی طرح شاتم رسول کا مرتکب بھی جرم کے بعد توبہ کا اظہار کرے تو دنیاوی سزا سے نہیں بچ سکتا اور اس کا جرم مذکورہ جرائم سے زیادہ سنگین ہے۔

گستاخِ رسول کے بارے میں احکامات

{ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا

مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ } (الاحزاب:۵۷)

''بے شک جولوگ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کوتکلیف دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیاوآخرت میں ان پر لعنت ہےاوران کے لیے ذلیل کرنے والاعذاب تیار کررکھا ہے۔''

گستاخ رسول کاقتل:

((عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اِنَّ أَعْمٰى كَانَتْ لَهٗ أُمُّ وَلَدٍ تَشْتُمُ النَّبِيَّ ﷺ وَ تَقَعُ فِيْهِ فَيَنْهَا هَا فَلَا تَنْتَهِيْ وَيَزْجُرُهَا فَلَا تَنْزَجِرُ فَلَمَّا كَانَتْ ذَاتَ لَيْلَةٍ جَعَلَتْ تَقَعُ فِي النَّبِيِّ ﷺ وَتَشْتُمُهٗ فَاخَذَا لْمِغْوَلَ فَوَضَعَهٗ فِيْ بَطْنِهَا وَاتَّكَأَ عَلَيْهَا فَقَتَلَهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ ذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَجَمَعَ النَّاسَ فَقَالَ اُنْشِدُ رَجُلًا فَعَلَ مَا فَعَلَ لِيْ عَلَيْهِ حَقٌّ اِلَّا قَامَ قَالَ فَقَامَ الْاَعْمٰى يَتَخَطَّى النَّاسَ وَهُوَ يَتَدَلْدَلُ حَتّٰى قَعَدَبَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا صَاحِبُهَا كَانَتْ تَشْتُمُكَ وَتَقَعُ فِيْكَ فَانْهَاهَا فَلَا تَنْتَهِيْ وَأَزْجُرُهَا فَلَا تَنْزَجِرُ وَلِيْ مِنْهَا اِبْنَانِ مِثْلُ اللُّؤْلُؤَتَيْنِ وَكَانَتْ بِيْ رَفِيْقَةً فَلَمَّا كَانَ الْبَارِحَةُ جَعَلَتْ تَشْتُمُكَ وَتَقَعُ فِيْكَ فَاخَذْتُ الْمِغْوَلَ فَوَضَعْتُهٗ فِيْ بَطْنِهَا وَاتَّكَأْتُ عَلَيْهِ حَتّٰى قَتَلْتُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلَا أَشْهِدُوْا أَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ))(رواہ ابوداؤد: کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی [صحیح])

''ایک اندھے شخص کی ایک ام ولد لونڈی تھی جو رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی وہ اسے منع کرتا۔ وہ گالیاں دینے سے باز نہیں آتی تھی وہ اسے جھڑکتا تھا۔ مگر وہ نہ رکتی تھی۔ ایک رات اس لونڈی نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا شروع کیں تو نابینا صحابی نے ایک چھرا لے کر اس کے پیٹ میں پیوست کرتے ہوئے اسے زور سے دبایا جس سے وہ مرگئی۔ صبح اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوا تو آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔ میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے کیا، جو کچھ کیا۔ میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر ایک نابینا صحابی کھڑا ہوا۔ اضطراب کی کیفیت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا نبی اکرم ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میں اسے منع کرتا تھا مگر وہ اس کی پروانہیں کرتی تھی۔ اس کے بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں اور وہ میری رفیقۂ حیات تھی۔ گزشتہ رات جب وہ آپ کو گالیاں دینے لگی تو میں نے چُھرا لے کر اس کے پیٹ میں پیوست کرتے ہوئے اسے زور سے دبایا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے گفتگو سننے کے بعد فرمایا تم گواہ رہنا کہ اس عورت کا خون رائیگاں ہوا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَبَّ الْاَنْبِيَاءَ قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِيْ جُلِدَ))

(رواہ الطبرانی فی الصغیر صفحہ ۲۳۶ جلد ۱ [ضعیف])

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نبی ﷺ کو گالی دی اسے قتل کیا جائے اور جس نے اس کے صحابہ کو گالی دی اسے کوڑے مارے جائیں۔''

مشرک گستاخِ رسول کا قتل:

((اِنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ شَتَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يَّكْفِيْنِيْ عَدُوِّيْ فَقَامَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ فَقَالَ اَنَا فَبَارَزَهٗ فَاَعْطَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَلَبَهٗ))(الصارم المسلول ۱۷۷)

''مشرکین میں سے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اس دشمن کی کون خبر لے گا؟ تو حضرت زبیر بن عوام کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا سامان زبیر کو دے دیا۔''

ابولہب کا عبرت ناک انجام:

سورۃ لہب کے نزول پر ابھی آٹھ سال ہی گزرے تھے کہ جنگ بدر میں بڑے بڑے سردارانِ قریش مارے گئے۔ مکہ میں بدر کی شکست کی اطلاع پہنچی تو سب سے زیادہ دکھ اور رنج ابولہب کو ہوا۔ یہ اسی صدمے اور رنج میں بیمار پڑ گیا۔ ساتویں روز بیماری کوڑھ کی شکل اختیار کر گئی۔ جس وجہ سے اس کے گھر والوں نے اسے چھوڑ دیا اور اس کے بیٹوں نے اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیا۔ بالآخر وہ نہایت بے کسی کی موت مرا۔ مرنے کے بعد بھی اس کے بیٹے اس کے قریب نہ گئے یہاں تک کہ اس کی لاش سے بو پھیلنے لگی۔ تب لوگوں نے اس کے بیٹوں کو طعنے دیے تو انہوں نے ایک حبشی کو مزدوری دی۔ جس نے گڑھا کھودا اور لکڑی سے لاش کو دھکیل کر گڑھے میں پھینکا اور مٹی ڈال دی۔

گستاخِ رسول کو قبر نے باہر پھینک دیا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِيًّا فَاَسْلَمَ وَقَرَأَ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ فَكَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَعَادَ نَصْرَانِيًّا فَكَانَ يَقُوْلُ مَا يَدْرِيْ مُحَمَّدٌ اِلَّا مَا كَتَبْتُ لَهٗ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ فَدَفَنُوْهُ فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا فَاَلْقَوْهُ فَحَفَرُوْا لَهٗ فَاَعْمَقُوْا فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ فَاَلْقَوْهُ فَحَفَرُوْا لَهٗ وَاَعْمَقُوْا لَهٗ فِي الْاَرْضِ مَا سْتَطَاعُوْا فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَعَلِمُوْا اَنَّهٗ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ فَاَلْقَوْهُ))(رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

''ایک شخص عیسائی تھا وہ مسلمان ہو گیا سورۃ بقرۃ اور آل عمران پڑھ چکا تھا وہ کاتب وحی تھا۔ پھر وہ مرتد ہو کر عیسائی

ہو گیا اور کہنے لگا کہ محمد ﷺ کے لیے جو کچھ میں نے لکھ دیا ہے اس کے سوا اسے کچھ معلوم نہیں۔ اس کی موت واقع ہو گئی تو اس کے ساتھیوں نے اسے دفن کیا۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی لاش قبر کی بجائے زمین کے اوپر پڑی ہے۔ عیسائیوں نے کہا کہ یہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے قبر کھود کر لاش کو باہر پھینک دیا ہے۔ چنانچہ دوسری قبر کھودی جو بہت گہری تھی لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے یہی کہا کہ یہ محمد اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا اس لیے اس کی قبر کھود کر انہوں نے لاش باہر پھینک دی ہے۔ پھر انہوں نے قبر کھودی جتنی گہری ان کے بس میں تھی اور اس میں ڈال دیا لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر پڑی تھی۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں بلکہ یہ آدمی عذاب خداوندی میں گرفتار ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسے یونہی زمین پر پھینک دیا۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

''كُلُّ مَنْ شَتَمَ النَّبِيَّ ﷺ اَوْ تَنَقَّصَهُ مُسْلِمًا كَانَ اَوْ كَافِرًا فَعَلَيْهِ الْقَتْلُ وَأَرٰى اَنْ يُقْتَلَ وَلَا يُسْتَتَابَ''

(الصارم المسلول:۳۳)

''جو آدمی نبی ﷺ کو گالی دیتا ہے یا آپ کی شان میں گستاخی کرتا ہے وہ مسلمان ہو یا کافر اس کا قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اسے توبہ کرنے کی مہلت نہ دی جائے بلکہ فوراً قتل کر دیا جائے۔''

امام مالک رحمہ اللہ:

خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والے کے بارے میں پوچھا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مَا بَقَاءُ الْاُمَّةِ بَعْدَ شَتْمِ نَبِيِّهَا'' (الشفاء للقاضی عیاض:۲/۲۳۳)

''اس امت کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جس کے نبی کو گالیاں دی جائیں۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

''اِنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ مِنْ مُسْلِمٍ اَوْ كَافِرٍ فَاِنَّهُ يَجِبُ قَتْلُهُ هٰذَا مَذْهَبُ عَامَةِ اَهْلِ الْعِلْمِ''

(الصارم المسلول:۳۱)

''جو آدمی نبی ﷺ کو گالی دے خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے۔''

ستمبر ۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے بدنامِ زمانہ صحافی نے رسولِ محترم ﷺ کے خاکے شائع کیے جس سے تو پورے عالم اسلام میں ایسا اضطراب پیدا ہوا کہ مسلمان تڑپ اٹھے اور پوری دنیا میں جلوس، ہڑتالیں اور بے مثال مظاہرے ہوئے اس

میں سعودی عرب نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔

ڈنمارک کے گستاخانہ عمل کی وجہ سے سعودی عرب نے عالم اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے ۲۶ جنوری کو ڈنمارک سے اپنا سفیر واپس بلالیا اور سعودی عرب سے ڈنمارک کی اشیاء کے بائیکاٹ کا آغاز ہوگیا جو تمام عرب ریاستوں، مصر، لیبیا، ایران اور دوسرے مسلمان ممالک تک پھیل گیا۔

۴ فروری کو پاکستان نے ڈنمارک، ناروے، فرانس، جرمنی، اٹلی، سپین، سوئٹزرلینڈ، ہنگری، ہالینڈ اور جمہوریہ چیک ری پبلک کے سفیروں کو طلب کر کے گستاخانہ خاکوں کے خلاف شدید احتجاج کیا۔

پاکستان نے خاکوں کے شائع کرنے والے ممالک سے ادویات درآمد کرنے پر پابندی لگادی، فرانس اور ڈنمارک کی چار میڈیسن کمپنیوں کی تقریباً ایک سو گیارہ ادویات پاکستانی میڈیکل سٹورز پر فروخت کی جاتی تھیں۔ ڈاکٹرز صاحبان نے ان ادویات کے بجائے متبادل ادویات تجویز کر دیں۔

شام، لبنان اور لیبیا میں ڈنمارک کے سفارت خانوں کو آگ لگا دی گئی۔ مسلم ممالک نے ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیا۔ بس جس ملک سے جو بن پڑا اور جس دینی، سیاسی اور رفاہی تنظیم سے جو ہو سکا اس نے اپنی اسلامی غیرت کا ثبوت فراہم کر کے اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ جس کو دیکھ کر عالم کفر کے بعض حکمرانوں اور اخبارات کے ایڈیٹرز اور مالکان نے معذرت کا رویہ اپنایا جن میں چند ایک یہ ہیں:

ناروے کے اخبار کے ایڈیٹر انچیف ''دیجیوان سیلبک'' نے معافی مانگی جس کو ناروے کی اسلامی کونسل نے قبول کر لیا۔

فرانس کے اخبار کے مالک نے ایڈیٹر کو نوکری سے برطرف کر دیا۔

۳۱ جنوری کو ڈنمارک کے اخبار نے معافی نامہ جاری کیا اور دنیا بھر کے مسلمانوں سے معافی مانگی۔

مسائل

۱۔ ذو معنیٰ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔ کلام اللہ اور حدیث رسول توجہ کے ساتھ سننی چاہیے۔

۳۔ رسولِ محترم ﷺ کا گستاخ کافر اور واجب القتل ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

نہیں چاہتے وہ لوگ انہوں نے کفر کیا سے اہل کتاب اور نہ مشرک (جمع) یہ کہ نازل کی جائے تم پر سے

خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

خیر سے تمہارا رب اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کیساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ فضل والا بڑا

''نہ تو اہل کتاب کے کافر اور نہ ہی مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرمائے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔''(۱۰۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کی ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کو ملنے والی بھلائی کو پسند نہیں کرتے اس کے لیے وہ ہر جرم کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی شان میں گستاخیاں بھی کرتے رہتے ہیں۔

قرآنِ مجید مسلمانوں کو بار بار باور کرواتا ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکوں کو اپنا خیر خواہ اور دوست نہ سمجھو کیونکہ ان کی سر توڑ کوشش اور دلی خواہش ہے کہ مسلمانوں کو کوئی بھلائی حاصل نہ ہو سکے۔ اسی منفی سوچ کے پیشِ نظر وہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اہلِ کتاب مذہب کے دعوے دار ہونے کے پیشِ نظر مسلمانوں کے ہمدرد اور ان کے قریب ہوتے لیکن ان کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ یہ لوگ ہر آڑے وقت میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کی بجائے کفار اور مشرکوں کا ساتھ دیا کرتے ہیں۔ تاریخ عالم اٹھا کر دیکھیں کہ اہل کتاب نے ہمیشہ مسلمانوں کے مقابلے میں کفار اور مشرکین کا ساتھ دیا ہے۔ پاکستان کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان امریکہ کے زیادہ قریب رہا ہے۔ اور ہر آڑے وقت میں امریکہ کی حمایت کی لیکن پاکستان پر جب مشکل وقت آیا تو امریکہ نے ہمیشہ ہندوستان کا ساتھ دیا ہے۔ اس سے اربابِ سیاست کو قرآنی حقائق کا اندازہ کرنا چاہیے۔ لہٰذا امتِ مسلمہ کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں ایسے لوگوں سے چوکس اور چوکنا رہنا چاہیے جو تمہیں ہر وقت نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ اس فرمان میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص فرما لیا تھا۔ اس لیے اب اہلِ کتاب کی سازشیں، کفار اور مشرکوں کی شرارتیں مسلمانوں کو چنداں نقصان نہیں پہنچا سکتیں کیونکہ جس پر اللہ تعالیٰ فضل فرمانے کا فیصلہ فرما لیتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کے فضل اور فیصلے کے درمیان رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

رحمت سے مراد بعض اہلِ علم نے نبوت لی ہے کہ اہلِ کتاب رسول اللہ ﷺ کا نبی ہونا پسند نہیں کرتے حالانکہ نبوت کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اختصاص ہے وہ جسے چاہے نبوت کے لیے منتخب فرمائے۔ اب سلسلہ نبوت حضرت محمد ﷺ پر قیامت تک ختم ہو چکا ہے۔

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ اور مشرک نہیں چاہتے کہ مسلمانوں پر خیر نازل ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ فضل و کرم ہے جسے چاہتا ہے، اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

جو ہم منسوخ کرتے ہیں کوئی آیت یا اسے فراموش کر دیتے ہیں لے آتے ہیں بہتر اس سے یا اس جیسی

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ

کیا نہیں تو جانتا بیشک اللہ پر ہر چیز قادر کیا نہیں

تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا

تو جانتا بیشک اللہ اسی کے لیے بادشاہت آسمانوں اور زمین اور نہیں

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

تمہارے لیے سے اللہ کے سوا سے حامی اور نہ مددگار

''ہم کوئی آیت منسوخ کر دیں یا اسے فراموش کر دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں کیا آپ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۰۶) کیا آپ نہیں جانتے کہ بلاشک اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کی ملکیت ہے اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔'' (۱۰۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کتاب اس قدر بے باک اور مسلمانوں کی دشمنی میں آگے جا چکے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں مداخلت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنی کتاب میں ترمیم و اضافہ کرے۔ اس بہانے وہ کتاب اللہ پر اعتراض اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر تنقید کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دلوں میں حسد ہے جس بنا پر ایسی باتیں کرتے ہیں۔

نسخ کا معنیٰ ہے کسی بات کو مٹانا یا اس کا ازالہ کرنا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) ایک حکم خاص مدت کے لیے ہو، دوسری مدت کے لیے دوسرا حکم نازل ہو جائے۔

(۲) تربیت اور خاص مصلحت کی خاطر پہلے حکم میں نرمی اور کچھ گنجائش رکھی گئی ہو بعد ازاں مکمل اور دائمی حکم نازل کر دیا جائے۔ جس طرح شراب کی حرمت، قبلہ کی تبدیلی اور دوسرے معاملات کے بارے میں تدریجاً احکامات نازل ہوئے۔ قرآن مجید میں اس کے برعکس بھی مثال موجود ہے کہ قتال کے سلسلہ میں پہلا حکم سخت تھا لیکن اس کے بعد اس میں نرمی کر دی گئی۔

(۳) پہلا حکم لوگوں کی خاص حالت کے بارے میں ہو بعد ازاں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اسے کلیۃً منسوخ کر دیا جائے اور اس کی جگہ اس سے ملتا جلتا یا اس سے جامع اور کثیر المقاصد حکم نازل ہو۔

قرآن مجید میں تینوں اقسام کی امثال موجود ہیں۔ جن علماء نے ان تینوں اقسام کو ناسخ اور منسوخ میں شامل کیا ہے انہوں نے درجنوں آیات کو اس زمرہ میں شامل کر دیا حالانکہ ناسخ، منسوخ کو حقیقی اور کلی معنوں میں لیا جائے تو ان کی تعداد چند آیات

سے زیادہ نہیں ہے۔ اس بنا پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے صرف پانچ آیات کو منسوخ شمار کیا ہے۔ ناسخ اور منسوخ کے حوالے سے اہلِ کتاب اور مشرک دو قسم کے اعتراض کیا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو فکری الجھاؤ میں مبتلا کر کے ان کے ایمان و ایقان میں تذبذب پیدا کیا جا سکے۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ تورات اور انجیل اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں اور یہ قرآن ان کی تائید کرتا ہے تو پھر انہیں منسوخ کرنے اور الگ کتاب نازل کرنا چہ معنی دارد؟ دوسرا اعتراض یہ تھا اور ہے کہ قرآنِ مجید میں فلاں مقام پر یہ مسئلہ پہلے اس طرح تھا اور اب اس میں ترمیم و اضافہ کیوں کیا گیا ہے؟ ان اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے یہاں بنیادی بات یہ ارشاد فرمائی کہ یہ حاکمِ مطلق کی مرضی اور اس کی مشیّت ہے کہ شریعت کے جس حکم کو چاہے معطل یا منسوخ کرے۔ اس میں مخلوق کا نہ تو عمل دخل ہے اور نہ ہی کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کو منسوخ کرنا کسی شخص کا اختیار نہیں۔ یہاں تک کہ جس شخصیت گرامی پر اللہ کی کتاب نازل ہوئی ہے حضرت محمد ﷺ بھی اس میں زیر و زبر کی تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتے۔ یہ تو اس قادرِ مطلق اور شہنشاہِ عالم کا اختیار ہے کہ وہ اپنے حکم کو جس طرح چاہے جب چاہے اور جس قدر چاہے اس میں تبدیلی کرے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اختیارات پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس لیے ان آیات کے آخر میں پر جلال اور حاکمانہ انداز میں فرمایا ہے کہ اللہ ہی قادرِ مطلق با اختیار اور زمین و آسمان کا مالک ہے وہ تمہاری خیر خواہی کے لیے اپنے ضابطوں میں تبدیلی کرتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی تمہارا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منکرین کسی خیر خواہی کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ بدنیتی و بد دیانتی کی بنا پر اس قسم کے اعتراضات اٹھاتے ہیں۔

متعدد مقامات پر قرآنِ مجید نے پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اہل کتاب تم نے اپنی کتابوں میں اس قدر تحریف کی کہ ان کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا اور یہ بھی یاد رکھو کہ وہ مخصوص مدت کے لیے ہی نازل کی گئیں تھیں۔ جس طرح حکومتوں کے بدلنے سے قانون بدلتے ہیں اس طرح ایک رسول کے بعد دوسرے رسول کے آنے پر شریعت میں تبدیلی لائی جاتی رہی ہے۔ یہ تو محمد عربی ﷺ کا اعزاز و اکرام ہے کہ آپ قیامت تک کے لیے رسول ہیں اور آپ پر نازل کردہ قرآن بھی قیامت تک رہے گا۔ اس میں ترمیم و اضافہ کرنے کا کوئی مجاز نہیں اور اللہ تعالیٰ نے تا قیامِ قیامت اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ عنایت فرمایا کہ تمہارے لیے بہت سی چیزیں حرام تھیں اب انہیں حلال کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ تمہاری بہتری کے لیے ہی کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی تمہیں زیب نہیں دیتا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے احکام منسوخ کرنے یا ان میں ردّ و بدل کرنے کا پورا حق ہے۔

۲۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔

اَمْ	تُرِيْدُوْنَ	اَنْ	تَسْـَٔلُوْا	رَسُوْلَكُمْ	كَمَا سُئِلَ
کیا	تم چاہتے ہو	یہ کہ	سوال کرو	اپنے رسول سے	جیسے سوال کئے گئے
مُوْسٰى	مِنْ	قَبْلُ ؕ	وَمَنْ	يَّتَبَدَّلِ	الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ
موسیٰ	سے	پہلے	اور جو	بدل دے	کفر ایمان کے بدلے
فَقَدْ	ضَلَّ	سَوَآءَ	السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾		
سو وہ	بھٹک گیا	سیدھا	راستہ		

''کیا تم اپنے رسول سے اس طرح کے سوال کرنا چاہتے ہو جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کیے گئے جس نے ایمان کو کفر کے ساتھ بدلا وہ سیدھی راہ سے بھٹک چکا۔''(۱۰۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایک طرح نبی ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر اعتراض یہودیوں کے لیے معمول کی بات ہے کیونکہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب پر اس سے زیادہ نامناسب اعتراضات وسوالات کیے تھے۔

حصولِ علم اور طلب ہدایت کے لیے سوال کرنا، نا صرف جائز ہے بلکہ شریعت نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرض قرار دیا ہے۔ البتہ خواہ مخواہ اور حیلہ سازی کے لیے سوال کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ یہودیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ تعمیلِ حکم سے بچنے کے لیے مختلف بہانے تراشا کرتے تھے۔ ان کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ وہ پے در پے بے مقصد سوال پر سوال کیے جاتے تھے تاکہ کسی طرح اس مسئلے سے ان کی جان چھوٹ جائے۔ ایک قتل کی تفتیش کے دوران جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم صادر ہوا تو انہوں نے گائے ذبح کرنے کی بجائے کئی قسم کے سوال کر ڈالے بالآخر مجبور ہو کر گائے ذبح کرنے کے لیے تیار ہوئے۔

سوال کرنے کی عادت میں یہودی اس قدر عادی مجرم تھے کہ انہوں نے جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو یہ سوال بھی کیا کہ آپ اس قدر حیا کیوں اختیار کرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کو جنسی مرض لاحق ہو چکا ہو اور اس بات کو اس قدر اچھالا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی برأت فرمائی۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَتْ بَنُوْإِسْرَائِيْلَ يَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ وَكَانَ مُوْسٰى عليه السلام يَغْتَسِلُ وَحْدَهٗ فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَايَمْنَعُ مُوْسٰى أَنْ يَّغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهٗ آدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ فَخَرَجَ مُوْسٰى فِيْ إِثْرِهٖ يَقُوْلُ ثَوْبِيْ يَاحَجَرُ حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُوْإِسْرَائِيْلَ إِلٰى مُوْسٰى فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَابِمُوْسٰى مِنْ بَأْسٍ وَأَخَذَ ثَوْبَهٗ فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا))

(رواہ البخاری: باب من اغتسل عریانا وحدہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بنی اسرائیل کے لوگ ننگے نہایا کرتے

اور ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام اکیلے ہی غسل کرتے تھے۔ یہودیوں نے کہا اللہ کی قسم ہمارے ساتھ موسیٰ علیہ السلام اس وجہ سے غسل نہیں کرتے کہ ان کے خصیتین میں بیماری ہے۔ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے پتھر پر رکھ کر غسل کر رہے تھے تو پتھر کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ اے پتھر! میرے کپڑے دے دے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ حالت میں دیکھ کر کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ علیہ السلام کو کوئی تکلیف نہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے پکڑ کر پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔''

بہانہ سازی کی عادتِ خبیثہ سے مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دے کر منع کیا جا رہا ہے کہ کیا تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سوالات کرنا چاہتے ہو جس طرح بے مقصد اور بے ہودہ سوال یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کیے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بے جا سوال کرنے سے منع فرمایا ہے:

((ذَرُوْنِیْ مَاتَرَکْتُکُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ))

(رواہ مسلم: کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ)

''مجھے چھوڑے رکھو جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں یقیناً تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے کی وجہ اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بنا پر تباہ و برباد ہو گئے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کرو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔''

مسائل

۱۔ یہودیوں کی طرح شریعت میں قیل وقال اور اعتراض و سوال نہیں کرنے چاہئیں۔

۲۔ شریعت کو بدلنے والا پرلے درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں کے بے ہودہ سوالات:

۱۔ گائے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے سوالات۔ (البقرۃ: ۶۷ تا ۷۱)

۲۔ موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کہ اللہ ہمیں سامنے دکھایا جائے۔ (النساء: ۱۵۳)

۳۔ ہمارے لیے بھی مشرکوں کی طرح معبود بنائے جائیں۔ (الاعراف: ۱۳۸)

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کے لیے پانی طلب کرنا۔ (البقرۃ: ۶۰)

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقتول کے بارہ میں سوال کرنا۔ (البقرۃ: ۷۲)

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کاش تمہیں لوٹا دیں سے بعد

اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

تمہارے ایمان کے کفر میں حسد سے پاس اپنے دل سے بعد

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ

جو واضح ہوگیا ان پر حق پس تم معاف کردو اور درگزر کرو یہاں تک لائے

اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۹

اللہ اپنا حکم بیشک اللہ پر ہر چیز قادر

"اہلِ کتاب کے اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ حق واضح ہوجانے اور تمہارے ایمان لانے کے بعد اور اپنے حسد و بغض کی بناء پر تمہیں ایمان سے ہٹا کر کافر بنادیں۔ بس تم معاف کرو اور درگزر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ فرمادے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔" (۱۰۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تمام اعتراضات کے پیچھے یہود و نصاریٰ کا ایک ہی مقصد ہے کہ تم سچے دین سے مرتد ہو جاؤ اور اس کے پیچھے دنیاوی مفادات کے ساتھ ان کا حسد بھی کارفرما ہے ان سے درگزر کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھو۔

رسولِ کریم ﷺ کی رسالت سے یہود و نصاریٰ کے انکار کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے نبوت ہماری وراثت ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ صدیوں سے ہماری نسل میں چلا آرہا ہے اب ہماری وراثت بنی اسماعیل کو کیوں منتقل کردی گئی ہے؟ اس صورت میں چاہیے تو یہ تھا کہ اہلِ مکہ یہود و نصاریٰ کے حسد و بغض کا ادراک کرتے ہوئے سرورِ دو عالم ﷺ کے ہم رکاب اور ہم زبان ہوجاتے لیکن وہ شرک و کفر کے مرض میں مبتلا ہو کر کہنے لگے منصبِ رسالت تو کسی سرمایہ دار، وڈیرے اور نواب کو ملنا چاہیے تھا اتنا بڑا منصب ایسے شخص کو کیونکر مل سکتا ہے؟ جو مالی لحاظ سے کنگال اور سماجی اعتبار سے یتیم ہے۔ اس سوچ کے پیش نظر اہل مکہ اور اہل کتاب سر توڑ کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح مسلمانوں کو رسالت مآب ﷺ سے برگشتہ اور ایمان کی متاعِ گراں مایہ سے محروم کردیا جائے۔ یہاں مسلمانوں کو یہ بتلایا اور سمجھایا جارہا ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں بلکہ حق تو بالکل نمایاں ہو چکا ہے۔ اہلِ کتاب محض حسد کی بنیاد پر تمہاری مخالفت کے درپے ہیں لہٰذا انہیں معاف یا ان سے صرفِ نظر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کردے۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے اے مسلمانوں ابھی تم کمزور ہو اس لیے صبر کرو اور وقت کا انتظار کرو۔

حسد ایسی مہلک اور منفی قوت ہے اس میں جو بھی مبتلا ہوتا ہے وہ کسی کی بھی عزت و عظمت کو برداشت نہیں کرپاتا۔ مزید یہ

کہ وہ کسی بڑی سے بڑی حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ بسا اوقات یہ بیماری اس قدر خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے کہ حاسد کو اپنی عزت کا خیال بھی نہیں رہتا۔ یہی حالت آپ کے مخالفوں کی تھی۔ اس لیے قرآنِ مجید کے اختتام سے پہلے سورۃ الفلق میں حاسد اور اس کے حسد سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے امت کو حسد سے بچنے کی تلقین اور اس کے مضرات سے متنبہ فرمایا۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ))(رواہ ابو داؤد: کتاب الادب، باب فی الحسد [حسن])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ نے فرمایا: حسد سے بچو کیونکہ وہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے سوکھی لکڑیوں کو آگ بھسم کر دیتی ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی عیادت کے وقت فرمایا: ابو ہریرہ! میں تجھے وہی دم کروں جو مجھے جبریل علیہ السلام نے کیا تھا؟ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ ﷺ نے یہ دم تین مرتبہ کیا:

((بِسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ وَاللهُ يَشْفِيكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ فِيكَ مِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ))(رواہ ابن ماجۃ: کتاب الطب، باب ماعوذبہ النبی ﷺ وماعوذبہ [ضعیف])

''اللہ کے نام سے تجھے دم کرتا ہوں اللہ تجھے ہر بیماری سے شفا دے جو تجھے لاحق ہے اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔''

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ حسد و بغض کی وجہ سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کے درپے رہتے ہیں۔
۲۔ یہود و نصاریٰ اچھی طرح دینِ اسلام اور نبی کریم ﷺ کی ذات کو پہچانتے ہیں۔
۳۔ اہلِ کتاب سے بحث و تکرار کرنے کی بجائے انہیں صرفِ نظر کر دینا چاہیے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہو کر رہتا ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حسد و بغض اور اس کا علاج:

۱۔ اہل کتاب کی مذموم سوچ اور حاسدانہ کردار۔ (البقرۃ: ۱۲۰)
۲۔ کسی سے حسد کرنے کی بجائے اللہ سے مانگنا چاہیے۔ (النساء: ۳۲) ۳۔ حسد سے پناہ مانگنی چاہیے۔ (الفلق: ۵)
۴۔ شیطان چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے۔ (المائدۃ: ۹۱)
۵۔ اللہ نے یہود و نصاریٰ کے درمیان بغض اور دشمنی قیامت تک کے لیے ڈال دی ہے۔ (المائدۃ: ۱۴)

وَ اَقِيْمُوا	الصَّلٰوةَ	وَ اٰتُوا	الزَّكٰوةَ ؕ	وَ مَا	تُقَدِّمُوْا
اور تم قائم کرو	نماز	اور دیتے رہو	زکوٰۃ	اور جو	آگے بھیجو گے
لِاَنْفُسِكُمْ	مِّنْ	خَيْرٍ	تَجِدُوْهُ	عِنْدَ	اللّٰهِ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ
اپنے لیے	سے	نیکی	تم پالو گے اسے	پاس	اللہ	بیشک	اللہ
بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾					
جو کچھ	تم کرتے ہو	دیکھنے والا					

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے سب کچھ اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔'' (۱۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کے پیچھے پڑ کر وقت اور صلاحیتیں ضائع کرنے کی بجائے اپنے دین کی طرف توجہ دو اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑو اور زکوٰۃ ادا کر کے اپنے بھائیوں کی مدد کرو۔

پچھلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں سے الجھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت کا انتظار کرو۔ اللہ ہر بات اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ لیکن یاد رکھنا اللہ کی مدد کی اولین شرائط میں سچے ایمان کے بعد نماز اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے قرب اور باہمی اتحاد کا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ ایک دوسرے سے تعاون اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا زینہ ہے۔ جن لوگوں میں یہ اوصاف ہوں گے وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے حقدار اور آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ جو کچھ بھی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں محفوظ پاؤ گے۔ محکم یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ تیسویں پارے میں فرمایا کہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے پالے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی اسے اپنے سامنے پائے گا۔ [زلزال: ۷، ۸]

نماز اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ.....))

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ کسی چیز کے ساتھ بھی میرا قرب حاصل نہیں کر سکتا جو مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے.....''

زکوٰۃ تعاون کا ذریعہ ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رضی اللہ عنہ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ)) (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا انہیں دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ تیری بات مان لیں تو انہیں بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ تیری اس بات میں اطاعت کریں تو انہیں بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو دی جائے گی۔''

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو دین، نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر کاربند رہنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دنیا اور آخرت میں اجر وثواب سے نوازیں گے۔

تفسیر بالقرآن

نماز کا حکم:

۱۔ (البقرۃ: ۴۳، ۸۳، ۱۱۰) ۲۔(النساء: ۷۷، ۱۰۳) ۳۔(الانعام: ۷۲)

۴۔ (یونس: ۸۷) ۵۔(الحج: ۷۸) ۶۔(النور: ۵۶)

۷۔ (الروم: ۳۱) ۸۔(المجادلہ: ۱۳) ۹۔(المزمل: ۲۰)

زکوٰۃ کی اہمیت:

۱۔ حضرت ابراہیم، لوط، اسحاق ویعقوب علیہم السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔(الانبیاء: ۷۳)

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے اہلِ خانہ کو زکوٰۃ کا حکم۔(مریم: ۵۵)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔(مریم: ۳۱) ۴۔ بنی اسرائیل کو زکوٰۃ کا حکم۔(البقرۃ: ۸۳)

۵۔ تمام امتوں کو زکوٰۃ کا حکم۔(البینۃ: ۵) ۶۔ زکوٰۃ مال کا تزکیہ کرتی ہے۔(التوبۃ: ۱۰۳)

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ

اورانہوں نے کہا ہرگز داخل نہیں ہوگا جنت میں سوائے جو ہو یہودی یا نصرانی یہ ان کی آرزوئیں

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ

فرمادیجے تم لاؤ اپنی دلیل اگر تم ہو سچے کیوں نہیں جس سے سپردکردیا اپناچہرہ اللہ کیلئے

وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۲ ۱۵ ۱۲

اوروہ نیکوکار ہے تواسکے لیے اس کااجر پاس اس کارب اورنہ کوئی خوف ان پر اورنہ وہ غمگین ہوں گے

''یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود ونصاریٰ کے سوااور کوئی نہیں داخل ہوگا یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں ان سے فرمائیں کہ اگرتم سچے ہوتو کوئی دلیل پیش کرو۔(۱۱۱) سنو جوبھی اپنے آپ کواللہ کے سامنے جھکادے اوروہ نیکوکار بھی ہوتواس کا اجراس کے رب کے ہاں ہے۔ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔''(۱۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب قرآن کے منکر، مسلمانوں کے دشمن اور ایک دوسرے کو کافر کہنے کے باوجود جنت کے ٹھیکیدار بنتے تھے۔ یہاں ان کے دعوے کی قلعی کھولتے ہوئے ایک اصول بیان کیا گیا ہے کہ نیک اور جنت کا وارث وہ ہے جس نے اپنے آپ کواللہ کے حکم کے تابع کردیا۔

انبیاء کے نافرمان اور نبی آخرالزماں ﷺ کے گستاخ اللہ تعالیٰ کے اختیارات پر اعتراضات کرنے والے حسد وبغض کے پیکر یہود ونصاریٰ مسلمانوں کو دولتِ ایمان سے محروم کرنے کی سازشیں کرنے اور صلوٰۃ وزکوٰۃ سے عملاً انحراف کرنے کے باوجود سمجھتے ہیں کہ ہم ہی جنت کے مالک ہوں گے۔ حالانکہ ''اللہ'' کی جنت اتنی ارزاں اور کم حیثیت نہیں کہ جو چاہے اپنے من ساختہ تصورات، دعوؤں اور نعروں کی بنیاد پر اسے حاصل کرلے یہ تو ایمان، اخلاص کی دولت اور اعمال کی گراں قدر قیمت پیش کرنے سے ہی مل سکے گی۔ لہٰذا اگر تم جنت کے حقدار ہوتو اس کے لیے کوئی ثبوت اور سرمایۂ عمل پیش کرو۔ ہاں جنت میں وہ شخص ضرور جائے گا جس نے اپنے چہرے اور عمل کو اپنے رب کے لیے حوالے کردیا ہے۔ چہرہ حوالے کرنے سے مراد کلی طور پر تابع فرمان ہونا ہے۔ جس میں یہ امر بھی لازم ہے کہ اس کے عمل پر خاتم النبیین ﷺ کی سنت کی مہر لگی ہوئی ہو۔

یہودی عیسائی گٹھ جوڑ:

1492ء تک سارے مغرب میں یہودیوں کا داخلہ بند تھا۔ یہودیوں کے بارے میں عیسائی یہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوقات میں سب سے بدترین اور شریرترین مخلوق یہودی ہیں۔ یہودیوں پر سب سے زیادہ تشدد اور ظلم عیسائیوں ہی نے کیا ہے عیسائی انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قاتل سمجھتے تھے یہ دور یہودیوں پر عیسائیوں کے بدترین تشدد کا دور تھا۔ ان کے لیے دنیا میں کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد عیسائیوں کی یہود دشمنی آہستہ

آہستہ ختم ہونے لگی۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ یہودیوں سے بھی زیادہ اسرائیل کی توسیع اور استحکام کے وکیل بنے ہوئے ہیں۔ ان کے بڑے بڑے مبلغین مثلاً جیری فال ویل اور جمی سواگراٹ جنہیں امریکہ کی بہت بڑی اکثریت انتہائی انہماک سے سنتی ہے امریکی اسے اپنا مذہبی راہنما قرار دیتے ہیں یہودیوں کی وکالت کر رہے ہیں سابق صدر جمی کارٹر کا کہنا ہے کہ ''اسرائیل کا قیام بائبل کی پیشین گوئی کی تکمیل ہے۔'' اسی طرح سابق صدر رونالڈ ریگن نے بھی کہا تھا کہ ''عنقریب دنیا فنا ہو جائے گی۔'' (صرف عیسائی اور یہودی زندہ رہیں گے) حالانکہ حیرت انگیز طور پر صدر کینیڈی تک امریکہ کے بیشتر صدور اسرائیل اور یہودیوں کے سخت ترین مخالف تھے۔ صدر آئزن ہاور یہودیوں کی توسیع پسندی کے سخت دشمن تھے۔ امریکہ کے ایک صدر جارج بش واشنگٹن نے اپنے عوام کو متنبہ کیا تھا کہ ''یہودی خون چوسنے والی چمگادڑیں ہیں اور اگر تم نے انہیں امریکہ بدر نہ کیا تو دس سال سے بھی کم عرصہ میں یہ تمہارے ملک پر حکمرانی کرنے لگیں گے اور تمہاری آزادی کو سلب کر لیں گے۔'' (بیان ایمسٹرڈم چیمبر 22-9-1654)

خوش قسمتی سے اسی زمانے میں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا۔ چنانچہ یہودیوں نے خود کو محفوظ رکھنے کی خاطر امریکہ کو اپنا وطن بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے دور اندیشی کی بنیاد پر نیویارک کی بندرگاہوں کو اپنے لیے منتخب کیا تاکہ سمندری و تجارتی راستے سے وہ پہلے امریکہ اور پھر ساری دنیا پر قبضہ کر سکیں۔ ان کے اسی فیصلے کے بعد آج نیویارک کو جیویارک بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف پروٹسٹنٹ عیسائی بھی امریکہ چلے گئے۔ اس طرح امریکہ میں آج تک یہی فرقہ اکثریت میں موجود رہا۔ یہ پروٹسٹنٹ عیسائی ہی تھے جنہوں نے یہودیوں کے لیے عیسائیوں کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا کیا اور ان کی حمایت کی۔ ان کے اثرات ہی کی وجہ سے عیسائیوں کی بڑی آبادی اس بات کی قائل ہوئی کہ فلسطین کو یہودیوں کی سرزمین قرار دیا جائے۔ یہودیوں کے ساتھ ان کی ہمدردی کا یہ حال تھا کہ صیہونی (اسرائیلی) تحریک سے پہلے قیام اسرائیل کا مطالبہ کرنے والے یہودی نہیں بلکہ خود عیسائی تھے۔ عیسائیوں کا کہنا تھا کہ ارضِ مقدس میں یہودیوں کی واپسی نزول مسیح کا پیش خیمہ ہے۔ عیسائیوں کو یہودیوں سے اس لیے بھی ہمدردی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد تمام یہودی آخر کار عیسائیت اختیار کر لیں گے۔ (یہودیت مہد سے لحد تک۔ رضی الدین سید)

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ ایمان و عمل کے بغیر جنت میں جانے کے دعوے دار بنتے ہیں۔

۲۔ جنت میں جانے کے لیے نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان اور عمل صالح کی ضرورت ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنت کے تقاضے:

۱۔ جنت دعووں اور نعروں کی بنیاد پر نہیں ملے گی۔ (البقرۃ:۱۱۱) ۲۔ جنت مشکلات برداشت کئے بغیر نہیں ملے گی۔ (البقرۃ:۲۱۴)

۳۔ ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر جنت الفردوس حاصل ہوگی۔ (الکہف:۱۰۷)

۴۔ جنت آزمائش میں گزرے بغیر حاصل نہیں ہوگی۔ (العنکبوت:۳)

وَقَالَتِ	الْيَهُوْدُ	لَيْسَتِ	النَّصٰرٰى	عَلٰى	شَيْءٍ ۖ	وَّقَالَتِ
اور کہا	یہود	نہیں	نصاریٰ	پر	کسی چیز	اور کہا
النَّصٰرٰى	لَيْسَتِ	الْيَهُوْدُ	عَلٰى	شَيْءٍ ۙ	وَّهُمْ	يَتْلُوْنَ	الْكِتٰبَ ؕ
نصاریٰ	نہیں	یہود	پر	کسی چیز	حالانکہ وہ	پڑھتے ہیں	کتاب
كَذٰلِكَ	قَالَ	الَّذِيْنَ	لَا يَعْلَمُوْنَ	مِثْلَ	قَوْلِهِمْ ۚ	فَاللّٰهُ	يَحْكُمُ
اسی طرح	کہا	جولوگ	بے علم ہیں	جیسی	ان کی بات	سواللہ	فیصلہ کرے گا
بَيْنَهُمْ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	فِيْمَا	كَانُوْا	فِيْهِ	يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾		
ان کے درمیان	قیامت کے دن	جس میں	وہ تھے	اس میں	اختلاف کرتے		

''یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ حق پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں حالانکہ یہ لوگ تورات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان جیسی باتیں بے علم لوگ بھی کرتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ان کے اختلاف کا فیصلہ صادر فرمائے گا۔'' (۱۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کتاب مسلمانوں کے خلاف شروع سے ہی متحد ہیں اس لیے کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ حالانکہ ان کی باہمی منافرت اور فرقہ واریت کا عالم یہ ہے کہ ایک دوسرے کو کافر گردانتے ہیں۔

مسلمانوں کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ اکٹھے ہو کر کہا کرتے تھے کہ ہماری جماعتوں کے علاوہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو پائے گا۔ حالانکہ مسلمانوں کے خلاف اتحاد کے باوجود ان کی باہمی منافرت اور فرقہ وارانہ کشیدگی کا عالم یہ تھا کہ وہ آپس کے جنگ وجدال میں اس حد تک آگے بڑھ چکے تھے کہ یہودیوں نے انجیل کے بارے میں کہا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہی نہیں ہوئی۔ پھر تعصب میں اس قدر اندھے ہوئے کہ جنابِ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر رقیق حملے کیے۔ عیسائیوں نے دو ہاتھ آگے بڑھتے ہوئے نہ صرف تورات کا منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا بلکہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی ذاتِ گرامی پر بھی تہمتیں لگائیں۔ ان کی دیکھا دیکھی مشرکین بھی کہنے لگے کہ جب تک یہ لوگ ہمارے معبودوں کو مشکل کشا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں وسیلہ قرار نہیں دیں گے اس وقت تک ان کی نجات مشکل ہوگی۔ اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو اللہ ہی فیصلہ کرے گا کہ کس کے پلے میں کیا ہے؟ اور حق و باطل کے حوالے سے کوئی کس مقام پر کھڑا تھا؟ اس فرمان میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امتِ محمدیہ کے خلاف ابتداء ہی سے کفر کے حامی یکجا رہے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''جب نجران کے عیسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ان کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے اور انہوں نے

رسول اللہ ﷺ کے پاس جھگڑا کیا۔ رافع بن حریملہ نے کہا: تم کسی دین پر نہیں ہو اور ساتھ ہی عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کفر کر دیا اور اہلِ نجراں کے عیسائیوں میں سے ایک شخص نے یہودیوں کو کہا: تم کسی دین پر نہیں اور اس کے ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے ساتھ کفر کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہی باتوں کے متعلق فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی کہ {یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ حق پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں حالانکہ یہ لوگ تورات پڑھتے ہیں}۔''

عیسائیوں اور یہودیوں کی باہم ہرزہ سرائی

یہودیوں اور عیسائیوں کی دشمنی ہزاروں سال پرانی ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے شروع ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تقریباً سو سال پہلے شدومد سے جاری تھی عیسائیوں کے نزدیک یہودیوں کے درج ذیل بڑے بڑے یہ جرائم تھے اور ہیں جن کی بنیاد پر یہودی قابلِ گردن زدنی سمجھے جاتے تھے۔

۱۔ یہودی حضرت مریم پر (نعوذ باللہ) بدکاری کا الزام لگاتے ہیں۔

۲۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تختۂ دار پر لٹکانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۳۔ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) (خاکم بدہن) ناجائز بچہ قرار دیتے ہیں۔

۴۔ قربِ قیامت یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کو (نعوذ باللہ) دجال کی آمد تصور کرتے ہیں۔

۵۔ یہودی عیسائیت کا انکار کرتے ہیں۔

۶۔ عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ہیں۔

چنانچہ انہی جرائم کی بنیاد پر عیسائیوں کے نزدیک یہودی قوم انتہائی قابل نفرت قوم رہی ہے۔ عیسائی انہیں روئے زمین پر سب سے شریر اور خبیث مخلوق قرار دیتے تھے اور جہاں پاتے تھے قتل کر دیتے تھے۔ حال یہ تھا کہ ابتدائی دور میں جب یورپ میں طاعون (یا کالی وبا) پھیلی جس کے باعث لاتعداد ہلاکتیں ہوئیں تو عیسائیوں نے اس کا سبب یہودیوں کو ٹھہرایا حالانکہ خود عیسائی بھی اس مرض میں ہلاک ہو رہے تھے۔

یہودیوں کی جلاوطنی:

586ء میں شاہ بابل نے یروشلم پر قبضہ کیا اور عبادت خانے کو تباہ کر دیا۔

472 ق م میں یونانی بادشاہ انہولنس نے یروشلم پر حملہ کر کے سلیمانی ہیکل کا نام ونشان مٹا دیا اور اسے بت خانے میں تبدیل کر دیا۔

135 عیسوی میں رومی بادشاہ ہیڈریان نے یروشلم کو ایک بار پھر تباہ و برباد کر دیا۔

1228ء اسپین میں یہودیوں کو قانونی طور پر لباس کے اوپر نمایاں نشان آویزاں کرنے کا حکم دیا گیا۔

1266ء پولینڈ کے گرجاؤں نے فیصلے صادر کئے کہ یہودی عیسائیوں کے ساتھ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

1321ء فرانس میں ایک گڑھے میں 160 یہودی دفن کئے گئے۔

1355ء اسپین میں ایک مشتعل ہجوم نے بارہ ہزار یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

1391ء میجور کا جزیرے میں پچاس ہزار یہودی تہ تیغ کئے گئے۔

1391ء سسلی میں بڑے پیمانے پر یہودیوں کا قتل عام کیا گیا۔

1422ء ''کیسٹائل'' میں یہودیوں کو علیحدہ علاقے میں رہنے اور امتیازی پٹی پہننے پر مجبور کیا گیا۔

1420ء لیون: فرانس سے یہودیوں کو نکال باہر کیا گیا۔

1492ء اسپین میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار یہودی ملک بدر کئے گئے۔

1492ء سسلی اور مالٹا سے یہودیوں کو نکال باہر کیا گیا۔

پولینڈ نے پہلی مرتبہ یہودی حد بندی کا آغاز کیا۔ (یہودیوں کو ایک مخصوص علاقہ میں محدود کرنے کو یورپ میں Ghetto کی اصطلاح سے پکارا جاتا ہے۔)

1498ء پرتگال میں ایک بھی یہودی باقی نہ رہنے دیا گیا۔

1935ء تا 1941ء۔ ہٹلر نے ہزاروں یہودیوں کو انسانیت سوز سلوک سے دوچار کر کے عظیم تباہی مچائی۔ (یہودی اس سانحے کو ہولوکاسٹ Holocaust کہہ کر پکارتے اور بے حد مبالغے سے کام لے کر دنیا کی ہمدردیاں سمیٹتے ہیں۔

(حوالہ کتاب: عرب اور اسرائیل، ازرون ڈیوڈ صفحہ 75 اور صفحہ 108)

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو جنت کا وارث سمجھنے کے باوجود ایک دوسرے کو کافر گردانتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت ہر قسم کے اختلافات کا فیصلہ فرمائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلافات:

۱۔ مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کو متحد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ باہم ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ (البقرۃ: ۱۱۳)

۲۔ یہود و نصاریٰ قیامت تک باہم اختلاف کرتے رہیں گے۔ (المائدۃ: ۱۴)

۳۔ یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر الزام۔ (النساء: ۱۵۶)

۴۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے دعویدار ہیں۔ (النساء: ۱۵۷)

وَمَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنْ	مَّنَعَ	مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اَنْ
اور کون	بڑا ظالم	سے جو	روکا	اللہ کی مسجدیں	یہ کہ

يُّذْكَرَ	فِيْهَا	اسْمُهٗ	وَسَعٰى	فِيْ	خَرَابِهَا ؕ
یاد کیا جائے	اس میں	اس کا نام	اور کوشش کی	میں	اس کی خرابی

اُولٰٓئِكَ	مَا	كَانَ	لَهُمْ	اَنْ	يَّدْخُلُوْهَآ
یہ لوگ	نہیں	تھ	ان کے لیے	یہ کہ	وہ داخل ہوں اس میں

اِلَّا	خَآئِفِيْنَ ؕ	لَهُمْ	فِي	الدُّنْيَا
مگر	ڈرتے ہوئے	ان کے لیے	میں	دنیا

خِزْيٌ	وَّلَهُمْ	فِي	الْاٰخِرَةِ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾
رسوائی	اوران کے لیے	میں	آخرت	عذاب	بڑا

''اوراس شخص سے بڑھ کرظالم کون ہوسکتا ہے۔ جواللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر ہوتے ہوئے روکے اور مسجدوں کی بربادی کی کوشش کرے ایسے لوگوں کوخوف کے ساتھ ہی مسجدوں میں جانا چاہیے۔ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب ہوگا۔''(۱۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیا خطاب شروع ہوا ہے جس میں اہل کتاب کے ساتھ مشرکینِ مکہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

یہود ونصاریٰ نے نہ صرف ایک دوسرے کی آسمانی کتابوں کی نفی کی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر انبیاء کرام علیہم السلام کی عظیم شخصیات کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہاں تک کہ عبادت گاہوں کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے مذہبی منافرت کے مورچے بنالیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دوسرے کے معبد خانوں پر حملہ آور ہوئے اور حکمرانوں نے عبادت گاہوں کے تقدس واحترام کو پامال کیا۔ بسا اوقات ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی جیسا کہ بیت المقدس کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔ ایسا ہی کردار مشرکینِ مکہ کا تھا۔ بیت اللہ جس کی تعمیر کا مقصد ہی اس میں اللہ کی عبادت کرنا اور اسے زیارت گاہ قرار دیتے ہوئے مرکزِ توحید ٹھہرایا گیا ہے۔ ایک عرصہ تک نبی محترم ﷺ اور مسلمانوں کو اس کی زیارت سے محروم رکھا اور اس میں عبادت کرنے سے منع کردیا گیا۔ یہ تو اسلام کی خصوصیت ہے کہ جس نے نظریاتی اختلافات کے باوجود ہر عبادت گاہ کو احترام کی نظر سے دیکھنے کا حکم دیا ہے۔ جس کی آپ نے اس وقت عملاً اعلیٰ مثال قائم فرمائی جب نجران کے عیسائی آپ سے اسلام کے بارے میں مذاکرات کرنے لیے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے گفتگو کے دوران ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ ﷺ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہمیں اب نماز پڑھنا ہے۔ یہ سنتے ہی وفد کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو ہم بھی اپنے طریقے اور قبلہ کے مطابق آپ کی مسجد میں نماز ادا کرلیں؟ آپ نے بڑی خوشی کے ساتھ انہیں نماز پڑھنے کی اجازت دے کر عملاً یہ ثابت کیا کہ واقعتا مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور ان میں ہر کسی کو اللہ کی عبادت کرنے کا حق ہے اور ملنا چاہیے۔ [تفسیر ابن کثیر: آل عمران: ۶۱]

بشرطیکہ باطل نظریات کا پرچار اور اس میں بدنظمی نہ کی جائے کیونکہ کسی شخص کو دوسرے کی عبات گاہ میں جا کر اپنے نظریات پھیلانے کا حق نہیں پہنچتا۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کسی علاقے میں بھی اپنے دورِ حکومت میں دوسروں کے معبد خانوں میں جا کر تبلیغ کی ہو بلکہ مسلم حکمرانوں نے ان کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کیا۔ البتہ کسی کو مسجدوں میں شور وغل اور بدنظمی پیدا کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ مسجد بالخصوص بیت اللہ کا ماحول خراب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا کرے گا۔ مسجدوں کا ماحول اتنا سنجیدہ اور عبادت گزاری کا ہونا چاہیے کہ کوئی بدتمیزی اور شرپسندی کی کوشش کرے تو اپنے آپ میں خفت اور ذلت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے جو لوگ مسجدوں میں بحث وتکرار اور لڑائی جھگڑا کرتے ہیں ایسے لوگ بالآخر لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔ آپ نے مسجد اور بازار کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مسجدوں میں اس طرح بلند آواز سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے جس طرح منڈی اور بازار میں کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ قرآنِ مجید کی تلاوت مناسب آواز سے کرنا چاہیے تاکہ ہر آدمی یکسوئی اور پورے انہماک کے ساتھ ذکر وفکر اور اللہ کی عبادت کر سکے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيَلِيَنِيْ مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلَاثًا وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ))(رواہ مسلم: باب تسویۃ الصفوف وإقامتھا)

''حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے قریب عقلمند لوگ کھڑے ہوا کریں۔ پھر ان سے کم۔ یہ کلمات آپ نے تین دفعہ دہرائے اور فرمایا مسجدوں میں بازاروں کی طرح شوروغوغا نہ کیا کرو۔''

مسائل

۱۔ اللہ کے گھروں سے لوگوں کو روکنے والا ظالم ہے وہ دنیا وآخرت میں ذلیل ہوگا۔ ۲۔ شرارتی لوگوں پر کڑی نظر رکھنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مسجد کا مقام واحترام:

۱۔ مسجدیں صرف اللہ کی عبادات کے لیے ہیں۔ (الجن: ۱۸) ۲۔ مسجدیں شرک سے پاک ہونی چاہئیں۔ (الحج: ۲۶)
۳۔ مسجدوں کی صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔ (الحج: ۲۶) ۴۔ مسجدیں نماز اور اعتکاف کے لیے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۲۵)
۵۔ مسجدیں آباد کرنا صرف ایمانداروں کا حق ہے۔ (التوبہ: ۱۸) ۶۔ مشرک کو بیت اللہ میں داخل ہونے کا حق نہیں ہے۔ (التوبہ: ۲۸)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ کے لیے	مشرق	اور مغرب	سو جس طرف	تم منہ کرو تو اس طرف	اللہ کی توجہ

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

بیشک	اللہ	وسعت والا	جاننے والا

''مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور علم والا ہے۔'' (۱۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیات میں مساجد کے احترام و اکرام اور ان کا مقصد بیان فرمایا کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہونا چاہیے۔ یہاں اس بات کی وضاحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ صرف مسجدوں تک محدود نہیں بلکہ پوری زمین مشرق سے لے کر مغرب تک اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اس کی توجہ زمین کے چپے چپے اور ذرّے ذرّے پر ہے۔

اسلام حقیقت پسندی کا مذہب ہے اور اس کی تعلیم یہ ہے کہ شعائر کا احترام اور خیال رکھنے کے باوجود آدمی کی نظر ہمیشہ حقائق اور اصلیت پر رہنی چاہیے۔ کیونکہ قومیں جب ظاہر پرستی میں مبتلا ہو جائیں تو ان میں حقیقی روح اور جذبہ ختم ہو جایا کرتا ہے۔ یہی صورت حال عیسائیوں اور یہودیوں میں پیدا ہوئی جس کی وجہ سے عیسائیوں نے بیت المقدس میں اس جگہ کو زیادہ افضل قرار دیا جس مشرقی کونے میں حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے آپ کو عبادت کے لیے وقف کیا تھا اور جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی جسے بیت اللحم کہا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہودیوں نے مغربی جانب کو اپنے لیے زیادہ محترم قرار دیا کہ ہیکل سلیمان یہاں واقع ہے۔ مسلمانوں پر بھی ایسا دور گزرا ہے کہ جب بیت اللہ کو فکری اور جغرافیائی طور پر تقسیم کر دیا گیا۔ ملک عبدالعزیز آلِ سعود کی حکومت سے پہلے ترکوں کی طرف سے مکہ کے گورنر جسے شریفِ مکہ کہا جاتا ہے اس کے دور میں بدقسمتی سے اتحاد کے نام پر بیت اللہ میں چار مصلے بچھا دیے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حطیم کی طرف کھڑے ہونے والے اس لیے دوسرے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ ہم فلاں ہیں اور ہماری جائے نماز زیادہ افضل ہے۔ ان کے مقابلے میں رکنِ یمانی کی جانب کھڑے ہونے والے اپنے آپ کو زیادہ حق پر سمجھتے کہ ہماری جانب حجرِ اسود کی طرف ہے۔ علیٰ ھذا القیاس افسوس! مرکزِ توحید و اتحاد میں بھی ملت تقسیم ہو کر رہ گئی۔ یہاں وضاحت فرمائی گئی ہے کہ بے شک تمہارے لیے ایک قبلہ مقرر کر دیا گیا ہے جو تمہارے لیے یکسوئی اور اتحاد کی علامت بنایا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی توجہ اس میں محدود نہیں ہوگی۔ اس کی توجہ ہر جانب یکساں اور متواتر ہوا کرتی ہے۔ انسان کوتاہ نظر ہے ورنہ اللہ کے فضل و عطا کی وسعتیں اور عفو و درگزر کی جہتیں بے مثال و لامحدود ہیں۔

مسائل

۱۔ انسان جدھر بھی منہ کرے اللہ تعالیٰ کی اس طرف توجہ ہوتی ہے۔ ۲۔ اللہ مشرق و مغرب کا مالک اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

نوٹ! قبلہ کے بارے میں بحث دوسرے پارے کی ابتدا میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي

اورانہوں نے کہا بنالیا اللہ بیٹا وہ پاک ہے بلکہ اس کیلئے جو میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

آسمانوں اورزمین سب اسی کیلئے زیرفرمان پیدا کرنے والا آسمانوں اورزمین

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

اورجب وہ فیصلہ کرتا ہے کوئی کام تو یہی کہتا ہے اسے ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے

''یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے اس اولاد سے پاک ہے کیونکہ زمین وآسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت ہے۔اور ہر کوئی اس کا تابعدار ہے۔(۱۱۶) وہ زمین وآسمانوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔جو کام کرنا چاہے تو صرف حکم دیتا ہے کہ ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے۔''(۱۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب زمین وآسمان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔تو اسے اولاد کی کیا ضرورت وہ تو کن کہتا ہے اور ہر چیز اس کی مرضی کے مطابق معرض وجود میں آجاتی اور اس کی غلامی میں لگ جاتی ہے۔اولاد کی حاجت انسان کو ہے اللہ تعالیٰ ان حاجات اور کمزوریوں سے پاک ہے۔

سلسلۂ کلام سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ یہود ونصاریٰ انبیاء کے گستاخ،دین کے لیے ننگ وعار،عبادت خانوں کی بے رونقی کا باعث اور اللہ تعالیٰ کی توہین کرنے والے ہیں۔جس کی بنا پر یہودیوں نے جنابِ عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا اور عیسائیوں نے اس میں اضافہ کرتے ہوئے حضرت مریم کو خدا کی بیوی اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا بیٹا ٹھہرایا۔مشرکینِ مکہ نے بتوں کو خدا کا اوتار تصور کیا اور کچھ اقوام نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔یہاں اس بات کی سختی کے ساتھ تردید کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں وہ اس کمزوری سے بالکل مبرّا اور پاک ہے کیونکہ اولاد سلسلۂ نسب کے تسلسل کے لیے ضروری،انسان کی ضرورت اور اس کی طبعی محبت کا تقاضا ہے۔آدمی کی اولاد نہ ہو تو وہ اپنے گھر ویرانی،بے رونقی اور تنہائی محسوس کرتا ہے اور اپنے آپ کو کمزور اور بے سہارا سمجھتا ہے۔اللہ تعالیٰ تو ان تمام کمزوریوں سے مبرّا ہے۔اسے کسی لحاظ سے بھی نہ سہارے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اسے تنہائی اور کمزوری کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی کی محبت میں مبتلا ہے۔حاکم کل اور قادرِ مطلق ہے۔کیونکہ جو کچھ زمین وآسمانوں میں ہے ہر چیز اس کی غلام اور تابع فرمان ہے۔اس نے زمین و آسمان کو بغیر نقشے اور میٹریل کے پیدا کیا وہ تو صرف اتنا حکم دیتا ہے کہ ہوجا وہ چیز ٹھیک ٹھیک اس کے حکم کے مطابق معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔اس سے ان اقوام اور سائنسدانوں کے نظریے کی تردید ہوتی ہے جن کا کہنا ہے کہ روح اور

مادہ تو پہلے ہی موجود چلا آ رہا ہے۔ خدا تو صرف اسے ایک شکل اور وجود دینے والا ہے۔

((قَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ اللّٰهُ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ))

(رواه البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب یقال لا ینون أحد أي واحد)

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے یہ اس کے لیے جائز نہیں وہ مجھے برا کہتا ہے اسے یہ بھی زیب نہیں دیتا۔ اس کا یہ کہنا کہ جس طرح اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے دوبارہ ہرگز نہیں لوٹائے گا یہ مجھے جھٹلانے کے مترادف ہے حالانکہ پہلی بار پیدا کرنا دوسری بار لٹانا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔ ابن آدم کا یہ کہنا کہ اللہ کی اولاد ہے مجھے برا کہنا ہے حالانکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں نہ میں والد ہوں اور نہ ہی مولود اور نہ ہی کوئی میرا ہمسر ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو اولاد کی ضرورت نہیں کیونکہ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ملک اور تابعدار ہے۔

۲۔ ہر کام ''اللہ'' کے ''کُنْ'' کہنے سے ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ایک ہے:

۱۔ اللہ اولاد سے پاک ہے۔ (الانعام: ۱۰۱) ۲۔ عیسیٰ اور مریم علیہما السلام الٰہ نہیں اللہ کے بندے تھے۔ (المائدۃ: ۷۵)

۳۔ اللہ کی اولاد قرار دینا سنگین ترین جرم ہے۔ (مریم: ۹۱، ۹۲)

۴۔ اللہ تعالیٰ کو کسی نے جنم نہیں دیا نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے۔ (الاخلاص: ۳)

زمین و آسمان کی تخلیق:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر نمونے کے زمین و آسمان بنائے۔ (البقرۃ: ۱۱۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں۔ (البقرۃ: ۲۹) ۳۔ اس نے آسمان و زمین کو برابر کیا۔ (البقرۃ: ۲۹)

۴۔ آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا۔ (البقرۃ: ۲۲) ۵۔ زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنایا۔ (الاعراف: ۵۴)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ

اور کہا جولوگ علم نہیں رکھتے کیوں نہیں ہم سے بات کرتا اللہ یا ہمارے پاس آتی کوئی نشانی

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ

اسی طرح کہا جولوگ سے ان سے پہلے جیسی ان کی بات ایک جیسے ہوگئے انکے دل

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

یقینا ہم نے واضح کردیں نشانیاں لوگوں کیلئے یقین رکھتے ہیں بیشک ہم ہم نے آپ کو بھیجا حق کے ساتھ

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور نہ آپ سے پوچھا جائیگا سے والے دوزخ

''اور بے علم لوگوں نے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے مطالبہ کیا تھا۔ ان کے اور ان کے دل یکساں ہوگئے ہیں بلاشبہ ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں بیان کردی ہیں۔ (۱۱۸) ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے جہنم والوں کے بارہ میں پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی۔'' (۱۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ کی اولاد ٹھہرانا غلط ہے۔ اسی طرح ان کا براہِ راست اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا اس سے براہ راست بات کرنے کا مطالبہ بھی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زیارت دنیا کی آنکھوں سے کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

اہلِ کفر کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ جب بھی وہ انبیاء کے مقابلے میں لاجواب ہوتے تو یہ مطالبہ کرتے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ جس رب نے آپ کو نبی بنایا ہے وہ براہِ راست ہمیں اپنے آپ پر ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ یا پھر ہمارے پاس ایسے دلائل و معجزات کیوں نہیں آتے؟ جن کو دیکھتے ہی ہم آپ کی رسالت اور خدا کی خدائی پر ایمان لانے کے لیے مجبور ہوجائیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کے مطالبہ کو اس لیے درخود اعتناء نہیں سمجھا گیا کیونکہ اس سے زیادہ جہالت پر مبنی کوئی مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ مشرکین مکہ سے پہلے بنی اسرائیل نے مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے کوہِ طور پر اللہ کے نور کی ایک جھلک دیکھی تو سارے کے سارے بے ہوش ہوگئے۔ قرآن مجید صاف، صاف بتلاتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں انسان کی آنکھ ربِّ کبریا کو نہیں دیکھ سکتی جب کہ اللہ تعالیٰ سب کو دیکھ رہا ہے۔ (الانعام: ۱۰۳) اگر اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو براہ راست حکم دینا اور بات کرنی ہے اور ہر کوئی انبیاء کی طرح پاکباز اور باصلاحیت ہو تو پھر پیغمبروں کی آمد کا مقصد ہی باقی نہیں رہتا۔ اس بے ہودہ سوال کا جواب دینے کی بجائے فقط اتنا فرمایا کہ ان کی زبان اور دل ان لوگوں کی طرح ہو چکے ہیں جنہوں نے ہمیشہ انکار اور تمرّد کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ایسا مطالبہ کیا ہے۔ جہاں تک کھلے اور واضح دلائل اور معجزات کا تعلق ہے وہ اس سے زیادہ کیا ہوسکتے ہیں کہ ان کے سامنے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، آپ کا آسمانوں کی رفعتوں سے بلند سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا، قرآن مجید کی

ایک ایک پیش گوئی کا حرف بحرف سچ ہونا، معجزات اور آیات کا نازل ہونا۔ پھر آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی شکل میں ایک چلتا پھرتا معجزۂ مجسم بھی ان کے سامنے تھا۔ جس کی نظیر و مثال قیامت تک کوئی پیش نہیں کر سکتا اتنے واضح و بیّن براہین و دلائل پر ایمان تو وہی لوگ لاتے ہیں جو یقین و اعتماد کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ بلاشبہ ہم نے آپ ﷺ کو ایسی سچائی کے ساتھ جلوہ گر کیا ہے کہ جس پر ایمان لانے والوں کے لیے دنیا و آخرت کی بشارتیں اور منکروں کے لیے دنیا میں پریشانیاں اور آخرت میں پشیمانیاں ہوں گی۔ میرے نبی! آپ اپنا کام کرتے جائیں۔ آپ برے کاموں پر انتباہ کرنے اور اچھے کاموں کی اچھی خوشخبری دینے والے ہیں۔ ہم قیامت کے دن آپ سے یہ سوال نہیں کریں گے کہ آپ کے ہوتے ہوئے یہ جہنم کے سزاوار کیوں ٹھہرے؟

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِيْ وَلَا أَقُوْلُهُنَّ فَخْرًا بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِلْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ فَأَخَّرْتُهَا لِأُمَّتِيْ فَهِيَ لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا)) (مسند احمد: باب مسند عبداللہ بن العباس [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ میں ان کے بارے میں فخر سے بات نہیں کرتا میں تمام سرخ و سیاہ لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں اور ایک مہینے کی مسافت تک میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے۔ میرے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دیا گیا ہے جب کہ مجھ سے پہلے کسی امت کے لیے حلال نہ تھا اور میرے لیے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنادی گئی ہے اور مجھے شفاعت عطا کی گئی میں نے اسے اپنی امت کے لیے مؤخر کر دیا ہے اور وہ ہر اس شخص کو فائدہ ہوگا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا۔''

مسائل

۱۔ جاہل اور کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست دیکھنے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔
۲۔ انبیاء کا کام لوگوں کو جہنم سے کھینچنا نہیں بلکہ ان کو اچھے، بُرے سے آگاہ کرنا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خوشخبری دینے اور انتباہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا:

۱۔ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور اس سے ہم کلامی کا مطالبہ کیا۔ (النساء: ۱۵۳)
۲۔ اللہ تعالیٰ براہ راست کسی سے کلام نہیں فرماتا۔ (الشوریٰ: ۵۱)
۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ پردے میں بات کرتا تھا۔ (الشوریٰ: ۵۱)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ

اور ہرگز راضی نہ ہونگے آپ سے یہود اور نہ نصاریٰ یہاں تک آپ تابعداری کریں

مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ

ان کا دین فرمادیں بیشک ہدایت اللہ وہی ہدایت اور اگر

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ

آپ نے پیروی کی ان کی خواہشات بعد وہ جو کہ تیرے پاس آ گیا علم سے نہیں تیرے لیے

وقف منزل

مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

سے اللہ سے حمایت کرنیوالا اور نہ مددگار

''یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک آپ ان کے مذہب کا تابع نہ ہو جائیں۔ فرمادیں کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اگر آپ نے علم آجانے کے باوجود ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے ہاں آپ کا نہ کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔ (۱۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کفر اور یہود و نصاریٰ کے تمام کے تمام مطالبات بھی مان لیے جائیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا اے رسول! آپ ﷺ اپنا کام کرتے رہیں کیونکہ آپ کو ان کا ہر مطالبہ پورا کرنے اور ہر حال میں انہیں راضی کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ آپ حق کی شہادت اور ان کے برے کاموں کے انجام سے ڈراتے ہیں۔ ہدایت تو وہی لوگ پائیں گے جو کتاب اللہ کو اخلاصِ نیت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ اہلِ کتاب پڑھے لکھے اور اپنے آپ کو دین دار سمجھنے کے باوجود رسالت مآب ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تسلی دینے کے لیے براہِ راست رسولِ محترم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ کی فطرتِ خبیثہ کے بارے میں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک آپ سے خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ لوگ اپنا دین چھوڑ کر ان کے دین کو قبول نہ کرلیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت تو وہی ہے جس پر وہ قائم ہیں۔

اے نبی! ان سے فرما دیجیے جسے تم ہدایت سمجھتے ہو وہ ہدایت نہیں۔ ہدایت تو وہ ہے جس کی رہنمائی اور توفیق اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ یہاں ہمیشہ کے لیے یہ اصول بیان کر دیا کہ ہدایت وہ نہیں جس کو کوئی انسان، قوم یا کوئی پارلیمنٹ متعین کرے بلکہ دینی اور حقیقی ہدایت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں آپ پر نازل فرمایا ہے۔ اگر علم و معرفت کے باوجود آپ ان کی طرف جھک گئے تو یاد رکھیں کہ جن لوگوں کی حمایت اور خوشی کے لیے آپ ایسا کریں گے وہ تو ذاتِ کبریا کے سوا آپ کا خیر خواہ اور مددگار ثابت نہیں ہوگا۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

جولوگ	ہم نے دی انہیں	کتاب	اس کی تلاوت کرتے ہیں	حق	اس کی تلاوت	وہی لوگ

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

ایمان رکھتے ہیں	اس پر	اور جو	انکار کریں	اس کا	وہی	وہ	نقصان پانے والے

جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی اور وہ اس کا حق تلاوت ادا کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے گا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' (۱۲۱)

اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پیش نگاہ رکھنا چاہیے۔ اگر مسلمان دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اپنا دین اور تہذیب چھوڑ دیں گے تو اس طرح یہود و نصاریٰ تو وقتی طور پر خوش ہوں گے لیکن مسلمان اپنے رب کی نصرت و حمایت سے محروم ہو جائیں گے۔ جو اپنے رب کی نصرت و حمایت سے محروم ہوا اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ اہلِ کتاب میں وہی لوگ محمد عربی ﷺ کی رسالت اور قرآن کی صداقت پر ایمان لائیں گے جو ذہنی تحفظات اور گروہی تعصّبات سے بالاتر ہو کر تورات، انجیل اور قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں۔ حصولِ ہدایت کا یہی وہ بنیادی اصول ہے جس کے لیے قرآن بار بار اس بات کی دعوت دیتا ہے۔ کہ اے دنیا جہاں کے لوگو! کتابِ ہدایت کو تدبر و تفکر کے ساتھ پڑھو نا کہ تمہارے لیے ہدایت کا راستہ واضح اور آسان ہو جائے۔ جنہوں نے کتاب اللہ میں تدبر و تفکر سے اجتناب اور اس کے حقائق کا انکار کیا وہ بالآخر نقصان پائیں گئے۔

((عَنْ أَبِي ذَرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ بَعْدِي مِنْ أُمَّتِي أَوْ سَيَكُونُ بَعْدِي مِنْ أُمَّتِي قَوْمٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَلَاقِيمَهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَخْرُجُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ثُمَّ لَا يَعُودُونَ فِيهِ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ)) (رواہ مسلم: کتاب الزکوۃ، باب الخوارج شر الخلق والخلیقۃ)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد ایک قوم آئے گی وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنی کمان سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ دین کی طرف نہیں لوٹ سکیں گے۔ وہ انسانوں اور جانوروں میں سے بدترین ہوں گے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ))

(رواہ البخاری: کتاب، فضائل القرآن، باب من لم یتغن بالقرآن)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنا پسند نہیں کرتا جس قدر نبی ﷺ کی زبان سے قرآن کو خوبصورت پڑھنا پسند کرتا ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی وضاحت میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے ''یَسْتَغْنِی بِهٖ'' کہ اس کو وعظ ونصیحت کے معاملے میں کافی سمجھا جائے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد بانہ آواز کے ساتھ پڑھنا ہے۔ (واللہ اعلم)

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ))

(رواہ ابو داؤد: کتاب الصلاۃ، باب استحباب الترتیل فی القراءۃ [صحیح])

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔''

مسائل

۱۔ جب تک مسلمان یہودی یا عیسائی نہ ہو جائیں یہود و نصاریٰ راضی نہیں ہو سکتے۔
۲۔ کتاب وسنت کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔
۳۔ قرآن وسنت کی اتباع کیے بغیر خدا کی نصرت وحمایت حاصل نہیں ہوتی۔
۴۔ قرآن مجید کی تلاوت اس کے تقاضے پورے کرتے ہوئے کرنی چاہیے۔
۵۔ قرآن کی راہنمائی کا انکار کرنے والے دنیا وآخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

خواہشات کی پیروی کرنا جرم ہے:

۱۔ اللہ کی راہنمائی آجانے کے بعد اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرنا چاہیے۔ (ص:۲۶)
۲۔ فیصلہ کرتے وقت خواہشات کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ (المائدۃ:۴۹)
۳۔ علم کے باوجود خواہشات کی پیروی کرنے والا اللہ کی ضمانت سے نکل جاتا ہے۔ (الرعد:۳۷)
۴۔ اپنی خواہش کی پیروی کرنا اپنے نفس کو رب بنانا ہے۔ (الفرقان:۴۳)
۵۔ حق کو خواہشات کے تابع کرنے سے نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ (المؤمنون:۷۱)
۶۔ نبی کی بات نہ ماننا اپنی خواہش کی پیروی کی علامت ہے۔ (القصص:۵۰)

يٰبَنِيْٓ	اِسْرَآءِيْلَ	اذْكُرُوْا	نِعْمَتِيَ	الَّتِيْٓ	اَنْعَمْتُ	عَلَيْكُمْ	وَاَنِّيْ
اے بنی اسرائیل		تم یاد کرو	میری نعمت	جو کہ	میں نے انعام کی	تم پر	اور بلاشبہ میں نے
فَضَّلْتُكُمْ	عَلَى	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾	وَاتَّقُوْا	يَوْمًا	لَّا	تَجْزِيْ	نَفْسٌ
تمہیں فضیلت دی	پر	تمام دنیا والے	اور ڈرو	دن	نہیں	کافی ہوگی	کوئی شخص
عَنْ	نَّفْسٍ	شَيْـًٔا	وَّلَا	يُقْبَلُ	مِنْهَا	عَدْلٌ
سے	کسی شخص	کچھ	اور نہ	قبول کیا جائیگا	اس سے	کوئی معاوضہ
وَّلَا	تَنْفَعُهَا	شَفَاعَةٌ	وَّلَا	هُمْ	يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
اور نہ	اسے نفع دے گی	کوئی سفارش	اور نہ	ان	مدد کی جائے گی

''اے اولادِ یعقوب علیہ السلام! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو میں نے تمام دنیا پر تمہیں فضیلت عطا کی تھی۔ (۱۲۲) اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی شخص کے کام نہ آسکے گا۔ نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ اسے کوئی سفارش فائدہ دے گی نہ ان کی مدد کی جائے گی۔'' (۱۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ البقرۃ میں اہلِ کتاب بنی اسرائیل کو تیسری بار خطاب کیا جا رہا ہے۔ جس میں بیت اللہ کی تاریخ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر خاص کر اس دعا کا ذکر ہے جس میں انہوں نے مکہ میں مبعوث ہونے والے آخری پیغمبر کے لیے اللہ کے حضور کی تھی۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو تیسری مرتبہ اپنی عطا کردہ نعمتیں اور فضیلتیں یاد کروا کر احساس دلا رہا ہے کہ تم جس عزتِ رفتہ کے حصول کے خواہش مند ہو وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی مخالفت کے راستے پر چل کر حاصل نہیں ہوسکتی۔ آج تم مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون اور مددگار بن رہے ہو اس دن کی ہولناکیاں اپنے احاطۂ خیال میں لاؤ جس دن تم رائی کے دانے کے برابر بھی ایک دوسرے کی مدد نہیں کرسکو گے۔ تمہارے لیے یہ بات بہتر ہے کہ تم خواہ مخواہ مخالفت اور ناشکری کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اپنے جدِ امجد کا راستہ اختیار کرو اور خاتم المرسلین ﷺ کی اتباع کرو تاکہ تمہیں پہلے کی طرح عزت وعظمت سے نوازا جائے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے یعقوب علیہ السلام کے فرزندو اور میرے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے خانوادے کے ساتھ تعلق رکھنے والو! سنو، غور کرو اور میری نعمتوں کو ایک دفعہ پھر اپنے ذہن میں تازہ کرو جو میں نے دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کر تمہیں عنایت فرمائی تھیں۔ اگر تم عزتِ رفتہ اور انعاماتِ گزشتہ کا اعادہ اور حصول چاہو تو پھر یومِ احتساب سے پہلے

اپنے کردار پر نظر ثانی کرو۔ چہ جائے کہ وہ دن وارد ہو جائے جب عزیز اپنے عزیز، ماں اپنے جگر گوشے اور باپ اپنے لختِ جگر کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ نہ ہی دولت مند کی دولت اس کے کام آئے گی اور نہ کسی کی سفارش اور اثر و رسوخ دوسرے کا معاون اور مدد گار ثابت ہو سکے گا۔ اسی کے پیش نظر رسولِ کریم ﷺ نے اپنے جگر گوشہ بتول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت فرمائی تھی:

((يَافَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ يَاصَفِيَّةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَابَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا سَلُوْنِيْ مِنْ مَّالِيْ مَا شِئْتُمْ))(رواہ مسلم: باب فی قولہ وأنذر عشیرتک الأقربین)

''اے محمد کی بیٹی فاطمہ اور عبد المطلب کی بیٹی صفیہ اور اے عبد المطلب کی اولاد میں تمہارے لیے اللہ کے ہاں کسی چیز کا مالک نہیں ہوں گا البتہ میرے مال میں سے جتنا چاہو مطالبہ کر سکتے ہو۔''

{ يُبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُــــْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا ۭ } (المعارج: ۱۱ تا ۱۵)

''مجرم چاہے گا کہ اس دن بیٹوں کا فدیہ دے کر عذاب سے بچ جائے اور اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے اس کنبہ کا جو اسے پناہ دیا کرتے تھے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کچھ دے کر نجات پا لے لیکن ایسا ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔''

{ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ } (الزخرف: ۶۷)

''اس دن متقین کے علاوہ سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دنیا کی نعمتوں اور عظمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔

۲۔ قیامت کے دن مجرموں کی کوئی کسی لحاظ سے مدد نہیں کر سکے گا۔

۳۔ انسان کو ہر وقت اپنے دل میں قیامت کا ڈر رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن فدیہ اور سفارش قبول نہ ہوگا:

۱۔ کسی جان سے قیامت کے دن فدیہ قبول نہیں ہوگا۔ (البقرہ: ۴۸)

۲۔ کفار سے عذاب کے بدلے زمین کے برابر سونا بھی قبول نہ ہوگا۔ (آل عمران: ۹۱)

۳۔ ہر جان اپنا بوجھ خود اٹھائے گی۔ (النجم: ۳۸) ۴۔ قیامت کے دن کسی کی چالیں اسے فائدہ نہیں دیں گی۔ (الطور: ۴۶)

وَاِذِ	ابْتَلٰٓى	اِبْرٰهٖمَ	رَبُّهٗ	بِكَلِمٰتٍ	فَاَتَمَّهُنَّ ؕ	قَالَ
اور جب	آزمایا	ابراہیم	اس کا رب	چند باتوں سے	تو پورا کر دیا انکو	اس نے فرمایا

اِنِّىْ	جَاعِلُكَ	لِلنَّاسِ	اِمَامًا ؕ	قَالَ	وَمِنْ	ذُرِّيَّتِىْ ؕ
بیشک میں	تمہیں بنانیوالا ہوں	لوگوں کا	امام	عرض کی	اور سے	میری اولاد

قَالَ	لَا	يَنَالُ	عَهْدِى	الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾
اس نے فرمایا	نہیں	پہنچتا	میرا عہد	ظالموں کو

''جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے ان کو پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا۔ ابراہیم نے عرض کی کہ میری اولاد کو بھی فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ہے۔'' (۱۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کا کردار اور ان کا اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں میں پورا اترنے کے بعد مقام و مرتبہ۔

اے بنی اسرائیل! آج تم اپنے فرسودہ نظریات، مذہبی تعصّبات اور معمولی مفادات کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ تمہارے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کی شان تو یہ تھی کہ جب اس کے رب نے اسے امتحانات کے ذریعے آزمایا تو اس نے اولاد، مال، وطن، عزت و اقبال گویا کہ ہر چیز اللہ کے راستے میں قربان کر دی۔ اس طرح وہ آزمائشوں سے گزر کر اپنے رب کے ہاں سرخرو ہوئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھاری آزمائشوں کے لیے چند کلمات کا لفظ استعمال فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں یہ بڑے مختصر اور معمولی امتحانات تھے۔

چند کلمات کے الفاظ میں یہ راز بھی مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو انسان کو ایک ایک نعمت کے بدلے آزما لے تاکہ دنیا میں ہی فیصلہ ہو جائے کہ کون سا انسان کس نعمت کا قدر دان اور کس کی ناقدری کرتا ہے۔

آزمائش کا مقصد بندے کو تکلیف دینا نہیں ہوتا بلکہ اسے اور اس کے حوالے سے دوسروں کو نعمتوں کا احساس دلانا، اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور آزمائشوں کی گزرگاہ سے گزار کر دنیا اور آخرت کی ترقیوں سے سرفراز کرنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ابتلاؤں کی دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کر چکے تو ان کو رہتی دنیا تک لوگوں کا قائد اور امام بنا دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پدری اور فطری جذبے کا اظہار کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور عرض کی کہ یہ اعزاز و اکرام اور منصب و مقام میری اولاد کو بھی ملنا چاہیے۔ جواباً ارشاد ہوا کہ منصبِ امامت اور حقیقی عزت ظالموں کو نہیں ملا کرتی۔ لہٰذا فاسق و فاجر لوگوں کے ساتھ ہمارا وعدہ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جس قدر شریعتیں نازل ہوئیں اور جتنے انبیاء مبعوث ہوئے وہ سب کے سب حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کے پابند کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم ہوا کہ آپ بھی ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو اپنے اور اپنی امت کے لیے لازم ٹھہرائیں۔

{ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ } (النحل:۱۲۳)

''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ یکسو رہنے والے ابراہیم کی ملت کی اتباع کرو اور وہ مشرک نہیں تھے۔''

{ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ } (آل عمران:۹۵)

''فرمادیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے لہٰذا تمہیں ابراہیم کے طریقہ کی اتباع کرنی چاہیے جو اللہ ہی کے ہو گئے تھے اور مشرک نہیں تھے۔''

مسائل

۱۔ ابراہیم علیہ السلام تمام امتحانات میں کامیاب ہوئے۔ ۲۔ ابراہیم علیہ السلام کو آزمائشوں میں سرخروئی کے بدلے دنیا کی امامت عطا ہوئی۔
۳۔ حقیقی عزت و سرفرازی ظالم لوگوں کو نصیب نہیں ہوا کرتی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات اور ان کا مقام و منزلت:

۱۔ (ابرہیم علیہ السلام کا اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کرنا) بہت بڑا امتحان تھا۔ (الصّٰفّٰت:۱۰۶)
۲۔ ابراہیم علیہ السلام کو توحید کی خاطر آگ میں پھینکا جانا بہت بڑی آزمائش تھا۔ (الانبیاء:۶۸)
۳۔ ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی اور نومولود بچے کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر آنا بہت بڑی آزمائش تھا۔ (ابرہیم:۳۷)
۴۔ ابراہیم علیہ السلام امتِ محمدیہ کے لیے نمونہ ہیں۔ (الممتحنۃ:۴) ۵۔ ابراہیم علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدیٰ ہیں۔ (النحل:۱۲۳)
۶۔ ابراہیم علیہ السلام امت کے مقتدیٰ ہیں۔ (آلِ عمران:۹۵) ۷۔ ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی ایک جماعت تھے۔ (النحل:۱۲۰)
۸۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا۔ (النساء:۱۲۵) ۹۔ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے نہ عیسائی۔ (آلِ عمران:۶۷)
۱۰۔ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کے بانی ہیں۔ (البقرۃ:۱۲۷)
۱۱۔ ابراہیم علیہ السلام پر مصحف نازل کیے گئے۔ (الاعلیٰ:۱۹) ۱۲۔ ابراہیم علیہ السلام بردبار اور نرم خو انسان تھے۔ (التوبۃ:۱۱۴)



وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ

اور جب ہم نے بنایا خانہ کعبہ بار بار لوٹنے کی جگہ لوگوں کیلئے اور باعثِ امن اور تم بناؤ سے

مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا

مقام ابراہیم نماز کی جگہ اور ہم نے حکم دیا ابراہیم کو اور اسماعیل کو یہ کہ تم دونوں پاک رکھو

بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

میرا گھر طواف کرنے والوں کیلئے اور اعتکاف کرنے والے اور رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے

''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن وامان کا مقام بنایا اور ہم نے حکم دیا کہ مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بناؤ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو گے۔'' (۱۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ اس میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بیت اللہ کا متولی ہونے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔

یہودی اور عیسائی اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے۔ ان کی تردید اور بیت اللہ کی تاریخی حیثیت بتلانے کیلئے قرآن مجید نے ابتدا سے لے کر بیت اللہ کی تاریخ بتلائی ہے تاکہ یہود ونصاریٰ کی غلط فہمی دور ہو سکے۔

اس جہانِ رنگ وبو میں بے شمار خوبصورت سے خوبصورت ترین عمارات ومحلات موجود ہیں۔ جن کے حسن وجمال میں اضافہ کرنے کے لیے لاکھوں، کروڑوں، اربوں روپے خرچ ہوئے اور کیے جا رہے ہیں۔ ان کو دیکھو تو عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن کوئی ایسی جگہ یا عمارت نہیں جس کے دیدار کو اہلِ جہاں کے لیے لازم قرار دیا گیا ہو اور جس کے لیے اتنی دنیا کے دل تڑپتے ہوں یہ اکرام واعزاز صرف ایک عمارت کو نصیب ہوا جس کو عام پتھروں سے اٹھایا گیا ہے۔ اللہ رب العزت نے اس کو بیت اللہ قرار دیا یعنی اللہ کا گھر۔

{ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ } (آلِ عمران:۹۷)

''اور اللہ کے لیے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دینِ حنیف کی تبلیغ کے لیے اردن، شام اور حجازِ مقدس کو مرکز قرار دیا تھا اردن میں حضرت لوط، حجاز میں حضرت اسماعیل اور شام فلسطین میں بذات خود اور حضرت اسحاق علیہ السلام دین حنیف کی خدمت کر رہے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے گاہے ان مراکز کا دورہ کرتے اور ہدایات فرماتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ حسبِ معمول حکم خداوندی حضرت ہاجرہ اور جناب اسماعیل علیہما السلام کی خبر گیری کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اسی اثنا میں تعمیر کعبہ کا حکم ہوا جس کی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر سے بخاری شریف میں ان الفاظ میں تفصیل موجود ہے:

((ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ وَإِسْمٰعِيلُ يُبْرِئُ نَبْلًا لَّهُ تَحْتَ دَوْحَةٍ قَرِيبًا مِّن زَمْزَمَ فَلَمَّا رَاٰهُ قَامَ إِلَيْهِ فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ ثُمَّ قَالَ يَا إِسْمَاعِيلُ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ هٰهُنَا بَيْتًا وَأَشَارَ إِلٰى أَكْمَةٍ مُرْتَفِعَةٍ عَلٰى مَا حَوْلَهَا قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ فَجَعَلَ إِسْمَاعِيلُ يَأْتِي بِالْحِجَارَةِ وَإِبْرَاهِيمُ يَبْنِي حَتّٰى إِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ جَآءَ بِهٰذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَهُ لَهُ فَقَامَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَبْنِي وَإِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ))

(رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا)

''پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ملک (فلسطین) میں ٹھہرے رہے اس کے بعد جب اسماعیل علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تیر ٹھیک کر رہے تھے۔ جب اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کو دیکھا تو اٹھ کر استقبال کیا۔ دونوں اس طرح ملے جس طرح باپ اپنے بیٹے سے ملتا ہے پھر فرمانے لگے: بیٹا اسماعیل! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس اونچی جگہ پر بیت اللہ تعمیر کروں۔ اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی میں حاضرِ خدمت ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اسی جگہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لائے جا رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرما رہے تھے جب دیواریں اونچی ہوگئیں اور زمین پر کھڑے ہو کر پتھر لگانا مشکل ہو گیا تو جبرائیل علیہ السلام یہ پتھر لے کر آئے جس کو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پتھر پر چڑھ کر کعبہ کی تکمیل فرمائی اور اسماعیل علیہ السلام معاونت کرتے رہے۔''

{ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ ۚ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ } (البقرۃ:۱۲۷)

''اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے اے ہمارے پروردگار! ہماری یہ خدمت قبول فرما تو سب کی سننے اور جاننے والا ہے۔''

پاک صاف رکھنے کا معنیٰ صرف یہی نہیں کہ اس کو کوڑے کرکٹ سے پاک صاف رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ اس کو شرک و بدعات کی روحانی گندگی اور فتنہ فساد سے بھی محفوظ رکھا جائے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام میں واضح ارشاد موجود ہے کہ مشرک کو حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے کیونکہ مشرک روحانی طور پر گندہ اور پلید ہوتا ہے۔

{ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ } (التوبۃ:۲۸)

''اے ایمان والو! مشرکین ناپاک ہیں اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔''

{ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِينَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُونَ ﴿١٧﴾ } (التوبۃ:۱۷)

''مشرکین کو کوئی حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے معمار بنیں درآں حالیکہ وہ اپنے اوپر خود کفر کی شہادت دے رہے ہیں۔ان کے تو سارے اعمال ضائع ہو گئے اور جہنم میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی خدایا مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھنا۔

{ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ } (ابراہیم:۳۵،۳۶)

''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور دعا کی کہ پروردگار! اس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ یارب! اس لیے کہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔''

اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو تمام بتوں کو مسمار کر دیا اور کعبہ میں داخل ہو کر ان تصویروں کو بھی مٹایا جو مشرکین نے دیواروں پر ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی بنائی ہوئی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے یہ اللہ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک محترم ہے نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے جائز ہوا نہ ہی بعد میں کسی کے لیے جائز ہوگا میرے لیے بھی تھوڑی دیر کے علاوہ کبھی حلال نہ ہوگا۔ نہ اس کا شکار بھگایا جائے نہ اس کا کانٹا اکھاڑا جائے اور نہ ہی گھاس کاٹی جائے اور وہاں کسی کی گری ہوئی چیز اعلان کرنے والے کے علاوہ کوئی نہ اٹھائے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کہنے لگے اللہ کے رسول! اذخر نامی گھاس مستثنیٰ کریں کیونکہ وہ لوہاروں اور گھروں کے لیے ضروری ہے آپ خاموش رہے پھر فرمایا ہاں اذخر گھاس کا جلانا جائز ہے۔'' (رواہ البخاری: کتاب الجزیۃ، باب إثم الغادر)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو مرکز خلائق اور جائے امن بنایا ہے۔ ۲۔ مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنانا چاہیے۔

۳۔ بیت اللہ کو ہر آلائش سے پاک صاف رکھنا لازم ہے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ کا مقام و مرتبہ:

۱۔ بیت اللہ ہدایت کا مرکز ہے۔ (آلِ عمران:۹۶) ۲۔ بیت اللہ جائے امن ہے۔ (آل عمران:۹۷)

۳۔ اہلِ مکہ کو بیت اللہ کی وجہ سے امن، رزق اور احترام ملا ہے۔ (قریش:۳،۴)

۴۔ بیت اللہ جائے ثواب ہے۔ (البقرۃ:۱۲۵) ۵۔ بیت اللہ قبلہ ہے۔ (البقرۃ:۱۴۴)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ

اور جب کہا ابراہیم اے میرے رب بنا یہ شہر امن والا اور روزی دے اسکے رہنے والے

مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ

سے پھل (جمع) جو ایمان لائے ان سے اللہ پر اور آخرت کا دن اس نے فرمایا اور جو اس نے کفر کیا

فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

تو میں اسے نفع دوں گا تھوڑا پھر مجبور کروں گا اس کو طرف دوزخ کا عذاب اور بری لوٹنے کی جگہ

''جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور یہاں کے رہنے والوں کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں۔ انہیں پھلوں سے رزق عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے کفر کیا اس کو بھی میں تھوڑا فائدہ دوں گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف دھکیل دوں گا۔ جو لوٹنے کی بدترین جگہ ہے۔'' (۱۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکہ معظمہ اہلِ مکہ کے لیے خصوصی دعائیں۔

سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ میں بیان ہوا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہلِ خانہ کو بیت اللہ کے پڑوس میں چھوڑ کر جا رہے تھے۔ تو انہوں نے دوسری دعاؤں کے ساتھ یہ بھی التجا اور دعا کی تھی کہ بارالٰہا! میں اپنی رفیقۂ حیات اور لختِ جگر کو ایسی سرزمین پر چھوڑ رہا ہوں جو بنجر اور غیر آباد ہے۔ اس لیے ان کی روزی کا انتظام فرما۔ ساکنینِ مکہ کے لیے رزق کی دعا کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تخصیص کے ساتھ عرض کی کہ الٰہی! رزق صرف ان لوگوں کو ملنا چاہیے جو تیری ذاتِ کبریا اور آخرت کی جزا و سزا پر یقین رکھتے ہوں۔ اس تخصیص کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ پہلی غیرتِ ایمانی کی بنا پر جس کی وجہ سے بسا اوقات خدا کے منکروں کی عیش و عشرت دیکھ کر مومن محسوس کرتا ہے کہ دنیا کے وسائل سے نافرمان لوگ اور زیادہ نافرمان ہو جاتے ہیں۔ انہیں تو رزق ملنے کی بجائے بھوکا مرنا چاہیے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب جنابِ ابرہیم علیہ السلام کو امامت کے منصب سے نوازا گیا تھا تو انہوں نے یہ اعزاز اپنی اولاد کے لیے بھی مانگا تھا۔ جس کی وضاحت میں ارشاد ہوا تھا کہ ظالموں کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہو پائے گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ شاید رزق کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو لہٰذا انہوں نے مومنوں کے لیے ہی رزق کی دعا کی۔ جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ رزق تو سب کو دیا جائے گا لیکن ناشکروں اور نافرمانوں کو قیامت کے دن ان کے کفر و شرک کی وجہ سے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ یہاں جہنمی کو جہنم میں داخل کرنے کے لیے اضطرار کا لفظ استعمال فرمایا ہے کیونکہ جہنم کو دیکھ کر جہنمی چیخیں چلائیں گے کہ ہمیں جہنم میں داخل نہ کیا جائے لیکن یہ چیخ و پکار انہیں جہنم سے نہیں بچا سکے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہلِ مکہ کے لیے رزق کی دعا کرتے ہوئے ثمرات کا لفظ استعمال کیا ہے اس کا معنیٰ صرف میوہ جات و ثمرات نہیں بلکہ ہر قسم کی آمدنی ہے۔ جیسا کہ ہر زبان میں محاورہ ہے کہ یہ اجر فلاں محنت کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ اس کی

وضاحت سورۃ قصص آیت ۵۷ میں فرمائی گئی ہے:

{ وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ } (القصص:۵۷)

''اور کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو اپنے ملک سے اچک لیے جائیں۔ کیا ہم نے ان کو حرم میں جو امن کا مقام ہے، جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم کے میوے پہنچائیں جاتے ہیں اور رزق ہماری طرف سے ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

یاد رہے پھل کے لیے قرآن میں ''فَاکِهَة'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کی جمع عربی میں ''فَوَاکِهَة'' آتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی رفیقۂ حیات حضرت ہاجرہ اور لختِ جگر کو مکہ میں چھوڑتے وقت سب سے پہلے جو دعا کی وہ امن وامان کے بارے میں تھی۔ کیونکہ اس وقت حضرت ہاجرہ اور ان کے لختِ جگر اسماعیل کے سوا کوئی اور یہاں آباد نہ تھا۔ اتنے لق ودق صحرا اور سنگلاخ بیابان میں بس ماں بیٹا ہی تو تھے۔ اس لیے ان کے حفظ وامان کی فکر ایک فطری بات تھی۔ اس دعا میں یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ جس مقام پر امن وامان نہ ہو وہاں بسنے والے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ لہٰذا کسی جگہ پر ٹھہرنے کے لیے پہلی ضرورت یہی ہوا کرتی ہے کہ وہاں کے باسیوں کو ہر قسم کا سکون میسر ہو۔ اس کے بغیر کوئی علاقہ ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لیے چادر اور چار دیواری کی حفاظت حکومت کی اوّلین ترجیح ہونا چاہیے۔

اس دعا کے جواب میں ارشاد ہوا کہ رزق اور دنیا کے فائدے تو ان لوگوں کو بھی عطا کروں گا جو سرے سے میری ذات کے انکاری ہوں گے کیونکہ میں خالق، رازق ہوں۔ دنیا کے فائدے کیلئے قلیل کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس لیے کہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی مدت اور نعمتیں قلیل اور عارضی ہیں۔ البتہ آخرت میں کفر والحاد اور انکار واعراض کی وجہ سے انہیں سخت عذاب میں دھکیل دیا جائے گا۔

مسائل

۱۔ اہلِ مکہ کو ہر قسم کے پھل ملنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ رزق عطا کرنے میں کافر ومسلمان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا کیونکہ وہ سب کا رازق ہے۔

۳۔ آخرت کے مقابلے میں پوری دنیا متاعِ قلیل ہے۔ ۴۔ قیامت کے دن کافر جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں:

۱۔ نیک اولاد کے لیے دعا۔ (الصافات:۱۰۰) ۲۔ اللہ تعالیٰ سے قوت، حکم اور جنت کی دعا۔ (الشعراء:۸۲ تا ۸۵)

۳۔ باپ کے لیے بخشش کی دعا جو قبول نہیں ہوئی۔ (الشعراء:۸۶)

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا

اور جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں سے کعبہ اور اسمٰعیل اے ہمارے رب

تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

قبول فرمالے ہم سے بیشک تو تو سننے والا جاننے والا اے ہمارے رب اور ہمیں بنالے

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا

فرمانبردار اپنا اور سے ہماری اولاد امت فرمانبردار اپنی اور ہمیں دکھا

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

حج کے طریقے اور توبہ قبول فرما ہماری بیشک تو تو توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا

''جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے دعا مانگ رہے تھے کہ ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرما بلاشبہ تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۱۲۷) اے ہمارے رب ہمیں اپنا تابع فرماں بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار رکھنا اور ہمیں حج کے مسائل سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' (۱۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بانی کعبہ ہونے کا مزید ثبوت کیونکہ باقاعدہ بیت اللہ کا حج انہی کے زمانے سے شروع ہوا اور انہی پر مناسک حج اتارے گئے۔

تاریخ عالم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ وہ بانیٔ کعبہ کے نام سے مشہور ہیں اس اعزاز پر فخر کرنے کی بجائے اپنے رب کے سامنے حضورِ قلب اور عجز کے ساتھ فریاد کر رہے ہیں اے رب کریم! تیرے گھر کی تولیت اور تعمیر محض تیرے فضل وکرم کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ہماری کیا حیثیت کہ ہم تیرے گھر کی تعمیر اور خدمت کا اعزاز پائیں۔ ہماری التجا ہے کہ اسے دنیا میں سکون کا گہوارہ، مرکز ہدایت اور لوگوں کی عقیدت واحترام کا مرجع بنادے اور ہماری طرف سے دنیا وآخرت میں یہ معمولی اور ناچیز محنت تیرے حضور شرفِ قبولیت پائے۔ نیکی کا حقیقی معیار اور مقام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور منظور ہو جائے۔ تکمیل کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے مل کر یہ دعائیں کیں کہ بارِالٰہا! ہمیں ہمیشہ اپنا تابع فرمان رکھنا اور ہماری اولاد بھی آپ کی تابع فرمان رہے تاکہ ہمارے بعد اس مشن کی پشتیبانی کرتے رہیں اور یہ سلسلۂ ہدایت قیامت تک قائم ودائم رہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بیت اللہ کی حاضری کے آداب اور حج کے مناسک کی راہنمائی کے لیے درخواست پیش کرتے ہوئے یہ بھی فریاد کی کہ اے ہمارے خالق ومالک! ہم پر ہمیشہ اپنے کرم سے توجہ فرمانا کیونکہ تیری نظر کرم اور مہربانی سے ہی ہماری خطائیں معاف اور دنیا وآخرت میں سرخروئی حاصل ہوگی۔ بے شک آپ توبہ قبول کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں۔

تاریخ کعبۃ اللہ:

{ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۚ۝۹۶ } (آل عمران:۹۶)

''بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی۔ وہ مکہ مکرمہ میں ہے اس کو خیر و برکت دی گئی ہے اور اہلِ دنیا کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح جامع صحیح بخاری میں ایک روایت ذکر کی ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی اساس حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی اور اللہ کے فرشتوں نے ان کو اس جگہ کی نشاندہی کی پھر طوفان نوح اور ہزاروں سال کے حوادث نے اس کو بے نشان کر دیا تھا۔ تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس کی تعمیر کی۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: بَعَثَ اللّٰهُ جِبْرِيْلَ إِلَى آدَمَ فَأَمَرَهُ بِبِنَاءِ الْبَيْتِ فَبَنَاهُ آدَمُ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالطَّوَافِ بِهِ وَقِيْلَ لَهُ أَنْتَ أَوَّلُ النَّاسِ وَهٰذَا أَوَّلُ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ))

(شرح فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۴۶)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بیان مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا اور انہیں بیت اللہ بنانے کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی، پھر انہیں طواف کا حکم ہوا اور ان سے کہا گیا تو لوگوں میں سے سب سے پہلا ہے اور یہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا ہے۔''

مسائل

۱۔ نیکی قبول ہونے کی دعا کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کو جانتا اور ہر بات کو سننے والا ہے۔
۳۔ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے مسلمان رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے حج کی توفیق مانگنا چاہیے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا، نہایت ہی شفیق و رحیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ کی فضیلت:

۱۔ بیت اللہ کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ (الحج:۲۶) ۲۔ بیت اللہ کو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا۔ (البقرۃ:۱۲۷)
۳۔ دنیا میں سب سے پہلے تعمیر ہونے والا گھر بیت اللہ ہے۔ (آل عمران:۹۶)
۴۔ بیت اللہ کی زیارت ہر صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ (آل عمران:۹۷)
۵۔ اہل مکہ کو بیت اللہ کی وجہ سے امن، رزق اور احترام ملا ہے۔ (قریش:۳، ۴)
۶۔ پیدل اور سوار دور سے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ (الحج:۲۷)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ

اے ہمارے رب اور بھیج ان میں ایک رسول ان سے وہ پڑھے ان پر تیری آیتیں

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾

اور انہیں تعلیم دے کتاب اور حکمت اور انہیں پاک کرے بیشک تو تو غالب حکمت والا

ع ۱۵ ۸ ۱۵

''اے ہمارے رب! ان میں انہیں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیات پڑھے انہیں کتاب وحکمت سکھائے۔ اور وہ انہیں پاک کرے یقیناً تو غالب حکمت والا ہے۔'' (۱۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے لیے خصوصی دعا جس میں واضح ثبوت ہے کہ آخری نبی بنی اسماعیل میں سے مکہ میں ہوگا۔

قرآنِ مجید کے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دعا اس وقت کی جب انہوں نے اپنی رفیقۂ حیات اور لختِ جگر کو بیت اللہ کے قریب ٹھہرایا تھا۔ کچھ دعائیں تعمیر کعبہ کے دوران اور باقی تکمیل کعبہ کے بعد اللہ کے حضور کی گئیں۔ آخری دعا میں ایک ایسے نبی کی ضرورت کا تذکرہ ہے جو نا صرف اسی قوم سے ہو بلکہ اس کی پیدائش بھی مکہ معظمہ میں ہونے کی درخواست کی گئی ہے۔ اس دعا میں نبوت کی غرض وغایت اور اس کے چار بنیادی فرائض کا ذکر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری دعاؤں کے ساتھ اس دعا کو بھی شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی آخر الزماں کی بشارت سے نوازا۔

(قَدْ أُسْتُجِيبَ لَكَ وَهُوَ كَائِنٌ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ) (تفسیر ابن کثیر)

''تیری دعا مقبول ہے اور وہ نبی آخر زمانہ میں ہوگا۔''

((عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا كَانَ أَوَّلُ بَدْءِ اَمْرِكَ قَالَ دَعْوَةُ أَبِيْ إِبْرَاهِيمَ وَبُشْرٰى عِيسٰى وَرَأَتْ أُمِّيْ أَنَّهُ يَخْرُجُ مِنْهَا نُوْرٌ أَضَاءَتْ مِنْهَا قُصُوْرُ الشَّامِ)) (مسند احمد: کتاب باقی مسند الانصار، باب حدیث أبی امامة الباہلی الصدی بن عجلان [صحیح لغیرہ])

''حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسولِ محترم ﷺ سے پوچھا کہ آپ کی نبوت کی ابتدا کس بات سے ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میری ماں نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔''

مسائل

۱۔ کتاب اللہ کی تبلیغ، تعلیم، لوگوں کو دانش سکھلانا اور تربیت کرنا نبوت کے بنیادی کام ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ

اور کون منہ موڑتا ہے سے دین ابراہیم سوائے جس نے بیوقوف بنایا اپنے آپ

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور بیشک ہم نے اسے چن لیا میں دنیا اور بیشک وہ میں آخرت البتہ سے نیکوکار (جمع)

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

جب فرمایا اس کو اس کا رب تابعدار ہوجا اس نے عرض کی میں تابعدار ہوگیا تمام جہان رب کیلئے

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

اور وصیت کی اس کے ساتھ ابراہیم اپنے بیٹے اور یعقوب میرے بیٹو بیشک اللہ چن لیا

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ

تمہارے لیے دین پس تم ہرگز نہ مرنا مگر اور تم مسلمان (جمع)

''دین ابرہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا ہے۔ بلا شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں چن لیا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوگا۔ (۱۳۰) جب اسے اس کے رب نے فرمایا فرمانبردار ہوجاؤ اس نے عرض کی میں نے رب العالمین کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیا ہے۔ (۱۳۱) ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمایا لیا ہے تمہیں موت مسلمان ہونے کی حالت میں آنی چاہیے۔'' (۱۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدے کی وضاحت ان کو بیت اللہ کا بانی ثابت کرنا ان کا اہلِ مکہ سے خصوصی تعلق اور نبی کریم کی نبوت کے بارے میں واضح ثبوت دیتے ہوئے یہ وضاحت کی جارہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدے کی وصیت فرمائی تھی جس کی دعوت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پیش کررہے ہیں جو شخص ابراہیم علیہ السلام کے عقیدہ اور ان حقائق کو نہیں مانتا اس کی حماقت میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے رب کے حضور اطاعت گزاریاں، قربانیاں، دعائیں بالخصوص یہ التجا جس میں نبی آخر الزماں کی بعثت کی آرزو کی گئی ہے ان سے وہی شخص اعراض وانحراف کرسکتا ہے جس نے اپنے آپ کے لیے حماقت اور نقصان کا راستہ پسند کرلیا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی خدمات اور امتحانات کی وجہ سے انہیں دنیا میں نیک نامی، عظمت اور رہتی دنیا تک امامت کے منصب سے سرفراز فرمایا ہے اور آخرت میں یقیناً وہ اللہ کے پسندیدہ اور برگزیدہ لوگوں میں ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری کا یہ حال تھا کہ جب بھی ان کے رب نے انہیں حکم فرمایا کہ تابعدار ہوجاؤ۔ وہ یہ کہتے ہوئے پورے اخلاص اور مکمل انہماک کے ساتھ اپنے رب کے فرمانبردار ہوئے کہ فرمانبرداری میرا کمال اور احسان نہیں

میں تو اس رب کی فرمانبرداری کر رہا ہوں جس کی سب کو فرمانبرداری کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ تو سب کو پالنے والا اور تمام جہانوں کا مالک ہے۔ یہ فرمانبرداریاں ان کی ذات اور بیٹوں تک محدود نہیں تھیں بلکہ ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنی نسل کو اسی طریقے اور دین پر مرمٹنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن اے اہلِ کتاب! تمہاری حالت یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کے دعویدار ہونے کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے گھر کو تسلیم نہیں کرتے ہو اور نہ ہی ان کی دعا کے صلہ میں مبعوث ہونے والے محمد عربی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کے لیے تیار ہو۔ بتاؤ اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہو سکتی ہے؟ آدمی کے اعمال کا دارومدار اس کے خاتمہ پر ہے لہٰذا آدمی کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمایا کرتے تھے:

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم .....وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ))

(رواہ البخاری: باب العمل بالخواتیم)

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:..... اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔''

((عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ الْقُرَشِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْعُوا اللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ))(رواہ احمد: مسند بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ [صحیح])

''حضرت بسر بن ارطاۃ قرشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا: ''اے اللہ تمام معاملات میں ہمارا انجام اچھا فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما۔''

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرزِ حیات سے منہ پھیرنے والا احمق ہوگا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا میں معزز ترین اور آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زندگی بھر اپنے رب کے تابع فرمان رہے۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو مرتے دم تک مسلمان رہنے کی وصیت فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام سب کے پیشوا ہیں:

۱۔ ابراہیم علیہ السلام سب کے پیشوا ہیں۔ (البقرۃ: ۱۲۴) ۲۔ ابراہیم علیہ السلام سب کے لیے اسوہ ہیں۔ (الممتحنۃ: ۴)

۳۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم ہوا ہے۔ (النحل: ۱۲۳)

۴۔ ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا سب کو حکم ہے۔ (آل عمران: ۹۵)

۵۔ اللہ کے نزدیک اسلام پسندیدہ دین ہے۔ (آل عمران: ۱۹) ۶۔ ایمان والوں کو اسلام پر موت آنی چاہئے۔ (آل عمران: ۱۰۲)

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ

کیا تم تھے موجود جب آئی یعقوب موت جب اس نے کہا

لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ

اپنے بیٹوں کو کس کی تم عبادت کرو گے؟ میرے بعد انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے تیرا معبود اور معبود

اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ

تیرے آباء ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق معبود واحد اور ہم اسی کے

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

فرمانبردار یہ ایک امت تحقیق گزری گئی اس کیلئے جو اس نے کمایا

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور تمہارے لیے جو تم نے کمایا اور تم سے نہ پوچھا جائیگا اسکے بارے میں تھے وہ کرتے

''کیا تم یعقوب علیہ السلام کی موت کے وقت موجود تھے۔ جب انہوں نے اپنی اولاد کو فرمایا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ تیرے معبود کی اور تیرے آباء ابراہیم، اسماعیل، اور اسحاق علیہم السلام کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ (۱۳۳) یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم کرو گے وہ تمہارے لیے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تمہیں نہیں پوچھا جائے گا۔' (۱۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیات میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وصیت کا بیان تھا۔ جس کا اہلِ کتاب انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا تم ان کی وفات کے وقت موجود تھے کہ انہوں نے یہ نصیحت نہیں کی تھی؟

انبیائے عظام کے ذمہ قوموں کی رہنمائی کا فریضہ ہوا کرتا ہے۔ اس جان کٹھن اور ہمہ وقت بھاری ذمہ داری کے باوجود انبیاء اپنے اہلِ خانہ کی ذمہ داریوں سے لمحہ بھر کے لیے غافل نہیں ہوا کرتے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی کہ ان کی ذات اور ان کے اہل خانہ لوگوں کے لیے بہترین نمونہ ثابت ہوں۔ اس بارے میں وہ اس قدر فکر مند ہوتے تھے کہ جب موت کا فرشتہ سرہانے کھڑا جان قبض کرنے کی اجازت لے رہا ہوتا۔ جن نازک لمحات میں انسان کی نگاہیں دنیا کی بجائے اگلی آخرت پر مرکوز ہوتی ہیں دوسری کوئی چیز سوجھائی نہیں دیتی۔ انبیاء اس وقت بھی اپنی ذمہ داری کے بارے میں فکر مند ہوتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اسی فکر مندی میں اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے ایک عہد لے رہے ہیں کہ جانِ پدر! میرے چل چلاؤ کا وقت آن پہنچا ہے۔ لیکن میں اس اطمینان اور تسلی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں وعدہ کیجیے کہ میرے

بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعاؤں اور کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ان کی اولاد بیک زبان عرض کرتی ہے ہم آپ کے معبود اور اپنے عظیم آباء حضرت ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کیا کریں گے۔ ان سب کا ایک ہی معبود تھا لہٰذا ہم ایک ہی الٰہ کے تابع فرمان اور اس کی عبادت کریں گے۔

اس واقعہ میں بتلایا جا رہا ہے کہ والدین کو اپنی ذمہ داریوں کا کس قدر خیال رکھنا چاہیے۔ ساتھ ہی اہل کتاب کو باور کروایا گیا ہے کہ اگر تم واقعی اپنے آپ کو اس عظیم خاندان کا وارث سمجھتے ہو تو تمہیں صالح اولاد کا کردار ادا کرتے ہوئے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت اور عہد کا خیال رکھنا چاہیے۔ ان کا عقیدہ توحید پر مبنی اور کردار اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع تھا۔ اگر تم نے اپنے عقیدہ اور کردار کو ان جیسا بنانے کی کوشش نہ کی اور آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو قیامت کے دن محض عقیدت اور نسبت کچھ کام نہ آ سکے گی اور دنیا میں بھی کوئی قوم صرف حسب ونسب کی بنیاد پر عزت و رفعت حاصل نہیں کر سکتی۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔

((مَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ))(رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء)

''جو اپنے کردار کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اسے حسب ونسب کام نہیں دے گا۔''

اس کے ساتھ یہ اصول بھی بیان فرما دیا گیا کہ کوئی کسی کے اعمال کی وجہ سے نہ پکڑا جائے گا اور نہ بخشا جائے گا اور یہی اصول اسلامی حکومت کے لیے لازم قرار پایا۔

((لَا يُقَادُ وَالِدٌ مِنْ وَّلَدِهٖ))(رواہ احمد: باب مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ [صحیح])

''بیٹے کے بدلے باپ نہیں پکڑا جا سکتا۔''

مسائل

۱۔ ماں باپ کو اپنی اولاد سے توحید اور اللہ کی عبادت کا عہد لینا چاہیے۔ ۲۔ تمام انبیاء ایک اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔
۳۔ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے اپنے اپنے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' کا پسندیدہ دین اسلام ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے۔ (المائدۃ: ۳) ۲۔ اللہ تعالیٰ اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ (یونس: ۲۵)
۳۔ اسلام فرمانبرداری کا نام ہے۔ (آل عمران: ۸۳) ۴۔ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونا چاہیے۔ (البقرۃ: ۲۰۸)
۵۔ اسلام پر ہی مرنا چاہیے۔ (آل عمران: ۱۰۲) ۶۔ یوسف علیہ السلام بھی یہی دعا کرتے تھے۔ (یوسف: ۱۰۱)
۷۔ جس نے دین اسلام سے تمسک کر لیا اس نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا تمام امور کا انجام اللہ کے ہاں ہے۔ (لقمان: ۲۲)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ

اورانہوں نے کہا ہوجاؤ یہودی یانصرانی تم ہدایت پالوگے فرمادیجیے بلکہ دین

اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا

ابراہیم یکسوہوجانیوالے اورنہ تھا سے مشرکین کہہ دو ہم ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ

اللہ پر اورجو نازل کیا گیا ہماری طرف اورجو نازل کیا گیا طرف ابراہیم

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

اوراسمٰعیل اوراسحٰق اوریعقوب اوراولاد اورجو دیا گیا موسیٰ

وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ

اورعیسیٰ اورجو دیا گیا انبیاء سے ان کارب نہیں ہم فرق کرتے

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

درمیان کسی ایک ان سے اورہم اسی کے فرمانبردار

''وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ تبھی ہدایت پاؤ گے آپ فرمادیں کہ صحیح راہ تو ملت ابراہیم ہے اور وہ شرک کرنے والے نہیں تھے۔(۱۳۵) اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ، عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیاء دیے گئے ہم ان میں سے کس کے درمیان فرق نہیں کرتے ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔''(۱۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب لوگوں کو یہودی اور عیسائی ہونے کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ لوگوں کو ملت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت دینا چاہیے۔ لہٰذا اے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو وہی دعوت دیں جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد دعا دیا کرتی تھی۔ وہ دعوت توحید خالص اور دین اسلام کی دعوت تھی۔

فکر و عمل کے لحاظ سے کمزور جماعتیں لوگوں کو اپنی طرف راغب رکھنے اور اپنے بوسیدہ نظریات کو منوانے کے لیے ہمیشہ سے بزرگوں کا نام ناجائز استعمال کرتی آئی ہیں۔ ایسے لوگ فکری دولت سے اس قدر محروم ہوتے ہیں کہ وہ صدیوں پہلے فوت شدگان بزرگوں کو بھی اپنے بوسیدہ نظریات کا حامل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ بھی اسی فکری بیچارگی کا شکار تھے اور ہیں۔ لہٰذا جب بھی انہیں دینِ اسلام کی دعوت پیش کی جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے حضرت

ابراہیم علیہ السلام اور جنابِ یعقوب علیہ السلام کو یہودی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ یہاں ایک بار پھر واضح کیا جا رہا ہے کہ جن بزرگوں کو تم اپنے نظریات کا حامل ثابت کر رہے ہو ان کا تو تمہارے نظریات کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہی مشرکین کے ساتھ ان کا تعلق جوڑا جا سکتا ہے لہٰذا اس بنا پر سرورِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ دوٹوک انداز میں اس بات کا اظہار فرمائیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کا نظریہ یہود و نصاریٰ اور اہلِ مکہ کے نظریات سے یکسر مختلف تھا۔ وہ تو ایک رب کی توحید کو ماننے والے اور زندگی بھر اسی کے تابع فرمان رہنے والے تھے۔

اسی دعوت کا اقرار اور اظہار مسلمانوں سے کروایا جا رہا ہے کہ ہم اسی عقیدے کے حامل اور اُسی دعوت کے داعی ہیں جو عظیم المرتبت ہستیاں اور ان کی نیک اولاد پھر انہی کی پیروی کرنے والے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیا کرتے تھے۔ ہم بلاتفریق ان کی پیغمبرانہ حیثیت کو تسلیم اور ان کی شریعتوں کی تائید کرتے ہیں۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا الْآيَةَ)) (رواہ البخاری: باب قولوا آمنا باللہ وما أنزل علینا)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تم اہلِ کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ان کو جھٹلاؤ بلکہ تم کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف اُتارا گیا اس پر ایمان لے آئے ہیں۔''

مسائل

۱۔ ہدایت کا سرچشمہ صرف ملت ابراہیم ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اور قرآن مجید، پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا اور تمام انبیاء کو بلاتفریق تسلیم کرنا ہی اسلام کا مقصد ہے۔

۳۔ انبیاء کے درمیان فرق کرنا کفر ہے۔ ۴۔ انبیاء میں سے کسی کی گستاخی کرنا جائز نہیں۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کا مقام اور کتبِ آسمانی کا احترام:

۱۔ تمام انبیاء پر ایمان لانا فرض ہے۔ (البقرۃ: ۱۳۶) ۲۔ پہلی کتب آسمانی پر ایمان لانا لازم ہے۔ (البقرۃ: ۴)

۳۔ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے درمیان فرق کرنا کفر ہے۔ (النساء: ۱۵۰)

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ

پھر اگر وہ ایمان لائیں جیسے تم ایمان لائے اس پر تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ

انہوں نے منہ پھیرا تو بیشک وہی وہ میں ضد پس عنقریب آپ کو کافی ہوگا ان کے مقابلے میں اللہ

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ

اور وہ سننے والا جاننے والا رنگ اللہ اور کون اچھا

مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۠ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

سے اللہ رنگ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے

''اگر وہ تمہاری طرح ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے اور اگر منہ موڑیں تو وہ واضح طور پر ضد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلہ میں آپ کو کافی ہوگا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔ (۱۳۷) اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے اچھا رنگ کس کا ہوسکتا ہے۔ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔'' (۱۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی دعوت کے وارث اور اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے جس وجہ سے ان کے ایمان کو ایمان کی کسوٹی قرار دیا گیا ہے۔

اے یہود و نصاریٰ اور دنیا کے لوگو! اگر تم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ایمان اور تسلیم و رضا کا رویہ اختیار کرلو تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اگر لوگ نبی کی دعوت اور صحابہ کے طریقہ کا انکار کریں تو پھر سمجھ جایئے کہ یہ لوگ مخالفت برائے مخالفت کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ مسلمانو! بے پرواہ ہو جاؤ کفار کا حسد و بغض اور اختلاف تم کو حقیقی اور دائمی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شرارتوں سے تمہیں محفوظ رکھنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ ''اللہ'' ان کی زبان درازیوں اور سازشوں کو جاننے اور سننے والا ہے۔

دنیا کے مختلف مذاہب نے اپنی پہچان کے لیے اپنے طور پر کچھ شعار اور نشان مقرر کر رکھے ہیں نبی اکرم ﷺ کے دور میں غیر یہودی یہودیت میں داخل ہوتا تو یہودی اسے خاص طریقے سے غسل دیتے اور عیسائی اپنے مذہب میں داخل ہونے والے کو رنگ دار پانی کے ساتھ نہانے کا حکم دیتے جسے اصطباغ کا نام دیا گیا تھا۔ بعد ازاں یہودیوں نے مذہبی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے آہستہ آہستہ یہ عقیدہ بنا لیا کہ نسلی یہودی کے علاوہ غیر مذہب کا کوئی شخص یہودی مذہب قبول نہیں کرسکتا عیسائیوں نے بپتسمہ کی رسم ایجاد کی ان کی دیکھا دیکھی ہندوؤں نے تلک ایجاد کیا کہ جب کوئی ہندو مذہب قبول کرے تو باقی

رسومات کے ساتھ اس کے ماتھے پر صنوبر کا نشان لگایا جائے جسے وہ تلک کا نام دیتے ہیں۔ ہندوؤں اور دوسرے مذاہب سے منفرد ہونے کے لیے سکھوں نے اپنے لیے پانچ نشان مقرر کیے۔ کیس، کرپان، کڑا، کنگھا اور کچھا اپنا مذہبی نشان قرار دیا ہے۔ زرتشت جو ایران میں پائے جاتے ہیں چین، جاپان، ہندوستان، سری لنکا اور دیگر ممالک میں بسنے والے بدھ مت کے پیرو کاروں نے اپنے لیے ایک عہد تیار کیا ہے۔ ان کے مذاہب میں داخل ہونے والا مخصوص الفاظ میں ایک عہد کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن اسلام ایسا دین ہے جس نے مسلمان ہونے کے لیے کلمہ پڑھنا لازم قرار دیا ہے۔ جس کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ مسلمان ہونے والا اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا معبود، خالق، مالک، رازق، حاکم، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتا اور میرے راہنما، مرشد اور قائد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو میرے لیے کامل و اکمل نمونہ ہیں اور میں اسی کو دنیا و آخرت کی فوز و فلاح کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور اسی طریقہ پر زندگی بسر کروں گا جب اس عقیدے کا رنگ انسان کے کردار پر چڑھ جائے تو اسے کوئی خوف اور لالچ اپنے مقصد سے نہیں ہٹا سکتا۔ اس عقیدہ کو ''صِبْغَةَ اللّٰهِ'' کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے مختلف شیڈ (Shade) ہیں جن کا تذکرہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۲ اور سورۃ التوبہ کی آیات ۲۰ تا ۲۲ میں کیا گیا ہے۔

زرتشت اور بدھ کا عہد:

بپتسمہ عیسائیوں کی وہ رسم ہے جو عیسائی مذہب میں شامل ہونے کے وقت ادا کی جاتی ہے اور اس رسم کی ادائیگی کے بغیر کوئی عیسائیت میں داخل نہیں ہو سکتا اور اس رسم کا تعلق ایک طرح سے عقیدہ کفارہ سے ہے۔ ان کے خیال میں اس رسم کی ادائیگی کے بعد انسان گناہوں سے بالکل پاک ہو جاتا ہے اسے مختلف انداز سے سرانجام دیا جاتا ہے۔ عام طور پر ایسے شخص کو جسے بپتسمہ دیا جائے ایک کمرے میں لٹا کر اس کے پورے جسم پر تیل کی مالش کی جاتی ہے جس کے بعد اسے غسل دیا جاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے۔ کیا تم باپ بیٹے اور روح القدس پر مکمل ایمان رکھتے ہو؟ اس کے اقرار کرنے کے بعد اسے سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور پھر وہ تمام اشخاص جو بپتسمہ لے چکے ہیں اجتماعی طور پر کلیسا میں جاتے ہیں اور عشائے ربانی میں شرکت کرتے ہیں۔ بپتسمہ کا ذکر انجیل مارک میں ملتا ہے۔

''یوحنا لوگوں کو بپتسمہ دیتا اور لوگوں کو ان کے گناہوں سے پاک کرتا تھا۔ یروشلم کے بہت سے لوگ اس کے پاس آئے اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے بپتسمہ لیا اور یوحنا اس بات کا اقرار کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آئے گا جو مجھ سے زیادہ طاقت والا ہوگا اور تمہیں روح القدس سے بپتسمہ دے گا۔''

اس انجیل میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ حضرت مسیح نے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔

عشائے ربانی:

عیسائی عقیدہ میں اس رسم کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ بقول عیسائی حضرات کے اس رسم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنفسِ نفیس محفل میں تشریف لاتے ہیں۔ اس کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ اتوار کو گرجا میں سروس اور پھر دعا وغیرہ کے بعد پادری باپ

بیٹے اور روح القدس کی برکت سے دعا کرتا ہے اور روٹی شراب میں بھگو کر تقسیم کی جاتی ہے۔ تاکہ عقیدہ کفارہ کی یاد تازہ کی جائے اور یہ روٹی اور شراب عیسائی حضرات کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح کا گوشت اور خون بنتے ہیں۔ یہ عبادت اس یاد میں کی جاتی ہے کہ جب گرفتاری سے قبل یسوع مسیح نے حواریوں کے ساتھ کھانا کھایا تھا اور ان سے کہا کہ:

And as they were eating, Jesus took bread, and blessed it, and brake it, and gave it to the disciples, and said Take, eat; this is my body.

And he took the cup, and gave tahnks, and gave it to them, saying, Drink ye all of it:

For this is my blood of the new testament, which is shed for many for the remission of sins.

''جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا کہ تم سب اس میں سے پیو کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔'' (ادیان ومذاہب کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالرشید، کراچی یونیورسٹی)

مسائل

۱۔ ہدایت کا سرچشمہ صرف ملت ابراہیم ہے۔

۲۔ صحابہ کرام کا ایمان امت کے لیے کسوٹی ہے۔ صحابہ کے ساتھ حسد، بغض اور اختلاف رکھنے والا دین کا دشمن ہے۔

۳۔ صحابہ کے دشمنوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والا ہے۔

۴۔ ''اللہ'' کی عبادت اور توحید کا رنگ دنیا کے ہر رنگ اور نشان سے خوبصورت ہے، پورے اخلاص کے ساتھ اسے اختیار کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

۱۔ اللہ نے صحابہ کے ایمان کو آزمالیا۔ (الحجرات: ۳) ۲۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان کا معیار ہیں۔ (البقرۃ: ۱۳۷)

۳۔ صحابہ اللہ کی جماعت ہیں۔ (المجادلۃ: ۲۲) ۴۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والے بیوقوف ہیں۔ (البقرۃ: ۱۳)

۵۔ صحابہ رضی اللہ عنہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہوئے۔ (المجادلۃ: ۲۲)

۶۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ نے اپنی رضا کی ضمانت دی ہے۔ (البینۃ: ۸) ۷۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اللہ پر راضی ہو گئے۔ (البینۃ: ۸)

قُلْ اَتُحَآجُّوْٓنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ

فرمادیجیے کیاتم ہم سے جھگڑا کرتے ہو؟ اللہ کے بارہ میں حالانکہ وہی ہمارارب اورتمہارارب

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اورہمارے لیے ہمارے عمل اورتمہارے لیے تمہارے عمل اورہم اسی کے خالص ہونے والے

''آپ فرمادیں کہ کیاتم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو جو ہمارااورتمہارارب ہے ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اورتمہارے لیے تمہارے اعمال، ہم تواسی کے لیے خالص ہو چکے ہیں۔''(۱۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتماعی طریقہ سے انحراف اوراسلام اس کے احکام کا انکار کرنے والاعملاً اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرتا ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اب ان سے پوچھیں کہ کیاتم ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو جس کی توحیداوراطاعت کا رنگ ہم نے اختیار کرلیا ہے جو ہمارا مالک، ہمیں پالنے والااورتمہارا مالک اورتمہیں بھی پالنے والا ہے۔ جب ہم ایک ہی خالق کی مخلوق اورایک ہی رازق کے رزق پر پلتے ہیں تو پھراس ذاتِ کبریا کے بارے میں ہمارے ساتھ کیوں جھگڑتے ہو؟ ایک مالک، خالق اورایک ہی رازق ماننے والوں کوایک ہی امت ہونا چاہیے اگرتم دنیاوآخرت کی سب سے بڑی سچائی توحید کو ماننے کے لیے آمادہ نہیں اوراللہ تعالیٰ کی غلامی میں آنے کے لیے تیارنہیں تو پھرہم نے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اورتم اپنے کردار کے بارے میں جواب دہ ہوگے۔ ہاں ہم تمہاری طرح اپنے فکروعمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی شراکت اورعقیدۂ توحید میں ملاوٹ گوارانہیں کرتے۔ ہمارا عمل اورعقیدہ اسی ذات کے لیے خالص اور بلاشرکت غیرے ہے جو ہمارااورتمہارے رب ہے یہی وہ جھگڑا ہے جس بناپر ہرزمانے میں کافراورمشرک اللہ کے مخلص بندوں سے ٹکراتے آرہے ہیں۔ اس فرمان میں ایک مخصوص انداز میں مسلمانوں کوتسلی دی جارہی ہے کہ ان سے الجھنے کی بجائے ان کوانہی کے حال پرچھوڑ دو کیونکہ ہرشخص اپنے ہی اعمال کا جواب دہ ہے۔

مسائل

۱۔ سب کارب ایک اللہ ہے۔ ۲۔ ہرکوئی اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔

۳۔ سچامسلمان وہ ہے جواپنے رب کے لیے مخلص ہوجائے۔

تفسیر بالقرآن

اخلاص کی اہمیت:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کواخلاص کے ساتھ ''اللہ'' کی عبادت کرنے کا حکم۔(الزمر:۱۱)

۲۔ تمام امتوں کواخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم۔(الاعراف:۲۹)

۳۔ اخلاص والے مومن ہیں۔(النساء:۱۴۶) ۴۔ مخلص بندوں پرشیطان قابونہ پاسکے گا۔(ص:۸۳)

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

کیا تم کہتے ہو بیشک ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب

وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ

اور اولاد وہ تھے یہودی یا نصرانی فرما دیجیے کیا تم زیادہ جانتے ہو

اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ

یا اللہ اور کون بڑا ظالم سے جو چھپائی گواہی اس کے پاس

مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ

سے اللہ اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو یہ

اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا

ایک امت تحقیق گزر گئی اس کیلئے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے جو

كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۲/۱۶

تم نے کمایا اور نہ تم سے پوچھا جائے گا اس سے جو تھے وہ کرتے

''کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے۔ بتاؤ کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔ اللہ کے نزدیک شہادت چھپانے والے سے بڑا ظالم اور کون ہے؟ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ (۱۴۰) یہ ایک امت تھی جو گزر چکی ہے جو انہوں نے کیا ان کے لیے اور جو تم کرو گے وہ تمہارے لیے ہے۔ تمہیں ان کے عمل کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔'' (۱۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انبیائے کرام ''اللہ'' کے مخلص ترین بندے اور فرقہ واریت سے مبرّا تھے اور ان کو فرقہ واریت میں گھسیٹنا اللہ تعالیٰ کی شہادت کو ٹھکرانے اور چھپانے کے مترادف ہے۔

یہود و نصاریٰ انتہائی ہٹ دھرم لوگ ہیں جو جغرافیائی حقائق، تاریخی شواہد اور الہامی دلائل جاننے کے باوجود بھی رسولِ معظم ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک اپنی ضد پر قائم اور جھوٹا دعویٰ کیے جا رہے ہیں کہ ہدایت کا راستہ یہودی اور عیسائی ہونے میں ہے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کو یہودی اور عیسائی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے جھوٹے دعوے کی قلعی کھولنے کے لیے لہٰذا آپ ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے استفسار فرمائیں کہ ان پیغمبروں کے متعلق اور ان

کے عقائد کے بارے میں تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ علیم وخبیر اور علّام الغیوب زیادہ جانتا ہے؟ وہ سب کے سب ''اللہ'' کے تابعدار اور اس کی توحید کے داعی تھے۔ یہ اللہ کی وہ شہادت ہے جس پر تورات، انجیل اور قرآن گواہی دے رہے ہیں۔

وہ شخص انتہا درجے کا ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کی اس عظیم شہادت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے جو ہر اعتبار سے کامل اور اکمل ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے کسی قول وفعل سے غافل اور بے خبر نہیں ہے۔ جن ہستیوں کو تم اپنے کھاتہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک برگزیدہ جماعت تھی جو گزر چکی۔ ان کے اعمال کا صلہ انہی کے لیے ہے اور تمہارے اعمال کا نتیجہ تمہارے سامنے ہوگا۔ تمہیں ان کے اعمال کی بجائے اپنے اعمال کی فکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ تمہیں ہرگز ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عدالت کا ایسا اصول ہے جس سے ہر انسان میں احساس ذمہ داری پیدا کرنے کے ساتھ ان تمام سہاروں کو کاٹ دیتا ہے جن سے افراد اور قوموں میں بدعملی پیدا ہوا کرتی ہے۔

{ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ }

(آل عمران:۶۷)

''ابراہیم یہودی اور عیسائی نہ تھے۔ لیکن وہ توحید پرست مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودی اور عیسائی نہیں تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی شہادت کو چھپانا بڑا گناہ اور ظلم ہے۔

۳۔ فوت شدگان کے بارے میں ہمیں اور ہمارے بارے میں انہیں نہیں پوچھا جائے گا۔

۴۔ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

بڑا ظالم کون؟

۱۔ اللہ کی مساجد کو ویران کرنے والا بڑا ظالم ہے۔ (البقرۃ:۱۱۴) ۲۔ اللہ کی گواہی کو چھپانے والا بڑا ظالم ہے۔ (البقرۃ:۱۴۰)

۳۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الانعام:۱۲) ۴۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الانعام:۹۳)

۵۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والا بڑا ظالم ہے۔ (الاعراف:۳۷)

۶۔ اللہ کی آیات سن کر اعراض کرنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الکہف:۵۷)

۷۔ حق بات کو جھٹلانے والا بڑا ظالم ہے۔ (العنکبوت:۶۸) ۸۔ سچ بات کو جھٹلانے والا بڑا ظالم ہے۔ (الزمر:۳۲)

۹۔ نوح علیہ السلام کی قوم ظالم تھی۔ (النجم:۵۲) ۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مانگنے والا بڑا ظالم ہے۔ (یونس:۱۰۶)

۱۱۔ قرآن کی نصیحت سے منہ موڑنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الکہف:۵۷)

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ

عنقریب کہیں گے بیوقوف (جمع) سے لوگ کس نے انہیں پھیر دیا سے ان کا قبلہ

الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ

وہ جو وہ تھے اس پر آپ فرمادیں اللہ کے لیے مشرق اور مغرب وہ ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۴۲

جس کو وہ چاہتا ہے طرف راستہ سیدھا

''عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹا دیا ہے آپ فرمادیں کہ مشرق ومغرب کا مالک اللہ ہی ہے وہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔'' (۱۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے پارہ کے اختتامی رکوعات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے وضاحت فرمائی تھی کہ بیت اللہ کو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ پھر یہود ونصاریٰ کو ملتِ ابراہیم پر متفق ہوجانے کی دعوت دی تھی۔ پارہ کی آخری آیت میں ارشاد ہوا کہ یہ ایک امت تھی جن کے عقائد ونظریات ایک ہی تھے اور وہ اس دنیا سے جہانِ آخرت کی طرف رختِ سفر باندھ چکے لہٰذا اب ان کی شریعت کے حوالہ سے کوئی ثبوت دینا، اس پر مصر ہونا اور بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر اصرار کرنا بڑی بے وقوفی کی علامت ہے جس کا یہ لوگ عنقریب برملا اظہار کریں گے۔ لیکن اے مسلمانو! گھبرانے کی بجائے اس سچائی پر قائم رہنا۔ یہاں یہود ونصاریٰ کے پروپیگنڈہ کے مقابلہ کے لیے رسولِ محترم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ذہنی طور پر تیار کیا گیا ہے۔

قبلہ کا لفظی معنی جانب اور سمت ہے۔ شرعی اصطلاح میں نماز کے وقت مسجدِ حرام کی جانب منہ کرنے کی سمت کو قبلہ کہا جاتا ہے۔ اس لیے بیت اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مسلمان اعتقادی طور پر ایک رب کی عبادت کرنے والے ہیں اسی طرح عبادت کے وقت بھی ان کا رخ ایک ہی طرف ہونا چاہیے تاکہ فکری اور عملی طور پر امّت میں وحدت ویگانگت پیدا ہوسکے۔ تحویلِ قبلہ کے وقت دنیا کے دو بڑے مذہب عیسائی اور یہودی عبادت کے وقت بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبی کریم ﷺ بھی سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن آپ کی خواہش اور تمنا یہ تھی کہ جس طرح ہمیں ملتِ ابراہیم کی اتباع کا پابند کیا گیا ہے اسی طرح ہمارا قبلہ بھی بیت اللہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مرکزِ ہدایت اور مرجع خلائق بنایا ہے۔ اس خواہش کی تکمیل سے پہلے آپ اور مسلمانوں کو اتنی بڑی تبدیلی کے لیے ذہنی طور پر تیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عنقریب نادان

لوگ کہرام مچائیں گے کہ تبدیلیٔ قبلہ کی کیا ضرورت تھی؟ پہلے قبلہ میں کونسی خرابی واقع ہوئی ہے؟ یہ تو محض مخالفت برائے مخالفت کا نتیجہ ہے۔ اُن کے جواب میں اعتراض کرنے والوں کو سمجھایا کہ مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اسی کے اختیار میں ہے وہ جس طرف چاہے رخ پھیرنے کا حکم صادر فرمائے۔ وہ بھی ایک سمت تھی اور یہ بھی ایک جانب اور سمت ہے۔ لیکن فرق اتنا بڑا ہے کہ پہلے آپ نماز پڑھتے وقت اپنی مرضی سے بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے بیت اللہ کی طرف رخ پھیر لیں۔

ہدایت رسم ورواج، پرانی اور غیر مستند روایات کو اپنانے کا نام نہیں ہدایت تو وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نشاندہی اور رہنمائی فرماتا ہے۔ یہ انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان اور ہدایت کے طالب ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کرنے والے بیوقوف ہوتے ہیں اور جان بوجھ کر بے وقوف بننے والوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوا کرتی۔

«اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ» (رواہ الترمذی: باب جامع الدعوات عن النبی ﷺ [حسن])

''اے اللہ! مجھے ہدایت کی طرف راہنمائی فرما اور میرے نفس کی شرارتوں سے مجھے محفوظ فرما۔''

مسائل

۱۔ اللہ ہی کے لیے مشرق ومغرب ہے۔ ۲۔ اللہ کے حکم پر اعتراض کرنا بے وقوفی ہے۔
۳۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہی صراطِ مستقیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے:

۱۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ: ۱۲۰) ۲۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ (القصص: ۵۶)
۳۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۳)
۴۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف: ۴۳)
۵۔ ہدایت جبری نہیں اختیاری چیز ہے۔ (الدھر: ۳) ۶۔ نبی اکرم ﷺ بھی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ (القصص: ۵۶)
۷۔ کسی کا ہدایت پانا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ (الحجرات: ۱۷)
۸۔ رسول اکرم ﷺ کی تابعداری انسان کی ہدایت کی ضمانت ہے۔ (النور: ۵۴)
۹۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان ہدایت کی کسوٹی ہے۔ (البقرۃ: ۱۳۷) ۱۰۔ ہدایت پر استقامت کی دعا کرنا چاہیے۔ (آل عمران: ۸)

وَكَذٰلِكَ	جَعَلْنٰكُمْ	اُمَّةً	وَّسَطًا	لِّتَكُوْنُوْا	شُهَدَآءَ	عَلَى
اوراسی طرح	بنایاہم نے تمہیں	امت	معتدل	تاکہ تم ہوجاؤ	گواہ	پر
النَّاسِ	وَيَكُوْنَ	الرَّسُوْلُ	عَلَيْكُمْ	شَهِيْدًا ؕ	وَمَا	جَعَلْنَا
لوگ	اور ہوجائے	رسول	تم پر	گواہ	اورنہیں	مقرر کیا ہم نے
الْقِبْلَةَ	الَّتِيْ	كُنْتَ	عَلَيْهَآ	اِلَّا	لِنَعْلَمَ	مَنْ
قبلہ	جو	آپ تھے	اس پر	مگر	تاکہ ہم معلوم کرلیں	کون
يَّتَّبِعُ	الرَّسُوْلَ	مِمَّنْ	يَّنْقَلِبُ	عَلٰى	عَقِبَيْهِ ؕ	وَاِنْ	كَانَتْ
تابعداری کرتا ہے	رسول	اس سے جو	پھر جاتا ہے	پر	اپنی ایڑیاں	اور بیشک	وہ تھی
لَكَبِيْرَةً	اِلَّا	عَلَى	الَّذِيْنَ	هَدَى	اللّٰهُ ؕ	وَمَا	كَانَ	اللّٰهُ
مشکل بات	مگر	پر	جولوگ	ہدایت دی	اللہ	اورنہیں	ہے	اللہ
لِيُضِيْعَ	اِيْمَانَكُمْ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	بِالنَّاسِ	لَرَءُوْفٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾
کہ وہ ضائع کرے	تمہارا ایمان	یقیناً	اللہ	لوگوں کے ساتھ	البتہ بڑا شفیق	نہایت رحم کرنے والا

''اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔ جس قبلہ پر تم پہلے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا تاکہ ہم جان لیں کہ رسول کا پیروکار کون ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے؟ یہ کام مشکل تھا مگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے ان کے لیے مشکل نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔'' (۱۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

مستقبل قریب میں تحویلِ قبلہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لفظ ''كَذٰلِكَ'' استعمال کیا ہے۔ اصل لفظ ''ذَالِكَ'' ہے جس میں حرفِ ''ك'' کا اضافہ فرمایا گیا ہے۔ اسے عربی زبان میں حرفِ تشبیہ کہا جاتا ہے، جس کا معنی، مانند، جیسے ہے۔ یہاں اشارتاً یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جس طرح جغرافیائی لحاظ سے تمہارا قبلہ زمین کے وسط میں واقع ہے اسی طرح ہی ہدایت اور فکر و عمل کے اعتبار سے تمہیں امّت عدل اور وسط بنایا گیا ہے۔ محشر کے دن جب پہلی اُمتوں سے ان کے انبیاء کے بارے میں سوال ہوگا کہ انبیاء نے میرا پیغام آپ تک پہنچایا تھا یا نہیں؟ بعض اُمّتیں واضح طور پر اپنے نبیوں کی جدوجہد کی نفی کردیں گی۔ اس پر انبیاء علیہم السلام کو اپنی تائید کے لیے گواہ لانے کا حکم ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے کہ ہماری گواہی

امّتِ محمدیہ کے لوگ دیں گے۔ تب آپ ﷺ کی امّت کے لوگ عرض کریں گے کہ یا الٰہی! یہ لوگ غلط بیانی کر رہے ہیں ان کے انبیاء نے تو تیرا پیغام ٹھیک ٹھیک ان تک پہنچایا تھا۔

((عَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُدْعٰى نُوْحٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهٗ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُدْعٰى قَوْمُهٗ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ مَا اَتَانَا مِنْ نَذِيْرٍ أَوْ مَا أَتَانَا مِنْ أَحَدٍ قَالَ فَيُقَالُ لِنُوْحٍ مَنْ يَشْهَدُ لَكَ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهٗ قَالَ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ {وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا}))(رواہ أحمد: باب: مسند أبی سعید الخدری [صحیح])

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلا کر پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ جواب دیں گے ہاں پھر ان کی قوم کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ کی اور میرا پیغام پہنچایا تھا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو ڈرانے والا کوئی بھی نہیں آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا آپ کی گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے، محمد ﷺ اور اس کی امت۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ {اسی طرح ہم نے تمہیں امّتِ وسط بنایا ہے}۔''

امتِ محمدیہ امت عدل اور وسط ہے:

اسی لیے اس امت کو عدل کا لقب عطا کیا گیا۔ کیونکہ عدالت میں عادل کی گواہی معتبر ہوا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہجرتِ مدینہ کے ابتدائی ایام میں تحویل قبلہ کا حکم دے سکتا تھا۔ لیکن ایسا اس لیے نہیں کیا گیا تا کہ تحویل قبلہ کے ذریعے لوگوں کو آزمایا جائے کہ کون ''اللہ'' کا حکم سمجھ کر اپنا قبلہ تبدیل کرتا ہے کیونکہ ہدایت یافتہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں حالات اور سمت نہیں دیکھا کرتے۔ تحویلِ قبلہ بہت بڑی آزمائش اور اقدام تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم وفضل دیکھیے کہ بیت اللہ قبلہ مقرر فرمانے کے باوجود اسے سمت مقرر نہیں کیا گیا بلکہ مسجدِ حرام کی جانب چہرے کرنے کا حکم دیا تا کہ قبلہ کی سمت متعین کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں اور وسعت کرتے ہوئے فرمایا:

((بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ))(رواہ الترمذی: کتاب الصلوۃ [صحیح])

''قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔''

تحویلِ قبلہ کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ بے شک یہ بڑا مشکل مسئلہ اور مرحلہ ہے لیکن ان کے لیے معمولی کام ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے۔ جہاں تک شہادت کا حق ادا کرنے کا معاملہ ہے آپ ﷺ نے اسے اس طرح ذمہ داری اور شاندار طریقہ سے ادا کیا کہ امّت کا ایک ایک فرد پکار اٹھا کہ اے رسول ﷺ! آپ نے کمال طریقے سے یہ حق ادا فرما دیا ہے۔ لہٰذا اب امّت کا فرض ہے کہ وہ اس ذمہ داری میں کوتاہی نہ کرے۔

آپ ﷺ نے ابلاغ کا حق ادا فرما دیا ہے:

((عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَإِنَّ دِمَآءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ

كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا إِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ)) (رواه البخاری: کتاب الحج، باب الخطبة أیام منی)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے حج کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا یقیناً تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ تمہارے لیے آج کا دن، مہینہ اور یہ شہر قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا ہاں۔''

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے صفتِ رؤف کا ذکر فرما کر مخلص اور تابعدار بندوں کو تسلی دی ہے کہ مخالف جس قدر چاہیں پروپیگنڈہ کریں تمہاری پہلی نمازیں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ انتہائی رحم اور شفقت فرمانے والا ہے۔ ''اَلرَّءُوْفَ'' کہتے ہیں جو کسی کو نقصان سے بچا کر مزید نوازنے والا ہو۔

یہاں نماز اور ایمان کو باہم مترادف قرار دیا گیا ہے۔ نماز کی اہمیت سمجھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

((بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ)) (رواه مسلم: کتاب الایمان)

''مسلمان اور کفر و شرک کے درمیان ترک نماز کا فرق ہے۔''

مسائل

۱۔ آپ ﷺ کی امت معزز اور معدل کرنے والی ہے۔ ۲۔ یہ امت فکر و عمل کے لحاظ سے معتدل قرار پائی ہے۔
۳۔ امتِ محمدیہ پہلی امتوں پر اور آپ ﷺ اس امت پر گواہ ہوں گے۔ ۴۔ نماز اور ایمان آپس میں مترادف ہیں۔
۵۔ تحویلِ قبلہ بہت بڑی آزمائش اور اتباعِ رسول کی کسوٹی ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والے اور انتہائی مہربان ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شہادتِ حق امت محمدیہ کا اعزاز ہے:

۱۔ نبی ﷺ کی امت تمام امتوں میں امتِ خیر قرار پائی ہے۔ (آلِ عمران: ۱۱۰)
۲۔ آپ ﷺ کی امت نے امتِ وسط کا اعزاز پایا ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۳)
۳۔ آپ کی امت کو داعی الی الخیر کا منصب دیا گیا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۰۴)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (الفتح: ۸)
۵۔ آپ ﷺ کا منصب لوگوں پر شہادت قائم کرنا ہے۔ (المزمل: ۱۵)
۶۔ آپ ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے۔ (النساء: ۴۱)
۷۔ امت محمدیہ لوگوں پر گواہی دے گی۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪

یقیناً ہم دیکھتے ہیں پھرنا آپکا چہرہ میں آسمان تو ضرور ہم پھیر دینگے تجھے قبلہ تو اسے پسند کرتا ہے

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

پس تو پھیر اپنا چہرہ طرف مسجد حرام اور جہاں کہیں تم ہو سو پھیر لو چہرے تمہارے

شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ

اس کی طرف اور بیشک جو لوگ دیے گئے کتاب وہ ضرور جانتے ہیں بیشک وہ حق سے ان کا رب

''ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم تمہیں اس قبلہ کی جانب پھیر دیتے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں تو آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور آپ جہاں کہیں ہوں اپنا چہرہ اسی طرف کر لیا کریں۔ اہل کتاب جانتے ہیں کہ یہی ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

بیت اللہ میں رسولِ محترم ﷺ نماز کے لیے اس طرح کھڑے ہوتے کہ بیک وقت آپ کا رخ بیت اللہ اور بیت المقدس کی جانب ہوا کرتا تھا۔ جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو وہاں متضاد جوانب کے ساتھ واسطہ پڑا۔ اگر آپ بیت اللہ کی طرف رخ کرتے تو بیت المقدس پیٹھ کی طرف ہوتا اور اگر بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تو بیت اللہ پیچھے کی جانب ہوتا تھا۔ اس صورتِ حال میں رسول کریم ﷺ کی تمنا تھی کہ ہمارا قبلہ مرکز ابراہیمی یعنی بیت اللہ ہونا چاہیے۔ اسی انتظار میں سولہ سترہ ماہ گزر گئے۔ اس دوران آپ کے اشتیاق اور اضطراب میں اضافہ ہی ہوتا رہا جس کی وجہ سے بسا اوقات آپ کا چہرہ بے ساختہ آسمان کی طرف اٹھ جایا کرتا تھا۔ آپ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے تبدیلی کی آرزو کرتے۔ یہ اشتیاق ربِّ رحیم کو اس قدر بھلا لگا کہ قیامت تک اس کا منظر قرآن مجید میں محفوظ فرما دیا۔

جونہی تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا کہ آپ ﷺ اور آپ کی امت کے لوگ نماز میں اپنے چہرے بیت اللہ کی طرف کیا کریں۔ تو اہل کتاب نے پروپیگنڈہ کا طوفان برپا کر دیا جس کا ذکر پارے کی ابتدا میں کیا گیا ہے۔

اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ اہلِ کتاب یہ جانتے ہیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا قبلہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ ہوگا یہ سب کچھ وہ تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ یہ حقیقت جاننے کے باوجود ان کا اعتراض کرنا حق چھپانے اور اظہارِ حسد کا بہانہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے کسی صورت بھی چھپا نہیں سکتے۔ اب فیصلہ ہو چکا ہے لہٰذا میرے پیغمبر! آپ جتنے بھی دلائل دیں اور جس انداز سے انہیں سمجھائیں یہ مسجد حرام کو قبلہ نہیں مانیں گے۔ بیت المقدس کو قبلہ تسلیم کرنے کے باوجود ان کی حالت یہ ہے کہ یہودی بیت المقدس میں کھڑے ہوتے وقت اپنا منہ دیوارِ گریہ کی طرف کرتے ہیں جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو وہ کرتے ہیں اور اگر آپ لائیں جو لوگ دیے گئے کتاب

بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا

تمام نشانی وہ پیروی نہیں کریں گے تیرا قبلہ اور نہ تو پیروی کرنیوالا ان کا قبلہ اور نہیں

بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ

ان کا بعض پیروی کرنیوالا قبلہ کسی کا اور البتہ اگر آپ نے پیروی کی ان کی خواہشات سے

بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

بعد جو آیا تیرے پاس سے علم بیشک آپ اس وقت البتہ ظالموں سے

جو وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے۔ (۱۴۴) خواہ تم اہل کتاب کو تمام دلائل دیں لیکن وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کو ماننے والے ہیں اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلے کو ماننے والے ہیں اور اگر حق معلوم ہو جانے کے باوجود آپ ان کی خواہشات کے پیچھے چلیں تو بلاشبہ آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔'' (۱۴۵)

ہیکل سلیمانی کی بنیاد ہے۔ عیسائی عبادت کے دوران اپنے چہرے اس جانب کرتے ہیں جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ گویا کہ ایک قبلہ ہونے کے باوجود یہ ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ جب یہ اپنے قبلہ پر متفق نہیں ہیں تو آپ ان سے یہ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ یہ آپ کے قبلہ پر اتفاق کریں گے؟ لہٰذا قیامت تک آپ بھی ان کے قبلہ کو تسلیم کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد اگر آپ خوش کرنے کے لیے ان کی خواہشات کے پیچھے لگیں گے تو یاد رکھیں آپ اس وقت ظالموں میں شمار ہوں گے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کا حکم جاننے کے باوجود اس کے برعکس کوئی قدم اٹھا سکتے تھے۔ کیونکہ رسول براہِ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں زندگی گزارتا ہے۔

یہاں مسئلہ کی اہمیت اور بنیادی اصول کی وضاحت کے پیشِ نظر آپ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ حق کے مقابلے میں اپنی خواہشات کی پیروی کرنا، اپنے آپ پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ یہ ایسا بنیادی مسئلہ ہے جس سے رسولِ معظم ﷺ بھی مستثنیٰ نہیں تھے۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)) (شرح السنہ للبغوی [حسن])

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کر دے۔''

آپ ﷺ کی دعا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ مُّنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَآءِ))(رواہ الترمذی:باب الدعوات[صحیح])

''الٰہی میں برے اخلاق، اعمال اور خواہشات کی پیروی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

خواہشات کے غلام:

((وَإِنَّهٗ سَيَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِیْ أَقْوَامٌ تَتَجَارٰی بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَآءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَا يَبْقٰی مِنْهُ عِرْقٌ وَّلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهٗ))(رواہ أبوداؤد:باب شرح السنة[صحیح])

''عنقریب میری امت میں ایسی قومیں ظہور پذیر ہوں گی کہ خواہشات ان میں ایسے سما جائیں گی جیسے باؤلے کتے کے کاٹنے سے لاحق ہونے والی بیماری رگ رگ اور ہر جوڑ میں سرایت کر جاتی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی پسند کے مطابق قبلہ تبدیل فرما دیا۔

۲۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں، نماز میں مسجد الحرام کی طرف ہی منہ کیا کریں۔

۳۔ اہلِ کتاب علمی طور پر مانتے ہیں کہ خانہ کعبہ ہی قبلۂ حق ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ اور کسی شخص کے کردار سے غافل نہیں ہے۔

۵۔ حق اور سچ ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ بیت اللہ کو قبلہ تسلیم نہیں کرتے۔

۶۔ حقیقت کا علم ہونے کے باوجود اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا ظالم ہے۔

تفسیر بالقرآن

خواہشات کی پیروی کرنے کے نقصانات:

۱۔ علم ہونے کے باوجود دوسروں کے خیالات کی پیروی کرنیوالا اللہ کی نصرت سے محروم ہوتا ہے۔(البقرۃ:۱۲۰)

۲۔ علم ہونے کے باوجود کفار کے خیالات کو اپنانا ظالموں میں شامل ہونا ہے۔(البقرۃ:۱۴۵)

۳۔ کتاب اللہ کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔(المائدۃ:۴۸)

۴۔ خواہشات کی اتباع کے بجائے کتاب اللہ کے مطابق فیصلے ہونے چاہییں۔(المائدۃ:۴۹)

۵۔ لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگنے والا گمراہ ہو جاتا ہے۔(ص:۲۶)

۶۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا تباہ ہو جاتا ہے۔(طٰہٰ:۱۶)

۷۔ سب سے بڑا گمراہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا ہے۔(القصص:۵۰)

۸۔ خواہشات کی پیروی کرنے والا اپنی خواہشات کو الٰہ بنالیتا ہے۔(الفرقان:۴۳)

۹۔ حق کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے سے زمین و آسمان میں فساد پیدا ہوتا ہے۔(المؤمنون:۷۱)

اَلَّذِيْنَ	اٰتَيْنٰهُمُ	الْكِتٰبَ	يَعْرِفُوْنَهٗ	كَمَا	يَعْرِفُوْنَ	اَبْنَآءَهُمْ ؕ
جولوگ	ہم نے دی انہیں	کتاب	وہ اسے پہچانتے ہیں	جیسے	وہ پہچانتے ہیں	انکے بیٹے
وَاِنَّ	فَرِيْقًا	مِّنْهُمْ	لَيَكْتُمُوْنَ	الْحَقَّ	وَهُمْ	يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾
اور بیشک	ایک گروہ	ان سے	البتہ وہ چھپاتے ہیں	حق	حالانکہ	وہ جانتے ہیں
اَلْحَقُّ	مِنْ	رَّبِّكَ	فَلَا تَكُوْنَنَّ	مِنَ	الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾	
حق	سے	آپ کا رب	پس ہرگز تو نہ ہو جانا	سے	شک کرنے والے	

''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں بلاشبہ ان کی ایک جماعت حق کو جاننے کے باوجود اسے چھپالیتی ہے۔(۱۴۶) آپ کے رب کی طرف سے یہ بالکل حق ہے پس آپ کو کبھی شک کرنے والوں میں نہیں ہونا چاہیے۔''(۱۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہاں معنوی ربط ہے کہ اہل کتاب جس طرح رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو پہچانتے ہیں اسی طرح بیت اللہ کو قبلی طور پر قبلہ تسلیم کرتے ہیں۔ جہاں تورات وانجیل میں آپ کی نبوت کے ثبوت ہیں وہاں بیت اللہ کے قبلہ ہونے کا ثبوت بھی موجود ہے۔

اظہارِ حق اور نبی کریم ﷺ کے اطمینان اور مسلمانوں کی تسلی کے لیے مزید فرمایا جارہا ہے کہ اہل کتاب آپ ﷺ کی ذات اور حیثیت کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو پہچاننے میں ذرّہ برابر شک نہیں کرتا، جب انہوں نے آپ کو اچھی طرح پہچان لیا ہے تو پھر آپ کی نبوت سے انحراف اور قبلہ کے انکار کا کیا معنیٰ؟ لیکن اس کے باوجود کتمانِ حق کا جرم ہمیشہ سے ان میں سے ایک فریق کرتا آرہا ہے۔ لہٰذا قبلہ کی تبدیلی اور سلسلۂ وحی آپ کے ربّ کی طرف سے ہے اس لیے آپ کو رائی کے دانے کے برابر بھی اس میں شک نہیں کرنا چاہیے۔

((عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهِ اذْهَبْ بِنَآ إِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ إِنَّهُ لَوْ سَمِعَكَ كَانَ لَهُ أَرْبَعَةُ أَعْيُنٍ فَأَتَيَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَسَاَلَاهُ عَنْ تِسْعِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ لَهُمْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِيْءٍ إِلٰى ذِيْ سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهُ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً وَلَا تُوَلُّوا الْفِرَارَ يَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَآصَّةً الْيَهُوْدُ أَنْ لَّا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلُوْا يَدَهُ وَرِجْلَهُ فَقَالَا نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تَتَّبِعُوْنِيْ قَالُوْا إِنَّ دَاوٗدَ دَعَا رَبَّهُ أَنْ لَّا يَزَالَ فِيْ ذُرِّيَّتِهٖ نَبِيٌّ وَإِنَّا نَخَافُ إِنْ تَبِعْنَاكَ أَنْ تَقْتُلَنَا الْيَهُوْدُ))(رواہ الترمذی: کتاب الإستئذان، باب ماجاء فی قبلة الید والرجل [حسن])

''حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ مجھے اس نبی کے پاس لے چلو اس

نے کہا تو اسے نبی نہ کہہ اس لیے کہ اگر اس نے سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی یعنی بہت خوش ہوگا۔ ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر نو آیاتِ بیّنات کے متعلق سوال کیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ①۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، ②۔ چوری نہ کرو ③۔ زنا نہ کرو ④۔ قتلِ ناحق نہ کرو ⑤۔ کسی بے گناہ کو حاکم کے ہاں اسے قتل کرانے کے لیے نہ لے جاؤ ⑥۔ جادو نہ کرو ⑦۔ سود نہ کھاؤ ⑧۔ پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔ ⑨۔ میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو" اور ⑩۔ یہودیو! تم پر خصوصی طور پر لازم ہے کہ ہفتے کے دن زیادتی نہ کرو۔" راوی کہتے ہیں دونوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: پھر میری اتباع کرنے سے کونسی چیز مانع ہے؟ انہوں نے جواب دیا حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ نبوت انہی کے خاندان میں رہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم نے آپ کی اتباع کر لی تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔"

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر صبح کے وقت رسول محترم ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام کے بارے میں مذاکرات کیے اور انہیں یقین ہو گیا کہ حقیقتاً آپ ﷺ نبی آخر الزماں ہیں۔ جب آپ سے گفتگو کرنے کے بعد مغرب کے وقت واپس آئے تو نہایت تھکے ماندے دکھائی دے رہے تھے۔ چچا ابو یاسر میرے والد سے پوچھتے ہیں: أَهُوَ هُوَ؟ "کیا یہی وہ نبی ہے جس کا تذکرہ تورات وانجیل میں پایا جاتا ہے؟" والد کہتے ہیں کیوں نہیں یہ وہی رسول ہے۔ وہ پوچھتے ہیں: أَتَعْرِفُهُ وَتُثَبِّتُهُ؟ "کیا واقعی تو اسے پہچانتا ہے؟" تو انہوں نے کہا: ہاں میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ چچا ابو یاسر کہتے ہیں: فَمَا فِي نَفْسِكَ مِنْهُ؟ "پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟" میرے والد نے جواب دیا: عَدَاوَةُ وَاللهِ مَا بَقِيتُ "کہ اللہ کی قسم! جب تک زندہ ہوں مخالفت کرتا رہوں گا۔" (ابن هشام: شهادة عن صفية)

یہی حالت اہلِ مکہ کی تھی کہ وہ اچھی طرح پہچان چکے تھے کہ محمد ﷺ واقعی ہی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں لیکن اپنی انا اور باطل عقیدہ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ بدر کے معرکہ کے موقعہ پر ابوجہل سے کسی نے سوال کیا کہ کیا محمد نے زندگی میں ہم سے جھوٹ بولا ہے؟ اس نے کہا: ہرگز نہیں اس شخص نے کہا کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کس طرح غلط بیانی کر سکتا ہے؟ خصوصاً جب اس کی کنپٹیوں کے بال بھی سفید ہو چکے۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ دراصل ہمارے اور ان کے قبیلے کی آپس میں ہر معاملے میں مقابلہ بازی رہی ہے اس لیے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کی سربراہی قبول کر لیں۔

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات اور رسالت کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔
۲۔ اہل کتاب جان بوجھ کر حق چھپا لیتے ہیں۔ ۳۔ قرآن مجید اور بیت اللہ کے قبلہ ہونے پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا

اور ہر ایک کے لیے سمت وہ اس طرف رخ کرنے والا پس تم سبقت لے جاؤ نیکیاں جہاں کہیں

تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

تم ہو گے لے آئے گا تمہیں اللہ تمام یقیناً اللہ پر ہر چیز قدرت رکھنے والا

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ

اور سے جہاں آپ نکلیں پس پھیر لیں تیرا چہرہ طرف مسجدِ حرام اور یہی

لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

یقیناً حق سے آپ کا رب اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو

''ہر ایک شخص کی ایک جہت ہے وہ اسی کی طرف پھرتا ہے تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تعالیٰ تمام کو لے آئے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱۴۸) آپ جہاں سے نکلیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کریں۔ آپ کے رب کی طرف سے یہی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''(۱۴۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ

ہر مذہب کے لوگوں نے عبادت کے لیے ایک جہت مقرر کر رکھی ہے۔ وہ اسی طرف ہی راغب اور رخ کیے ہوئے ہیں۔ ہندو اپنے عبادت خانوں میں مورتی (بت) کی طرف اور اگر مورتی نہ ہو تو سورج کی طرف منہ کرتے ہیں۔ سکھ اپنی کتاب گرنتھ کی جانب منہ کرتے ہیں۔ کتاب موجود نہ ہونے کی صورت میں جس طرف چاہیں چہرہ کر لیتے ہیں۔ بدھ مت بدھا کی مورتی کی طرف، یہودی بیت المقدس میں بھی دیوارِ گریہ کی طرف اور عیسائی مسجدِ اقصیٰ کی اس جانب منہ کرتے ہیں جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے جنم لیا تھا۔

یہ تو مسلمانوں کا امتیاز ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں کسی ذات کے حوالے سے نہیں بلکہ بیت اللہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔ اس لیے ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہارے رب نے تمہارے چہروں کو اپنے گھر کی طرف پھیرنے کا حکم دیا ہے بس تم اسے قبول کرنے میں سبقت حاصل کرو۔ کیونکہ کارِ خیر میں سبقت اختیار کرنے سے ایک ولولۂ تازہ پیدا ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ امّتِ مسلمہ کو صرف نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا ارشاد ہوا ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی شعبہ اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا صحت مند رجحان پیدا نہ ہو۔ سبقت کے جذبہ کے بغیر قوموں کی زندگی میں مُردگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بالآخر زندگی مردہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ زندہ اور بیدار قومیں اسی لیے مختلف شعبوں میں مقابلے کروایا کرتی ہیں۔ قرآنِ مجید نے جذبۂ مسابقت کو پروان چڑھانے کے لیے ''سَابِقُوْا اور سَارِعُوْا'' کے الفاظ

استعمال فرمائے ہیں۔نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی نماز ہے' جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ((أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ)) ''کونسا عمل اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے ؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا: ''وقت پر نماز ادا کرنا اللہ کو بہت محبوب ہے۔'' (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلوۃ)

یہاں ہر قسم کی نیکی میں سبقت اور سورۃ الحدید آیت ۲۱ میں مغفرت اور جنت کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے گئے۔ جب کہ سورۃ آل عمران: آیت ۱۳۳ میں رب تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کے حصول کے لیے تیز روی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر سورۃ الواقعہ: آیت ۱۰ تا ۱۲ میں اس کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہی قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ جس طرح آج تمہیں اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، قیامت کے روز تمہیں اسی گھر کے مالک کے حضور پیش ہونے کا حکم ہوگا اور تم سب کے سب اس کی بارگاہ میں سر جھکائے حاضر ہو گے۔ اب تو تبدیلی قبلہ کا حکم آنے کے باوجود لوگ مختلف سمتوں کی طرف چہرے کیے ہوئے ہیں لیکن وہاں ہر حال میں سب کو ایک ہی بار گاہ اور ایک ہی عدالت میں جمع ہونا ہوگا۔ بلا شک اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے اعمال کو اپنے حضور پیش کرنے پر قادر ہے کیونکہ وہ قطرے قطرے، پتے پتے اور ذرّے ذرّے پر قدرت رکھتا ہے۔ تحویلِ قبلہ کا حکم آتے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سمع واطاعت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ جس کی دنیا کی تاریخ میں مثال ملنا مشکل ہے۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ان کے پاس ایک آدمی نے آکر کہا کہ نبی ﷺ پر آج رات قرآن نازل ہوا۔ اس میں حکم دیا گیا ہے کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کریں لہٰذا تمہیں بھی کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہیے۔ لوگوں کے چہرے شام کی طرف تھے۔ اسی وقت انہوں نے اپنے چہروں کو کعبہ کی طرف پھیر لیا۔'' (رواہ البخاری: کتاب الصلاۃ، باب قولہ ومعا جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا)

مسائل

۱۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہیے۔

۲۔ لوگ جہاں کہیں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے ہاں جمع کر لے گا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ ذرّے ذرّے اور چپّے چپّے پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر امّت کا قبلہ:

۱۔ نبی ﷺ کو بھی قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۹)

۲۔ ہر امّت نے اپنے لیے ایک جہت مقرر کر لی ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۸)

۳۔ آدمی مسجدِ حرام میں ہو یا باہر اسے حالت نماز میں قبلہ کی طرف ہی منہ کرنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۱۴۴)

وَمِنْ	حَيْثُ	خَرَجْتَ	فَوَلِّ	وَجْهَكَ	شَطْرَ	الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ
اور سے	جہاں	آپ نکلیں	پس تو پھیر لو	اپنا چہرہ	طرف	مسجدِ حرام
وَحَيْثُ مَا	كُنْتُمْ	فَوَلُّوْا	وُجُوْهَكُمْ	شَطْرَهٗ ۙ	لِئَلَّا	يَكُوْنَ	لِلنَّاسِ
اور جہاں کہیں	تم ہو	تو پھیر لو	اپنے چہرے	اس کی طرف	تا کہ نہ	رہے	لوگوں کے لیے
عَلَيْكُمْ	حُجَّةٌ	اِلَّا	الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	مِنْهُمْ	فَلَا	تَخْشَوْهُمْ
تم پر	کوئی دلیل	مگر	وہ لوگ	انہوں نے ظلم کیا	ان میں سے	تو نہ	تم ڈرو ان سے
وَاخْشَوْنِيْ ۙ	وَلِاُتِمَّ	نِعْمَتِيْ	عَلَيْكُمْ	وَلَعَلَّكُمْ	تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾
اور ڈرو مجھ سے	تا کہ میں پوری کر دوں	میری نعمت	تم پر	اور تا کہ تم	ہدایت پاؤ گے

''اور جس جگہ سے تم نکلو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیا کرو اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف (نماز میں) کیا کرو تا کہ لوگوں کے لیے تم پر کوئی حجت نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے تم ان سے نہ ڈرو مجھ ہی سے ڈرو۔ تا کہ تم پر میں اپنی نعمت پوری کروں اور اس لیے بھی کہ تم ہدایت پاؤ۔'' (۱۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ:

پہلے بھی بیان ہوا ہے کہ تحویلِ قبلہ معمولی اقدام نہیں تھا۔ اس لیے رسولِ کریم ﷺ کو تیسری مرتبہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسری بار مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم نماز کے وقت جہاں کہیں ہو بہر حال اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ قرآن مجید میں صرف یہی ایک مسئلہ ہے جس پر عمل کرنے کے لیے آپ کو تین بار حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں یہ بہت بڑی اور مسئلہ تھا۔ اس تاکید کے باوجود اس فرمان کے آخر میں مزید حکم دیا ہے کہ لوگوں سے ڈرنے کی بجائے صرف مجھ سے ڈرو۔ کیونکہ آدمی جب اللہ کا ڈر اپنے آپ میں پیدا کر لیتا ہے تو پھر کسی کا خوف اس پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ قبولِ حق اور اس کے ابلاغ کے لیے یہ بات شرطِ اول کی حیثیت رکھتی ہے کہ انسان صرف اپنے رب سے ڈرتا رہے۔

مسائل

۱۔ ہر کسی کو اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ سے نعمتوں کا اتمام اور ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم اور اس کا صلہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بجائے لوگ دوسروں سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ (النساء: ۷۷)

۲۔ اللہ سے خلوت میں ڈرنے والے کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ (یٰس: ۱۱)

۳۔ لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ سے ہی ڈرنا چاہیے۔ (آلِ عمران: ۱۷۵)

كَمَآ	اَرْسَلْنَا	فِيْكُمْ	رَسُوْلًا	مِّنْكُمْ	يَتْلُوْا	عَلَيْكُمْ
جیسا کہ	ہم نے بھیجا	تم میں	رسول	تم میں سے	وہ پڑھتا ہے	تم پر
اٰيٰتِنَا	وَيُزَكِّيْكُمْ	وَيُعَلِّمُكُمُ	الْكِتٰبَ	وَالْحِكْمَةَ	وَيُعَلِّمُكُمْ	
ہماری آیات	اور پاک کرتا ہے تمہیں	اور سکھاتا ہے تم کو	کتاب	اور حکمت	اور سکھلاتا ہے تمہیں	
مَّا	لَمْ تَكُوْنُوْا	تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾				
جو	تم نہیں تھے	تم جانتے ہو				

''اسی طرح ہم نے تمہارے درمیان تمہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیات تمہارے سامنے پڑھتا اور تمہیں پاک کرتا ہے، تمہیں کتاب وحکمت اور وہ کچھ سکھلاتا ہے جس سے تم بے علم تھے۔''(۱۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: خوفِ خدا کے بغیر آدمی نعمتِ ہدایت نہیں پا سکتا اور ہدایت کے لیے سنتِ رسول اور تعلیمِ نبوت لازم ہے۔ یہ فرد کی اصلاح اور قوموں کی فلاح کا راستہ ہے۔ اور یہی رسولِ محترم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہے۔

نبوّت کے مرکزی فرائض

① تلاوتِ آیات:

تلاوت سے مراد اللہ تعالیٰ کے ارشادات واحکامات سے لوگوں کو آگاہ کرنا، قرآن مجید کے ظاہری و باطنی آداب بتلانا، اس پر عمل کرنے اور اس کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اس کی تلاوت کرنا اور تحفیظ القرآن کی ترغیب دینا ہے۔

② تعلیم:

تعلیم سے مراد باقاعدہ قرآن مجید کے علوم جاننا ہے۔ آدمی کسی علم میں مہارت اور اس کے حقیقی مطالب نہیں سمجھ سکتا جب تک متعلقہ علم کے ماہر کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کرے۔ یہ تو صرف رسول کی شان ہوا کرتی ہے کہ وہ کسی آدمی سے علم سیکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم اور معرفت حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید نے وضاحت فرمائی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے براہِ راست اپنے رب سے تعلیم پائی ورنہ آپ اس سے پہلے کچھ نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا نبی کے علاوہ ہر انسان اس بات کا محتاج ہے کہ وہ جو سیکھنا چاہتا ہے اس کے لیے متعلقہ استاد سے استفادہ کرے۔ اسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ کچھ سکھلاتا ہے جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔ جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآنِ مجید کے بعد حدیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں جس کی کسی زمانے میں بھی اہلِ عقل وفکر نے تائید نہیں فرمائی۔ کیونکہ محض کتاب کسی کے ہاتھ میں تھما دینے سے کوئی شخص ٹھیک ٹھیک اس سے استفادہ نہیں کر سکتا بے شک وہ اس کتاب کی زبان سے

کتنا ہی واقف کیوں نہ ہو؟ اس حقیقت کو جاننے کے لیے آج بھی کسی انگریزی دان کو انجینئرنگ یا طب کے متعلق کوئی کتاب دے کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے استاد کے بغیر طب اور انجینئرنگ میں کیا دسترس حاصل کی ہے؟ اس لیے نبوت کے کارِ منصبی میں یہ فرض شامل ہے کہ نبی لوگوں کو باضابطہ طور پر کتاب اللہ کی تعلیم سے ہمکنار کرے تاکہ نبوت کا کام نسل در نسل چلتا رہے۔ لہٰذا رسولِ مقبول ﷺ نے تلاوتِ قرآن اور وعظ وخطاب کے ساتھ باقاعدہ طور پر مردوں کے لیے مسجدِ نبوی میں صفہ کے مقام پر اور خواتین کے لیے الگ تعلیم کا سلسلہ جاری فرمایا۔

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک عورت نے نبی ﷺ سے آکر کہا کہ مرد ہم سے تعلیم کی وجہ سے آگے بڑھ گئے ہیں' آپ ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر کریں جس میں آپ ہمیں وہ کچھ سکھائیں جو اللہ نے آپ کو سکھایا آپ نے فرمایا فلاں فلاں دن جمع ہوجایا کرو۔ آپ تشریف لاکر انہیں اللہ تعالیٰ کا بتلایا ہوا علم سکھلاتے۔''

(رواہ البخاری: کتاب العلم، باب: ھل یجعل للنساء یوم علی حدۃ في العلم)

«عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ»

(رواہ ابن ماجہ: باب فضل العلماء [صحیح])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

علم کی عظمت وفضیلت:

علم وہ نعمت ہے جس سے ایک انسان ہی نہیں بلکہ حیوان بھی اپنی جنس میں ممتاز ہوجاتا ہے جیسا کہ کتے کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اگر عام کتا برتن چاٹ جائے تو اسے سات دفعہ دھونا ضروری قرار دیا گیا ہے لیکن اگر کتا سدھایا ہوا ہو تو اس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے۔ (المائدۃ: ۴) بے شک انسان اشرف المخلوقات ہے لیکن تعلیم کے بغیر اندھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پہلا شرف علم ہی تھا جس کی وجہ سے انہوں نے ملائکہ پر برتری حاصل کی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی نبوت کا آغاز ہی ''اِقْرَأْ'' سے ہوا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنی امت کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے کے لیے خصوصی توجہ فرمائی اور ان پڑھ قوم میں وہ علمی تحریک پیدا فرمائی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اپنے بنیادی فرائض سے غافل اور ناواقف ہو۔ بے شک علوم میں سب سے اعلیٰ اور دنیا وآخرت میں مفید ترین علم قرآن وسنت کا علم ہے لیکن قرآن وحدیث میں ہر اس علم کی حوصلہ افزائی پائی جاتی ہے جس سے انسانیت کو فائدہ پہنچے اس لیے آپ ﷺ علم میں اضافے کے لیے دعا کیا کرتے تھے: ''رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا'' ''اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما'' اور امت کو ہدایت فرمائی کہ اگر کسی کو قرآن وسنت کا ایک فرمان بھی یاد ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ اسے آگے پہنچائے گویا کہ قیامت تک یہ تحریک جاری رہے اور اس طرح دیے سے دیا جلتا رہنا چاہیے۔

((عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ))(رواہ البخاری: کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ عنایت فرماتے ہیں میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ مجھے عنایت فرمانے والا ہے۔''

«عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا»

(رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب انفاق المال فی حقہ)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال عنایت فرمایا اور اسے نیکی کے کاموں پر خرچ کرنے کی توفیق دی، دوسرا جس کو اللہ تعالیٰ نے دانشمندی عطا کی وہ اس کی روشنی میں فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔''

سلسلہ تعلیم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے وقت کے ساتھ ساتھ اس قدر وسعت سے ہمکنار کیا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدارس ومساجد قائم کرنے کے ساتھ مملکت کے سول اور فوجی عہدے داران کو حکم دیا کہ وہ عوام اور فوج میں قرآن وسنت کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے خصوصی اقدامات کریں۔ اس کوشش اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب فوجی افسروں کو خط لکھا کہ حفاظ کرام کی فہرست میرے پاس بھیجو تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ صرف میری چھاؤنی میں تین سو حفاظ کرام موجود ہیں۔ (الفاروق)

③ تزکیۂ نفس:

مضمون اور علم کتنا ہی اہم اور اعلیٰ کیوں نہ ہو اس وقت تک اس کے مقاصد حاصل نہیں کیے جاسکتے جب تک اس کے مطابق تربیت کا انتظام نہ کیا جائے۔ تربیت کے لیے انفرادی اور اجتماعی ماحول کا ہونا ضروری ہے۔ فرد کی اصلاح کیے بغیر قوم کی اصلاح کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تزکیہ نفس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی انفرادی اصلاح بھی فرماتے اور اجتماعی بھی۔ تب جا کر ایک ایسی جمعیت معرض وجود میں آئی۔ جس کی مثال تاریخ میں پیش کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

④ حکمت:

اہلِ لغت اور مفسرین نے حکمت کے معانی، فہم وفراست، علم وحلم، عدل وانصاف، حقیقت اور سچائی تک پہنچنا اور دین کی سمجھ حاصل کرنا بیان کیے ہیں۔ جب کہ اکثر اہلِ علم نے حکمت سے مراد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حدیث لی ہے۔ کیونکہ آپ کی ذاتِ اطہر پر قرآن نازل ہوا اور آپ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق اس کی تفسیر بیان کرنے والے ہیں۔ سنت سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کے اس لفظ کا کیا معنی ہے کیونکہ آپ نے اپنے ارشاد اور عمل سے قرآن کے احکامات کا حقیقی مفہوم واضح فرمایا ہے۔ پھر آپ کی سنت اور حدیث ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک فرد اور معاشرے پر قرآن کا نفاذ کس طرح کرنا چاہیے؟

آپ ﷺ نے ہی دنیا کو عقل و دانش سے ہمکنار فرمایا۔

رسولِ کریم ﷺ کا صرف یہی فرض نہیں تھا کہ آپ قرآن کی تلاوت، تبلیغ، تعلیم اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی حکمت کا تعیّن فرمائیں بلکہ آپ نے قرآن مجید کی روشنی میں اپنے اسوۂ مبارکہ کے ذریعے قرآن مجید کے مقصود کو لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس طرح راسخ فرمایا جس سے لوگوں کے نظریات کی تطہیر ہوئی۔ اخلاق میں نکھار اور کردار میں سنوار پیدا ہوا۔ کل کے جاہل قوموں کے معلّم اور راہبر بنے، ماضی میں لوٹ مار کرنے والے لوگوں کی عزت و مال کے محافظ ہوئے۔ لہٰذا کسی بھی حقیقی انقلاب اور طریقۂ حکومت کے یہی چار بنیادی اصول ہیں، جن کے بغیر فرد اور معاشرے میں صحت مند اور جامع تبدیلی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی اسلام کا وہ نظامِ تعلیم اور تزکیۂ نفس کا پروگرام ہے جس کو اختیار کر کے ہر شخص روحانی منازل طے کر سکتا ہے، اس میں نہ تصورِ شیخ کی گنجائش ہے اور نہ قبروں کے سامنے مراقبہ کرنے اور نہ غاروں میں چلّہ کشی کی ہی ضرورت ہے۔ جن لوگوں نے تزکیۂ نفس کے مختلف طریقے ایجاد اور اختیار کیے ہیں انہوں نے سنت کے خلاف راستہ اختیار کیا ہے۔ لہٰذا کتاب و سنت میں ایسے طریقوں اور تصوف کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ رسولِ محترم ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ ۲۔ رسول لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات سناتے تھے۔
۳۔ رسول لوگوں کی تربیت و تزکیہ نفس کرتے تھے۔ ۴۔ رسول تعلیم اور دانش مندی سکھاتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبوت کے اغراض و مقاصد:

۱۔ نبوت کے منصبی فرائض۔ (البقرۃ:۱۵۱) ۲۔ آپ ﷺ کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا۔ (الجمعہ:۲)
۳۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں نبوت کے فرائض کا تذکرہ۔ (البقرۃ:۱۲۹)
۴۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے بوجھ اتارنے اور غلامی سے چھڑانے کے لیے تشریف لائے۔ (الاعراف:۱۵۷)
۵۔ آپ ﷺ کی نبوت اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر احسانِ عظیم ہے۔ (آلِ عمران:۱۶۴)
۶۔ آپ لوگوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے (الاحزاب:۴۵)
۷۔ آپ کو ہدایت کا سورج بنایا گیا۔ (الاحزاب:۴۶)

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

پس تم یاد کرو مجھے میں یاد کروں گا تمہیں اور تم شکر کرو میرا اور نہ ناشکری کرو میری

''پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔'' (۱۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نعمتوں کے بدلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور شکر کرنا چاہیے۔

بیت اللہ کو مرکز بنانا، امتِ مسلمہ کو پیشوائی کے منصب پر فائز کرنا، قبلہ کی تبدیلی سے قبل کی نمازوں کا اجر عطا فرمانا، بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دینے کے بجائے صرف اس سمت رُخ کرنے کی سہولت عنایت کرنا، نبی آخر الزماں ﷺ کی صورت میں مہربان مربی اور عظیم قائد عطا فرما کر حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ مجھے یاد رکھنا اور میرے شکر گزار رہتے ہوئے میرے احکام کی بجا آوری کرتے رہنا کسی کا خیال اور خوف دل میں ہرگز نہ لانا تاکہ تمہیں ہدایت کے راستے پر استقامت اور مزید رہنمائی سے نوازا جائے۔

ذکر کی اہمیت

ذکر کی جامع تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کے ساتھ اس کی ذات اور صفات پر کامل یقین رکھتے ہوئے اسے دل اور زبان کے ساتھ یاد رکھا جائے گو تمام عبادات ذکر ہی کی مختلف شکلیں ہیں لیکن ان کی ادائیگی کے بعد بھی حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کو کثرت کے ساتھ یاد رکھا کرو، جب تم نماز پوری کرلو تو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے وقت اللہ کو یاد کیا کرو۔

{ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ } (النساء:۱۰۳)

''جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر اللہ کا ذکر کرو۔''

ذکر کی مختلف صورتیں:

«اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ»

(رواہ أبو داؤد: کتاب المناسک، باب فی الرمل [حسن])

''یقیناً! بیت اللہ کا طواف، صفا و مروہ کی سعی اور شیاطین کو کنکریاں مارنا اللہ کا ذکر بلند کرنے کے لیے مقرر کیے گئے۔''

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا مَعَ عَبْدِيْ حَيْثُمَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ»

(رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ لا تحرک بہ لسانک الخ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ

ہوتا ہوں، وہ جہاں کہیں بھی میرا ذکر کرے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر میں حرکت کریں۔''

فضیلتِ شکر

یہاں شکر کے مقابلے میں کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے ناشکری اور نا قدری کرنا۔ گویا اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کی نا قدری کرنے والا بالفعل کفر ہی کا ارتکاب کرتا ہے۔ شرفِ انسانیت کا تقاضا ہے کہ آدمی ہر حال میں اپنے رب کا شکر گزار بننے کی کوشش کرے۔

شکر رب سے مانگنے کا سلیقہ اور زوالِ نعمت سے محفوظ رہنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مزید عنایات کا دروازہ کھولتا ہے۔ انسان شکر تبھی ادا کرتا ہے جب اس کے دل میں اپنے رب کی نعمتوں اور احسانات کا شعور اور احساس پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے کسی عمل کے بارے میں بیک وقت یہ نہیں فرمایا کہ اس کے کرنے سے تم عذاب سے محفوظ ہو گے اور مزید ملنے کے حق دار بن جاؤ گے۔ صرف شکر ہی ایک ایسا عمل ہے جس کے بارے میں واضح طور پر فرمایا ہے: کہ تمہیں عذاب سے محفوظ رکھنے کے ساتھ مزید عنایات سے نوازا جائے گا۔ اس دوہرے انعام کی وجہ سے شیطان نے سرکشی اور بغاوت کی حدود پھاندتے ہوئے کہا تھا:

{ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ } (الاعراف:۱۷)

''اے رب تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

رسولِ گرامی ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ دعا سکھلائی کہ اسے ہر نماز کے بعد پڑھا جائے۔

«أَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ» (رواه أبوداؤد: باب فی الإستغفار [صحیح])

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت پر میری مدد فرما۔''

مسائل

۱۔ ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہر حال میں یاد رکھتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کا ہر دم شکریہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔
۳۔ ناشکری کفر کے مترادف ہے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کی فضیلت:

۱۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کا قدر دان ہے۔ (النساء: ۱۴۷) ۲۔ شیطان کا مقصد انسان کو ناشکرا بنانا ہے۔ (الاعراف: ۱۷)
۳۔ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔ (سبا: ۱۳)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان اور دل اس لیے دیئے ہیں کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ (السجدۃ: ۹)
۵۔ شکر ادا کرنے والے کو مزید عطا کیا جاتا ہے۔ (ابراہیم: ۷)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳

اے جولوگ ایمان لائے تم مدد مانگو صبر کیساتھ اورنماز بیشک اللہ ساتھ صبر کرنے والے

''اے ایمان والوصبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (۱۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ذکر اور شکر کی بہترین صورت نماز ہے۔ شکر سے اعراض اور نماز کا انکار کفر ہے۔ اگلی آیات میں شہادت اور مختلف قسم کی آزمائشوں کا آنا یقینی فرمایا ہے۔ لہٰذا آزمائشوں اور کفار کے پروپیگنڈہ سے گھبرانے کی بجائے پہلے نماز اور صبر کے ذریعے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

صبر ایک ایسی اخلاقی قوت ہے جو انسان کی منفی قوتوں پر کنٹرول اور مثبت صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے ساتھ ان صلاحیتوں میں اضافہ بھی کرتی ہے۔ قرآنِ مجید نے صبر کا یہی معنی متعین فرمایا ہے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کے ضمن میں کئی بار یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کچھ معاملات کی حکمت جاننے کے لیے ان کے ہمسفر ہوئے تو انہوں نے کئی بار فرمایا کہ جناب موسیٰ! آپ میرے معاملات پر حوصلہ نہیں کر پائیں گے۔ کلیم اللہ نے کہا کہ میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ میرے صبر کے بندھن ٹوٹنے نہ پائیں۔ گویا کہ صبر کا معنیٰ ہے اپنے آپ پر قابو رکھنا اور مشکل کے وقت استقامت اختیار کرنا۔ اس طرح صبر اور استقامت کا تعلق آپس میں چولی دامن کا تعلق بنتا ہے۔ غریب آدمی صبر کا دامن چھوڑ دے تو وہ خودکشی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ جوان کے اندر صبر کی قوت کمزور ہو جائے تو اس سے بے حیائی کی ایسی حرکات ثابت ہوتی ہیں کہ ساری زندگی اسے پچھتاوا رہتا ہے۔ صاحبِ اقتدار آدمی صبر سے تہی دامن ہو تو وہ اپنے وقت کا فرعون ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس یہی لوگ صبر و حوصلہ کا مظاہرہ کریں تو زندگی ان کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ بہادر اور بااختیار شخص حوصلہ سے کام لے تو کمزوروں کے لیے اللہ کی رحمت ثابت ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے زندگی کے ہر موڑ پر صبر و حوصلے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو اپنی دستگیری کی خوشخبری دی ہے۔ آپ ﷺ کو صبر کرنے کی تلقین:

{ وَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۰ } (المزمل:۱۰)

''لوگوں کی دل آزار باتوں پر صبر کرتے ہوئے انہیں اچھے انداز سے چھوڑ دیجیے۔''

{ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶ } (النحل:۱۲۶)

''صبر اختیار کرو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔''

{ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ } (الزمر:۱۰)

''صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے پورا پورا اجر دیا جائے گا۔''

یہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت کے حصول کے لیے دوسرا مؤثر ذریعہ نماز قرار دی گئی ہے۔ اگر آدمی نماز کو صحیح انداز میں ادا کرتے ہوئے یہ تصور قائم کر لے کہ میں مشفق ومہربان آقا کے حضور درخواست گزار ہوں اور وہی میری روح کے کرب کو جانتا اور میرے دکھوں کا مداوا کر سکتا ہے تو انسان کا غم فوری طور پر ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: مجھے نماز میں سکون ملتا ہے اور آپ ہر مشکل وقت مصلّے کی طرف لوٹا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی زندگی کے نازک مراحل میں نماز کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت طلب کیا کرتے تھے۔

①«جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ» (رواہ النسائی: کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء [صحیح])

''نماز میں میری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔''

②«يَابِلَالُ! أَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ» (رواہ ابی داود: باب فی صلاۃ العتمۃ [صحیح])

''اے بلال! نماز کے ذریعے ہمیں سکون پہنچاؤ۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نماز

③«فَلَمَّا دَخَلَ أَرْضَهُ رَاٰهَا بَعْضُ أَهْلِ الْجَبَّارِ أَتَاهُ فَقَالَ لَهُ لَقَدْ قَدِمَتْ أَرْضَكَ امْرَأَةٌ لَا يَنْبَغِيْ لَهَا أَنْ تَكُوْنَ إِلَّا لَكَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَأُتِيَ بِهَا فَقَامَ إِبْرَاهِيْمُ عليه السلام إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ لَمْ يَتَمَالَكْ أَنْ بَسَطَ يَدَهُ إِلَيْهَا فَقُبِضَتْ يَدُهُ قَبْضَةً شَدِيْدَةً فَقَالَ لَهَا ادْعِي اللّٰهَ أَنْ يُطْلِقَ يَدِيْ وَلَا أَضُرُّكِ فَفَعَلَتْ فَعَادَ فَقُبِضَتْ أَشَدَّ مِنَ الْقَبْضَةِ الْأُوْلٰى فَقَالَ لَهَا مِثْلَ ذٰلِكَ فَفَعَلَتْ فَعَادَ فَقُبِضَتْ أَشَدَّ مِنَ الْقَبْضَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ أَنْ يُطْلِقَ يَدِيْ فَلَكِ اللّٰهُ أَنْ لَّا أَضُرَّكِ فَفَعَلَتْ وَأُطْلِقَتْ يَدُهُ وَدَعَا الَّذِيْ جَاءَ بِهَا فَقَالَ لَهُ إِنَّكَ إِنَّمَا أَتَيْتَنِيْ بِشَيْطَانٍ وَلَمْ تَأْتِنِيْ بِإِنْسَانٍ فَأَخْرِجْهَا مِنْ أَرْضِيْ وَأَعْطِهَا هَاجَرَ قَالَ فَأَقْبَلَتْ تَمْشِيْ فَلَمَّا رَاٰهَا إِبْرَاهِيْمُ عليه السلام انْصَرَفَ فَقَالَ لَهَا مَيْهَمْ قَالَتْ خَيْرًا كَفَّ اللّٰهُ يَدَ الْفَاجِرِ وَأَخْدَمَ خَادِمًا» (رواہ مسلم: کتاب الفضائل، باب من فضائل إبراھیم الخلیل علیہ السلام)

''جب ابراہیم اس جابر بادشاہ کی سرزمین میں داخل ہوئے تو بادشاہ کے کارندے نے انہیں دیکھ کر بادشاہ سے کہا کہ آپ کے علاقے میں ایک عورت آئی ہے جو صرف آپ کے پاس ہی ہونی چاہیے۔ بادشاہ نے اپنا اہلکار بھیج کر اسے منگوایا تو ابراہیم علیہ السلام نے نماز شروع کر دی۔ حضرت سارہ علیہا السلام جب اس کے پاس گئیں تو اس نے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا لیکن بادشاہ کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا گیا۔ اس نے حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا کہ: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میرا ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔ میں دوبارہ یہ حرکت نہیں کروں گا۔ ہاتھ چھوڑ دیا گیا تو اُس نے دوبارہ دست درازی کی کوشش کی لیکن ہاتھ پہلے سے زیادہ سختی سے پکڑ لیا گیا۔ پھر اس نے ہاتھ چھڑانے کے لیے اللہ سے دعا کروائی اور وعدہ کیا کہ اب ایسے نہ کروں گا تو ہاتھ چھوڑ دیا گیا۔ تیسری دفعہ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ

پکڑ لیا گیا۔ اب پھر اس نے حضرت سارہ علیہا السلام سے دعا کے لیے کہا کہ اللہ کی قسم! میرا ہاتھ چھوٹ جائے تو میں تیرے ساتھ زیادتی نہیں کروں گا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی دعا پر ہاتھ چھوڑ دیا گیا۔ بادشاہ نے اس اہلکار کو بلا کر کہا کہ: تو میرے پاس انسان کے بجائے کوئی شیطان لے آیا ہے۔ اسے میری سرزمین سے جانے دیجیے اور اسے ہاجرہ علیہا السلام بھی ساتھ دے دیجیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سارہ علیہا السلام کو آتے ہوئے دیکھا تو ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فاجر کے ہاتھوں کو روک لیا اور میں سلامت رہی، اس نے ایک خادمہ خدمت کے لیے مجھے دی ہے۔''

صبر کی اہمیت اور فضیلت:

«عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى» (رواہ البخاری: باب الصبر عند الصدمة الاولیٰ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: صدمے کی ابتداء کے وقت صبر ہوتا ہے۔''

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ»

(رواہ ابن ماجة: کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مومن لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے زیادہ اجر والا ہے جو نہ لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور نہ ان کی دی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔''

مسائل

۱۔ صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مستقل مزاج اور صبر کرنے والوں کی دستگیری فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی اہمیت اور اجر:

۱۔ صبر اہم کاموں میں اہم ترین کام ہے۔ (الاحقاف: ۳۵) ۲۔ نبی ﷺ کو صبر کا حکم دیا گیا۔ (المعارج: ۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۳) ۴۔ صبر کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ (الحجرات: ۵)

۵۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (المومنون: ۱۱۱) ۶۔ مسلمان صابر کی آخرت اچھی ہوگی۔ (الرعد: ۲۴)

۷۔ صبر کرنے والوں کو جنت میں سلامتی کی دعائیں دی جائیں گی۔ (الفرقان: ۷۵)

۸۔ صابر بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ (الزمر: ۱۰)

وَلَا	تَقُوْلُوْا	لِمَنْ	يُّقْتَلُ	فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ	اَمْوَاتٌ ؕ
اور نہ	تم کہو	اسے جو	قتل کر دیا جائے	میں	راستہ	اللہ	مردے

بَلْ	اَحْيَآءٌ	وَّلٰكِنْ	لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
بلکہ	زندہ (جمع)	اور لیکن	تم سمجھ نہیں رکھتے

''اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کو نہیں سمجھتے۔'' (۱۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شہادت کے وقت صبر کرنا کیونکہ یہ فوت ہونے والے اور لواحقین کے لیے بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔

شہداء کے مرتبہ و مقام، ان کے عظیم اور مقدس مشن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے نام اور کام کو عزت و تکریم دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ جن لوگوں نے میرے راستے میں اپنے جسم کے ٹکڑے کروائے اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ان کو مردہ شمار کرنے کی بجائے زندہ و جاوید تصور کیا جائے۔ بظاہر ان کے گرامی قدر وجود دنیائے فانی سے دارِ جاودانی میں منتقل ہو چکے ہیں۔ لیکن اپنی بے مثال غیرتِ ایمانی اور قربانی کی وجہ سے وہ اپنی قوم اور معاشرے میں یاد رکھے جائیں گے کیونکہ ان کی موت سے قوم میں زندگی کا نیا جذبہ، جوش اور ولولۂ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ جس سے یہ محاورہ زبان زدِ عام ہوا ''شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے'' یہ جوانمرد اپنی جانیں نچھاور کر کے قوم کی عزت، بہو بیٹیوں کی عفت، ملک کی حفاظت اور اسلام کی عظمت کے رکھوالے ثابت ہوئے ہیں۔ ایسے جانفروشوں، فداکاروں اور جرأت و بہادری کی داستانیں رقم کرنے والوں کے بارے میں غیرتِ خداوندی گوارا نہیں کرتی کہ انہیں مردہ کے لفظ سے پکارا جائے۔ کیونکہ ان کا نام اور کام نسلوں تک باقی رہتا ہے۔ تاریخ کے اوراق سے ان کے نام اور کام کی ہر وقت زیارت کی جاسکتی ہے۔ شہدائے بدر و اُحد سے لے کر آج تک شہید ہونے والے خوش بختوں کے جب بھی نام لیے جاتے ہیں تو دل میں احترام و مقام تازہ ہونے کے ساتھ ان کی عظیم شہادت کی وجہ سے آدمی کا خون کھول اٹھتا ہے۔ مسلمان چشمِ تصور میں تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے تو رات کی تاریکی میں بستر پر لیٹے ہونے کے باوجود اس کا دل میدانِ کارزار میں پہنچنے کے لیے تڑپ اٹھتا ہے۔ یہی وہ سرمایۂ حیات ہے جس بنا پر انہیں مردہ کہنے کی بجائے شہید کے عظیم اور مقدس لقب سے ملقب فرمایا گیا ہے۔ جہاں تک دنیاوی زندگی کا معاملہ ہے شہید اس طرح ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں جس طرح طبعی موت سے آدمی اس دنیا سے دارِ آخرت کی طرف رختِ سفر باندھتا ہے۔ اسی وجہ سے شہداء کی بیوگان کو آگے نکاح کرنے کی اجازت ہے اور ان کی وراثت اسلامی قانونِ وراثت کے تحت ہی تقسیم ہوا کرتی ہے۔ اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں واضح کیا ہے کہ ان کی زندگی کے بارے میں خود ساختہ تصورات اور کسی قسم کی قیل و قال سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جہاں تک عالم برزخ میں جسدِ خاکی کی بقا کا معاملہ ہے تو انبیائے عظام کے اجسامِ مطہرہ کے بارے میں گارنٹی موجود ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ)) (رواہ أبو داؤد: کتاب الصلوۃ، باب فصل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ [صحیح]) ''یقیناً اللہ

عزوجل نے زمین پر انبیاء کا جسم کھانا حرام کر دیا ہے۔''

شہداء کے جسدِ خاکی کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی مستقل ضابطہ موجود نہیں۔ البتہ جس کے لیے اللہ چاہے اس کے وجود کو سلامت رکھتا ہے۔ جس کی تاریخ میں کئی مثالیں موجود ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود بعض لوگوں نے اپنے فرسودہ عقائد کو تقویت اور دنیاوی مفادات کے تحفظ کے لیے ان کی حیاتِ اُخروی کو دنیا کی زندگانی سے مماثل کرنے کی بے معنی کوشش کی ہے۔ جن میں عصرِ حاضر کے ایک مفسر تفسیر مظہری کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں: ''قُلْتُ بَلْ مَعِيَّةٌ غَيْرُ مُتَكَيِّفَةٍ يَتَّضِحُ عَلَى الْعَارِفِيْنَ'' یعنی اِس سنگت سے وہ خاص سنگت مُراد ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔ صرف عارف ہی اِس کو سمجھ سکتے ہیں۔ (ضیاء القرآن)

رسول اللہ ﷺ نے شہید کی زندگی کے بارے میں یوں فرمایا:

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِجَابِرٍ يَا جَابِرُ أَلَا أُبَشِّرُكَ قَالَ بَلٰى بَشَّرَنِيَ بَشَّرَكَ اللهُ بِالْخَيْرِ قَالَ أَشَعَرْتَ أَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ أَحْيَا أَبَاكَ فَأَقْعَدَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ تَمَنَّ عَلَيَّ عَبْدِيْ مَا شِئْتَ أُعْطِكَهُ فَقَالَ يَا رَبِّ مَا عَبَدْتُّكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ أَتَمَنّٰى عَلَيْكَ أَنْ تَرُدَّنِيْ إِلَى الدُّنْيَا فَأُقَاتِلُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَرَّةً أُخْرٰى فَقَالَ سَبَقَ مِنِّيْ إِنَّكَ إِلَيْهَا لَا تَرْجِعُ» (المستدرک علی الصحیحین: ۳/۲۲۳ [ضعیف])

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا جابر! کیا میں تجھے بشارت نہ دوں؟ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں! اللہ آپ کو بہتری اور خیر کی بشارت دے آپ نے فرمایا: تجھے معلوم ہے کہ اللہ نے تمہارے والد کو زندہ کر کے اپنے سامنے بٹھا کر فرمایا کہ میرے بندے تو جو چاہتا ہے مجھ سے تمنا کر میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے دنیا میں بھیج دیں تا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مل کر قتال کروں اور پھر تیری راہ میں شہید ہوں اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا: میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ تو دنیا میں دوبارہ نہیں جائے گا۔''

مسائل

۱۔ شہداء کو مردہ نہیں کہنا چاہیے۔ ۲۔ شہداء کی زندگی ہمارے علم وشعور سے باہر ہے۔

تفسیر بالقرآن

شہداء کا مقام وزندگی:

۱۔ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے زندہ ہیں۔ (البقرۃ: ۱۵۴) ۲۔ شہداء اللہ کے ہاں رزق پاتے ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۶۹)

۳۔ شہداء اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر راضی ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۷۰)

۴۔ شہداء اپنے لواحقین کو خوشخبری کا پیغام دیتے ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۷۰)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ

اور ضرور ہم آزمائیں گے تمہیں ساتھ چیز سے خوف اور بھوک اور نقصان سے

الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۵ الَّذِيْنَ اِذَآ

مال (جمع) اور جانیں اور پھل (جمع) اور آپ خوشخبری دیں صبر کرنے والے وہ لوگ جب

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۱۵۶

پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت وہ کہتے ہیں بلاشبہ ہم اللہ کے لیے اور یقیناً ہم اس کی طرف لوٹنے والے

''اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے دشمن کے ڈر، بھوک، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے، صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجئے۔ (۱۵۵) جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یقیناً ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔'' (۱۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: غم اور آزمائش کی مختلف صورتیں۔

اسلام کے اوصافِ حمیدہ میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو کسی مبالغہ آمیزی اور بے جا خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرتا کہ جونہی اپنی زبان سے کلمہ ادا کرو گے تو بہاریں لوٹنے کے ساتھ ہر قسم کی کامیابیاں تمہارے دامن میں سمٹ آئیں گی۔ اسلام اور کسی نظریے کی تاریخ بھی اس بات کی تائید نہیں کرتی کہ جونہی کسی نے اسے قبول کیا تو ان کے لیے نعمتوں اور سہولتوں کے دروازے کھل گئے ہوں۔ اس کے برعکس یہ ہوا کرتا ہے کہ تحریک کے ابتدائی معاون بیش بہا قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے صبر واستقامت کا مظاہرہ کریں تو ایک وقت آیا کرتا ہے کہ اسی یا آئندہ نسل کے لیے دنیا میں آسانیوں کے راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ شدید کشمکش اور قربانیوں سے پہلے ان سہولتوں کا تصور کرنا خوش فہمیوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔ ایسی ہی صورتِ حال کے پیش نظر یہاں تحویلِ قبلہ کے احکامات کے دوران شہادتوں اور آزمائشوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ ترکِ وطن اور جانی قربانیوں کے ساتھ دشمن کا خوف، غربت وافلاس، مال ودولت کی کمی، اعزاء واقرباء کی جدائی، موت کی صورت میں ہو یا ہجرت کی شکل میں اور خوراک کی کمی سے تمہیں آزمایا جائے گا۔ یہاں پہلے شہادت کا ذکر فرما کر یہ تصور دیا کہ اللہ کے بندے جان کی پروا نہیں کرتے لہٰذا ان کے لیے دنیا کا مال ومتاع کوئی حیثیت نہیں رکھتا گویا کہ بڑی آزمائشوں سے گزرنے والے چھوٹی چھوٹی آزمائشوں سے نہیں گھبرایا کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فتح مکہ تک پے در پے تمام امتحانات اور آزمائشوں سے گزارا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہر امتحان میں سرخرو ہوئے تب جا کر ان کے لیے کامیابیوں کے دروازے کھولے گئے۔ آزمائش زندگی کا جز ولاینفک ہے، بالخصوص دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے یہ اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اس کے لیے دو حرفِ تاکید استعمال

کیے گئے ہیں۔عربی کے طلبہ جانتے ہیں کہ جب بیک وقت لام مفتوح اور تشدید کے ساتھ نون آئے تو یہ تاکیدِ مزید کا پتہ دیتے ہیں۔جس کا مفہوم یہ ہوا کہ آزمائش کے کربناک مراحل سے تمہیں ہر حال میں گزرنا ہوگا۔اسی بات کو قرآنِ مجید نے دوسرے انداز اور الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

{ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ } (العنکبوت:۳،۲)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ''اٰمَنَّا'' کہہ کر انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور آزمائش میں مبتلا نہیں کیے جائیں گے؟ ہم نے ان سے پہلوں کو بھی آزمایا تھا۔اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو ضرور دیکھ لے گا۔''

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش مومن کو ذلیل کرنے کے لیے نہیں آتی بلکہ آزمائش انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں ابھارنے اور آخرت میں اس کے مراتب میں اضافہ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور دنیا میں مجرموں کے لیے مثال بنتی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر بھی اپنے رب کے احسان مند اور شکر گزار بننے کے لیے تیار نہیں ہو جب کہ اس کے بندے نعمتیں چھنوا کر بھی اس کے حضور صبر و شکر کا مظاہرہ کیے ہوئے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں رسول کریم ﷺ کو فرمایا گیا ہے کہ آپ صبر و حوصلہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں مسرت و شادمانی کا پیغام سنا دیں۔کیونکہ یہ آزمائش کے وقت سر پیٹنے اور واویلا کرنے کی بجائے یہ کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن اور حوصلہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ چھننے والی نعمت کیا چیز ہے ہماری جانِ عزیز بھی ربِ کریم کی امانت ہے۔یہ نعمت تو آج مجھ سے رخصت ہو رہی ہے جب کہ مقررہ وقت پر میں نے بھی اسی کے حضور لوٹنا ہے۔صبر وہ نیکی ہے کہ آدمی کو جب بھی سابقہ تکلیف یاد آئے اور اس پر ''اِنَّا لِلّٰهِ'' کے الفاظ ادا کرے۔اس کو پہلے کی طرح اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا۔ (رواہ مسلم: کتاب الجنائز، باب مایقال عند المصیبة)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو خوف، غربت، مال کی کمی، پیاروں کی موت اور رزق کی قلت کے ساتھ آزماتا ہے۔

۲۔ مصائب پر صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ خوشخبری کا پیغام دیتا ہے۔

۳۔ مصیبت کے وقت ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

آزمائش:

۱۔ ایمان کے لیے آزمائش شرط ہے۔(العنکبوت:۲) ۲۔اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا۔(البقرۃ:۲۱۴)

۳۔ آزمائش میں ثابت قدمی کے بعد اللہ کی مدد یقینی اور قریب ہوا کرتی ہے۔(البقرۃ:۲۱۴)

۴۔ جنت میں داخلے کے لیے آزمائش ضرور ہوتی ہے۔(آل عمران:۱۴۲)

أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

یہی لوگ ان پر عنایات سے ان کا رب اور رحمت اور یہی لوگ وہ ہدایت یافتہ

''انہی پر ان کے رب کی عنایات اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔'' (۱۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: صبر وشکر اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے، مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنیوالے اور مصائب میں جزع، فزع کرنے کی بجائے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور ہدایت کے حق دار ٹھہرتے ہیں۔

صبر کا معنی ہے کہ آدمی مصیبت کے وقت اپنے آپ پر قابو پائے اور ہر حال میں اپنے آپ کو شریعت کا پابند رکھے۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو رب کی رضا اور اس کے احکام کے تابع رکھ کر آزمائش میں ثابت قدم رہتا ہے تو اس کے صلہ میں وہ رب کی رحمت اور عنایات کا حق دار ٹھہرتا ہے۔ اللہ کی رحمت وعنایات کے مستحق لوگ ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ اس فرمان سے قبل نعمتوں کا چھن جانا، جگر گوشوں کی جدائی اور آزمائشوں سے دوچار ہونا یقینی امر قرار دیا ہے۔ ان کی تلافی اور مومنوں کی تسلی کے لیے صلوات اور رحمت کے نزول کا اطمینان دلایا جارہا ہے۔ یہاں صلوٰت سے مراد چھن جانے والی نعمتوں اور سہولتوں کی تلافی ہوگی اور رحمت سے نعمتوں میں استقرار اور ان کی وسعتوں میں اضافہ ہوگا۔ رب کریم کی رحمت سے سوکھی ہوئی کھیتیاں سرسبز وشاداب، ویران بستیاں آباد وبارونق، پریشان وپشیمان دل ایقان واطمینان کا گہوارہ اور گناہوں سے آلودہ دامن پاک وشفاف ہوجاتے ہیں۔ یہ اس کی رحمت ہی تھی جس نے حضرت ایوب علیہ السلام کو دوبارہ اولاد، مال اور صحت وتندرستی سے نوازا تھا۔ اس بے پایاں رحمت وعنایات کا ہی صلہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جھونپڑیاں چھوڑیں اور مکانات کے مالک بنے، معمولی مال چھوڑا تو اس کے بدلے میں دولت کے انبار نصیب ہوئے، دین کی خاطر لوگوں کی نظر میں عارضی طور پر خفت اٹھانی پڑی تو اس کے بدلے میں عزت وعظمت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ مکہ چھوڑا تو دنیا کے حکمران قرار پائے۔ دنیا وآخرت کی نعمتیں، سہولتیں، عزتیں اور رفعتیں اللہ کی رحمت کا پرتو ہیں۔ اسی بنا پر سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ»

(رواہ أبو داؤد: کتاب الأدب، باب مایقول إذا أصبح [حسن])

''اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں مجھے لمحہ بھر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا، میرے تمام کاموں کو سنوارنا، تیرے سوا کوئی معبودِ حق نہیں۔''

مسائل

۱۔ صاحب ایمان، مستقل مزاج اور صابر لوگوں پر اللہ کا فضل وکرم اور ان کو مزید ہدایت سے نوازا جاتا ہے۔

اِنَّ	الصَّفَا	وَالْمَرْوَةَ	مِنْ	شَعَآىِٕرِ	اللّٰهِ ۚ	فَمَنْ	حَجَّ
بیشک	صفا	اور مروہ	سے	نشانات	اللہ	پس جو	حج کرے
الْبَيْتَ	اَوِ	اعْتَمَرَ	فَلَا	جُنَاحَ	عَلَيْهِ	اَنْ	يَّطَّوَّفَ	بِهِمَا ؕ
خانہ کعبہ	یا	عمرہ کرے	تو نہیں	کوئی حرج	اس پر	یہ کہ	وہ طواف کرے	ان دونوں کا
وَمَنْ	تَطَوَّعَ	خَيْرًا ۙ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	شَاكِرٌ	عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾
اور جو	خوشی سے کرے	کوئی نیکی	تو بیشک	اللہ	بڑا قدردان	خوب جاننے والا

''بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں چنانچہ جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر صفا مروہ کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جو شخص خوشی سے نیکی کرے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (۱۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پارے کی ابتدا سے تحویلِ قبلہ کا بیان ہو رہا ہے۔ اس دوران زندگی میں پیش آنے والی مشکلات پر ثابت قدم رہنے والوں کو خوشخبری سنائی گئی۔ اب صفا و مروہ کی سعی کے حوالے سے بات کو گذشتہ مضمون سے پیوستہ کر دیا گیا ہے۔

اسلام سے قبل اہلِ مکہ کے چار بڑے بت تھے جن میں سے ہبل کو بیت اللہ میں رکھا گیا اور مناۃ بحرِ احمر کے کنارے اور لات کو شہرِ طائف میں رکھا گیا۔ جب کہ عزیٰ کو وادیٔ نخلہ میں نصب کیا گیا تھا۔ صفا اور مروہ کی دو مقدس پہاڑیوں پر اِساف اور نائلہ کے بت رکھے گئے تھے۔ اہلِ مکہ چونکہ اساف اور نائلہ کو خدائی اوتار تسلیم نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کو نہ ماننے والے صفا اور مروہ کی سعی سے گریز کرتے تھے۔ دینِ اسلام کی آمد پر مسلمانوں کے دلوں میں یہ وہم پیدا ہوا کہ کہیں صفا اور مروہ کی سعی شرک کے زمرہ میں تو نہیں آتی؟ اس تصور کی نفی کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! انشراحِ صدر کے ساتھ صفا اور مروہ کی سعی کیا کرو کیونکہ یہ دونوں شعائر اللہ میں شامل ہیں۔ ان کے درمیان کی جانے والی سعی کا شرکیہ اعمال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو تمہاری والدۂ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے توکل عَلَی اللّٰہِ اور بے بسی کے عالم میں ان کے گھومنے کا مقام اور ترجمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے شعائر اللہ میں سے شمار فرمایا ہے۔

''شَعَآئِر'' شعار کی جمع ہے جس کا معنی ہے کہ ایسی جگہ یا نشانی جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کی راہنمائی ہوتی ہو۔ اس لیے شعائر اللہ کی تعظیم کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا احترام کرنا اور اس کا تقویٰ قرار پایا ہے۔ لہٰذا ان کی سعی میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ یاد رکھیے! جو شخص بھی دل کی گہرائی کے ساتھ نیکی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو جاننے اور اس کی قدر افزائی فرمانے والا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے پہاڑ اپنی بلندی اور فلک بوسی کے اعتبار سے مشہور ہیں، ان میں مرمر اور یاقوت و عقیق بھی پائے جاتے

ہیں، صفا اور مروہ بظاہر معمولی پہاڑیاں ہیں مگر احترام واکرام اور نیکی کے اعتبار سے اپنے دامن میں ایک تاریخی پس منظر اور شعائر اللہ کا تقدس لیے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو یہاں چھوڑ کر جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے سرتاج مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ہے یا اللہ کا حکم اس طرح ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کہ اللہ کا حکم سمجھ کر اسے تسلیم کیجیے۔ تب حضرت ہاجرہ علیہا السلام عرض کرتی ہیں کہ آپ مطمئن ہو کر تشریف لے جائیں: ''اِذًا لَا یُضَیِّعَنَا اللّٰہُ'' پھر ہمیں اللہ تعالیٰ ضائع نہیں ہونے دے گا۔'' (رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالی واتخذ اللہ إبراھیم خلیلا)

غور فرمائیں! میلوں پھیلے ہوئے فلک بوس پہاڑ، بے آب وگیاہ سنگلاخ زمین اور دور دور تک انسانی زندگی کے لیے ضروری اسباب ووسائل کا فقدان ہونے کے باوجود۔ کائنات کی عظیم ترین خاتون نے ایک ایسا جملہ ادا فرمایا جو اپنے اندر زمین وآسمان کی وسعتیں اور پہاڑوں سے زیادہ وزن لیے ہوئے ہے۔ اسی عقیدہ کی یاددہانی اور مشکل ترین حالات میں اللہ پر توکل کرنے اور آزمائش میں ثابت قدمی کا سبق یاد دلانے کے لیے صفا ومروہ کی سعی کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید نے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کو طواف سے تعبیر فرمایا ہے۔ لیکن حدیثِ رسول میں اس کے لیے سعی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تاکہ طواف سے لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ صفا سے صفا تک ایک چکر بنتا ہے۔ بلکہ آپ نے صفا سے مروہ تک ایک جانب کو ایک چکر شمار کیا ہے اس طرح یہ سعی مروہ پر مکمل ہوتی ہے۔ آپ صفا پر چڑھ کر یہ کلمات ادا کیا کرتے تھے۔

{ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ۝ } (البقرۃ:۱۵۸)

''بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں چنانچہ جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر صفا مروہ کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو شخص خوشی سے نیکی کرے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ» (رواہ مسلم: کتاب الحج)

مسائل

۱۔ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات ہیں۔ ۲۔ صفا اور مروہ کا طواف نیکی سمجھ کر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شعائر اللہ کی تعریف:

۱۔ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ (البقرۃ:۱۵۸) ۲۔ قربانی کا جانور اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ (الحج:۳۶)
۳۔ اللہ کے شعائر کا احترام کرنے کا حکم ہے۔ (المائدۃ:۲) ۴۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا تقوی کی نشانی ہے۔ (الحج:۳۲)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَكْتُمُوْنَ	مَآ	اَنْزَلْنَا	مِنَ	الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى
بیشک	جو	چھپاتے ہیں	جو	نازل کیا ہم نے	سے	واضح دلائل اور ہدایت
مِنْۢ	بَعْدِ	مَا	بَيَّنّٰهُ	لِلنَّاسِ	فِي	الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ
سے	بعد	جو	واضح کر دیا ہم نے اسکو	لوگوں کے لیے	میں	کتاب یہی لوگ
يَلْعَنُهُمُ	اللّٰهُ	وَيَلْعَنُهُمُ	اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾	اِلَّا	الَّذِيْنَ	تَابُوْا
لعنت کرتا ہے ان پر	اللہ	اور لعنت کرتا ہے ان پر	لعنت کرنیوالے	سوائے	جو لوگ	انہوں نے توبہ کی
وَاَصْلَحُوْا	وَبَيَّنُوْا	فَاُولٰٓئِكَ	اَتُوْبُ	عَلَيْهِمْ ۚ		
اور انہوں نے اصلاح کی	اور انہوں نے واضح کیا	پس یہی لوگ	میں متوجہ ہوتا ہوں	ان پر		
وَاَنَا	التَّوَّابُ	الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾				
اور میں	بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا	نہایت رحم کرنے والا				

''بیشک جو لوگ ہمارے اتارے ہوئے واضح دلائل اور کتاب میں ہماری بیان کردہ ہدایات کو چھپاتے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔(۱۵۹) مگر جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کر لیں اور کھول کر بیان کریں تو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہوں۔''(۱۶۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب نے رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت کے اوصاف اور بیت اللہ کے قبلۂ حق ہونے کو لوگوں سے چھپا رکھا تھا، جس پر حق چھپانے والوں کی سزا بیان کی جا رہی ہے۔

اہلِ کتاب نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ ہر اُس نشانی کو چھپانے اور مٹانے کی کوشش کی جس سے آپ کی رسالت کی نشاندہی ہوتی تھی۔ ان میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے بے قراری کے عالم میں صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگائے تھے لیکن یہود و نصاریٰ نے تاریخ کے اس اہم ترین حصہ کو اپنی کتابوں سے نکال باہر کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان مقامات کو شعائر اللہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حقائق اور احکامات کو چھپانا اتنا سنگین جرم ہے کہ اس جرم کی وجہ سے لاتعداد بلکہ بعض دفعہ تو نسل در نسل لوگ قبولِ حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسا مجرم عالم ہو یا غیر عالم اس پر اللہ تعالیٰ اور کائنات کے ایک ایک ذرّہ کی لعنت ہوتی ہے۔ یہاں قرآنِ مجید نے لعنت کرنے والے افراد کو متعین نہیں فرمایا کہ یہ لعنت کرنے والے کون ہیں اس وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردِ رشید اور مشہور مفسرِ قرآن حضرت مجاہد اور عکرمہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عدم تعین میں یہ واضح اشارہ ہے کہ کتمانِ حق کرنے والوں پر دنیا کی ہر چیز پھٹکار کرتی ہے۔ یہاں حق چھپانے سے مراد صرف قرآنِ مجید کے ارشادات ہی نہیں بلکہ جو

لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لیے صحیح اسناد کے ساتھ امت تک پہنچنے والی احادیث کو جھٹلاتے یا چھپاتے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہوگی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسولِ کریم ﷺ کے ارشادات چھپانے کو بھی اس جرم میں شمار کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہی بات کہہ کر ایک حدیث اس وقت بیان فرمائی جب وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر رہے تھے۔

«حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمُعَاذٌ رَدِيْفُهٗ.....قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذاً يَتَّكِلُوْا وَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَأَثُّمًا» (رواہ البخاری: کتاب العلم)

''معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں یہ خوشخبری لوگوں کو نہ بتلاؤں تا کہ وہ خوش ہو جائیں؟ فرمایا نہیں اس طرح وہ صرف کلمہ پڑھنے پر ہی اکتفا کر لیں گے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے گناہ کے ڈر سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد اپنی موت کے وقت لوگوں کے سامنے بیان کیا تھا۔''

حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دینی مصلحت کی خاطر کسی بات کو کچھ عرصہ کے لیے بیان نہ کیا جائے تو اس میں کوئی جرم نہیں البتہ ایسے موقع پر حق بات چھپانا جس سے حق والوں کی ہزیمت ہو اور غلط بات حق کا درجہ اختیار کر جائے یا حق کے ہمیشہ دب جانے کا اندیشہ ہو تو حق چھپانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس گناہ سے بچنے اور اعلان حق کے لیے صحابہ کرام، ائمہ عظام اور علمائے حق نے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں۔

لیکن جو آدمی دنیوی مفاد کی خاطر حق چھپاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق پھٹکار کرتی ہے۔ البتہ ان لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا جنہوں نے اخفائے حق سے توبہ کی اور سابقہ اخفائے حق کی تلافی کے لیے حق بات کو کھول کر بیان کیا۔ یعنی جہاں جہاں اس جرم کے اثرات پہنچے ان کی تلافی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تا کہ حق واضح ہو جائے اور اس میں کوئی ابہام باقی رہنے نہ پائے۔

مسائل

۱۔ حق چھپانے والوں پر اللہ اور اس کی تمام مخلوق لعنت کرتی ہے۔
۲۔ توبہ کرنے والے کو اپنی سابقہ غلطیوں کے اثرات بھی ختم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔
۳۔ توبہ کرنے اور حقائق بیان کرنے والوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ اور اس کی قبولیت کی شرائط:

۱۔ اعترافِ جرم کے باعث توبہ قبول ہوتی ہے۔ (البقرۃ: ۳۷)
۲۔ ظلم سے اجتناب اور اصلاحِ احوال کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے۔ (المائدۃ: ۳۹)
۳۔ جہالت کے سبب گناہ ہو جائے تو اس کی اصلاح کرنے پر توبہ قبول ہوتی ہے۔ (الانعام: ۵۴)
۴۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۰) ۵۔ اللہ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے۔ (التوبۃ: ۲۷)
۵۔ اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ (الاحزاب: ۷۳)
۶۔ توبہ کرنے والوں کی برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ (الفرقان: ۷۰)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَمَاتُوْا	وَهُمْ	كُفَّارٌ	اُولٰٓئِكَ	عَلَيْهِمْ
بیشک	جولوگ	کافر ہوئے	اوروہ مرگئے	اوروہ	کافر (جمع)	یہی لوگ	ان پر

لَعْنَةُ	اللّٰهِ	وَالْمَلٰٓئِكَةِ	وَالنَّاسِ	اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا ۚ
لعنت	اللہ	اورفرشتے	اورلوگ	تمام	وہ ہمیشہ رہنے والے	اس میں

لَا يُخَفَّفُ	عَنْهُمُ	الْعَذَابُ	وَلَا	هُمْ	يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾
نہ ہلکا کیا جائیگا	ان سے	عذاب	اورنہ	وہ	مہلت دیے جائینگے

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت ہی میں مر گئے ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔(۱۶۱) وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔''(۱۶۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن لوگوں نے حق قبول کرنے، اخفائے حق کے گناہ کو ترک کرنے اور حق کھول کر بیان کرنے سے انکار کیا پھر اسی حالت میں مر گئے ایسے مجرموں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اور سب کی طرف سے پھٹکار ہوگی اور یہ لوگ جہنم میں رہیں گے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء کی اکثریت کا یہ حال تھا کہ وہ دنیاوی مفادات کے حصول، علمی برتری اور ظاہری تقدس کے تحفظ کی خاطر کتابِ الٰہی کو اپنے تک ہی محدود رکھتے تھے۔ جس طرح ہندو مذہب میں برہمن دوسری اقوام بالخصوص شودروں کو اپنی کتاب اور مندروں سے دور رکھتے ہیں۔ اہلِ کتاب کے علماء حکمرانوں اور بڑے لوگوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی بجائے ان کی چاپلوسی اور مدح سرائی کیا کرتے تھے تاکہ ان سے بڑے بڑے مناصب اور مفادات حاصل کر سکیں۔ نبی معظم ﷺ نے ان کی اخلاقی پستی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ يَاهٰذَا اتَّقِ اللّٰهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ فَلَا يَمْنَعُهُ ذٰلِكَ أَنْ يَكُوْنَ أَكِيْلَهُ وَشَرِيْبَهُ وَقَعِيْدَهُ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ {لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ} إِلٰى قَوْلِهٖ {فَاسِقُوْنَ} ثُمَّ قَالَ كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدَيِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا»

(رواه أبو داؤد: کتاب الملاحم، باب الأمر والنهی [حسن])

''پہلی خرابی بنی اسرائیل میں یہ پیدا ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملتا اور اس سے کہتا اللہ سے ڈر اور اپنی حرکات سے باز آجاؤ یہ کام تیرے لیے درست نہیں ہے۔ جب دوسرے دن اس سے ملتا تو یہ کام اسے اس کے ساتھ

کھانے پینے اور بیٹھنے سے نہ روکتا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے انکے ایک دوسرے کے ساتھ دل ملا دیے۔ مزید فرمایا: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی..... پھر فرمایا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم دو اور برے کاموں سے منع کرو اور ظالم کے ہاتھ پکڑ کر اس کو حق کی طرف اس طرح جھکاؤ گے جیسا اسے جھکانے کا حق ہے اور اس کو حق پر ٹھہراؤ جیسا کہ حق پر ٹھہرانے کا حق ہے۔ نیکی قائم کرو جس طرح اُسے قائم کرنا چاہیے اور حق پر اس کی مدد کرو۔''

جب جنتی جنت میں جلوہ افروز ہوں گے تو ایک دن جہنم کے کنارے جا کر ایسے علماء سے پوچھیں گے کہ تم کس جرم کی پاداش میں یہاں ذلیل ہو رہے ہو؟ جہنمی علماء اپنے بیٹوں، بیٹیوں، رشتے داروں اور مقتدیوں کے سامنے زار و قطار روتے ہوئے کہیں گے کہ ہم حق چھپایا کرتے تھے۔ جنّتی ترس کھانے کی بجائے ان کو کہیں گے کہ پھر تم پر مزید پھٹکار ہونی چاہیے۔ اف! یہ کتنا ذلت آمیز اور ہیبت ناک منظر ہوگا۔ انہیں ان خوفناک اور دردناک سزاؤں میں نہ صرف ہمیشہ رہنا ہے بلکہ ان کی سزاؤں میں ذرہ برابر بھی تخفیف نہیں کی جائے گی۔ یہ مجبور ہو کر بار بار جہنم کے نگران فرشتے سے آرزو کریں گے کہ ہمیں موت ہی آجائے جواباً کہا جائیگا کہ اب تمہیں ہمیشہ یہاں ہی رہنا پڑے گا اور کوئی کسی طرح سے بھی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔

{ وَ نَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ } (الزخرف:۷۷)

''اور جہنمی پکاریں گے کہ اے فرشتے تیرا رب ہمیں موت ہی دے دے وہ جواب دے گا یقیناً تم یہیں رہنے والے ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ»

(رواہ ابن ماجة: المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه [صحيح])

''جس سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا لیکن اس نے اسے چھپا لیا ایسے عالم کو جہنم میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔''

مسائل

۱۔ کفر کی حالت پر مرنے والوں پر اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ اور سب کی لعنت ہوتی ہے۔

۲۔ حق چھپانے اور کفر پر مرنے والوں پر عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

ظالم کو مہلت میسر نہیں آئے گی:

۱۔ مطالبہ منظور ہونے کے بعد مجرم قوم کو مہلت نہیں دی جاتی۔ (الانعام:۸)

۲۔ کتمانِ حق کرنے والوں کو عذاب سے مہلت نہیں دی جائے گی۔ (البقرۃ:۱۶۲)

۳۔ مرتدین کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ (آلِ عمران:۸۸) ۴۔ ظالموں کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ (النحل:۸۵)

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

اور معبود تمہارا معبود ایک نہیں معبود سوائے وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بیشک میں پیدائش آسمانوں اور زمین اور بدلتے رہنا رات اور دن

وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ

اور کشتیاں وہ جو چلتی ہے میں سمندر ساتھ جو نفع دیتا ہے لوگ اور جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

اتارا اللہ سے آسمان سے پانی تو اس نے زندہ کیا اسکے ساتھ زمین

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ

بعد اسکے مردہ ہونے کے اور پھیلایا اس میں سے ہر جانور اور بدلنا ہوائیں

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور بادل تابع کیا ہوا درمیان آسمان اور زمین یقیناً نشانیاں لوگوں کیلئے عقل رکھتے ہیں

''تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ (۱۶۳) بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات دن کا بدلنا، کشتیوں کا لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی نازل کرنا اور زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دینا، اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلانا، ہواؤں اور آسمان و زمین کے درمیان مسخر بادلوں کے رخ بدلنے میں یقیناً عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' (۱۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح تمہارا رسول، قرآن، قبلہ اور دینِ ابراہیم ایک ہے اسی طرح تمہارا معبودِ برحق بھی ایک ہی ہے۔ اس کی الوہیت کے دلائل سنو اور ان پر غور کرو!

وہ ایک ہی الٰہ ہے، حاکم مطلق، معبود اور مسجود وہی بحر و برّ، زمین و آسمان اور فضاؤں پر کلی اختیار رکھنے والا ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق اور واحد مالک ہونے کے باوجود اپنے اختیارات ظلم و زیادتی کی بنیاد پر نہیں بلکہ نہایت ہی رحم و کرم کی اساس پر استعمال کرتا ہے۔ کائنات کے ذرّے ذرّے پر اس کی شفقت و مہربانی کی گھٹائیں برس رہی ہیں۔ اس کی ذات اور شان کی جھلک دیکھنا چاہتے ہو تو غور کرو کہ ① ۔ اس نے زمین و آسمان کو کس طرح پیدا کیا بظاہر زمین ایک ہی دکھائی دیتی ہے لیکن یہ تہ بہ تہ سات طبقات پر بچھائی گئی ہے۔ پھر جس زمین پر تمہارا ٹھکانہ اور بسیرا ہے اس کی ہزاروں اقسام اور قطعات ہیں۔ کہیں یہ زمین

ہزاروں میلوں تک ریت کی شکل میں حدِ نظر تک سراب کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ کہیں سیم وتھور کی وجہ سے پانی کا منظر پیش کرتی ہے۔ پھر کسی مقام پر زمین پوٹھوہار کا روپ دھار لیتی ہے اور اس کے سینہ پر ارربوں سنگلاخ ریزے دکھائی دیتے ہیں، کہیں ٹیلوں اور پہاڑوں کا سلسلہ جاری ہے اور کہیں ڈھلوان کی صورت میں درجنوں فٹ نیچے ہی نیچے چلی جاتی ہے۔ ایک طرف اس کی چھاتی پر سرسبز وشاداب باغات ہیں اور دوسری طرف صحراء وبیابان کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ اس کا ایک حصہ ایک بیج کو اپنی گود میں لے کر اس کی نشوونما کرتا ہے، دوسرا حصہ اسی بیج کو تلف کر دیتا ہے۔ زمین کے ایک حصہ پر ایک فصل لہلہا رہی ہوتی ہے، جب کہ اس کے ساتھ ہی دوسرا رقبہ اس فصل کو اُگانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہی صورت زمین کی تہوں کے اندر پائی جاتی ہے۔ ایک علاقے میں کوئلے کے ذخائر ہیں تو اس کے ساتھ والی زمین سونے اور چاندی کے خزانے لیے ہوئے ہے۔ ایک جگہ پانی اتنا کڑوا ہے کہ زبان کاٹ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی زیر زمین میٹھے پانی کا دریا بہہ رہا ہے۔ یہ زمین اپنے اوپر پہاڑوں، دریاؤں کھربوں انسانوں، حیوانات اور دیگر اشیاء کا بوجھ اٹھانے کے باوجود نہ جھکتی ہے نہ تھکتی ہے۔ ② اَب آسمان کو دیکھو کہ وہ لاکھوں کروڑوں سالوں سے بغیر ستونوں کے سائبان بنا ہوا ہے۔ کیا مجال ہے کہ ایک انچ بھی اوپر نیچے ہو پائے۔ اس میں غور کے ساتھ دیکھنے سے بھی کوئی جھول نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ نہ اس کا رنگ بدلا ہے اور نہ اس میں کوئی دراڑ واقع ہوئی ہے، جب کہ اس کا بنیادی مادہ دھواں قرار دیا گیا ہے (الدخان:۱۰) حالانکہ ایک آسمان کی موٹائی اور ایک سے دوسرے تک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت بیان کیا گیا ہے۔ (مسند احمد: کتاب باقی مسند المکثرین، باب مسند السابق [حسن لغیرہ]) ③۔ رات اور دن کے فرق کو دیکھا جائے تو رات ٹھنڈی اور دن گرم ہے۔

رات سرِ شام ہی تاریکی کا نقاب اوڑھ لیتی ہے جب کہ دن ہر جگہ روشن دکھائی دیتا ہے۔ رات کو اکثر فصلیں نمو پاتی ہیں ④۔ جب کہ دن کی گرمی اور روشنی پھلوں کے پکنے میں مدد دیتی ہے۔ کبھی رات اپنے دامن کو طویل کر دیتی ہے اور کبھی دن اس کی چادر کو لپیٹ کر اسے مختصر کرتے ہوئے خود طوالت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر سال میں ایسے اوقات بھی آتے ہیں کہ دونوں اپنی طوالت کے لحاظ سے یکساں ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد مسلسل ان کے درمیان گھٹنے اور بڑھنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کبھی دن صبح کے وقت بڑھنا شروع ہوتا اور کبھی دونوں جانب سے سکڑنا شروع ہوتا ہے۔ ⑤۔ سمندر کے سینے پر چلنے والی کشتیوں اور بڑے بڑے جہازوں کی طرف توجہ کی جائے تو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ جو پانی اپنے اوپر ایک سوئی کو برداشت نہیں کر سکتا اسی پانی کی لہریں کشتیوں اور جہازوں کو ساحل مراد تک پہنچانے میں خدام بنی ہوئی ہیں جو ٹنوں کے حساب سے بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اور نقل وحمل کا یہ سب سے بڑا اور مفید ترین ذریعہ ہیں۔ اس طرح ابتدائے آفرینش سے ہی دنیا کی سب سے بڑی تجارت بحری راستوں کے ذریعے ہی ہو رہی ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ⑥۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اندازہ کیجیے جو آسمان سے بارش کی صورت میں خاص مقدار اور رفتار سے پانی نازل کرتا ہے جس سے پھول کی نازک ترین پتی بھی غسل کرتی اور پیاس بجھاتی ہے۔ اس طرح جو زمین موت کی ویرانی کا ہولناک منظر پیش کر رہی تھی چند لمحوں میں اس میں جل تھل کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ جس سے انسان ہی نہیں۔ ⑦۔ بلکہ زمین پر رینگنے والے حشرات الارض بھی برابر

مستفید ہوتے ہیں۔ درند، پرند، چوپائے جن کو اللہ تعالیٰ نے پوری زمین پر بکھیر رکھا ہے۔ ⑧۔ پھر ہوا اور اس کی رفتار پر غور کیجیے اگر اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کے لیے ہوا کو رنگ دار بنا دے تو آنکھیں ہونے کے باوجود دیدہ ور اندھے کی طرح ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ یہ ہوا ہی تو ہے جو سمندر کے کڑوے کسیلے پانی کو جراثیم اور مہلک گیسوں سے پاک کر کے بلندیوں کی مخصوص سطح تک لے جاتی ہے۔ پھر ان بادلوں کو دھکیل کر وہاں پہنچا دیتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ بادلوں کو برسنے کا حکم دیتا ہے۔ بسا اوقات بادل برسنے کے قریب ہوتے ہیں لیکن چند لمحوں میں ہوا بھاری بھرکم بادلوں کو کہیں اور ہانک کر لے جاتی ہے یہ قدرت کے وہ عظیم الشان آٹھ نشانات ہیں، جن میں کوئی بھی اس اِلٰہِ برحق کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ اگر تم عقل و دانش کا معمولی استعمال بھی کرو تو ان چیزوں کے پیدا کرنے والے خالق کو ہر اعتبار سے ایک مانے بغیر نہ رہ سکو۔

{ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ } (المومنون:۱۴) ''اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے بڑا ہی بابرکت ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ ہی معبودِ برحق ہے۔ ۲۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔
۳۔ آسمانوں و زمین کی پیدائش اور ہر چیز کی تخلیق میں دانش مندوں کے لیے عبرت کے دلائل ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی الٰہ اور الرحیم، الرحمن ہے:

۱۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ برحق نہیں۔ (النساء:۸۷) ۲۔ الٰہ حقیقی صرف اللہ ہے۔ (النساء:۱۷۱)
۳۔ اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۰)
۴۔ اللہ نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ بنایا کیا اس کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۱)
۵۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین و آسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل:۶۴)
۶۔ تمھارا الٰہ ایک ہی ہے وہ الرحمن اور الرحیم ہے۔ (البقرۃ:۱۶۳) ۷۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے۔ (الزمر:۵۳)
۸۔ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن۔ اللہ کے لیے اچھے نام ہیں۔ (الاسراء:۱۱۰) ۹۔ اللہ رحمان و رحیم ہے۔ (الفاتحہ:۳)
۱۰۔ اللہ کے اچھے، اچھے نام ہیں اُسے اُن ناموں کے ساتھ پکارو۔ (الاعراف:۱۸۰)
۱۱۔ اللہ ایک ہے، بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرۃ:۱۶۳) ۱۲۔ اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (الاعراف:۱۵۶)
۱۳۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر:۵۳) ۱۴۔ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہوا کرتی ہے۔ (الاعراف:۵۶)

لیل و نہار کی گردشیں:

۱۔ رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔ (الاعراف:۵۴) ۲۔ رات دن کو اور دن رات کو ڈھانپ لیتا ہے۔ (الزمر:۵)
۳۔ رات اور دن کا بڑھنا، گھٹنا۔ (الحدید:۶) ۴۔ رات آرام اور دن کام کے لیے ہے۔ (الفرقان:۴۷)

وَمِنَ	النَّاسِ	مَنْ	يَّتَّخِذُ	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	اَنْدَادًا
اور سے	لوگ	جو	وہ بناتا ہے	سے	سوائے	اللہ	شریک (جمع)

يُّحِبُّوْنَهُمْ	كَحُبِّ	اللّٰهِ ؕ	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اَشَدُّ	حُبًّا
وہ محبت کرتے ہیں ان سے	جیسے محبت	اللہ	اور جو لوگ	وہ ایمان لائے	زیادہ سخت	محبت کرنے میں

لِّلّٰهِ ؕ	وَلَوْ	يَرَى	الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْٓا	اِذْ	يَرَوْنَ	الْعَذَابَ ۙ
اللہ کیلئے	اور اگر	وہ دیکھ لیں	وہ لوگ	انہوں نے ظلم کیا	جب	وہ دیکھیں گے	عذاب

اَنَّ	الْقُوَّةَ	لِلّٰهِ	جَمِيْعًا ۙ	وَّاَنَّ	اللّٰهَ	شَدِيْدُ	الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾
یقیناً	قوت	اللہ کے لیے	تمام	اور بے شک	اللہ	سخت	عذاب

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کا شریک بنا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے جبکہ ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ کاش کہ مشرک لوگ اب دیکھ لیتے وہ بات جو وہ عذاب کے وقت دیکھیں گے کہ تمام قوت اللہ ہی کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' (۱۶۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: زمین و آسمانوں کا خالق اور انسانوں کو آفاقی اسباب کے ذریعے روزی اور فوائد پہنچانے والا اللہ ہے تو پھر محبت اسی سے ہونی چاہیے نہ کہ دوسرے سے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے آٹھ ایسے آفاقی دلائل دیئے ہیں۔ جن سے ایک دیہاتی، شہری، جاہل اور تعلیم یافتہ، عام عقل والا یا انتہائی دانشور، سیاست دان یا سائنس دان سب کے سب اپنی اپنی لیاقت اور صلاحیت کے مطابق ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ایسے ہمہ گیر اور ٹھوس دلائل ہیں جن سے ہر آدمی کا واسطہ پڑتا ہے اور وہ ان سے استفادہ کرتا ہے۔ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ آفاق کے تمام عناصر ایک ہی ہستی کے پیدا کردہ اور اسی کے تابع فرمان ہیں۔ جب ان تمام آفاقی عناصر کی پیدائش اور انہیں مسخر اور مقید رکھنے میں زندہ اور مردہ باطل خداؤں، نیک و بد، حکمرانوں اور سائنس دانوں کا عمل دخل نہیں بلکہ پورے کا پورا نظام ایک ہی ہستی کے زیرِ اقتدار ہے تو پھر اسی مالک کو الٰہ مانو اور اسی سے محبت کا رشتہ جوڑو جو پورے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ لیکن مشرک حقیقی عقل سے عاری ہوتا ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو۔ وہ کائنات کے خالق و مالک سے محبت و تعلق قائم کرنے کی بجائے اپنے رب سے بڑھ کر دوسروں سے محبت اور تعلق قائم کرتا ہے، حالانکہ حقیقی اور دائمی محبت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ باقی تمام محبتیں اس کی محبت کے تابع ہونا ضروری ہیں۔ لیکن مشرک ایسی محبت کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی محبت کے مقابلے میں دوسروں کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کے برعکس موحد کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے اس طرح لبریز ہوتا ہے کہ وہ اس کے مقابلے میں دنیا کی کسی چیز کی

محبت کو ترجیح نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی اولاد اور جان سے بڑھ کر اپنے رب کی محبت کو عزیز سمجھتا ہے اور اس کی ہر سوچ اور کام کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا حکم ہی مقدم ہوتا ہے۔ رسولِ محترم ﷺ اسی بات کی راہنمائی اور دعا کیا کرتے تھے۔

محبت وہ فطری جذبہ ہے جو ہر انسان اور حیوان میں پایا جاتا ہے۔ محبت کرنے کے کچھ اسباب اور وجوہات ہوا کرتی ہیں جن کی وجہ سے دوسروں کے ساتھ محبت کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ مطالبہ صرف یہ ہے کہ تم اپنے رب سے سب سے زیادہ محبت کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تم کسی کے احسان کی وجہ سے محبت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ تمہارا محسن ہے۔ تم کسی سے قرابت داری کی وجہ سے محبت کرتے ہو تو وہ سب سے بڑھ کر تمہارے قریب ہے، اگر تم جمال و کمال کی وجہ سے کسی سے محبت کرتے ہو تو کائنات کا سارا جمال و کمال اسی کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اجمل و اکمل ہے۔ اگر تم کسی کے اقتدار اور اختیار کی بنا پر اس سے الفت کرتے ہو تو اس سے بڑھ کر کسی کے پاس اختیار اور اقتدار نہیں ہے۔ غرضیکہ کسی سے صحیح محبت کرنے کے جو بھی محرکات اور اسباب ہو سکتے ہیں ان سب کا مالک تمہارا اللہ ہے، پھر اسی کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کیوں نہ کی جائے؟ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ اس کے رسول محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ ﷺ کے ساتھ بھی محبت ساری مخلوق سے بڑھ کر ہونی چاہیے تب جا کر آدمی کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔ رسول محترم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»

(رواه البخاری: کتاب الایمان، باب حب الرسول من الإیمان)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

مسائل

۱۔ مشرک باطل معبودوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جیسی محبت کرتے ہیں۔ ۲۔ صاحبِ ایمان لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں متشدد ہوتے ہیں۔
۳۔ قیامت کے دن مشرک عذاب دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قوت و سطوت کا اعتراف کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک کا غیروں سے محبت کرنا اور ان کو معبود ماننا:

۱۔ حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کو عیسائیوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا۔ (النساء: ۱۷۱)
۲۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا۔ (التوبہ: ۳۰)
۳۔ یہودیوں نے بچھڑے کو معبود بنایا۔ (الاعراف: ۱۵۲) ۴۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بتوں کو معبود بنایا۔ (نوح: ۲۳)
۵۔ مکے کے مشرک بتوں کی تعظیم اور عبادت کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۳۶)
۶۔ مشرک غیر کو اللہ تعالیٰ کے قُرب کا ذریعہ بناتے ہیں۔ (الزمر: ۲)

اِذْ	تَبَرَّاَ	الَّذِيْنَ	اتُّبِعُوْا	مِنَ	الَّذِيْنَ	اتَّبَعُوْا
جب	وہ بیزار ہو جائینگے	وہ لوگ	وہ پیروی کیے گئے	سے	جو	انہوں نے پیروی کی

وَ رَاَوُا	الْعَذَابَ	وَ تَقَطَّعَتْ	بِهِمُ	الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾	وَ قَالَ	الَّذِيْنَ
اور انہوں نے دیکھا	عذاب	اور کٹ گئی	ساتھ ان	وسائل	اور کہیں گے	جو لوگ

اتَّبَعُوْا	لَوْ	اَنَّ	لَنَا	كَرَّةً	فَنَتَبَرَّاَ	مِنْهُمْ	كَمَا
انہوں نے پیروی کی	کاش	یقیناً	ہمارے لیے	دوبارہ لوٹنا	تو ہم بیزار ہو جائینگے	ان سے	جس طرح

تَبَرَّءُوْا	مِنَّا ؕ	كَذٰلِكَ	يُرِيْهِمُ	اللّٰهُ	اَعْمَالَهُمْ	حَسَرٰتٍ	عَلَيْهِمْ ؕ
وہ بیزار ہو گئے	ہم سے	اسی طرح	انہیں دکھائے گا	اللہ	ان کے اعمال	حسرتیں بنا کر	ان پر

وَمَا	هُمْ	بِخٰرِجِيْنَ	مِنَ	النَّارِ ﴿۱۶۷﴾
اور نہیں	وہ	نکلنے والے	سے	آگ

ع ۱۶

''(وہ سزا دے گا تو کیفیت یہ ہوگی) جب پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بے تعلق ہو جائیں گے اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ان کے تمام تعلقات ختم ہو جائیں گے۔(۱۶۶) اور بڑوں کی پیروی کرنے والے لوگ کہیں گے کاش ہم دنیا کی طرف دوبارہ لوٹائے جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی لاتعلق ہو جائیں گے جیسے یہ ہم سے ہوئے، اسی طرح اللہ انہیں ان کے اعمال ان پر حسرتوں کی صورت میں دکھائے گا، اور وہ آگ سے نہیں نکل سکیں گے۔''(۱۶۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرک سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے اور دنیا میں غیر اللہ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے لیکن قیامت کے دن ایک دوسرے پر پھٹکار کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہی واحد معبود ہے اور وہی کائنات کا خالق و مالک اور کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے۔ اس کے نظام میں کوئی ذرّہ برابر بھی دخل انداز ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس نے نظامِ کائنات میں کسی کو اپنا ہمسر اور شریکِ کار نہیں بنایا اور آخرت میں بھی کوئی اس کے اختیارات اور نظام میں کوئی دم مارنے کی ہمت نہیں پائے گا۔ جو لوگ دنیا میں پیروں، فقیروں، حکمرانوں اور باطل معبودوں کے ساتھ دنیاوی مفادات کی خاطر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی بات سے بڑھ کر دوسروں سے محبت کرتے اور تعلق جوڑتے ہیں قیامت کے دن ربِ ذوالجلال کی جلالت و جبروت اور عذاب کو دیکھیں گے تو ان کے تمام واسطے اور رابطے کٹ جائیں گے۔ یہاں تک کہ پیر مُرید سے، طالب مطلوب سے، حاکم محکوم سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ جو مذہبی پیشوا اور سیاسی رہنما اپنی ذات اور مفاد کی خاطر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فرمان سے ہٹایا کرتے تھے جب وہ

پوری طرح جان جائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت کے سوا کسی کی کوئی طاقت نہیں اور نہ کوئی وسیلہ کارگر ثابت ہوسکتا ہے تو وہ ایک دوسرے پر پھٹکار بھیجیں گے۔ متبوع لوگ اللہ تعالیٰ سے آرزو کریں گے کہ الٰہی! ہمیں دنیا میں جانے کا موقع دے تاکہ ہم ان ظالم رہنماؤں اور مشرک پیروں اور علماء سو سے اسی طرح نفرت کا اظہار کریں جس طرح آج وہ ہم سے بیزاری کا اظہار کررہے ہیں۔ حکم ہوگا کہ اب تم نے ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ اس دن سے ان کی پریشانیوں اور حسرتوں میں اضافہ ہوتا رہے گا اور ان کو عذاب سے کوئی نکالنے والا نہیں ہوگا۔ دنیا کے تمام اعمال ضائع، رہنماؤں کے وعدے اور سہارے جھوٹے ثابت ہوئے ہوں گے۔ واپسی کے تمام راستے بند اور ہر قسم کی آہ وزاریاں بے کار ثابت ہوں گی، یہ مایوس ہوکر دوسری درخواست پیش کریں گے کہ اے ربِ ذوالجلال! تو پھر ان ظالم اور جھوٹے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کو دُگنے عذاب میں مبتلا کیجیے۔ (الاحزاب: ٦٧) جواب آئے گا سب کو دوگنا عذاب دیا جارہا ہے۔ (الاعراف: ۳۸)

مسائل

۱۔ عذاب دیکھ کر پیر اپنے مریدوں اور لیڈر اپنے ورکروں سے براءت کا اظہار کریں گے۔
۲۔ جہنم کا عذاب دیکھ کر جہنمیوں کی تمام امیدیں ختم ہوجائیں گی۔
۳۔ جہنمی دنیا میں واپس آنے اور اپنے پیروں، لیڈروں سے قطع تعلق کرنے کی تمنا کریں گے۔
۴۔ جہنمی اپنے اعمال پر ہمیشہ حسرت وافسوس کا اظہار کرتے رہیں گے۔ ۵۔ مشرک اور کافر جہنم سے کبھی نہیں نکل سکیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن باطل عابد ومعبود میں نفرتیں اور بیزاریاں:

۱۔ عابد ومعبود ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ (یونس: ۲۸ تا ۳۰)
۲۔ جب مشرک شریکوں کو دیکھیں گے کہیں گے یہی ہیں وہ جنہیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے۔ تو وہ ان سے کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ (النحل: ۸٦)
۳۔ اگر تم انہیں پکارو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے۔ اگر سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔ قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کردیں گے۔ (فاطر: ۱۴)
۴۔ جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کی دشمن ہوں گے اور اپنی پرستش سے انکار کریں گے۔ (الاحقاف: ٦)
۵۔ ان کے شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں کے انکاری ہوجائیں گے۔ (الروم: ۱۳)
٦۔ جن کو وہ پکارا کرتے تھے۔ وہ سب ان سے غائب ہوں گے۔ (حٰمٓ السجدہ: ۴۸)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا

اے لوگو تم کھاؤ سے جو میں زمین حلال پاک اور نہ

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۶۸

تم پیچھے چلو قدم (جمع) شیطان بیشک وہ تمہارا دشمن واضح

''لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ۔لیکن شیطان کے قدم بقدم نہ چلو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''(۱۶۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہاں پہلی آیات کے ساتھ معنوی ربط پایا جارہا ہے۔قرآنِ مجید میں اکثر مقامات پر شرک اور حرام وحلال کا مسئلہ ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے۔[الانعام:۱۳۷ تا ۱۴۰۔النحل:۳۵] آیات ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ مجید نے حلال وطیب کھانے کے بارے میں بنی نوع انسان کے تینوں طبقات کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جیسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔آغاز میں عوام الناس کو مخاطب کیا جارہا ہے اور اس کے بعد ٹھیک چوتھی آیت میں مومنوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔سورۃ المومنون آیت ۵۱ میں انبیاء کی مقدس جماعت کو خطاب کرتے ہوئے حلال کھانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ جب تک اس پر اپنے اپنے مقام پر سب لوگ عمل نہیں کرتے توحید کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اور نہ معیشت کرپشن سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

اس مسئلے کا تعلق بیک وقت حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ ہے۔حقوق اللہ کے ساتھ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک جسم کی عبادت ہی قبول کرتا ہے۔حلال،طیب کھانے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی میں لذت محسوس کرتا ہے،اس کے دل میں سرور،طبیعت میں استغناء،دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے کے ساتھ سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔حقوق العباد کے ساتھ تو اس کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ جب معاشرے میں حلال وحرام کی تمیز اٹھ جائے تو معاشی استحصال،ڈاکہ،چوری،دھوکہ دہی،فریب کاری کی وارداتیں عام ہو جاتی ہیں۔جس سے معاشی ناہمواری کے ساتھ سماجی زندگی تباہی کے راستے پر چل پڑتی ہے۔اس لیے تمام لوگوں کو بیک وقت حلال،طیب کھانے کی تلقین کی جارہی ہے۔خوراک ظاہری گندگی سے پاک نہ ہو تو جسمانی بیماریاں پیدا ہوں گی۔کھانے اور کمانے میں شریعت کا لحاظ نہ رکھا جائے تو روحانی زندگی اور اخلاقی قدریں اس قدر کمزور ہوں گی اور آدمی زندہ ہونے کے باوجود اس کے روح کی موت واقع ہوگی اور اجتماعیت بکھر کر رہ جائے گی اور یہی شیطان کا مقصد ہے۔لہٰذا حرام کھانے والا شیطان کے قدم بقدم چلتا ہوا دنیا میں ذلیل اور حریص کہلوائے گا اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بنے گا۔اس لیے متنبہ کیا جارہا ہے کہ شیطان تمہارا ابدی دشمن ہے اس سے ہر صورت بچ کر رہنے کی کوشش کرتے رہنا کیونکہ کوئی غیرت مند آدمی اپنے دشمن کی چال میں نہیں آیا کرتا۔

حرام خوری کے نقصانات

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ، اَلنَّارُ أَوْلٰى بِهٖ»

(مسند احمد: کتاب باقی مسند المکثرین، باب مسند جابر بن عبداللہ [صحیح])

''حرام سے پلنے والا جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اسے آگ زیادہ لائق ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لوگو! یقیناً اللہ پاک ہے اور پاک ہی قبول کرتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا ہے۔ فرمایا: اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً میں اسے جاننے والا ہوں۔ اور فرمایا: اے مومنو! ہم نے جو تمہیں رزق دیا اس میں سے پاک کھاؤ۔''

«ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ»

(رواہ مسلم: کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا)

''پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کا تذکرہ کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور پاؤں خاک آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے یارب! یارب! کی صدائیں بلند کرتا ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور وہ حرام سے پرورش پایا ہے ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول کی جائے؟''

مسائل

۱۔ ہر شخص کو حلال اور پاک کھانا چاہیے۔ ۲۔ حرام کھانا شیطان کی پیروی کرنا ہے۔

۳۔ شیطان انسان کا واضح دشمن ہے، اس کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اکلِ حلال کی اہمیت:

۱۔ ایمان داروں کو حلال کھانے کا حکم ہے۔ (البقرۃ: ۱۷۲) ۲۔ رسولوں کو اکل حلال کی تلقین۔ (المومنون: ۵۱)

۳۔ تمام لوگوں کو اکل حلال کا حکم ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۸)



اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

سوائے اسکہ وہ تمہیں حکم دیتا ہے برائی کیساتھ اور بے حیائی اور یہ کہ تم کہو پر اللہ جو نہیں تم جانتے

''سوائے اس کے وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔'' (۱۶۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حلال کے فوائد کے بعد حرام خوری کے نقصانات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے حرام کھانے والا بالفعل شیطان کا حکم مانتا ہے۔ شیطان تو انسان کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے اعتقادی اور بدگمانی پیدا کرتا ہے۔

حرام سے اجتناب نہ کرنا اور اپنی مرضی سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لینا درحقیقت شیطان کی پیروی کرنے کے مترادف ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ حرام کھانے پر آمادہ کرنے کے بعد شیطان کے لیے یہ کام نہایت ہی آسان ہو جاتا ہے کہ وہ حرام خور کو برائی اور بے حیائی کی طرف مائل کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا آدمی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے ضمیر میں حیا محسوس نہیں کرتا۔ جب ضمیر حیا سے خالی ہو جائے تو ظلم کرنا، کاروبار میں ہیرا پھیری، اشیاء میں ملاوٹ، جھوٹ بول کر سودا بیچنا اور دوسرے کا حق مارنا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر گاہک کو دھوکہ دینے میں بھی یہ شخص باک محسوس نہیں کرتا۔ رسولِ محترم ﷺ بے حیائی کا نقصان ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

«اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ»

(رواہ البخاری: کتاب الادب، باب إذا لم تستحی فاصنع ماشئت)

''پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے جو کچھ لوگوں نے پایا وہ یہ ہے کہ جب تجھ سے حیا ختم ہو جائے تو جو چاہے کر گزر۔''

حرام کی دولت جب کسی گھر میں داخل ہوتی ہے تو اس میں بے حیائی کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ پردہ نشین عورتوں کے نقاب اترنا شروع ہو جاتے ہیں، بچیوں کے سروں سے دوپٹے سرکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، نوجوان اچھی روایات کو چھوڑ کر بُری عادات کو فیشن کے طور اپنانے میں فخر اور شرافت کے ماحول میں گھٹن محسوس کرتے ہیں۔ ایسے شخص کے پاس اگر مال کی فراوانی اور جوانی ہو تو وہ بُرائی اور بدکاری میں آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اگر ان لوگوں کو سمجھایا جائے تو کچھ لوگ حد سے آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہی سب کچھ کھا پی رہے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی حرام خوری کو اللہ ربّ العزت کے ذمہ لگاتے ہیں۔ جس کو قرآن مجید نے سورۃ النحل کی آیت ۳۵ میں مشرکوں کا کردار بتاتے ہوئے یوں بیان فرمایا ہے کہ: ''مشرک کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء واجداد اللہ کے علاوہ نہ کسی کی عبادت کرتے اور نہ کسی چیز کو حرام ہی قرار دیتے۔''

مسائل

۱۔ شیطان انسان کو برائی، بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط باتیں سکھلاتا ہے۔

وَاِذَا	قِيْلَ	لَهُمُ	اتَّبِعُوْا	مَآ	اَنْزَلَ	اللّٰهُ	قَالُوْا
اور جب	کہا گیا	انہیں	تم پیروی کرو	جو	اتارا	اللہ	انہوں نے کہا
بَلْ	نَتَّبِعُ	مَآ	اَلْفَيْنَا	عَلَيْهِ	اٰبَآءَنَا ؕ	اَوَلَوْ	كَانَ
بلکہ	ہم پیروی کریں گے	جو	ہم نے پایا	اس پر	اپنے باپ دادا	کیا اگرچہ	تھا
اٰبَآؤُهُمْ	لَا يَعْقِلُوْنَ	شَيْـًٔا	وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾	وَمَثَلُ	الَّذِيْنَ		
ان کے باپ دادا	وہ نہیں سمجھتے	کچھ	اور وہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں	اور مثال	جو لوگ		
كَفَرُوْا	كَمَثَلِ	الَّذِيْ	يَنْعِقُ	بِمَا	لَا	يَسْمَعُ	اِلَّا
انہوں نے کفر کیا	مثال کی طرح	وہ جو	چلاتا ہے	اس کو جو	نہیں	وہ سنتا	سوائے
دُعَآءً	وَّنِدَآءً ؕ	صُمٌّۢ	بُكْمٌ	عُمْيٌ	فَهُمْ	لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾	
پکارنا	اور چلانا	بہرے	گونگے	اندھے	پس وہ	نہیں سمجھتے	

''اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، اگرچہ ان کے باپ دادا بے سمجھ اور ہدایت یافتہ نہ بھی ہوں؟ (۱۷۰) کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں انہیں عقل نہیں۔'' (۱۷۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تقلیدِ آباء بھی شیطان کی پیروی کا نتیجہ ہے۔ جس طرح شیطان بے حیائی اور انسان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں لا یعنی گفتگو کا حکم دیتا ہے اسی طرح وہ یہ دلیل بھی آدمی کو سمجھاتا ہے کہ آخر پہلے لوگ اور بزرگ کوئی غلط اور گمراہ تھے؟ حالانکہ یہ سوچ عقل کے خلاف ہے۔

جب انہیں حرام وحلال اور دیگر مسائل کے حوالے سے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہا جائے تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو انہی روایات پر چلیں گے جن پر ہمارے آباء واجداد چلا کرتے تھے۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ ان کے بزرگ دین کی سمجھ نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ہدایت یافتہ تھے۔ اس ارشاد سے یہ بات بڑی واضح ہوتی ہے کہ بزرگوں کی روایات کو اس وقت اپنایا جائے گا جب وہ کتابِ الٰہی کے مطابق ہوں گی۔ بصورتِ دیگر انہیں مسترد کرنا فرض ٹھہرے گا۔ اگر رسومات اور بزرگوں کی روایات کو من وعن قبول کرلیا جائے تو پھر شریعت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ درحقیقت یہ وہ اندھی تقلید ہے جس کا بہانہ بنا کر لوگ گمراہی کے راستہ پر چلنا اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں۔ دین کے راستے میں یہی وہ رکاوٹ ہے جو انبیاء کرام کے سامنے سب سے پہلے پیش کی جاتی تھی۔ تقلید خاندانی روایات کی صورت میں ہو یا ائمہ کرام کے حوالے سے، مقلدین

ہمیشہ سے جذباتی فضا پیدا کرتے ہوئے دو ہی جواز پیش کرتے ہیں۔ایک جواز جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطاب کے جواب میں فرعون نے پیش کیا تھا کہ اے موسیٰ! جو ہمارے بزرگ پہلے فوت ہو چکے ہیں کیا وہ سب کے سب گمراہ اور جہنمی تھے؟ جس کا جواب پیغمبرانہ شان کے مطابق دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ پہلوں کے بارے میں ''اللہ'' ہی بہتر جانتا ہے۔وہ نا بھٹکا ہے اور نا بھولتا ہے۔(طٰہٰ: ۵۱، ۵۲)

دوسرا جواز یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کیا ائمہ کرام اور بڑے بڑے علماء کو اس مسئلہ کا علم نہیں تھا؟ اگر تقلیدِ جامد کے مؤیدین کے نزدیک قرآن وسنت ہی معیار ہو تو انہیں یہ اندازِ گفتگو کس طرح زیب دیتا ہے؟ بسا اوقات اس کا جواب اس قدر حساس صورتِ حال پیدا کر دیتا ہے کہ اعتراض کرنے والا اپنے گریبان میں جھانکے بغیر نہیں رہ سکتا۔کیونکہ اگر یہ بزرگ واقعتاً اختلافی مسئلہ میں کتاب وسنت کا علم رکھتے تھے تو وہ قرآن وسنت کے واضح دلائل کے خلاف کس طرح عمل کر سکتے تھے؟ اگر اس مسئلہ کے بارے میں قرآن وسنت کے دلائل سامنے ہونے کے باوجود انہوں نے اسے تسلیم نہیں کیا تو ان کی عظیم شخصیات کو کس نظر سے دیکھنا چاہیے؟ اس نازک صورتِ حال میں سلامتی کا یہی راستہ ہے کہ ہم قرآن وسنت کو معیار ٹھہراتے ہوئے ان کے بارے میں یہ نقطۂ نگاہ قائم کریں کہ علم کی اشاعت کم ہونے کی وجہ سے مطلوبہ دلائل ان کی نگاہ سے اوجھل رہے۔جس کی وجہ سے ان کی طرف منسوب موقف نظرِ ثانی کے لائق ہے۔لیکن مقلدانہ ذہن رکھنے والے حضرات اہمیتِ مسئلہ اور ان کی شخصیات کا لحاظ رکھے بغیر تقلید پر اصرار کرنا دین کا حصّہ تصور کرتے ہیں۔قرآنِ مجید اس طرزِ فکر کو عقل وہدایت کا راستہ تصور نہیں کرتا۔اس لیے اندھے مقلدین کے بارے میں یہ تبصرہ فرمایا کہ ان کی مثال تو جانوروں کی طرح ہے جو عقل وفکر اور کسی اصول کی پیروی کیے بغیر محض اپنے سے پہلے جانور کی اتباع میں چلے جا رہے ہیں اور مقلد بھی جانوروں کی طرح بات کا مفہوم سمجھے بغیر محض ایک پکار، دعویٰ اور ایک عادت کے طور چلتے ہیں۔اب یہ سننے، بولنے اور دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔جس کی وجہ سے عقل وفہم کے دروازے ان پر بند ہیں اور یہ حقیقی عقل سے عاری ہو چکے ہیں۔جب عقل ہی اپنے ٹھکانے نہ رہی تو ہدایت کس طرح پا سکتے ہیں؟۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مقابلے میں آباء واجداد کی اتباع نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔کافر جانوروں سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

۲۔ کافر لوگ جانوروں کی طرح بلانے والے کی صرف آواز سنتے ہیں غور وفکر نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

اندھی تقلید کا انجام:

۱۔ مشرک اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔(البقرۃ: ۱۷۰)

۲۔ المائدۃ: ۱۰۴ ۳۔الاعراف: ۲۸ ۴۔یونس: ۷۸ ۵۔الانبیاء: ۵۳

۶۔ الشعراء: ۷۴ ۷۔لقمان: ۲۱ ۸۔الصافات: ۶۹، ۷۰ ۹۔الزخرف: ۲۲ تا ۲۵

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	كُلُوْا	مِنْ	طَيِّبٰتِ	مَا
اے	جو وہ	ایمان لائے	تم کھاؤ	سے	پاک	جو

رَزَقْنٰكُمْ	وَاشْكُرُوْا	لِلّٰهِ	اِنْ	كُنْتُمْ	اِيَّاهُ	تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
ہم نے تمہیں رزق دیا	اور تم شکر کرو	اللہ کیلئے	اگر	تم ہو	صرف اسی	تم عبادت کرتے ہو

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔'' (۱۷۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے تمام لوگوں کو حلال کھانے کا حکم دیا تھا اب خاص کر مومنوں کو یہ کہہ کر حلال کھانے کا حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے کا تقاضا ہے کہ حلال کھانے کا اہتمام کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حرام خور کی عبادت قبول نہیں کرتا۔

قبل ازیں بنی نوعِ انسان کو حلال وطیب کھانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ حلال وطیب کا اہتمام نہ کرنے والا درحقیقت شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ حرام خوری کے ذریعے نہ صرف تمہیں تمہارے خالق سے دور رکھ کر تمہارے ساتھ دشمنی کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ وہ حرام کھانے اور کمانے کے ذرائع کے ذریعے تمہارے درمیان نفرتیں اور عداوتیں پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ حرام ذرائع کے ساتھ دولت کمانے سے لامحالہ دوسرے کے مالی حقوق کو نقصان پہنچتا ہے جس سے لوگوں کے درمیان نفرتیں پروان چڑھتی ہیں۔ ان نقصانات سے محفوظ رکھنے کے لیے ایمان داروں کو خصوصی خطاب کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اے ایمان وایقان رکھنے والو! تمہیں پاک چیزیں کھانی چاہییں جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے کی بجائے انہی پر صابر وشاکر رہنے کی کوشش کرو۔ حلال پر صبر تب ہی کر پاؤ گے جب تم اپنے آپ کو ہماری غلامی اور عبادت کے لیے خالص کرلو گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ طیبات کھانے والوں کی ہی عبادت قبول کرتا ہے۔

«عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ» (رواہ مسلم: کتاب المساقاۃ، باب أخذ الحلال وترک الشبہات)

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے البتہ ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں۔ جن سے اکثر لوگ واقف نہیں۔ جو شخص ان مشکوک چیزوں سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ رکھا۔ جو ان میں ملوث ہوگیا اس کی مثال ایسے

چرواہے کی ہے جو اپنے جانوروں کو سرکاری چراگاہ کے قریب لے جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے وہ جانور اس چراگاہ میں گھس جائیں۔ اچھی طرح سن لو! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ خبردار جسم میں ایک ٹکڑا ہے وہ درست ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے۔ ہاں! وہ دل ہے۔''

حلال کے بارے میں چند احادیث

«عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ الزُّبَيْدِيِّ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ مَا كَسَبَ الرَّجُلُ كَسْبًا أَطْيَبَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَمَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَأَهْلِهٖ وَوَلَدِهٖ وَخَادِمِهٖ فَهُوَ صَدَقَةٌ»

(رواہ ابن ماجۃ: کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب [صحیح])

''حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: آدمی کے ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر اور کوئی کمائی پاکیزہ نہیں آدمی اپنے نفس، اہل، اولاد اور خادم پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے۔''

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَطْيَبِ مَآ أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ وَوَلَدُهٗ مِنْ كَسْبِهٖ» (رواہ أبو داؤد: کتاب البیوع، باب فی الرجل یأکل من مال ولدہ [صحیح])

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین اور پاکیزہ مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کھاتا ہے اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔''

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ وَدَمٌ نَبَتَا عَلٰى سُحْتٍ فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهٖ» (رواہ الترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ما ذکر فی فضل الصلوٰۃ [صحیح])

''جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو حرام سے پلا ہوگا اس کے لیے دوزخ ہی مناسب ہے۔''

مسائل

۱۔ صاحب ایمان لوگوں کو پاک روزی کھانا چاہیے۔ ۲۔ ہر دم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ حلال کمایا اور کھایا جائے۔

تفسیر بالقرآن

اکلِ حلال کی اہمیت:

۱۔ رسولوں کو اکل حلال کی تلقین۔ (المومنون: ۵۱) ۲۔ ایمان داروں کو حلال کھانے کا حکم۔ (البقرۃ: ۱۷۲)
۳۔ تمام لوگوں کو اکل حلال کا حکم۔ (البقرۃ: ۱۶۸)

اِنَّمَا	حَرَّمَ	عَلَيْكُمُ	الْمَيْتَةَ	وَالدَّمَ	وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ	وَمَآ
صرف	اس نے حرام کیا	تم پر	مردار	اور خون	اور سور کا گوشت	اور جو
اُهِلَّ	بِهٖ	لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ	فَمَنِ	اضْطُرَّ	غَيْرَ بَاغٍ	وَّلَا عَادٍ
پکارا گیا	اس پر	اللہ کے غیر کے لیے	پس جو	وہ مجبور ہوا	نہ سرکشی کرنے والا	اور نہ حد سے بڑھنے والا
فَلَآ	اِثْمَ	عَلَيْهِ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾
تو نہیں	گناہ	اس پر	بے شک	اللہ	بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا

''تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کا نام لیا گیا ہو حرام ہے۔ پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور سرکشی کرنے والا نہ ہو اُس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے۔'' (۱۷۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح حلال کھانا لازم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا اور ان سے پوری طرح اجتناب کرنا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے کھانے کا حکم دیا ہے وہ انسان کے لیے ہر اعتبار سے مفید ہیں اور جن سے منع فرمایا ہے وہ روحانی اور جسمانی لحاظ سے انتہائی نقصان دہ ہیں۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کی حرمت کی وجوہات معلوم کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم کو مطمئن کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے تو اس میں حرج کی بات نہیں۔ اگر یہ کاوش اس لیے کی جائے کہ حرمت کی حکمت سمجھے بغیر وہ اس سے رُکنے کے لیے تیار نہیں تو ایسے شخص کو اپنے ایمان پر غور کرنا چاہیے۔ بھلا کون سی حکومت ہے جو اپنے تمام قوانین کی توجیہ بیان کرتی ہو؟ اس طرح تو قانون کا جم پھیلتا ہی چلا جائے گا۔ اگر حکم کی حکمت جاننے کے بعد اس پر عمل کرتا ہے اور اتھارٹی کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟ حکمت جانے اور اطمینان کیے بغیر حکم نہ ماننے والا شخص اپنی عقل اور اطمینان کو خُدا کا درجہ دے دیتا ہے۔ جسے قرآن مجید نے اس شخص کو گمراہ قرار دیا ہے اکلِ حلال کا حکم دینے کے بعد یہاں چار بڑے محرمات کا ذکر کیا گیا ہے:

① ہر قسم کے مردار کھانے سے منع کیا گیا ہے سوائے دو چیزوں کے رسولِ کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ اَلْحُوْتُ وَالْجَرَادُ» (رواہ ابن ماجہ: باب صید الحیتان والجراد [صحیح])

''ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔''

② نزولِ قرآن کے وقت وحشی قبائل نہ صرف مردار کھایا کرتے بلکہ وہ جانوروں کا خون بھی پی جاتے تھے۔ جس طرح آج بھی افریقہ کے کئی وحشی قبائل جانوروں کا ہی نہیں بلکہ انسانوں کا بھی خون پینے سے گریز نہیں کرتے۔ جدید تحقیق کے

مطابق خون میں کئی ایسے جراثیم ہوتے ہیں جن سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا علاج ممکن نہیں ہوتا۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے مردہ یا زندہ جانور کا خون پینے سے منع فرما دیا ہے البتہ کسی کی زندگی بچانے کے لیے خون کا استعمال جائز ہے۔

③۔ خنزیر کا گوشت کھانا بھی حرام ہے۔ اس کے بارے میں جدید اور قدیم اطباء کا اتفاق ہے کہ اس کا گوشت کھانے سے انسان کے جسم میں نہ صرف مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ آدمی میں بے حیائی اور بے شرمی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ کیونکہ خنزیر جانوروں میں سب سے زیادہ بے غیرت جانور ہے۔ کوئی بھی جانور اپنی جنم دینے والی مادہ کے ساتھ اختلاط نہیں کرتا جب کہ خنزیر کی طبیعت میں اس کام میں کوئی جھجک نہیں پائی جاتی۔

④۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کی یا پکائی ہوئی چیز اس لیے حرام کی گئی کہ اس سے روح، عزت اور ایمان کی موت واقع ہوتی ہے۔ ایک غیرت مند ایماندار سے یہ کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ غیر اللہ کے نام پر چڑھائی گئی چیز کھانے یا اسے استعمال کرنے پر آمادہ ہو جائے؟ یہ نہ صرف غیرتِ ایمانی کے منافی ہے بلکہ فطرت بھی اس بات کو گوارا نہیں کرتی بشرطیکہ کسی کی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو۔ فطرت سلیم کا ثبوت اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلے مکہ میں پایا گیا ہے۔

«عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ بِأَسْفَلَ بَلْدَحٍ وَذَاكَ قَبْلَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الْوَحْيُ فَقُدِّمَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ سُفْرَةٌ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ إِنِّي لَسْتُ آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ وَلَا آكُلُ إِلَّا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ» (رواه البخاری: کتاب الذبائح والصید)

''وحی نازل ہونے سے پہلے بلدح کے نشیبی علاقے میں رسولِ کریم ﷺ کی ملاقات زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی۔ رسولِ معظم ﷺ کے سامنے ایک دسترخوان لایا گیا جس پر غیر اللہ کے نام کی کوئی چیز تھی۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اسکے ساتھ ہی جناب زید نے کہا کہ میں بھی ان ذبیحوں کا گوشت نہیں کھاتا جو تم اپنے آستانوں پر ذبح کرتے ہو اور نہ ان جیسی کوئی اور چیز کھاتا ہوں سوائے اس چیز کے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔''

شرکیہ مقام پر ذبح کرنا بھی حرام ہے:

«حَدَّثَنِي ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ رضی اللہ عنہ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»

(رواه أبو داؤد: کتاب الأیمان والنذور باب مایؤمر بہ من وفاء النذر [صحیح])

''مجھے ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی نے بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر عرض کی میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح

کروں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے پھر پوچھا: کیا وہاں کوئی ان کا میلہ لگتا تھا؟ صحابہ نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو کیونکہ اللہ کی نافرمانی والی نذر پوری نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی وہ نذر پوری کرنا لازم ہے جس کی انسان طاقت نہیں رکھتا۔''

اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم دیکھیے کہ ان چیزوں سے منع کرنے کے باوجود ایسے شخص کے لیے ان کو کھانے کی اجازت دی ہے جسے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ نہ وہ پہلے سے ان چیزوں کے کھانے کا عادی ہو اور نہ ہی حرام خوری کی طرف اس کا دل مائل ہو۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لیا جائے، صرف وہی حرام ہوتا ہے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے، کیونکہ قرآن کے الفاظ میں نہ جانور کا ذکر ہے نہ ذبح کا بلکہ ''ما'' کا لفظ ہے جس میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو چیز کسی بزرگ، دیوی، دیوتا کا تقرب حاصل کرنے اور اس کے نام پر مشہور کر دی جائے جیسے امام جعفر کے کونڈے، بی بی کی صحنک، مزار کے لیے بکرا وغیرہ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ بعض علماء لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں دودھ، چاول حلال ہیں اگر کوئی چیز کسی کے نام کی کھیر پکائی جائے تو یہ کس طرح حرام ہوگئی؟ بے شک جو چیز فی نفسہٖ حلال ہو اور اس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام ہی کیوں نہ لیا جائے وہ حرام ہی رہے گی۔ کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نیت رکھنے سے ہی وہ چیز حرام ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اللہ کی عطا کردہ چیزوں کی قربانی یا نذر ونیاز صرف اسی کے نام کی ہونا چاہیے اس میں کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص صدقہ وخیرات یا قربانی کرتا ہے اور اس سے اس کی نیت یہ ہو کہ اس کا ثواب میرے فوت شدہ والدین یا فلاں رشتہ دار یا فلاں بزرگ کو پہنچے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ نیک عمل ہے اور سنت سے ثابت ہے۔

مسائل

۱۔ مردار کھانا، خون پینا، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کی چیز کھانا ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔
۲۔ بھوک کی حالت میں مرنے کے خوف سے یہ چیزیں معمولی مقدار میں کھانے پر کوئی گناہ نہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ مجبوری کے عالم میں حرام کھانے والوں کو معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء:

۱۔ مردار، خون، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کے نام پر مشہور کی ہوئی چیز، گلا گھٹنے سے مرا ہوا جانور کسی چوٹ سے مرا ہوا، اونچی جگہ سے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا، جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو اور جو آستانوں پر ذبح کیا جائے حرام ہیں۔ (المائدۃ: ۳)
۲۔ جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔ (الانعام: ۱۲۱)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ

بیشک جولوگ وہ چھپاتے ہیں جو اتارا اللہ سے کتاب

وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ

اور وصول کرتے ہیں وہ اس کیساتھ قیمت تھوڑی یہی لوگ نہیں وہ کھاتے

فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

میں اپنے پیٹ (جمع) مگر آگ اور نہ بات کریگا ان سے اللہ دن قیامت

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اور نہ وہ پاک کرے گا انہیں اور ان کیلئے عذاب دردناک یہی لوگ وہ لوگ

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ

انہوں نے خریدا گمراہی ہدایت کے بدلے اور عذاب مغفرت کے بدلے سو کس قدر صبر کرنیوالے ہیں وہ

عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ

پر آگ یہ اسلئے کہ بیشک اللہ اس نے نازل کی کتاب حق کیساتھ

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۱ ۹ ۵

اور بیشک جولوگ انہوں اختلاف کیا میں کتاب البتہ میں مخالفت دور

''بے شک جولوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نازل کردہ احکام چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہیں کرے گا، نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۱۷۴) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے، ان کا کتنا حوصلہ ہے کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے پر تیار ہیں۔ (۱۷۵) یہ عذاب اس لیے ہوگا کہ اللہ نے سچی کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی، بلاشبہ جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ پرلے درجے کی مخالفت کر رہے ہیں۔'' (۱۷۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب نے پیٹ کے دھندے کی خاطر حرام وحلال کی فہرست میں تبدیلی کرنے کے ساتھ بے شمار حقائق کو چھپالیا تھا جس پر انہیں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اہل ایمان کو ان سے بچنے کی تلقین کی جارہی ہے۔

اہلِ کتاب کے علماء نے صرف رسولِ معظم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ ہی نہیں چھپائے بلکہ اپنی شکم پروری اور بڑے لوگوں کی عیاشی اور مفادات کی خاطر اللہ تعالیٰ کے احکام بھی چھپانے کے جرم میں ملوّث ہوئے۔ جن میں حلال وحرام کی وضاحت کی گئی تھی۔

اس طرح بے شمار امور کو اپنے لیے جائز اور حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کی جسارت کے مرتکب ہوئے۔ انہوں نے شکم پروری ،سیاسی مفاد، مذہبی مقام اور آخرت کی عظیم اور لامحدود نعمتوں کے بدلے دنیا کی معمولی اور عارضی چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے فتویٰ فروشی کی۔ ایسے انواع واقسام کے نوالے کھانے والے ضمیر اور ایمان فروشوں کے ساتھ قیامت کے دن ربِ کبریا کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں معاف کیا جائے گا، انہیں اذیت ناک اور ذلت آمیز عذاب ہوگا کیونکہ یہ لوگ جانتے بوجھتے ہدایت کے بدلے گمراہی اور اللہ کی شفقت ومغفرت کے عوض اس کے قہر وغضب اور ہمیشہ کی زندگی کے مقابلے میں قلیل اور حقیر دنیا کا انتخاب کرنے والے ہیں۔ مزید انتباہ فرمایا کہ آج تو یہ دین کے بدلے درہم ودینار کی شکل میں جہنم کے انگارے جمع کر اور نگل رہے ہیں لیکن قیامت کے دن جب یہ مال حقیقتاً آگ کے شعلے بن چکا ہوگا تب یہ اسے کس طرح برداشت اور اس پر صبر کر سکیں گے؟۔

ذرا غور کیجیے! کہ جو رحیم وکریم مالک دنیا میں ندامت کے ایک آنسو سے ریت کے ذرّات کے برابر گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، جو توبہ کی غرض سے اُٹھنے والے ہاتھوں کی لاج رکھتے ہوئے پہاڑوں سے بڑی بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔ جو اپنے حضور افسردہ چہروں اور کانپتے ہوئے ہونٹوں کی اس حد تک قدر کرتا ہے کہ جونہی گناہ گار بندوں سے ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا'' سنتا تو اس کی رحمتوں، بخششوں اور مہربانیوں کے سمندر میں تلاطم پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن حق چھپانے کے جرم کی پاداش میں رب ذوالجلال اس حد تک غضب ناک ہو چکے ہیں کہ قیامت کے دن نظر کرم سے دیکھنے، شفقت سے التفات فرمانے اور ایسے لوگوں کو گناہوں سے پاک کرنے کی بجائے سخت ترین عذاب میں مبتلا کیے جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ علماء، حکمران اور مذہبی ورکر دنیا کے مال کی خاطر خود گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کے لیے گمراہی کا سبب ثابت ہوئے۔

درحقیقت یہ لوگ اختلاف وعصبیت اور مفاد پرستی وخود غرضی میں اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ انہیں سچائی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ اختلاف اور تعصب بالآخر انہیں جہنم میں لے گیا۔ یہ ہے پڑھے لکھے بالخصوص ایسے مذہبی پیشواؤں کی سزا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کو چھپایا اور بات بات میں شریعت کا مفہوم بدلہ اور اس میں اختلافات پیدا کیے۔

مسائل

۱۔ حق بات چھپانے کے بدلے دنیا کمانے والے اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں۔
۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو دردناک عذاب سے نجات نہیں دیں گے۔
۳۔ ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے مقابلے میں عذاب کو ترجیح دینے والوں کے لیے جہنم کی آگ ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں اختلاف کرنے والا پرلے درجے کا ضدی ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کی حیثیت:

۱۔ اللہ کی آیات کے مقابلے میں پوری دنیا قلیل ہے۔ (البقرۃ: ۱۷۴) ۲۔ دنیا کا فائدہ قلیل ہے۔ (النساء: ۷۷)
۳۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا قلیل ہے۔ (التوبۃ: ۳۸) ۴۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مدت کم اور قلیل ہے۔ (الاسراء: ۵۲)
۵۔ آخرت ہی حیاتِ جاوداں ہے۔ (الروم: ۶۴)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ

نہیں نیکی یہ کہ تم کرلو اپنے چہرے طرف مشرق اور مغرب اور لیکن

الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

نیکی جو ایمان لایا اللہ پر اور دن آخرت اور فرشتے اور کتاب اور نبی (جمع)

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ

اس نے دیا مال پر اس کی محبت رشتہ دار اور یتیم (جمع) اور مسکین (جمع) اور مسافر

وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ

اور سوال کرنے والے اور گردنوں میں اور اس نے قائم کیا نماز اور اس نے ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے والے

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

اپنے وعدے جب انہوں نے عہد کیا اور صبر کرنے والے میں تنگدستی اور تکلیف اور وقت

الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

جنگ یہی لوگ ہیں وہ لوگ انہوں نے سچ کہا اور یہی لوگ وہ پرہیزگار

''صرف نیکی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں نہیں۔ حقیقتاً نیکی یہ ہے لوگ اللہ، قیامت کے دن، فرشتوں، کتاب اللہ اور نبیوں پر ایمان لائیں۔ جو لوگ ''اللہ'' کی محبت کے لیے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دیں اور غلاموں کو آزاد کریں نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کریں، اپنے کیے ہوئے وعدے پورے کریں، تنگدستی اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہیں اور یہی لوگ سچے اور یہی پرہیزگار ہیں۔'' (۱۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیت میں حق چھپانے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے دنیا کمانے کی سزا بیان کرتے ہوئے اشارہ فرمایا ہے کہ بیت اللہ کو قبلہ نہ ماننا، رسالت مآب کی نبوت، ایک الٰہ کا انکار کرنا اور مسائل کو چھپانے کا بنیادی سبب باہمی اختلاف کا نتیجہ ہے۔ یہ رویہ اور سوچ سراسر نیکی کے خلاف ہے۔ حقیقی نیکی کے اعمال یہ ہیں۔

یہود و نصاریٰ وقفے وقفے کے بعد قبلہ کی بحث چھیڑتے تاکہ مسلمانوں کو رسمی اور لفظی بحث میں الجھایا جائے۔ حالانکہ تحویلِ قبلہ کے ابتدائی احکام میں واضح کر دیا گیا تھا کہ اس پر اعتراض کرنا اور اس بحث میں الجھنا بیوقوفوں کا کام ہے۔ کیونکہ مشرق ومغرب اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اسے اختیار ہے کہ وہ جس طرف چاہے تمہیں رخ کرنے کا حکم صادر فرمائے۔ اب اس بحث کو سمیٹتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ نیکی کی روح اور حقیقت صرف یہ نہیں کہ آدمی اپنا منہ مشرق یا

مغرب کی طرف کرلے۔ یہ تو نیکی کی روح تک پہنچنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اور راستہ تمہارے لیے منتخب کیا ہے اسے اختیار کرو اور یاد رکھو کبھی راستے اور طریقے منزل نہیں ہوا کرتے۔ اصل نیکی تو یہ ہے کہ ان راستوں اور طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کی جائے۔ الفاظ کے گورکھ دھندوں میں الجھنے اور ظاہری طریقوں پر اکتفا کر لینے سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اسی فلسفہ کو رسولِ کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا کہ ایک وقت آئے گا اسلام کے ظاہری ارکان باقی رہ جائیں گے۔

«عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ»

(سنن البیہقی، شعب الایمان باب یوشک ان یاتی علی الناس زمان، قال البانی ہذا حدیث [ضعیف])

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک دور آئے گا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا، قرآن کی تلاوت رسم کے طور پر کی جائے گی، ان کی مساجد تو آباد ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی، ان کے علماء آسمان کی چھت تلے شریر ترین لوگ ہوں گے، انہی سے فتنہ ظہور پذیر ہوگا اور انہی کی طرف لوٹ جائے گا۔''

اس آیت میں وضاحت کی جارہی ہے کہ مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا ہی نیکی نہیں بلکہ نیکی کی روح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فرمان پر ایمان لا کر اس کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ اس عقیدے کے ساتھ کہ آخرت میں ان کے بارے میں جواب طلبی ہونے والی ہے اور بالآخر یہ دِن برپا ہو کر رہے گا۔ ملائکہ پر اس طرح ایمان لایا جائے کہ وہ خدائی نظامِ حکومت کے تابع فرمان، اہلکار، ہمارے نگران اور صبح و شام ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے کی رپورٹ لکھ کر اللہ کے حضور پیش کر رہے ہیں۔ انبیاء کی ذات اور خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر ایمان لایا جائے، مال کی محبت کے باوجود اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں اور غلاموں کی آزادی پر خرچ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی نماز کا اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی جائے۔ چاہے تم امن اور خوشحالی میں ہو یا بدحالی اور حالتِ جنگ میں بہرحال تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ یہی لوگ درحقیقت نیکوکار اور پرہیزگار ہیں۔ اس فرمان میں کتابِ مبین کی ابتدا سے لے کر اب تک جو احکامات بیان ہوئے ہیں ان کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ ان احکامات کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر بیان ہوگی یہاں قرآن کے اتباع میں اجمال پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ، آخرت، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور انبیاء پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مقامات پر خرچ کرنا، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، عہد کی پاسداری، جہاد اور مخدوش حالات میں صبر کرنے والے سچے، نیک اور متقی لوگ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ

اے وہ لوگ ایمان لائے فرض کیا گیا تم پر قصاص مقتولوں میں آزاد آزاد کے بدلے

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ

اور غلام غلام کے بدلے اور عورت عورت کے بدلے پس جو معاف کر دیا گیا اس کو سے اس کا بھائی

شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

کچھ تو پیروی کرنا دستور کے مطابق اور ادا کرنا اسے احسان کے ساتھ یہ آسانی

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

سے تمہارا رب اور رحمت پس جو زیادتی کرے بعد اس کے تو اس کے لیے عذاب دردناک

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور تمہارے لیے میں قصاص زندگی اے عقل والو تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ

''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے آزاد، آزاد کے بدلے غلام، غلام کے بدلے، عورت، عورت کے بدے، ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے معافی دے دی جائے تو اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے۔ تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو زیادتی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا۔ (۱۷۸) اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے تاکہ تم (قتل وغارت سے) بچ جاؤ۔'' (۱۷۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: متقین کی صفات میں یہ بات بھی شامل ہے اور ہونی چاہیے کہ معاشرے کو جرائم سے بچانے کے لیے وہ اسلام کا حدود وقصاص کا نظام نافذ کریں یہی سمجھ داری اور تقویٰ کا تقاضا ہے اور اس طرح ہی جرائم سے بچا جا سکتا ہے۔

اسلام کے نظامِ عدل سے پہلے دنیا میں قانون کے وجود اور اس کے نفاذ میں کئی قسم کے اختلافات، تضادات اور امتیازات پائے جاتے تھے۔ یہودیوں کا نقطہ نگاہ یہ تھا اور ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیے۔ ان کے ہاں کمزور کے لیے معافی کی کوئی صورت نہیں۔ ان کے برعکس انجیل کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی زیادتی کرے تو اس سے بدلہ لینے کی بجائے اپنے چہرے کا دوسرا رُخ پیش کر دینا چاہیے۔ اس طرح یہود میں سختی ہی سختی اور عیسائیت میں نرمی ہی نرمی کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ اسلام نے دونوں قسم کی فلاسفی کے درمیان راستہ اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو عمداً قتل کرتا ہے تو مقتول کے وارثوں کو تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ اس کے لیے حکومتِ وقت کا فرض ہے کہ وہ مقتول کے ورثاء کو ایسا ماحول فراہم کرے۔ جس میں وہ تینوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ پر کوئی دباؤ محسوس نہ کریں۔ ① قتل کے بدلے قتل۔ ② قتل کے بدلے دیت ③ قاتل کو معاف کرنا۔ یہ بات ذہن میں راسخ ہونی چاہیے کہ یہ کام عدالت یا ذمہ دار اتھارٹی کے ذریعے ہونا ضروری ہے۔

ورنہ اچھے ثمرات کی بجائے مضرّات کا زیادہ خدشہ ہے۔حکومت کی یہ ذمہ داری ''کُتِبَ عَلَیْکُم'' کے الفاظ میں مضمر ہے۔جس کی روشنی میں نبی محترم ﷺ نے ورثاء کے لیے مجرم کو از خود سزا دینے کی اجازت نہیں دی۔

«عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا رَأَى مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَأَنْزَلَ اللهُ مَا ذُكِرَ فِي الْقُرْآنِ مِنَ التَّلَاعُنِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ قُضِيَ فِيكَ وَفِي امْرَأَتِكَ قَالَ فَتَلَاعَنَا وَأَنَا شَاهِدٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَفَارَقَهَا فَكَانَتْ سُنَّةً أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنِيْنِ وَكَانَتْ حَامِلًا فَأَنْكَرَ حَمْلَهَا وَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى إِلَيْهَا ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْمِيرَاثِ أَنْ يَرِثَهَا وَتَرِثُ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللهُ لَهَا»

(رواہ البخاری: کتاب التفسیر، باب والخامسة أن لعنة اللہ الخ)

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا۔اے اللہ کے رسول! ایسے آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پاتا ہے کیا وہ اسے قتل کر دے تو آپ اسے قتل کر دیں گے یا وہ کیا کرے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں لعان کے متعلق آیات نازل فرمائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے فرمایا: تیرے اور تیری بیوی کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر ان دونوں نے لعان کیا اور میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا۔سنت طریقہ یہ ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی ڈال دی جائے۔وہ عورت حاملہ تھی اس کے خاوند نے اس کے حمل کا انکار کیا پھر اس کا بیٹا اس عورت کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔پھر میراث میں یہ طریقہ جاری کیا گیا کہ وہ اس کا وارث بنے گا اور وہ اس کی وارث بنے گی جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے۔''

جہاں تک پہلی اقوام کے قانون کی تنفیذ کا تعلق ہے۔انہوں نے قانون کو موم کی ناک بنا رکھا تھا کہ حسبِ ضرورت جس طرف چاہا اس کا رُخ موڑ دیا۔اگر بڑے آدمی سے جرم سرزد ہوتا تو ان کی کوشش ہوتی کہ اس پر قانون کا اطلاق نہ ہونے پائے یا اس کے بدلے اس کے غلام کو سزاوار ٹھہرایا جائے۔کوئی غیر مؤثر آدمی جرم کرتا تو اس پر قانون کا شکنجہ اس طرح کس دیا جاتا کہ نکلنے نہ پائے کی فضا پیدا کر دی جاتی۔آپ ﷺ نے اس عملی تضاد کے بھیانک نتائج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلی اقوام اس وجہ سے تباہ ہوئیں کہ وہ عدل نہیں کرتی تھیں:

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالُوا وَمَنْ يَجْتَرِءُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللهِ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَأَيْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا» (رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش اس مخزومی عورت کے متعلق بڑے فکرمند ہوئے جس نے چوری کی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اس معاملے میں اللہ کے رسول سے کون بات کرسکتا ہے؟ انہوں نے کہا یہ کام اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی نہیں کرسکتا وہ اللہ کے رسول کا محبوب ہے۔ چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول سے عرض کی تو آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: یقیناً تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ ہوئے کہ جب ان میں کوئی بڑا چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

قرآنِ مجید دوٹوک انداز میں قانون کے نفاذ میں بے انصافی کا تدارک کر رہا ہے چنانچہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ہی قتل کی جائے گی اس کے برخلاف کرنے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ قاتل کی جو بھی حیثیت ہو بدلے میں اسے ہی قتل کیا جائے گا۔ آپ نے اس امتیاز کو ختم کرنے کے اقدامات کے ساتھ قانون کے نفاذ کو یقینی بنایا تاکہ قرآن کی منشا کے مطابق زندگی عدل وانصاف کے اصولوں پر استوار ہو جائے۔ اس سے مجرموں کے حوصلے پست اور مظلوموں میں احساسِ زندگی پیدا ہونے کے ساتھ معاشرہ جرم در جرم کے بدترین عمل سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی معاشرے کی بقا اور زندگی کی روح ہے۔

مظلوموں کو معاف کر دینے کا حق دے کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اسلام صرف سزاؤں کے ذریعے جرائم کی بیخ کنی کا تصور پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے غیر عادی مجرموں کے لیے معافی کا راستہ کھول رکھا ہے کہ سہواً یا غیر ارادی طور پر کسی سے جرم سرزد ہو تو اسے معاف کر دینے کے نتائج بدلہ لینے سے بہتر ہوا کرتے ہیں۔ معافی کا اختیار حکومت کو نہیں بلکہ یہ بھی مظلوم کے ورثاء کا حق ہے۔ اگر وہ معاف کر دیں تو فریقِ ثانی کو حتی المقدور مظلوموں کے ساتھ بھرپور طریقے سے مالی اور اخلاقی تعاون کرنا چاہیے تاکہ ان کا زخم جلد از جلد مندمل ہو سکے۔

یہاں رحمت اور تخفیف کے الفاظ بیان فرما کر اشارہ کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ''کُتِبَ'' کے حکم کی فرضیت کو مِنْ وَعَنْ قائم رکھتے۔ لیکن یہ اس کی طرف سے رحمت اور نرمی ہے کہ اس نے تمہیں معاف کر دینے کا اختیار دے کر حالات کی سنگینی کو حسنِ سلوک کے ذریعے سدھارنے کا اختیار عطا کیا ہے۔ البتہ جو اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اس کے لیے ہولناک عذاب ہوگا۔

مسائل

۱۔ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں تو پھر بھی ان کے ساتھ احسان کرنا ہے۔
۲۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت قتل کی جائے گی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ ۴۔ قتل کا قصاص لینے میں زندگی کی بقاء ہے۔
۵۔ جو قصاص اور دیت لینے دینے کے بعد زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ

فرض کیا گیا تم پر جب تم میں سے کسی ایک کو تمہارے ایک کو موت اگر اس نے چھوڑا مال

الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

وصیت ماں باپ کے لیے اور رشتہ دار دستور کے مطابق لازم پر پرہیزگار (جمع)

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ

پھر جو بدل دے اسے بعد جو اس نے سنا تو صرف اس کا گناہ پر وہ لوگ جو اس کو بدلتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا

بیشک اللہ سننے والا جاننے والا پس جو ڈرے سے وصیت کرنیوالا حق تلفی یا گناہ

فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع ۲۲

پھر صلح کروادے انکے درمیان تو نہیں گناہ اس پر بیشک اللہ بہت زیادہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا

''تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی فوت ہونے لگے اور وہ مال چھوڑ جائے تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کر جائے۔ پرہیزگاروں پر یہ لازم ہے۔(۱۸۰) جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔(۱۸۱) جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا غلط وصیت کرنے سے ڈرے پس وہ ان کے درمیان صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''(۱۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حرمتِ جان کے بعد حرمتِ مال اور پسماندگان کے حقوق کے احترام کا حکم۔

قرآنِ مجید کا مال کے بارے میں عمومی نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ مال اگرچہ حلال اور جائز طریقے سے کمایا گیا ہو تب بھی آدمی کے لیے ایک بھاری آزمائش ہے۔ البتہ آزمائش ہونے کے باوجود مال آدمی کی زندگی کے لیے استحکام اور احترام کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اس لیے قرآنِ مجید نے اسے خیر، فضل، رحمت اور نعمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ جمع شدہ مال کے بارے میں جو احکامات اور ہدایات جاری فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب آدمی قریب المرگ ہو تو اسے مال کے متعلق اپنے والدین اور وراثت میں حق دار رشتے داروں کے بارے میں وصیّت کرنی چاہیے۔ یہاں وصیّت اور وراثت کے بارے میں اصلاحات سے لوگوں کو آگاہ فرمایا جا رہا ہے کہ وصیّت کرتے ہوئے اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں کے لیے وصیّت کرنا جائز نہیں۔ عرب کے لوگ مرتے وقت والدین اور دوسرے حق دار حضرات کو محروم کر کے وراثت صرف اپنی بیوی اور اولاد میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ بسا اوقات اپنے دوست کے حق میں وصیّت کر دیتے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ موت کے وقت لواحقین کو اس قسم کی وصیّت پر عمل کے لیے نہ کہا جائے کہ جس سے کچھ حق داروں کو محروم کر کے چند

اقرباء میں پورے کا پورا مال تقسیم کر کیا گیا ہو۔ بعد ازاں اس حکم کی وضاحت میں رسولِ کریم ﷺ نے یہ بھی اصلاح فرمائی کہ فوت ہونے والا تیسرے حصّہ سے زیادہ وصیّت نہیں کر سکتا:

«عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُنِي وَأَنَا بِمَكَّةَ وَهُوَ يَكْرَهُ أَنْ يَمُوْتَ بِالْأَرْضِ الَّتِي هَاجَرَ مِنْهَا قَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ ابْنَ عَفْرَاءَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُوْصِي بِمَالِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ الثُّلُثُ قَالَ فَالثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِي أَيْدِيْهِمْ» (رواہ البخاری: باب أن یترک ورثتہ أغنیاء خیر من أن یتکففوا)

''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں تھا۔ نبی اکرم ﷺ میری تیمارداری کے لیے تشریف لائے۔ میں مکہ میں موت کو اس لیے ناپسند کرتا تھا کہ یہاں سے ہجرت کر چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ابن عفراء پر رحم کرے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے سارے مال کے متعلق وصیّت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں میں نے کہا: آدھے کی۔ آپ نے فرمایا: نہیں میں نے عرض کیا: تیسرے حصے کی۔ آپ نے فرمایا: تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے۔ اگر تو اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑ کر جائے تو یہ اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ تو ان کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جائے کہ وہ کنگال ہوں اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔''

وصیّت کرتے وقت وراثت میں حق داروں کی اجازت کے بغیر وراثت میں شریک کسی ایک کے لیے وصیت کرنا جائز قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ اس سے دوسروں سے بے انصافی ہونے کے ساتھ فوت ہونے والے کے بارے میں ہمیشہ کے لیے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) ''وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔'' (رواہ النسائی: کتاب الوصایا باب إبطال الوصیۃ للوارث [صحیح])

وصیت میں اس بات کی مکمل گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر فوت ہونے والا کسی وجہ سے غلط وصیّت کرتا ہے تو اس کی وصیّت کو شریعت کے مطابق درست کرنا لواحقین پر ایک اہم فرض ہے۔ ایسی صورت میں اصلاح کنندگان پر کوئی گناہ نہیں البتہ شریعت کے مطابق کی گئی وصیت کو تبدیل کرنے والا سخت گناہ گار ہوگا ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ لوگوں سے تو جرم چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنی دو صفات کا ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اگر تم غلط وصیّت کی اصلاح کرو گے تو یقیناً غَفُوْرٌ رَّحِيْم اصلاح کے اس عمل کے باعث فوت شدہ آدمی سے سرزد ہونے والی سہواً یا عمداً غلطی کو معاف فرما دیں گے۔ اس طرح تم ناانصافی اور باہمی اختلافات سے بھی بچ جاؤ گے۔

مسائل

۱۔ فوت ہونے والے کو شریعت کی حدود میں رہ کر اپنے مال کے بارے میں وصیّت کرنی چاہیے۔
۲۔ وصیّت کو بدلنا بڑا گناہ ہے۔ ۳۔ غلط وصیّت کی اصلاح کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

اے وہ لوگ ایمان لائے لکھ دیا گیا تم پر روزہ رکھنا جیسے فرض کیے گئے پر

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ

لوگ تم سے پہلے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ چند دن گنے ہوئے پس جو

كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى

ہو تم میں سے بیمار یا پر سفر تو گنتی سے دن دوسرے اور پر

الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا

وہ لوگ طاقت رکھتے ہوں اسکی بدلہ کھانا مسکین پس جو خوشی سے کرے کوئی نیکی

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

تو وہ بہتر اس کے لیے اور اگر تم روزہ رکھو بہتر تمہارے لیے اگر تم ہو تم جانتے ہو

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔(۱۸۳) گنتی کے چند دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اور اس کی طاقت رکھنے والے فدیۃ ایک مسکین کو کھانا دیں، پھر جو شخص خوشی سے زیادہ نیکی کرے وہ اس کے لیے بہتر ہے۔ لیکن تمہارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو۔''(۱۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: روزہ دار اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے حلال چیزیں چھوڑ دیتا ہے اس لئے اسے حرام چھوڑنا مشکل نہیں رہتا تزکیۂ نفس اور حقیقی تقویٰ روزے سے حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ روزے کے تقاضے پورے کیے جائیں۔

سال کے گیارہ مہینے مسلمان کو حلال کھانے کی کھلی چھٹی تھی کہ وہ جو چاہے اور جس وقت چاہے کھا پی سکتا ہے۔ لیکن جونہی رمضان کا چاند نمودار ہوا یکدم اس پر پابندی لاگو کر دی گئی کہ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے کی کسی چیز کو خورد و نوش کی نیت سے ہاتھ نہ لگائے اور نہ بیوی سے جماع کرے۔ حرام کھانے پر تو دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی قدغن لگ چکی تھی اب تو حلال پر بھی دن بھر کے لیے پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ گیارہ مہینے کی آزاد طبیعت کو اس پابندی کا خوگر بنانے کے لیے اس کے نفسیاتی پہلو کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ روزے تم پر ہی نہیں بلکہ تم سے پہلی امتوں اور ملتوں پر بھی فرض کیے گئے تھے۔ بس یہ گنتی کے چند دن ہیں حوصلہ کیجیے یہ دیکھتے ہی دیکھتے گزر جائیں گے۔ ہاں اگر کوئی تم میں سے ان دنوں میں بیمار ہو یا اسے سفر درپیش ہو تو وہ اتنے دن کے روزے بعد میں پورے کرے۔ یہاں مریض کو یہ اختیار دیا جا رہا ہے کہ رمضان کے مہینے میں تکلیف کی وجہ سے اس سے جتنے روزے چھوٹ

جائیں وہ سال کے گیارہ مہینوں میں جب چاہے رکھ سکتا ہے۔ اس میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جو بچے کی پیدائش یا اس کے دودھ پینے کی صورت میں روزہ نہیں رکھ پاتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

(كَانَ يَكُوْنُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا أَسْتَطِيْعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِيْ شَعْبَانَ)

(رواه البخاری: کتاب الصوم، باب متی یقضی قضاء رمضان)

''میرے ذمہ رمضان کے کچھ روزے ہوتے جنہیں میں شعبان کے علاوہ کسی مہینے میں نہیں رکھ سکتی تھی۔''

البتہ دائمی مریض جسے بظاہر بیماری سے نجات پانے کی کوئی اُمید نہ ہو تو وہ کسی مستحق کو اپنے چھوڑے ہوئے روزوں کی گنتی کے مطابق فدیہ دے۔ سفر میں روزے کے حوالے سے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر نرمی اور آسانی کا ماحول پیدا فرمایا کہ فتح مکہ کے سفر میں جہاد اور موسم کی شدت کے پیشِ نظر آپ نے نہ صرف لوگوں کو روزہ توڑنے کا حکم دیا بلکہ نمازِ عصر کے بعد اپنی سواری پر جلوہ افروز ہو کر لوگوں کو دکھا کر پانی نوش فرمایا۔ حالانکہ سورج غروب ہونے میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا۔ (رواه البخاری: کتاب المغازی، باب غزوة الفتح فی رمضان)

اسی سنتِ مبارکہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر میں روزہ چھوڑنے کو قابلِ اعتراض نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی سفر میں روزہ رکھنے کو غیر معمولی نیکی تصور کرتے تھے۔ جہاں تک سفر کی مسافت کا تعلق ہے آپ کے مختلف اسفار کو سامنے رکھتے ہوئے سفر کی مسافت کے تعین کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم ۴۸ میل سے کم مسافت کو سفر شمار نہیں کرتے۔ جبکہ دوسرے علماء اپنے شہر کی حدود کے باہر ۱۳ میل تقریباً ۲۳ کلومیٹر کو سفر تصور کرتے ہیں۔ آیت کے آخر میں تدریجی حکمتِ عملی کا خیال رکھتے ہوئے پہلے اجازت دی گئی کہ جو روزہ نہیں رکھنا چاہتا وہ کسی مسکین کو فدیہ دے تاہم روزہ رکھنا بہتر ہے۔ بعد ازاں اگلی آیت میں اس حکم کو منسوخ فرما کر معذورین کے سوا سب پر روزہ فرض کر دیا گیا۔

روزہ فارسی کا لفظ ہے عربی میں اسے صوم کہا جاتا ہے۔ عربی ڈکشنری کے لحاظ سے روزہ کا لغوی معنی ہے کسی کام سے رُک جانا' شرعی اصطلاح میں صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے، بیوی سے جماع کرنے سے رک جانے اور فسق و فجور سے بچنے کا نام روزہ ہے۔

برکاتِ رمضان

«عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا كَانَتْ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَنَادٰى مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ»

(رواه ابن ماجة: باب ماجاء فی فضل شهر رمضان [صحیح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کی پہلی رات شیاطین اور سرکش جن گرفتار کر لیے جاتے ہیں اس کے ساتھ ہی جہنم کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں ان میں کوئی ایک دروازہ بھی

کھلا نہیں رہنے دیا جاتا پھر جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ان میں سے کوئی ایک دروازہ بھی بند نہیں رہنے دیا جاتا اور ایک منادی کرنے والا فرشتہ اعلان کرتا ہے اے بھلائی کے چاہنے والے! آگے بڑھ اور اے شر کے خوگر! رک جا۔اللہ تعالیٰ دوزخ سے لوگوں کو آزاد کرتے ہیں اور یہ آزادی رمضان کی ہر رات ہوتی ہے۔''

فضیلتِ صوم

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّيْ امْرُؤٌ صَائِمٌ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَاِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ»

(رواہ البخاری: کتاب الصوم، باب ھل یقول إنی صائم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ابنِ آدم کا ہر عمل اس کی ذات کے لیے ہے مگر روزہ میرے لیے ہے اس لیے میں ہی اس کی جزا دوں گا۔روزہ ڈھال ہے جب تم میں کوئی روزہ دار ہو تو وہ فحش گوئی اور بدکلامی سے اجتناب کرے۔اگر کوئی اس سے گالی گلوچ یا لڑنے کی کوشش کرے تو وہ فقط اسے اتنا کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوگی۔روزہ دار کے لیے خوشی کے دو مواقع ہیں جن سے وہ انبساط حاصل کرتا ہے اولاً جب وہ روزہ افطار کرتا ہے۔ثانیاً جب قیامت کے دن اپنے رب سے روزہ کے بدلے میں انعام پائے گا تو انتہائی خوش ہوگا۔''

ثواب کی حد ہی نہیں

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِيْ وَاَنَا أَجْزِيْ بِهٖ»

(رواہ مسلم: کتاب الصیام، باب فضل الصیام)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا اجر دس سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔لیکن روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔''

دو مقبول ترین سفارشی

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَیْ رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ قَالَ فَيُشَفَّعَانِ»(رواہ أحمد: مسند عبداللہ [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کے لیے سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا اے میرے رب! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور خواہشات سے روکے رکھا لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ قرآن کہے گا اے میرے رب! میں نے اس بندے کو تلاوت کی وجہ سے سونے سے روکے رکھا لہٰذا اس کے بارے میں میری گذارش قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی سفارش قبول فرمالیں گے۔''

«عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّآئِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ»(رواہ البخاری: باب الریان للصائمین)

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا! جنت کے ایک دروازے کا نام ہی ''الریان'' رکھ دیا گیا ہے۔ جس سے قیامت کے دن روزہ دار گزر کر جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے علاوہ اس دروازے سے کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکے گا۔''

مسلمان پر ارکانِ اسلام فرض ہیں اور ہر مسلمان ان کی ادائیگی کا پابند ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا کہ جنت کے دروازے کا نام یہ اور یہ رکھا گیا ہے۔ آدمی کو اس نیکی کی بناء پر خصوصی طور پر مخصوص دروازے سے بلایا جائے گا اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ باقی ارکان اور نیکیاں کرنے کے ساتھ اس نیکی میں زیادہ رغبت اور لذت محسوس کرتا ہے اس فرمان کے ساتھ جذبہ اور ترغیب پیدا کرنا مقصود بھی ہے کہ مومن کو ہر نیکی پوری توجہ اور للّٰہیت سے ادا کرنی چاہیے۔ جو لوگ ہر نیکی رغبت سے کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر آپ انہی حضرات میں شامل ہیں جنہیں جنت کے ہر دروازے سے پکارا جائے گا۔ (رواہ البخاری: کتاب الصوم، باب الریان للصائمین) روزے کا مقصد گناہوں سے بچنا ہے۔ اگر سنّت کے مطابق کچھ بھوک رکھ کر روزہ رکھا اور افطار کیا جائے تو گناہوں کی معافی کے ساتھ روزے دار کئی قسم کی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں راقم کی کتاب: برکات رمضان)

مسائل

۱۔ روزے ہر امّت پر فرض تھے۔ ۲۔ روزے کا مقصد تقویٰ میں اضافہ کرنا ہے۔

۳۔ بیماری اور سفر کی وجہ سے چھوڑے ہوئے روزے بعد میں پورے کرنا فرض ہے۔

۴۔ روزہ رکھنا ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ ۵۔ تقویٰ نام ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے کا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ

مہینہ رمضان وہ جو نازل کیا گیا اس میں قرآن ہدایت لوگوں کے لیے

وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

اور واضح دلائل سے ہدایت اور فرق کردینے والا پس جو حاضر ہو تم میں سے مہینہ

فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ

تو چاہیے کہ اسکے روزے رکھے اور جو ہو بیمار یا پر سفر تو گنتی سے دن

اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا

دوسرے چاہتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی اور نہیں چاہتا تمہارے ساتھ تنگی اور تاکہ تم پوری کرو

الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

گنتی اور تم بڑائی کرو اللہ پر اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر ادا کرو

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآنِ مجید اتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور جس میں ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کے واضح دلائل ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزے رکھنا چاہئیں، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرتا ہے، سختی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی کبریائی بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔'' (۱۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: روزہ اور قرآنِ مجید کا باہمی تعلق بیان کرتے ہوئے روزے داروں کو تسلی دی جارہی ہے کہ روزے تمہیں تنگ کرنے کے لیے فرض نہیں کیے گئے بلکہ ان سے تقویٰ، خدا کی کبریائی کا تصور اور شکریہ کا جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے۔

ماہِ رمضان کی عظمت وفضیلت کی سب سے بڑی دلیل ربِ جلیل نے یہ دی ہے کہ اس مہینے میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔ جس میں قوموں کی رشد و ہدایت اور ان کی اصلاح اور فلاح کا نہایت ہی جامع پروگرام دیا گیا ہے۔ یہ ہدایت اتنی واضح اور اس کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ اس سے بہتر راہنمائی کوئی اور نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی صحیح فلسفۂ حیات کی تائید کے لیے اس سے قوی دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔ جونہی قرآنِ مجید کے دلائل فکری اور عملی میدان میں پیش کیے جاتے ہیں تو کوئی بھی ذی شعور اور سلیم الفطرت انسان قرآنی ہدایت اور اس کے دلائل کے سامنے سر جھکائے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے قرآن کو ''اَلْفُرْقَانَ'' بھی کہا گیا ہے یعنی ایسی کتاب جو حق و باطل اور کھرے کھوٹے میں امتیاز پیدا کردے۔ قرآنِ مجید سے مستفید ہونے کے لیے اس کی پہلی آیت میں تقویٰ کو شرطِ لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس تقویٰ کے حصول کے لیے رمضان کے روزے مقرر کیے گئے ہیں لہٰذا روزے کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے

ڈرے اور گناہوں سے بچے اس لحاظ سے رمضان اور قرآن کا آپس میں چولی دامن کا تعلق ہے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ تمہیں اس غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارے رب نے پہلے حکم میں مریضوں اور مسافروں کو روزہ نہ رکھنے کی جو رخصت عنایت فرمائی تھی اس فرمان میں وہ رعایت واپس لے لی گئی ہے۔ یہاں پھر مریضوں اور مسافروں کے لیے من دعن وہی الفاظ دہرا کر اس رعایت کو بحال رکھا گیا ہے تاکہ انہیں مزید اطمینان ہو کہ اگر ہم تکلیف میں مبتلا ہوئے ہیں تو ہمیں آسانی بھی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کرتا ہے۔ اسی لیے اس نے لوگوں کی مجبوریوں اور معذوریوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے ضابطوں میں نرمی اور ترمیم فرمائی ہے۔ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کا عملی پہلو سامنے رکھیں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح نمایاں ہوجائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تکلیف مالایطاق سے بچانے کے لیے اسلام کے تمام احکام اور مسائل میں نرمی اور آسانی کے پہلو کو سامنے رکھا ہے۔ نماز ہی کو لے لیجیے جو ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے لیکن اس میں کتنی رعائتیں دی گئی ہیں تاکہ آدمی فرض ادا کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ بھی اس کے سامنے حائل نہ ہوسکے گی۔ کھڑا ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر نماز ادا کرلے۔ اگر بیٹھنا دشوار معلوم ہو تو لیٹ کر ادا کرسکتا ہے۔ لیٹنے کی حالت میں چہرہ قبلہ کی جانب نہیں ہوسکتا تو ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے! تجھے افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں تیرا چہرہ جس جانب بھی ہوگا۔ میری نظرِ کرم اسی طرف اس کے استقبال میں ہوگی۔ اسی طرح حج کے مناسک کو لے لیجیے ایک دو کو چھوڑ کر معذوری کی حالت میں باقی تمام مناسک کوئی دوسرا ادا کرے تو یہ ادائیگی معذور آدمی کی طرف سے ہی تصور ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کسی پر حج فرض ہو لیکن وہ جسمانی یا اور کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے بیت اللہ میں حاضری نہیں دے سکتا تو وہ حجِ بدل کے ذریعے یہ فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔ یہ آسانیاں اور مہربانیاں اس لیے ہیں تاکہ مسلمان حتی المقدور خدا کے احکام پورے کرسکیں۔ فرائض کی ادائیگی کا یہ احساس اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا تصور دل و دماغ میں جاگزیں نہ ہوجائے۔ اس لیے روزے کے مسائل کے بیان میں اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی کا احساس یاد دلا رہے ہیں کہ جس نے خدا کی کبریائی کا تصور پختہ کرلیا اس کے لیے روزہ رکھنا اور اپنے رب کے احکامات پر عمل کرنا آسان ہوجائے گا۔ خدا کے احکامات کی بجا آوری ہی حقیقی شکریہ ہے اور شکرگزار بندے ہی ہدایت پایا کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ قرآنِ مجید رمضان المبارک میں نازل ہوا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ سختی کرنے کے بجائے نرمی اختیار کرتا ہے۔
۳۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے، اس میں ہدایت کے بڑے بڑے دلائل ہیں۔
۴۔ یہ حق و باطل میں امتیاز کرنے والا ہے۔ ۵۔ ہدایت نصیب ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ سختی نہیں نرمی کرتا ہے:

۱۔ (البقرۃ:۱۸۵) ۲۔ (البقرۃ:۱۸۶) ۳۔ (اعلیٰ:۷)

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اور جب آپ سے پوچھیں میرے بندے میرے متعلق تو بلاشبہ میں قریب میں قبول کرتا ہوں دُعا پکارنے والا کی

اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جب مجھ سے مانگے پس چاہیے وہ حکم مانیں میرا اور وہ ایمان لائیں مجھ پر تا کہ وہ وہ ہدایت پائیں

''جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں تو انہیں بتائیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب وہ مجھے پکارے تو میں قبول کرتا ہوں۔ لوگوں کو بھی چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔''(۱۸۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: روزہ کی حالت میں دعا جلد قبول اور اللہ تعالیٰ کی قربت کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے دعا سے متعلق سوال کا جواب دینا مناسب سمجھا گیا تا کہ مومن دل کھول کر اپنے رب سے مانگا کریں۔

دعا کا معنٰی ومفہوم:

دعا عبادات کا خلاصہ، انسانی حاجات اور جذبات کا مرقع، بندے اور اس کے رب کے درمیان لطیف مگر مضبوط واسطہ، اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات کا حصول اور نقصانات سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے ضمیر کا بوجھ ہلکا اور پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے دعا مکمل یکسوئی، خلوصِ نیت اور انتہائی توجہ، اصرار اور تکرار کے ساتھ کرنی چاہیے۔ ارض وسماء کے مالک کی خوشی اور اس کا حکم ہے کہ اس سے براہِ راست مانگا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے نہ مانگنا تکبر ہے۔ فوت شدگان کے واسطے، حرمت، طفیل اور وسیلے سے دعا کرنا شرک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دعا کے مقصد ومفہوم کو نہایت ہی مختصر مگر جامع کلمات میں بیان فرمایا ہے:

«اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ»(رواہ أبوداؤد: کتاب الصلوۃ، باب الدعاء [صحیح]) ''دعا عبادت ہے۔''

دعا بمعنٰی عبادت:

تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے بے پروائی کرتے ہیں انہیں ذلیل وخوار کر کے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ (المؤمن: ۶۰)

دعا بمعنٰی مدد طلب کرنا:

اللہ کے سوا اپنے مددگاروں سے مدد مانگو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ (البقرۃ: ۲۳)

دعا بمعنٰی پکار:

اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔ (یونس: ۱۰۶)

دعا کی اہمیت:

«عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَنْ يَّنْفَعَ حَذَرٌ مِنْ قَدَرٍ وَلٰكِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نُزِّلَ وَمِمَّا لَمْ يُنْزَلْ فَعَلَيْكُمْ بِالدُّعَاءِ عِبَادَ اللّٰهِ» (رواہ أحمد: باب مسند معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ [ضعیف])

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا کوئی بھی احتیاط اور پرہیز تقدیر سے نہیں بچا سکتی، لیکن دعا نازل شدہ اور آئندہ نازل ہونے والے مصائب سے فائدہ پہنچاتی ہے۔ پس اے اللہ کے بندو! دعا ضرور کیا کرو۔''

دعا کے آداب

درود، توبہ، استغفار:

اخلاقیات کے حوالے سے اس بات کو کبھی بھی پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا کہ کمزور آدمی اور حاجت مند کسی بڑے سے سوال کرے تو وہ آداب واکرام کو بالائے طاق رکھ کر سوال پر سوال ڈالتا چلا جائے۔ اس انداز سے نہ صرف مانگنے والا محروم رہ سکتا ہے بلکہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ دینے والا اس پر ناراض ہو جائے۔ لہٰذا جب رب کی بارگاہ میں دست سوال دراز کیا جائے تو پہلے حمد وستائش اور اس کی عنایات کا اعتراف واقرار کیا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اطہر پر درود پڑھا جائے جو بذات خود بہترین دعا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرماتا ہے۔'' (رواہ مسلم: کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی)

آپ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو یہ بات سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ اگر تو اپنی دعا میں تمام وقت درود پڑھنے پر صرف کرے تو تیرے سارے دکھوں کے لیے کافی اور گناہوں کی بخشش کا باعث ہوگا۔ (رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق، باب منہ [حسن])

درود کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا احترام ومقام اور انسانیت کا شرف یہ ہے کہ کچھ مانگنے سے پہلے اس کے حضور اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش طلب کی جائے۔

عاجزی، درماندگی:

{اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً} (الاعراف:۵۵)

''اپنے رب کو عاجزی اور خوف کے ساتھ پکارو۔''

دعا کے آداب میں شکر، حمد، درود اور توبہ واستغفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جلالت ومنزلت کا تقاضا اور فقیر کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے وقت غایت درجے کی انکساری اور درماندگی کے ساتھ اس کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کو انکساری اس قدر پسند ہے کہ جب انسان پریشانیوں کے ہجوم، مسائل کے گرداب اور مصائب کے بھنور میں

پھنس جائے اعزہ واقربا اور رفقاء واحباب منہ پھیر جائیں، حالات کے تھپیڑوں نے زمین کی پستیوں پر دے مارا ہو، تمام وابستگیاں ختم اور ہر قسم کی امیدیں دم توڑ گئی ہوں، نہ اٹھنے کی ہمت ہو نہ بیٹھنے کی سکت۔ آدمی اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہو تو اس وقت یہ اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلا کر التجا کرے کہ اے اللہ! میں نے اپنے گلشنِ حیات کو اپنی خطاؤں اور گناہوں کے جھکڑوں، غلطیوں اور جرائم کی آندھیوں سے برباد کر لیا ہے۔ میری وادیٔ حیات کو تیرے بغیر کوئی سیراب نہیں کر سکتا۔ مجھے تیرے ہی در کی امید اور تیری ہی رحمتوں کا سہارا ہے۔ جس طرح تو ویران وادیوں، تپتے صحراؤں اور اجڑے ہوئے باغوں کو اپنے کرم کی بارش سے سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے اسی طرح مجھے حیاتِ نو سے ہمکنار کر دے۔ جب یہ کہتے ہوئے اس کا دل نرم اور آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔ تو اسی لمحے رحمتِ خداوندی اس کی روح کو تھپکیاں اور دل کو تسلیاں دیتے ہوئے ان الفاظ میں اسے حیاتِ نو کی امید دلا رہی ہوتی ہے۔

{ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ } (الزمر:۵۳)

''اے نبی! کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کرنے والا اور غفور الرحیم ہے۔''

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رُوْحُ الدُّعَاءِ اَنْ يَّرٰى كُلَّ حَوْلٍ وَقُوَّةٍ مِنَ اللّٰهِ وَيَصِيْرُ كَالْمَيِّتِ فِيْ يَدِ الْغُسَّالِ" (حجة الله)

''دعا کی روح یہ ہے کہ دعا کرنے والا ہر قسم کی طاقت وقوت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تصور کرے اور اس کی قوت وعظمت کے سامنے اپنے آپ کو اس میت کی طرح سمجھے جو نہلانے والے کے ہاتھوں میں بے بس ہوتی ہے۔''

ہاتھ آگے بڑھائیے!

انسان کی عزت وشرف اور غیرت وحمیت کا تحفظ کرنے کے لیے دین کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ مگر بارگاہِ ایزدی میں ہاتھ پھیلانے کا حکم ہی نہیں یہ تو انسانیت کا شرف ہونے کے ساتھ دعا کے آداب میں سے ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے جب دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کے ہاتھ خالی لوٹاتے ہوئے حیا محسوس کرتا ہے۔

«عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا» (رواه أبوداؤد: كتاب الصلاة، باب الدعاء [صحيح])

''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تمہارا رب نہایت ہی مہربان اور بڑا ہی حیا والا ہے۔ جب اس کی بارگاہ میں بندہ ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

یقین کے ساتھ مانگیے

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے دعا مانگنے والے کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ اور یقین ہونا چاہیے کہ میری دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا۔ کیونکہ آدمی جس طرح اللہ کے بارے میں گمان کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اسی طرح کا سلوک فرمائے گا۔ لہٰذا دعا کرتے ہوئے یقین محکم ہونا چاہیے کہ میری دعا ضرور قبول ہوگی۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اُدْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ» (سنن ترمذی باب جامع الدعوات عن النبی ﷺ [حسن])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: دعا کرتے ہوئے اللہ سے قبولیت کے یقین سے دعا مانگو اور جان لو کہ اللہ غافل اور بے پرواہ دل سے نکلی ہوئی دعا قبول نہیں کرتا۔''

ہر دعا قبول ہونے کی گارنٹی

① ۔ دعا کا فی الفور قبول ہو جانا۔ ② ۔ زندگی کے کسی حصّہ میں مستجاب ہونا۔

③ ۔ مقصود حاصل ہونے کے بجائے اس کے بدلے میں کسی ناگہانی مصیبت کا ٹل جانا۔

④ ۔ زندگی میں دعا قبول نہیں ہوئی تو اس کا آخرت میں پورا پورا بدلہ چکا دیا جائے گا۔

رِفعتیں اور قربتیں

انسان اپنے گناہوں اور بے علمی کی وجہ سے یہ بات سمجھتا رہا ہے کہ جس طرح میرا اللہ تک پہنچنا مشکل ہے اس طرح میری فریاد بھی اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے مجھے ایسے طریقے اور وسائل بروئے کار لانے چاہییں جس سے میری آواز خالقِ حق تک پہنچ سکے۔ ابتداً ایسا ہی خیال رسولِ کریم ﷺ کے رفقائے کرام کے دل میں پیدا ہوا وہ اس فکری الجھن کی وجہ سے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اے نبی کریم ﷺ! ہمیں بتایا جائے کہ ہمارا رب ہم سے کتنی دوری اور مسافت پر جلوہ افروز ہے تاکہ ہم اپنی آواز کو اسی قدر بلند کرنے کی کوشش کریں۔ اس محدود سوچ اور فکری الجھن کو دور کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کرتے ہیں کہ میں ان سے کتنا دور ہوں۔

اے نبی! آپ ان کو اطمینان اور یقین دلائیں کہ میں اپنے اقتدار اور اختیار، علم و آگہی اور اپنے فضل و کرم کے لحاظ سے ہر وقت ان کے ساتھ ہی ہوتا ہوں۔ میری رفاقت اس قدر پکی اور ان کے قریب ہے کہ میں انسان کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہوں۔ یہاں تک کہ انسان کے دل میں پیدا ہونے والے جذبات اور اس کے ذہن میں ابھرنے والے خیالات سے ہر لحہ مجھے آگاہی حاصل رہتی ہے۔

{ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ } (البقرۃ:۱۸۶)

''جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں فرمائیے کہ میں ان کے بالکل قریب ہوں۔''

{ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ } (قٓ:۱۶)

''ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات کو ہم جانتے ہیں ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''

{ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ } (الملک:۱۳)

''یقیناً وہ سینے کے رازوں کو جانتا ہے۔''

وسیلہ کی بحث المائدۃ آیت: ۳۵ میں آئے گی۔ انشاء اللہ!

نوٹ: مزید تفصیل راقم کی کتاب ''انبیاء کا طریقۂ دعاء'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بندے کے قریب اور اس کی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

۲۔ بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے اس کا حکم ماننا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کا حکم ماننے سے رشد و ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ دعا بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قریب ترین واسطہ ہے۔ ۵۔ حلال کھانے والے مواحد کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے اُصول:

۱۔ اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لیے زمین میں سے نباتات پیدا فرمائے۔ (البقرۃ:۶۱)

۲۔ مساجد اللہ کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ (الجن:۱۸)

۳۔ اور ان کا آخری قول اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف ہوگی۔ (یونس:۱۰)

۴۔ مشرک دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ (البقرۃ:۲۲۱)

۵۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو قبول کرو جب وہ تم کو بلائیں۔ (الانفال:۲۴)

۶۔ اگر تم کہتے ہو کہ آپ نے اس قرآن کو از خود بنا لیا ہے تو تم بھی ایسی دس سورتیں لے آؤ اور جن کو تم بلا سکتے ہو بلا لو۔ (ہود:۱۳)

۷۔ اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چھپ کر پکارو۔ (الاعراف:۵۵) ۸۔ اللہ کو خوف اور اُمید سے پکارو۔ (الاعراف:۵۶)

اُحِلَّ	لَكُمْ	لَيْلَةَ	الصِّيَامِ	الرَّفَثُ	اِلٰى	نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ
جائز کر دیا گیا	تمہارے لیے	رات	روزے کی	صحبت کرنا	طرف	تمہاری عورتیں	وہ
لِبَاسٌ	لَّكُمْ	وَاَنْتُمْ	لِبَاسٌ	لَّهُنَّ ؕ	عَلِمَ	اللّٰهُ	اَنَّكُمْ
لباس	تمہارے لیے	اور تم	لباس	ان کے لیے	جان لیا	اللہ نے	بے شک تم
كُنْتُمْ	تَخْتَانُوْنَ	اَنْفُسَكُمْ	فَتَابَ	عَلَيْكُمْ	وَعَفَا	عَنْكُمْ ۚ	فَالْـٰٔنَ
تم تھے	تم خیانت کرتے	تمہارے نفس	سو اس نے رجوع کیا	تم پر	اور درگزر کیا	تم سے	پس اب
بَاشِرُوْهُنَّ	وَابْتَغُوْا	مَا	كَتَبَ	اللّٰهُ	لَكُمْ ۠	وَكُلُوْا	وَاشْرَبُوْا
تم ان سے مباشرت کرو	اور تلاش کرو	جو	اس نے لکھ دیا	اللہ	تمہارے لیے	اور تم کھاؤ	اور پیو

''روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لیے حلال قرار دیا گیا ہے۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرمایا ہے۔ اب تم ان سے مباشرت کر سکتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی مقدر کی ہوئی چیز تلاش کرو۔ تم کھاتے پیتے رہو

فہم القرآن

ربطِ کلام: دعا کی ترغیب دینے کے بعد اب پھر روزے کے بارے میں کچھ مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔ روزہ کے اوقات کا تعین، ماہِ رمضان کی راتوں میں بیویوں سے جماع اور رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کے مسائل۔

یہودیوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ روزہ افطار کرنے کے وقت اگر کوئی شخص سو جائے تو اسے اگلے دن کی مغرب سے پہلے کھانے پینے کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح روزہ کی راتوں میں عورتوں سے مباشرت کے بارے میں ان پر پابندی تھی۔ فرضیتِ رمضان کے ابتدائی دور میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہودیوں کے روزے پر قیاس کرتے ہوئے اپنے آپ پر یہ پابندیاں عائد کر لی تھیں۔ جن کی وجہ سے انہیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بعض دفعہ ان پابندیوں کے برعکس عمل کر بیٹھتے تو اپنے ضمیر میں ایک خلش محسوس کرتے۔ ان خود ساختہ پابندیوں کو اٹھاتے ہوئے ''اُحِلَّ لَكُمْ'' کے الفاظ استعمال فرما کر یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہماری طرف سے یہ پابندیاں نہ تھیں۔ بعض مفسرین نے ''اُحِلَّ لَكُمْ'' کے بارہ میں لکھا ہے کہ پہلے یہ پابندی تھی لیکن اس ارشاد کے بعد اٹھا لی گئی۔ لہٰذا تم رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کر سکتے ہو، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنے طور پر پابندی سمجھنے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ مباشرت کی اجازت دیتے ہوئے اس کے لیے نہایت ہی جامع اور خوبصورت الفاظ استعمال فرمائے کہ میاں بیوی آپس میں لباس کی طرح ہیں۔ اس سے میاں بیوی کے درمیان اپنائیت کے جذبات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جس طرح لباس آدمی کے لیے زینت، حفاظت اور وقار کا باعث ہوتا ہے اسی طرح میاں بیوی کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات، جذبات اور احساسات ہونے چاہئیں۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ

یہاں تک کہ واضح ہوجائے تمہارے لیے دھاری سفید سے دھاری سیاہ

مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ

سے فجر پھر تم پورا کرو روزے تک رات اور نہ تم مباشرت کرو ان سے

وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ

اور تم اعتکاف کرنے والے میں مسجدیں یہ حدیں اللہ پس نہ اس کے قریب جاؤ

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۸۷

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ اپنی آیات لوگوں کے لیے تاکہ وہ وہ پرہیزگار بن جائیں

یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے واضح ہوجائے۔ پھر رات تک روزہ پورا کرو۔ جب تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو تو عورتوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں تم ان کے قریب نہ جاؤ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔'' (۱۸۷)

لباس جسم کے نشیب و فراز ڈھانپتا ہے اور دنیا کی کوئی چیز لباس سے زیادہ آدمی کے قریب تر نہیں ہوتی۔ میاں بیوی کی قربت بھی اسی انداز کی ہونی چاہیے۔ پھر ازدواجی زندگی کا مقصد بیان فرمایا کہ یہ تعلقات حیوانی لذّت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے طالب کے طور پر ہونے چاہئیں۔ تاکہ نسلِ انسانی کی بقاء کے ساتھ ساتھ اولاد ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون، زندگی کا سہارا اور اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ثابت ہو۔ اس کے بعد روزے کے اوقات متعین فرماتے ہوئے صبح کاذب اور صبح صادق کا فرق واضح کرنے کے لیے سفید و سیاہ دھاگے کی اصطلاح استعمال فرمائی کیونکہ رات کی تاریکی چھٹنے کے وقت صبح کی ابتدا افق پر باریک اور سفید دھاگے کی طرح طویل ہوتی ہے۔ لہٰذا طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک روزے کے تحفظات کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہاں اس بات کی خصوصی طور پر وضاحت کر دی گئی کہ جب تم مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو پھر اپنی بیویوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات سے مکمل اجتناب کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں ان کے قریب جانے سے ہر حال میں بچنا چاہیے، کیونکہ ارشادِ الٰہی کا مقصد ہی اس کا احترام کرنا ہے۔ سحری اور افطاری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے امت کی خیر خواہی کے لیے ہدایات جاری فرمائیں:

«عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً»

(رواہ البخاری: کتاب الصوم، باب برکۃ السحور من غیر إیجاب)

''سحری کرو! کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔''

«عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ»

(رواہ البخاری: کتاب الصوم، باب تعجیل الإفطار)

''جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے اس وقت تک لوگ بھلائی پر رہیں گے۔''

جلدی افطار سے مراد یہ نہیں کہ ابھی سورج نظر آ رہا ہو تو افطار کر لیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج غروب ہونے کے فوراً بعد ہی روزہ افطار کر دینا چاہیے۔

غلطی سے روزے کی حالت میں کھانا:

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَّسِیَ وَهُوَ صَآئِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ» (رواہ البخاری: باب الصَّائِمِ إِذَا أَكَلَ، أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا جس نے حالت روزہ میں بھول کر کھا پی لیا۔ وہ اپنا روزہ مکمل کرے کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔''

مسائل

۱۔ رمضان کی راتوں میں بیوی سے مباشرت جائز ہے۔ ۲۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس کا درجہ رکھتے ہیں۔
۳۔ مباشرت کا مقصد نیک اولاد کا حصول ہونا چاہیے۔ ۴۔ روزے کی ابتدا صبح صادق اور انتہا غروب آفتاب ہے۔
۵۔ اعتکاف مساجد میں ہونا چاہیے اور معتکف اپنی بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار نہیں کر سکتا۔
۶۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنا ہی تقویٰ ہے۔

تفسیر بالقرآن

روزوں کے مسائل:

۱۔ روزے پہلی امتوں پر بھی فرض تھے۔ (البقرۃ: ۱۸۳) ۲۔ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھ سکے تو بعد میں قضا دے۔ (البقرۃ: ۱۸۴)
۳۔ جو روزہ نہ رکھ سکتے ہوں وہ فدیتاً ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ (البقرۃ: ۱۸۴)
۴۔ رمضان پانے والے کو روزے رکھنے چاہئیں۔ (البقرۃ: ۱۸۵)
۵۔ رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانا اور صبح تک کھانا پینا درست ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۷)
۶۔ روزہ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک رکھنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۱۸۷)
۷۔ دورانِ اعتکاف عورتوں سے مباشرت نہیں کرنا۔ (البقرۃ: ۱۸۷)
۸۔ روزوں کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۳) ۹۔ رمضان اور قرآن کا گہرا تعلق ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۵)
۱۰۔ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں آتی ہے۔ (القدر) ۱۱۔ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے یہ رات طلوع فجر تک بابرکت ہے۔ (القدر)
۱۲۔ روزہ اور دعا کا آپس میں گہرا تعلق ہے لہٰذا رمضان المبارک میں دعائیں زیادہ کرنی چاہئیں۔ (البقرۃ: ۱۸۶)

تفصیل جاننے کے لیے راقم کی کتاب پڑھیں ''برکات رمضان''

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ

اور نہ	تم کھاؤ	اپنے مال	آپس میں	ناحق	اور (نہ) پہنچاؤ	ان کو

طرف حاکموں

لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۲ ۷

تاکہ تم کھاؤ	کچھ حصہ	سے	مال (جمع)	لوگ	گناہ کے ساتھ	اور تم

تم جانتے ہو

' اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو۔ اور نہ حاکموں کے پاس لے جاؤ تاکہ دوسروں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ظلم و ستم سے کھا سکو۔'' (۱۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: جب تم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر دن کے وقت روزہ میں کھانے، پینے، عورتوں سے مباشرت اور اعتکاف کی حالت میں رات کے وقت بھی اپنی بیویوں سے جماع نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کا حکم جانتے ہوئے ہمیشہ کے لیے حرام خوری اور ناجائز ذرائع سے بچ جاؤ۔

حرام کے بارے میں حکمِ امتناعی جاری کرنے سے پہلے آیت ۱۴۸ میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''لوگو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال اور طیّب پیدا کیا ہے اسے کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا اور واضح دشمن ہے۔'' یہاں دو ٹوک انداز میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے اور ہتھیانے سے منع کیا جا رہا ہے اور یہ امتناعی حکم روزے کے احکام، آداب اور اوقات کا تعین فرماتے ہوئے دیا جا رہا ہے جس میں یہ فلاسفی پائی جاتی ہے کہ روزہ کا مقصد گناہوں سے بچنا اور پرہیز گاری ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر صبح سے شام تک اپنے جائز حقوق اور حلال چیزوں سے ہاتھ اٹھا لیتے ہو تو اسی مالک کا حکم جان کر تمہیں حرام مال سے ہاتھ اٹھا لینا چاہیے۔ حرام مال کے لیے باطل کا لفظ استعمال فرما کر واضح کیا جا رہا ہے کہ ناجائز طریقے سے کمایا ہوا مال بے شک وہ عُرفِ عام میں حلال کی فہرست میں شامل کیوں نہ ہو لیکن غلط ذرائع سے حاصل ہونے کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے۔ پھر جذبۂ اخوت کو بیدار کرنے کے لیے ''آپس کے مال کی'' اصطلاح استعمال فرمائی تاکہ باہمی ہمدردی کا احساس ایک دوسرے کا مال ہڑپ اور ضبط کرنے سے لوگوں کو روک سکے۔ اس کے ساتھ ہی اس طریقے کی نفی کی گئی جس کے ذریعے مقدمہ باز اور حرام خور دوسرے کے مال کو اپنے لیے جائز سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ ایسے لوگوں کا ضمیر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ قانونی جنگ جیتنے کے باوجود یہ مال میرے لیے جائز نہیں۔ ضمیر کی اس خلش کا یہ کہہ کر ذکر فرمایا ہے کہ تم خود بھی اس حرام کام اور حرام خوری سے واقف ہو۔ کاش! ایسا دھندہ کرنے والے مسلمان اس قسم کی مقدمہ بازی کے مضمرات اور اس سے پیدا ہونے والی نفرتوں سے آگاہ ہو جائیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس بُرے دھندے اور اس سے حاصل شدہ مال کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

«إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ عَلٰى نَحْوِ مِمَّا أَسْمَعُ مِنْهُ

فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ بِهِ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ» (رواه مسلم: كتاب الأقضية)

''تم میرے پاس فیصلے لاتے ہو شاید تم میں سے کچھ لوگ دوسروں کی نسبت اپنی دلیل پیش کرنے میں زیادہ فصیح ہوں اور میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ فیصلہ کرتے ہوئے میں جس شخص کو اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دوں تو وہ اسے نہ لے بلاشبہ میں اسے آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔''

کمائی کے حرام طریقے

«عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَإِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِّنْ أَرَاكٍ»

(رواه مسلم: باب: وعيد من اقتطع حق امرى مسلم بيمين فاجرة بالنار)

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ واجب کر دیتا ہے اور اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔'' کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا اگرچہ یہ حق تلفی معمولی قسم کی ہو؟ ''فرمایا: اگرچہ وہ پیلو کے درخت کی ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔''

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِأَصْحَابِ الْمِكْيَالِ وَالْمِيْزَانِ إِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيْتُمْ أَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيْهِ الْأُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ» (رواه الترمذی: باب فی المكيال والميزان [صحيح موقوف])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ماپ تول کرنے والوں کو فرمایا: بلاشبہ تم دو ایسے کاموں کے ذمہ دار بنائے گئے ہو کہ تم سے پہلی قومیں اسی جرم کی پاداش میں ہلاک ہوئیں تھیں۔''

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَرَّ عَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيْهَا فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ» (رواه مسلم: كتاب الايمان: باب: قول النبى من غشنا فليس منا)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلہ کے ڈھیر پر گزر ہوا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا تو انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی۔ آپ نے پوچھا: اے اناج والے! یہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! اس پر بارش ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: تو نے اس نمدار غلے کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھ سکتے؟ پھر فرمایا: جس نے دھوکا دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

مسائل

۱۔ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہیں کھانا چاہیے۔ ۲۔ جھوٹی مقدمہ بازی سے اجتناب کرنا چاہیے
۳۔ ناجائز طریقہ سے کمایا ہوا مال حرام ہو جاتا ہے۔ ۴۔ کسی کا مال ناجائز طریقے سے کھانا حرام ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ

وہ آپ سے پوچھتے ہیں سے نیا چاند آپ فرمادیں یہ اوقات مقررہ لوگوں کے لیے اور حج اور نہیں

الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ

نیکی یہ کہ تم آؤ گھروں سے ان کے پیچھے اور لیکن نیکی جو پرہیزگاری کرے

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

اور تم آؤ گھروں سے اس کے دروازے اور تم ڈرو اللہ تا کہ تم کامیابی حاصل کرو

''لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرما دیجئے کہ اس سے اوقات (عبادت) اور حج کے ایام لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں اور (احرام کی حالت میں) تمہارا گھروں کے پیچھے سے آنا نیکی نہیں بلکہ نیکی وہ ہے جو تقویٰ اختیار کرے لہٰذا گھروں میں ان کے دروازوں کی طرف سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (۱۸۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: روزے کا چاند سے تعلق ہے لہٰذا ضمناً چاند کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

کارخانۂ کائنات میں چاند مظاہرِ قدرت میں سے ایک ہے جس کا انسانی زندگی اور ذہن پر خاص اثر پڑتا ہے۔ چاند کا جمال و کمال انسان کے لیے ہمیشہ سے دلرُبا رہا ہے۔ ماں کی مامتا بے ساختگی کے عالم میں اپنے لختِ جگر کو چاند کہہ کر پکارتی ہے' شاعروں نے اسے اپنے کلام کا موضوع بنایا اور غلط ذہن لوگ اپنے محبوب کو چاند سے تشبیہ دیتے آئے ہیں چاند کی حسنِ صورت کو دیکھ کر انسان اس کے سامنے سرنگوں ہوتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبیلہ اور قوم چاند کو اپنا معبود تصور کرنے لگی۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تبلیغ کے دوران چاند، سورج اور ستارہ پرستوں کو خطاب کرتے ہوئے سمجھایا تھا کہ غائب اور غروب ہونے والے کبھی مشکل کشا اور الٰہ نہیں ہو سکتے ''الانعام: ۷۶ اور حٰمٓ السجدۃ: آیت ۳۷'' میں فرمایا گیا کہ کائنات کی بڑی سے بڑی اور خوب تر سے خوب صورت ترین چیز بھی سجدہ کے لائق نہیں ہو سکتی۔ یہ تو تمہارے خدمت گار اور تابع دار کر دیے گئے ہیں۔ قرآنِ مجید نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے پیشِ نظر چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے عوامل کا ذکر نہیں کیا بلکہ سوال کا رخ موڑتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ چاند کا گھٹنا اور بڑھنا' اس کا طلوع اور غروب ہونا تمہارے لیے کھلے کیلنڈر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے تم اپنی زندگی کے ادوار، عبادت کے اوقات اور حج کے ایام معلوم کر سکتے ہو۔ مسلمانوں کے لیے حج، روزہ، عید اور دیگر عبادات کا شمار شمسی حساب کی بجائے قمری حساب پر رکھا گیا ہے۔ قمری مہینے کی تاریخ طلوعِ چاند کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے قمری مہینہ انتیس یا تیس دن کا قرار پاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں شمسی مہینوں میں فرق زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ کچھ سالوں کے بعد ایک سال کو لیپ کا سال قرار دینا پڑتا ہے۔ شمسی حساب کا آغاز دن کی ابتداء کے بجائے رات ۱۲ بجے شروع کیا جاتا ہے جو بذاتِ خود عجیب محسوس ہوتا ہے۔ لیکن

افسوس! ملت کو اس کا احساس بھی جاتا رہا اور آج مسلمانوں کی غالب اکثریت کو قمری مہینوں کے نام تک یاد نہیں۔ چاند کے فوائد کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی عربوں کی خود ساختہ رسم کی نفی کی گئی ہے کہ ضرورت کے وقت حج کے دوران اپنے گھروں میں آنا پڑے تو ان کے پچھواڑے سے دیواریں پھلانگ کر آنے کی بجائے دروازوں کے راستے آیا جایا کرو۔ کیونکہ تمہارا ربّ تمہاری خود ساختہ عبادات اور رسومات پر راضی نہیں ہوتا، نہ ہی دین کی بنیاد رسومات اور توہّمات پر رکھی گئی ہے۔ اس کی بنیاد تو حقیقی خوفِ الٰہی پر رکھی گئی ہے۔ یہی کامیابی کا زینہ اور وسیلہ ہے۔ لہٰذا تم ہر حال میں اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کا خوف و احترام قائم رکھو، تاکہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

چاند کے بارے میں جدید تحقیق

بُعدِ قمر: (۱) زمین سے چاند کا بُعدِ اوسط 240000 میل ہے، قطر 2160 میل، اس کا حجم زمین کے حجم کا ۴۹/۱ حصہ ہے اور وزن زمین کے وزن کا ۸۱/۱ حصہ، اس کی سطحی کشش زمین کی سطحی کشش کا تقریباً ۶/۱ حصہ ہے۔ لہٰذا جس چیز کا وزن سطحِ زمین پر ۶ پونڈ ہے سطحِ قمر پر اس کا وزن ایک پونڈ ہوگا۔

(۲) چاند زمین کے اردگرد 27 دن 7 گھنٹے 34 منٹ میں اپنا چکر پورا کرتا ہے۔

(۳) البتہ زمین کی سالانہ حرکت کے سبب ایک نئے چاند سے دوسرے نئے چاند تک ساڑھے انتیس دن لگتے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک حساب کریں تو یہ مدت 29 دن 12 گھنٹے 14 منٹ اور 2.8 سیکنڈ میں ختم ہوتی ہے۔ اس مدت کو ایک قمری مہینہ کہتے ہیں۔

مظاہرِ قمر: (۱) چاند روشن کُرہ نہیں بلکہ اس کی روشنی سورج کی روشنی کے انعکاس کا نتیجہ ہے۔ اس کا نصف حصہ سورج کے سامنے ہونے کی وجہ سے ہمیشہ منوّر رہتا ہے لیکن ہمیں اس کے مختلف مظاہر نظر آتے ہیں۔

(۲) 28، 29 تاریخ کو روشن حصہ آفتاب کی طرف اور تاریک حصہ زمین کی جانب ہوتا ہے اور وہ بالکل نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس حالت کو محاق کہتے ہیں۔ حالتِ محاق میں شمس و قمر ایک سمت میں ہوتے ہیں۔

(۳) چاند آہستہ آہستہ سورج سے مشرق کی جانب ہوتا جاتا ہے۔ یکم کو اس کے چمکتے ہوئے چہرے کا صرف ایک باریک کنارہ ہمیں نظر آتا ہے۔ یہ ہلال کہلاتا ہے۔ (ماخوذ از فلکیاتِ جدیدہ)

مسائل

۱۔ چاند کے ذریعے لوگوں کو حج اور دوسرے معاملات طے کرنے کے لیے اوقات معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ ہر دم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ ۳۔ گناہوں سے بچنے اور تقویٰ اختیار کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔

۴۔ رسومات سے بچنا کامیابی کی ضمانت ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ

اور تم لڑو میں راستہ اللہ جو وہ تم سے لڑتے ہیں اور نہ تم زیادتی کرو بیشک

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ

اللہ نہیں پسند کرتا زیادتی کرنے والے اور تم انہیں مار ڈالو جہاں تم انہیں پاؤ اور انہیں نکال دو سے

حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

جہاں انہوں نے تمہیں نکالا اور فتنہ زیادہ سنگین سے قتل اور نہ تم ان سے لڑو پاس

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ

مسجدِ حرام یہاں تک کہ وہ تم سے لڑیں اس میں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم قتل کرو ان کو

''اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔(۱۹۰) انہیں مارو جہاں پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے نہ لڑیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں تو تم انہیں مارو

فہم القرآن

ربطِ کلام: حرمت کے مہینوں کا تعلق بھی چاند سے ہے۔ اس لیے حرمت کے مہینوں کے بیان میں ان سے متعلقہ مسائل کا بیان ضروری سمجھا گیا۔

رسولِ محترم ﷺ اور مسلمانوں کو کفار کے ظلم وستم سہتے ہوئے اٹھارہ سال گزر چکے تھے۔ اس دوران مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے بدر، احد اور خندق کی جنگیں بھی مسلط کی گئیں۔ لیکن آپ اور مسلمانوں نے ہمت نہیں ہاری۔ نبوّت کے اٹھارہویں سال ایک غیبی اشارے کی بنیاد پر عمرہ کی نیت سے آپ عازمِ مکہ ہوئے۔ لیکن اہلِ مکہ نے قومی اخلاق اور حرم کی دینی اقدار کی پرواہ کیے بغیر رسول اللہ ﷺ کو عمرہ کرنے سے روک دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ عمرہ کی نیت سے مکہ کی طرف چلے تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس میں اہلِ مکہ کے لیے یہ پیغام تھا کہ مسلمان اخلاقی اور عسکری لحاظ سے اس قابل ہو چکے ہیں کہ وہ جب چاہیں مرکزِ ملت بیت اللہ کو کفار سے واگزار کروا سکتے ہیں۔ اہلِ مکہ نے اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے اس شرط پر خصوصی طور پر اصرار کیا کہ اس سال تو بہر حال تمہیں واپس ہی جانا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حرم کی تولیت ہمارا قومی اور دینی حق ہے اگر ہم نے اس حال میں مسلمانوں کو مکے میں داخلہ کی اجازت دے دی تو ہمارے قومی اور ملی وقار کو شدید دھچکا لگے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے تصادم سے بچنے کے لیے اپنا ارادہ ملتوی فرمایا اور اگلے سال آنے کی شرط قبول فرمائی۔ جب اگلے سال مسلمان مکہ جانے لگے تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا فطری امر تھا کہ اگر اس سال بھی ہم روک دیے گئے تو کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں جہاد کا حکم دیتے ہوئے بارہ ہدایات جاری فرمائی گئی ہیں:

۱۔ لڑائی کرنے والوں سے جنگ کرو۔ ۲۔ زیادتی نہ کرو۔ ۳۔ زیادتی کرنے والوں کو حالت جہاد میں جہاں پاؤ قتل کردو۔

كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اسی طرح سزا کافر (جمع) پھر اگر وہ باز آ گئے تو یقیناً اللہ بہت زیادہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

نہایت رحم کرنیوالا اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ نہ رہے کوئی فتنہ اور ہو جائے دین اللہ کے لیے

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

پھر اگر وہ باز آ گئے تو نہیں زیادتی سوائے پر ظالموں

کافروں کی یہی سزا ہے۔ (۱۹۱) اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۹۲) جب تک فتنہ مٹ کر اللہ کا دین غالب نہ آ جائے ان سے لڑتے رہو۔ اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔'' (۱۹۳)

۴۔ جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا وہاں سے انہیں بھی نکال دو۔ ۵۔ فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔

۶۔ مسجدِ حرام کے نزدیک جب تک وہ نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو۔

۷۔ اگر وہ تم سے مسجد حرام میں قتال کریں تو تم بھی مسجد حرام میں قتال کرو۔ ۸۔ اگر باز آ جائیں تو اللہ معاف کرنے والا ہے۔

۹۔ فتنہ ختم ہونے تک قتال کرو۔ ۱۰۔ حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے میں ہیں۔

۱۱۔ حرمت میں قصاص ہے۔ ۱۲۔ جتنی وہ زیادتی کریں تم بھی اتنی ہی کرو۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خزاعہ قبیلے کے لوگوں نے فتح مکہ والے سال بنی لیث کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا: اللہ نے مکہ میں قتل و غارت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ (یا آپ نے فیل کے لفظ استعمال فرمائے راوی کو شک ہے۔) اللہ تعالیٰ نے کفار پر اپنے رسول اور مومنوں کو غلبہ عطا کر دیا ہے سنو مجھ سے پہلے بھی کسی کے لیے مکہ کی حرمت کو پامال کرنا جائز تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے جائز ہوگا۔ اور میرے لیے کچھ وقت کے لیے اس میں لڑائی کو حلال قرار دیا گیا تھا۔'' (رواہ البخاری: باب کِتَابَةِ الْعِلْمِ)

مسائل

۱۔ مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں کے ساتھ جہاد کرنا چاہیے۔

۲۔ کسی پر زیادتی کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۳۔ کفار حدودِ حرم میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو حرم میں ان کے ساتھ لڑنا جائز ہے۔

۴۔ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے والے کفار کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

۵۔ اگر کافر لڑنے سے اجتناب کریں تو مسلمانوں کو بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں معاف کرنے والا، مہربان ہے۔ ۷۔ غلبہ دین ہونے تک کفار کے ساتھ لڑنا چاہیے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

مہینہ حرمت والا بدلے حرمت والا مہینہ اور حرمتیں بدلہ پس جس اس نے زیادتی کی

عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

تم پر تو تم زیادتی کرو اس پر اس جیسی جو اس نے زیادتی کی تم پر اور تم ڈرو اللہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا

اور تم جان لو بے شک اللہ ساتھ پرہیزگار (جمع) اور تم خرچ کرو میں راستہ اللہ اور نہ

تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ۬ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

تم ڈالو تمہارے ہاتھ طرف ہلاکت اور نیکی کرو بیشک اللہ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والے

''حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے میں ہیں اور سب حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کر سکتے ہو جیسی تم پر کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (۱۹۴) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (۱۹۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ

ان بارہ ہدایات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کفار حرمتوں کی آڑ میں تم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں تو تم بھی کسی حرمت کی پرواہ کیے بغیر ان کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاؤ۔ کفار کے مقابلے میں حرمت کے بدلے ہی عزت و حرمت کا خیال رکھا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ کے بندوں کو اس کی بندگی سے روکنا، کفر کو دین حق پر مسلط کرنا، کمزوروں پر ظلم ڈھانا اور مشرکوں کا بیت اللہ پر قبضہ جمانے سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں ہو سکتا اگر مشرک مزاحم ہونے اور لوگوں پر ظلم کرنے سے باز آ جائیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار نے اٹھارہ سال تمہارے اوپر ظلم کیے ہیں لیکن یاد رکھنا کسی لحہ بھی تمہیں زیادتی کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے غفور رحیم صفت بیان فرما کر اشارہ دیا ہے کہ اگر تم معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس حکم سے واضح ہوا کہ اسلام کسی صورت میں بھی کسی پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ رسولِ کریم ﷺ غزوات میں ہدایات جاری فرماتے کہ کسی بوڑھے، بچے اور عورت یہاں تک کہ معبد خانوں میں عبادت کرنے والے اور اپنے گھروں کے کواڑ بند کرنے والوں پر زیادتی نہ کی جائے۔ آپ ﷺ نے معاہدات میں اس بات کا مکمل خیال اور غیر مسلموں کو پورا پورا تحفظ عنایت فرمایا۔ نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس سے اسلام کی امن و سلامتی اور لوگوں کے حقوق لٹانے کی پالیسی کھل کر واضح ہو جاتی ہے اس معاہدہ کی تحریر یہ ہے:

''نجران اور اس کے رہنے والوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کی

مورتیاں، ان کے قافلے اور قاصد، اللہ کی امان اور اس کے رسول ﷺ کی ضمانت میں ہوں گے، ان کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی ان کے حقوق میں سے کسی حق میں مداخلت نہیں کی جائے گی، کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے نہیں ہٹایا نہ جائے گا، اور جو کچھ بھی ان کے قبضے میں ہے اسی طرح رہے گا ان کے زمانۂ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا، نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ ان پر عُشر لگایا جائے گا اور نہ اسلامی فوج ان کے علاقے کو پامال کرے گی۔ ان میں سے جو شخص اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے گا تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان میں سے جو شخص سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے بری ہے۔ اس صحیفہ میں جو لکھا گیا ہے اس کے ایفا کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد ﷺ کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو۔ جب تک یہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کی پابندی کریں گے ان کو جبراً کسی بات پر مجبور نہ کیا جائیگا۔'' (تاریخ المدینة لابن شبة، باب وفد نجران)

اسلام میں جہاد کا تصوّر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کے باغیوں کے بجائے صرف اس کے تابع فرماں بندوں کا قبضہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ کوئی بھی حکومت ملک، قوم اور ملی نظریے سے بغاوت کرنے والوں کو گوارا نہیں کرسکتی۔ لہٰذا مسلمانوں کا جہاد ذاتی اغراض اور کشور کشائی کے لیے نہیں بلکہ صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں آخری حکم میں فرمایا جارہا ہے کہ جہاد فرض ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو بچانا اور مال محفوظ رکھنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ جب دشمن سر پر چڑھ آئے تو نہ مال ومنال بچا کرتا ہے اور نہ عزت وجان سلامت رہتی ہے۔ نازک حالات میں ہر چیز قربان کرنے کے جذبے سے ہی قومیں اپنا وقار اور وجود قائم رکھ سکتی ہیں۔

غزوات نبوی ﷺ اور پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان نقصان کا تقابل

نبی ﷺ کے دور میں کل مسلمان شہداء 387 اور مخالف 7323 تھے۔ (رحمة للعلمین از قاضی سلیمان منصور پوری) لیکن افسوس غیر مسلموں کی تاریخ میں اِن قدروں کا کبھی بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ مہذب دنیا کے راہنماؤں نے اپنے ہم مذہب اور دوسرے ممالک کا پہلی جنگِ عظیم 1914 تا 1919 میں اور دوسری جنگِ عظیم 1939 تا 1945 میں جو قیامت برپا کی اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی جنگِ عظیم میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کی تفصیل اس طرح ہے۔ جرمنی کے سب سے زیادہ 18 لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد سوویت یونین کے 17 لاکھ، فرانس کے 13 لاکھ 85 ہزار، آسٹریلیا کے 12 لاکھ اور برطانیہ کے 9 لاکھ 47 ہزار افراد مارے گئے۔ جاپان کے 8 لاکھ، رومانیہ کے 7 لاکھ 50 ہزار، سربیان کے 7 لاکھ 8 ہزار، اٹلی کے 4 لاکھ 80 ہزار، ترکی 3 لاکھ 25 ہزار، بلجیئم کے 2 لاکھ 27 ہزار، یونان کے 2 لاکھ 30 ہزار، امریکہ کے 1 لاکھ 37 ہزار، پرتگال کے 1 لاکھ، کینیڈا کے 69 ہزار، بلغاریہ کے 88 ہزار اور مونٹے نیگرو کے 50 ہزار مارے گئے۔ دوسری جنگ عظیم میں سپر پاور بننے کے لیے سوویت یونین کو سب سے بھاری جانی ومالی قیمت چکانا پڑی۔ اس کے 3 کروڑ 55 لاکھ 68 ہزار فوجی اور سویلین ہلاک ہوئے۔ اس کے

بعد چین کا نمبر آتا ہے جس کے 1 کروڑ 13 لاکھ 24 ہزار مارے گئے، پولینڈ کے 68 لاکھ 50 ہزار، جاپان کے 18 لاکھ 6 ہزار، یوگوسلاویہ کے 17 لاکھ، رومانیہ کے 9 لاکھ 85 ہزار، فرانس 8 لاکھ 10 ہزار، یونان 5 لاکھ 20 ہزار، امریکہ 4 لاکھ 95 ہزار، آسٹریا 4 لاکھ 80 ہزار، اٹلی 4 لاکھ 10 ہزار، برطانیہ 3 لاکھ 88 ہزار، ہالینڈ 2 لاکھ 50 ہزار اور بیلجیم کے 85 ہزار مارے گئے۔ اس کے علاوہ فن لینڈ کے 79 ہزار، کینیڈا 42 ہزار، ہندوستان 36 ہزار، آسٹریلیا 29 ہزار، البانیہ 28 ہزار، سپین 22 ہزار، بلغاریہ 21 ہزار، نیوزی لینڈ 12 ہزار، ناروے 10 ہزار، جنوبی افریقہ 9 ہزار، لکسمبرگ 5 ہزار اور ڈنمارک کے 4 ہزار مارے گئے جب کہ حالیہ عراق اور افغانستان جنگ میں مرنے والوں کی تعداد 65 ہزار سے اوپر پہنچ چکی ہے۔

ان جنگوں پر جو اخراجات ہوئے۔ 1990 میں پہلی عالمی جنگ میں 196 ارب 50 کروڑ ڈالر خرچ ہوئے جبکہ دوسری عالمگیر جنگ میں 2091 ارب 30 کروڑ ڈالر خرچ ہوئے تھے۔ تیسری جاری عالمی جنگ میں اب تک 1 کھرب 79 ارب 19 کروڑ 51 لاکھ 11 ہزار ڈالر خرچ ہو چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

حال ہی (2004) میں امریکہ جو دنیا میں تہذیب و تمدن کا علمبردار بنا ہوا ہے۔ اُس نے عراق کے تاریخی مقامات اور تمام شہروں بالخصوص تکریت، نجف، بغداد اور فلوجہ میں جس طرح مساجد و مدارس اور خواتین کی بے حُرمتی کی اور قبرستانوں پر بلڈوزر چلائے اِن مظالم کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ابوغریب جیل میں قیدیوں کو پاخانہ کھانے اور اپنا پیشاب پینے پر مجبور کیا گیا جس پر امریکہ کے حلیف اور دیگر ممالک میں اس کے خلاف کہرام برپا ہوا جس کے ردِعمل میں امریکہ کے صدر بش کو دنیا کے سامنے معافی مانگنی پڑی پھر بھی ان کے رویّے میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔

انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت اور اس کے دلائل:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ صرف حلال چیزوں سے صدقہ قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے شرف قبولیت بخشتے ہیں۔ پھر اس کو اس طرح بڑھاتے ہیں جیسا کہ تم اپنے بچھڑے کی پرورش کر کے اسے بڑا کرتے ہو۔ یہاں تک کہ ایک کھجور کا ثواب پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (رواہ البخاری: باب الصَّدَقَةِ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کرنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو مزید عزت سے نوازتے ہیں اور جو شخص بھی اللہ کی رضا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو لوگوں کی نگاہوں میں معزز فرما دیتے ہیں۔ (رواہ مسلم: باب استحباب العفو والتواضع)

مسائل

۱۔ حرمت والے مہینوں اور حرمات میں قصاص ہے۔ ۲۔ زیادتی کے بدلے میں اتنی ہی زیادتی کرنا جائز ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ڈرنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔
۵۔ ہر حال میں نیکی کرنا چاہیے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

اور تم پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے لیے پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو میسر آئے سے قربانی

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

اور نہ تم منڈواؤ اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی اپنی جگہ پس جو ہو تم میں سے

مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ

بیمار یا اسکے ساتھ کوئی تکلیف سے اس کا سر تو فدیہ سے روزے یا صدقہ یا

نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۪ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

قربانی پھر جب تم امن میں ہو گئے تو جو فائدہ اٹھائے عمرہ کے ساتھ طرف حج تو جو میسر آ گیا

مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ

سے قربانی پھر جو نہ پائے تو روزے تین دن میں حج اور سات

اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ

جب تم واپس آ گئے یہ دس پورے یہ اسکے لیے جو نہ ہوں اس کے گھر والے

حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

رہنے والے مسجد حرام اور تم ڈرو اللہ اور جان لو بے شک اللہ سخت عذاب

''حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو۔ ہاں اگر تم راستے میں روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے ذبح کر دو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے۔ البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو سر منڈوانے پر فدیہ ہے۔ روزے رکھے، خواہ صدقہ دے، خواہ قربانی کرے پس جب امن میں ہو جاؤ تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اُٹھائے پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے جسے اور طاقت نہ ہو وہ تین روزے حج کے دنوں میں اور سات واپسی میں رکھے یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ لوگو اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔'' (۱۹۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: چاند کے ساتھ روزے اور حج کا خصوصی تعلق ہے۔ لہٰذا حج کے مسائل کی تفصیل اور ان کے درمیان دورِ جہالت کی بدعات اور رسومات کا بیان ہوگا۔

حج عبادات کا مرقع ہے۔ اسلام کے پانچویں رکن کی ادائیگی مقررہ ایام میں متعین اور مقدس مقامات پر ادا ہوتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی اجتماعی تربیت، عبادت اور ملت کے معاملات کا ہمہ گیر جائزہ لینے کا وسیع و عریض پلیٹ فارم ہے۔ شریعت نے

امتِ مسلمہ کو اپنے اور دنیا بھر کے تعلقات ومعاملات کا جائزہ لینے کے لیے سالانہ بین الاقوامی سٹیج مہیا کیا ہے تاکہ مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کے معاملہ میں اپنی کمی وبیشی کا احساس کرتے ہوئے توبہ واستغفار اور حالات کی درستگی کے لیے عملی اقدامات اٹھائیں۔ جہاں اپنے کردار وگفتار کا جائزہ لینا ہے وہاں ملّتِ کفر کے حالات وواقعات اور ان کے فکر وعمل پر کڑی نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ احتساب وعمل کی ایسی تربیت گاہ ہے جس سے مسلمانوں کو بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ یہی وہ سوچ وحکمت تھی کہ جس کے لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر مملکت کے گورنروں اور اعلیٰ حکام کا اجلاس منعقد کرتے اور ان علاقوں کے عمائدین سے وہاں کے حالات وواقعات اور حکام ورعایا کے طرزِ عمل کے بارے میں استفسار فرماتے ہوئے موقع پر ہدایات جاری کرتے تھے۔ (سیرتِ فاروق)

دینِ حنیف میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنے کا حکم ہوا ہے۔ پھر حج اور عمرہ کے لیے یہ خصوصی حکم کیوں دیا گیا کہ حج اور عمرہ اللہ ہی کے لیے ہونے چاہئیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین نے نہ صرف حج کے تمام مناسک میں اپنے بتوں کو شریک کرلیا تھا بلکہ انہوں نے بیت اللہ، صفا ومروہ اور عرفات میں بھی بت سجا رکھے تھے۔ جن کی حرمت، وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے۔ یہاں تک کہ وہ احرام باندھتے تو ان الفاظ میں تلبیہ کہتے۔

«لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ» (رواہ مسلم: باب التلبیة۔۔۔)

''میں حاضر ہوں! اللہ تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جس کو تو نے اپنا ساتھی بنا لیا ہے۔ تو اس کا بھی اور اس چیز کا بھی مالک ہے جس کا وہ مالک ہے۔''

یہاں مشرکین کو نہایت لطیف پیرائے میں شرک سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ حج اور عمرہ میں کسی کو اللہ کا شریک بنانے کی بجائے صرف اور صرف اللہ کے لیے حج اور عمرہ کرو۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حج محض ایک رسم اور نیکی کی شکل میں مال کی نمائش کا نام نہیں۔ یہ تو اللہ کے گھر میں اس عقیدے کے ساتھ حاضری دینا ہے کہ میں صرف تیرے ہی در کا فقیر ہوں۔ جس طرح آج میں اپنا گھر بار چھوڑ کر حاضر ہوں اسی طرح مرنے کے بعد تیری جناب میں مجھے پیش ہونا ہے۔ لہٰذا میں معافی کا خواست گار ہوں، تیرے بغیر کوئی بھی میرے گناہوں کو معاف نہیں کرسکتا۔ یہاں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ حج اور عمرہ اکٹھے کرسکتے ہو جبکہ دورِ جہالت میں لوگ حج اور عمرہ اکٹھا کرنا ٹھیک نہیں سمجھتے تھے۔

اس آیت کی ابتدا میں حکم ہے کہ حج اور عمرہ کو پورا کرنا چاہیے۔ تاہم اگر کسی وجہ سے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے یا کوئی بیماری لاحق ہو تو عمرہ اور حج کرنے والے کو کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا کہ اگر راستے میں رکاوٹ پیش آجائے تو قربانیاں کسی دوسرے ذرائع کے ذریعے مکہ روانہ کردی جائیں۔ اس وقت تک سر نہ منڈوایا جائے جب تک قربانی مکہ پہنچ جانے کا یقین نہ ہو۔ البتہ اگر قربانی مکہ پہنچانے کا کوئی انتظام نہ ہو تو اسی مقام پر قربانی ذبح کرکے آدمی حلال ہو جائے گا۔ جیسا کہ آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا۔ اگر کسی کو ایسی تکلیف لاحق ہو یا سر منڈوانا تکلیف کی وجہ سے ناگزیر ہو تو اسے تین روزے یا چھ مساکین کا کھانا یا پھر ایک جانور ذبح کرنا ہوگا۔ اگر حج اور عمرہ اکٹھا کرنے والا اگر قربانی نہیں پاتا تو اسے حج

کے دوران تین روزے رکھنے چاہییں اور جب وطن واپس پہنچے تو سات روزے رکھے۔ گویا کہ قربانی نہ کرنے کی وجہ سے دس روزے رکھنے پڑیں گے۔ اسے حدیث میں حج قران کہا گیا ہے حج تمتع ان لوگوں کو کرنے کی اجازت ہے جو حرم کی حدود میں رہنے والے نہ ہوں۔ کیونکہ انہیں حج کے لیے دور سے آنا پڑتا ہے حرم میں رہنے والوں کو اس کی اجازت نہیں۔ شاید اس کا فلسفہ یہ ہے کہ بیت اللہ کی رونق ہر حال میں روز افزوں رہے۔ تمتع سے مراد حج اور عمرہ اکٹھا کرنا ہے۔ آیت کے آخر میں یہ انتباہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر حج اور عمرہ میں افراط وتفریط، خود ساختہ رسومات اور شرک کی آمیزش ترک کر دو ورنہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت ترین گرفت کرنے والا ہے اور اس کی گرفت اور عذاب سے تمہیں بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ اللہ ہی کے لیے حج اور عمرہ کے مناسک پورے کرنے چاہئیں۔
۲۔ محصور ہو جانے کی صورت میں قربانیاں مکہ بھیج دی جائیں۔ ۳۔ قربانی سے پہلے سر نہ منڈوایا جائے۔
۴۔ تکلیف کے باعث سر منڈوانا پڑے تو تین روزے یا چھ آدمیوں کو کھانا کھلانا یا جانور ذبح کرنا چاہیے۔
۵۔ حج اور عمرہ اکٹھے کیے جا سکتے ہیں۔ ۶۔ حج تمتع میں قربانی نہ کرنے والا تین روزے حج کے دوران اور سات واپسی پر رکھے گا۔
۷۔ حدودِ حرم کے اندر رہنے والوں کو حجِ تمتع کی اجازت نہیں ہے۔ ۸۔ ہر دم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے وہ سخت عذاب والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ کا حج:

۱۔ لوگوں میں حج کے لیے نداء کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز رستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہو کر) چلے آئیں۔ (الحج: ۲۷)
۲۔ لوگوں پر خدا کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے۔ (آل عمران: ۹۷)
۳۔ حج کے مہینے معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو حج میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے، نہ کوئی بُرا کام کرے، نہ کسی سے جھگڑے اور جو نیک کام تم کرو گے وہ خدا کو معلوم ہے اور زادِ راہ ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر زادِ راہ پرہیز گاری ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ (البقرہ: ۱۹۷)
۴۔ تمہارے لیے دریا کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے یعنی تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے اور جنگل کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے اور اللہ سے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے، ڈرتے رہو۔ (المائدۃ: ۹۶)
۵۔ تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لیے حاضر ہوں اور قربانی کے ایام میں چہار پایان مویشی، جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں۔ ان پر اللہ کا نام لیں۔ اس میں تم بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور بیت اللہ کا طواف کریں۔ (الحج: ۲۸، ۲۹)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ

حج کے مہینے معلوم (مقرر) ہیں پس جس نے ارادہ کیا ان میں حج تو نہ شہوت کی باتیں

وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ

اور نہ گناہ اور نہ جھگڑا میں حج اور جو تم کرو گے سے نیکی وہ اسے جانتا ہے

اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۱۹۷

اللہ اور تم زادِراہ لو پس بیشک بہتر زادِراہ تقویٰ اور مجھ سے ڈرو اے عقل والو

''حج کے مہینے متعین ہیں۔ اس لیے جو شخص ان میں حج کرے وہ نہ بے ہودہ باتیں کرے، نہ گناہ کرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے۔ تم جو نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو سب سے بہتر زادِراہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہے۔ اے عقل مندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔'' (۱۹۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج کے مہینے ایک ہی چلے آرہے تھے۔ جنہیں ہر دور کے ہزاروں، لاکھوں اور ان کی وساطت سے نسل در نسل کروڑوں لوگ جانتے ہیں۔ اتنی عظیم الشان اور مسلسل ہونے والی عبادت کے مہینے بتلانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ البتہ حدیث میں ان کی وضاحت موجود ہے۔ یہ ایام یکم شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ہیں۔

«قَالَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الْحَجَّةِ»

(رواہ البخاری: کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ الحج أشھر معلومات)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔''

اس حدیث میں 10 ذی الحجہ ایام حج قرار دیے گئے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ حج 10 ذوالحجہ کے بعد نہیں ہوسکتا۔ حج کرنے والا انہی ایام میں احرام باندھے گا۔ اگر اس سے پہلے وہ حج کا سفر کرے تو احرام نہیں باندھ سکتا۔ البتہ دور دراز علاقے کے رہنے والے لوگ ذرائع آمد و رفت سست رفتار یا کم ہونے کی بنا پر حج کے لیے پہلے بھی سفر کا آغاز کرسکتے ہیں۔ جس طرح آج سے اسّی سال پہلے لوگ پیدل حج کے لیے جایا کرتے تھے۔ طوالتِ سفر کی وجہ سے وہ شوال سے پہلے ہی اپنے سفر کا آغاز کرتے اس طرح حج کے لیے چھ سے آٹھ ماہ لگ جاتے۔ ایسے حالات میں حج کے مہینوں سے پہلے سفر شروع کیا جاسکتا ہے۔ تاہم ہر شخص احرام یکم شوال سے باندھے گا اور میقات پر پہنچ کر احرام کی پابندیاں شروع ہوں گی۔ عمرہ کے لیے کوئی دن اور مہینہ مقرر نہیں۔ آدمی جب چاہے عمرہ کرسکتا ہے۔ یہاں حج کی فرضیت سے مراد اس کی ادائیگی ہے کیونکہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ حج تین ہجری آلِ عمران کی آیت 97 کے نزول کے وقت فرض ہوا تھا۔ جب کہ یہ آیات چھ ہجری صلح حدیبیہ کے موقع پر

نازل ہوئیں۔ اس فرمان میں حج کے آداب بتائے جا رہے ہیں کہ حج میں تین کاموں سے سختی کے ساتھ پرہیز کیا جائے۔ اس موقع پر اجتناب اور احتیاط کے باوجود مرد و زن کا ایک ہی وقت اور ایک ہی مقام پر مناسکِ حج ادا کرنے سے لامحالہ کچھ نہ کچھ اختلاط پیدا ہو سکتا ہے۔ مختلف ممالک کے مختلف مزاج لوگوں کا جذبۂ شوق کے عالم میں اکٹھا ہو کر نیکی اور خیر کے کام میں ایک دوسرے سے مسابقت کرنے کی وجہ سے مزاج میں تیزی اور مستعدی پیدا ہونا فطری بات ہے جس کی وجہ سے باہم تصادم کے خطرہ کا امکان ہو سکتا ہے۔ اس لیے خصوصی طور پر حکم صادر فرمایا کہ اللہ کے حضور حج کے احکام بجالاتے ہوئے، شہوانی باتیں اور حرکات فسق و فجور اور جنگ و جدال سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ اللہ! اللہ! مسلمانوں کی اطاعت شعاری ملاحظہ فرمائیں کہ صدیوں سے یہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں بوڑھے، جوان، شاہ و گدا، کالے، گورے اور مرد و زن موجود ہوتے ہیں۔ سفر کی صعوبتوں اور دیگر مشکلات کے باوجود مسلمان ایسی سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرتے ہیں کہ غیر مسلم دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔

یہاں یہ بھی حکم ہوا ہے کہ حج کے دوران زادِ راہ لے لیا کرو۔ کیونکہ کچھ لوگ خاص کر یمن کے رہنے والے اس غرض سے سفر کا خرچ نہیں لیتے تھے کہ ہم ''اللہ'' کے گھر میں حاضری دینے جا رہے ہیں وہی ہمارے لیے اسباب مہیا کرے گا، ہمیں وسائل لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ وسائل لینا توکل اور تقویٰ کے خلاف ہے۔ اس پر حکم ہوا کہ اِدھر اُدھر سے مانگنے اور جھانکنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل بروئے کار لاؤ۔ دوسرے کی طرف جھانکنے سے بہتر ہے کہ زادِ راہ ساتھ لیا جائے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے پرہیز کرنا اور گناہوں سے بچنا ہی تقویٰ ہے۔ یہی عقل مندی کا تقاضا اور صاحبِ دانش لوگوں کا وطیرہ ہونا چاہیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

«أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ قَالَ اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ» (رواه الترمذي: كتاب صفة القيامة والرقائق [حسن])

''میں اونٹ کو باندھ کر توکل کروں یا اسے چھوڑ دوں اور توکل کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹ کو باندھو اور توکل کرو۔''

مسائل

۱۔ شوال، ذی قعدہ، اور دس ذی الحجہ تک حج کے مہینے اور ایام ہیں۔
۲۔ حج میں شہوانی باتیں، فسق و فجور اور لوگوں سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔
۳۔ حج کے لیے زادِ راہ لینا ضروری ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا دانشمندی ہے۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ اور اس کے فائدے:

۱۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔ (الانبیاء: ۳۱ تا ۳۳) (یونس: ۲۶۔۲۷)
۲۔ متقین کا بہتر انجام ہے۔ (ہود: ۴۹) ۳۔ متقین کے لیے جنّت ہے۔ (الحجر: ۴۵) (القلم: ۳۴) (الطلاق: ۴ تا ۵)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنّت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ (الرعد: ۳۵)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ

نہیں تم پر کوئی گناہ یہ کہ تم تلاش کرو فضل سے اپنا رب پھر جب

اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ

تم لوٹو سے عرفات تو یاد کرو اللہ نزدیک مشعرِ حرام اور تم اسے یاد کرو

كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی اور بیشک تھے تم سے اس سے پہلے البتہ سے گمراہ (جمع)

''تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس ذکرِ الٰہی کرو اور اللہ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہاری راہنمائی فرمائی ہے اور بے شک تم اس سے پہلے بھٹکے ہوئے تھے۔'' (۱۹۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حج کے مناسک کا بیان جاری ہے۔

اسلام کے ورود مسعود سے پہلے لوگوں نے حج جیسے باوقار اور عبادات کے مجموعہ کو ایک میلہ اور تجارتی منڈی میں تبدیل کر دیا تھا۔ لیکن جب یہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی سوچ کے زاویے یکسر تبدیل ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب کچھ اپنے رب کی رضا کے لیے قربان کر دیا تھا۔ لہٰذا اب وہ حج کی ادائیگی کے دوران تجارت کرنے کے بارے میں کس طرح سوچ سکتے تھے؟ وہ یہاں تک محتاط ہوئے کہ ایک مزدوری کرنے والا صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور یہ سوال کیا کہ ہمارا پہلے سے یہ پیشہ ہے کہ ہم اونٹوں کے ذریعے سواری اور بار برداری کا کام کرتے ہیں کچھ لوگ ہمارے اونٹ حج کے لیے کرایہ پر لے جاتے ہیں ہم ان کے ساتھ جاتے ہیں اور حج کرتے ہیں کیا ہمارا حج ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اور اس نے آپ سے یہی سوال کیا تھا جو تم مجھ سے کر رہے ہو آنحضرت ﷺ نے اس کو اس وقت کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ} اس وقت رسولِ کریم ﷺ نے اس شخص کو بلوایا اور فرمایا کہ ہاں تمہارا حج صحیح ہے۔ (رواہ احمد: مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما [صحیح])

اسی طرح حج سے فراغت کے بعد آپس میں لین دین اور تجارت کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ بلکہ رزقِ حلال کا حصول اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ جب تم عرفات سے مشعرِ حرام کی طرف پلٹو تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کی توفیق اور رہنمائی سے تم اس کے گھر کے مہمان بنے اور ہدایت پائے اس رہنمائی سے پہلے تم گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔ لہٰذا رب کی راہنمائی کے مطابق اس کا شکر یہ ادا کرتے رہو۔ یاد رہے کہ مشعرِ حرام مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔

مزدلفہ میں قیام کا طریقہ

عرفات میں غروبِ آفتاب کے فوراً بعد نمازِ مغرب ادا کیے بغیر مزدلفہ روانہ ہونے کا حکم ہے۔ چنانچہ بے بس و بے خانماں قافلہ رات کے اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا ہوا مزدلفہ کی سنگلاخ زمین پر آن پہنچا ہے۔ جسم تھکن سے چور، طبیعت نڈھال، نیند کا غلبہ اور آرام کی حاجت کے باوجود لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تاکہ نمازِ مغرب وعشاء کی نماز ادا کرتے ہوئے اللہ کے حضور سرافگندگی کا اظہار کیا جائے۔ اس کے بعد آرام اور قیام کی ضرورت تھی جس بنا پر نبی محترم ﷺ نے اپنی امت پر شفقت ومہربانی کرتے ہوئے نہ خود اس رات تہجد پڑھی اور نہ ہی لوگوں کو تلقین فرمائی تاکہ سفر کی صعوبتوں اور تھکاوٹوں کی بنا پر لوگوں کو آرام کا موقع میسر آ جائے۔ اور ۱۰ ذوالحجہ کے لیے تازہ دم ہو جائیں کیونکہ ۱۰ ذوالحجہ کا دن مناسک حج کے اعتبار سے بہت مشکل ترین دن ہے۔ اس دن حج کرنے والے چار کام کرتے ہوتے ہیں۔ ① قربانی ② سر منڈوانا ③۔ طواف افاضہ کرنا اور منیٰ واپس آنا۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما يَقُوْلُ أَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعَفَةِ أَهْلِهٖ»

(رواه البخاري: كتاب الحج، باب من قدم ضعفة أهله بليل الخ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات اپنے گھر والوں کے ساتھ پہلے روانہ کر دیا تھا۔''

«عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرْمُوْا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ وَأَوْضَعَ فِيْ وَادِيْ مُحَسِّرٍ» (رواه أبو داؤد: باب التعجيل من جمع [صحيح])

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے واپس پلٹے تو آپ پر سکینت طاری تھی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ چنے کے برابر کنکریاں ماریں اور آپ وادیِ محسر سے تیزی کے ساتھ گزرے۔''

کیونکہ یہاں ابرہہ کے لشکر کو ابابیل کے ذریعے تہس نہس کر دیا گیا تھا۔ جو یمن کا حکمران تھا اور اس نے بیت اللہ کے مقابلے میں ایک گھر تعمیر کیا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ بیت اللہ کی بجائے اس کے بنائے ہوئے گھر کا طواف اور زیارت کیا کریں۔ جب لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو اس نے حسد میں آ کر بیت اللہ کو شہید کرنے کے لیے لشکر کشی کی جب لشکر ہاتھیوں پر سوار مزدلفہ کے قریب وادی محسر میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل کے جھنڈ بھیج کر انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا اور یہ پرندے اپنی چونچ اور پروں میں کنکریاں اٹھا اٹھا کر ان کے اوپر پھینکتے تھے جس کا تذکرہ سورۃ الفیل میں کیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ حج میں لین دین اور تجارت کی جا سکتی ہے۔ ۲۔ مشعر الحرام مزدلفہ میں ایک پہاڑی کا نام ہے۔
۳۔ مزدلفہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر آدمی گمراہ ہوتا ہے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ

پھر	تم لوٹو	سے	جہاں	لوٹیں	لوگ	اور بخشش مانگو	اللہ

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

بیشک	اللہ	بہت زیادہ بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا

''پھر تم اس جگہ سے لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔'' (۱۹۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حج کے مناسک میں قریش کے خود ساختہ امتیاز اور بدعت کے خاتمہ کا اعلان۔

یہاں لوٹنے سے مراد عرفات پہنچ کر مزدلفہ واپس آنا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق حج کرنے والے نسل در نسل نو ذوالحجہ کو منیٰ سے عرفات جاتے اور عرفات سے واپس مزدلفہ ٹھہرتے۔ مگر قریش نے اپنے مذہبی تقدس اور قومی تفاخر کے باعث یہ عقیدہ بنایا اور لوگوں میں پھیلایا تھا کہ ہم بیت اللہ کے متولی اور مجاور ہیں اس لیے ہمارا مقام لوگوں سے ممتاز ہے لہٰذا ہمیں حدودِ حرم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ یاد رہے کہ عرفات حدودِ حرم سے باہر ہے۔ وہ مزدلفہ ہی میں قیام کرتے جب کہ لوگ عرفات سے ہو کر مزدلفہ آتے تھے۔ قریش کی دیکھا دیکھی ان کے حلیف قبائل نے بھی اپنے لیے یہ امتیاز قائم کرلیا۔ اس خود ساختہ تقدس کی نفی اور رسم کے خاتمہ کے لیے یہ حکم نازل ہوا کہ ہر کسی کے لیے عرفات جانا لازم اور حج کا حصہ ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کو حج کا رکنِ اعظم قرار دیا ہے۔ جو شخص دسویں ذوالحجہ کی صبح تک بھی عرفات نہیں پہنچ سکا باقی مناسک ادا کرنے کے باوجود اس کا حج ادا نہیں ہوگا اس لیے اُسے دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔

(رواہ أبوداؤد: کتاب المناسک، باب من لم یدرک عرفة [صحیح])

عرفات میں سمع واطاعت کا نقطۂ عروج

عرفات میں حاضری حج کا رکنِ اعظم ہونے کے باوجود حکم یہ ہے کہ یہاں غروبِ آفتاب کے فوراً بعد نمازِ مغرب ادا کیے بغیر مزدلفہ روانہ ہوا جائے۔ مسلمان کی سمع واطاعت کا اندازہ کیجئے کہ وہ مومن جو نماز کے وقت کا انتظار کیا کرتا تھا اور نماز کا وقت ہوتے ہی ہر تعلق سے لاتعلق ہو کر اس کے قدم مسجد کی طرف اٹھ جایا کرتے تھے، وہ نماز جس کی پابندیٔ وقت کا حکم ہے:

{ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ } (النساء:۱۰۳)

''مومنوں کے لیے نماز کے اوقات مقرر کردیے گئے ہیں۔''

لیکن مغرب کا وقت ہونے کے باوجود حکم ہوا ہے کہ یہاں نماز پڑھنے کی بجائے یونہی آگے چل دیجئے اور مزدلفہ میں دونوں نمازیں ادا کریں۔ ایک لمحہ ٹھہر کے ذرا سوچئے! کہ بندہ اپنے رب کے حکم کے سامنے کس طرح بے اختیار اور بے بس

ہے؟ کہ پہلے بیماری یا کسی مجبوری کے بغیر اس نے ظہر اور عصر جمع کی اور اب یہاں مغرب کی نماز پڑھنا تو درکنار یہاں ٹھہرنے کی بھی اجازت نہیں۔ عرفات وہی مقامِ مقدس ہے کہ جہاں رسولِ اکرم ﷺ نے انسانیت کو دونوں جہاں کی کامیابی کی گارنٹی دیتے ہوئے ایک عالمگیر چارٹر سے متعارف کروایا تھا۔ جس کے چند نکات یہ ہیں:

① جب تک قرآن وسنت کو تھامے رکھو گے دنیا کی کوئی سازش اور طاقت تمہیں گمراہ نہیں کر سکے گی۔

② میں آج کے بعد ہر قسم کی عصبیتوں کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔

③ معاشی استحصال کو ختم کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے سود کو حرام قرار دیا اور فرمایا کہ سب سے پہلے میں اپنے چچا کا سود معاف کرتا ہوں۔ وہ اس کے بعد اصل رقم کے بغیر کسی سے ایک دمڑی بھی وصول نہیں کر سکتے۔

④ سابقہ تمام قتل وغارت معاف ہے اور سب سے پہلے اپنے قبیلے کا قتل معاف کرتا ہوں۔

⑤ سب انسان برابر ہیں مگر تقویٰ وکردار کے لحاظ سے فرق برقرار رہے گا۔ اللہ کی قربتیں اسی کو حاصل ہوں گی جو اس کا تقویٰ اختیار کرے گا۔

مسائل

۱۔ اہل حرم اور سب کو عرفات پہنچنا لازم ہے۔ ۲۔ مناسکِ حج اخلاص اور سنت کے مطابق ادا کرنے چاہییں۔

۳۔ مانگ کر حج کرنا جائز نہیں۔ ۴۔ حج میں تجارت کی جاسکتی ہے۔

۵۔ اللہ سے معافی مانگنی چاہیے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت رحیم ہے۔

حج کا مختصر طریقہ

میقات:

نبی اکرم ﷺ نے مکہ کے چاروں جانب سمندر میں میقات مقرر فرمائے ہیں:

۱۔ **یلملم** (سعدیہ) یہ مکہ سے ۴۵ کلومیٹر کے فاصلے پر جنوبی ایشیاء کے ممالک: پاکستان، افغانستان، بھارت، بنگلہ دیش اور چین وغیرہ کا میقات ہے۔

۲۔ **قرنِ منازل:** مکہ سے عرفات کی طرف ۹۴ کلومیٹر پر اہل نجد اور دوسرے ممالک کے لیے ہے۔

۳۔ **جحفہ:** مکہ سے شمال مغرب کی طرف ۱۸۷ کلومیٹر کے فاصلے پر شام اور مصر وغیرہ کے لیے ہے۔

۴۔ **ذوالحلیفہ:** مکہ معظمہ سے مدینہ کی طرف ۴۵۰ کلومیٹر پر ہے۔ یہ اہل مدینہ کے اس جانب رہنے والے لوگوں کا میقات ہے۔

۵۔ **ذاتِ عرق:** مکہ سے شمال مشرق کی طرف ۹۴ کلومیٹر دور ہے اسے ایران، عراق اور شمال مشرق کے ممالک

کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

احرام باندھنے کا طریقہ

حج یا عمرہ کرنے والے کو میقات پر پہنچ کر احرام باندھنا چاہیے۔ لیکن پاکستان کا میقات یلملم سمندر میں ہے۔ ہوائی جہاز میں احرام باندھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اس لیے اپنے گھر یا ایئرپورٹ سے احرام باندھ لیا جائے۔ اور احرام کی پابندیاں اور تلبیہ میقات پر پہنچ کر شروع کرنا ہوگا۔ احرام سے پہلے ضرورت ہو تو حجامت کروائے ورنہ غسل کے بعد خوشبو لگا کر احرام باندھنا چاہیے احرام کے دو نفل رسولِ کریم ﷺ سے ثابت نہیں کیونکہ جب آپ نے احرام باندھا تھا تو فرض نماز کا وقت تھا۔ اس لیے آپ نے مدینہ سے باہر میقات پر احرام کے بعد دو فرض ادا کیے تھے۔ تاہم احرام کے بعد اکثر علماء دو نفل جائز سمجھتے ہیں۔ آدمی دو سفید چادروں میں احرام باندھے ایک تہبند اور دوسری کو سر ننگا رکھتے ہوئے اوپر لے۔ دایاں کندھا صرف پہلے طواف کے پہلے تین چکروں میں ننگا رکھنا ہے۔ یہ پہلا طواف عمرہ کا ہو یا حج کا اس سے پہلے یا بعد میں کندھا ننگا رکھنا جائز نہیں۔ کچھ علماء نے جدہ میں پہنچ کر احرام باندھنے کی اجازت دی ہے جس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔

عورت کا احرام اور مخصوص ایام

عورت اپنے روایتی لباس میں ہی احرام کی نیت کرے گی تاہم اس کے ہاتھ اور چہرہ ننگا ہونا چاہیے۔ مرد ہو یا عورت اسے ایسا جوتا پہننا چاہیے جو ٹخنوں سے نیچے ہو۔ عورت کو غیر محرم کے سامنے آنے پر چہرہ ڈھانپنا چاہیے۔ لیکن نقاب چہرے سے ہٹا ہونا چاہیے۔ اگر عورت کو مخصوص حالت پیش آجائے تو احرام باندھ کر نماز پڑھے بغیر حج کے مناسک ادا کرے۔ اگر یہی حالت رہے تو بیت اللہ کا طواف بھی بعد میں کرنا ہوگا۔ بعض ملکوں میں قومی شناخت کے طور پر عورت کو خصوصی احرام کا پابند کیا گیا ہے یہ پابندی شریعت میں موجود نہیں۔

احرام میں جائز اور ناجائز کام

✱۔ احرام سے پہلے غسل اور خوشبو لگانا سنت ہے۔ ✱۔ احرام باندھ لینے کے بعد خوشبو لگانا جائز نہیں۔ ✱۔ مرد کا احرام دو سفید چادریں ہیں۔ ✱۔ عورت جس رنگ کا چاہے لباس پہن سکتی ہے مگر شوخ نہ ہو۔ ✱۔ مرد کا سر، چہرہ، ہاتھ اور پاؤں ننگے ہونے چاہئیں۔ ✱۔ عورت غیر محرم کے سامنے آنے پر چہرہ ڈھانپے گی۔ ✱۔ احرام میں چپل پہننے کا رواج پڑ گیا ہے ورنہ ایسا جوتا پہنا جا سکتا ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہو۔ ✱۔ احرام میں نہانا، احرام بدلنا یا دھونا جسم یا سر کو کھجلانا بالکل جائز ہے۔ ✱۔ احرام کی حالت میں مرد کو نفل یا فرض نماز میں سر ڈھانپنے پر دم دینا پڑے گا۔ ✱۔ جان بوجھ کر مکھی، چیونٹی حتیٰ کہ جوئیں تک مارنا ناجائز ہے۔ ایسے ہی مباشرت اور نکاح کرنا جائز نہیں۔ ✱۔ البتہ سانپ اور بچھو مارا جا سکتا ہے۔ ✱۔ احرام میں چھتری استعمال کی جا سکتی ہے۔

اقسامِ حج

۱۔ حجِ اَفراد:

صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے جس میں عمرہ شامل نہ ہو۔

۲۔ حجِ قِران:

جس میں یہ نیت ہو کہ حج اور عمرہ اکٹھے ادا کیے جائیں گے۔ یہ شخص عمرہ مکمل ہونے کے باوجود احرام نہیں اتار سکتا اسے عمرے والے احرام کے ساتھ ہی حج کرنا ہوگا۔ چاہے حج اور عمرے کے درمیان کتنے ہی دن کیوں نہ ہوں۔

۳۔ حجِ تَمَتُّع:

تمتع کا معنٰی ہے فائدہ اٹھانا۔ اس میں حج اور عمرہ اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھنے کے مقام (میقات) پر پہنچ کر یہ نیت کی جائے کہ میں صرف عمرہ کا احرام باندھ رہا ہوں۔ عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دوں گا۔ اب یہ شخص آٹھ ذوالحجہ کو دوبارہ مکہ میں جہاں رہ رہا ہے۔ وہاں سے ہی حج کے لیے احرام باندھے گا اسے میقات پر جانے کی ضرورت نہیں۔ حج تمتع اہل حرم کے لیے جائز نہیں۔

حج ایک نظر میں

۱۔ میقات پر احرام باندھنا اور تلبیہ کہنا۔

۲۔ ۸ ذوالحجہ کو منٰی پہنچنا۔

۳۔ ۹ ذوالحجہ کو عرفات میں قیام کرنا۔ اور ظہر، عصر اکٹھی پڑھنا اور قصر کرنا۔

۴۔ مغرب وعشاء مزدلفہ میں جمع کرنا اور قصر پڑھنا، رات گزارنا اور ۱۰ ذوالحجہ کی صبح طلوع آفتاب کے قریب منٰی روانہ ہونا۔

۵۔ ۱۰ ذوالحجہ کو کنکریاں مارنا قربانی کرنا، حجامت کروانا اور بیت اللہ کا طواف کر کے واپس منٰی پہنچنا۔

۶۔ ایّامِ تشریق میں کنکریاں مارنا۔ ۷۔ ایامِ تشریق کے دو یا تینوں دن منٰی میں گزارنا۔

مذکورہ ۱۰ ذوالحجہ کے مناسک کی ادائیگی میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں۔



فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ

پھر جب تم ادا کر چکو اپنے حج کے ارکان تو تم یاد کرو اللہ جیسی تمہاری یاد اپنے باپ دادا یا

اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا

اس سے بھی زیادہ یاد کرنا پس سے لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب دے ہمیں میں دنیا

وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ

اور نہیں اس کے لیے میں آخرت سے حصہ اور ان سے جو کہتا ہے ہمارے رب

اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

دے ہمیں میں دنیا بھلائی اور میں آخرت بھلائی اور ہمیں بچا عذاب آگ (دوزخ)

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

یہی لوگ ان کے لیے حصہ اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ جلدی کرنے والا حساب

النصف

''پھر جب تم ارکانِ حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (۲۰۰) اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھ۔ (۲۰۱) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔'' (۲۰۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حج کو عام اجتماع اور میلہ کا رنگ دینے کی بجائے اس میں عبادت اور ذکر واذکار کا ماحول ہونا چاہیے۔

کفار اور مشرکین نے حج کے مقدس اجتماع کو دنیا کے فائدے اور خود غرضی کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ یہاں تک کہ دعا کرتے ہوئے رب کے حضور دنیا ہی کے طلبگار ہوتے تھے۔ گویا کہ دین اور عبادت بھی ان کی نظروں میں دنیا ہی کے لیے تھی۔ جیسے آج کل بعض لوگ کسی کو کھانا کھلائیں تو فقط دعا اور نمائش کی خاطر، مسجد میں اعتکاف کریں تو صرف دنیا کے مصائب سے چھٹکارا پانے کے لیے، مساجد و مدارس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں تو نمائش اور شہرت کے لیے، حج دنیاوی مشکلات سے نجات پانے اور دولت کی نمائش کے لیے کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جب مصائب سے نجات پاتے ہیں تو نہ وہ زہد و تقویٰ رہتا ہے اور نہ ہی علماء کا احترام و اکرام بلکہ نماز اور روزے سے بھی غافل ہو جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں سورۂ حج آیت ۱۱ میں فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگ تو بس کنارے پر بیٹھ کر ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اگر انہیں فائدہ پہنچے تو مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اگر آزمائش میں مبتلا ہوں تو پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔ ان کو دنیا اور آخرت میں بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہاں بنیادی طور پر دو قسم کی

سوچ بیان کی جارہی ہے ایک ان لوگوں کی جن کے صبح وشام اور لیل ونہار دنیا ہی کے حصول کے لیے وقف ہیں۔ دنیا کے علاوہ ان کے احاطۂ خیال میں کوئی چیز نہیں آتی۔ انہیں دنیا تو اپنے حصہ کے مطابق مل جائے گی مگر آخرت میں وہ یکسر طور پر تہی دامن ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا ہوگا اور نہ ہی وہ آخرت کے طلب گار تھے۔ ان کے مقابلے میں ان لوگوں کی تعریف کی جارہی ہے جو دنیا میں رہ کر آخرت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ مومن اور دنیا دار کی سوچ کا فرق سمجھنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فرمان سے بہتر کسی امتی کا اس بات کے حوالے سے ارشاد نہیں ہوسکتا:

«إِحْرِزْ لِدُنْيَاكَ كَأَنَّكَ تَعِيشُ أَبَدًا وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ كَأَنَّكَ تَمُوتُ غَدًا» (مسند الحارث زوائد الهيثمي: باب كيف العمل للدنيا والآخرة [صحيح])

''دنیا اس طرح کماؤ گویا تو نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور آخرت کے لیے ایسے اعمال کرو جیسے تو نے کل فوت ہوجانا ہے۔''

یہی فرق ہے ایک کافر اور دنیا دار مومن کی جدوجہد کے درمیان۔ کیونکہ بے شمار کام ایسے ہیں جو کافر اور مومن کو فطری طور پر ایک جیسے کرنے پڑتے ہیں۔ جن کو سمجھنے کے لیے معمولی درجے کی چند مثالیں ذہن میں تازہ فرمائیں۔ کافر بھی کھانا کھاتا ہے اور مومن بھی کھانے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دنیا دار بھی کپڑے پہنتا ہے اور مسلمان کا بھی لباس کے بغیر گزارہ نہیں۔ ایمان سے تہی دامن انسان بھی سوتا ہے جب کہ ایمان دار کو بھی نیند پوری کرنا ہوتی ہے۔ لیکن ان کے کرنے کے انداز اور ان کے پیچھے کارفرما جذبات کا زمین وآسمان سے زیادہ فرق ہے۔ مومن کا سونا بھی عبادت ہے جب کہ کافر کی عبادت بھی خدا کے ہاں عبادت کا درجہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس کے پیچھے نہ ایمان ہوتا ہے اور نہ کرنے کا انداز سنتِ نبوی کے مطابق ہے۔ یہاں دونوں قسم کے لوگوں کو بتلایا گیا ہے کہ جو کمائے گا وہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ایک ایک لمحہ کا حساب لے گا۔ لہٰذا دعا کی صورت میں یہ فکر دی جارہی ہے کہ کامل اور بہتر سوچ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کو سنوارنے کے لیے نہ صرف بیک وقت بھرپور کوشش کی جائے بلکہ رب کے حضور دعا بھی ہونی چاہیے کہ ''اے ہمارے رب! ہماری دنیا بھی بہتر فرما اور آخرت بھی اور ہمیں جہنم کی ہولناکیوں سے محفوظ فرما۔'' رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگتے اور طواف کے دوران رکنِ یمانی سے لے کر حجرِ اسود تک اس دعا کا التزام کرتے تھے۔ (رواه البخاري، كتاب الحج)

مسائل

۱۔ مناسکِ حج پورے کرنے کے بعد منیٰ میں اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔

۲۔ دنیا دار لوگ آخرت کی بجائے صرف دنیا ہی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

۳۔ صرف دنیا کے طلب کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی طلب کرنا چاہیے۔

۵۔ ہمیشہ جہنم کے عذاب سے پناہ مانگنا چاہیے۔ ۶۔ اللہ سے بڑھ کر کوئی جلد حساب لینے والا نہیں۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ

اور تم یاد کرو اللہ میں دن (جمع) گنتی کیے ہوئے پھر جس نے جلدی کی میں

يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ

دو دن تو نہیں گناہ اس پر اور جو اس نے تاخیر کی تو نہیں گناہ اس پر

لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۲۰۳

اسکے لیے جو ڈرا اور تم ڈرو اللہ اور جان لو بیشک تم اس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے

''اور اللہ تعالیٰ کو گنتی کے ایام تشریق میں یاد کرو۔ جو جلدی کرے دو دن میں اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے اس ڈرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔'' (۲۰۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

کفار نے منیٰ کو تفریح کا میدان اور اس کے اجتماع کو ایک اجتماع عام کا رنگ دے کر تفاخر کا ذریعہ بنالیا تھا۔ شاعر اپنا اپنا کلام پیش کرتے جس میں عشق و عاشقی کی داستانیں اور اپنے آباء و اجداد کے کارناموں کو اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کرتے جس میں دوسرے قبائل کی توہین پائی جاتی۔ بسا اوقات لوگوں میں تصادم کی صورت پیدا ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے چند دن کا لفظ استعمال فرما کر یہ احساس دلایا ہے کہ ان قیمتی ایام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔ تم نے انہیں بھی فخر و غرور کا ذریعہ بنالیا ہے۔ حالانکہ تمہیں اپنے رب کا شکر گزار اور اسے کثرت کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ جس کی توفیق سے تمہیں حج کی سعادت اور اس کے گھر کی حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ یہاں اس فکری اختلاف کو بھی ختم کر دیا گیا ہے جو منیٰ میں قیام کے بارے میں پایا جاتا تھا۔ کچھ لوگ دو کی بجائے تین دن ٹھہرنا ضروری سمجھتے تھے اور وہ منیٰ میں دو دن قیام کرنے والوں سے مجادلہ اور تکرار کرتے کہ ہم تم سے بہتر ہیں۔ اس طرح دو یوم قیام کرنے والے تین دن ٹھہرنے کو بُرا سمجھتے۔ یہاں یہ اختیار دیا جا رہا ہے کہ تم چاہو تو تین دن ٹھہرو نہیں تو دو دن۔ دونوں میں سے کوئی ایک مدت ٹھہرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ اجر تو اس شخص کے لیے ہے جو فخر و غرور اور دنیاوی رسومات سے پرہیز کرتا ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پایا جاتا ہے۔ یاد رکھو جس طرح تم یہاں اکٹھے ہوئے ہو ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جب تمام کے تمام ربِ کبریا کی عدالت میں دست بستہ جمع کیے جاؤ گے۔ وہاں تقویٰ اور رب کی یاد ہی کام آئے گی۔ ایام تشریق کے بارہ میں دو اقوال ہیں۔ ① لوگ قربانیوں کا گوشت ان دنوں کی دھوپ میں خشک کیا کرتے تھے۔ ② قربانی کے دن کی نماز کی وجہ سے ان کو ایامِ تشریق کہا جاتا ہے اور یہ قربانی کے دن کے بعد آتے ہیں۔ (تہذیب اللغۃ: باب القاف والشین)

مسائل

۱۔ ایامِ تشریق میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ ۲۔ منیٰ میں دو یا تین دن ٹھہرنا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے وہ سب کو اکٹھا کرنے والا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ

اور جو لوگ جو تجھے تعجب میں ڈالتی ہے اس کی بات میں زندگی دنیا اور وہ گواہ بناتا ہے اللہ

عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ

پر جو میں اس کے دل حالانکہ وہ سخت جھگڑالو اور جب وہ پیٹھ پھیر کوشش کرتا میں زمین تاکہ فساد کرے

فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ

اس میں اور تباہ کرے کھیتی اور نسل اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد اور جب کہا جاتا ہے

لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ

اس کو تو ڈر اللہ آمادہ کرتا ہے تکبر گناہ پر تو کافی ہے اس کو جہنم اور یقیناً برا ٹھکانا اور کچھ

النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

لوگ جو بیچ ڈالتا ہے اپنی جان حاصل کرنے کیلئے رضامندی اللہ اور اللہ بہت زیادہ مہربان اپنے بندوں پر

''بعض لوگوں کی دنیاوی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ دراصل وہ پرلے درجے کا جھگڑالو ہے۔ (۲۰۴) اور جب اسے اقتدار ملتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے، کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (۲۰۵) اور جب اسے اللہ سے ڈرنے کیلئے کہا جائے تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے بس جہنم ہی کافی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے۔ (۲۰۶) اور کچھ لوگ جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کھپا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔'' (۲۰۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے دو قسم کی سوچ اور فکر کے درمیان فرق بیان ہوا تھا اب مخلص اور غیر مخلص، مصلح اور فساد کرنے والے کے درمیان فرق بتلایا گیا ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کیونکہ جب تک انسان اللہ کی ذات اور اس کے احکام کو یاد نہیں کرتا وہ دنگہ فساد سے پرہیز نہیں کرتا۔

منیٰ میں قیام اور ایامِ تشریق کا مسئلہ بیان کرنے سے پہلے لوگوں کی دو قسم پر مبنی سوچ کا ذکر ہو رہا تھا۔ اب دو کرداروں کو بیان کیا جا رہا ہے، پہلا کردار دنیا پرست کا ہے جس کے قول و فعل میں اس قدر تضاد ہوتا ہے کہ اس کی زبان میٹھی ہے اور وہ اپنے کردار کی کھوٹ اور نیت کی چوری کو چھپانے کے لیے ہر بات پر اللہ تعالیٰ کے مقدس نام کو استعمال کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا کسی سے الجھاؤ ہو جائے تو وہ پرلے درجے کا جھگڑالو ثابت ہوتا ہے اور جب بھی اسے وسائل اور کچھ اختیار حاصل ہوتا ہے تو اس کی پالیسیاں اور کردار لوگوں کے لیے تباہ کن اور آئندہ نسلوں کے لیے مہلک ثابت ہوتا ہے۔ اس شخص کو جب اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی غلطی کا احساس دلایا جائے تو اصلاح کی بجائے اسے اپنی توہین تصور کرتا ہے۔ ایسے شخص کے فکر و عمل میں خیر کی تبدیلی آنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔

یہ گناہ چھوڑنے اور اپنی اصلاح کرنے کی بجائے دنگا فساد کرنے پر اتر آتا ہے۔ اس کے جھوٹے وقار اور تکبر کے خاتمہ کے لیے جہنم کی سزا ہی ہوسکتی ہے۔ اس کا ٹھکانہ دنیا کے بجائے جہنم ہی ہونا چاہیے۔ جس میں اس کے فکر و عمل کی ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔ رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب فاسق و فاجر شخص دنیا سے کوچ کرتا ہے تو روئے زمین پر تمام مخلوق اس کے جانے پر خوشی کا اظہار کرتی ہے یہاں تک کہ زمین اسے دبوچ کر اپنا بوجھ ہلکا کرتی ہے۔ (رواہ البخاری: باب سکرات الموت)

مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں اَخنس بن شریک منافق کے کردار کی نشاندہی کی ہے جو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتا تو چکنی چپڑی باتیں کرتے ہوئے اسلام کی تائید کرتا جب اپنے ساتھیوں میں جاتا تو آپ ﷺ اور اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے دوسروں کو سازشوں کے لیے آمادہ کرتا تھا۔ اس کے برعکس ایک مومن کا کردار یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ گفتار کی بجائے کردار کا غازی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ صرف اپنی انا کی قربانی دیتا ہے بلکہ وقت آنے پر سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت ابویحییٰ صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ جب وہ مدینہ طیبہ کے لیے نکلے ابھی مکہ معظمہ سے تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ کفار نے انہیں آگھیرا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں تم سے بہتر تیر انداز ہوں اور میرا نشانہ کم ہی خطا ہوا کرتا ہے۔ اگر میری طرف بڑھو گے تو میں تمہیں ایک ایک کر کے نشانہ بناؤں گا۔ جب میرے ترکش سے تیر ختم ہو جائیں گے تو تلوار سے مقابلہ ہوگا۔ لہٰذا میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش نہ کرو۔ اگر تم مال لے کر میرا پیچھا چھوڑنا چاہو تو میرا اتنا سرمایہ میرے مکان کے فلاں کونے میں دفن ہے۔ تم جا کر اسے حاصل کر سکتے ہو۔ کفار خزانے کے لالچ میں واپس پلٹے اور جناب صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے مدینہ پہنچنے پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں ایثار و قربانی سے بھرپور کردار کی تعریف کے ساتھ یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے کردار کے لوگوں کے ساتھ نہایت ہی شفقت فرماتا ہے۔ (مسند الحارث: باب الهجرة الى المدينة [صحيح])

مسائل

۱۔ چکنی چپڑی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ۲۔ جھوٹی بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانا بڑا گناہ ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ ۴۔ گناہ کو عزت کا باعث سمجھنا جہنم کو ٹھکانہ بنانا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مال و جان قربان کر دینا چاہئے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نہایت ہی مشفق و مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے:

۱۔ اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ (یوسف: ۲۲) (الکہف: ۵۸)
۲۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۸) (المومنون: ۱۰۹)
۳۔ اللہ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (التوبۃ: ۹۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

اے لوگو جو ایمان لائے داخل ہو جاؤ میں اسلام پورے پورے اور نہ تم پیروی کرو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ

قدم (جمع) شیطان بیشک وہ تمہارا دشمن کھلا پھر اگر تم پھسل گئے سے

بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

بعد جو تمہارے پاس آئے واضح احکام تو جان لو بے شک اللہ بڑا غالب بہت حکمت والا

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ

کیا وہ انتظار کرتے ہیں سوائے یہ کہ آئے ان کے پاس اللہ میں سائے سے

الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع ۲۵ ۱۲ ۹

بادل (جمع) اور فرشتے اور فیصلہ کر دیا جائے معاملہ اور طرف اللہ لوٹائے جاتے ہیں تمام معاملات

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۲۰۸) اگر تم واضح دلائل آ جانے کے باوجود پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔ (۲۰۹) کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ اور فرشتے بادلوں کے سائے میں آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔'' (۲۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین اور سب لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی سوچ اور کردار کو کلی طور پر دائرہ اسلام میں داخل کرو یہی سلامتی کا راستہ اور شیطان کی پیروی سے محفوظ رہنے کا طریقہ ہے۔ اس کے سوا گمراہی ہے۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے معاً بعد مسلمان ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک مجلس میں ان خیالات کا اظہار کیا کہ کیا حرج ہے اگر ہم ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں اور اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیں؟ اس طرح ہمارے اور یہودیوں کے درمیان مفاہمت کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ اس صورتِ حال پر یہ حکم نازل ہوا کہ اے مسلمانو! لوگوں کے دباؤ یا مفاہمت کے جذبہ کی خاطر باطل نظریات کی پاسداری کرنے کی بجائے دینِ اسلام میں کامل اور مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔ یہ تمہاری زندگی کے تمام تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور اور تمہارے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ لہٰذا تمہاری معاشرت، معیشت، سیاست، جلوت و خلوت اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ماحول اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر تم اسلام میں داخل ہو کر من مرضی اور خود غرضی کا مظاہرہ کرو اور اسلام کے ساتھ باطل نظریات کی پیوند کاری کا سوچو گے تو یہ اللہ کی تابعداری نہیں بلکہ شیطان کی اتباع تصور ہو گی۔ شیطان تمہارا ابدی، ازلی اور کھلا

دشمن ہے۔ ایسے دشمن سے خیر کی توقع رکھنے والا کبھی خیر نہیں پا سکتا۔ تمہاری ہر قسم کی سلامتی اور دنیا و آخرت کی بھلائی اسلام میں مضمر ہے۔ کیونکہ اسلام کا نام اور پیغام ہر قسم کی سلامتی کا ضامن ہے۔ اگر تم واضح ہدایات کے باوجود سلامتی کے راستے سے ہٹ گئے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنی قوت اور طاقت کے ذریعے منکروں کو حلقۂ اسلام میں داخل کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے ہر کام میں حکمت اور دانائی پنہاں ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ ہدایت کا معاملہ جبر کی بجائے لوگوں کے فہم و شعور اور مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ جن لوگوں کو تم راضی کرنے کے درپے ہو ان کے پاس ہر قسم کے دلائل آ چکے ہیں۔ اب تو یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود ملائکہ کا لشکر لے کر بادلوں کے سایہ میں ان کے سامنے جلوہ گر ہو اور انہیں اسلام کی دعوت دے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کسی کام کے فیصلے کے لیے بھیجتے ہیں تو پھر نہ اس میں تاخیر ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے فیصلے کے سامنے کوئی دم مار سکتا ہے۔ قومِ نوح، قومِ لوط اور قومِ عاد و ثمود کی بستیاں اور علاقے زبانِ حال سے بول بول کر اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں کہ اللہ کی نافرمانی کرنے والو! ہمیں نگاہِ عبرت سے دیکھو کہ ہمارا انجام کیا ہوا؟ ایسے لوگوں کو جلد بازی کے بجائے انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور اختیار سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ بالآخر سب کچھ اسی کے حضور پیش ہونے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اسلام میں کامل طور پر داخل ہونا چاہیے۔ ۲۔ اسلام سے باہر اٹھنے والا قدم شیطان کی اتباع تصور ہوگا۔
۳۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ غالب اور اس کے کاموں میں حکمت پنہاں ہوتی ہے۔
۵۔ ہدایت کے بعد گمراہ ہونے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ۶۔ ملائکہ اللہ کے حکم کے مطابق کاروائی کرتے ہیں۔
۷۔ فیصلے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور سب کچھ اسکے حضور پیش ہونے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی مختارِ کل ہے:

۱۔ ہر کام اللہ کے سپرد کرنا چاہیے۔ (البقرۃ:۲۱۰) ۲۔ ہر کام کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔ (الحج:۴۱)
۳۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (البروج:۱۶) ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ:۲۰)
۵۔ نبی ﷺ کسی پر عذاب نازل کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ (آلِ عمران:۱۲۸)
۶۔ رسول اللہ ﷺ کو منافقین کے لیے دُعا اور ان کی قبروں پر جانے سے روک دیا گیا۔ (التوبۃ:۸۴)
۷۔ نبی مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا مجاز نہیں۔ (التوبہ:۱۱۳)
۸۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی رضا کا پابند نہیں۔ (التوبہ:۹۶)
۹۔ رسول اللہ ﷺ نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ (الجن:۲۱) (القصص:۵۶)

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ

سوال کیجیے بنی اسرائیل کتنی ہم نے انہیں دیں سے نشانیاں واضح اور جو

يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ

بدل ڈالے نعمت اللہ سے بعد جو آ گئی اس کے پاس تو بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اللہ سخت عذاب خوبصورت بنادی گئی لوگوں کے لیے انہوں نے کفر کیا زندگی دنیا

وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

اور وہ مذاق کرتے ہیں سے وہ لوگ وہ ایمان لائے اور وہ لوگ وہ پرہیزگار ہوئے ان سے اعلیٰ قیامت کے دن

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۱۲

اور اللہ رزق دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے بے شمار

''بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی روشن نشانیاں عطا فرمائیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پانے کے بعد بدل دے تو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔(۲۱۱) کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوبصورت بنادی گئی ہے وہ ایمان والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں، حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔''(۲۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کے مطالبات کے بعد ان سے سوال کیا گیا کہ تم مزید معجزات اور دلائل کا مطالبہ کرتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے پہلے دلائل اور معجزات کا کیا جواب دیا ہے؟ دراصل تم دنیا پر فریفتہ ہونے کی وجہ سے حق سے جی چراتے ہو دنیا عارضی ہے اور آخرت ہمیشہ کے لیے ہے۔

مکہ والوں کے سامنے بے شمار حقائق اور دلائل واضح ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود وہ مزید براہین کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ ان کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اگر انہیں مزید دلائل کی ضرورت ہے تو بنی اسرائیل کے منصف مزاج لوگوں کو خاص کر ان میں جو مسلمان ہو چکے ہیں ان سے پوچھیں کہ جب ان کے آباء و اجداد کو لاتعداد نعمتوں سے نوازا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے ایک سے بڑھ کر ایک معجزات پیش کیے تو کیا اس کے بعد انہوں نے حق قبول کر لیا تھا؟ نہیں! بلکہ انہوں نے حق قبول کرنے کی بجائے نعمتوں کی ناقدری اور دین کو تبدیل کرنے کی مذموم کوششیں کیں، انہیں فرعون کے مظالم سے نجات ملی تو برسرِ اقتدار آ کر وہی ظلم روا رکھے، فرعون کے غرق ہونے کے بعد دریا عبور کر کے ابھی راستے ہی میں تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بتوں کے سامنے اعتکاف کرنے اور ان کی عبادت کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے تو بچھڑے کو معبود بنالیا، بیت المقدس میں فتح کی ضمانت ملنے کے باوجود داخلے سے انکار کر دیا، وادیٔ تیہ میں

چالیس سال کی سزا بھگتنے کے بعد جب بیت المقدس میں داخل ہوئے تو عاجزی اور استغفار کرنے کی بجائے ''حِطَّةٌ'' کو ''حِنْطَةٌ'' میں تبدیل کر کے اللہ سے بخشش مانگنے کی بجائے گندم کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ان نافرمانیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور دین کی شکل بگاڑنے کی کوشش کی۔ یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ کا حوالہ دے کر منافقوں، مشرکوں اور اہلِ کتاب کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری اور اس کو تبدیل کرے گا، دنیا میں رسوائی اور آخرت میں اس کے لیے بربادی ہوگی۔ یہاں نعمت سے مراد دینِ حق کی نعمت ہے۔ دینِ حق کی بے حرمتی اور ناقدری کے بنیادی اسباب میں سب سے بڑا سبب دنیا کی زیب و زینت پر فریفتہ ہونا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا سب کے لیے حسین اور پرکشش ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ مومن نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے اور بے دین انسان اسی پر قانع ہو کر اپنی آخرت تباہ کر لیتا ہے۔ مومن ایمان کی دولت کے بدلے دنیا کی دولت کو ترجیح نہیں دیتا، چاہے دنیا کی نظر میں اسے کروڑوں کا نقصان برداشت کرنا پڑے اور اپنے ہم عصروں اور برادری سے کتنا ہی پیچھے رہنا پڑے۔ کافر دنیا کی زیب و زینت پر نظر جمائے ہوتا ہے۔ وہ چند مڑیوں کی خاطر ایمان اور جاہ و حشمت کے لیے اپنی غیرت و ضمیر کا سودا کرنے سے باز نہیں آتا۔ ایسے دنیا پرست کی نظر میں مومن کا کردار کس طرح معیاری اور قابلِ رشک ہو سکتا ہے؟ اسی بنا پر وہ مومنوں کو بے وقوفی کا طعنہ دیتے اور تمسخر کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم ان احمقوں اور رذیلوں کی پیروی کریں؟ کیا یہی لوگ انقلاب برپا کریں گے؟ اس فرمان میں واضح کیا جا رہا ہے کہ ایمان کے بغیر دنیا کی نعمتوں اور برتری کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہاں تو ایمان کی نعمت اور خوفِ الٰہی کی دولت ہی کام آئے گی۔ اسی کی بدولت مومن آخرت میں کفار سے ممتاز اور بلند و بالا ہوں گے۔ دنیا میں مومن پر حرام کمانے اور کھانے کی پابندی تھی۔ جس کی وجہ سے کفار اور حرام خور لوگ مومنوں سے دنیاوی ترقی میں آگے نکل گئے لیکن قیامت میں مومنوں کو بے انتہا رفعت و عظمت اور بے حساب رزق سے نوازا جائے گا اور منکرین کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مسائل

۱۔ دین کو تبدیل کرنے والا سخت عذاب پائے گا۔ ۲۔ کفار کے لیے دنیا دلفریب بنا دی گئی ہے۔
۳۔ صاحبِ تقویٰ ایمان دار قیامت کے دن کافروں سے بلند ہوں گے۔
۴۔ رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جتنا اور جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلنے کی سزا:

۱۔ نعمت تبدیل کرنے والے کو سخت ترین عذاب ہوگا۔ (البقرۃ:۲۱۱)
۲۔ نعمت تبدیل کرنے والا دنیا و آخرت میں ذلیل ہوگا۔ (البقرۃ:۶۱)
۳۔ دین اسلام کے سوا دوسرا دین تلاش کرنے والے سے دوسرا دین قبول نہ ہوگا۔ (آلِ عمران:۸۵)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ

تھے لوگ امت ایک پھر بھیجے اللہ نبی (جمع) خوشخبری دینے والے

وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

اور ڈرانے والے اور اس نے نازل کی انکے ساتھ کتاب حق کیساتھ تاکہ وہ فیصلہ کریں درمیان لوگ

فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

جس میں انہوں نے اختلاف کیا اس میں اور نہیں اختلاف کیا اس میں مگر جو لوگ

اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ

وہ دیے گئے اسے سے بعد جو آئے ان کے پاس واضح حکم ضد آپس میں

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ

پس ہدایت دی اللہ نے جو لوگ ایمان لائے اس لیے کہ انہوں نے اختلاف کیا اس میں سے حق

بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اپنے اذن سے اور اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے طرف راستہ سیدھا

''لوگ (شروع میں) ایک ہی امت تھے (پھر ان میں اختلافات ظاہر ہوئے)۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے اختلافی امر کا فیصلہ کیا جائے۔ اس سے ان لوگوں نے صرف باہمی ضد کی وجہ سے اختلاف کیا جن کے پاس پہلے سے دلائل پہنچ چکے تھے۔ لیکن اللہ نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔'' (۲۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیاوی فوائد، سماجی، سیاسی، اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے امت کی وحدت ختم ہوگئی۔ وحدت اور دینِ حق کے احیاء کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث فرمائے۔ لوگوں نے ان سے بھی اختلاف کیا حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام اختلافات مٹانے کے لیے آئے تھے۔

قرآن وحدیث کے علم سے بے بہرہ دین کے دشمن مستشرقین اور نام نہاد دانش مندوں نے کئی نسلوں سے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ انسان تخلیقی طور پر تاریکی اور شرک کے ماحول میں پیدا ہوا ہے۔ اسی لیے انسان نے نسل در نسل ارتقاء کے بعد آہستہ آہستہ اپنے خالق کو پہچانا ہے۔ یہ باطل نظریات انگلش لٹریچر میں منظم طریقے کے ساتھ پھیلائے گئے ہیں اسی نظریے کی بنیاد پر عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ انسان تخلیقی طور پر گناہگار پیدا ہوا ہے۔ قرآنِ مجید ایسے نظریے

اور معلومات کی نفی کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ انسان اپنی تخلیق کے وقت ہی توحید کے تصور سے اس قدر آشنا ہو چکا تھا کہ اسے اپنے خالق کا اعتراف کرتے ہوئے ذرّہ برابر بھی تامّل نہ ہوا۔ اس گرہ کشائی کے لیے سورۃ الاعراف: آیت ۱۷۲ تا ۱۷۴ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ یا یوں کہو کہ پہلے شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل ہوئے، سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر تو ہم کو ہلاکت میں ڈال دے گا؟ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں تاکہ وہ باز آجائیں۔''

یہاں اسی نقطہ کی وضاحت کی جارہی ہے کہ انسان فطری اور بنیادی طور پر ایک نظریے کے حامل ہونے کی بنا پر ایک ہی جماعت تھے اور ان کی فطرت میں دین اسلام سمو دیا گیا ہے۔ لیکن بعد ازاں وہ توحید کے نظریے سے دور ہوئے اور ان کی وحدت بھی پارہ پارہ ہوتی چلی گئی۔ رسولِ محترم ﷺ نے اپنے مخصوص الفاظ میں انسانی فطرت کی اس طرح ترجمانی فرمائی ہے:

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ أَوْ يُنَصِّرَانِهٖ أَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَثَلِ الْبَهِيْمَةِ تُنْتِجُ الْبَهِيْمَةَ هَلْ تَرٰى فِيْهَا جَدْعَاءَ»

(رواہ البخاری: کتاب الجنائز' باب ماقیل فی أولاد المشرکین)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، یا عیسائی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ چوپائے کی طرح جب جانور جنم لیتا ہے تو کیا تم اس میں کوئی کان کٹا ہوا پاتے ہو؟''

چنانچہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات تک پوری انسانیت نظریۂ توحید پر قائم رہتے ہوئے ایک جماعت اور کنبے کے طور پر زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے قبل لوگوں میں پہلی دفعہ شرک پھیلنے لگا۔ شرک کے پھیلاؤ کے ساتھ ہی لوگ ایک دوسرے سے دور اور منتشر ہوتے چلے گئے کیونکہ توحید وحدت کا سبق دیتی ہے اور شرک انتشار کا سبب ہوتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور انہیں یکجا رکھنے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سلسلۂ نبوت جاری فرمایا۔ ان میں سے کئی انبیاء کو ضخیم کتابیں اور کچھ نبیوں کو صحائف اور باقی کو ایک دوسرے کی تائید کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ وہ پیش آمدہ مسائل اور اختلافات میں لوگوں کو حق اور سچ کی طرف بلائیں اور ان کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ اختلاف پیدا کرنے میں پیش پیش رہے جن کے پاس پہلے سے آسمانی ہدایت اور دلائل آچکے تھے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی بنیادی وجہ حسد و بغض، اور ایک دوسرے پر مذہبی، معاشی، سیاسی اور شخصی بالادستی حاصل کرنے کی کوشش تھی۔ جسے ''بَغْيًا بَيْنَهُمْ'' سے تعبیر کیا گیا۔ ایسے نام نہاد تعلیم یافتہ لوگوں نے اختلافات کو اس قدر ہوا دی کہ جس میں حقیقت کو پہچاننا عام انسان کے لیے مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا گیا۔

تاہم وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر دور میں ہدایت پاتے رہے جنہوں نے اخلاصِ نیّت کے ساتھ ہدایت کی جستجو کی۔ قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں مبتلا کرتا ہے۔ ان الفاظ کا یہ معنیٰ لیا جائے جو حیلہ ساز لوگ لیتے ہیں کہ ہدایت اور گمراہی اللہ کے اختیار میں ہے تو ہدایت نہ پانے میں ہمارا کیا قصور ہے؟ ایسے لوگوں کی بات تسلیم کر لی جائے تو انبیاء کی تشریف آوری، ان کی لازوال جدوجہد اور قیامت کے دن جزاء وسزا کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے عقیدہ کے اُس بنیادی اصول کو سامنے رکھیے جس میں انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے۔ اسی طرح ہدایت اور گمراہی بھی اللہ کی مِلک اور اس کے اختیار میں ہے۔ کائنات میں سب سے گراں قدر نعمت ہدایت ہے۔ یہ انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو اس کے طالب اور متلاشی ہوا کرتے ہیں۔ جو ہدایت سے انحراف کرتے ہیں ان کے لیے گمراہی کا راستہ آسان ہوتا ہے۔ اس مفہوم کو قرآنِ مجید {يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ} (النحل: ۹۳) ''کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت سے سرفراز فرمائے۔'' کے الفاظ سے بیان کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ ہر انسان فطرتِ سلیم اور عقیدۂ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔
۲۔ حق پہنچانے اور اختلافات مٹانے کے لیے انبیاء مبعوث ہوئے۔
۳۔ اختلافات کی بنیادی وجہ توحید سے بغاوت اور ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنا ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کی رہنمائی کرتا ہے۔ ۵۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبوت کے مقاصد:

۱۔ بعثتِ انبیاء کے مرکزی مقاصد۔ (البقرہ: ۲۱۳، المزمل: ۱۵، الجمعہ: ۲)
۲۔ انبیاء لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتے ہیں۔ (ابراہیم: ۱، ۵)
۳۔ انبیاء کا مقصد لوگوں میں عدل وانصاف قائم کرنا۔ (النساء: ۱۰۵)
۴۔ نبی کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ (ص: ۲۶)
۵۔ رسول (ﷺ) حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (المائدۃ: ۴۲)
۶۔ رسول (ﷺ) شاہد اور مبشر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ (الاحزاب: ۴۵)
۷۔ رسول (ﷺ) رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیے گئے۔ (الانبیاء: ۱۰۷)
۸۔ رسول (ﷺ) شفیق ومہربان بنائے گئے ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۵۹)

اَمْ	حَسِبْتُمْ	اَنْ	تَدْخُلُوا	الْجَنَّةَ	وَلَمَّا	يَاْتِكُمْ	مَّثَلُ
کیا	تم نے خیال کیا	یہ کہ	تم داخل ہو جاؤ گے	جنت	اور ابھی تک نہیں	آئی تمہیں	مثال
الَّذِيْنَ	خَلَوْا	مِنْ	قَبْلِكُمْ ؕ	مَسَّتْهُمُ	الْبَاْسَآءُ	وَالضَّرَّآءُ
جو لوگ	گزرے	سے	تم سے پہلے	پہنچی انہیں	سختی	اور تکلیف
وَزُلْزِلُوْا	حَتّٰى	يَقُوْلَ	الرَّسُوْلُ	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	مَعَهٗ	مَتٰى
اور وہ ہلا دیئے گئے	یہاں تک کہ	کہنے لگا	رسول	اور وہ لوگ	وہ ایمان لائے	اس کے ساتھ	کب
نَصْرُ اللّٰهِ ؕ	اَلَآ	اِنَّ	نَصْرَ	اللّٰهِ	قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾	
اللہ کی مدد	آگاہ رہو	بیشک	مدد	اللہ	قریب	

''کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ تم جنت میں ایسے ہی داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات وارد نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں تنگیاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ جھنجھوڑ دیے گئے حتی کہ رسول اور اس پر ایمان لانے والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو اللہ کی مدد قریب ہے۔'' (۲۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومن دنیا کی لذات اور باہمی اختلافات سے بچنے کے لیے اکثر اوقات نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس سے انہیں تسلی دی جارہی ہے کہ جنت کی بیش بہا نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا پانے کے لیے یہ نقصان اٹھانا ہی پڑے گا۔ اس کے لیے اپنے سے پہلے ایمان والوں کا کردار سامنے رکھو کہ انہوں نے کیا کچھ برداشت نہیں کیا تب جا کر اللہ تعالیٰ کی مدد کے مستحق قرار پائے۔

مکہ میں مسلمانوں کا ہر طرف سے حلقۂ حیات تنگ کر دیا گیا، معاشی بائیکاٹ اور کمزوروں کو ہر قسم کے مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ یہاں تک کہ معصوم خواتین پر جور و استبداد سرِ عام ہو رہا تھا۔ ان حالات میں مجبوروں اور مظلوموں کے دلوں کا غم سے چور چور ہونا اور ان کا رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں فریاد کرنا ایک فطری عمل تھا۔ جب آپ کے حضور یہ رودادِ غم پیش کی جارہی تھی تو آپ بیت اللہ کے ساتھ ٹیک چھوڑ کر سیدھے بیٹھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے ساتھیو! کیا تم ابھی سے حوصلہ پست کر بیٹھے ہو؟ جب کہ ہم سے پہلے ایمان داروں پر اس قدر ظلم کیے گئے کہ انہیں آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جسم تار تار کر دیے گئے لیکن پھر بھی وہ دینِ حق پر قائم رہے۔ (رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب مالقی النبی ﷺ وأصحابه من المشرکین بمکة) اس پسِ منظر کے ساتھ مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ کیا تم امتحانات سے گزرے اور آزمائشوں میں مبتلا ہوئے بغیر نعمتوں اور عزتوں سے بھرپور جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جتنی منزل اہم اور مقصد عظیم ہوتا ہے اس کے لیے اتنی ہی جدوجہد اور قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ کیا تم نے پہلے لوگوں کی بے پناہ مشکلات اور لازوال جدوجہد پر غور نہیں کیا کہ جب ان کو جنگ و جدل، غربت و افلاس اور

امتحانات ومشکلات کے ساتھ اس قدر آزمایا گیا کہ ان کے عزم واستقلال سے بھرپور قدم بھی ڈگمگانے لگے۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ وقت کا رسول اور اس کے عظیم ساتھی شدتِ غم سے بہ تقاضائے بشریت بے ساختہ پکار اٹھے کہ اے اللہ تعالیٰ تیری مدد کب آئے گی؟ جونہی وہ کربناک حالات میں سرخرو ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دامنِ رحمت میں لیتے ہوئے تشفی دی کہ یقین رکھو! گھبراؤ نہیں میری رحمت تمہارے سروں پر سایہ فگن ہو چکی ہے۔اس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے متبعین کے لیے تسلی کا پیغام ہے کہ اے نبی! آپ عظیم ترین انسان اور رسول ہیں آپ کی امت بھی امتوں میں عظیم تر ہے۔تمہیں اپنے قدموں میں کمزوری لانے کی بجائے مضبوط اور بھرپور طریقے کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔تمہاری بے مثال جدوجہد تمہارے رب کے سامنے ہے۔وہ قادرِ مطلق تمہاری اس طرح مدد فرمائے گا کہ تمہارا نام اور کام ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔چنانچہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ آپ ﷺ پر اللہ کی رحمت ونصرت اس طرح نازل ہوئی کہ مکہ اور جزیرہ نمائے عرب ہی نہیں بلکہ قیصر وکسریٰ بھی آپ کے سامنے سرنگوں ہوئے اور قرآنِ مجید میں بارہا یہ اعلان ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہوا اور وہ اپنے رب پہ راضی ہو گئے۔

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب حجبت النار بالشہوات)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ کو شہوات سے اور جنت کو مشکلات سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔''

«عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِیْ اَوْفٰی رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: وَاعْلَمُوْا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ»

(رواہ البخاری: کتاب الجہاد والسیر، باب الجنة تحت بارقة السیوف)

''عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جان لو! یقیناً جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔''

مسائل

۱۔ جنت آزمائشوں کے بغیر نہیں ملتی۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ حق پر قائم رہنے والے کی ضرور مدد کرتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ بندے کے قریب ہوا کرتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

آزمائش شرط ہے:

۱۔ جنت میں داخلہ کے لیے آزمائش شرط ہے۔(العنکبوت:۲) ۲۔فاقوں سے آزمائش۔(البقرۃ:۱۵۵)
۳۔ پہلے لوگوں کو بھی آزمایا گیا اور تمہیں بھی آزمایا جائے گا۔(العنکبوت:۳)
۴۔ ڈر سے آزمائش۔(البقرۃ:۱۵۵) ۵۔ مال وجان کی کمی کے ساتھ آزمائش ہوگی۔(البقرۃ:۱۵۵)

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۙ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا وہ خرچ کریں آپ فرمادیں جو کچھ تم خرچ کرو سے مال سو ماں باپ کے لیے

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا

اور قرابت داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافر اور جو تم کرو گے

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

سے نیکی تو بیشک اللہ اسکو جاننے والا

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیں جو مال تم خرچ کرو ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اور تم جو بھی نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔'' (۲۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سوال کا جواب یہاں اس لیے دیا گیا ہے کہ لوگو! مشکلات اور مصائب میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ کیونکہ صدقہ ردِ بلا ہوتا ہے۔ اللہ کی رضا کے طالب عسر و یسر میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ مومنوں کی صفت ہے۔

یہاں پے در پے چھ سوالات کے جواب دیئے جا رہے ہیں۔ جب کہ دو سوالوں کے جواب دعا اور چاند کے متعلق دیئے جا چکے ہیں۔ قرآنِ مجید نے زیادہ سوالات کرنے کی حوصلہ شکنی کی ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ ضرورت کے تحت بھی سوال نہ کیا جائے۔ بعض سوال اس قدر ناگزیر ہوتے ہیں جن کے بغیر سامعین حقیقتِ حال کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے۔ لہٰذا جائز سوال کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کا تفصیل کے ساتھ جواب دیتے ہوئے ضمنی وضاحتیں بھی کر دی گئیں۔ چنانچہ آیت ۲۱۵ سے ۲۲۳ تک یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ کیا خرچ کریں؟ فرمایا: اپنے مال سے خرچ کرو۔ یہاں مال کو خیر قرار دیتے ہوئے فرمایا تم جو بھی کرو گے اللہ تعالیٰ اسے اچھی طرح جانتا ہے پھر اس کی مدات کی تفصیل پیش فرمائی کہ سب سے پہلے والدین کی خدمت، دلجوئی اور ان کے ساتھ احسان سے پیش آیا جائے۔ کیونکہ ہر والدین حسبِ استطاعت پہلے اپنی اولاد پر خرچ کرتے ہیں لہٰذا جب اولاد اس قابل ہو تو انہیں بھی والدین کو اولیت دینی چاہیے۔ ان کے بعد مستحق رشتہ داروں کی باری آتی ہے۔ پھر معاشرہ کے نہایت ہی پسماندہ طبقہ یتیموں کا حق ہے اور ان کے بعد مساکین اور غریب الوطن لوگوں کا استحقاق بنتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ سے اس ضمن میں سوال ہوا تو ارشاد فرمایا: والدین میں ماں کی خدمت کیجیے! تین دفعہ یہی ارشاد فرمانے کے بعد والد کا نام لیا اور پھر فرمایا کہ ((ثم الاقرب فالأقرب)) [رواہ أبو داؤد: کتاب الأدب، باب فی بر الوالدین [صحیح]] ''پھر جو ان کے قریبی رشتہ دار ہیں۔'' یہ ترتیب ایسی ہے جس کے لیے بڑے بڑے رجسٹروں اور دفاتر کی ضرورت نہیں۔ شہری ہو یا دیہاتی ہر کوئی اپنے رشتہ داروں کو جانتا ہے۔ کون

ان میں ضرورت مند اور کون سا شخص صدقات سے مستغنی ہے؟ پھر دنیا میں شاید ہی کوئی بدقسمت ہوگا جس کا کوئی بھی قریبی نہ ہو۔ خدانخواستہ اگر کوئی بالکل لاوارث ہے تو بیت المال اس کی کفالت کرے گا۔ یہ ایسا فطری اور سیدھا سادا نظم ہے کہ جس سے کوئی بھی غریب اور مسکین محروم نہیں رہ سکتا لیکن افسوس! مسلمانوں نے جس طرح شریعت کے دوسرے احکامات کا حلیہ بگاڑا ہے ایسے ہی اس فطری فہرست اور نظم کو توڑ کر گداگری میں اضافہ کیا ہے جس سے گداگر تو کئی جگہوں سے تعاون حاصل کر لیتے ہیں لیکن سفید پوش حضرات غربت کی چکّی میں اسی طرح پستے رہتے ہیں۔ اگر مسلمان الدار منہ ملاحظوں اور خوشامدوں سے پرہیز کرتے تو نظم قائم رہنے کے ساتھ باہمی محبتیں بھی برقرار رہتیں۔

یہاں صدقہ سے مراد فرضی صدقات نہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ والدین پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یاد رہے کہ عام صدقات انفرادی طور پر خرچ کرنا بہتر ہیں اور زکوٰۃ اجتماعی طور پر صرف کرنا افضل ہے۔

ابن السبیل: جہاں تک مسافر کے ساتھ تعاون کا تعلق ہے۔ آپ نے مسافر کی پریشانی کو اس قدر اہمیت دی اور ارشاد فرمایا:

«لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلٰى فَرَسٍ» (رواه أبو داود: باب حق السائل [ضعيف])

''اگر سائل گھوڑے پر سوار ہو کر کسی کے ہاں آ کر سوال کرے تو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔''

نامعلوم وہ کس حادثے کا شکار ہوا ہے جس کی وجہ سے بظاہر خوشحال دکھائی دیتے ہوئے بھی سوال کرنے پر مجبور ہے۔

مسائل

۱۔ رزق خیر ہے۔ ۲۔ تعاون کے پہلے مستحق والدین ہیں۔

۳۔ والدین کے بعد رشتہ دار، یتیم، مسکین اور ضرورت مند مسافر۔

۴۔ صدقہ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ ہر نیکی کو جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انفاق فی سبیل اللہ کا نظام:

۱۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کس طرح مال خرچ کریں؟ کہہ دو جو مال خرچ کرنا چاہو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں یتیم، مساکین اور مسافروں پر خرچ کرو۔ (البقرۃ: ۲۱۵)

۲۔ صدقات مفلسوں، محتاجوں، عاملین، تالیفِ قلب، غلاموں کی آزادی، قرض داروں، اللہ کی راہ اور مسافروں کے لیے ہیں۔ (التوبۃ: ۶۰)

۳۔ اپنے صدقات ان فقرأ پر خرچ کرو جو اللہ کی راہ میں محبوس کر دیے گئے ہیں۔ (البقرہ: ۲۷۳)

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ

فرض کر دیا گیا تم پر لڑنا اور وہ ناگوار تمہارے لیے اور ممکن ہے کہ

تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا

تم ناپسند کرو ایک چیز اور وہ بہتر تمہارے لیے اور ممکن ہے یہ کہ تم پسند کرو

شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع

ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے لیے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں تم جانتے

ع ۲۶ ۱۹

''تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ تمہیں ناگوار ہو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور حقیقت میں وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' (۲۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اور جان قربان کرنا دونوں مشکل ترین کام ہیں۔ اس لیے انہیں ایک دوسرے کے بعد ذکر کیا ہے جہاد میں دونوں لازم وملزوم ہوتے ہیں۔

ہر معاشرے اور قوم میں ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جو مشکل حالات میں جذباتی ہو کر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن کفار کے ساتھ باضابطہ مقابلے کے وقت آگے بڑھنے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ میدانِ کارزار میں اُترنا ہر کسی کے دل گردہ کی بات نہیں۔ لہٰذا لوگوں کو انگیخت دینا اور تیار کرنا پڑتا ہے۔ اس فرمان میں ایسی ہی صورتِ حال کی طرف اشارات پائے جا رہے ہیں۔ جس سے اس الزام کی از خود نفی ہو رہی ہے جو کفار مسلمانوں پر لگایا کرتے ہیں کہ مسلمان بنیادی طور پر جنگجو اور جارح قوم ہے۔ یہاں تو عیاں ہو رہا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کے زمانے میں بھی کچھ مسلمان ابتداءً جنگ سے کتراتے تھے۔ حالانکہ ان پر کفار جنگ مسلط کیے ہوئے تھے مسلمانوں پر ایسے حالات وارد ہو جائیں کہ جنگ کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو پھر لڑنے مرنے کا فیصلہ کرنا مسلمانوں کا اختیار نہیں رہتا ان حالات میں آسمانی حکم ہے یہ کہ ایسی صورتِ حال میں لڑائی سے جی چرانا اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کرنا ہے۔ اللہ عالم الغیب جانتا ہے کہ بہتری اور خیر کس کام میں زیادہ ہے۔ کیا کوئی شخص یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اس کام میں خیر زیادہ اور دوسرے میں بہتری کم ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں! خیر اور نقصان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے تمہاری خیر اللہ کے حکم ماننے میں ہے لہٰذا مال بھی خرچ کرو اور جان بھی لڑاؤ۔ اس سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہر صورت اس پر عمل کرنا مسلمان پر فرض ہے۔

مسائل

۱۔ خیر وشر کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ۲۔ انسان کسی چیز کو اپنے لیے بہتر سمجھتا ہو تو ضروری نہیں وہ بہتر ہو۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کی حکمت جانتا ہے انسان نہیں جانتا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں سے مہینہ حرمت والا لڑنا اس میں آپ فرمادیں لڑنا

فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۙ

اس میں بڑا اور روکنا سے اللہ کا راستہ اور کفر کرنا اسکے ساتھ اور مسجدِ حرام

وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ

اور نکالنا اسکے رہنے والے اس سے بہت بڑا نزدیک اللہ اور فتنہ بہت بڑا

مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ

سے قتل اور وہ ہمیشہ رہیں گے لڑیں گے تم سے یہاں تک کہ وہ تمہیں پھیر دیں سے

دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

تمہارا دین اگر وہ استطاعت رکھیں اور جو پھر جائے تم میں سے سے اپنا دین

فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

پھر مرجائے اور وہ کافر تو یہی لوگ ضائع ہوگئے ان کے اعمال میں دنیا

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اور آخرت اور یہی لوگ دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے

''لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمائیں کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا، مسجدِ حرام سے منع کرنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ قتل سے بھی بڑا جرم فتنہ ہے۔ یہ لوگ تم سے لڑائی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہارے دین سے تمہیں پھیر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پھر جائیں اور کفر کی حالت میں مریں ان کے دنیوی اور اخروی اعمال سب کے سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (۲۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سوال و جواب کا سلسلہ جاری ہے۔ جس میں قتال فی سبیل اللہ کے بارے میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ حرمت کے مہینوں میں قتال کرنے میں ابتدا نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ مسلمانوں پر جنگ مسلط کر دی جائے تو پھر حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کی مکمل طور پر اجازت ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت ۳۶ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق فرمائی اسی

وقت سے سال کے بارہ مہینے مقرر کیے اور ان میں چار مہینوں کو حرمت والے قرار دیا جن کے نام حدیث میں ذی قعدہ، ذوالحجہ محرم اور رجب ہیں۔ اسی وقت سے لے کر لوگوں میں ان کا احترام پایا جاتا ہے۔ اہلِ عرب اپنی خودغرضی کی بنا پر ان مہینوں کی جگہ دوسرے مہینے شمار کر کے حرمت کے مہینوں میں لوٹ کھسوٹ اور جنگ وجدال کر لیا کرتے تھے لیکن بنیادی طور پر ان مہینوں کے احترام کے قائل تھے۔ ہوا یہ کہ رسولِ کریم ﷺ نے اہلِ مکہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں آٹھ آدمیوں کا ایک دستہ نخلہ کے مقام پر بھیجا۔ جو طائف اور مکہ کے درمیان ایک علاقہ ہے۔ یونٹ کے سربراہ کو ایک بند لفافہ دیا کہ دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد اسے کھول کر ہدایات کے مطابق عمل کرے۔ چنانچہ دو دن کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تحریر دیکھی تو اس میں یہ درج تھا۔ ''جب یہ تحریر پڑھو تو اس کے مطابق آگے بڑھتے جاؤ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں اُترو۔ وہاں قریش کے ایک قافلے کی گھات میں لگ جاؤ اور ہمارے لیے ان کی خبروں کا پتہ لگاؤ۔'' انہوں نے سمع وطاعت کی اور اپنے رفقاء کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا۔

((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَهُ رَغْبَةٌ فِي الشَّهَادَةِ فَلْيَنْطَلِقْ مَعِيَ فَإِنِّي مَاضٍ لِأَمْرِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَمَنْ كَرِهَ فَلْيَرْجِعْ فَإِنَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَدْ نَهَانِي أَنْ أَسْتَكْرِهَ مِنْكُمْ أَحَدًا فَمَضَى مَعَهُ الْقَوْمُ)

(سنن البیهقی: باب قسمة الغنیمة فی دار الحرب [صحیح])

''جسے شہادت محبوب ہو وہ اٹھ کھڑا ہو اور جسے موت ناگوار ہو وہ واپس چلا جائے۔ باقی رہا میں! تو میں بہر حال آگے جاؤں گا۔ اس پر سارے رفقاء اُٹھ کھڑے ہوئے اور منزلِ مقصود کے لیے چل پڑے۔''

البتہ راستے میں سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ غائب ہو گیا جس پر یہ دونوں بزرگ باری باری سفر کر رہے تھے۔ اس لیے یہ دونوں پیچھے رہ گئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے طویل مسافت طے کر کے نخلہ میں نزول فرمایا۔ وہاں سے قریش کا ایک قافلہ گزرا جو کشمش، چمڑا اور دیگر سامانِ تجارت لیے ہوئے تھا۔ قافلہ میں عبداللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نوفل اور ان کے ساتھ عمرو بن حضرمی اور حکیم بن کیسان مولیٰ مغیرہ تھے۔ مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ آخر کیا کریں؟ آج رجب کا آخری دن ہے اگر ہم لڑائی کرتے ہیں تو اس حرام مہینے کی بے حرمتی ہوتی ہے اگر رات رک جاتے ہیں تو یہ لوگ حدودِ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد سب کی رائے ہوئی کہ حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ ایک شخص نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی لوگوں نے عثمان اور حکیم کو گرفتار کر لیا البتہ نوفل بھاگ نکلا۔ اس کے بعد یہ لوگ دونوں قیدیوں اور قافلہ کا سامان لے کر مدینہ پہنچے۔ انہوں نے مالِ غنیمت سے خُمس بھی نکال لیا تھا اور یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خُمس، پہلا مقتول اور پہلے قیدی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس حرکت پر باز پُرس کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرام کے مہینے میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ سامانِ قافلہ اور قیدیوں کے سلسلے میں کسی بھی طرح کے تصرف سے ہاتھ روک لیا۔

مکہ والوں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس ہنگامی اور اتفاقی واقعہ کو مذہبی رنگ دے کر مسلمانوں کے خلاف

پروپیگنڈہ کا طوفان برپا کر دیا کہ مسلمان ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا خیال نہیں رکھتے اور ملّتِ ابراہیم علیہ السلام کے شعار کو پامال کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی مذہب نہیں۔ ان الزامات کا جواب دینے سے پہلے وضاحت فرمائی کہ یہ حرمت والے مہینے ہیں اور ان میں قتال کرنا واقعی گناہ ہے۔ لیکن یہاں کفار کو ان کے اعمال کا آئینہ دکھاتے ہوئے ان کے مظالم کی ایک فہرست سامنے رکھ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹ بننا، دین حق کا انکار کرنا، بیت اللہ سے صحابہ کو روکنا اور مکہ سے مسلمانوں کو نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرمت والے مہینوں میں قتال کرنے سے کئی گنا بڑے جرائم ہیں۔ پھر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا قتل سے بدتر جرم ہے۔ اس وضاحت اور تنبیہ کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کفار کے عزائم سے آگاہ رہو کہ اگر ان کا بس چلے تو ان کی اوّل و آخر کوشش ہوگی اور ہے کہ تمہیں تمہارے سچے دین سے پھیر دیں۔ یاد رکھو جو کوئی دینِ حق سے مرتد ہو گیا اور کفر کی حالت میں اسے موت آ گئی تو ایسے لوگوں کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں ضائع کر دیے جائیں گے۔ دنیا میں اعمال ضائع ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اپنے نظریہ اور صحیح موقف سے پھر جانے والے پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ دنیا میں اس کا نام ذلّت و رسوائی کا نشان بن کے رہ جاتا ہے۔ آخرت میں یہ لوگ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔

«مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ» (رواه البخاری: کتاب الجهاد والسير)

''جس نے اپنے دین کو تبدیل کر لیا اسے قتل کر دو۔''

مسائل

۱۔ حرمت کے مہینوں میں جنگ کرنا گناہ ہے۔

۲۔ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بننا، دین کا انکار کرنا، بیت اللہ سے لوگوں کو منع کرنا، کمزوروں کو ہجرت پر مجبور کرنا۔ دین اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا قتل اور لڑائی سے بڑا گناہ ہے۔

۳۔ مرتد کے دنیا اور آخرت میں تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ واجب القتل ہے۔

۴۔ ارتداد اور کفر کی حالت میں مرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

مرتد کی سزا:

۱۔ مرتد ہونے والے کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ (آلِ عمران: ۹۰)

۲۔ ارتداد میں مرنے والوں کو عذاب ہوگا۔ (البقرۃ: ۲۱۷)

۳۔ مرتد ہونے والا اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (آلِ عمران: ۱۴۴)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

بیشک وہ لوگ ایمان لائے اور وہ لوگ انہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے جہاد کیا میں اللہ کا راستہ

اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

یہی لوگ وہ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا

''یقیناً صاحبِ ایمان لوگ، ہجرت کرنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہیں، اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔''(۲۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کی جدّو جہد دین اور مسلمانوں کے خلاف ہے لہٰذا ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ مسلمانوں کی کوشش وکاوش اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ہمیشہ کی جنت ہے جس میں انہیں حیاتِ جاوداں نصیب ہوگی۔

بعض لوگ سچے ایمان اور صالح کردار کے بغیر جنت کے وارث بننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کا فرمان ہے کہ جب تک مسلمان مخلص ہوکر اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے حصول کے لیے مال وجان کی قربانی پیش نہیں کروگے اس وقت تک تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب نہیں ہوسکتی۔ اسی نظریہ کی دوٹوک وضاحت کی جارہی ہے کہ بلاشک جو لوگ خلوصِ دل کے ساتھ ایمان لائے، عزم واستقامت کا مظاہرہ کیا اور ایمان وایقان کی خاطر انہیں باغ وبہار، کاروبار اور مکان ومقام بھی چھوڑنے پڑے تو وہ بے پروا ہوکر نکل پڑے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے میدانِ جنگ وجدال میں اترنا پڑا تو قربانیوں کی ایسی داستانیں رقم کرتے چلے گئے کہ رہتی دنیا تک ان کی جرأت وبہادری کو شہسوارِ جنگ خراجِ تحسین پیش کرتے رہیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اپنے ربّ کی رحمتوں اور نعمتوں کا حق دار ٹھہرالیا ہے۔ ان سے بتقاضائے بشریت خطائیں سرزد ہوگئیں تو انہیں پورا یقین رکھنا چاہیے کہ ان کا ربّ ان کو ضرور معاف کرے گا۔ وہ تو ہمیشہ سے معاف فرمانے والا اور نہایت ہی شفیق ومہربان ہے۔ یاد رہے کہ علمی، مالی، جانی، لسانی اور ذاتی صلاحیتوں کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف کرنے کا نام جہاد ہے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' کی رحمت کے مستحق کون؟

۱۔ ربِ کریم کی رحمت کے امیدوار اور ان کی صفات۔ (البقرۃ:۲۱۸، الاعراف:۱۵۶)

۲۔ گناہ گار کو رحمتِ الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر:۵۳)

۳۔ اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہوا کرتی ہے۔ (الاعراف:۵۶)

۴۔ اللہ کی رحمت کی وسعت وکشادگی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ (المؤمن:۷)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ

وہ آپ سے پوچھتے ہیں سے شراب اور جوا آپ فرمادیں ان دونوں میں گناہ

كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

بڑا اور فائدے لوگوں کے لیے اور ان دونوں کا گناہ بہت بڑا سے ان دونوں کا فائدہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا وہ خرچ کریں آپ فرمادیں زائد از ضرورت اسی طرح واضح کرتا ہے

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

اللہ تمہارے لیے احکام تاکہ تم تم غور وفکر کرو

''لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں، فرما دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ تم سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ فرمادیں اپنی ضرورت سے زائد چیز خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ اس طرح تمہارے لیے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو۔'' (۲۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: درمیان میں مومنوں کا کردار ذکر کرنے کے بعد اب پھر ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

خمر کا معنی:

عربی میں ہر اس چیز کو خمر کہتے ہیں جو پردہ ڈال دے، اسی مناسبت سے عورتوں کی اوڑھنیوں کو بھی قرآنِ مجید میں خمر کہا گیا ہے۔ [النور: ۳۱] کیونکہ عورت اس سے اپنا سر، چہرہ اور جسم ڈھانپتی ہے۔ شراب کو خمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کی عقل وفکر پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اسلام کے دوسرے ضابطوں اور قوانین کی طرح شراب کے حکمِ امتناعی کی تکمیل بھی تدریجاً کی گئی ہے۔ یہاں حرمتِ شراب کا پہلا حکم جاری کرتے ہوئے لوگوں کو نفع اور نقصان کی بنیاد پر سمجھایا جارہا ہے کہ شراب اور جوئے میں عارضی اور معمولی فائدے بھی ہیں لیکن دور رس نتائج کے اعتبار سے ان کے نقصانات ان کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر شراب پینے سے عارضی طور پر جسم میں قوت وحرکت اور دلیری پیدا ہوتی ہے تو شراب کا نشہ ختم ہونے کے بعد آدمی اتنی ہی کمزوری محسوس کرتا ہے۔ شراب کا عادی شخص اپنی عمر سے کہیں پہلے بوڑھا ہو جاتا ہے۔ آدمی شراب پی کر ایسی حرکات کرتا اور خرافات بکتا ہے کہ جس کا صحیح حالت میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس لیے شراب کسی مذہب میں بھی جائز قرار نہیں دی گئی۔ شراب کے بارے میں دورِ حاضر کے ڈاکٹر بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے فائدے نہایت ہی عارضی اور معمولی ہیں لیکن

جسمانی اور اخلاقی نقصان اور مضمرات لامحدود اور ناقابلِ تلافی ہیں۔

رسولِ معظم ﷺ نے شراب کو علاج کے طور پر استعمال کرنے سے منع ہی نہیں فرمایا ہے بلکہ اسے بیماری قرار دیتے ہوئے ابتداءً اس میں استعمال ہونے والے برتنوں سے بھی منع فرمادیا۔

«أَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ الْجُعْفِيَّ رضی اللہ عنہ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ أَوْ كَرِهَ أَنْ يَصْنَعَهَا فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ» (رواہ مسلم: باب تحریم التداوی بالخمر)

''طارق بن سوید جعفی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے شراب کے متعلق سوال کیا آپ نے اسے استعمال کرنے سے منع کیا یا ناپسند کیا تو اس نے کہا میں اسے بطورِ دوا استعمال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تائید میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تاریخ کا ایک واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ شراب سے بچو! کیونکہ یہ ام الخبائث ہے۔ تم سے پہلے ایک آدمی بڑا عبادت گزار گزرا ہے۔ اس سے ایک بدکار عورت کو محبت ہوگئی اس نے اپنی لونڈی کو یہ کہہ کر اس آدمی کی طرف بھیجا کہ ہمیں کسی معاملہ میں آپ کی گواہی چاہیے۔ وہ آدمی اس کی لونڈی کے ساتھ چل پڑا۔ جس دروازے سے داخل ہوتا اسے بند کردیا جاتا یہاں تک کہ وہ ایک خوبصورت عورت تک جا پہنچا۔ جس کے پاس ایک بچہ اور شراب کا پیالہ تھا۔ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تجھے شہادت دینے کی بجائے اپنے ساتھ بدکاری کرنے یا شراب کا پیالہ پینے یا بچہ قتل کرنے کے لیے بلایا ہے۔ اس نے کہا مجھے شراب پلادو جب اس نے شراب پی لی تو نشہ کی حالت میں اس نے عورت کے ساتھ زنا بھی کیا اور بچہ بھی قتل کردیا۔ (رواہ النسائی: کتاب الأشربة [صحیح])

«عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُؤْتَى بِالشَّارِبِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَإِمْرَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُومُ إِلَيْهِ بِأَيْدِينَا وَنِعَالِنَا وَأَرْدِيَتِنَا حَتَّى كَانَ آخِرُ إِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ أَرْبَعِينَ حَتَّى إِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوا جَلَدَ ثَمَانِينَ» (رواہ البخاری: کتاب الحدود، باب الضرب بالجرید والنعال)

''حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے زمانے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی دور میں شرابی پکڑا دیا جاتا۔ ہم اسے اپنے ہاتھوں، جوتوں اور چادروں کے ساتھ مارتے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور آیا تو انہوں نے چالیس کوڑے مارے اور جب لوگ شرب نوشی میں بڑھ گئے تو پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارے۔''

جوئے کو میسر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے میسر کا لفظی معنی آسان ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جوا کھیلنے والا بغیر کسی جسمانی اور ذہنی محنت کے مال حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عرب کے لوگ بسا اوقات اس لیے بھی جوا کھیلتے تھے کہ اس سے حاصل شدہ رقم غریبوں میں تقسیم کردی جائے۔ جس طرح آج کل کئی فن کار ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس سے حاصل ہونے والی رقم قحط زدہ یا معذور اور بیمار لوگوں پر خرچ کردیتے ہیں۔ جوے کے بارے میں بھی اس قسم کے منافع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن اس میں بھی نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوتے ہیں۔ کاروبار میں رقم لگاتے

وقت آدمی کے ذہن میں نفع اور نقصان دونوں ہوتے ہیں۔ پھر کاروبار میں تاجر سوچ وبچار کرتے ہوئے نقصان سے بچنے کے لیے محنت بھی کرتا ہے اگر اسے ایک کاروبار میں مسلسل نقصان ہو رہا ہو تو وہ اسے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

محنت ومشقت سے حاصل ہونے والی رقم آدمی سمجھ سوچ کر خرچ کرتا ہے۔ جب کہ جوئے میں یہ تمام صورتیں مفقود ہوتی ہیں۔ جوئے پر رقم لگانے والا جواری نقصان کے بجائے فائدے کے بارے میں بڑا جذباتی ہوتا ہے۔ جوئے سے حاصل شدہ رقم اکثر اللّے تللّوں پر خرچ ہوتی ہے۔ جوا کھیلنے والا ہارنے کے باوجود مسلسل قسمت آزمائی کرتا چلا جاتا ہے۔ کاروبار میں نقصان یا مندا ہونے میں آدمی جذباتی ہونے کے بجائے سوچ وبچار کرتا ہے اور بسا اوقات فیکٹری یا کاروبار کو کچھ عرصہ کے لیے بند کر دیتا ہے۔ جوئے میں یہ صورت نہیں ہوتی جوے باز جیتنے کے لالچ سے چند لمحوں میں ہر چیز سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ کاروبار میں حاصل ہونے والا منافع مزید تجارت کے لیے استعمال ہوتا ہے جب کہ جوئے سے حاصل ہونے والی رقم سے کبھی بھی لوگ کاروبار کرتے نہیں دیکھے گئے۔

اکثر جواباز جیت جائیں تو عیاشی کے طور پر اور اگر ہار جائیں تو غم دور کرنے کے لیے شراب پیتے ہیں۔ اس وجہ اور دیگر وجوہات کی بنا پر جوئے اور شراب کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے۔ پھر شراب اور جوئے کی وجہ سے باہم نفرتیں اور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں ان اسباب کی بنا پر مسلمانوں کو شراب نوشی اور جوابازی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی سورت کی آیت ۲۱۵ میں سوال یہ تھا کہ کیا اور کہاں خرچ کریں؟ اب سوال کیا جا رہا ہے کہ کتنا خرچ کیا جائے؟ جواباً ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد۔ اس فرمان سے اشتراکی نظام جس کی تعریف یہ ہے کہ ہر چیز کی مالک حکومت ہوتی ہے۔ اشتراکی نظام حکومت میں انفرادی ملکیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس کے حاملین نے اسلام کے معاشی نظام کی غلط توجیہ کرتے ہوئے اشتراکی نظام کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان کی توجیہ اسلام اور نظامِ فطرت کے خلاف تھی۔ جس کی وجہ سے چند ہی سالوں میں یہ نظام نہ صرف اپنے انجام کو پہنچا بلکہ روس جیسی عظیم مملکت اس نظام کی کمزوریوں کی وجہ سے تباہی کے گھاٹ اتر گئی۔

سوویت یونین جو دنیا میں دوسری سپر پاور سمجھی جاتی تھی آج اپنا وجود سلامت رکھنے کے لیے اپنے مخالفوں سے قرض کی بھیک مانگنے پر مجبور ہے۔ دراصل ''قُلِ الْعَفْوَ'' کا حکم ایک جنگ کے دوران نازل ہوا تھا اور اسی کی روشنی میں دورانِ سفر رسولِ محترم ﷺ نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اسباب ہوں۔ وہ دوسرے بھائی کو عنایت کر دے۔

«عَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَآءَ رَجُلٌ عَلٰى رَاحِلَةٍ لَهٗ قَالَ فَجَعَلَ يَصْرِفُ بَصَرَهٗ يَمِيْنًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ مَعَهٗ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهٗ وَمَنْ كَانَ لَهٗ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَا زَادَ لَهٗ قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتّٰى رَأَيْنَا أَنَّهٗ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِّنَّا فِيْ فَضْلٍ» (رواہ مسلم: کتاب اللقطہ، باب استحباب المواساۃ بفضول المال)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک ایک آدمی اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں مگر اس کے پاس سفر کا زائد خرچ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔ راوی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی اور بھی کئی اقسام کا تذکرہ کیا یہاں تک کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ضرورت سے زائد مال پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔''

ہنگامی حالات میں ذمہ دار قومیں ایسا ہی رویہ اختیار کرتی ہیں۔ کیونکہ دشمن کے مقابلے میں جب تک تن من دھن اور ہر چیز نہ جھونک دی جائے کامل اور مکمل فتح حاصل نہیں ہوا کرتی۔

''عَفْو'' کا معنی جن لوگوں نے من مرضی سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے فرد کی ضروریات کا تعین کیا جا سکے۔ کیونکہ اپنی ضروریات کو جو ہر آدمی خود سمجھتا ہے کوئی دوسرا شخص یا حکومت نہیں سمجھ سکتی۔ ایک آدمی کا آنا جانا اس قدر کم ہے کہ اسے سائیکل کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کے مقابلے میں ایسا شخص ہے جس کے گھر کے ایک ایک فرد کو سواری کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ایک آدمی کپڑوں کے دو جوڑوں میں گزارا کر سکتا ہے جب کہ دوسرے کو ہر روز لباس تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کسی کی ضرورت کا تعین کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ البتہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو سادگی اختیار کرتے ہوئے اپنے اعزاء واقرباء اور پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔

عفو سے جن لوگوں نے اجتماعی معیشت کا تصور لیا ہے وہ ہر لحاظ سے اسلام کے معاشی نظام کے متصادم ہے۔ کیونکہ اگر ضرورت سے زائد چیزیں حکومت کی ملکیت قرار دے دی جائیں تو قرآن وحدیث میں زکوٰۃ اور وراثت کے احکامات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو اس لیے کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ ان پر غور وفکر کیا جائے۔

مسائل

۱۔ شراب اور جوئے میں فائدے کی نسبت نقصانات زیادہ ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر غور وفکر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شراب وجوا کے نقصانات:

۱۔ شراب، جوئے کے فائدے کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ (البقرۃ:۲۱۹)

۲۔ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ (النساء:۴۳) ۳۔ شراب اور جوا حرام ہیں۔ (المائدہ:۹۰)

۴۔ شراب وجوا باہم دشمنی کا سبب اور اللہ کے ذکر میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ (المائدۃ:۹۱)

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ

میں دنیا اور آخرت اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں سے یتیم (جمع) آپ فرمادیں

اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

اصلاح کرنا انکے لیے بہتر اور اگر تم باہم ملالوان کو تو وہ بھائی تمہارے اور اللہ

يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ

جانتا ہے خرابی کرنے والا سے اصلاح کرنیوالا اور اگر چاہتا اللہ ضرور مشقت میں ڈالتا تم کو

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۲۰

بیشک اللہ بہت زبردست حکمت والا

''دنیا و آخرت کے بارے میں غور وفکر کرو اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ بتائیں کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے۔ ان کا مال اپنے مال میں ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ اصلاح اور بگاڑ کرنے والے کو خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔'' (۲۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

کلام کا تسلسل اور سوال وجواب کا سلسلہ جاری ہے۔ لہٰذا اب یتیموں کی اصلاح اور ان کے ساتھ رہن سہن کے اصول بیان کیے جا رہے ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے یتیموں کے بارے میں یہ احکامات نازل ہو چکے تھے کہ یتیموں کا مال کھانا پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرنے کے مترادف ہے۔ اس انتباہ کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قدر خوف زدہ اور محتاط ہوئے کہ انہوں نے یتیموں کا کھانا پینا اور ان کے معاملات یکسر طور پر اپنے سے الگ کر دیے لیکن اس صورت حال سے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس لیے یتیموں کے بارے میں مزید وضاحت کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ کے احکام کا منشاء یہ ہے کہ یتیموں کے مال اور ذات کی اصلاح اور خیر خواہی ہونی چاہیے لہٰذا ان کے ساتھ مل جل کر رہنا، ایک ہی جگہ مل کر کھانا، پینا اور ترقی کے نقطۂ نظر سے ان کے مال کو اپنے کاروبار میں شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ پسماندہ اور والدین کی سرپرستی سے محروم ہونے کی وجہ سے اور اخوتِ اسلامی کی بنا پر وہ تمہارے بھائی ہیں۔ ان کے ساتھ ایک بھائی جیسی ہی خیر خواہی ہونی چاہیے۔ یہ وضاحت اور آسانی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم پر سخت احکامات نازل کر سکتا تھا۔ لیکن یاد رکھنا اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں اور طرزِ عمل کو جانتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ کون زیادتی اور خرابی اور کون اصلاح کے ارادے سے یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ شامل کر رہا ہے۔ بے شک تم عارضی اور وقتی طور

پر کمزوروں اور یتیموں پر بالا دست ہو۔لیکن زیادتی نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ بالا دست اور حکمت والا ہے۔

یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کے فرمودات:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى» (رواہ مسلم: کتاب الزھد، باب الإحسان إلی الأرملۃ والمسکین والیتیم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ گرامی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا: قریبی یا کسی دوسرے یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے۔راوی نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کا اشارہ کیا۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهِ فَقَالَ لَهُ إِنْ أَرَدْتَ تَلْيِيْنَ قَلْبِكَ فَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ» (رواہ أحمد: مسند أبی ھریرۃ [ضعیف])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کو دل کے سخت ہونے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہتا ہے کہ تیرا دل نرم ہو جائے تو پھر مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلسَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ» (رواہ البخاری: باب فضل النفقۃ علی الأھل)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوگان اور مساکین کی کفالت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا دن کو روزہ اور رات بھر قیام کرنے والے کی طرح ہے۔''

مسائل

۱۔ یتیموں کی اصلاح کرنا نیکی کا کام ہے۔ ۲۔ان کے ساتھ مل جل کر رہنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والے اور اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

یتیموں کے حقوق کا تحفظ:

۱۔ یتیم تمہارے بھائی ہیں۔(البقرۃ:۲۲۰) ۲۔ یتیموں کی اصلاح میں ہی بہتری ہے۔(البقرۃ:۲۲۰)
۳۔ یتیم کو جھڑکنے کی ممانعت ہے۔(الضحیٰ:۹)
۴۔ یتیموں کے سمجھ دار ہونے پر ان کا مال ان کے حوالے کرنا چاہیے۔(النساء:۶)
۵۔ مال حوالے کرتے وقت گواہ بنانے چاہئیں۔(النساء:۶) ۶۔ یتیم کا مال کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔(النساء:۲)

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ

اور نہ تم نکاح کرو مشرک عورتیں یہاں تک کہ وہ عورتیں ایمان لے آئیں اور البتہ لونڈی مومنہ بہتر

مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى

سے مشرک عورت اور اگرچہ وہ بھلی لگے تمہیں اور نہ نکاح میں دو تم مشرک مرد یہاں تک کہ

يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ

وہ ایمان لائیں اور البتہ غلام مومن بہتر سے مشرک اگرچہ وہ بھلا لگے تمہیں

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ

یہی لوگ وہ بلاتے ہیں طرف دوزخ اور اللہ بلاتا ہے طرف جنت اور بخشش

بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اپنے حکم سے اور واضح کرتا ہے اپنے احکام لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

''مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ ایمان دار لونڈی مشرکہ آزاد عورت سے بہتر ہے گو تمہیں مشرکہ اچھی لگتی ہو۔ اور نہ مشرکوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایماندار غلام، آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔ وہ اپنی آیات لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔'' (۲۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ کے مرکزی مضمون سے وابستہ احکام۔

معاشرتی اور عائلی مسائل کے سلسلہ میں اب ایک اہم اور بنیادی مسئلے کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ کیونکہ جوں جوں اسلام پھیل رہا تھا اس کے ساتھ ہی معاشرہ میں نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ ان میں سے اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ ایک آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی کفر و شرک کی حالت پر قائم رہتی ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ یا دوسری صورت میں ایک مسلمان کو ازدواجی زندگی اپناتے ہوئے کون سے بنیادی اصولوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ اس کے بارے میں بنیادی اصول یہ قرار پایا کہ آج کے بعد کوئی مرد کافر اور مشرک عورت کے ساتھ اور کوئی مومن خاتون کسی کافر اور مشرک کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ چاہے جمال و کمال کے اعتبار سے وہ مرد اور عورت کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں؟ یہاں تک کہ وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ان کے مقابلے میں ایک غلام مسلمان عورت ہو یا مرد کہیں بہتر ہیں۔ حالانکہ معاشرتی طور پر آزاد کے مقابلے میں غلام مرد ہو یا عورت اس کی حیثیت آزاد کے برابر نہیں ہو سکتی۔ خاص کر عرب معاشرے

میں غلاموں کی حیثیت ایک زرخرید جانور سے زیادہ نہیں تھی۔لیکن شرک اور کفر ایسے جرم ہیں جن سے آدمی کی حیثیت حقیقی طور پر ایک غلام سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتی ہے۔اس کے نقصانات دینی اور سماجی اعتبار سے اتنے زیادہ ہیں جن پر کنٹرول کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں رہتا۔کفریہ اور شرکیہ عقیدہ رکھنے والا مرد ہو یا عورت درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار اور اس کے ساتھ شرک کر کے عملاً اس سے بغاوت کا اقرار کرتا ہے۔کوئی ایمانی غیرت رکھنے والا شخص ایسے باغی کے ساتھ زندگی کا بندھن قائم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔سماجی لحاظ سے وہ ایک ایسی ذہنی کش مکش میں مبتلا ہوتا ہے جس سے چھٹکارا پانا ناممکنات میں سے ہے۔کیونکہ ایماندار خاوند اپنی اولاد کو ایمان اور جنت کی ہی دعوت دے گا۔جب کہ اس کی مشرک بیوی اولاد کو اپنے عقیدے کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے گی جو سراسر ''اللہ'' سے بغاوت اور جہنم کے راستے پر چلنے، چلانے کے مترادف ہے۔یہی صورت ایک مومنہ بیوی کی مشرک اور کافر کے ساتھ پیدا ہوگی۔ایسی صورت میں اولاد، خاندان اور معاشرے پر کس قدر منفی اور باہمی کش مکش کے اثرات مرتب ہوں گے؟اگر مسلمانوں کو کفر وشرک کے اختلاط سے منع نہ کیا جائے تو امت کا تشخص کس طرح قائم ہوسکتا ہے؟اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ تمہیں جہنم کی آگ کی دعوت دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنا کر تمہیں اپنی بخشش اور جنت کے راستے کی رہنمائی کی ہے تاکہ ان حقائق کو سامنے رکھ کر تم نصیحت حاصل کرو۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ» (رواه البخاری: باب الأكفاء فی الدين)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت سے چار وجوہات کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے۔مال کی وجہ سے، حسب ونسب کی بناء پر، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی بنیاد پر۔پس تم دین دار کو پسند کرو تاکہ تم کامیاب اور تروتازہ رہو۔''

اہلِ کتاب کے ساتھ نکاح کرنے کا مسئلہ (المائدہ:۵) چھٹے پارے میں بیان ہوگا۔ان شاء اللہ

مسائل

۱۔ مشرک مرد اور عورت سے نکاح جائز نہیں۔ ۲۔مومن غلام اور کنیز آزاد مشرک مرد وزن سے بہتر ہیں۔

۳۔ مشرک جہنم کی طرف بلانے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی بخشش اور جنت کی دعوت دیتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے احکام نصیحت حاصل کرنے کے لیے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کن عورتوں سے نکاح جائز نہیں؟

۱۔ مشرکہ اور کفار عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔(البقرۃ:۲۲۱۔الممتحنۃ:۱۰)

۲۔ زانیہ سے نکاح جائز نہیں۔(النور:۳) ۳۔محرمات سے نکاح جائز نہیں۔(النساء:۲۳، ۲۴)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں سے حالت حیض آپ فرمادیں وہ گندگی پس تم الگ رہو

النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ

عورتیں میں حالت حیض اور نہ تم ان کے قریب جاؤ یہانتک کہ وہ پاک ہوجائیں

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ

پھر جب وہ پاک ہوجائیں توتم آؤان کے پاس سے جہاں اس نے حکم دیا تمہیں اللہ

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

بیشک اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والے اور دوست رکھتا ہے پاک رہنے والے

''لوگ تم سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرمادیں کہ وہ گندگی ہے، حالتِ حیض میں عورتوں سے الگ رہواوران کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں۔ جب وہ پاک ہوجائیں تو پاک ہونے پران کے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے اجازت دی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔'' (۲۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے متعلقہ مسائل اور سوال وجواب کے حوالے سے سلسلۂ کلام جاری ہے۔

یہاں ازدواجی زندگی کے ایک اہم اور فطری مسئلے کے متعلق ایک سوال کا جواب دیا جارہا ہے کہ حیض کی حالت میں میاں بیوی کے تعلقات کی کیا نوعیت ہونی چاہیے؟ کیونکہ اس بارے میں لوگ افراط وتفریط کا شکار تھے۔ عیسائی حیض کے ایام میں اپنی بیویوں سے مجامعت جاری رکھتے اور یہودی ان سے اس قدر دور رہتے اور نفرت کرتے کہ بیویوں کے قریب بیٹھنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا تو درکنار ان کے برتن اور رہائش بھی الگ کردیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بے چاری مخصوص ایام میں اپنے معصوم بچوں سے پیار بھی نہیں کرسکتی تھی۔ مسئلے کی وضاحت کرنے سے پہلے فرمایا کہ حیض عورت کے لیے ایک تکلیف دہ امر ہے اس سے عورت کے اندرونی نظام میں منفی اور مثبت تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ میڈیکل کی زبان میں عورت کے جسم کا مخصوص حصہ فلٹرائز ہورہا ہوتا ہے لہٰذا ان ایام میں عورت کے ساتھ مباشرت کرنا مرد اور بیوی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے اس لیے حکم ہے اس وقت تک صحبت کی غرض سے عورتوں کے قریب نہیں جانا چاہیے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں۔ پاک ہونے سے مراد عورت کا غسل کرنا ہے اور عورت کے غسل کرنے سے پہلے مجامعت جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک باز اور توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

یہاں قرآنِ مجید نے ''لَا تَقْرَبُوْهُنَّ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ''کہ ان کے قریب نہ جاؤ'' جس سے مراد مجامعت کرنا ہے۔ سوال کا جواب دیتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ اپنی عورتوں کے پاس جاؤ جس طریقے اور حالت میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت عطا فرمائی ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نبی محترم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ کی جانے والی افراط وتفریط کو ختم کرنے کے لیے اپنی خلوت کو بیان کرنے کی اجازت دی تا کہ لوگ سمجھ جائیں کہ حیض کی حالت میں خاوند کس حد تک اپنی بیوی کے قریب ہوسکتا ہے۔

①«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَّكِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَأْمُرُنِيْ فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِيْ وَأَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ»

(رواالبخاری: کتاب الحیض، باب مباشرۃ الحیض)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اور نبی ﷺ ایک ہی برتن میں بحالتِ جنابت غسل کرلیا کرتے۔ آپ مجھے ازار باندھنے کا حکم دیتے ازار باندھنے کے بعد وہ مجھ سے مباشرت کرتے یعنی صرف میرے ساتھ لیٹتے اور میں حائضہ ہوتی۔ آپ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر باہر نکالتے اور میں حیض کی حالت میں آپ کا سر مبارک دھو دیتی۔''

②«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُنْتُ أَشْرَبُ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَأَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ»

(رواہ مسلم: باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجیله وطهارة)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں بحالتِ حیض کوئی چیز پیتی پھر اسی برتن میں نبی کریم ﷺ کو دیتی تو آپ اسی جگہ منہ رکھ کر پیتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا اور میں حیض کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچتی پھر وہ نبی ﷺ کو دیتی تو آپ بھی وہاں منہ لگا لیتے۔''

③«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الَّذِيْ يَأْتِيْ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ يَتَصَدَّقُ بِدِيْنَارٍ أَوْ نِصْفِ دِيْنَارٍ» (رواہ أبو داؤد: کتاب الطهارة، باب فی إتیان الحائض [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے اس شخص کے متعلق بیان فرماتے ہیں جو اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں جماع کرتا ہے فرمایا وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔''

آج کے حساب سے ایک دینار کی قیمت ۳۷۵ روپے کے قریب ہے۔

مسائل

۱۔ حیض پلیدی اور تکلیف ہے اس میں عورتوں سے الگ رہنا چاہیے۔ ۲۔ بیویوں سے مجامعت پاک حالت میں کرنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ گناہ اور گندگی سے پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صفائی اور پاکی کی فضیلت:

۱۔ اللہ تعالیٰ پاک لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۲۲) ۲۔ نیک لوگ پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں۔ (التوبہ: ۱۰۸)

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا

تمہاری عورتیں کھیتی تمہاری لہٰذا تم آؤ تمہاری کھیتی جہاں سے تم چاہو اور آگے بھیجو

لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اپنے نفسوں کیلئے اور تم ڈرو اللہ اور تم جان لو بیشک تم ملنے والے ہو اس سے اور آپ خوشخبری دیں ایمان والے

''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں' اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے (نیک اعمال) آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اپنے رب سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔'' (۲۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

چونکہ پہلے حکم میں مخصوص ایام کے دوران عورتوں سے صحبت کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ اس لیے یہاں طبیعتوں کی گھٹن دور کرنے اور ازدواجی زندگی کے بنیادی مقصد کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ جس طرح کھیتی باڑی کے کچھ اصول اور ہر فصل کے مخصوص ایام ہوتے ہیں اسی طرح ازدواجی زندگی کے مقاصد اور خلوت کے بھی کچھ اصول ہیں۔ تاہم جس طرح زمیندار کو اپنی زمین اور کھیتی باڑی میں کھلا اختیار ہوتا ہے ایسے ہی تمہیں اپنی بیویوں کے بارے میں اختیارات حاصل ہیں کہ جب اور جس طرح چاہو مجامعت کر سکتے ہو۔ یہاں ازدواجی زندگی کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دے کر واضح کیا جارہا ہے کہ جس طرح کوئی زمیندار بے مقصد ہل نہیں چلایا کرتا بلکہ اس کے پیشِ نظر اناج کی شکل میں اپنی محنت کا صلہ ہوتا ہے اسی طرح نکاح کا مقصد محض شہوت رانی نہیں ہونا چاہیے۔ میاں بیوی کے اس عمل اور جذبات میں اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھنا، اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہونا اور نیک اولاد کی تمنا شامل ہونی چاہیے تاکہ دنیاوی فوائد کے ساتھ آخرت میں اس کام کا اجر ملے۔ جس طرح زمیندار اپنے اور قوم کے لیے غلہ مہیا کرتا ہے ایسے ہی ازدواجی تعلقات کے ذریعے نسل کا تسلسل، قوم کی بقاء اور دینِ اسلام کے لیے اچھے مسلمان تیار کرنا ہے۔ جس طرح زمیندار اپنی زمین اور فصل کا خیال اور خدمت کرتا ہے۔ تمہیں اپنی بیویوں اور اولاد کا اس سے بڑھ کر خیال اور ان کی خدمت کرنا چاہیے۔ اس میں بیوی کی صحت، گھریلو مصروفیات، عبادات اور بچے کا پورے دو سال دودھ پلانے کا اشارہ بھی شامل ہے۔ اگر میاں بیوی ان امور کا خیال کریں تو انہیں تولید میں وقفہ کے لیے کسی غیر شرعی طریقہ کی حاجت نہیں رہتی۔ آج کے مصنوعی طریقے صحت کے لیے مضر ہیں۔ یہ بات ذہن میں ہر دم تازہ رکھو کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہو اور وہ تمہاری جلوتوں اور خلوتوں کو جانتا ہے۔ تمہاری پوشیدہ اور ظاہری زندگی اس طرح ہونی چاہیے کہ اپنے رب کے ہاں تمہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ جو جلوت اور خلوت میں اس بات کا خیال رکھے گا ایسے صاحبِ ایمان لوگوں کے لیے مسرّت و شادمانی کا پیغام ہے

کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کی خوشیوں سے سرفراز فرمائے گا۔

«عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنِّي أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ وَّإِنَّهَا لَا تَلِدُ أَفَأَتَزَوَّجُهَا قَالَ لَا ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَنَهَاهُ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ» (رواہ أبوداؤد: باب النہی عن تزویج من لم یلد [صحیح])

''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی نے آ کر پوچھا ایک عورت حسب ونسب اور حسن و جمال والی ہے لیکن ہے بانجھ کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ آپ نے اسے روک دیا۔ دوسری اور تیسری مرتبہ آنے پر منع کرتے ہوئے فرمایا محبت کرنے اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو کیونکہ میں تمہاری کثرتِ تعداد کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

«عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ السُّلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ فَلْيَسْتَتِرْ وَلَا يَتَجَرَّدْ تَجَرُّدَ الْعَيْرَيْنِ» (رواہ ابن ماجۃ: کتاب النکاح، باب التستر عند الجماع [ضعیف])

''حضرت عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرے تو وہ پردہ کرے اور گدھوں کی طرح ننگا نہ ہو۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص لعنتی ہے جو اپنی بیوی سے اس کی دُبر کی جگہ جماع کرتا ہے۔'' (رواہ أبو داؤد: کتاب النکاح، باب فی جامع النکاح)

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا» (رواہ مسلم: کتاب النکاح)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین شخص وہ ہوگا جو اپنی بیوی سے ملتا ہے اور بیوی اپنے خاوند سے ملتی ہے پھر وہ ایک دوسرے کے راز فاش کرتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ بیویاں خاوندوں کے لیے کھیتیوں کی مانند ہیں۔ ۲۔ اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ بالآخر اس سے ملاقات ہونا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں خوشخبریاں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

بیوی کی حیثیت:

۱۔ بیوی اور خاوند ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ (البقرۃ: ۱۸۷) ۲۔ بیوی نسلِ انسانی کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ (النساء: ۱)
۳۔ بیوی سکون کا باعث ہے۔ (الروم: ۲۱) ۴۔ بیوی خاوند کی نائب ہے۔ (النساء: ۳۴)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا

اور نہ تم بناؤ اللہ نشانہ اپنی قسموں کے لیے یہ کہ تم نیکی کرو

وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور پرہیزگاری کرو اور صلح کراؤ درمیان لوگ اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ

نہیں مؤاخذہ کرے گا تمہارا اللہ لغو میں قسمیں تمہاری اور لیکن وہ مؤاخذہ کرے گا تمہارا

بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ

اسکے ساتھ جو کمایا تمہارے دل اور اللہ بہت بخشنے والا خوب بردبار ان لوگوں کے لیے

يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ

قسم کھاتے ہیں سے انکی عورتیں انتظار چار مہینے پھر اگر وہ رجوع کرلیں

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا

''اور تم اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی ایسی قسموں میں استعمال نہ کرو جن سے مقصود بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح سے باز رہنا ہو اور اللہ تعالیٰ خوب سننے، خوب جاننے والا ہے۔ (۲۲۴) اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑتا البتہ وہ ان قسموں پر پکڑے گا جو تم نے پختہ ارادے کے ساتھ قسمیں کھائیں۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور خوب بردبار ہے۔ (۲۲۵) جو لوگ اپنی بیویوں سے علیحدگی کی قسمیں کھا بیٹھیں ان عورتوں کے لیے چار مہینے کی مدت ہے، پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (۲۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: میاں بیوی کے درمیان کسی مسئلہ میں تکرار ہوجائے تو بسا اوقات معاملہ بحث وتکرار سے بڑھ کر قسم تک پہنچ جاتا ہے لہٰذا جذباتی قسم کے بارے میں رعایت دی گئی ہے۔

ازدواجی وعائلی مسائل کے دوران قسم کے مسئلہ کی وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی کہ اس زمانے میں اور آج بھی باہمی مخالفت یا طیش میں آکر لوگ قسم اٹھا لیتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ اتنے دن کلام سے اجتناب، بائیکاٹ یا فلاں کام نہیں کروں گا۔ حالانکہ اس موقع پر قسم اٹھانا مناسب بات نہیں ہوتی۔ جہاں تک بیوی سے ایلاء یعنی بائیکاٹ کا معاملہ ہے اس فرمان میں ایلاء کی آخری مدت چار ماہ مقرر کردی گئی۔ خاوند کو اس کے بعد رجوع کرنا یا پھر طلاق دینا ہوگی۔ مسلمان

کو ایسی قسم اٹھانے سے روک دیا گیا ہے جو نیکی اور خیر کے کام میں رکاوٹ بنتی ہو۔ یہ قسم اس لحاظ سے عجیب اور غیر دانش مندی کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آدمی کسی نیک کام سے رُک جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نیکی کا حکم دیتا اور ہر قسم کی برائی سے منع کرتا ہے۔ یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بابرکت اور عظیم نام ہی نیکی میں رکاوٹ بنا دیا جائے۔ اس لیے یہاں حکم دیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو نیکی اور اصلاح بین الناس کے درمیان رکاوٹ نہ بناؤ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم کس نیت اور غرض سے اس کے عظیم نام کو استعمال کر رہے ہو؟

«عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ ﷺ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ فَحَلَفَ أَنْ لاَ يَحْمِلَنَا ثُمَّ قَالَ وَاللهِ إِنْ شَآءَ اللهُ لَآ أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا»

(رواہ البخاری: کتاب الأیمان والنذور، باب الیمین فیما لا یملک الخ)

''حضرت زھدم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ابوموسیٰ اشعری ﷺ کے پاس تھے وہ فرماتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کے پاس اشعری قبیلہ کے کچھ افراد کے ہمراہ اس وقت حاضر ہوا جب آپ غصہ میں تھے۔ ہم نے سواری کا مطالبہ کیا تو آپ نے قسم اٹھادی کہ میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اللہ کی مشیت شامل حال ہو تو جس کام پر میں قسم کھاتا ہوں اگر اس کی بجائے دوسرے کام کو بہتر سمجھوں تو میں بہتر کام کر کے قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔''

یہاں اس بات کی بھی وضاحت فرمادی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمہارا انہی قسموں پر مؤاخذہ کرے گا جو تم نے عمداً اٹھائی ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ ظرف ہونے اور اپنی بخشش کی وجہ سے تمہاری لغو قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا۔ حالانکہ تم اس کا پاک اور عظیم نام کو بے مقصد استعمال کرتے ہو۔ لغو کے بارے میں سورۃ المؤمنون آیت: ۳ کی تلاوت فرمائیں:

{ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ } (المومنون:۳)

''مؤمن وہ ہیں جو لغو اور بے مقصد کام اور کلام سے پرہیز کرتے ہیں۔''

رسول مکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ» (رواہ الترمذی: کتاب الزھد [صحیح])

''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے مقصد کام چھوڑ دے''۔

پختہ قسم کا کفارہ:

{ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ } (المائدۃ:۸۹)

''اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرتا مؤاخذہ اس پر فرماتا ہے کہ جب تم پختہ قسمیں کھاتے ہو۔ پختہ قسم کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنچانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو مالی استعداد نہیں رکھتا وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کا خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام اس لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔''

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ فِي رَكْبٍ وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَلَا، إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ، وَإِلَّا فَلْيَصْمُتْ»

(رواہ البخاری: بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ إِكْفَارَ مَنْ قَالَ ذَلِكَ مُتَأَوِّلًا أَوْ جَاهِلًا)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک قافلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ اپنے والد کی قسم اٹھا رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں آواز دی کہ سنو! اللہ نے تمہیں اپنے آباء واجداد کی قسم اٹھانے سے منع فرمایا ہے جس نے قسم اٹھانی ہو وہ صرف اللہ کی قسم اٹھائے ورنہ خاموش رہے۔''

مسائل

۱۔ نیکی اور اصلاح بین الناس سے رکنے یا روکنے کے لیے قسم اٹھانا جائز نہیں۔
۲۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ بے ارادہ قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا۔
۴۔ عزم کے ساتھ اٹھائی ہوئی قسم پر مؤاخذہ ہوگا۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی حوصلے اور معاف کرنے والا ہے۔
۶۔ بیوی سے ایلاء کی مدت چار ماہ ہے۔ ۷۔ ایلاء کا معنی ہے بیوی سے بائیکاٹ کرنا۔

تفسیر بالقرآن

جھوٹی قسم کا گناہ:

۱۔ قسم کو ڈھال نہ بناؤ۔ (البقرۃ:۲۲۴) ۲۔ پختہ قسموں کو پورا کرنا چاہیے۔ (النمل:۹۱)
۳۔ ناجائز قسموں پر عمل نہ کیا جائے۔ (التحریم:۱، ۲) ۴۔ صدقہ نہ دینے کی قسم ممنوع ہے۔ (النور:۲۲)
۵۔ غلط قسموں کے ذریعے مال بٹورنے والوں کا انجام۔ (آلِ عمران:۷۷)
۶۔ جھوٹی قسمیں کھانے والوں کا انجام۔ (التوبۃ:۹۵) ۷۔ بلاقصد قسموں پر مؤاخذہ نہیں۔ (المائدۃ:۸۹)

قسم کی وجہ سے بیوی سے علیحدگی کی عدت:

۱۔ عورتوں سے علیحدگی کی مدت چار ماہ ہے۔ (البقرۃ:۲۲۶)
۲۔ چار ماہ کے بعد رجوع ہے یا طلاق دینا ہوگی۔ (البقرۃ:۲۲۶، ۲۲۷)

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اگر انہوں نے عزم کرلیا طلاق تو بے شک اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ

اور طلاق یافتہ عورتیں وہ انتظار کریں اپنے آپ کو تین حیض اور نہیں حلال ان کے لیے یہ کہ

يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ

وہ چھپائیں جو پیدا کیا اللہ میں ان کے رحم اگر ہیں

يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ

ایمان رکھتی اللہ کیساتھ اور یوم آخرت اور ان کے خاوند زیادہ حقدار ان کو لوٹانے کا میں

ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

اس اگر وہ چاہیں بہتری اور ان کے لیے جیسے وہ جو ان پر

بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع ۲۸ ۱۲

دستور کے مطابق اور مردوں کے لیے ان پر درجہ اور اللہ بڑا غالب خوب حکمت والا

''اور اگر مرد طلاق کا ہی ارادہ کرلیں تو اللہ خوب سننے، خوب جاننے والا ہے۔(۲۲۷) طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں ان کے لیے حلال نہیں کہ اللہ نے جو ان کے رحم میں پیدا کیا اُسے چھپائیں۔ ان کے خاوند اس مدت میں ان کی واپسی کے زیادہ حق دار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حق ہیں اچھے انداز کے ساتھ۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب، خوب حکمت والا ہے۔''(۲۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے متعلقہ مسائل کا بیان جاری ہے۔

اگر ایلاء کرنے والے نے طلاق دینے کا حتمی فیصلہ کرلیا ہے تو مطلقہ عورت کو تین حیض انتظار کرنا چاہیے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے سمیع وعلیم کی صفات کا تذکرہ فرما کر ایک قسم کی تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ طلاق تک نوبت پہنچنے میں خاوند، بیوی اور خاندان کے کس کس آدمی کا کتنا ہاتھ ہے لہٰذا تمہیں خوب سمجھ سوچ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔

رسولِ معظم ﷺ کا ارشاد ہے:

«ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ»

(رواہ الترمذی: کتاب الطلاق، باب ماجاء فی الجد والھزل فی الطلاق [حسن])

''تین کام ایسے ہیں جو حقیقتاً اور بطورِ مذاق بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ نکاح، طلاق اور رجوع۔''

یہاں مطلقہ عورت سے مراد وہ عورت ہے جسے طلاقِ رجعی ہو۔ رجعی کا معنیٰ ہے جس میں میاں بیوی کو آپس میں رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ایسی مطلقہ کو تین حیض انتظار کرنا چاہیے۔ یہاں عورت کو بالخصوص یہ ہدایت کی جارہی ہے کہ اگر وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے تو جو کچھ اس کے رحم میں ہے اسے ہرگز نہیں چھپانا چاہیے۔ کیونکہ عورت کے حاملہ ہونے کا صرف اسی کو علم ہوسکتا ہے۔ خاص کر ابتدائی ایام میں اس کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خالی الرحم ہے یا صاحبِ اُمید ہے اسے اللہ اور آخرت کا نام لے کر احساس دلایا جارہا ہے کہ اسے آگے نکاح کرنے کے لیے یہ خیانت نہیں کرنا چاہیے۔ اس طرح کرنا نہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے بلکہ رحم کی کیفیت کو چھپاتے ہوئے کسی دوسرے سے نکاح کرتی ہے تو وہ اس حرکت کے ساتھ کئی بھاری جرائم کا ارتکاب کرے گی۔ پہلا جرم تو یہ ہے کہ اس طرح اس کا دوسرے شخص سے نکاح کرنا ہی ناجائز ہے۔ دوسرا جرم یہ ہے کہ اس کے رحم میں جو بچہ ہے اس کی ولدیت کا معاملہ بھی خلط ملط ہو جائے گا۔

کیونکہ ایسے بچے کی ولدیت کا حقیقی علم ہو جائے تو وہ دونوں طرف سے وراثت سے محروم ہو جائے گا۔ بیوی کا پہلا خاوند اس لیے اس بچے کو اپنا وارث نہیں بنائے گا کہ اس کی ماں نے طلاق کے وقت اسے بتلانے سے انکار کر دیا تھا عورت کا موجودہ خاوند انکار کرنے میں اس لیے حق بجانب ہوگا کہ حقیقتاً وہ اس کا بچہ ہی نہیں۔ اسی طرح آگے چل کر یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہوگا کہ یہ بچہ یا بچی کس کے لیے محرم ہے؟ اگر حاملہ ہونے کے باوجود عورت اپنا رحم خالی بتلاتی ہے تاکہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کر سکے جب کہ اس کی عدّت وضع حمل ہے تو غلط بیانی سے کام لے کر اپنے خاوند کو رجوع کے حق سے محروم کرتی ہے اور بچے کے نسب کو خلط ملط کرتی ہے۔ جو شرعی طور پر خاوند اور اس کے خاندان کے ساتھ خیانت کے مترادف ہے۔ اس لیے اللہ اور آخرت کے نام سے اسے تاکید کی جارہی ہے کہ اسے اس معاملے کو چھپانا نہیں چاہیے۔ اگر اس کا خاوند طلاقِ رجعی کی مدت میں عدت گزرنے کے بعد نکاح کی خواہش کرے تو اس کو عقدِ ثانی کرنے کا زیادہ حق پہنچتا ہے بشرطیکہ وہ باہمی طور پر اپنی اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق ٹھہرائے ہیں تاہم مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ مرد خاندان کی اکائی اور کنبے کا کفیل ہوتا ہے۔

رسولِ معظم کا ارشاد ہے کہ جان بوجھ کر نسب کو خلط ملط کرنا حرام ہے:

«عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ افْتَتَحَ حُنَيْنًا فَقَامَ فِينَا خَطِيبًا فَقَالَ: لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ الخ»

(رواہ احمد: باب مسند رویفع بن ثابت [صحیح])

''حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح حنین کے موقعہ پر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے کے لیے یہ بات حلال اور جائز نہیں کہ وہ اپنے پانی سے

کسی اور کی کھیتی سیراب کرتا پھرے۔''

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوِ انْتَمٰى إِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ الْمُتَتَابِعَةُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (رواہ أبو داؤد: کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الخ [صحیح])

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے باپ کو اپنا باپ بنانے کا دعویٰ کیا یا کسی نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کے آقا کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا تو اس پر قیامت کے دن تک لگاتار ''اللہ'' کی لعنت برستی رہے گی۔''

مسائل

۱۔ مطلقہ عورت کی عدّت تین حیض ہے۔ ۲۔ مطلقہ عورت کو اپنے رحم کی حالت نہیں چھپانا چاہیے۔

۳۔ طلاقِ رجعی کی عدّت گزرنے کے بعد پہلا خاوند نکاح کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔

۴۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔

۵۔ خاوندوں کا بیویوں پر درجہ بلند ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

عدّت کے مسائل:

۱۔ مطلقہ کی عدّت تین حیض ہے۔ (البقرۃ:۲۲۸) ۲۔ حیض نہ آنے کی صورت میں عدّت تین ماہ ہے۔ (الطلاق:۴،۵)

۳۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ (البقرۃ:۲۳۴) ۴۔ حاملہ کی عدّت وضع حمل ہے۔ (الطلاق:۴)

۵۔ عدّت کے دن گننے چاہئیں۔ (الطلاق:۱) ۶۔ عورت شوہر کے گھر عدّت گزار سکتی ہے۔ (الطلاق:۱)

۷۔ خاوند کے ہاتھ لگائے بغیر طلاق دینے کی صورت میں عدّت نہیں۔ (الاحزاب:۴۹)

۸۔ عدّت والی حاملہ ہو تو بچہ جنم دینے تک مکان اور نفقہ کی حق دار ہے۔ (الطلاق:۶)

۹۔ عدّت والی حمل نہ چھپائے۔ (البقرۃ:۲۲۸) ۱۰۔ عدّت میں منگنی کا اشارہ کرنے میں گناہ نہیں۔ (البقرۃ:۲۳۵)

۱۱۔ دورانِ عدّت نکاح جائز نہیں۔ (البقرۃ:۲۳۵)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ

طلاق دوبار پھر روک لینا دستور کے مطابق یا چھوڑ دینا حسنِ سلوک کیساتھ اور نہیں حلال

لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ

تمہارے لیے یہ کہ تم لو اس سے جو تم نے دیا ان کو کچھ سوائے یہ کہ

يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ

وہ دونوں ڈریں کہ نہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدود پھر اگر تم ڈرو کہ نہیں وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدود

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

تو کوئی نہیں گناہ ان دونوں پر اس میں جو وہ عورت فدیہ میں دے اس کا یہ اللہ کی حدود ہیں پس نہ

تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

آگے بڑھو تم ان سے اور جو آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدود پس یہی لوگ وہ ظالم (جمع)

''طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو اچھے انداز سے رکھنا ہے یا احسان کر کے چھوڑ دینا ہے اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ تم نے ان عورتوں کو دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھنے کا اندیشہ ہو اس لیے اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لیے کچھ دے دے۔ اس میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ اللہ کی حدود ہیں خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے لوگ ہی تو ظالم ہیں۔'' (۲۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

عربوں نے عورت کے لیے طلاق کو تنگ کرنے کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا جب اس کی عدّت ختم ہونے کے قریب آتی تو وہ اس سے رجوع کر لیتا تھا۔ اس طرح بار بار طلاق دیتا اور رجوع کرتا یہاں تک کہ اس کو اسی حالت پر رہنے دیتا۔ اس حالت میں نہ وہ بیوی کے طور پر گھر میں زندگی بسر کرتی اور نہ ہی اس کی جان چھوٹتی۔ انہی خیالات کے تحت ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہیں ایسی سزا دوں گا جس سے چھٹکارا پانا تیرے بس کا روگ نہیں ہوگا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انصاری نے کہا کہ میں ہر طلاق کے بعد عدّت گزرنے سے پہلے رجوع کرتا رہوں گا تاکہ تو اسی کش مکش میں مبتلا رہے۔ یہ سزا سن کر بیچاری کانپ اٹھی اور موقع پاتے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں موجود نہ تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میرے ساتھ یہ ظلم ہونے والا ہے ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ (رواہ الترمذی: ابواب الطلاق واللعان، باب ماجاء فی طلاق المعتوہ [ضعیف])

اس اثناء میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ آج کے بعد مرد کو صرف دو رجعی طلاقیں دینے کا حق ہوگا۔ اگر وہ اس

دوران رجوع کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ تیسری طلاق کے بعد نکاح ختم ہو جائے گا اور مردوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ جو کچھ انہوں نے اپنی بیویوں کو بھلے وقت میں دیا ہے وہ ان سے واپسی کا مطالبہ کریں۔ اگر دونوں اس بات کا خطرہ محسوس کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ اخلاقی اور ازدواجی حدود کا احترام نہیں کر سکیں گے۔ ایسی صورت میں عورت حق مہر واپس کرے یا مزید کوئی چیز دے کر طلاق حاصل کر لے۔ اس لین دین میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں جن میں کسی صورت بھی تجاوز نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی متعین کردہ حدود کو اس لیے واضح کرتا ہے کہ تم احترام کرو اور ان کو سمجھو۔

اسلام کے نظامِ معاشرت اور عائلی قوانین میں اس قدر توازن برقرار رکھا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ مرد مرتبے اور اختیارات کے لحاظ سے عورتوں پر ناظم اور نگران ہیں لیکن مردوں کو اس طرح کے اندھا دھند اختیارات نہیں دیے گئے کہ وہ آزاد اور محصنات عورتوں کو لونڈیاں بنا ڈالیں۔ عورتوں کو ایسے مسائل سے مامون رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی ایک درجہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ غیر جذباتی انداز اور پوری سوچ و بچار کے بعد اس فیصلے پر پہنچتی ہے کہ میرا اس خاوند کے ہاں اب رہنا مشکل ہو گیا ہے تو طلاق لینے کا حق دیا گیا ہے جسے شریعت کی زبان میں خلع کہا جاتا ہے۔ خلع کا مطلب ہے کہ عورت طلاق لینا چاہتی ہے تو خاوند کے مطالبہ پر اسے اس کی کچھ نہ کچھ قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ یہ قدغن اس لیے لگائی گئی کہ عورت جذباتی اور کمزور ہونے کی وجہ سے مرد کے مقابلے میں معاشرتی حالات کو پوری طرح نہیں جانتی تاکہ وہ خلع حاصل کرنے کے لیے اچھی طرح غور و خوض کر لے۔

ایسا ہی واقعہ رسولِ محترم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا:

«يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً» (رواه البخاری: کتاب الطلاق، باب الخلع و کیف الطلاق فیه)

''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں کوئی نقص محسوس نہیں کرتی لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تو اس کا باغ اسے واپس لوٹا دے گی۔ اس نے اثبات میں جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ثابت باغ قبول کرو اور اسے طلاق دے دو۔''

لیکن اس کے باوجود عورتوں کو یہ مسئلہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جو عورت بغیر کسی عذر کے خلع مانگتی ہے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔ (رواہ أبو داؤد: کتاب الطلاق، باب ماجاء فی المختلعات [صحیح])

مسائل

۱۔ طلاق رجعی دو مرتبہ ہے۔ ۲۔ بیوی کو دیئے ہوئے تحائف واپس نہیں لینے چاہییں۔
۳۔ عورت خاوند کے مطالبہ پر کچھ نہ کچھ دے کر خلع حاصل کر سکتی ہے۔
۴۔ ''اللہ'' کی حدود میں تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کرنے والے ظالم ہیں۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ

پھر اگر اس کو طلاق دی تو نہیں حلال اس کیلئے سے بعد یہاں تک کہ وہ نکاح کرے خاوند اس کے علاوہ

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ

پھر اگر اس کو طلاق دے تو نہیں کوئی گناہ ان دونوں پر یہ کہ وہ دونوں رجوع کرلیں اگر یقین کریں

اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

یہ کہ وہ قائم رکھیں گے اللہ کی حدود اور یہ اللہ کی حدود وہ واضح کرتا ہے جاننے والی قوم کے لیے

''پھر اگر اس کو تیسری بار طلاق دے دے تو اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو باہم رجوع کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ یقین کرلیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنہیں وہ علم والوں کے لیے بیان کرتا ہے۔''(۲۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اگر میاں بیوی کے درمیان اکٹھا رہنے کی کوئی شکل باقی نہ رہے اور عورت کو تیسری بار طلاق بھی دے دی جائے تو پھر وہ آپس میں رجوع نہیں کر سکتے کیونکہ ایسی طلاق کو طلاقِ مغلظہ کہتے ہیں۔ اب ان کا میاں بیوی بن کر رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ یہ عورت کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے اور اس نکاح میں یہ شرط ہرگز نہیں ہونی چاہیے کہ میں اتنی مدت کے بعد تجھ سے طلاق حاصل کروں گی یا اس کا بننے والا خاوند اس ارادے کے ساتھ نکاح کرے کہ میں مجامعت کرنے کے بعد اسے طلاق دے دوں گا۔ ایسے ملاپ اور نکاح کو حدیث میں حلالہ کہا گیا ہے اور حلالہ کرنے اور کروانے والے پر رسولِ معظم ﷺ نے لعنت کی ہے۔ (رواہ ابوداؤد: کتاب النکاح، باب فی التحلیل [صحیح]) اس طرح کا نکاح زنا کے زمرے میں آتا ہے اور اس انداز سے دی ہوئی طلاق پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنے کا جواز پیدا نہیں کرسکتی۔ قرآنِ مجید کے نقطۂ نگاہ سے تین طلاقیں ہوجانے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح اس صورت میں جائز ہوگا جب یہ خاوند کسی جبر اور پیشگی طے شدہ شرط یا نیت کے بغیر صرف نباہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق دے پھر اس عورت کا پہلے خاوند کے ساتھ اس شرط کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں خلوصِ نیت کے ساتھ یہ عہد کریں کہ آئندہ وہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود کا پوری طرح احترام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حدود کو اس لیے واضح اور کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ان کا احترام کریں۔

مسائل

۱۔ طلاق مغلظہ کے بعد نکاح نہیں ہوسکتا۔ ۲۔ دوسرا خاوند بلا شرط نکاح اور طلاق دے تو پہلے خاوند سے نکاح ہوسکتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی حدود اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھ جائیں اور ان کا احترام کریں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

اور جب تم طلاق دو عورتیں پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت تو روکو انہیں دستور کے مطابق

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ

یا چھوڑ دو انہیں دستور کے مطابق اور نہ تم روکو انہیں تکلیف تاکہ تم زیادتی کرو

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا

اور جو کرے گا یہ تو تحقیق اس نے ظلم کیا اپنی جان اور نہ تم ٹھہراؤ

اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۠ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ

احکام اللہ مذاق اور تم یاد کرو نعمت اللہ تم پر اور جو

اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

اس نے اتارا تم پر سے کتاب اور حکمت وہ نصیحت کرتا ہے تمہیں اس کے ساتھ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

اور تم ڈرو اللہ اور جان لو بیشک اللہ ہر چیز خوب جاننے والا

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے پر آ جائیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف اور ظلم و زیادتی کی غرض سے نہ روکو۔ جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور تم اللہ کے احکام کو ہنسی مذاق اور کھیل تماشا نہ بناؤ اور اللہ کی جو نعمت تم پر ہے اسے اور جو کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی یاد رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔'' (۲۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

غیر معمولی حالات میں بیوی کو طلاق دینا جائز ہے مگر اس کے باوجود اسلام میں طلاق کو اس قدر مشکل بنا دیا گیا ہے کہ آدمی طلاق دینے سے پہلے بار بار سوچے اور اس کے مضرات سمجھنے کی کوشش کرے کیونکہ شریعت کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو میاں بیوی کے درمیان بابرکت اور پاکیزہ بندھن ٹوٹنا نہیں چاہیے۔ رسولِ معظم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ» (رواہ أبو داؤد: باب فی کراھیۃ الطلاق [حسن])

''اللہ تعالیٰ کے ہاں طلاق جائز ہونے کے باوجود ناپسندیدہ عمل ہے۔''

لہٰذا اگر میاں بیوی کے درمیان ناچاقی اور نااتفاقی کا ماحول پیدا ہو جائے تو اس خلیج کو پاٹنے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے

لیے یکے بعد دیگرے کئی اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔ان پر عمل کیے بغیر کوئی طلاق دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک طرح کا مجرم تصور ہوگا۔کیونکہ عام تعلقات اور رشتہ داریوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ جس نے رشتہ داری اور صلہ رحمی کو منقطع کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اپنے رشتۂ رحمت سے کاٹ دے گا۔(رواہ البخاری:باب من وصل وصلہ اللہ)

شریعت نے طلاق سے پہلے جو اقدامات تجویز فرمائے ہیں ان کے کئی مراحل ہیں جن کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔

①۔بیوی کو مسلسل نصیحت کرنا۔ ②۔بیوی کی عادت پسند نہیں تو پھر بھی گزارا کرنا۔

③۔بستر الگ کر دینا۔④۔ہلکی پھلکی سزا دینا۔

⑤۔فریقین کے خاندان میں سے دو ثالث مقرر کرنا۔⑥۔طلاق طہر کی حالت میں دینا۔

مطلقہ اپنے خاوند کے گھر میں عدّت گزارنے کی مجاز ہے۔

حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک اپنے خاوند کے گھر رہنے کا اسے حق دینا ہے۔اس صورت میں وضعِ حمل تک خاوند اپنی بیوی کے نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کا ذمہ دار ہوگا۔طلاق رجعی کی صورت میں رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے۔

تاکہ نباہ کی کوئی نہ کوئی شکل پیدا ہو جائے اور انہیں بار بار سمجھنے،سوچنے اور حالات کو نارمل کرنے کا موقع میسر آئے یہ سب کے سب اقدامات اگر بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں تو پھر حکم ہے کہ اچھے طریقے کے ساتھ اسے الوداع کیا جائے اور خاوند کے لیے حکم ہے کہ وہ عورت کو تکلیف دینے کے لیے عورت کے آگے نکاح کرنے میں کسی قسم کی منفی حرکت اور رکاوٹ پیدا نہ کرے۔جس نے ایسا کیا حقیقتاً وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ظاہر ہے کوئی عقل مند اپنے آپ پر ظلم نہیں کیا کرتا اپنے آپ پر ظلم کا معنیٰ ہے دنیا میں اس کی عزت میں فرق آئے گا اور قیامت کے دن پکڑ ہوگی اس ظلم سے باز رکھنے کے لیے مختلف انداز سے چار دفعہ سمجھایا گیا ہے۔جب کہ پچھلی آیات میں میاں بیوی کے درمیان اخلاقی قدروں اور ازدواجی بندھن کو حدود اللہ قرار دیا گیا ہے۔یہاں انتباہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق کرنے کی جرأت نہ کرنا۔اس نے تمہیں باہم رہنے کے اصول اور تنازعات ختم کرنے کے ضابطے اور اکٹھا رہنے کے بار بار مواقع فراہم کیے ہیں یہ سراسر اس کی طرف سے انعامات ہیں۔اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنی کتاب اور پُر حکمت احکام اس لیے عطا فرماتا ہے کہ وہ ان سے استفادہ اور نصیحت حاصل کرے۔پھر انتباہ کرتے ہوئے اپنی ذات سے ڈرایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنا سیکھو اور جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری گھریلو اور پبلک زندگی کی ہر ہر حرکت سے واقف ہے۔

مسائل

۱۔ عدّت کے دوران عورت کو اچھے انداز سے رکھنا یا اچھے انداز سے فارغ کرنا چاہیے۔

۲۔ عورت کو کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے سے روکنا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق نہیں بنانا چاہیے۔۴۔اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھنا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب وحکمت اس لیے نازل فرمائے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

۶۔ ہر دم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

وَاِذَا	طَلَّقْتُمُ	النِّسَآءَ	فَبَلَغْنَ	اَجَلَهُنَّ	فَلَا	تَعْضُلُوْهُنَّ
اور جب	تم طلاق دے دو	عورتیں	پھر وہ پہنچ جائیں	اپنی عدت	تو نہ	تم انہیں روکو

اَنْ	يَّنْكِحْنَ	اَزْوَاجَهُنَّ	اِذَا	تَرَاضَوْا	بَيْنَهُمْ	بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
یہ کہ	وہ نکاح کریں	انکے خاوند	جب	وہ راضی ہو جائیں	آپس میں	دستور کے مطابق

ذٰلِكَ	يُوْعَظُ	بِهٖ	مَنْ	كَانَ	مِنْكُمْ	يُؤْمِنُ	بِاللّٰهِ
یہ	نصیحت کی جاتی ہے	اس کے ساتھ	جو	ہو	تم میں سے	ایمان رکھتا	اللہ پر

وَالْيَوْمِ	الْاٰخِرِ ؕ	ذٰلِكُمْ	اَزْكٰى	لَكُمْ	وَاَطْهَرُ ؕ	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ
اور دن	آخرت	یہ	بہت پاکیزہ	تمہارے لیے	اور زیادہ صاف	اور اللہ	جانتا ہے

وَاَنْتُمْ	لَا	تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾
اور تم	نہیں	تم جانتے

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو۔ اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہو جائیں۔ یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اور بہترین طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' (۲۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اس سے پہلے طلاقِ رجعی کا بیان جاری ہے کہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی جائے اور وہ اپنی عدت گزار لے تو کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے میں سابقہ خاوند رکاوٹ نہ بنے۔ یہاں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ طلاقِ رجعی کی صورت میں اگر مطلقہ عورت کی عدت گزر جائے اب میاں بیوی آپس میں اچھے انداز میں رہنے کا عزم کرتے ہوئے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ولی کو بھی اس نکاح میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے شخص کے لیے نصیحت ہے جو حقیقتاً دل کی اتھاہ گہرائی سے اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ اس کے لیے یہی صورت مناسب اور بہتر ہے۔ کیونکہ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا بھالا ہوا ہے اور وہ ایک عرصہ اکٹھے رہے ہیں اولاد موجود ہونے کی صورت میں تو نہایت ہی مستحسن فیصلہ ہوگا۔ خاص کر جب انہوں نے ماضی کی تلافی اور آئندہ اچھے انداز سے رہنے کا عہد کر لیا ہو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ کوئی دوسرا راستہ تلاش کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جب کہ لوگوں کو مستقبل کا علم نہیں۔ لہٰذا ایسی عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے ہرگز نہیں روکنا چاہیے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا:

«عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ زَوَّجَ أُخْتَهُ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَكَانَتْ عِنْدَهُ مَا كَانَتْ ثُمَّ طَلَّقَهَا تَطْلِيْقَةً لَمْ يُرَاجِعْهَا حَتّٰى انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَهَوِيَهَا وَهَوِيَتْهُ ثُمَّ خَطَبَهَا مَعَ الْخُطَّابِ فَقَالَ لَهُ يَا لُكَعُ أَكْرَمْتُكَ بِهَا وَزَوَّجْتُكَهَا فَطَلَّقْتَهَا وَاللهِ لَا تُرَاجِعُ إِلَيْكَ أَبَدًا آخِرُ مَا عَلَيْكَ قَالَ فَعَلِمَ اللهُ حَاجَتَهُ إِلَيْهَا وَحَاجَتَهَا إِلٰى بَعْلِهَا فَأَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى {وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ} إِلٰى قَوْلِهِ {وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ} فَلَمَّا سَمِعَهَا مَعْقِلٌ قَالَ سَمْعًا لِرَبِّيْ وَطَاعَةً ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ أُزَوِّجُكَ وَأُكْرِمُكَ» (رواہ الترمذی: کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ البقرۃ [صحیح])

''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسلمانوں کے ایک آدمی سے اپنی بہن کی شادی کی وہ اس کے پاس کچھ عرصہ رہی۔ اس کے خاوند نے اسے ایک طلاق دی اور عدت بھی گزر گئی لیکن رجوع نہ کیا۔ پھر میاں بیوی ایک دوسرے کو چاہنے لگے اس آدمی نے نکاح کے لیے پیغام بھیجا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا، کمینے! میں نے تیری عزت کرتے ہوئے اس کے ساتھ شادی کی اور تو نے اسے طلاق دے دی اللہ کی قسم! اب کبھی بھی یہ تیرے پاس نہیں لوٹے گی یہ آخری باری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی کی خواہش کے پیش نظر یہ آیت نازل فرمائی {وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ} جب معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو فرمایا کہ میں نے اپنے رب کی بات کو سنا اور مان لیا۔ پھر انہوں نے اس آدمی کو بلایا اور کہا میں تیرا نکاح بھی کرتا ہوں اور عزت بھی کروں گا۔''

تاہم عقد ثانی کی صورت میں اگر عورت چاہے تو وہ نیا حق مہر اور شرائط مقرر کر سکتی ہے کیونکہ پہلا نکاح ختم ہو جانے کی وجہ سے دوسرے نکاح کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مسائل

۱۔ طلاق رجعی کی صورت میں عدت پوری ہونے کے بعد عورتیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنا چاہیں تو انھیں روکنا نہیں چاہیے۔
۲۔ نصیحت اس شخص پر اثر انداز ہوتی ہے جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جبکہ لوگ بہت کم علم رکھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ سب کچھ جانتا ہے:

۱۔ اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ (ہود: ۵) ۲۔ جو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (البقرہ: ۲۱۶)
۳۔ اللہ کا علم فرشتے بھی نہیں جانتے۔ (البقرہ: ۳۰) ۴۔ ہر گرنے والا پتا اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ (الانعام: ۵۹)
۵۔ اللہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔ (المومن: ۱۹) ۶۔ اللہ خشکی اور تری کی پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے۔ (الانعام: ۵۹)

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دوسال پورے اسکے لیے جو چاہے یہ کہ

يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

وہ پوری کرے دودھ پلانے کی مدت اور پر جس کا بچہ ان کا کھانا اوران کا لباس دستور کے مطابق

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا

نہیں تکلیف دی جاتی کوئی جان مگر اس کی وسعت نہ تکلیف دی جائے ماں اسکے بچے کے سبب اور نہ

مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۘ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا

جس کا بچہ (باپ) اس کے بچہ کے سبب اور پر وارث ایسا یہ پھر اگر وہ دونوں چاہیں دودھ چھڑانا

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ

سے باہمی رضامندی ان دونوں سے اور باہم مشورہ تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر اور اگر تم چاہو

اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ

یہ کہ تم دودھ پلواؤ اپنی اولاد کو تو نہیں گناہ تم پر جب تم سپرد کردو جو تم نے دیا

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

دستور کے مطابق اور ڈرو اللہ اور جان لو بیشک اللہ اس کے ساتھ جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا

''اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دوسال دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کا ہو اور باپ کے ذمہ دستور کے مطابق ان کا روٹی کپڑا ہے۔ ہر شخص کو اتنی ہی تکلیف دی جاتی ہے جتنی اس کی طاقت ہو۔ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ دی جائے۔ وارثوں پر بھی اس جیسی ذمہ داری ہے، پھر اگر ماں باپ، اپنی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو دستور کے مطابق جو طے کیا ہو ان کے حوالے کردو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔'' (۲۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

طلاق ہونے کی صورت میں ماں کی گود میں نونہال اور معصوم بچہ ہو تو اس کا کون محافظ اور نگران ہونا چاہیے؟ بالخصوص جب کہ بچہ کھانا کھانے اور اپنے ہاتھ سے پانی پینے کے قابل نہ ہو۔ ربِ کریم نے اس نونہال کی پرورش اور نگرانی کا ایسا انتظام فرمایا کہ جس میں ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی باپ کو تنگ کرنے کے لیے ماں بچے کا بہانہ بنائے بلکہ

باہمی مشاورت کے ساتھ بچے کی رضاعت اور حفاظت کا معاملہ طے ہونا چاہیے۔اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ طلاق ہونے کے باوجود سابقہ میاں بیوی اور دونوں کے خاندانوں کے درمیان دشمنی کے بجائے ممکن حد تک قربت باقی رہے۔لہٰذا باہم رضامندی کے ساتھ ماں اپنے بچے کو مکمل دو سال دودھ پلائے اور اس دوران بچے اور اس کی والدہ کے کھانے پینے کے اخراجات بچے کے والد کے ذمّہ ہوں گے۔والد کے فوت ہو جانے پر یہ ذمّہ داری وارث نبھائیں گے۔کفالت کے سلسلے میں بھی اسی اصول کو پیشِ نظر رکھا جائے کہ جس سے ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کے بجائے خاوند عورت کی ضروریات کا خیال رکھے اور بچے کی ماں اپنے سابقہ خاوند کی مالی حیثیت کو سامنے رکھ کر اخراجات کا تقاضا کرے۔پھر تیسری گنجائش یہ بھی رکھ دی گئی ہے کہ اگر بچے کا والد کسی وجہ سے اس کی ماں کا دودھ نہیں پلوانا چاہتا یا عورت کسی مجبوری یا آئندہ نکاح کے پیشِ نظر اپنے لختِ جگر کو دودھ پلانے سے عاجز ہے تو ایسی صورت میں کسی دایہ کے ہاں بچے کی رضاعت کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔بشرطیکہ دودھ پلانے والی کو اچھے انداز میں اس کا حق الخدمت ادا کیا جائے۔یہاں اس مسئلہ کی وضاحت بھی فرما دی گئی کہ ماں اپنے بچے کو دو سال دودھ پلائے گی اور رضاعت کی مدت دو سال ہوگی۔اس سے رضاعت کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے معراج کی رات دیکھا کہ کچھ عورتوں کے پستانوں سے سانپ چمٹے ہوئے ہیں۔میرے پوچھنے پر بتلایا گیا کہ یہ وہ مائیں ہیں جو بلا وجہ اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔(سلسلة الصحيحة: للألبانی: ۳۹۵۱)

الحمدللہ جدید میڈیکل سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ جو مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں وہ سینے کے کینسر سے محفوظ رہتی ہیں۔آج کے دور میں اس کے لیے بین الاقوامی طور پر سالانہ واک کا اہتمام کیا جاتا ہے۔کچھ لوگوں نے رضاعت کی مدت سورۃ الاحقاف کی آیت ۱۵ سے استدلال کرتے ہوئے اڑھائی سال بتلائی ہے اس استدلال کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملتا۔

قرآنِ مجید کا اسلوب ہے کہ وہ ہر اہم مسئلہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا خوف اور لوگوں کو اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کیا کرو۔کیونکہ وہ تمہاری ہر حرکت کو جاننے اور دیکھنے والا ہے۔یہ تصور یہاں اس لیے دہرایا اور تازہ کیا گیا ہے کہ معصوم بچے اور اس کی مطلقہ ماں کے بارہ میں وہی اچھا سلوک کرے گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے۔

مسئلہ رضاعت

رضاعت کی مدت دو سال ہے:

{ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ } (البقرة:۲۳۳)

''مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔یہ مدت مکمل دودھ پلانے کا ارادہ رکھنے والوں کے لیے ہے۔''

ان سالوں میں بچہ جس عورت کا دودھ پیے گا وہ اس کی رضاعی ماں کہلائے گی اور جتنے رشتے حقیقی ماں کی وجہ سے اس پر حرام تھے اتنے ہی رضاعی ماں کی وجہ سے حرام ہوں گے۔رسولِ محترم ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ» (رواه البخاری: باب الشهادة على الأنساب)

''جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کے سبب بھی حرام ہو جاتے ہیں۔''

پردہ کی آیات کے نزول کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ابوقعیس کا بھائی افلح کا بھائی آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسم اٹھا کر کہا کہ جب تک میں نبی کریم ﷺ سے نہ پوچھ لوں تب تک میں تجھے اپنے ہاں آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے یہ بھی سوال کیا کہ مجھے تو ابوقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا ہے نہ کہ ابوقعیس کے بھائی نے آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِئْذِنِي لَهُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ تَرِبَتْ يَمِينُكِ» (رواه البخاری: کتاب الأدب)

''تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں! اسے اجازت دے کیونکہ وہ تیرا چچا ہے۔'' ہاتھ خاک آلودہ ہونا عرب کا محاورہ تھا جو تعجب دلانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

رضاعت کب تک ثابت ہو سکتی ہے؟

اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی غالب اکثریت کا فیصلہ ہے کہ رضاعت اتنی مدت کے دوران ہی ثابت ہوگی جتنی دیر تک بچے کو دودھ پلانے کی اجازت ہے اور وہ قرآن مجید کے مطابق دو سال ہے: (البقرۃ: ۲۳۳)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ»

(رواه الترمذی: کتاب الرضاع، باب ماجاء ماذکر أن الرضاعة لاتحرم إلا فی الصغر [صحیح])

''رضاعت اس وقت ثابت ہوگی جب دودھ سے انتڑیاں سیر ہو جائیں اور یہ رضاعت دودھ چھڑانے کی مدت کے دوران ہے۔'' (بچہ پانچ بار خوب سیر ہو کر دودھ پیئے تب رضاعت ثابت ہوگی کیونکہ حدیث میں پانچ بار کی شرط ہے۔)

مسائل

۱۔ مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ ۲۔ بچے کے بہانے میاں بیوی ایک دوسرے کو اذیت نہ پہنچائیں۔
۳۔ دودھ پلانے کے دوران ماں اور بچے کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں گے۔
۴۔ باپ کے فوت ہونے کی صورت میں اس کے وارث بیوہ اور اس کے بچے کی کفالت کے ذمہ دار ہوں گے۔
۵۔ میاں بیوی یا وارث باہمی رضامندی سے بچے کو دودھ دوسری عورت سے پلوانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں۔
۶۔ دایہ کو اس کا حق ہر صورت ادا کرنا چاہیے۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ وہ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رضاعت کے اصول:

۱۔ مدت رضاعت دو سال ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۳) ۲۔ دودھ پلانے میں کسی کو تکلیف نہ دی جائے۔ (البقرۃ: ۲۳۳)
۳۔ دودھ پلانے والی کا نان ونفقہ اور کپڑے بچے کے والد کے ذمے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۳۳)
۴۔ رضامندی سے بچے کی ماں کا دودھ چھڑانا گناہ نہیں۔ (البقرۃ: ۲۳۳)
۵۔ دودھ پلانے کے دوران مطلقہ کو اخراجات دینے چاہئیں۔ (الطلاق: ۶)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

اور جولوگ فوت کردیے جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں وہ انتظار کریں اپنے آپ کو

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

چار مہینے اور دس پھر جب پہنچ جائیں ان کی عدت تو نہیں گناہ تم پر اسمیں جو

فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

وہ کریں میں اپنے حق دستور کے مطابق اور اللہ اسکے ساتھ جو تم کرتے ہو خوب باخبر

''تم میں سے جولوگ بیویاں چھوڑ کر فوت ہو جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن رو کے رکھیں۔ جب عدت پوری کرلیں تو وہ اپنی بہتری کے لیے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔'' (۲۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

یہاں ازدواجی اور معاشرتی مسائل کے تذکرہ میں ایک اور اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جن عورتوں کے خاوند فوت ہو جائیں انہیں چار مہینے دس دن اسی گھر میں رہنا اور عدّت گزارنی چاہیے۔ جب وہ اپنی عدّت گزار لے تو اسے اپنے مستقبل کے بارے میں شریفانہ انداز میں فیصلہ کرنے کا حق دینا چاہیے۔ پھر خبردار فرمایا کہ بیوہ، اس کے لواحقین اور سب لوگوں کے اعمال سے اللہ تعالیٰ بہت اچھی طرح باخبر ہے۔ لہٰذا ہر کسی کو پوری ہوش مندی کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کرنا چاہیے۔ بیوی کی چار مہینے دس دن عدت کے بارے میں اہلِ علم کے مختلف موقف ہیں۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ عدّت اس لیے مقرر کی گئی ہے تاکہ اچھی طرح معلوم ہو سکے کہ بیوہ صاحبِ امید ہے یا کہ خالی الرحم اور دوسروں کا خیال ہے کہ چار مہینے دس دن خاوند کی وفات پر اس کی بیوی افسوس کے طور پر گزارے گی جب کہ خاوند کے علاوہ کسی دوسرے کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ چار مہینے دس دن عدت ہر اس عورت کے لیے ہے چاہے فوت ہونے والے اس کے خاوند نے اس کے ساتھ مجامعت کی ہو یا نہ کی ہو، بوڑھی ہو یا جوان۔ البتہ حاملہ کی عدّت بچہ جنم دینے تک ہے۔ (الطلاق:۴) ایسی عورت اس کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے بیوہ عدّت کے دوران زیب وزینت، بناؤ سنگھار نہیں کرسکتی اور نہ ہی بلاضرورت گھر سے باہر جاسکتی ہے۔ البتہ مجبوری کی حالت میں گھر تبدیل کرنا اور ضرورت کے تحت کام کاج کرنے کی اجازت ہے۔

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دے دی گئی۔ اس نے اپنے باغ سے کھجوریں اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے اسے باہر نکلنے سے روک دیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا: اپنی کھجوریں اتارو ہوسکتا ہے کہ تم صدقہ کرو یا دوسرا نیکی کا کام کرو۔'' (رواہ مسلم: باب جواز خروج المعتدۃ)

مسائل

۱۔ بیوہ کی عدّت چار مہینے دس دن ہے۔ ۲۔ عدت پوری ہونے کے بعد عورت اپنے بارے میں فیصلہ کرسکتی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ

اور نہیں گناہ تم پر اسمیں جو تم نے اشارہ کیا اسکے ساتھ سے پیغام نکاح

النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

عورتیں یا تم پوشیدہ رکھو میں تمہارے دل جان لیا اللہ بیشک تم

سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا

عنقریب ذکر کرو گے ان سے اور لیکن نہ وعدہ کرو ان سے خفیہ مگر یہ کہ تم کہو

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ

کوئی بات دستور کے مطابق اور نہ ارادہ کرو عقد نکاح یہاں تک کہ پہنچ جائے

الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

عدت اسکا وقت اور جان لو بے شک اللہ وہ جانتا ہے جو کچھ میں تمہارے دل

فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

لہٰذا تم ڈرو اس سے اور جان لو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت بردبار

ع ۱۴ ۲۶

''تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارۃً ان عورتوں سے نکاح کی بات کرو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم عنقریب ان سے ذکر کرو گے لیکن تم ان سے خفیہ وعدہ نہ کرو۔ ہاں تم بھلی بات کہو اور جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے عقد نکاح پختہ نہ کرو اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا علم ہے۔ تم اس سے ڈرتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، حلم والا ہے۔'' (۲۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے مسائل جاری ہیں۔

بیوہ عورت اپنے خاوند کی وفات کے بعد چار مہینے دس دن کی عدت گزارے گی بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو۔ حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہوگی۔ اس عدت کے دوران اس کے ساتھ نکاح کرنے کا خواہش مند شخص کسی ایسے طریقے اور انداز سے اسے اپنے ارادے سے آگاہ نہیں کرسکتا جس سے نکاح کرنے کا کھلا اشارہ پایا جائے البتہ کنایہ کی زبان استعمال کرسکتا ہے۔ یہ شرط عورت کی پریشان حالی کی وجہ سے عائد کی گئی ہے کیونکہ عدّت اور صدمے کے ایام میں اس کے ساتھ نکاح کی واضح بات کرنا ہمدردی کے بجائے اس کی افسردگی میں اضافہ اور دکھے ہوئے دل پر نمک پاشی کرنے کے مترادف ہے۔ شاید ہی کوئی بیوہ ہو جس کے لیے اس کے خاوند کا فوت ہونا معمولی بات ہو ورنہ خاوند کے اٹھ جانے کے خیال سے ہی ایک شریف عورت جدائی اور تنہائی کے تصور سے کانپ جاتی ہے۔ اگر اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اور مالی حالات بہتر

نہ ہوں تو اس کی زندگی ویران اور مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ بیوہ کی عدّت کے دوران نکاح کا واضح پیغام بھیجنا اخلاقی قدروں کے منافی ہے ایسی صورت میں دیکھنے اور سننے والا یہ سمجھے گا کہ شاید یہ اپنے خاوند کے مرنے کے انتظار میں تھی۔ ہاں اشارے، کنائے سے آگاہ کرنے کی اجازت دینا اپنے دامن میں کئی حکمتیں لیے ہوئے ہے۔ سب سے بڑی اور جامع حکمت اسی حکم میں بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اشارے کی زبان استعمال کرنے کی اس لیے اجازت دی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ نکاح کے خواہشمند لوگ ضرور کسی انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کریں گے۔ اس اخلاقی جرم سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے از راہِ کرم تمہیں کنایہ استعمال کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے تاہم یہ اشارات اس وقت تک نکاح کے عزم کے ترجمان نہیں ہونے چاہییں جب تک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ضابطہ اپنے وقت کو نہ پہنچ جائے یعنی عدت پوری نہ ہو جائے۔ عزمِ نکاح کے اظہار سے اس لیے بھی منع کیا گیا کہ کہیں عورت غم اور پریشانی کے عالم میں اپنے مستقبل کے بارے میں غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے۔ آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ لوگو! یہ بات یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے جذبات اور عزائم کو اچھی طرح جانتا ہے لہٰذا اس کی نافرمانیوں سے بچ کر رہنا اور یہ بھی یاد رکھو اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود معاف کرنے والا نہایت ہی بردبار ہے۔

عدّت کے مسائل

«عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُنَّا نُنْهٰي أَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَطَّيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيْضِهَا فِيْ نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهٰي عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَآئِزِ»

(رواہ البخاری: کتاب الطلاق، باب القسط للحادة عند الطهر)

''حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہمیں منع کیا جاتا تھا کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں سوائے شوہر کے۔ شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن سوگ کریں اور عدت کے زمانے میں نہ سرمہ لگائیں نہ خوشبو لگائیں نہ رنگا ہوا کپڑا پہنیں سوائے اس کپڑے کے جو بننے سے پہلے رنگا گیا ہو۔ البتہ ہمیں اس بات کی اجازت تھی کہ جب ماہواری کے غسل کے بعد خوشبو کے پھبے کو خون کی جگہ پر پھیر لیں۔ اور جنازے کے پیچھے جانے سے بھی روکا جاتا تھا۔''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیوہ عدّت کے دوران نہ زرد کپڑا پہنے نہ زیور پہنے اور نہ خضاب لگائے۔''

(رواہ ابو داؤد: کتاب الطلاق، باب فیما تجتنبه المعتدة فی عدتها [صحیح])

مسائل

۱۔ بیوہ کو عدّت کے دوران نکاح کا پیغام بھیجنا منع ہے۔ ۲۔ عدّت کے دوران بیوہ کو نکاح کا اشارہ دیا جا سکتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے حال سے واقف ہے۔ ۴۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت ہی بُردبار ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا

نہیں کوئی گناہ تم پر اگر تم طلاق دے دو عورتیں جبکہ نہیں تم نے ہاتھ لگایا انہیں یا مقرر کیا

لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ

ان کے لیے مہر اور فائدہ پہنچاؤ انہیں پر خوش حال اس کی حیثیت اور پر تنگدست

قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ

اس کی حیثیت خرچ دستور کے مطابق لازم پر نیکوکار (جمع) اور اگر تم طلاق دو انہیں

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً

سے پہلے یہ کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور تحقیق تم مقرر کر چکے ہو ان کے لیے مہر

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ

تو نصف جو تم نے مقرر کیا سوائے یہ کہ وہ معاف کر دیں یا معاف کر دے وہ جو اسکے ہاتھ میں

عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا

گرہ نکاح اور یہ کہ تم معاف کر دو زیادہ قریب پرہیزگاری کے اور نہ بھلاؤ تم

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

تعلقات باہم بیشک اللہ اسکے ساتھ جو تم عمل کرتے ہو خوب دیکھنے والا

''اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر حق مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچاؤ۔ خوش حال اپنی ہمت اور تنگدست اپنی طاقت کے مطابق اچھے انداز سے فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔ (۲۳۶) اگر تم عورتوں کو انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دو اور تم ان کا حق مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی ذمہ داری ہے تمہارا معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور تم آپس کے احسان کو فراموش نہ کیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔'' (۲۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: میاں بیوی کے مسائل کا بیان جاری ہے۔ گزشتہ سے پیوستہ

اب ایسے ہنگامی حالات اور واقعات کے بارے میں ہدایات دی جا رہی ہیں جو اس دنیا میں پیش آ ہی جاتے ہیں۔ ان حالات کے کئی اسباب ہوا کرتے ہیں۔ نکاح کے وقت حق مہر پر جھگڑا، نکاح سے پہلے ایک دوسرے کو دی گئی معلومات کا غلط ثابت ہونا اور بعض دفعہ موقع پر اچانک کسی شریر کی شرارت اس قدر شر انگیز اور زود اثر ہوتی ہے کہ خوشی کے موقع پر جمع ہونے والے خاندان کے ذمہ دار افراد آپس میں لڑ کر جدا ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر یہ واقعات اچانک رونما ہوتے ہیں جو فریقین کے لیے نہایت ہی خفت کا

باعث اور خاص طور پر بیٹی والوں کے لیے ایسا معاملہ نہایت ہی دل خراش اور سسکی کا باعث ہوتا ہے۔اس سارے ہنگامے میں سب سے زیادہ متاثر دلہن ہوتی ہے جس کا چند لمحوں بعد نکاح ہونے والا ہوتا ہے۔لہٰذا نہایت ہی ضروری تھا کہ جس لڑکی کو اس کے خاوند نے چھوئے اور حق مہر مقرر کیے بغیر چھوڑ دیا ہے اس کی دل جوئی کا سامان اور اس کے مستقبل کو کئی قسم کے خدشات اور الزامات سے بچایا جائے۔کیونکہ اس صورتِ حال سے اس کا مستقبل خدشات اور شبہات کے حوالے ہو چکا ہے۔لہٰذا دلخراش اور ہنگامی صورتِ حال میں حکم دیا کہ صاحبِ حیثیت اپنے وسائل کے مطابق اور مالی لحاظ سے کمزور اپنی طاقت کے مطابق عورت کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔نیک لوگوں پر اس لیے لازم ہے کہ اس سے طرفین کی پریشانی میں کمی اور عورت کا مستقبل کافی حد تک غلط افواہوں اور الزامات سے محفوظ ہوگا اور دونوں خاندان مزید اختلافات سے بھی بچ جائیں گے۔

نکاح کے بعد یہ صورت بھی پیش آسکتی ہے کہ حق مہر مقرر ہو چکا ہو لیکن میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات قائم ہونے سے پہلے طلاق ہو جائے۔جس کی کئی ہنگامی وجوہات ہوسکتی ہیں۔جن میں ایک بڑی وجہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کو ناپسند کرنا ہے۔نعوذ باللہ یہ کوئی فرضی مسئلہ بیان نہیں کیا جارہا بلکہ غیر مسلم معاشروں کی طرح مسلمان معاشرے میں بھی اس قسم کے واقعات ایک حد تک رونما ہوتے رہتے ہیں۔اسلام کی ہمہ جہت رہنمائی ،شفقت اور جامعیت کا تصور ذہن میں لائیں کہ وہ زندگی کے تمام اہم شعبوں کی رہنمائی کے لیے کس قدر جامع اور تفصیلی ہدایات جاری کرتا ہے۔مسلمان معاشرہ میں ہونے والے اس قسم کے ہنگامی واقعات کو مستقل دشمنی کا روپ دھارنے سے پہلے اس کا حل پیش کر دیا گیا ہے تاکہ رشتہ داری اور اخوت کے مضبوط قلعہ میں واقعہ ہونے والی دراڑوں کو حتی المقدور پُر کرنے کی کوشش کی جاسکے۔حق مہر مقرر ہو جانے اور خاوند کا اپنی بیوی سے مجامعت کرنے سے پہلے طلاق دینا خاندانی نظام اور میاں بیوی کے لیے شدید دھچکا ہوا کرتا ہے۔ایک حد تک اس کی تلافی کے لیے یہ اصول نافذ فرمایا کہ ایسی صورت میں بہتر ہوگا کہ عورت اپنا حق معاف کر دے یا اس کا خاوند پورے کا پورا حق مہر دے دے۔مردو!اگر تم معاف کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔یہاں تقویٰ سے مراد باہمی بدگمانیوں اور آئندہ مزید اختلافات اور قلبی نفرتوں سے بچنا ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علیحدگی کے عمل کے دوران سابقہ تعلقات اور رشتہ داریوں کو پیشِ نظر رکھا جائے اس بات کا حکم دیتے ہوئے خبردار کیا گیا ہے کہ یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ سب کے پوشیدہ اور ظاہر کردار کو دیکھنے والا ہے۔اس سے تمہاری کوئی زیادتی اور حرکت پوشیدہ نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ غیر معمولی حالات میں بیوی کو چھوئے بغیر طلاق دی جاسکتی ہے۔۲۔اللہ تعالیٰ ہر کسی کے عمل کو دیکھ رہا ہے۔
۳۔ مرد کی طرف سے سارا حق مہر چھوڑ دینا تقویٰ کی علامت ہے۔۴۔طلاق کا معاملہ کرتے ہوئے سابقہ محبت کو نہیں بھولنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مطلقہ کے حقوق:

۱۔ طلاق والی عورتوں کو مالی وسعت کے مطابق خرچ دینا ہوگا۔(البقرۃ:۲۳۶)
۲۔ طلاق یافتہ عورتوں کو خرچ دینا متقین پر لازم ہے۔(البقرۃ:۲۴۱)

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

تم حفاظت کرو پر نمازیں اور نماز درمیانی اور تم کھڑے رہو اللہ کیلئے فرمانبردار ہونے والے

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار پھر جب تم پر امن جاؤ تو یاد کرو اللہ

كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

جیسا کہ اس نے سکھلایا تمہیں جو نہیں تم تھے تم جانتے

'' نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کی حالت میں کھڑے ہوا کرو۔(۲۳۸) اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہو یا سوار (نماز ادا کرو) پھر امن ہو جائے تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ اس نے تمہیں اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے۔''(۲۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ازواجی مسائل کے بیان کے دوران خصوصی نصیحت۔

سلسلۂ کلام منقطع فرما کر یہاں حفاظتِ نماز اور خاص کر درمیانی نماز کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام کے عملی نظام میں نماز ایسی پنجگانہ تربیت ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت کی ہدایات کے مطابق نماز ادا کرے اور اس کے تقاضے سمجھنے کی طرف توجہ دے تو نمازی دین اور دنیا کی ذمہ داریوں کے حوالے سے ایک ذمہ دار شخصیت بن جاتا ہے۔ کیونکہ پانچ وقت اس بات کا آرزومند ہوتا ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں اور قدم قدم پر اس کی رہنمائی کا اہتمام ہو جائے اور روزِ محشر اپنے رب کے حضور اس حالت میں پیش ہو کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے والا بندہ شمار ہو سکے۔ گویا کہ مومن بظاہر تو دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہے لیکن اعتقادی اور فکری طور پر اپنے آپ کو میدانِ محشر میں اپنے رب کے حضور سمجھتا ہے۔

نماز خود احتسابی کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی حکومت کے اہل کاروں کو فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہاری کارکردگی کو نماز کی حفاظت کے آئینہ میں دیکھتا ہوں۔ (سیرت الفاروق) کیونکہ جو شخص نماز کی پابندی اور اسے احسن انداز سے ادا نہیں کرتا وہ اپنی دوسری ذمہ داریاں پوری کرنے میں بھی کوتاہی کا مرتکب ہوگا۔ انسان کی معاشرتی ذمہ داریوں کی ابتدا و انتہا اس کے اہلِ خانہ کے حوالے سے ہوا کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي»(رواه الترمذی: كتاب المناقب عن رسول الله [صحيح])

''وہی شخص اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہتر انداز میں رہتا ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے معاملہ میں سب سے بہتر ہوں۔''

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں معاشرتی اور ازدواجی مسائل کے درمیان حفاظتِ نماز کے حکم کا یہی منشا ہے۔ کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں کو پہچانے۔

صلوٰۃِ وسطیٰ سے مراد اکثر اہلِ علم کے نزدیک عصر کی نماز ہے۔ کیونکہ نبی محترم ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر کفار کو

ملعون کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اللہ ان کا ستیاناس کرے کہ انہوں نے آج ہماری نمازِ وسطیٰ کو بھی مؤخر کرادیا ہے۔ (رواہ البخاری: باب غزوۃ الخندق) نمازِ عصر کی اہمیت اور فضیلت اس لیے زیادہ ہے کہ گھر پلٹنے والا مسافر گھر پہنچنے کے لیے تیز گام ہو جاتا ہے۔ دفتر سے رخصت کا وقت دن کا پچھلا پہر ہی ہوا کرتا ہے۔ کاروباری لوگ ذہنی طور پر عصر کے وقت ہی معاملات سمیٹنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ مزدوری کا اختتام اور مالک سے معاوضہ لینے کا بھی یہی وقت ہوتا ہے۔ گویا کہ یہ وقت ہجومِ کار کا سنگھم اور اس کی انتہا ہے۔ اس لیے اس نماز کے فوت یا مؤخر ہونے کے زیادہ خدشات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس کی نمازِ عصر ضائع ہوگئی گویا اس کی تمام دن کی کمائی غارت ہوگئی۔ (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، باب إثم من فاتتہ العصر) جس طرح مزدور دن کے آخر میں معاوضے کا طلب گار رہتا ہے یہی صورت نمازی کی ہے کہ اس وقت ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حضور آدمی کے سارے دن کی رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ گویا کہ جس کی نمازِ عصر ضائع ہوئی وہ اس دن اللہ تعالیٰ سے اجر لینے میں محروم ہوسکتا ہے۔ نماز کی ادائیگی کے بارے میں حکم دیا ہے کہ نہایت خاموشی اور عاجزی کے ساتھ اللہ کے حضور کھڑا ہوا جائے۔ نماز میں بے جا حرکت نہیں کرنا چاہیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةٍ لَا أَكُفَّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا» (رواہ البخاری: کتاب الاذان)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور بالوں اور کپڑوں کو نہ لپیٹوں۔''

یہاں نمازِ خوف کا طریقہ بھی بتلایا ہے کہ اگر انتہائی خطرناک اور ہنگامی حالات ہوں تو سواری پر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ البتہ امن کی حالت میں پہلے طریقے پر ہی نماز ادا کی جائے گی۔ نمازِ خوف کے ہنگامی حالات کے مطابق کئی طریقے احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن کی تفصیل اِن شاء اللہ سورۃ المائدۃ میں آئے گی۔ حالتِ جنگ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنا چاہیے۔

''فَاذْكُرُوا اللّٰهَ'' سے مراد نماز کے بعد کے اذکار ہیں اس کا یہ بھی معنیٰ ہے کہ نماز اسی طرح پڑھو اور قائم کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسائل

۱۔ نمازوں کی حفاظت کرنا چاہیے بالخصوص عصر کی نماز کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

۲۔ نماز میں عاجزی کے ساتھ کھڑا ہونا اور بلاوجہ حرکات نہیں کرنا چاہیے۔ ۳۔ نماز کے بعد اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

فرضیت نماز:

۱۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (البقرۃ: ۴۳)

۲۔ مؤمنین پر نماز مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے۔ (النساء: ۱۰۳) ۳۔ نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔ (الروم: ۳۱)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

اور وہ لوگ فوت کر دیے جائیں تم میں سے اور وہ چھوڑ جائیں بیویاں وصیت کرنا اپنی بیویوں کیلئے

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ

نان نفقہ تک ایک سال بغیر نکالے پھر اگر وہ نکل جائیں تو نہیں کوئی گناہ

عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ

تم پر میں جو وہ کریں میں اپنے حق سے دستور اور اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾

بڑا غالب خوف حکمت والا اور واسطے مطلقہ عورتوں کے نان نفقہ دستور کے مطابق لازم پر پرہیزگار (جمع)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۱۵ ۱۷

اسی طرح واضح کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم تم سمجھو

''جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں اور گھر سے نہ نکالی جائیں، ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لیے بہتر سمجھیں اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور حکیم ہے۔(۲۴۰) اور طلاق شدہ عورتوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔(۲۴۱) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیات تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''(۲۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ مضمون۔

جس عورت کا خاوند فوت ہوتے وقت وصیت کر جائے کہ اسے ایک سال گھر سے نہ نکالا جائے تو اس صورت میں اسے شوہر کے گھر رہنے اور نان ونفقہ کی ذمہ داریاں وارثوں پر ہوں گی۔ اگر وہ اپنے طور پر اپنے میکے یا کہیں اور رہنے کا انتظام کر لے تو وارثوں پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اس حکم کے بارے میں تمام مفسرین کا خیال ہے کہ جب بیوہ کو باضابطہ طور پر اس کے فوت شدہ خاوند کی وراثت میں حصہ دار بنا دیا گیا تو یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے احکام کے بارے میں ترمیم واضافہ کرنے کا حق رکھنے اور ان کی حکمت کو سمجھنے والا ہے۔ آخر میں پھر ہدایت کی جارہی ہے کہ مطلقہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون کرنا صاحبِ تقویٰ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لیے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاندانی الجھنوں اور آخرت کی سختیوں سے مامون ہو جائیں۔

مسائل

۱۔ بیوہ اپنی عدّت کے بعد اپنے قیام کا فیصلہ کرنے میں خود مختار ہے۔

۲۔ مطلقہ عورتوں کو اچھے انداز میں فائدہ پہنچانا لازم ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر غور وخوض کرنا چاہیے۔

اَلَمْ تَرَ	اِلَى	الَّذِيْنَ	خَرَجُوْا	مِنْ	دِيَارِهِمْ	وَهُمْ	اُلُوْفٌ
کیا نہیں تم نے دیکھا	طرف	وہ لوگ	وہ نکلے	سے	اپنے گھروں	اور وہ	کئی ہزار
حَذَرَ	الْمَوْتِ ص	فَقَالَ	لَهُمُ	اللّٰهُ	مُوْتُوْا ق	ثُمَّ	اَحْيَاهُمْ ط
ڈر	موت	سو فرمایا	ان کے لیے	اللہ	تم مرجاؤ	پھر	اس نے انہیں زندہ کیا
اِنَّ	اللّٰهَ	لَذُوْ فَضْلٍ	عَلَى	النَّاسِ	وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ	النَّاسِ
بیشک	اللہ	البتہ فضل والا	پر	لوگ	اور لیکن	زیادہ	لوگ
لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾	وَقَاتِلُوْا	فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ	وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ	
وہ شکر نہیں ادا کرتے	اور تم لڑو	میں	راستہ	اللہ	اور جان لو	بے شک	
اللّٰهَ	سَمِيْعٌ	عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾					
اللہ	خوب سننے والا	خوب جاننے والا					

''کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ مرجاؤ پھر انہیں زندہ کیا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ (۲۴۳) اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔'' (۲۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیا خطاب بدر، اُحد سے پہلے مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

اس سے پہلے سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۱ تا ۱۹۳ میں دفاعی جنگ کا حکم دیا ہے یہاں بھی ایسے تناظر میں جہاد کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر جنگ مسلط کر دی جائے تو انہیں موت کی پروا کیے بغیر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا چاہیے۔ کیونکہ بات کا آغاز ہی بنی اسرائیل کے اس واقعے سے کیا جا رہا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے صرف اس لیے نکلے تھے کہ کہیں یہاں رہتے ہوئے انہیں موت نہ دبوچ لے۔ چند اہلِ علم کو چھوڑ کر باقی سب نے ایک خاص واقعے اور علاقے کا ذکر کیا ہے کہ وہاں بنی اسرائیل پر طاعون کی وبا پھیلی اور وہ موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حرکت کو ناپسند کرتے ہوئے ان پر موت وارد کی اور وہ سب کے سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔ ایک مدت گزرنے کے بعد حضرت سموئیل علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی عطا کی۔

اس واقعہ سے بیک وقت دو نتائج لوگوں کے سامنے رکھے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور دوسری یہ بات بتلائی کہ جو لوگ موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکلے تھے موت نے انہیں آلیا۔ یاد رکھو ہر کسی کی موت کا وقت اور مقام مقرر ہے وہ اس سے بھاگ نہیں سکتا بلکہ ان لوگوں کی طرح چل کر خود ہی موت کے مقام تک

پہنچ جائے گا اس لیے بزدلوں کی طرح دشمن کے آگے بھاگنے اور بھیڑ بکریوں کی طرح اس کے ہاتھوں قتل ہونے کی بجائے دشمن کے سامنے ڈٹ جاؤ۔ موت تو اپنے وقت اور مقام پر ہی آئے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنی قدرت کے معجزات اس لیے دکھاتا ہے تاکہ وہ ہدایت پاکر اس کا شکریہ ادا کریں لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ مرنے کے بعد اٹھنا قرآنِ مجید کا بنیادی نظریہ ہے جس کے ثبوت میں یہ دوسرا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ محمدی کی طرح بنی اسرائیل کے لیے بھی یہی قانون تھا کہ اگر کسی علاقے میں طاعون یا کوئی وبا پھیل جائے تو اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلطَّاعُوْنُ رِجْسٌ أُرْسِلَ عَلٰى طَآئِفَةٍ مِنْ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ أَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ»

(رواه البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار)

''طاعون عذاب ہے جو بنی اسرائیل یا تم سے پہلے کسی قوم پر بھیجا گیا۔ جب تمہیں معلوم ہو کہ فلاں علاقے میں طاعون کی بیماری پھیل گئی ہے تو وہاں نہ جاؤ۔ اگر تمہارے علاقے میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے فرار اختیار نہ کرو۔''

طاعون کی بیماری کے وقت اپنا گھر بار چھوڑ کر نکلنے کا اس لیے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ موت کا وقت مقرر ہے جو کسی بنا پر بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

طاعون سے شاید اس لیے بھی فرار کی اجازت نہیں دی کہ اس طرح مخصوص علاقہ کے جراثیم دور تک پھیلنے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔

مسائل

۱۔ موت سے بھاگنے والا موت کی ہی طرف جاتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہی مارنے اور زندہ کرنے والا ہے۔
۳۔ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار نہیں ہوتے۔ ۴۔ جہاد صرف اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا اور ہر بات کو سننے والا ہے۔

دنیا میں مر کر دوبارہ زندہ ہونے والوں کے واقعات اور دلائل البقرہ آیت ۲۵۹ کے تحت دیکھیں۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت کا حال:

۱۔ اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:۲۱) ۲۔ لوگوں کی اکثریت شکر نہیں کرتی۔ (یوسف:۳۸)
۳۔ آپ کے چاہنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔ (یوسف:۱۰۳)
۴۔ یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (ھود:۱۷)
۵۔ اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ مومن ہیں اور ان کی اکثریت نافرمان ہے۔ (آل عمران:۱۱۰)

مَنْ	ذَا	الَّذِیْ	یُقْرِضُ	اللّٰهَ	قَرْضًا	حَسَنًا	فَیُضٰعِفَهٗ
کون	وہ	جو	قرض دے	اللہ	قرض	اچھا	پھر وہ اسے بڑھا دے گا
لَهٗۤ	اَضْعَافًا	كَثِیْرَةً ؕ	وَاللّٰهُ	یَقْبِضُ	وَ یَبْصُۜطُ ۪	
اس کے لیے	کئی گنا	زیادہ	اور اللہ	وہ تنگی کرتا ہے	اور فراخی کرتا ہے	
وَ اِلَیْهِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾					
اور اس کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے					

''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر لوٹائے، اللہ ہی تنگی اور کشادگی پیدا کرتا ہے۔ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (۲۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہاد میں مال کی بڑی اہمیت ہے لہٰذا دفاعی فنڈ میں حصہ لینا اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے برابر ہے۔

جہاد کے لیے مجاہد کی جسمانی جدوجہد کے ساتھ جو اہم ترین چیز ہے وہ مال ہے۔ جہاد میں مال اور جان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں نہتا مجاہد کب تک لڑ سکتا ہے؟ اس لیے اسلحہ اس کی پہلی اور بنیادی ضرورت ہے۔ اسلحہ مال کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کے ساتھ ہی مجاہد کے لیے فوجی لباس، طعام، سواری یہاں تک کہ اس کے بال بچوں کے اخراجات کی بھی ضرورت ہے۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مال ناگزیر ہے اس لیے قرآنِ مجید میں اکثر مقامات پر جہاد بالنفس سے پہلے جہاد بالمال کا حکم ہوا ہے۔ یہ مال بظاہر تو مجاہد کی ضروریات پر خرچ ہوتا ہے لیکن حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے کیونکہ مجاہد کو اللہ ہی کے لیے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ پر خرچ کرنے کو اپنی ذاتِ عالی کو قرض دینا قرار دیا ہے۔ لیکن جس طرح جہاد محض فی سبیل اللہ ہونا چاہیے اس طرح قرض بھی کسی اور غرض کی بجائے اللہ ہی کی رضا کے لیے دینا چاہیے۔ یہی قرضِ حسنہ کا معنیٰ ہے کہ جس کے دینے میں کوئی ذاتی غرض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ذرا تصور کیجیے کہ جو کچھ اس نے بندوں کو عطا کیا ہے وہ اسی کی مہربانی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنا عطا کیا ہوا مال اپنے بندوں سے قرض کے طور پر حاصل کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ تم جس ذاتِ کریم کو قرض دے رہے ہو وہ تمہیں کئی گنا اضافے کے ساتھ واپس لوٹائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال دیتے ہوئے کمی کا خوف محسوس نہ کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے مال کو کسی اور طریقے سے کم کرسکتا ہے۔ زمیندار ہے تو فصل تباہ ہونے کی شکل میں، دوکاندار ہے تو خسارے کی صورت میں، تنخواہ دار ہے تو بیماری اور حادثے کی شکل میں، تاجر ہے تو نقصان کی صورت میں مال میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ اس طرح کسی بھی حادثے کے ذریعے مال کم ہوسکتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کے

لیے کمی کرنا کوئی مشکل نہیں وہ بڑھانے اور کم کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

طبع انسانی میں یہ بات ہمیشہ موجود رہتی ہے کہ اسے آنے والے کل کے لیے کچھ جمع کرنا چاہیے کیونکہ آج وہ صحت منداور صاحبِ روزگار ہے۔ نہ معلوم آنے والے وقت میں اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آجائے۔ اس فکر کی بنا پر ہر آدمی کچھ نہ کچھ بچا کر رکھنے کا عادی ہوتا ہے تا کہ کل خود اور اس کے اہل وعیال اس مال سے مستفید ہوسکیں۔ اس طرح کی انشورنس کے لیے دنیا میں بے شمار ناجائز سکیمیں جاری ہیں۔ مسلمان کا جب یہ عقیدہ ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے اور موت کے بعد لامحدود زندگی کا آغاز ہونے والا ہے اور اس کا انحصار اعمال کے نتائج پر ہوگا تو صحیح فہم وفراست کا تقاضا ہے کہ آدمی اُس جہان کے لیے ضرور اہتمام کرے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی صدقہ کی بنیاد پر اسے آخرت کی مراعات میسر ہوں گی گویا کہ صدقہ آدمی کے لیے الٰہی انشورنس کی حیثیت رکھتے ہین۔ اس انشورنس کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ وَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ» (رواه البخاری: کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کو صدقہ کرنے والے کے لیے بڑھاتے رہتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ آدمی کا کیا ہوا صدقہ پہاڑ کی مانند ہوجاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ رزق کم اور زیادہ کرنے والا ہے۔ ۳۔ ہر کسی نے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بہترین قرضِ حسنہ:

۱۔ اللہ کو قرضِ حسنہ دینے کا حکم۔ (المزمل: ۲۰) ۲۔ اللہ اسے بڑھا کر واپس کرے گا۔ (الحدید: ۱۱)

۳۔ اللہ اسے سات سو گناہ سے بھی زیادہ بڑھائے گا۔ (البقرہ: ۲۶۱) ۴۔ صدقہ صرف اللہ کی رضا کے لیے دینا چاہیے۔ (البقرۃ: ۲۶۵)

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ

کیا نہیں تو نے دیکھا طرف جماعت سے بنی اسرائیل سے بعد موسیٰ جب

قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کر دیں ہمارے لیے ایک بادشاہ ہم لڑیں گے میں راستہ اللہ

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ

اس نے کہا کیا قریب ہے تم اگر فرض کر دیا گیا تم پر لڑنا یہ کہ تم نہ لڑو

قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ

انہوں نے کہا اور کیا ہے ہمیں یہ کہ نہ ہم لڑیں میں راہ اللہ اور تحقیق

اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ

ہم نکال دیے گئے سے اپنے گھر (جمع) اور اپنے بیٹے پھر جب فرض کیا گیا ان پر لڑنا

تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

وہ پھر گئے سوائے تھوڑے ان میں سے اور اللہ جاننے والا ظالموں کو

''کیا تم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ نبی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو انہوں نے کہا ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔ پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے چند لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتا ہے۔'' (۲۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ مضمون سے پیوستہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی بنا پر ان پر قوم عمالقہ کو مسلط کر دیا گیا۔ جنہوں نے بنی اسرائیل پر پے در پے حملے کیے اور ان کو بیت المقدس سے نکال دیا۔ بنی اسرائیل در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوئے۔ ان کا شیرازہ اس طرح بکھر کر رہ گیا کہ باپ بیٹے اور بھائی بھائی کا چہرہ دیکھنے کو ترس گیا۔ قرآنِ مجید ان حالات کا نقشہ انہی کی زبان سے بیان کر رہا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے جہاد کے لیے کمانڈر کا مطالبہ کیا۔ وقت کے پیغمبر نے انہیں سمجھایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر جہاد فرض کر دیا جائے اور تم جہاد کرنے سے انکار کر دو۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے جی چرائیں۔ جب کہ ہم پر اس قدر ظلم ہوا ہے کہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا اور ہم اپنے بچوں سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔ یاد رہے قوموں کے عروج و زوال کا دارومدار غرباء اور ضعفاء پر نہیں ہوا کرتا۔ یہ طبقہ تو عضو محض اور لکیر

کا فقیر ہوتا ہے قوم کی ترقی وتنزل کا تعلق قوم کے کھاتے پیتے اور سر برآوردہ لوگوں پر ہوا کرتا ہے اگر یہ طبقہ باشعور اور بہتر فکر وعمل کا حامل ہو تو قوم ترقی کی منازل طے کرتی ہے۔ جب یہ لوگ عیاش، بدکردار اور بے عمل ہو جائیں تو قوم کی تباہی یقینی ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے حالات جب بہتر ہونے کو آئے تو ان کے سرداروں نے اس بات کا احساس کیا کہ ہمارا ملک چھن گیا ہے اور ہم در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں ہمارے لیے بہتر ہے کہ ذلت کی موت مرنے کے بجائے شہادت کی باعزت موت مر جائیں چنانچہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے مضبوط اور جوان قیادت کا مطالبہ کیا۔ وقت کا پیغمبر بوڑھا ہو چکا تھا جس بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی کی دعا اور قوم کے مطالبہ پر طالوت کو ان کا کمانڈر مقرر فرما دیا کیونکہ جب تک ایک اور مضبوط قیادت نہ ہو قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

جنگ کی تمنا نہ کیا کرو

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا»

(رواہ البخاری: کتاب الجہاد والسیر، باب لا تمنوا لقاء العدو)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: دشمن سے ٹکرانے کی آرزو نہ کرو اور جب تمہارا ان سے سامنا ہو جائے تو پھر جم جاؤ۔''

قوم کی تباہی کا باعث طبقہ

{ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ } (الأنعام: ۱۲۳)

''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تا کہ وہ لوگ وہاں فریب کریں۔ اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ فریب کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔''

{ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ } (القصص: ۵۸)

''اور ہم نے بہت سی بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش وعشرت میں اترانے لگی تھیں، یہ ہیں ان کی رہنے کی جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں اور ہم ہی ہیں آخر سب کے وارث۔''

{ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ } (حٰمٓ السجدة: ۱۵)

''اب عاد نے بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟ کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت ہی زیادہ زور آور ہے۔ اور وہ ہماری آیات کا انکار کرنے والے تھے۔''

مسائل

۱۔ ارباب حل وعقد ہی قوموں کے بگاڑ وسنوار کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

۲۔ مظلوم کو ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ ۳۔ جہاد کرنے والے لوگ تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ

اور کہا انہیں ان کا نبی بیشک اللہ تحقیق اس نے مقرر کر دیا تمہارے لیے طالوت

مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ

بادشاہ انہوں نے کہا کیسے ہوسکتی ہے اس کے لیے بادشاہت ہم پر اور ہم زیادہ حقدار

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

بادشاہت کے اس سے اور نہیں وہ دیا گیا کشادگی سے مال اس نے کہا یقیناً اللہ

اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ

اس نے چن لیا ہے اسکو تم پر اور اس نے اسے زیادہ دی وسعت میں علم اور جسم اور اللہ

''اور انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے وہ کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر کیسے بادشاہت ہوسکتی ہے؟ اس سے زیادہ بادشاہت کے ہم حق دار ہیں۔ اس کے پاس تو زیادہ مال نہیں۔ نبی نے فرمایا سنو اللہ نے اسی کو تم پر مقرر کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری عطا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

وہی ہوا جس کا پیغمبر نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ جب سرداران قوم کے مطالبہ پر جنابِ طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کر دیا گیا تو بنی اسرائیل حسبِ عادت بہانے تراشتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ طالوت ہمارا بادشاہ بن جائے؟ جب کہ اس کے پاس مال واسباب کی فراوانی نہیں۔ پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جسمانی اور علمی صلاحیتوں سے تم پر برتری عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکومت سے سرفراز کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

لیکن اس کے باوجود انہیں اطمینان نہ ہوا انہوں نے یہ مطالبہ کر ڈالا کہ اس کے سربراہ ہونے کی کوئی نشانی ہونی چاہیے۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق جو تم سے چھن چکا ہے اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تمہارے پاس لائیں گے جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان کا سامان موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے تبرکات اور وہ عصا بھی اس میں موجود ہوگا جسے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھینکتے تو اژدہا بن جاتا۔ اس کے ذریعے چشمے جاری ہوئے اور کبھی اس سے دریا کی لہریں اس طرح تھم گئیں کہ درمیان میں خشک اور ہموار راستے بن گئے۔ اگر تم تسلیم کرنے والے ہو تو طالوت کی تائید میں یہ بہت بڑے دلائل اور براہین ہیں۔ بالآخر انہوں نے جنابِ طالوت کی سرکردگی کو قبول کر لیا۔

اس واقعہ سے دنیا پرست مال داروں کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ قیادت بھی سرمایہ کی بنیاد پر ان کا حق بنتا ہے۔ حالانکہ قائد میں علم وفراست اور جسمانی قوت وصلاحیت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس کی دیانت وامانت بھی مسلمہ

يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ

دیتا ہے اس کی بادشاہت جسے وہ چاہتا وہ اور اللہ بڑا وسعت والا خوب جاننے والا اور کہا انہیں

نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ

ان کا نبی بیشک نشانی اس کی حکومت یہ کہ آئے گا تمہارے پاس صندوق اس میں سامان سکینت

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ

سے تمہارا رب اور بچا ہوا اس سے جو چھوڑا آل موسیٰ اور آل ہارون اٹھائے ہوں گے اسے

الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع ۳۲ ۶ ۱۶

فرشتے بیشک میں اس یقیناً نشانی تمہارے لیے اگر ہو تم ایمان لانے والے

جسے چاہے اپنا ملک عطا کرتا اللہ کشادگی اور علم والا ہے۔(۲۴۷) ان کے نبی نے انہیں فرمایا کہ اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے اس میں اطمینان ہے اور آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کا ترکہ ہے اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تمہارے لیے کھلی نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔'' (۲۴۸)

ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ اس میں منصب کی خواہش بھی نہیں ہونا چاہیے۔

«عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ قَوْمِيْ فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ أَمِّرْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَهٗ فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّيْ هٰذَا مَنْ سَأَلَهٗ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ»

(رواہ البخاری: کتاب الأحکام، باب مایکرہ من الحرص علی الإمارۃ)

''حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے قبیلے کے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے عہدہ دیجیے اور دوسرے نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا آپ نے فرمایا: یقیناً ہم ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیتے جو عہدہ طلب کرے اور نہ ہی ایسے شخص کو عہدہ دیتے ہیں جو عہدے کا حریص ہو۔''

حکمران کے اوصاف

① ۔مسلمان ہو:

قرآنِ کریم میں اولوالامر کا مسلمان ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔(النساء:۵۹) لہٰذا امیر کا مسلمان ہونا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے۔ کیونکہ غیر مسلموں کو اپنے معاملات میں دخیل اور شریک کرنا جائز نہیں ہے۔(آلِ عمران:۱۱۸، التوبۃ:۱۶)

② ۔عورت حکمران نہیں ہوسکتی:

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔(النساء:۳۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے عورت کو

اپنا حاکم بنالیا ہو۔(رواہ البخاری: کتاب الفتن، باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر)

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جب تمہارے معاملات عورتوں کے حوالے کردیے جائیں تو تمہارے لیے پھر موت ہی بہتر ہے۔(رواہ الترمذی: ابواب الفتن [ضعیف])

فقہائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت خلیفہ اور سربراہِ حکومت نہیں بن سکتی۔

③۔ عادل اور صالح ہو:

قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے کہ ظالم لوگ مسلمانوں کی امامت اور قیادت کے مستحق نہیں ہیں۔(البقرۃ: ۱۲۴)

غافل اور مسرفین ومفسدین کی اطاعت جائز نہیں ہے۔(الکہف: ۲۸، الشعراء: ۱۵۱، ۱۵۲)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔(الحجرات: ۱۳)

④۔ صاحبِ علم ہو:

قرآنِ کریم میں اولوالامر کے لیے استنباط اور اجتہادی بصیرت کا حامل ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔(النساء: ۸۳) قیادت کے لیے علمی اور جسمانی صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔[البقرۃ: ۲۴۷] عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہیں۔(الزمر: ۹)

⑤۔ آزاد ہو:

یعنی کسی کا غلام، ہمہ وقتی ملازم اور قیدی نہ ہو اور فرائض کی ادائیگی کے لیے فارغ ہو۔

⑥۔ بالغ ہو:

نابالغ بچہ اس بوجھ کو جسمانی اور ذہنی کمزوری کی وجہ سے نہیں اٹھا سکتا۔ اس لیے نادان اور نابالغ بچوں کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔(النساء: ۵)

⑦۔ عاقل ہو:

دماغی طور پر مریض نہ ہو۔

⑧۔ سلیم الاعضاء ہو:

جسمانی طور پر ناکارہ شخص یہ عظیم خدمت انجام نہیں دے سکتا۔

⑨۔ دلیر اور شجاع ہو:

بزدل شخص نہ ملک کا دفاع کرسکتا ہے اور نہ امن قائم کرسکتا ہے۔

⑩۔ معاملہ فہم ہو:

حالات سے باخبر اور معاملہ فہم ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

پھر جب جدا ہوا طالوت لشکر کے ساتھ (جمع) اس نے کہا بیشک اللہ

مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ

تمہاری آزمائش کرنے والا ایک نہر کیساتھ پس جس نے پی لیا اس سے تو نہیں مجھ سے ہے اور جس نے

لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ

نہ اسے چکھا تو بیشک وہ مجھ سے سوائے جو چلو بھر لے ایک چلو اپنے ہاتھ سے

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ

پھر انہوں نے پی لیا اس سے سوائے تھوڑے ان سے پھر جب عبور کیا اس نے اسے وہ اور جو لوگ

''جب طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا ساتھی نہیں اور جو اس سے نہ چکھے وہ میرا ساتھی ہے۔ ہاں یہ کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے لیکن چند لوگوں کے سوا باقی سب نے پانی پی لیا۔ طالوت مومنوں کے ساتھ جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ

فہم القرآن

ربطِ کلام: واقعہ طالوت وجالوت کی تفصیل جاری ہے۔

جنابِ طالوت قوم کے حالات اور عادات کو جانتے تھے اس لیے انہوں نے مناسب سمجھا کہ پہلے ان کی آزمائش کرنا چاہیے تاکہ دشمن کے مقابلے میں ان کی طاقت وصلاحیت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اسی سے ٹریننگ اور فوجی مشقوں کا اصول نکلا ہے۔ جنابِ طالوت نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے راستے میں ایک نہر آنے والی ہے اور وہ نہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے آزمائش ہوگی۔ جس نے نہر سے سیر ہو کر پانی پی لیا وہ میرا ساتھی نہیں ہوگا چلو البتہ بھر پانی پینا تمہارے لیے جائز قرار دیا گیا ہے۔ جونہی وہ نہر کے کنارے پہنچے تو چند لوگوں کو چھوڑ کر ان کی اکثریت نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ جنہوں نے پانی نہیں پیا تھا ان کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی۔

«عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَتَحَدَّثُ أَنَّ عِدَّةَ أَصْحَابِ بَدْرٍ عَلٰى عِدَّةِ أَصْحَابِ طَالُوْتَ الَّذِيْنَ جَاوَزُوا النَّهَرَ وَلَمْ يُجَاوِزْ مَعَهٗ إِلَّا مُؤْمِنٌ بِضْعَةَ عَشَرَ وَثَلَاثَ مِائَةٍ»

(رواہ البخاری: کتاب المغازی: باب عدۃ أصحاب بدر)

''حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے ساتھی باہم گفتگو کیا کرتے تھے کہ اصحابِ بدر کی تعداد طالوت کے ان ساتھیوں کی تعداد کے برابر تھی جنہوں نے نہر پار کی تھی اور ان کے ساتھ صرف ۳۱۳ مومن تھے۔''

جب ان کا سامنا جالوت کی فوج کے ساتھ ہوا تو سیر ہو کر پانی پینے والوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ بعض مفسرین نے

اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ

وہ ایمان لائے اسکے ساتھ انہوں نے کہا نہیں طاقت ہمارے لیے آج جالوت کے ساتھ اور لشکر (جمع)

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ

کہا وہ لوگ یقین رکھتے تھے بے شک وہ ملنے والے اللہ کتنی سے جماعت چھوٹی

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

غالب ہوئی جماعت بڑی ساتھ حکم اللہ اور اللہ ساتھ صبر کرنے والے

کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑائی کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی سی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (۲۴۹)

اسرائیلی روایات کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیر ہو کر پانی پینے والوں کے پیٹ پھول گئے۔ جب فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے جہاد سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم میں جالوت کے لشکر کے ساتھ لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے اور بزدلوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر سچا یقین رکھنے والے مجاہدوں نے کم ہمت لوگوں کو بار بار سمجھایا کہ کم ہمتی اور بزدلی نہ دکھاؤ۔ ہمت کرو اور یقین جانو کہ تاریخ میں بارہا دفعہ ایسا ہوا کہ قلیل جماعتیں کثیر جماعتوں پر ''اللہ'' کے حکم سے غالب آتی رہی ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ اسلام کا تابناک ماضی اس پر گواہ ہے کہ مسلمان اسلحہ اور افرادی قوت کے اعتبار سے کبھی بھی اپنے دشمن سے زیادہ نہیں رہے لیکن جب تک یہ منظم، مستقل مزاج، پرعزم، صاحب کردار اور حوصلہ مند یعنی صابر رہے مسلمان ہی غالب آتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مستقل مزاج لوگوں کا ساتھ دیا کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں کے ساتھ لوگوں کو آزماتا ہے۔ ۲۔ دشمن کے مقابلے سے پہلے ٹریننگ اور تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے قلیل کثیر پر غالب آیا کرتے ہیں۔ ۴۔ ''اللہ'' کے نافرمان بزدل ہوتے ہیں۔
۵۔ اللہ تعالیٰ حوصلہ مند لوگوں کی مدد فرماتا ہے۔ ۶۔ آزمائش کے وقت ایک دوسرے کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے:

۱۔ اے ایمان والو! نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۳)
۲۔ بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۲۴۹)
۳۔ صبر کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال: ۴۶)

وَلَمَّا	بَرَزُوْا	لِجَالُوْتَ	وَجُنُوْدِهٖ	قَالُوْا	رَبَّنَآ	اَفْرِغْ
اور جب وہ	آمنے سامنے ہوئے	واسطے جالوت کے	اور لشکر اس کا	انہوں نے کہا	اے ہمارے رب	ڈال دے
عَلَيْنَا	صَبْرًا	وَّثَبِّتْ	اَقْدَامَنَا	وَانْصُرْنَا	عَلَى	الْقَوْمِ
ہم پر	صبر	اور جما دے	ہمارے قدم	اور تو مدد کر ہماری	پر	قوم
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾	فَهَزَمُوْهُمْ	بِاِذْنِ	اللّٰهِ ۙ	وَقَتَلَ	دَاوٗدُ	جَالُوْتَ
کافر (جمع)	چنانچہ انہوں نے شکست دی انہیں	ساتھ حکم	اللہ	اور قتل کیا	داؤد	جالوت
وَاٰتٰىهُ	اللّٰهُ	الْمُلْكَ	وَالْحِكْمَةَ	وَعَلَّمَهٗ	مِمَّا	يَشَآءُ ؕ
اور اسے دی	اللہ	بادشاہت	اور حکمت	اور اسے سکھایا	اس سے جو	وہ چاہتا ہے
وَلَوْلَا	دَفْعُ	اللّٰهِ	النَّاسَ	بَعْضَهُمْ	بِبَعْضٍ ۙ	لَّفَسَدَتِ
اور اگر نہ	ہٹاتا	اللہ	لوگ	ان کا بعض	بعض کے ذریعہ	تو ضرور خراب ہو جاتی
الْاَرْضُ	وَلٰكِنَّ	اللّٰهَ	ذُوْ فَضْلٍ	عَلَى	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾	
زمین	اور لیکن	اللہ	بڑے فضل والا	پر	تمام جہان	

''جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور کفار پر ہماری مدد فرما۔ (۲۵۰) چنانچہ اللہ کے حکم سے انہوں نے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو مملکت و حکمت اور جتنا چاہا علم عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے نہ ہٹاتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔'' (۲۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ

جب طالوت کے لشکر کا جالوت کے لشکروں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا تو جذبۂ ایمان سے سرشار مجاہد اپنے رب کے حضور دعائیں مانگنے لگے کہ بارِ الٰہا! ہمیں حوصلہ، ثابت قدمی اور کفار پر غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں اور جنابِ داؤد علیہ السلام نے کفار کے کمانڈر جالوت کو قتل کر دیا۔ جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت بڑی مملکت سونپتے ہوئے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ وہی داؤد علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا جو پیغمبر بھی تھے اور حکمران بھی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے علم و فضل عطا کرتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ ہٹائے تو زمین پر فسادِ عظیم برپا ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ لوگوں پر انتہائی فضل فرمانے والا ہے۔

بنی اسرائیل کے ان دو واقعات میں ایک طرف اہلِ مکہ کے مظالم کی طرف اشارہ ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کو بتلایا

جارہا ہے کہ تمہیں بنی اسرائیل کی طرح جنگ کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ بے شک تمہارے ساتھ اہلِ مکہ وہی کچھ کررہے ہیں جو عمالقہ نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا۔ ہاں اگر تم پر جنگ مسلط کردی جائے تو بنی اسرائیل کے ایمان دار مجاہدوں کی طرح تمہیں بھی پوری غیرت اور جرأت کے ساتھ ڈٹ جانا چاہیے۔ جیسے انہوں نے میدانِ کارزار میں اترنے سے پہلے اپنے رب سے نصرت وحمایت طلب کی تھی تمہیں بھی اپنے رب کی نصرت ودستگیری مانگنا چاہیے جس طرح بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے دشمن کے مدّمقابل ہونے کے بعد اپنے کمانڈر سے غداری کی تھی۔ ایسے ہی حالات تمہیں بھی درپیش ہوسکتے ہیں جو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُحد میں منافقین کے کردار کی وجہ سے پیش آئے۔ جب منافقین کفار کو دکھا دکھا کر ٹولیوں کی صورت میں مسلمانوں سے الگ ہوئے تھے۔ وہ طالوت کی سربراہی پر یہ کہہ کر معترض ہوئے تھے کہ اس کے پاس مال نہیں۔ منافق یہ کہہ کر الگ ہوئے تھے کہ اس موقع پر مدینہ میں رہ کر لڑنے کی ہماری تجویز تسلیم نہیں کی گئی ہے۔ حالانکہ رسولِ مکرم ﷺ بھی مدینہ میں رہ کر دفاع کرنے کے حق میں تھے لیکن مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے میدانِ اُحد میں تشریف لے گئے۔ طالوت کے ساتھیوں کی طرح مکہ والے بھی یہی کہتے تھے کہ یہ نبی تو غریب ہے پیغمبری تو ابوالحکم (ابوجہل) یا طائف کے سرداروں میں سے کسی کو ملنا چاہیے تھی۔

ازل سے اللہ تعالیٰ کا یہی دستور ہے کہ وہ جہاد اور دوسرے ذرائع سے ظالم اور سفّاک لوگوں کو کمزوروں اور مظلوموں کے ذریعے اقتدار سے ہٹایا کرتا ہے۔ جس کی ایک حکمت یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوکر رہ جائے جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں۔

مسائل

۱۔ قیادت کا انتخاب مال نہیں علمی اور جسمانی صلاحیت پر ہونا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کشادگی اور علم والا ہے۔
۳۔ مجاہد کی تربیت اور آزمائش ہونا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھوڑے زیادہ پر غالب آیا کرتے ہیں۔
۵۔ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ ۶۔ جنگ سے پہلے اور اس کے دوران اللہ تعالیٰ سے مدد اور حوصلہ مانگنا چاہیے۔
۷۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکومت اور حکمت عطا کرتا ہے۔
۸۔ اللہ تعالیٰ زمین میں امن قائم رکھنے کے لیے ظالم کو مظلوموں کے ذریعے ہٹایا کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

طالوت وجالوت کا واقعہ اور حکمران کے اوصاف:

۱۔ بنی اسرائیل کا بادشاہ کی تقرری کے لیے درخواست کرنا۔ (البقرۃ:۲۴۶)
۲۔ حکمران کے دو بڑے اوصاف۔ (البقرۃ:۲۴۷) ۳۔ طالوت کے پاس بطورِ نشانی تابوتِ سکینہ کا آنا۔ (البقرۃ:۲۴۸)
۴۔ لشکر کا کم ہمتی دکھانا۔ (البقرۃ:۲۴۹) ۵۔ طالوت کا جالوت پر فتح حاصل کرنا۔ (البقرۃ:۲۵۰،۲۵۱)
۶۔ فتح وشکست کا معیار کثرت وقلت نہیں ہے۔ (البقرۃ:۲۴۹)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ اللہ کی آیات ہم تلاوت کرتے ہیں انہیں آپ پر حق کے ساتھ اور بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے

''یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر پڑھتے ہیں یقین جانیں آپ رسولوں میں سے ہیں۔''(۲۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قلیل اور ضعیف جماعت کا اپنے سے طاقت ور اور زیادہ پر غالب آنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے اس فرمان میں آپ ﷺ کی کامیابی کی پیش گوئی ہے۔

جو واقعات، حقائق اور نتائج ہم آپ کے سامنے پڑھتے ہیں یہ بالکل سچ ہیں۔ جس طرح بنی اسرائیل کو ہم نے معزز اور محترم امت بنایا تھا۔ ان کی راہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو پیغمبر بنایا گیا تا آنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور سخت ترین احکامات، حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت وحکمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مافوق الفطرت خلقت، حلیمی اور بردباری حلقۂ ایمان میں داخل نہ کرسکی۔ اگر آپ کے مخالط لوگ حقائق، معجزات اور آپ کا اخلاق واخلاص دیکھ کر حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہو رہے تو آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ یقین فرمائیں کہ آپ بھی اسی مقدس جماعت انبیاء کے ایک فرد اور اسی مشن کے داعی ہیں۔ لہٰذا آپ کو اپنے بارے میں شک نہیں کرنا چاہیے اعتماد کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ضابطے کے مطابق بالآخر ظالموں کو مٹا کر آپ کو غلبہ عطا کرنے والا ہے اور یہ انقلاب آکر رہے گا۔ ظالموں کا ظلم کبھی اس سیلِ حق کے سامنے نہ رکاوٹ بنا اور نہ بن سکے گا۔

{ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ }

(الصف:۹)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناپسند لگے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَبْلُغَنَّ هٰذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلَا يَتْرُكُ اللّٰهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ هٰذَا الدِّيْنَ» (مسند أحمد: كتاب مسند الشاميين، باب حديث تميم الداري [صحيح])

''یہ دین ضرور وہاں تک پہنچے گا جہاں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایک ایک شہر اور بستی کے ہر گھر میں اس دین کو داخل کردے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکام حق اور سچ ہیں۔ ۲۔ نبی محترم ﷺ مرسلین میں سے ایک اور سب کے سردار ہیں۔

تِلْكَ	الرُّسُلُ	فَضَّلْنَا	بَعْضَهُمْ	عَلٰى	بَعْضٍ	مِنْهُمْ	مَّنْ
یہ	رسول (جمع)	ہم نے فضیلت دی	ان کے بعض کو	پر	بعض	ان میں سے	جو
كَلَّمَ	اللّٰهُ	وَرَفَعَ	بَعْضَهُمْ	دَرَجٰتٍ ؕ	وَاٰتَيْنَا	عِيْسَى	ابْنَ مَرْيَمَ
کلام کیا	اللہ	اوراس نے بلند کیا	ان کے بعض	درجے	اور ہم نے دی	عیسیٰ	مریم کا بیٹا
الْبَيِّنٰتِ	وَاَيَّدْنٰهُ	بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ	وَلَوْ	شَآءَ	اللّٰهُ	مَا	اقْتَتَلَ
واضح نشانیاں	اور ہم نے اس کی تائید کی	روح القدس (جبرائیل) سے	اور اگر	چاہتا	اللہ	نہ	باہم لڑتے
الَّذِيْنَ	مِنْ	بَعْدِهِمْ	مِّنْ	بَعْدِ	مَا	جَآءَتْهُمُ	الْبَيِّنٰتُ	وَلٰكِنِ
وہ لوگ	سے	ان کے بعد	سے	بعد	جو	آئیں ان کے پاس	کھلی نشانیاں	اور لیکن
اخْتَلَفُوْا	فَمِنْهُمْ	مَّنْ	اٰمَنَ	وَمِنْهُمْ	مَّنْ	كَفَرَ ؕ	وَلَوْ
انہوں نے اختلاف کیا	پھر ان سے	جو	ایمان لایا	اور ان سے	جو	اس نے کفر کیا	اور اگر
شَآءَ	اللّٰهُ	مَا اقْتَتَلُوْا ۟	وَلٰكِنَّ	اللّٰهَ	يَفْعَلُ	مَا	يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾
چاہتا	اللہ	وہ باہم نہ لڑتے	اور لیکن	اللہ	کرتا ہے	جو	وہ چاہتا ہے

''یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا ہے اور بعض کو درجات میں بلند کیا اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے اس کی تائید فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے بعد والے لوگ دلائل آجانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی، جھگڑا نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا، ان میں سے بعض تو ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' (۲۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جلیل القدر انبیاء کرام اور ان کے معجزات دیکھ لینے کے باوجود سب کے سب لوگوں کا ایمان نہ لانا اللہ تعالیٰ کے اختیار سے متجاوز نہیں یہ اس کی مشیت کے عین مطابق ہے۔ جس طرح انبیاء کے مراتب اور ان کی جدوجہد کے نتائج میں فرق ہے اسی طرح حق کو قبول کرنے اور کفر سے اجتناب کرنے میں لوگوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اے رسول ﷺ! آپ کو ان کے حالات کا موازنہ کرتے ہوئے یقین رکھنا چاہیے کہ آپ بالیقین مرسلین کے سرخیل ہیں۔

تمام انبیاء خاندانِ نبوت کے افراد اور گلدستۂ رسالت کے پھول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالْأَنْبِيَآءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ)) (رواه البخارى: كتاب أحاديث الأنبياء)

''لوگوں میں سے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ میں قریب ہوں اور انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں جدا جدا ہیں لیکن دین ایک ہے۔''

پھر سلسلۂ نبوت کو ایک عالی شان اور خوبصورت محل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ» (رواه البخاری: کتاب المناقب، باب خاتم النبیین)

''بے شک میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا پھر اس کو خوبصورت اور مزین کیا لیکن صرف ایک اینٹ کی جگہ ایک کونے میں رہ گئی۔ لوگ اس گھر کو دیکھتے اور اس ایک اینٹ کی جگہ خالی پا کر تعجب کرتے ہوئے کہتے: یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

«أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ» (رواه الترمذی: کتاب المناقب [صحیح])

''میں قیامت کے دن آدم کی ساری اولاد کا سردار ہوں گا مگر اس اعزاز پر فخر نہیں کرتا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اس پر میں اترا تا نہیں اور قیامت کے دن آدم علیہ السلام سمیت تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں قیامت کے دن سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔''

''جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس کوئی دوسرا رسول اسی چیز کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے تمہارے پاس موجود ہے تو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں' فرمایا اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔'' (آلِ عمران: ۸۱)

انبیاء کے درمیان مراتب کا تفاوت سمجھنے کے لیے طلبہ کی ایک کلاس کو سامنے رکھیں۔ استاد کی نظر میں تمام طلبہ عزیز ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میرا ہر طالب علم ایک دوسرے پر سبقت لے جائے۔ اس کے باوجود پوری کلاس میں مجموعی طور پر ایک ہی طالب علم قابلیت اور لیاقت کے اعتبار سے سب سے آگے ہوتا ہے۔ جب کہ جزوی لیاقت اور صلاحیت کے لحاظ سے کئی طلبہ کو ایک دوسرے پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے مجموعی طور پر سرفہرست آنے والے طالب علم سے دوسرا طالب علم سائنس کے مضمون میں اس سے زیادہ نمبر حاصل کرتا ہو اور یہی کیفیت دوسرے طالب علم کی کسی دوسرے مضمون میں ہوسکتی ہے۔ یہاں بھی انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت و عظمت دینے کا یہی مفہوم ہوسکتا ہے کہ زمانے اور اقوام کے مزاج کے پیشِ نظر ایک نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جو اس کے بعد آنے والے نبی کے دور اور مزاج کے لیے ضروری نہیں تھے۔ مثال کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا علم اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا ہوئے

کہ دنیا کے قابل ترین جادوگر شکست ماننے پر مجبور ہوئے۔ ان کے بعد ہر دور کے مطابق انبیاء معجزات کے ساتھ مبعوث کیے گئے یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا ہوئے کہ ان کے سامنے ارسطو اور افلاطون کی طب ماند پڑ گئی۔ پھر یہودیوں کی چیرہ دستیوں اور سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے ان کی حفاظت کا انتظام کیا گیا تا آنکہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔

اتنے عظیم المرتبت پیغمبروں کی تشریف آوری، ان کی گراں مایہ تعلیمات عظیم معجزات اور بے مثال جدوجہد کے باوجود بھی نہ صرف لوگ دعوتِ حق کے انکاری ہوئے بلکہ باطل نظریات کی خاطر انبیاء کرام سے لڑتے جھگڑتے رہے۔ یہ جرأت ان کو اس لیے حاصل نہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وسطوت سے باہر تھے بلکہ یہ اس لیے ہوتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ حقائق لوگوں کے سامنے کھول کر رکھنے کے بعد دیکھا جائے کہ کون دل و دماغ اور بصارت وبصیرت سے کام لے کر ہدایت کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور کون ہدایت کا انکار کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طاقت کے ذریعے روکنا چاہتا تو وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق ہی سب کچھ کیا کرتا ہے لہٰذا ان میں ایمان لانے والے بھی تھے اور کفر والحاد قبول کرنے والے بھی ہوئے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی۔
۲۔ موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف عطا کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی جبریل امین سے تائید فرمائی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو لوگ آسمانی ہدایت آنے کے بعد اختلاف نہ کرتے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کے مراتب میں فرق:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے خلیفہ بنایا۔ (البقرۃ: ۳۰)
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کا موقعہ عطا فرمایا۔ (العنکبوت: ۱۴)
۳۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا۔ (النساء: ۱۲۵) ۴۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے سب سے بڑا حکمران بنایا۔ (ص: ۳۵)
۵۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے دانائی عطا فرمائی۔ (ص: ۲۰) ۶۔ یعقوب علیہ السلام کو اللہ نے صبر جمیل عطا فرمایا۔ (یوسف: ۸۳)
۷۔ یوسف علیہ السلام کو اللہ نے حکمرانی اور پاک دامنی عطا فرمائی۔ (یوسف: ۳۱)
۸۔ ادریس علیہ السلام کو اللہ نے مقام علیا سے سرفراز کیا۔ (مریم: ۵۷) ۹۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ہم کلامی کا شرف بخشا۔ (طٰہٰ: ۱۲ تا ۱۴)
۱۰۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ قرار دیا۔ (النساء: ۱۷۱)
۱۱۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین بنایا۔ (الانبیاء: ۱۰۷، الاحزاب: ۴۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ

اے جولوگ ایمان لائے تم خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے دیا تمہیں سے پہلے یہ کہ آجائے دن

لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۵۴

نہیں خرید وفروخت اس میں اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش اور انکار کرنے والے (جمع) وہ ظالم (جمع)

''اے ایمان والو! ہم نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں تجارت ہے اور نہ دوستی اور نہ شفاعت۔ انکار کرنے والے ہی ظالم ہیں۔'' (۲۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انبیاء علیہم السلام کے مراتب، ان کے ادوار اور جدوجہد کے انداز کا فرق بیان کرنے کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا جو دنیا میں کامیابی کا اہم عنصر اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی عدالتِ عظمیٰ کے اصول بتلاتے ہیں کہ جس دن تمہیں اس کے حضور پیش ہونا ہے اس دن کوئی لین دین نہیں ہوگا۔ آج وہ تمہیں بار بار حکم دیتا ہے کہ آؤ میرے راستے میں خرچ کرو۔ یہ میرے ساتھ تمہارا لین دین ہے۔ تمہارا خرچ کرنا رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ تمہیں اس کے بدلے کئی گنا زیادہ عطا ہوگا۔ مگر یہ لین دین صرف دنیا کی زندگی میں ہے۔ اس کے بعد آخرت میں اپنی نجات کے بدلے تم سب کچھ دینے کے لیے تیار ہو گے لیکن کوئی لینے اور قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ تمہاری ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور محبت کام نہ آئے گی اور کوئی سفارش بھی فائدہ مند نہ ہوگی۔ اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرنے اور قیامت کا انکار کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ لوگو آگ سے بچو! اگرچہ تمہیں کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کرنا پڑے۔ (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب إتقوا النار ولو بشق تمرۃ)

مسائل

۱۔ مرنے سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہیے۔ ۲۔ قیامت کا انکار کرنے والے ظالم ہیں۔
۳۔ قیامت کے دن لین دین، دوستی اور کوئی سفارش قبول نہیں ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی عدالت کے ضابطے:

۱۔ قیامت کے دن دوستی اور سفارش کام نہ آئے گی۔ (ابراہیم: ۳۱) ۲۔ قیامت کو لین دین نہیں ہو سکے گا۔ (البقرۃ: ۲۵۴)
۳۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔ (الدخان: ۴۱، ۴۲)
۴۔ قیامت کے دن متقین کے سوا سب ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ (الزخرف: ۶۷)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ

اللہ	نہیں	کوئی معبود	مگر	وہ	زندہ	قائم رکھنے والا	نہیں آتی اُسے	اونگھ

وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اور نہ	نیند	اسی کا ہے	جو	میں	آسمانوں	اور جو	میں	زمین

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا

کون	جو	وہ جو	سفارش کرے	اس کے پاس	مگر	اس کی اجازت سے	وہ جانتا ہے	جو

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ

ان کے سامنے	اور جو	ان کے پیچھے	اور نہیں	وہ احاطہ کر سکتے	کسی چیز کا	سے	اس کا علم

اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ

مگر	ساتھ اسکے	جو وہ چاہے	وسیع ہے	اس کی کرسی	آسمان (جمع)	اور زمین

وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اور نہیں	تھکاتی اس کو	ان دونوں کی حفاظت	اور وہ	بلند مرتبے والا	نہایت عظمت والا

''اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ جسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ اس کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو لوگوں کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے اور وہ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا ہے اور نہ اکتاتا ہے وہ بہت ہی بلند و بالا اور بڑی عظمت والا ہے۔'' (۲۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صاحب ایمان مخیر حضرات کو ان کے نیک اعمال اور صدقات کا بدلہ عطا کرنے والا اور ظالموں کو ٹھیک ٹھیک سزا دینے والا ''اللہ'' ہے جس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا وہی دنیا و آخرت میں تمہارا مالک' خالق اور نگران ہے۔ آخرت میں کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکے گا۔ البتہ دنیا میں اس نے بطور آزمائش تمہیں کچھ اختیار دے رکھے ہیں۔ جس وجہ سے وہ کسی پر ہدایت مسلط نہیں کرتا۔ اس آیتِ مبارکہ کو آیت الکرسی کہا گیا ہے۔ کچھ اہلِ علم نے کرسی کا معنی اللہ تعالیٰ کا اقتدار لیا ہے لیکن صحابہ اور تابعین کی اکثریت نے اس سے مراد کرسی لی ہے۔

اس آیت کی عظمت و فضیلت کے بارے میں رسولِ کریم ﷺ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یوں ارشاد فرمایا:

''اے ابو منذر! تجھے علم ہے کہ کتاب اللہ کی عظیم آیت کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا ابومنذر! تو جانتا ہے کہ قرآن کی عظیم آیت کونسی ہے؟ ابی بن کعب کہتے ہیں میں نے جواباً عرض کیا کہ {أَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ} (یعنی آیت الکرسی) آپ نے میرے سینے پر تھپکی دیتے ہوئے فرمایا اے ابومنذر! اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔'' (رواہ مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا)

اس عظیم آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے معبودِ حق ہونے کی چودہ صفات بیان فرمائی ہیں جو انسان، جنات، ملائکہ اور کائنات کی کسی چیز میں نہیں پائی جاتیں۔ گویا کہ وہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے بے مثال، لازوال اور لاشریک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک ''اللہ'' کے بارے میں امام رازی نقل کرتے ہیں کہ یہ ''اَلَهْتُ اِلٰی فُلَانٍ'' سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں ''سَكَنْتُ اِلٰی فُلَانٍ'' یعنی وہ ہستی جس کے نام سے سکون حاصل کیا جائے اور وہ معبودِ برحق ہے۔ زمین و آسمان اور پوری کائنات میں اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں وہی واحد اِلٰہ ہے۔

اہلِ علم نے لفظ اِلٰہ کے جتنے مصادر بیان کیے ہیں ہر ایک کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کا کامل تصور رکھتا ہے۔ جس کے معانی ہیں اونچی شان والا، کائنات کی نظروں سے پوشیدہ، سب کی ضرورتیں پوری کرنے والا اور جس کی ذات سے پناہ طلب کی جائے۔ جس سے سب سے زیادہ محبت کی جائے اس کی عبادت کرنی چاہیے۔ اکیلا ہی عبادت کے لائق، ہمیشہ زندہ رہنے والا اور ہر چیز کو حیات بخشنے والا، ہر دم اور ہر لحاظ سے قائم رہنے والا اور جب تک چاہے کائنات کی ہر چیز کو قائم رکھنے والا۔ ایسی ذات جسے نہ اونگھ لاحق آئے اور نہ ہی اس کی ذات کے بارے میں نیند کا تصور کیا جا سکے۔ زمین و آسمان میں ذرّہ ذرّہ اسی کی ملکیت ہے۔ اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی بات اور سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہو چکا، جو موجود ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ اس کے علم سے کوئی کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا سوائے اس کے جسے وہ خود کچھ عطا کرنا چاہے۔ اس کا اقتدار اور اختیار زمین اور آسمانوں پر ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہیگا۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ان کی حفاظت سے اسے نہ تھکاوٹ ہوتی ہے اور نہ اکتاہٹ۔ وہ اپنے مقام و مرتبہ اور ذات و صفات کے لحاظ سے بلند و بالا اور رفعت و عظمت والا ہے۔

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اسے جنت میں داخل ہونے سے صرف موت ہی مانع ہے۔'' (صحیح الجامع الصغیر للألبانی: ۶۴۶۴)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے صدقۂ فطر کی حفاظت پر مقرر کیا۔ ایک شخص آیا اور غلہ چوری کرنے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا: میں تجھے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس لے جاؤں گا؟ وہ کہنے لگا میں محتاج، عیالدار اور سخت تکلیف میں ہوں چنانچہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ابوہریرہ! آج رات تمہارے قیدی نے کیا کہا؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ! اس نے محتاجی اور عیالداری کا شکوہ کیا۔ مجھے رحم آیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا دھیان رکھنا وہ جھوٹا ہے وہ پھر تمہارے پاس آئے گا۔ چنانچہ اگلی رات وہ پھر آیا اور غلہ اٹھانے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا آج تو ضرور میں تمہیں نبی ﷺ کے پاس لے

جاؤں گا۔ وہ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو میں محتاج اور عیالدار ہوں آئندہ نہیں آؤں گا۔ مجھے پھر رحم آ گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو آپ نے مجھے پوچھا ابو ہریرہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے سخت محتاجی اور عیالداری کا شکوہ کیا مجھے رحم آ گیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا خیال رکھنا وہ جھوٹا ہے وہ پھر آئے گا۔ چنانچہ تیسری بار میں تاک میں رہا وہ آیا اور غلہ سمیٹنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تمہیں چند کلمے سکھاتا ہوں جو تمہیں فائدہ دیں گے۔ میں نے کہا وہ کیا ہیں؟ کہنے لگا جب تو سونے لگے تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کر۔ اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ تیرا نگہبان ہوگا اور صبح تک شیطان تیرے پاس نہیں آئے گا۔ چنانچہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے مجھ سے پوچھا تیرے قیدی نے آج رات کیا کیا؟ میں نے آپ کو ساری بات بتلا دی تو آپ نے فرمایا اس نے سچی بات کہی حالانکہ وہ کذاب ہے۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جانتے ہو تین راتیں کون تمہارے پاس آتا رہا ہے؟ میں نے عرض کی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شیطان تھا۔''

(رواہ البخاری: کتاب الوکالۃ، باب إذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا الخ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے پہلے اور بعد کے حالات جانتا ہے۔ ۲۔ اس کی مرضی کے بغیر اس کے علم سے کوئی کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہنے والا ہے:

۱۔ ہر چیز تباہ ہو جائے گی صرف اللہ کی ذات کو دوام حاصل ہے۔ (الرحمن: ۲۷)

۲۔ اللہ کے علاوہ ہر شے ہلاک ہو جائے گی۔ (القصص: ۸۸) ۳۔ اللہ ہی ازلی اور ابدی ذات ہے۔ (الحدید: ۳)

قیامت کے دن سفارش کے اصول:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں ہو سکے گی۔ (البقرۃ: ۲۵۵)

۲۔ سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ (النبا: ۳۸) ۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کی بات ہی قبول فرمائیں گے۔ (طٰہٰ: ۱۰۹)

۴۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کا حقدار نہ ہوگا۔ (یونس: ۳)

۵۔ سفارش کا اختیار اسی کو ہوگا جسے رحمن اجازت دے گا۔ (مریم: ۸۷)

۶۔ اگر رحمن نقصان پہنچانا چاہے تو کسی کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی۔ (یٰس: ۲۳)

۷۔ سفارشیوں کی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔ (المدثر: ۴۸)

۸۔ وہی سفارش کر سکے گا جس کی سفارش پر رب راضی ہوگا۔ (الانبیاء: ۲۸)

لَآ	اِكْرَاهَ	فِي	الدِّيْنِ ۙ	قَدْ تَّبَيَّنَ	الرُّشْدُ	مِنَ الْغَيِّ ۚ
نہیں	زبردستی	میں	دین	تحقیق واضح ہوگئی	ہدایت	سے گمراہی
فَمَنْ	يَّكْفُرْ	بِالطَّاغُوْتِ	وَيُؤْمِنْۢ	بِاللّٰهِ	فَقَدِ	اسْتَمْسَكَ
پس جو	انکار کرے	طاغوت کا	اور ایمان لائے	اللہ پر	پس تحقیق	اس نے تھام لیا
بِالْعُرْوَةِ	الْوُثْقٰى ۗ	لَا انْفِصَامَ	لَهَا ؕ	وَاللّٰهُ	سَمِيْعٌ	عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾
کڑا	مضبوط	نہیں ٹوٹنا	اس کے لیے	اور اللہ	خوب سننے والا	خوب جاننے والا

''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے اس لیے جو شخص باطل معبودوں کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔''(۲۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عظیم اور قدرت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو منوانے کا جبری طریقہ اختیار نہیں فرمایا۔ اس فرمان میں واضح اشارہ ہے کہ توحید کا دوسرا نام دین ہے۔ اس کے بغیر نہ لوگوں کا دین صحیح اور پختہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی تعلق باللہ مضبوط ہو سکے گا عقیدہ توحید اپنانا مضبوط رسی تھامنے کے مترادف ہے جس طرح رسی تھامنے والا بھنور میں نہیں ڈوبتا۔ اسی طرح عقیدہ توحید پر قائم رہنے والا اختیار کرنے والا دنیا و آخرت کے مسائل اور مصائب میں نہیں ڈولتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی اور دستگیری کرنے والا ہے جبکہ شیطان ''اللہ'' کے منکروں کو جہالت کے اندھیروں میں دھکیلتا ہے۔

یہاں لفظ دین سے پہلی مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے۔ جس کی نہایت مختصر مگر جامع تعریف آیت الکرسی میں کر دی گئی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور ہر چیز اس کے حکم کی غلام اور تابع فرمان ہے۔ کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا کوئی راز اور بات اس سے مخفی نہیں، نہ ہی وہ کسی بات سے غافل ہے۔ وہ ہمیشہ سے قائم دائم اور جب تک کسی چیز کو چاہے اسے زندہ اور قائم رکھنے والا ہے۔ زمین و آسمان کی حفاظت و نگرانی سے نہ تھکتا ہے اور نہ اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ اس کی حکومت ہواؤں اور فضاؤں حتیٰ کہ زمین کے ذرّے ذرّے اور آسمان کے چپّے چپّے پر قائم ہے۔ اس کے اقتدار و اختیار کی وسعتیں لامحدود ہیں۔ وہ ہر چیز پر بلند و بالا اور اپنی عظمت و سطوت قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود اس نے اپنی ذات اور بات منوانے کے لیے جبر و اکراہ کا انداز اختیار نہیں فرمایا۔ ذرا سوچئے کہ انسان نے دنیا میں آکر کون سے جرائم اور بغاوتیں نہیں کیں؟ اگر اللہ تعالیٰ روکنا چاہتا تو اس کی قوت و طاقت سے کچھ بھی باہر نہ تھا لیکن اس نے ہدایت کو گمراہی سے کئی گنا واضح اور آسان فرما کر انسان کو سمجھایا کہ اگر تو اپنے رب کی ذات اور اس کی بات پر ایمان لے آئے تو تیرا رب کے ساتھ ایسا تعلق اور رشتہ قائم ہو جائے گا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی ذات اور فرمان کو بلا شرکتِ غیرے تسلیم کرتے ہوئے ہر شیطانی قوت کا انکار کرے۔ دنیا میں جتنے بھی حلف لیے جاتے ہیں ان میں حلف اٹھانے والا صرف یہی کہتا ہے کہ

میں فلاں قانون، دستور اور سلطنت یا مملکت کا وفادار رہوں گا۔ اسلام صرف اس شخص کا حلف تسلیم کرتا ہے جو پہلے غیر اللہ کا انکار کرے اور پھر اپنے خالق و مالک کی ذات وصفات کا اقرار کرے تب جا کر حلف مکمل اور آدمی حلقۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں تک دین میں جبر نہ کرنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں کچھ لوگ تو واقعتاً غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر غلط فہمی پیدا کرنے والے ہیں۔ غلط فہمی پیدا کرنے والے کوئی ان پڑھ، دیہاتی اور اجڈ لوگ نہیں بلکہ نہایت تعلیم یافتہ، ترقی پسند اور اپنے آپ کو مہذب ترین سمجھنے والے ہیں۔ انہیں انفرادی طور پر دین کی دعوت دی جائے یا ملک میں نفاذِ شریعت کی بات چلے تو وہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ جبراً کسی کو مسجدوں کی طرف نہیں دھکیلا جا سکتا، مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے' اس میں حکومت کو بھی دخل اندازی کا کوئی حق نہیں اور جبری عبادت تو ویسے ہی قبول نہیں ہوتی۔ پھر یکدم اس آیت کریمہ کے الفاظ یا اس کے مفہوم کا حوالہ دیتے ہیں۔ بالخصوص حدود کے نفاذ کی بات ہو تو ان کو فوری طور پر خطرات لاحق ہو جاتے ہیں کہ اس طرح تو لوگوں کے ہاتھ کٹ جائیں گے۔ اسلام کے حوالے سے چوری کی روک تھام کی بات کی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے روزگار کا بندوبست کیا جائے۔ گویا کہ ان کے نزدیک جب تک ملک میں شہد کی نہریں نہ چل نکلیں کسی چور اور ڈاکو کو سزا نہیں ملنی چاہیے۔ کچھ جرأت مند بے دین حدود اللہ کو وحشیانہ قانون قرار دیتے ہیں۔

سختی کا حکم

جہاں تک قانون اور حدود کا تعلق ہے۔ دنیا میں کونسا ایسا ملک ہے جہاں چور، ڈاکو اور قاتل کو سزا دینے کی بجائے تمغۂ جرأت عطا کیا جاتا ہے؟ ہر ملک میں ایسے لوگوں کو کچھ نہ کچھ سزائیں ضرور دی جاتی ہیں۔ حکومت اور انتظامیہ کے وجود کا مقصد ہی ملک میں اجتماعی نظام کی حفاظت اور قانون کا نفاذ ہوا کرتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کر سکیں۔ اگر کوئی قانون کا احترام نہیں کرتا اور اس پر قانون کا نفاذ نہ کیا جائے تو حکومت اور مملکت کے اجتماعی نظام کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اس بات سے ہی اس حقیقت کو سمجھنا چاہیے کہ اگر اسلامی مملکت میں مجرم کو شریعت کے مطابق سزا نہ دی جائے تو پھر حدود و قصاص کی آیات اور احادیث کا کیا مقصد ہوگا؟ اگر حدود نافذ کرنا حکومت کا لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنا ہے تو پھر کیا لوگوں کو ایک دوسرے پر قانون نافذ کرنے کی اجازت دے دینی چاہیے یا معاشرے کو کھلا چھوڑ دینا چاہیے؟ دین میں جبر نہ ہونے کا فقط اتنا ہی مفہوم ہے کہ غیر مسلم کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جا سکتا۔ جہاں تک اس معاملہ میں ملت اسلامیہ کے کردار و اخلاق کا تعلق ہے مسلمان تقریباً نو سو سال تک مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک بلا شرکتِ غیرے حکمران رہے کیا انہوں نے کسی معبد خانے، کلیسا اور آتش کدہ میں جا کر تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک سے لوگوں کو مسلمان بنایا؟ ہرگز نہیں! ایسا کرنا تو درکنار انہوں نے دوسروں کے عبادت خانوں میں جا کر دعوتِ اسلام دینا بھی اخلاقیات کے منافی اور دوسروں کے حقوق میں مداخلت سمجھا تاکہ غیر مسلم جبر کا پہلو محسوس نہ کریں۔ یہاں تک کہ حالتِ جنگ میں بھی کسی کو جبراً مسلمان بنانے کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ مسلمان کو پہلے دن سے حکم ہوا ہے کہ دین میں جبر نہیں۔ تاہم جو لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیں ان کو جبراً نماز پڑھانا، ان سے زکوٰۃ وصول کرنا اور ان پر اسلامی قانون جاری کرنا حکومت کا فرض ہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو عرب کے کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ زکوٰۃ ادا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے جب تک وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه نہ کہیں۔ جس نے یہ شہادت دے دی اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچا لیے اِلا یہ کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے سزا کے طور پر اس کے کوئی جرمانہ، دیت وصول کی جائے یا اسکو جسمانی سزا دی جائے۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں اس شخص سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ اس لیے کہ زکوٰۃ اللہ کا حق ہے اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ زکوٰۃ کی مد میں مجھے بکری کا ایک بچہ نہ دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے ضرور لڑوں گا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! اس کے بعد میں سمجھ گیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں جو جہاد کا ارادہ پیدا ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے دل میں ڈالا ہے اور میں سمجھ گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے درست ہے۔'' (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ)

«عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»

(رواہ أبو داؤد: کتاب الصلوۃ [صحیح])

''عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کی تلقین کرو جب دس سال کے ہوں تو انہیں جبراً نماز پڑھاؤ اور ان کے بستر جدا کر دو۔''

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ کلمہ گو کو جبراً شریعت پر چلایا جائے گا۔ الکرسی سے مراد کرسی ہی لینی چاہیے۔ کچھ لوگوں نے کرسی سے مراد اللہ تعالیٰ کا اقتدار لیا ہے۔ واللہ اعلم

مسائل

۱۔ دین میں جبر نہیں کیونکہ ہدایت گمراہی سے نمایاں ہو چکی ہے۔

۲۔ طاغوت کا انکار اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا نہ ٹوٹنے والی رسی کو پکڑنا ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

دین میں جبر نہیں:

۱۔ دین میں جبر نہیں۔ (البقرۃ: ۲۵۶) ۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر داروغہ نہیں بنایا گیا۔ (بنی اسرائیل: ۵۴)

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ہدایت کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔ (القصص: ۵۶) ۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی پر نگران نہیں ہیں۔ (النساء: ۸۰)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

اللہ	دوست	جولوگ	ایمان لائے	وہ انہیں نکالتا ہے	سے	اندھیروں	طرف	روشنی

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ

اور جولوگ	کافر ہوئے	ان کے ساتھی	شیاطین	وہ انہیں نکالتے ہیں	سے	روشنی

اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع

طرف	اندھیرے (جمع)	یہی لوگ	آگ والے	وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے

ع ۳۴ ۲

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور کفار کے ساتھی شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ جہنمی ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (۲۵۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عقیدہ توحید اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق جوڑنے کا نام ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ تعلق قائم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ازراہِ کرم اسے اپنا دوست بنا کر اس کی روشن مستقبل کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

جب آدمی اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان لائے اور شیطانی قوتوں کا انکار اور ان کے خلاف سینہ سپر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی ہدایت کے راستے کھول دیتا ہے۔ یہاں ہدایت کو نور اور طاغوتی راستوں کو ظلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ شاہراہِ ہدایت ایک ہی ہے اور شیطان کے راستے بے شمار ہیں جیسا کہ روشنی ایک ہے اور اندھیرے کئی قسم کے ہیں۔ یہی ایمان قیامت کے دن نور بن کر جنتیوں کے لیے مشعلِ راہ ہوگا۔ کفر و نفاق تاریکی بن کر جنت کے راستے میں حائل ہو جائے گا۔ ایسے لوگ جہنم میں دھکیلے جائیں گے جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ (الحدید: ۱۳)

جب آدمی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے تو اللہ تعالیٰ بندے کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ اسے اپنی طرف آنے کی توفیق بخشتا اور اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ جوں جوں بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار اور اس کے حکم پر نثار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ، کان اور جوارح پر چھا جاتا ہے اور وہ اپنے دوستوں کی رہنمائی ہی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے بندے کے دشمن کا دشمن ہو جاتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ میرے دوستوں کو دنیا و آخرت میں کوئی خوف نہ ہوگا۔ اس کے برعکس شیطان اپنے دوستوں کو نورِ ہدایت سے نکال کر گمراہی کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ

الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ» (رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ میں نے جو چیز بندے پر فرض کی اس سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں جس سے وہ میرا قرب حاصل کرے بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں، اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ میں اپنے کسی کام میں اتنا تردُّد نہیں کرتا جتنا ایک مومن کی جان قبض کرنے میں کرتا ہوں کیونکہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اس کی تکلیف اچھی نہیں لگتی۔''

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِذَا أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً»

(رواه البخاری: کتاب التوحید)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات بیان کرتے ہیں جو آپ اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں یعنی یہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں۔ جب میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔ جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔

۲۔ شیطان اپنے دوستوں کو روشنی سے اندھیروں میں دھکیلتا ہے۔ ۳۔ شیطان کے دوست ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

النور:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا نور ہے۔ (النور: ۳۵) ۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی روشنی نہیں دے سکتا۔ (النور: ۴۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۷) ۴۔ رسول لوگوں کو روشنی کی دعوت دیتا ہے۔ (ابراہیم: ۱)

۵۔ تورات و انجیل نور ہیں۔ (المائدۃ: ۴۶) ۶۔ قرآن بھی نور ہے۔ (المائدۃ: ۱۵)

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ	اِلَى	الَّذِىْ	حَآجَّ	اِبْرٰهٖمَ	فِىْ	رَبِّهٖٓ	اَنْ	اٰتٰىهُ
کیا نہیں دیکھا آپ نے	طرف	وہ جو	اس نے جھگڑا کیا	ابراہیم	میں	اس کا رب	یہ کہ	دی اس کو

اللّٰهُ	الْمُلْكَ ۘ	اِذْ	قَالَ	اِبْرٰهٖمُ	رَبِّىَ	الَّذِىْ	يُحْىٖ
اللہ	بادشاہت	جب	کہا	ابراہیم	میرا رب	وہ جو	زندہ کرتا ہے

وَيُمِيْتُ ۙ	قَالَ	اَنَا	اُحْىٖ	وَاُمِيْتُ ؕ	قَالَ	اِبْرٰهٖمُ	فَاِنَّ
اور مارتا ہے	اس نے کہا	میں	زندہ کرتا ہوں	اور میں مارتا ہوں	فرمایا	ابراہیم	بیشک

اللّٰهَ	يَاْتِىْ	بِالشَّمْسِ	مِنَ	الْمَشْرِقِ	فَاْتِ	بِهَا	مِنَ	الْمَغْرِبِ
اللہ	لاتا ہے	سورج	سے	مشرق	پس تو لے آ اسے		سے	مغرب

فَبُهِتَ	الَّذِىْ	كَفَرَ ؕ	وَاللّٰهُ	لَا	يَهْدِى	الْقَوْمَ	الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۵۸ ج
تو وہ ششدر ہو گیا	وہ جو	اس نے کفر کیا	اور اللہ	نہیں	ہدایت دیتا	قوم	ظالم (جمع)

''کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا، حالانکہ اسے اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا فرمائی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال۔ تو کافر ششدر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (۲۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ روح کو نورِ ایمان سے زندہ کرتا ہے اسی طرح وہ مردہ جسم کو دوبارہ زندگی عطا کرنے پر قادر ہے اللہ تعالیٰ قیامت کو لوگوں کو زندہ فرمائے گا جس کی امثال پیش کی جارہی ہیں۔

ایک دنیا پرست اور کوتاہ نظر انسان کی عادت ہوتی ہے کہ جونہی اسے کوئی نعمت وافر مقدار میں میسر ہو تو اس کی فطرت بغاوت پر اُتر آتی ہے۔ جن نعمتوں کے ملنے کے بعد آدمی بہت جلد غرور اور تکبر کا مظاہرہ کرتا ہے ان نعمتوں میں اقتدار اور اختیار ایسی چیز ہے جب اس کا نشہ دماغ پر غالب آتا ہے تو آدمی اپنے محسنوں کو بھول ہی نہیں جاتا بلکہ بسا اوقات ان کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ خیر خواہی کرنے والوں کو مخالف اور چاپلوسی کرنے والوں کو خیر خواہ سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کے پاس زیادہ عرصہ اقتدار رہے تو وہ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ سب کچھ میری ذاتی صلاحیتوں اور کارکردگی کا نتیجہ ہے بالآخر وہ عملاً اپنے آپ کو خدائی مقام پر فائز سمجھتا ہے۔ نمرود جب اس خمار میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنے آپ کو زمین پر خدائی اوتار کے طور پر متعارف کروایا۔ اس قسم کے حکمرانوں کی بنیادی سوچ یہ ہوتی ہے کہ ہر قانون ان کے تابع ہو اور دین کا دنیاوی معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس کو آج کل کی زبان میں یوں کہا جاتا ہے کہ سیاست اور دین دو متضاد چیزیں ہیں۔ دین کا ریاست اور سیاست کے معاملات میں کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کے بقول دین ملک کی ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے واسطہ پڑا جو کہ نبوت کی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا۔ اس سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام عوام الناس کو تبلیغ کیا کرتے تھے اور کسی حکمران کے ساتھ دین کے حوالے سے بالمشافہ گفتگو کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ جونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اللہ تعالیٰ کی توحید پیش فرمائی تو اس نے اپنے سیاسی تحفظات کی بنا پر ربِ کائنات کی ہستی کا انکار کیا اور پھر اپنے موقف کے بارے میں باطل اور فرسودہ دلائل دینے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھایا کہ میں اس خالقِ حقیقی کی بات کر رہا ہوں جو موت وحیات کا مالک ہے۔ اللہ کا باغی کہنے لگا یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں میں چاہوں تو جلاد کو حکم دوں کہ فلاں آدمی کو قتل کر دیا جائے جب جلاّد تلوار اٹھائے تو میں اُسے ایسا کرنے سے روک دوں لہٰذا مارنا اور زندہ کرنا کونسا مشکل کام ہے۔ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس نے موت کی سزا پانے والے قیدی کو رہا کر دیا اور رہا ہونے والے کو قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا تکبر اور ہٹ دھرمی دیکھ کر اپنی دلیل کی لطافت سمجھانے اور اس کے ساتھ الجھنے کی بجائے یک دم فرمایا میں اس رب کی بات کر رہا ہوں جو سورج کو مشرق سے طلوع کر کے مغرب میں غروب کرتا ہے اگر تو اپنے آپ کو خدا سمجھتا ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کر۔ یہ ایسی اچانک، واضح اور ٹھوس دلیل تھی جس کا وہ جواب نہ دے سکا۔ یہاں بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ اگر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہتا کہ تیرا رب سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تائید میں ایسا کر دیتے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے دلیل کی تاب نہ لا کر نمرود اس قدر بوکھلا چکا تھا کہ اس کے حواس ٹھکانے نہ رہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بات کرنے کا سلیقہ معجزہ کے طور پر عطا ہوا تھا۔ [الشعراء: ۸۳] جب ابراہیم علیہ السلام اپنے مخالفوں سے بات کرتے تو لوگ ان کے سامنے دم بخود رہ جاتے تھے چنانچہ نمرود کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا یہی سچے دین کی خوبی ہے کہ وہ ہر دور میں علمی برتری اور ٹھوس دلائل کے حوالے سے باطل نظریات پر غالب رہا ہے اور ہمیشہ بالادست رہے گا۔ جو لوگ حقائق کے سامنے لاجواب ہو کر بھی حق قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا کیونکہ ہدایت کے لیے عاجزی اور سچی طلب ضروری ہوا کرتی ہے۔

مسائل

۱۔ موت وحیات کا صرف اللہ ہی مالک ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے نظام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔
۳۔ اللہ کے منکروں کو بالآخر پریشانی اٹھانا پڑتی ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی موت وحیات کا مالک ہے:

۱۔ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۶) ۲۔ اللہ ہی موت وحیات کا خالق ہے۔ (الملک: ۲)
۳۔ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کرتا ہے۔ (آلِ عمران: ۲۷)
۴۔ اللہ تعالیٰ مارنے کے بعد لوگوں کو زندہ کرے گا۔ (البقرۃ: ۲۸)

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ

یا اس شخص کے مانند گزرا پر ایک بستی اور وہ گری پڑی تھی پر اپنی چھتوں اس نے کہا

اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ

کیسے زندہ کریگا اسے اللہ بعد اس کی موت تو اس کو فوت کیا اللہ ایک سو سال پھر

بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ

اسے اٹھایا کہا کتنی دیر تو ٹھہرا اس نے کہا میں ٹھہرا ایک دن یا کچھ حصہ دن

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ

اس نے کہا بلکہ تو ٹھہرا رہا ایک سو سال چنانچہ تو دیکھ طرف اپنا کھانا اور اپنا پینا

لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ

وہ خراب نہیں ہوا اور تو دیکھ طرف اپنا گدھا اور تاکہ ہم تجھے بنائیں نشانی لوگوں کیلئے اور تو دیکھ

اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ

طرف ہڈیاں کس طرح ہم انہیں جوڑتے ہیں پھر ہم اسے پہناتے ہیں گوشت پھر جب واضح ہو گیا

لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

اس کیلئے کہا میں جان گیا بیشک اللہ پر ہر چیز خوب قدرت والا

''یا اس شخص کی طرح کہ جس کا گزر ایک بستی سے ہوا جو اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی وہ کہنے لگا اس کے گر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال کے لیے موت دے دی پھر اسے اٹھا کر پوچھا تو کتنی مدت ٹھہرا رہا؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ فرمایا بلکہ تو سو سال تک اسی حالت میں رہا۔ اب اپنے کھانے پینے کو دیکھ جو بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ تا کہ ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں۔ دیکھو ہم ہڈیوں کو کس طرح جوڑ کر پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں؟ جب اس کے سامنے سب کچھ واضح ہو گیا تو وہ کہنے لگا میں اچھی طرح جان گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' (۲۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سلسلہ مضمون جاری ہے لہٰذا یہاں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی ایک مثال پیش کی گئی ہے۔

اس شخص سے مراد اکثر مفسرین نے حضرت عزیر علیہ السلام لیے ہیں اور جس بستی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بیت المقدس تھی جسے بخت نصر نے تہس نہس کر دیا تھا۔ اس تاریخی اور مقدس شہر کو ویران اور سنسان دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام کو شدید دھچکا لگا اور خیالات کی دنیا میں سوچنے لگے کہ کبھی اس کے بازار پُر رونق، اس کے مکان اپنے مکینوں سے آباد، یہاں چہل پہل اور شہر کی

ایک شان ہوا کرتی تھی۔ اب یہاں ہُو کا عالم ہے اب تو اس میں سے گزرتے ہوئے بھی دل کانپتا ہے۔ جوں ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس اجڑی ہوئی بستی کو دوبارہ کس طرح رونقیں عطا کرے گا؟ اس سوچ میں غلطاں ہو کر کہنے لگے: ''اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا'' ''اللہ تعالیٰ اس کی موت کے بعد اسے کس طرح زندہ کرے گا'' اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت کی آغوش میں سُلا دیا۔ جب انہیں دوبارہ اٹھایا تو فرمایا کہ اے عزیر! تم کتنی مدت تک یہاں رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی الٰہی! میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ یہاں ٹھہرا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں! تو یہاں ایک صدی ٹھہرا رہا ہے۔ اب اپنے کھانے پینے کی طرف دیکھ اس میں نہ بساند پیدا ہوئی اور نہ ہی اس کا ذائقہ تبدیل ہوا ہے۔ پھر اپنے گدھے کی طرف دیکھ تاکہ تجھے اور اس پورے واقعہ کو لوگوں کے لیے مرکز جی اٹھنے پر ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جائے۔ اب گدھے کی ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح انہیں اکٹھا کر کے اس پر گوشت پوست چڑھاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے گدھے کی بوسیدہ ہڈیاں صحت مند ہڈیوں کی شکل اختیار کر گئیں اور باہم جڑ کر گدھے کا ڈھانچہ بن گیا اور پھر اس پر گوشت اور بالوں سمیت کھال نمودار ہوئی یہ دیکھتے ہی حضرت عزیر علیہ السلام پکار اٹھے میں اچھی طرح جان چکا کہ اللہ ہی زندہ کرنے پر قادر اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجب نظائر ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت کی آغوش میں دے کر پہلی حالت میں صحیح سالم اٹھانا، بہت جلد خراب ہونے والے کھانے اور پانی کو اسی طرح ٹھیک حالت پر برقرار رکھنا کہ اس میں معمولی تغیر بھی پیدا نہ ہو پایا۔ گدھا جو زندہ رہ سکتا اور اپنے طور پر وادی میں کھا پی سکتا تھا اسے مار کر از سرِ نو زندہ فرما کر حضرت عزیر علیہ السلام کو مشاہدے کے ذریعے ثابت کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح ہی اجڑی ہوئی بستیوں کو آباد کرتا اور صحراؤں اور ریگستانوں کو گل و گلزار بناتا ہے۔ اگر کوئی پانی میں ڈوب جائے یا جل کر راکھ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بکھرے ہوئے اجزاء کو اکٹھا کر کے اپنی بارگاہ میں پیش کرے گا اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب بھی ہے اور اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت بھی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اُجڑی بستیوں کو آباد اور مردوں کو زندہ کرتا ہے اور کرے گا۔

۲۔ حضرت عزیر علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود اپنے مرنے کی مدت کو نہ جان سکے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ بقا اور فنا کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

موت کے بعد زندہ ہونے کی مثالیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۷۳) ۲۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۵۹)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ذبح ہونے والے چار پرندوں کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۶۰)

۴۔ اصحابِ کہف کو تین سو نو سال کے بعد زندہ فرمایا۔ (الکہف: ۲۵)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا۔ (البقرۃ: ۲۴۳)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ

اور جب کہا ابراہیم اے میرے رب مجھے دکھا کیسے تو زندہ کرتا ہے مردہ اس نے کہا کیا اور نہیں تو نے

تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً

یقین کیا اس نے کہا کیوں نہیں اور لیکن تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل فرمایا پس پکڑ لے چار

مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

سے پرندے پھر مانوس کر ان کو اپنی طرف پھر رکھ دے پر ہر پہاڑ ان سے ٹکڑے

ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

پھر تو انہیں بلا وہ آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے بیشک اللہ بہت غالب خوب حکمت والا

''اور جب حضرت ابراہیم نے کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! تم بھی نہیں مانتے؟ ابراہیم نے عرض کیا کیوں نہیں۔ یہ عرض اس لیے ہے تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا چار پرندے لے کر انہیں اپنے ساتھ مانوس کرو پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر ایک پہاڑ پر ان کے ٹکڑے رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان لو اللہ تعالیٰ بہت غالب، خوب حکمت والا ہے۔'' (۲۶۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ مردہ کو زندہ کرنے کی ایک اور مثال۔

اللہ تعالیٰ نے ''**سورۃ التکاثر**'' میں انسانی علم کے تین مدارج ذکر فرمائے ہیں۔ علم، علم الیقین اور عین الیقین۔ عین الیقین ایسا علم ہے جو تجربے اور مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو عین الیقین کے تناظر میں سمجھنا چاہیے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حیات بعد الممات کے بارے میں کبھی بھی تشکیک کا شکار نہیں ہوئے۔ ان کے بارے میں دوٹوک انداز میں الانعام ۷۵ میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے دن سے ہی رشد و ہدایت سے نوازا تھا۔ انبیاء کرام نبوّت سے پہلے بھی کفر اور شرک کا ارتکاب نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو ابتداء ہی سے اپنی نگرانی میں رکھتے اور پالتے ہیں اور ہر نبی کو اس کے حالات کے مطابق اپنی قدرت کے نشانات دکھلایا کرتے ہیں تاکہ ان کے کلام اور خطاب میں انقلابی تاثیر پیدا ہو جائے اس انقلابی تاثیر کی بنا پر لوگ انبیاء کی دعوت کا انکار کرنے کے باوجود دل میں ان کی سچائی کے قائل ہوا کرتے تھے۔ یہاں عین الیقین کے درجے کو پانے کے لیے جناب ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کے حضور عرض پیش کی۔ رب حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کے الزام سے بچانے کے لیے یہ سوال فرمایا کہ کیا ابراہیم علیہ السلام تم بھی اس بات پر یقین نہیں رکھتے؟ ابراہیم علیہ السلام جواباً عرض کرتے ہیں کہ میرے رب کیوں نہیں! میں تو اطمینانِ قلب کے لیے یہ درخواست کر رہا ہوں تاکہ قیامت کو اٹھنے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے میرے دل کا ایک ایک گوشہ اور ریشہ گواہی

دے رہا ہو کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا اور اللہ کے حضور پیش ہونا یقینی ہے۔ حکم ہوا کہ ابراہیم چار پرندے پکڑ کر انہیں کچھ مدت کے لیے اپنے ساتھ مانوس کرو۔ اس کے بعد انہیں ذبح کر کے ان کے اعضاء مختلف پہاڑوں پر رکھ کر انہیں اپنی طرف آنے کے لیے آواز دو' آواز سنتے ہی وہ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے پر قادر ہے اور اس کے ہر کام اور حکم میں بہت سی حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔ پرندوں کو اپنے ساتھ مانوس کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ پرندے زندہ ہونے کے بعد ڈر کر ادھر ادھر نہ اُڑ جائیں۔ اُڑ کر آنے کی بجائے چل کر آنے کی وضاحت اس لیے فرمائی کہ قیامت کے منکر یہ نہ کہہ پائیں کہ ذبح ہونے والے پرندے زندہ نہیں ہوئے تھے بلکہ کوئی اور پرندے اتفاقاً اُڑ کر اس موقع پر پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ پرندے اڑنے کی بجائے چل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے جس سے ہر قسم کے شبہات کا ازالہ کر دیا گیا۔ پرندوں کے اجزاء اس لیے مختلف چٹانوں پر بکھیر دیے گئے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آدمی جس حال میں مرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہر صورت میں اپنے سامنے پیش کرے گا۔ اس مر کر اٹھنے کے عقیدے کو قرآنِ مجید اس طرح زوردار طریقے سے بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد اس عقیدے کے بارے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

{ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ } (بنی اسرائیل: ۵۰،۵۱)

''اے پیغمبر! قیامت کے منکروں کو فرما دو۔ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا ایسی مخلوق بن جاؤ جو تمہارے خیالات میں بڑی ہو۔'' (اللہ تعالیٰ پھر بھی تمہیں اٹھائے گا۔)

«عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَجُلًا كَانَ قَبْلَكُمْ رَغَسَهُ اللهُ مَالًا فَقَالَ لِبَنِيْهِ لَمَّا حُضِرَ أَيَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ قَالُوْا خَيْرَ أَبٍ قَالَ فَإِنِّيْ لَمْ أَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَإِذَا مِتُّ فَأَحْرِقُوْنِيْ ثُمَّ اسْحَقُوْنِيْ ثُمَّ ذَرُوْنِيْ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ فَفَعَلُوْا فَجَمَعَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ قَالَ مَخَافَتُكَ فَتَلَقَّاهُ بِرَحْمَتِهٖ»

(رواہ البخاری: کتاب أحادیث الانبیاء، باب حدیث الغار)

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی کو اللہ نے مال سے نوازا۔ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میں تمہارا کیسا باپ ہوں؟ انہوں نے جواب دیا آپ بہترین باپ ہیں۔ اس آدمی نے کہا میں نے کبھی اچھا کام نہیں کیا لہٰذا میرے مرنے کے بعد مجھے جلا کر میری راکھ تیز ہواؤں میں اڑا دینا انہوں نے ایسے ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ کو جمع کر کے اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے عرض کی: الٰہی! تیرے خوف کی وجہ سے ایسا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اسے معاف کر دیا۔''

مسائل

۱۔ اطمینانِ قلب کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ ۲۔ مشاہدہ انسان کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسان کے ایک ایک جز کو اکٹھا کریں گے۔

مَثَلُ	الَّذِيْنَ	يُنْفِقُوْنَ	اَمْوَالَهُمْ	فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ	كَمَثَلِ
مثال	جولوگ	وہ خرچ کرتے ہیں	اپنے مال	میں	راستہ	اللہ	مانند مثال

حَبَّةٍ	اَنْۢبَتَتْ	سَبْعَ	سَنَابِلَ	فِيْ	كُلِّ	سُنْۢبُلَةٍ	مِّائَةُ	حَبَّةٍ ؕ
ایک دانہ	اگیں	سات	بالیاں	میں	ہر	بالی	سو	دانہ

وَاللّٰهُ	يُضٰعِفُ	لِمَنْ	يَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ	وَاسِعٌ	عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾
اوراللہ	بڑھاتا ہے	جس کے لیے	چاہتا ہے	اوراللہ	بڑا وسعت والا	خوب جاننے والا

''جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔'' (۲۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہاں سے صدقات کے بارے میں خطاب شروع ہوتا ہے۔ سابقہ آیات میں صدقہ کرنے کا حکم تھا اور صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف قرار دیا گیا۔ اب صدقہ کی فضیلت، اس کی قبولیت کے اصول اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے گئے صدقات کے دنیا اور آخرت میں ثمرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قرآنِ مجید کی ابتداء میں ایمان کے مرکزی اور بنیادی اصولوں میں تیسرا اصول یہ بیان ہوا ہے کہ صاحبِ ایمان لوگوں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمایا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اب اسی بنیادی رکن کی مختلف زاویوں سے وضاحت شروع ہوتی ہے جس میں فضیلت، فرضیت اور احتیاطی ہدایات مسلسل ۲۳ آیات میں بیان کی گئی ہیں جو چار رکوع پر مشتمل ہیں۔

صدقات کی ترغیب سے پہلے موت کے بعد اٹھنے کے تین دلائل دیے گئے ہیں۔ ان کی حکمت یہ ہے کہ مرنے کے بعد جس طرح دوسرے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی اسی طرح اللہ کے راستے میں کیے گئے صدقات کا نیت اور صدقے کے مطابق پورا پورا اجر ملے گا۔ لہٰذا ترغیب دی جارہی ہے کہ مرنے سے پہلے زیادہ سے زیادہ اپنے لیے آگے بھیجو تاکہ مشکل وقت میں تمہارے کام آسکے۔ صدقے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ صدقہ ہر حال میں اللہ کی رضا اور اس کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے۔ ایسے صدقے کی مثال اس بیج کی طرح ہے جس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی سو دانہ اٹھائے ہوئے ہو۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب کاشتکار نے صحیح بیج، مناسب وقت اور زرخیز زمین پر کاشتکاری کر کے اس کی اچھی طرح آبیاری اور نگرانی کی ہو۔ ایسی برکت اللہ تعالیٰ ہر اس صدقے میں پیدا فرمائے گا جو اخلاص، للّٰہیت، رزقِ حلال اور مستحق جگہ اور سنت کے مطابق خرچ کیا جائے۔ ایسے صدقہ کے بارے میں سات سو گنا بڑھانے کی حد بندی نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والے کے اخلاص اور جذبات کے مطابق اُسے اس سے زیادہ برکت سے نوازیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ وسعت و کشادگی دینے اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ دنیا میں آج تک کوئی بینک یا مالیاتی ادارہ قائم نہیں ہوا اور نہ ہی ہوسکتا ہے جو اس قدر اپنے شیئر ہولڈر کو منافع دینے کے لیے تیار ہو جس قدر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطا کرتا ہے اور کرے گا۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فُلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ» (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو آدمی کھجور کے برابر اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ کے ہاں صرف پاک چیز ہی قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کو اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی بچھڑے کو پالتا ہے حتیٰ کہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِيْ سَحَابَةٍ اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَأَفْرَغَ مَاءَهٗ فِيْ حَرَّةٍ فَإِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهٗ فَتَتَبَّعَ فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِيْ حَدِيْقَتِهٖ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهٗ يَا عَبْدَ اللهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ لِلْاِسْمِ الَّذِيْ سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ يَا عَبْدَ اللهِ لِمَ تَسْأَلُنِيْ عَنِ اسْمِيْ فَقَالَ إِنِّيْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِيْ هٰذَا مَاؤُهٗ يَقُوْلُ اسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ لِاِسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا قَالَ أَمَّا إِذْ قُلْتَ هٰذَا فَإِنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَآكُلُ أَنَا وَعِيَالِيْ ثُلُثًا وَأَرُدُّ فِيْهَا ثُلُثَهٗ» (رواہ مسلم: کتاب الزھد والرقائق، باب الصدقۃ فی المساکین)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: صحرا میں ایک آدمی نے بادلوں میں آواز سنی کہ فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ تو وہ بادل دوسرے بادلوں سے علیحدہ ہو گیا اور اپنا پانی ایک پتھریلی زمین پر برسایا وہاں ایک نالا پانی سے بھر گیا وہ آدمی اس کے پیچھے پیچھے چلا ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا اپنی کسّی کے ساتھ پانی لگا رہا تھا۔ اس آدمی نے پوچھا اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: فلاں، وہی نام جو مسافر نے بادلوں میں سنا تھا۔ نام بتانے والے نے وجہ پوچھی تو سائل نے جواب دیا کہ میں نے اس بارش برسانے والے بادل میں یہ سنا کہ فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ۔ آپ ایسا کونسا عمل کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ نے پوچھ لیا ہے تو سنیں کہ میں اس باغ کی کل آمدنی سے ایک تہائی صدقہ کرتا ہوں، ایک تہائی سے گھر کے اخراجات چلاتا ہوں اور ایک تہائی اس باغ کی ترقی پر خرچ کرتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے کو سات سو گنا سے زیادہ اجر ملے گا۔

تفسیر بالقرآن

صدقہ میں برکت:

۱۔ صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے۔ (الحدید:۱۱) ۲۔ اللہ تعالیٰ اسے دگنا تگنا کر کے واپس کرے گا۔ (التغابن:۱۷)
۳۔ اللہ سات سو گنا تک بڑھا دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۶۱) ۴۔ اللہ کے ہاں اضافے کی کوئی حد نہیں ہے۔ (البقرۃ:۲۶۱)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ

جولوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال میں راہ اللہ پھر نہیں دھرتے جو

اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا

انہوں نے خرچ کیا کوئی احسان اور نہ کوئی تکلیف ان کے لیے ان کا اجر پاس ان کا رب اور نہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ

کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے بات اچھی اور معاف کرنا بہت بہتر

مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

سے خیرات اس کے پیچھے ہو تکلیف اور اللہ بڑا بے نیاز نہایت بردبار

''جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔(۲۶۲) اچھی بات کرنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے ساتھ تکلیف دی جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز اور نہایت بردبار ہے۔''(۲۶۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انفاق فی سبیل اللہ کے ثواب میں اضافہ تب ہی ہوگا جب احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے صدقہ پاک ہوگا۔ احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے بہتر ہے کہ آدمی دوسرے کو دینے سے معذرت کر لے۔

صدقہ کا بھاری اور بے انتہا اجر ان لوگوں کو موصول ہوگا۔ جنہوں نے حالتِ ایمان میں انفاق فی سبیل اللہ کی شرائط پوری کرتے ہوئے صدقہ کو ایذاء اور احسان سے محفوظ رکھا ہو۔ ضروری نہیں کہ احسان اور تکلیف زبان سے ہی دی جائے۔ بسا اوقات صدقہ کرنے والا اپنے ملازم سے اس لیے زیادہ کام لیتا ہے کہ تنخواہ کے علاوہ بھی اسے کچھ دیتا ہے۔ اپنے اعزہ واقرباء پر خرچ کرنے والے اکثر لوگ ان سے خدمت اور غیر معمولی احترام کی توقع کرتے ہیں۔ اسی طرح مسجد، مدرسہ اور کسی رفاعی ادارے پر خرچ کرنے کے بعد ریاکار اور کم ظرف لوگ ایسے اداروں کے خدمت گاروں اور علماء کو ملازم اور اپنا احسان مند رکھنے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جس سے ملازم، رشتہ دار اور دین کی خدمت کرنے والوں کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور بسا اوقات اس قسم کے مخیر اور شہرت کے خواہش مند لوگ حکومت کے اداروں میں خرچ کرنے کے بعد سرکاری افسران سے مفادات اٹھاتے ہیں۔ جس سے صدقہ کرنے والے کے ثواب میں کمی اور صدقہ ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جس نے اپنے صدقے کو ان کمزوریوں سے بچا لیا اس کے لیے اُس کے ربّ کے ہاں بے انتہا اجر ہے اور اُسے کوئی خوف وخطر نہیں ہوگا۔ ایسا صدقہ جو اخلاقی بیماریوں سے محفوظ ہو۔ وہ دنیا میں بھی آدمی کو بے شمار نقصانات اور آزمائشوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس سے نیک نامی، دل میں سکون اور باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہاں صدقہ کرنے والے کو عاجزی اختیار کرنے اور گفتگو کا طریقہ بتلایا گیا ہے بالخصوص اس وقت جب آدمی کے پاس سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو سائل کو ڈانٹنے کی بجائے اچھے طریقے سے ٹالنا اور معذرت کرنا چاہیے۔ یہ انداز اس صدقے سے کہیں بہتر ہے جس صدقہ کے بعد مستحق کو احسان جتلا کر یا کسی اور طریقے سے اذیت پہنچائی جائے۔ صدقہ دینے والے کو ایسا اس لیے بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے کہ اس نے اس کو اس قابل بنایا کہ اس کے سامنے دوسرے لوگ محتاج بن کر حاضر ہوتے ہیں۔ صاحبِ ثروت کو ہر دم یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہمیشہ دینے والی اللہ کی ذات ہے۔ وہ آدمی کی کمزوریوں سے صرفِ نظر فرما کر اپنی عطاؤں سے نوازتا ہے۔ لہٰذا آدمی کو بھی بردباری اور سخاوت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ البتہ جو شخص صحت منداور حقیقتاً محتاج نہ ہو اُسے دینے کی بجائے سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ پھر بھی مانگنے سے باز نہ آئے تو اُسے ڈانٹنے کی گنجائش ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے منگتے سے مانگا ہوا اس کی ضرورت سے زائد مال چھین کر آئندہ گداگری سے منع کر دیا۔ [سیرتِ فاروق]

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيِّ ﷺ مَايَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ» (رواه البخاری: کتاب الزکاۃ، باب من سأل الناس تکثرا)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہوگی۔''

«عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ قَالَ فَقَرَأَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ»

(رواه مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار والمن بالعطیة)

''حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا نہ ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھے گا اور نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو ناکام ونامراد ہو گئے آپ نے فرمایا: ① اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا ② احسان جتلانے والا ③ جھوٹی قسمیں اٹھا کر اپنا مال فروخت کرنے والا۔''

مسائل

۱۔ احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے بچنے والا دنیا وآخرت میں بے خوف وخطر ہوگا۔

۲۔ معذرت کرنا تکلیف دینے اور احسان جتلانے سے بہتر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ

اے جولوگ ایمان لائے نہ ضائع کرو اپنے صدقات احسان جتا کر اور تکلیف دے کر اس شخص کی طرح

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

خرچ کرتا ہے اپنا مال دکھلانا لوگوں کو اور نہیں وہ ایمان رکھتا اللہ کے ساتھ اور دن

الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ

آخرت تو اس کی مثال جیسی مثال چکنا پتھر اس پر مٹی چنانچہ پہنچی اسے تیز بارش

فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ

تو چھوڑا اس نے اس کو صاف نہیں وہ قدرت رکھتے پر کوئی چیز اس میں سے جو انہوں نے کمایا

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

اور اللہ نہیں راہ دکھاتا قوم کافر (جمع)

''اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر معمولی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار بارش برسے اور وہ اسے بالکل صاف کر دے ایسے ریاکاروں کو اپنی کمائی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (۲۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے عمومی انداز میں سمجھایا گیا تھا کہ اللہ کے لیے خرچ کرو اور صدقہ لینے والے کو تکلیف نہ دو اور نہ ہی اس پر احسان جتلاؤ۔ یاد رکھو کہ حقیقی غنی وہ ذاتِ اقدس ہے جس نے اپنی غنا کے خزانوں سے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ تم تو تھوڑا سا دے کر بے حوصلہ ہو جاتے ہو اس مالک کی طرف دیکھو جو تمہیں صبح و شام کھلانے پلانے اور خزانے عطا کرنے کے باوجود تمہاری گستاخیاں اور نافرمانیاں برداشت کرتا ہے۔

اب براہِ راست صاحبِ ایمان لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ایذاء رسانی اور احسان جتلا کر اپنے صدقات کو ہرگز ضائع نہ کرنا۔ کیونکہ جس حاجت مند کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا جائے اس کے دل میں صدقہ دینے والے کے بارے میں دعا اور ہمدردی کے بجائے نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ احسان جتلانے اور ایذاء پہنچانے والے آدمی کے بارے میں معاشرہ میں نفرت اور حقارت پیدا ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو تبدیل نہ کرے تو ایسا رویہ اس کی کمینگی کی علامت بن جاتا ہے۔ معاشرہ میں صدقہ کرنے سے جو مثبت اثرات پیدا ہونے تھے۔ اس کی بجائے منفی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا کہ اس طرزِ عمل سے صدقہ دینے والے کی عزت اور خدمت برباد ہو جاتی ہے۔ آخرت کے بارے میں رسولِ معظم ﷺ کا ارشاد ہے

کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نظرِ کرم کے ساتھ نہیں دیکھے گا۔ (رواہ مسلم: باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار والمن بالعطیة)

صدقہ کرنے کے بعد ایذا پہنچانے والے شخص کو ریا کار کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے۔ جس کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس کا اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان ہوتا تو اُسے نمود و نمائش کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے آخرت میں اپنے رب سے اجر لینے کی بجائے لوگوں سے تحسین اور شہرت کی صورت میں اجر لینے کی کوشش کی ہے۔ اس کے اس عمل کی مثال تو ایسی ہے جس طرح ایک چٹان کے اوپر معمولی سی مٹی ہو جو ہلکی سی بارش سے صاف ہو جائے۔ اس چٹان پر گل و گلزار کی توقع کس طرح کی جاسکتی ہے؟ یہی حالت ریا کار اور اس شخص کی ہے جو صدقہ کرنے کے بعد احسان اور ایذا رسانی کا رویہ اختیار کرتا ہے اس کا کردار تو کفار کے ساتھ ملتا جلتا ہے کیونکہ کافر نہ آخرت پر یقین رکھتا ہے نہ ہی اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہوتا ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے تین آدمیوں کا فیصلہ کیا جائے گا ایک شہید ہوگا اس کو اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد کروائے گا وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں سے کیا فائدہ اٹھایا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو اس لیے جہاد کیا تھا تا کہ کہا جائے کہ تو بڑا بہادر ہے دنیا میں تجھے بہادر کہہ دیا گیا اس کے بعد اس کو الٹے منہ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک عالم اور ایک سخی کو بھی لایا جائے گا جنہوں نے دکھلاوے کی خاطر علم پڑھا اور پڑھایا اور صدقہ کیا پھر ان کے ریا کاری کرنے کی وجہ سے ان کو بھی الٹے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (رواہ مسلم: کتاب الامارۃ)

مسائل

۱۔ تکلیف دینے اور احسان جتلانے سے صدقہ ضائع ہو جاتا ہے۔

۲۔ ریا کار اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان نہیں رکھتا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

ریا کاری اور احسان جتلانا:

۱۔ ریا کاری دھوکہ ہے۔ (النساء: ۱۴۲) ۲۔ ریا کار نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے۔ (الماعون: ۶)

۳۔ ریا کاری کفار کرتے ہیں۔ (الانفال: ۴۷) ۴۔ منافق ریا کار ہوتے ہیں۔ (النساء: ۱۴۲)

۵۔ کسی پر زیادہ حاصل کرنے کے لیے احسان نہیں کرنا چاہیے۔ (المدثر: ۶)

۶۔ احسان جتلانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۴)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ

اورمثال جولوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال تلاش کرنا خوشنودی اللہ اورثبات ویقین سے

اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ

اپنے دل (جمع) جیسی مثال ایک باغ بلندی پر پہنچی اسے تیز بارش تو اس نے دیا اپنا پھل دوگنا

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۶۵

پھر اگر نہ پہنچے اسے تیز بارش تو پھوار اور اللہ اس کے ساتھ جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا

''اوران لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی خوشنودی اور دل کی تسکین ویقین کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو اس پر زوردار بارش برسے تو وہ دوگنا پھل دے اگر اس پر تیز بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔(۲۶۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ریاکاری، احسان جتلانے اور تکلیف دہ صدقہ کے مقابلہ میں لِوَجْهِ اللّٰهِ کیے گئے صدقہ کے ثمرات وانجام۔

یہاں دومثالوں کے ذریعے دوقسم کا کردار واضح کیا جارہا ہے۔ پہلی مثال میں ایسے سخی کی بات تھی جو کسی کو صدقہ دینے کے بعد احسان جتلاتا اور اذیّت دے کر اپنے صدقے کو اس طرح ضائع کر بیٹھتا ہے جیسے نمود ونمائش کرنے والے کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین نہیں ہوتا جس وجہ سے اس کا اجر ضائع ہوجاتا ہے۔ اس صدقے کی مثال ایک چٹان اور اس پر پڑی ہوئی مٹی سے دی گئی تھی جو بارش کے چند قطروں سے صاف ہوجائے۔ گویا کہ ریاکار اور اس قسم کے آدمی کے صدقے کی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ حالانکہ پتھر پر مٹی کے ذرات ہوں تو بارش کے بعد اس پر کچھ نہ کچھ ضرور اُگتا ہے۔ ایسے ہی اگر اخلاص کے ساتھ صدقہ کیا جائے تو اس کے مخیّر کے دل اور معاشرہ پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن جس طرح چٹان پر بارش کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایسے ہی ریاکار کو صدقہ کرنے کا کوئی اجر وثواب حاصل نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اس صاحبِ دل اور خوش قسمت انسان کی مثال دی جارہی ہے جو اپنے دل کے اطمینان، روح کی تسکین اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہے۔ اس کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر ہو جس پر بارش نہ بھی ہو تو اسے شبنم ہی کفایت کرتی ہے۔ اخلاصِ نیت کے ساتھ کیے جانے والے صدقہ میں اگر کوئی کمی وکمزوری رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تلافی فرمادے گا۔ کیونکہ صدقہ کرنے والا اس نیت کے ساتھ کررہا ہے کہ یہ اللہ کا مال تھا جو میں نے اس کے کمزور بندوں پر خرچ کیا ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں ایسا شخص نمود ونمائش، احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے اجتناب کرتا ہے۔

دوسری مثال میں مخیر حضرات کی توجہ اس جانب دلائی جارہی ہے کہ کیا تم میں کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں پر مشتمل ایک بہترین باغ ہو اور اس میں آب پاشی کا خودکار نظام ہو اس باغ کا مالک بوڑھا ہو اور اس کی چھوٹی چھوٹی اولاد ہو اور اس کا باغ بھرپور طریقے سے پھل دے رہا ہو۔ اچانک اس باغ کو آگ کا بگولہ خاکستر کردے۔ بتایئے کہ ایسے سانحہ فاجعہ پر اس بوڑھے مالک کی کیا حالت ہوگی؟ جو لوگ خرچ کرنے کے بعد شہرت کے طالب اور مسکین کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کا معاملہ بوڑھے

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّ أَعْنَابٍ

کیا پسند کرتا ہے تمہارا ایک یہ کہ ہو اس کیلئے ایک باغ سے کھجور اور انگور

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۙ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ

بہتی ہوں سے اس کے نیچے نہریں اسکے لیے اس میں سے ہر قسم کے پھل

وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَأَصَابَهَآ إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ

اور آپہنچا اس کو بڑھاپا اور اس کے بچے بہت کمزور پھر آپڑے اس پر ایک بگولا اس میں آگ

فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْأٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾ ع

تو وہ جل جائے اسی طرح واضح کرتا ہے اللہ تمہارے لیے نشانیاں تاکہ تم غور وفکر کرو

کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہتی ہوں اور اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس کے مالک کو بڑھاپا آچکا ہو، اس کے ننھے منھے بچے ہوں اور اچانک باغ کو بگولا آلے جس میں آگ ہو پھر وہ باغ جل جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔'' (۲۶۶)

مالک کی طرح ہوگا جسے بڑھاپے میں ایک ایک پائی کی ضرورت تھی اور بچے کمزور اور کمانے کے لائق نہیں تھے اور بچے اس سانحہ کے وقت اپنے باپ کی کوئی مدد نہ کر سکے جب کہ بوڑھے باپ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے سامنے باغ جل رہا تھا۔ بوڑھا اسے بچانے کی کوشش کے باوجود نہ بچا سکا۔ نمود ونمائش اور صدقہ کرنے کے بعد احسان جتلانے اور تکلیف دینے والے کو قیامت کے دن ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے کمینے پن اور نمود، نمائش کی وجہ سے اس کا اجر ضائع ہوا جس وجہ سے آج اس کے سامنے اس کی امیدیں دم توڑ رہی ہیں۔ جب اسے جہنم کی طرف دھکیلا جا رہا ہوگا تو اولاد سمیت کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکے گا۔ اس نازک ترین صورت حال کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا کوئی دنیا میں ایسا شخص ہو سکتا ہے جو اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ایسا حادثہ پسند کرتا ہو؟ ظاہر ہے کوئی پسند نہیں کرتا، اس مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام اس لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے فکر وعمل پر غور کرو۔

مسائل

۱۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والا خسارہ نہیں اٹھاتا۔ ۲۔ ریاکاری اور احسان جتلانے سے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لوجہ اللہ خرچ کرنے کا ثواب:

۱۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے کو پورا پورا اجر ملے گا۔ (البقرۃ: ۲۷۲)

۲۔ اللہ کی رضا کے لیے کیے گئے کام کا بڑا اجر ہے۔ (النساء: ۱۱۴) ۳۔ اللہ کی رضا کے متلاشیوں کا انجام بہترین ہوگا۔ (الرعد: ۲۲)

۴۔ مخلص، مخیر حضرات لوگوں کے شکریہ اور جزا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ (الدھر: ۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ

اے جولوگ ایمان لائے خرچ کرو تم سے پاکیزہ جو تم کماؤ

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا

اور سے جو ہم نے نکالا تمہارے لیے سے زمین اور نہ تم ارادہ کرو

الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ

گندی چیز اس سے تم خرچ کرو اور تم نہیں ہو اس کو لینے والے مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرو اس میں

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ

اور جان لو بے شک اللہ بڑا بے نیاز نہایت قابلِ تعریف شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو

الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

غربت اور وہ تمہیں حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے بخشش اس سے

وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

اور فضل اور اللہ نہایت وسعت والا خوب جاننے والا

''اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی سے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین میں سے پیدا کیا ہے اس سے خرچ کرو۔ ان میں سے گندی چیزوں کے خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو جسے تم خود بھی چشم پوشی کرنے کے سوا اسے لینے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بے پروا اور نہایت قابلِ تعریف ہے۔ (۲۶۷) شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہایت وسعت والا اور خوب علم والا ہے۔'' (۲۶۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مومنوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جو تم کمائی کرتے ہو یا جو کچھ ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں اس میں سے پاک اور طیّب مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کیا کرو۔

یہاں طیّب سے مراد حلال، پاک اور نفیس مال ہے کیونکہ ایسا مال خرچ کرنے سے منع کیا گیا ہے جو آدمی کسی سے خود لینے کے لیے تیار نہ ہو۔ اس حرکت سے نفرت دلانے کے لیے ایسے صدقے اور مال کو خبیث کہا گیا ہے جس میں وہ تمام نقائص شامل ہوں جو ایک شریف آدمی کے لیے نہایت ہی ناگوار ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ تم ایسے مال کو کسی مجبوری یا چشم پوشی کے سوا قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کس طرح تصور کرتے ہو کہ وہ تمہارا مسترد اور ناپسندیدہ مال پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمائے گا؟ ایسے صدقے سے نہ تو دل بخل سے پاک ہوتا ہے اور نہ ہی لینے والے پر مثبت اثرات

مرتب ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص اجر وثواب سے بھی محروم رہے گا۔ لہٰذا بطورِ انتباہ فرمایا جارہا ہے کہ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کو ایسے صدقہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز اور ہر حال میں لائقِ تعریف ہے۔

صدقہ کرتے ہوئے ناقص مال دینا یا حرام مال اللہ کے راستے میں خرچ کر کے اجر کی توقع رکھنا یہ شیطان کی طرف سے جھوٹی امید کا نتیجہ ہے۔ شیطان تمہیں غریب ہو جانے کا خوف دلاتا ہے۔ ناقص اور حرام مال خرچ کرنے کی ترغیب دے کر حقیقتاً شیطان تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ یہ عقل مند مسلمان کے سچے جذبات کے منافی ہے کہ صدقے کے نام پر حرام مال خرچ کرے جس کے لینے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ گویا کہ انتہاء درجے کی بے حیائی اور ڈھٹائی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حرام سے منع کرے اور تم اس کے نام حرام چیز دو اور پھر اس میں ثواب کی امید بھی رکھو۔ یہ سراسر شیطانی عمل ہے جب کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے کے بدلے تمہارے گناہ معاف کرنے اور مزید عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ {يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ} وَقَالَ {يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ}» (رواہ مسلم: کتاب الزکوۃ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسولو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے جانتا ہوں اور فرمایا: اے مومنو! ہم نے جو تمہیں دیا ہے اس میں سے حلال کھاؤ۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ» (رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور کسی بھائی کو معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کو مزید عزت دیتا ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرماتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ کی راہ میں پاک مال دینا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور حمد وستائش کے لائق ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، جبکہ شیطان غربت اور بے حیائی کا وعدہ کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کے وعدے تباہی کا پیش خیمہ ہیں:

۱۔ شیطان بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۹)
۲۔ شیطان مفلسی سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۸) ۳۔ شیطان کا وعدہ فریب ہے۔ (بنی اسرائیل: ۶۴)

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ

وہ عطا کرتا ہے دانائی جسے وہ چاہتا ہے اور جسے دی گئی دانائی تو یقیناً

اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

اسے دی گئی بھلائی بہت اور نہیں نصیحت قبول کرتا سوائے عقل والے

''اللہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس شخص کو حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا کر دی گئی اور نصیحت تو صرف عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔'' (۲۶۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سمجھنا اور اس کی راہ میں حلال وطیب مال خرچ کرنا عقل ودانش کا کام ہے۔

اہلِ علم نے حکمت کے بے شمار معانی بیان فرمائے ہیں لیکن حکمت کا سب سے جامع معنیٰ حدیثِ رسول ہے کیونکہ رسولِ محترم ﷺ نے قرآن کا وہی مفہوم بیان فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی منشا ہے۔ تفسیر بحر المحیط کے مصنف سورۃ البقرہ آیت ۲۵۱ کی تفسیر میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

(اَلْحِكْمَةُ وَضْعُ الْاُمُوْرِ فِيْ مَحَلِّهَا عَلَى الصَّوَابِ وَكَمَالُ ذٰلِكَ اَنَّمَا يَحْصُلُ بِالنُّبُوَّةِ)

''حکمت کا حقیقی معنی ہر چیز کو ٹھیک طور پر اس کے مقام پر رکھنا ہے۔ حکمت کی تکمیل نبوت کے ذریعے ہوا کرتی ہے لہٰذا حکمت وہ ہے جو اللہ کے رسول کا ارشاد ہے۔'' (بحوالہ معارف القرآن)

امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ حکمت کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنیٰ تمام چیزوں کی مکمل معرفت اور ان کی ٹھیک ٹھیک ایجاد ہے۔ جب اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نسبت ہو تو اس سے مراد معرفت اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔ حدیث کی مقدس دستاویزات میں لفظ حکمت کو کئی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے صدقات کے مسائل اور احکامات کے بیان کے بعد حکمت کو بہت بڑی خیر قرار دینے میں جو حکمت سمجھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک دانا اور سمجھ دار آدمی یہ حرکت کبھی نہیں کر سکتا کہ وہ ایسا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرے جسے وہ خود لینے کے لیے تیار نہ ہو اور نہ ہی کسی دانشور سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ آخرت کے بدلے دنیا کے مال کو ترجیح دے کر بخل کا مظاہرہ کرے یا نمود و نمائش کے لیے خرچ کرے۔ ان باتوں کا خیال اہلِ دانش ہی کیا کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت ودانش بہت بڑا خزانہ ہے۔ ۲۔ عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علم وحکمت کے داعی تھے:

۱۔ خاتم الانبیاء ﷺ کی تعلیمات حکمت پر مبنی ہیں ابراہیم علیہ السلام کی دعا۔ (البقرۃ:۱۲۹) ۲۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکمت سے نوازا۔ (البقرۃ:۲۵۱) ۳۔ نبی کریم ﷺ کو کتاب وحکمت سکھانے کے لیے بھیجا گیا۔ (آلِ عمران:۱۶۴)

وَمَآ	اَنْفَقْتُمْ	مِّنْ	نَّفَقَةٍ	اَوْ	نَذَرْتُمْ	مِّنْ	نَّذْرٍ
اور جو	تم خرچ کرو	سے	کوئی خرچ	یا	نذر مانو تم	سے	نذر
فَاِنَّ	اللّٰهَ	يَعْلَمُهٗ ؕ	وَمَا	لِلظّٰلِمِيْنَ	مِنْ	اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾	
تو بیشک	اللہ	اسے جانتا ہے	اور نہیں	ظالموں کیلئے	سے	مددگار	

''اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو یا نذر مانو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔'' (۲۷۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ مضمون سے پیوستہ۔

اللہ کے لیے جو کام کسی آدمی نے خود اپنے آپ پر لازم قرار دے لیا ہو اسے منّت یا نذر کہا جاتا ہے اس کو پورا کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا شرک ہے جس کی ہرگز اجازت نہیں۔ نذر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہونی چاہیے یہ جسمانی عبادت بھی ہوسکتی ہے اور صدقہ بھی۔ اگر کسی نے غلطی یا بے علمی سے کوئی غیر شرعی کام کرنے کی نذر مانی ہو تو اسے پورا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر غلط کام پر قسم اٹھائی ہو تو قسم کا کفارہ دینا چاہیے جس کی تفصیل دیکھنے کے لیے سورۃ المائدۃ آیت ۸۹ کی تلاوت کیجیے۔ نذر ماننے کا یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے کہ کوئی شخص یہ ارادہ کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرا فلاں کام کردیا تو میں اتنا صدقہ، نفل یا حج کروں گا۔ اگر یہ کام نہ ہوا تو پھر میں نذر پوری نہیں کروں گا۔ ایسی نذر کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا کہ نذر کسی چیز کو ٹالتی نہیں۔ نذر کے ذریعے صرف بخیل کا مال نکالا جاتا ہے۔'' (رواہ البخاری: کتاب القدر)

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو صدقہ کرتے ہی رہنا چاہیے۔ ربِ ذوالجلال کے ساتھ شرط لگانا آدمی کو زیب نہیں دیتا کیونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے پھر اس کے ساتھ شرط لگانے کا کیا معنیٰ؟

اگر کوئی شخص نذر مان کر اس پر عمل درآمد نہیں کرتا تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے کیونکہ وہ بیک وقت کئی گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کی مدد نہیں کرتا۔

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: نافرمانی کے کام میں نذر کو پورا نہ کیا جائے اور جو چیز انسان کے قبضہ میں نہیں اس کی نذر نہ مانی جائے۔ ایک اور روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر نہیں ہے۔'' (رواہ مسلم: باب لا وفاء لنذر فی معصیۃ)

مسائل

۱۔ نیکی کے کام پہ مانی ہوئی نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کی حمایت نہیں کرتا۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ

اگر ظاہر اُدو خیرات تو اچھی بات یہ اور اگر تم چھپاؤ اس کو اور دو تم اسے تنگدست (جمع) تو وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

بہتر تمہارے لیے اور دور کر دے گا تم سے سے تمہارے گناہ اور اللہ ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو خوب باخبر

''اگر تم علانیہ صدقات دو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ طور پر مسکینوں کو دو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اللہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خوب باخبر ہے۔'' (۲۷۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صدقہ کے متعلق وضاحت اور اُخروی فائدہ۔

نیت خالص ہو تو دوسرے کی خودداری کو مدنظر رکھ کر حالات کے مطابق خفیہ کی بجائے علانیہ صدقہ دیا جا سکتا ہے۔ کچھ اہلِ علم کا خیال ہے کہ زکوٰۃ علانیہ طور پر دینا چاہئے تاکہ لوگوں کو ترغیب دی جا سکے۔ عام صدقات خفیہ طور پر دینا زیادہ افضل ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت کا مزاج یہی ہے کیونکہ اکثر اوقات خفیہ طور پر صدقہ کرنے سے دینے اور لینے والوں پر نہایت ہی دُور رس اور پاکیزہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جس سے مسکین کی خودداری اور صدقہ کرنے والے کی لِلّٰہیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تاہم یہ بات انسان کی نیت اور مساکین کے حالات پر منحصر ہے کہ صدقہ کب اور کس انداز میں دینا چاہیے؟ یہاں اعلانیہ کو بہتر اور خفیہ کو خیر قرار دیا ہے اور یہ بھی ضمانت دی گئی ہے کہ اخلاصِ نیت کے ساتھ صدقہ کرنے والے کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ آخری الفاظ اس بات کے ترجمان ہیں کہ صدقہ خفیہ ہو یا اعلانیہ تم جن جذبات کے ساتھ صدقہ کرو گے اللہ تعالیٰ اس جذبے اور صدقہ کے ایک ایک ذرّے سے باخبر ہے۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا میں ضرور صدقہ کروں گا وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا تو اس نے صدقہ ایک چور کو دے دیا۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں نے باتیں کیں کہ رات کسی نے چور کو صدقہ دے دیا ہے۔ اس نے کہا اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں میں پھر صدقہ کروں گا۔ وہ پھر صدقہ لے کر نکلا اور اس نے ایک بدکار عورت کو صدقہ دے دیا۔ جب صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ رات زانیہ کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: میں پھر صدقہ کروں گا۔ تیسری مرتبہ پھر صدقہ لے کر نکلا اور اس نے صدقہ ایک مالدار کو دے دیا تو صبح کے وقت لوگ باتیں کرنے لگے کہ رات کسی شخص نے مالدار کو صدقہ دیا ہے۔ تو اس نے کہا: اے اللہ! چور، بدکارہ اور مالدار کو صدقہ دینے پر تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں۔ پھر اس کو خواب میں کہا گیا کہ شاید تیرے صدقہ دینے سے چور چوری اور بدکار بدکاری سے باز آجائے اور مالدار عبرت پکڑ کر اللہ کے دیئے ہوئے مال سے صدقہ کرنے لگے۔'' (رواہ البخاری: باب إذا تصدق علی غنی وھو یعلم)

مسائل

۱۔ صدقہ علانیہ اور خفیہ دونوں طرح دیا جا سکتا ہے۔ ۲۔ صدقہ کرنے والے کے گناہ معاف اور اسے برکت نصیب ہوتی ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

نہیں	آپ پر	ان کی ہدایت	اورلیکن	اللہ	ہدایت دیتا ہے	جسے	وہ چاہتا ہے

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ

اور جو	تم خرچ کرو گے	سے	مال تو	تمہارے نفسوں کے ہی واسطے		اور نہیں	تم خرچ کرتے

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ

مگر	حاصل کرنا	رضامندی	اللہ	اور جو	تم خرچ کرو گے	سے	مال	وہ پورا پورا ملے گا

اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

تمہیں	اور تم	زیادتی نہ کیے جاؤ گے	

''انہیں ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تم جو اچھی چیز اللہ کی راہ میں دو گے وہ تمہارے ہی لیے ہے تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہی خرچ کرنا چاہیے۔ تم جو مال خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔'' (۲۷۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح حکمت و دانائی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اسی طرح ہدایت پانا اور صدقہ کی توفیق دینا بھی اسی کا کرم ہے۔

اے رسول ﷺ! آپ کی ذمہ داری لوگوں کو سمجھانا ہے۔ ہدایت سے ہمکنار کرنا آپکا اختیار نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور حکمت ہے جسے چاہے ہدایت سے سرفراز فرمائے۔ صدقات کے بیان میں یہ جملہ اس لیے لایا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں بے شمار ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ قریبی رشتہ داریاں تھیں۔ مال دار صحابہ ایمان لانے کے بعد بھی کفار کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے ایمان کی بنیاد پر ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جس پر یہ فرمان نازل ہوا جس میں وضاحت فرمائی کہ جو کچھ بھی تم اللہ کی رضا کے لیے غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر عنایت کیا جائے گا۔ ایسا ہی واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیش آیا ان کی والدہ اپنی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا سے تعاون حاصل کرنے کے لیے مکہ سے مدینہ آئی جس پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھتی ہیں کہ میری والدہ مجھ سے تعاون کی امید رکھتی ہے۔ کیا میں مشرکہ والدہ کے ساتھ تعاون کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: تمہیں اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ (رواہ البخاری: باب الھدیۃ للمشرکین)

بعض اہلِ علم نے یہ تفسیر فرمائی ہے کہ عام صدقہ مستحق کافر اور مشرک کو دیا جا سکتا ہے لیکن زکوٰۃ کافر کو نہیں دینا چاہیے البتہ قربانی کا گوشت مشرک، کافر کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔

صدقہ اور خیرات کی وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«مَامِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ»

(رواه البخاری: کتاب الأدب)

''جس مسلمان کے کھیت سے کسی انسان یا جانور نے دانہ کھایا اسے بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔''

«كُلُّ سُلَامَى عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ يُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ يُحَامِلُهُ عَلَيْهَا أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَمْشِيهَا إِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَدَلُّ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ»

(رواه البخاری: کتاب الجهاد والسیر)

''ہر روز آدمی کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے کسی آدمی کو سواری کے لیے سواری دے دینا یا کسی کے سامان کو سواری پر رکھ لینا صدقہ ہے اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔ نماز کے لیے جاتے ہوئے ہر قدم کا بدلہ صدقہ ہے۔ کسی کو راستہ بتلانا صدقہ ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَمَا كَلْبٌ يُطِيفُ بِرَكِيَّةٍ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ إِذْ رَأَتْهُ بَغِيَّةٌ مِنْ بَغَايَا بَنِي إِسْرَائِيلَ فَنَزَعَتْ مُوقَهَا فَسَقَتْهُ فَغُفِرَ لَهَا بِهِ» (رواه البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک کتا کنوئیں کے کنارے چکر لگا رہا تھا قریب تھا وہ پیاس سے مر جائے۔ اچانک بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت نے دیکھ کر اپنے موزے کے ذریعے اسے پانی پلایا۔ اس وجہ سے اس عورت کو بخش دیا گیا۔''

مسائل

۱۔ اللہ کے نبی کا کام رہنمائی کرنا ہے کسی کو ہدایت پر گامزن کرنا آپ کا ذمہ نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ ۳۔ صدقہ کرنے میں بہتری ہے۔

۴۔ صدقہ کرنے والے کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ ۵۔ قیامت کے دن کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی توفیق سے ہی ہدایت ملتی ہے:

۱۔ ہدایت پر چلانا انبیاء کی ذمہ داری نہیں۔ (البقرۃ: ۲۷۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ (القصص: ۵۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کوئی شخص ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا۔ (الاعراف: ۴۳)

۴۔ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے۔ (الکہف: ۱۷)

۵۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۲)

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا

تنگدستوں کے لیے جولوگ روک دیے گئے میں راہ اللہ نہیں وہ طاقت رکھتے چلنا پھرنا

فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ

میں زمین انہیں سمجھتا ہے ناواقف مال دار سے سوال سے بچنا تو پہچان لے گا انہیں

بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

ان کے چہروں سے نہیں وہ سوال کرتے لوگ (جمع) لپٹ کر اور جو تم خرچ کرو سے مال

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

تو یقیناً اللہ اس کو خوب جاننے والا

''ان کے لیے بھی صدقہ کرنا ہے جو اللہ کی راہ میں روک دیے گئے ہیں اور وہ ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ نادان لوگ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انہیں مال دار خیال کرتے ہیں، آپ ان کے چہرے دیکھ کر انہیں پہچان لیں گے۔ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے۔'' (۲۷۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے صدقہ کرنے کا حکم تھا اب صدقہ خود دار اور مستحق حضرات کو پہچاننے کا حکم ہے۔

جولوگ نہ کسی سے سوال کرتے ہیں اور نہ ہی مزدوری کے پیچھے بھاگتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو تعلیم وتعلّم، ترویجِ اسلام یا جہاد فی سبیل اللہ بالفاظ دیگر اپنے آپ کو خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ وہ مزدوری کر سکتے ہیں لیکن اس لیے نہیں کرتے کہ کہیں فریضۂ تبلیغ میں کوتاہی واقع نہ ہو جائے۔ پہلے انفاق کے احکام میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم تھا اور اب خوددار مستحق لوگوں کو فی سبیل اللہ کے مقام پر فائز کرتے ہوئے اغنیاء کو خرچ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے انہیں سرزنش کی گئی ہے کہ ایسے مال دار، لوگ جاہلوں کا سا کردار رکھتے ہیں۔ جو حاجت مند خوددار لوگوں کو ضرورت مند نہیں سمجھتے۔ اللہ کے راستے میں وقف لوگ اس قدر غیّور، خوددار، شرم وحیا کے پیکر اور بے نیاز ہیں کہ کسی سے سوال کرنا ان کے ضمیر کے خلاف ہے۔ یہاں چمٹ کر سوال کرنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ اس کے سوا کسی اور انداز میں سوال کرنا اپنے لیے روا رکھتے ہیں بلکہ اس اندازِ کلام سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ وہ کسی حال میں بھی دوسرے کے سامنے دست سوال دراز کرنے کے قائل نہیں۔ لہٰذا مخیر حضرات کا فرض ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر ان کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ ان کی ضرورتوں کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں گو ان کے ہاتھ اور زبانیں بند ہیں لیکن ان کے چہرے، لباس اور بود و باش عُسرت کے ترجمان ہیں کیونکہ اگر یہ لوگ اپنے آپ کو تبلیغِ دین کے لیے وقف نہ کریں تو دینی درسگاہیں بانجھ، مساجد ائمہ کرام سے خالی اور دین کا نسل در نسل چلنے کا سلسلہ بند ہو جائے

گا۔ یہاں یہ بات بھی نمایاں ہوتی ہے کہ دین کے نام پر جائیدادیں بنانا اور تبلیغ کو پیشہ کے طور پر اختیار کرنا کسی لحاظ سے بھی مناسب نہیں۔ قرآن کا منشاء یہ ہے کہ دین کا کام کرنے والے لوگ پوری بے نیازی کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھیں۔ مخیر حضرات کا فرض ہے کہ وہ ازخود ان کی ضروریات کا خیال رکھیں ان کے مقام و مرتبہ کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے ساتھ فی سبیل اللہ تعاون کرتے رہیں۔ جن پاک باز لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی وہ اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کا مقدس گروہ تھا جن کو رسولِ کریم ﷺ حسبِ ضرورت تبلیغ اور دوسرے دینی کاموں کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ جونہی یہ لوگ اس فرض سے فارغ ہوتے تو مسجدِ نبوی کے متصل ایک چبوترے پر اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے۔

اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کی خودداری:

اُن میں سے ایک عظیم ہستی جن کا اسمِ گرامی حدیث کی مقدس دستاویزات میں بڑی کثرت کے ساتھ آیا ہے وہ جنابِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں:

«إِنَّكُمْ تَزْعُمُونَ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيثَ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَاللهُ الْمَوْعِدُ إِنِّيْ كُنْتُ امْرَأً مِسْكِيْنًا أَلْزَمُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلٰى مِلْءِ بَطْنِيْ وَكَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ يَشْغَلُهُمُ الْقِيَامُ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ فَشَهِدْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَالَ مَنْ يَبْسُطُ رِدَاءَهُ حَتّٰى أَقْضِيَ مَقَالَتِيْ ثُمَّ يَقْبِضُهُ فَلَنْ يَنْسٰى شَيْئًا سَمِعَهُ مِنِّيْ فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَوَالَّذِيْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا نَسِيْتُ شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْهُ»

(رواه البخاری: کتاب الإعتصام، باب الحجة علی من قال إن أحکام النبي)

''اے لوگو! تم کہتے ہو کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں زیادہ بیان کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں مسکین آدمی تھا پیٹ بھرنے کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹا رہتا تھا۔ مہاجرین منڈی میں کاروبار کرنے میں مصروف رہتے اور انصار اپنے مال کو سنبھالنے میں مشغول ہوتے۔ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: کون اپنی چادر پھیلاتا ہے یہاں تک کہ میں اپنی بات پوری کرلوں؟ پھر وہ اپنی چادر کو لپیٹ لے۔ وہ جو کچھ بھی مجھ سے سنے گا کبھی نہیں بھولے گا۔ میں نے اپنی چادر بچھائی جو میں نے اپنے اوپر لے رکھی تھی۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے جو کچھ بھی آپ سے سنا کبھی نہیں بھولا۔''

مسائل

۱۔ صدقات فقراء و غرباء میں تقسیم کرنے چاہئیں۔ ۲۔ اللہ کے راستے میں وقف لوگوں کی ازخود خدمت کرنا چاہیے۔
۳۔ اللہ کے کام میں گھرے ہوئے خوددار مسکین لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔
۴۔ انسان جو کچھ بھی خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ

جولوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات میں اوردن پوشیدہ اورظاہر توان کے لیے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ان کااجر پاس ان کارب اورنہ کوئی خوف ان پر اورنہ وہ غمگین ہوں گے

''جولوگ اپنے مال رات، دن، خفیہ اورظاہر خرچ کرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اورنہ انہیں خوف ہوگا اورنہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (۲۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے ریاکاری کی مذمت کی گئی ہے اب وضاحت فرمائی ہے کہ نیت میں اخلاص ہوتو اعلانیہ صدقہ کرنا ریاکاری میں شامل نہیں ہوتا۔

صدقہ کرنے کے انداز اور طریقہ کے بارے میں پہلے ارشاد یہ تھا کہ چھپا کر صدقہ کرو یا اعلانیہ دونوں صورتیں تمہارے لیے بہتر ہیں۔ اس کے بدلے تمہارے گناہوں کو معاف کردیا جائے گا۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ جولوگ رات کی تاریکی میں صدقہ کریں یا دن کی روشنی میں سب کے سامنے کریں یا چھپ کر صدقہ دیں ایسے لوگوں کے اخلاص، جذبات اور صدقات کے مطابق ان کے رب کے ہاں نہایت ہی عمدہ اجر ہے۔ جس میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ اس اجر کے ساتھ انہیں یہ بھی انعام سنایا جاتا ہے کہ انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں خوفزدہ اور فکرمند ہونے کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ غربت کے خوف اور دولت کے لالچ سے بے نیاز ہوکر مستحق غریب کو معاشی غم سے نجات دلاتے ہیں اس کے بدلے ان پر نہ خوف طاری ہوگا اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی پریشانی اور پشیمانی ہوگی دنیا میں بھی ان کا مال کم نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ صدقہ اخلاص کے ساتھ دن رات، چھپ کر یا اعلانیہ کیا جائے اس کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔

۲۔ صدقہ کرنے والے کو کوئی خوف وخطر نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

خوف وغم سے مبرّا حضرات:

۱۔ ہدایت پر عمل پیرا ہونے والا خوف زدہ اور غمگین نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:۳۸)

۲۔ ایمان اور عمل صالح کرنے والے خوف زدہ نہ ہوں گے۔ (البقرۃ:۶۲)

۳۔ رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرنے والے بے خوف وبے غم ہوں گے۔ (البقرۃ:۲۶۲)

۴۔ ایمان، نماز اور زکوٰۃ مومن کو بے خوف وبے غم کرتی ہے۔ (البقرۃ:۲۷۷)

۵۔ ایمان پر قائم رہنے والوں اور اصلاح کرنے والوں پر خوف وغم نہ ہوگا۔ (الانعام:۴۸)

اَلَّذِيْنَ	يَاْكُلُوْنَ	الرِّبٰوا	لَا يَقُوْمُوْنَ	اِلَّا	كَمَا	يَقُوْمُ	الَّذِيْ
جولوگ	کھاتے ہیں	سود	نہیں وہ کھڑے ہونگے	مگر	جیسے	کھڑا ہوتا ہے	وہ جو
يَتَخَبَّطُهُ	الشَّيْطٰنُ	مِنَ	الْمَسِّ ؕ	ذٰلِكَ	بِاَنَّهُمْ	قَالُوْٓا	اِنَّمَا
اسے حواس باختہ کر دیا	شیطان	سے	چھونا	یہ	اس لیے کہ وہ	انہوں نے کہا	درحقیقت
الْبَيْعُ	مِثْلُ	الرِّبٰوا ۘ	وَاَحَلَّ	اللّٰهُ	الْبَيْعَ	وَحَرَّمَ	الرِّبٰوا ؕ
تجارت	طرح	سود	حالانکہ حلال کیا	اللہ	تجارت	اور حرام کیا	سود
فَمَنْ	جَآءَهٗ	مَوْعِظَةٌ	مِّنْ	رَّبِّهٖ	فَانْتَهٰى	فَلَهٗ	مَا
پھر جو	آ گئی اس کے پاس	نصیحت	سے	اس کا رب	پھر وہ باز آ گیا	تو اس کے لیے	جو
سَلَفَ ؕ	وَاَمْرُهٗٓ	اِلَى	اللّٰهِ ؕ	وَمَنْ	عَادَ	فَاُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
ہو چکا	اور اس کا معاملہ	طرف	اللہ	اور جو	پھر لوٹے	تو وہی	دوزخ والے
هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾					
وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے					

وقف لازم

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر اس کو حواس باختہ کر دیا ہو۔ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی نصیحت سن کر سود کھانے سے رک گیا اس کے لیے وہ ہے جو ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جو پھر بھی حرام کی طرف لوٹا وہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (۲۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سودی نظام صدقہ کی تحریک میں سب سے زیادہ رکاوٹ ہے لہٰذا سود خور کا انجام بیان کرنے کے ساتھ سود خور کے غلط استدلال کی تردید کی جا رہی ہے۔

سود کو قدیم زمانے سے ربا کہا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید نے بھی اس کے لیے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ ربا کا معنٰی ہے اضافہ یا زیادتی۔ فارسی میں اس کو سود کہتے ہیں جس کا مطلب ہے فائدہ یا اضافہ۔ انگلش میں اس کا نام (USURY) ہے۔ ایسا معاملہ جس میں سرمایہ کار کو مہلت کی بنا پر اپنی رقم پر منافع ملے۔ یہ کاروبار انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی سطح پر ربا ہوگا۔

سود کا دھندا پہلی اقوام میں بھی پایا جاتا تھا جیسا کہ یہود کے بارے میں قرآنِ مجید نے بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ وہ سود کھانے اور کھلانے والی قوم تھی حالانکہ تورات میں انہیں سختی کے ساتھ اس دینی اور معاشی جرم سے منع کیا گیا تھا۔ (النساء:۱۶۱)

عیسائیوں کے متعلق انجیل میں موجود ہے کہ ان کا ایک گروہ ہیکل سلیمانی میں بیٹھ کر سود کا دھندا کیا کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ ان کے کاروبار کو یہ کہہ کر الٹ دیا کہ تم کیسے بُرے لوگ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم اور مقدس گھر میں بھی اس جرم سے باز نہیں آتے۔ ہندوؤں کی پرانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو سودی کاروبار کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ داراشکوہ نے ایک پنڈت سے گفتگو کرتے ہوئے اس سے سود کے بارہ میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ ہمارے مذہب میں بھی اسی طرح سود حرام ہے جس طرح دوسرے مذاہب میں اس کی حرمت کا ذکر ہوا ہے۔

افلاطون نے اپنی کتاب ''جمہوریہ'' میں سودی کاروبار کو مکھیوں کے چھتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح شہد کی مکھیوں میں کچھ ایسی مکھیاں ہوتی ہیں جو شہد بنانے کی بجائے دوسری مکھیوں کے بنائے ہوئے شہد کو کھا جاتی ہیں۔ جب یہ چوری مکھیوں کی ملکہ کے نوٹس میں آتی ہے تو وہ اس مکھی کو موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہے یہی صورتِ حال معاشرے کے ساتھ سود خوروں کی ہے لہٰذا افلاطون کہتا ہے کہ سود خوروں کو فوری طور پر قتل کر دینا چاہیے۔ [معارف القرآن]

عربوں کے ہاں دونوں طرح کا سود رواج پا چکا تھا ذاتی غرض اور مجبوری کے وقت یا کاروبار کو ترقی دینے کے لیے سود پر رقم حاصل کرنا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حرمت سود نازل ہونے سے پہلے اس کام میں پیش پیش تھے۔

(رواہ مسلم: کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ)

سود کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ جسے اپنے رب کی نصیحت پہنچے اور سود خوری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا اور اس کا سابقہ معاملہ اللہ کے حوالے ہوگا۔ یہاں واضح طور پر معافی کا اعلان نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ جو گزر گیا سو گزر گیا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ یہ معاف کر دینے ہی کا ایک انداز ہے لیکن سود کے جرم کے پیشِ نظر واضح طور پر معافی کا اعلان نہیں کیا تا کہ سود خوروں کو اس جرم کی سنگینی کا احساس ہو اور وہ آئندہ اس جرم سے بچتے رہیں۔ جو اس کے باوجود سودی دھندہ کریں گے۔ وہ یقیناً جہنم میں پھینکے جائیں گے اور انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

«عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ»

(رواہ مسلم: کتاب المساقاة، باب لعن آکل الربوا وموکله)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے سود کھانے، کھلانے اور گواہی دینے والوں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔''

«عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي فَأَخْرَجَانِي إِلَى أَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى نَهْرٍ مِّنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ وَعَلٰى وَسْطِ النَّهْرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِيْ فِي النَّهْرِ فَإِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَّخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِيْ فِيْهِ فَرَدَّهٗ حَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَآءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِيْ فِيْهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقَالَ الَّذِيْ

رَأَيْتَهُ فِي النَّهْرِ آكِلَ الرِّبَا» (رواه البخاری: کتاب البیوع، باب آکل الربا وشاهده وکاتبه)

''حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا رات میں نے دیکھا میرے پاس دو آدمی آئے اور وہ مجھے ایک مقدس زمین کی طرف لے گئے ہم چلتے رہے حتیٰ کہ ہم ایک خونی نہر پر پہنچ گئے۔ ایک آدمی اس کے اندر تھا اور دوسرا آدمی باہر کھڑا تھا جس کے سامنے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ نہر میں کھڑا شخص جب باہر نکلنے کا ارادہ کرتا تو دوسرا آدمی اس کے منہ پر پتھر مار کر واپس کر دیتا۔ جب بھی وہ نکلنا چاہتا اسے باہر والا آدمی پتھر مار کر واپس لوٹا دیتا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ فرشتے نے جواب دیا خون کی نہر میں کھڑا شخص سود خور ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَلرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ»

(رواه ابن ماجة: كتاب التجارات، باب التغليظ فی الربا [صحيح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کے گناہ کے ستر درجات ہیں۔ سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے نکاح جیسا عمل کرے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَأَيْتُ لَيْلَةً أُسْرِيَ بِي لَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَنَظَرْتُ فَوْقِي فَإِذَا أَنَا بِرَعْدٍ وَبَرْقٍ وَصَوَاعِقَ قَالَ فَأَتَيْتُ عَلَى قَوْمٍ بُطُونُهُمْ كَالْبُيُوتِ فِيهَا الْحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِمْ، قُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا»

(رواه أحمد: مسند ابی ہریرہ [ضعيف])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں جب ہم ساتویں آسمان پر پہنچے تو میں نے کڑک سنی اور بجلی دیکھی اس کے بعد ہم ایسی قوم پر گزرے جن کے پیٹ بڑے بڑے مکانات کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے جبریل امین علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔''

صدقات کی ترغیب، احکامات اور آداب بیان کرنے کے بعد سود کی حرمت و مذمت کے احکام جاری فرمائے گے کیونکہ سود انفرادی اور اجتماعی معیشت کی تباہی کا بڑا سبب اور جذبہ ایثار و ہمدردی اور باہمی تعاون کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ سود کی حرمت اس نظریۂ باطل کی مذمت سے شروع کی گئی جس کا سود خور صدیوں سے پروپیگنڈہ کرتے آ رہے ہیں۔ سود خور حرص و ہوس کی وجہ سے دماغی طور پر اس قدر غیر متوازن ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے اس حکم کی ایسی تاویل کرتا ہے جو کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے حکم کے برخلاف اور اس کا استہزاء کرنے کے مترادف ہے۔ سود خور کی پہلی سزا یہ ہوگی کہ قبر سے اٹھتے ہی یہ ایسی حرکات کرے گا کہ لوگ دیکھتے ہی پہچان جائیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ باغی اور قومی مجرم ہے جو دنیا میں سود کھایا کرتا تھا۔ اس کی حواس باختگی کو

شیطان کے خبط کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اندازہ کیجیے جس شخص کے اوپر شیطان مسلط ہو جائے کیا اس سے کسی بھلے کام کی توقع کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس پر یہ سزا اس لیے مسلط ہوگی کہ یہ دنیا میں کہا کرتا تھا کہ تجارت اور سود میں کوئی فرق نہیں حالانکہ تجارت اور سود میں مماثلت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

تجارت اور سود میں فرق

۱ تجارت میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔	سود میں بظاہر نقصان کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔
۲ تجارت میں منافع کا تعین نہیں ہوتا۔	سود میں منافع کی حد مقرر ہوتی ہے۔
۳ تجارت میں نفع ونقصان کا کوئی وقت مقرر نہیں۔	سود میں پہلے دن ہی نفع کی وصولی کے لیے وقت مقرر کرلیا جاتا ہے۔
۴ تجارت میں ایک سودے پر ایک ہی دفعہ منافع ملتا ہے۔	سود میں بار بار منافع وصول کیا جاتا ہے۔
۵ تجارت میں دونوں طرف سے کچھ نہ کچھ محنت ہوتی ہے۔	سود میں صرف سود ادا کرنے والا ہی محنت کرتا ہے۔
۶ تجارت دونوں طرف سے لوگوں کے روزگار کا ذریعہ بنتی ہے۔	سود میں ایک طرف سے ہی آدمی شریک ہوتا ہے۔
۷ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔	سود اللہ اور رسول کے خلاف جنگ کرنے کے مترادف ہے۔
۸ تجارت کرنے کا حکم ہے اور اس میں برکت ہے۔	سود حرام اور اس میں برکت نہیں ہوتی۔
۹ تاجر صدقہ کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔	سود خور لوگوں کا خون نچوڑنے سے خوش ہوتا ہے۔
۱۰ تجارت ملک وقوم کی ترقی کا باعث بنتی ہے۔	سود تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔
۱۱ صدقہ کرنے والے پر اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔	سود خور مجرم ہے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔
۱۲ نیک تاجر صدیقین اور شہداء کا ساتھی اور جنتی ہے۔	سود خور شیطان کا ساتھی اور جہنمی ہے۔

مسائل

۱۔ سود خور قیامت کے دن پاگلوں کی طرح کھڑے ہوں گے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے سود حرام اور تجارت جائز قرار دی ہے۔
۳۔ نصیحت قبول کرنے والے سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے۔ ۴۔ نصیحت سننے کے باوجود گناہ کرنے والا دوزخ میں جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

سود کی تباہ کاریاں:

۱۔ سود حرام ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵، آلِ عمران: ۱۳۰) ۲۔ اللہ سود کو مٹانا چاہتا ہے۔ (الروم: ۳۹)
۳۔ سود خوروں کی اللہ ورسول سے جنگ ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۹)
۴۔ سود کی حرمت کے بعد سود کھانے کی سخت سزا ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

مٹاتا ہے اللہ سود اور بڑھاتا ہے خیرات (جمع) اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر ناشکرا گنہگار

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔'' (۲۷۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اس آیت میں بھی سود خور سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔

سود کے بارے میں اسلام نے صرف انفرادی اور اخلاقی سطح پر مذمت نہیں کی بلکہ اسے قانونی شکل دے کر انفرادی اور اجتماعی نظام میں سرکاری سطح پر حرام قرار دیا۔ اس فرمان میں پھر کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو ہر صورت مٹانا اور صدقات کو بڑھانا چاہتا ہے۔ جو لوگ سود کے حق میں پروپیگنڈہ اور اقدام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ فکری، علمی اور عملی طور پر نافرمان اور مجرم ٹھہریں گے۔ رسولِ معظم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر یہ اعلان فرمایا کہ آج کے بعد سود کے واجبات کا لین دین حرام قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے چچا عباس کے واجبات کو چھوڑتا ہوں۔ آپ کے اور فرمان کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے جو غیر مسلموں اور ایک دوسرے سے سودی واجبات لینے تھے انہیں یکسر چھوڑ دیا۔ اسی بنیاد پر آئمہ کرام اور فقہاء نے اسلامی حکومت میں کسی غیر مسلم کو بھی سودی کاروبار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ نبی کریم ﷺ نے جب نجران کے عیسائیوں سے معاہدات کیے تو ان میں ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر تم نے اسلامی مملکت میں سودی کاروبار کا دھندا کیا تو ہماری طرف سے یہ معاہدہ فی الفور ختم ہو جائے گا۔ ((وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِمْ اَنْ لَّا يَأْكُلُوا الرِّبَا وَلَا يَتَعَامَلُوْا بِهٖ..... وَمَنْ أَكَلَ مِنْهُمْ رِبًا فَذِمَّتِيْ مِنْهُ بَرِيْئَةٌ)) (فتوح البلدان: کتاب الخراج امام ابو یوسف)

سود کا متبادل

عالمِ اسلام بالخصوص پاکستان میں جب کبھی سود کے خلاف آواز اٹھتی ہے تو سود خور اور اس نظام سے منسلک افراد اعتراض اٹھاتے ہیں کہ علماء کرام کو چاہیے کہ وہ سودی نظام کے خاتمے کا مطالبہ کرنے سے پہلے اس کا متبادل نظام پیش کریں۔ حالانکہ متبادل نظام پیش کرنا معاشیات کے ماہر سرکاری کارندوں کی ذمہ داری ہے جن میں اکثریت کو بھاری تنخواہوں پر بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ علماء کا کام تو دینی رہنمائی کرنا ہے اگر حکومت اس استحصالی نظام سے مخلصانہ طور پر نجات حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے اسلام نے دو واضح صورتیں پیش کی ہیں جنہیں صدیوں مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنایا اور اس کے نتیجے میں مسلمان بین الاقوامی منڈیوں پر غالب آئے اور معاشیات میں قوموں کے رہنما بنے۔ مسلمان تاجروں نے تجارت میں اپنی دیانت اور امانت کے ذریعے عام لوگوں پر وہ اثرات مرتب کیے۔ جن کی وجہ سے بڑی بڑی قومیں حلقۂ اسلام میں داخل ہوئیں۔ قدیم تاریخ کے مطابق شام اور جدید دنیا میں انڈونیشیا کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یاد رہے کہ انڈونیشیا کو مسلمانوں نے تلوار کی بجائے کاروباری اخلاق اور دینی اطوار کے ذریعے فتح کیا تھا۔ اسلام میں تجارت

کی دو بڑی قسمیں مضاربت اور مشارکت ہیں۔ مضاربت کا معنیٰ یہ ہے کہ مال ایک کا ہو اور محنت دوسرے کی اور دونوں نفع ونقصان میں شامل ہوں۔ نقصان ہونے کی صورت میں صاحبِ ثروت کا مال ضائع ہوگا اور محنت کرنے والے کی محنت رائیگاں جائے گی۔ مشارکت آج کے مالی ادارے اور کمپنیوں کے مترادف ہے۔ ماضی کی طرح یہ نظام آج بھی بابرکت اور ترقی کا ضامن بن سکتا ہے بشرطیکہ درج ذیل اصولوں کی پاسداری کی جائے اور یہی سودی نظام کا متبادل ہے۔

① حکومت کی طرف سے مشارکہ کمپنیوں اور کاروباری افراد کو اندرون اور بیرون ملک نفع بخش پراجیکٹ فراہم کیے جائیں جس طرح ترقی یافتہ ملک کرتے ہیں۔ ② شراکت داروں کے نمائندوں کا خفیہ انتخاب کے ذریعے بورڈ بنایا جائے جو شراکت داروں کو نفع ونقصان سے آگاہ رکھیں۔ ③ بددیانت افراد کو سخت ترین سزائیں دینے کے ساتھ ان سے پائی پائی وصول کی جائے۔ ④ کھاتہ داروں کو قانونی تحفظ اور بھرپور اعتماد فراہم کیا جائے۔

صدقہ:

اللہ تعالیٰ سود کے خاتمہ کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کا فرمان اور منشا یہ ہے کہ سود لینے دینے کی بجائے صدقہ وخیرات عام کیا جائے اس کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ» (رواه البخاری: كتاب الزكاة، باب الزكاة على الزوج)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مسجد میں دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ'' کی راہ میں صدقہ کیا کرو اگرچہ تمہیں اپنے زیورات میں سے دینا پڑے۔''

«عَنْ اَسْمَاءَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْفِقِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصِيَ اللهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِي فَيُوْعِيَ اللهُ عَلَيْكِ» (رواه مسلم: باب الحث على الإنفاق وكراهية الإحصاء)

''حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خرچ کر اور اسے شمار نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے گن کر دے گا اور نہ ہی حساب کرو، ورنہ وہ بھی تجھ سے حساب کرے گا۔''

یعنی فراخ دلی اور کشادہ دستی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹانا اور صدقات کو بڑھانا چاہتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ناشکرے اور گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

سود کی حرمت:

۱۔ سود حرام ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵، آلِ عمران: ۱۳۰) ۲۔ سود خوروں کی اللہ اور رسول سے جنگ ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۹)
۳۔ اللہ سود کو مٹانا چاہتا ہے۔ (الروم: ۳۹) ۴۔ سود کی حرمت کے بعد سود کھانے کی سخت سزا ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

بیشک جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے عمل کیے نیک اورانہوں نے قائم کی نماز اوراداکی زکوٰۃ

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کے لیے ان کااجر پاس ان کارب اورنہ کوئی خوف ان پر اورنہ وہ غمگین ہوں گے

''بے شک جولوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے ہیں، نماز قائم اورزکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کا اجران کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غم زدہ ہوں گے۔''(۲۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید اپنے اسلوب کے مطابق احکامات جاری کرتے ہوئے نصیحت بھی کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے ذہن ازخود آمادہ ہوجائے۔

قرآنِ مجید کا یہ اسلوب ہے کہ جب قانون اور ضابطے بیان کرتا ہے تو اس دوران لوگوں کے اخلاق میں نکھار پیدا کرنے اور ایمان کو جلا بخشنے کے لیے نماز، آخرت، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور جزا، سزا میں سے کسی ایک کی طرف توجہ دلاتا ہے تاکہ دین کے احکام لوگوں کے ذہن میں محض ضابطے اور قانون کے طور پر نہیں بلکہ عبادت، قیامت میں پیشی کا تصور، خوفِ خدا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے طور پر سامنے رہیں۔ سماجی تعلقات ہوں یا کاروباری معاملات، امتناعی احکامات ہوں یا ترغیبی ارشادات ان کے دوران اسی فلسفہ کے تحت یہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی سود کی حرمت اور قباحت واضح کرنے کے دوران فکرِ آخرت، نماز اور زکوٰۃ کا حکم دے کر یہ تصور دیا گیا ہے کہ جس طرح تم ''اللہ'' کا حکم سمجھ کر نماز میں اس کے سامنے سرفگندہ ہوتے ہو اور نماز کا اجر اللہ کے پاس تمہارے لیے موجود ہے اور تمہیں مستقبل میں کوئی خوف وخطر نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہی سود اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر چھوڑ دو اور اس اللہ کے سامنے جھک جاؤ اس کا تمہیں اجر ملے گا۔ لہٰذا سود لینے اور لوگوں کا مال کھانے کی بجائے صدقہ اور زکوٰۃ دینے والے بن جاؤ۔

مسائل

۱۔ ایماندار، نیکوکار، نمازی، اور زکوٰۃ دینے والے کو نہ خوف ہوگا نہ غم۔

تفسیر بالقرآن

خوف سے بے نیاز حضرات:

۱۔ اولیاء اللہ خوف اور غم سے پاک ہوں گے۔(یونس:۶۲) ۲۔ جنتی لوگوں کو خوف وغم نہ ہوگا۔(الاعراف:۴۹)

۳۔ استقامت دکھلانے والے خوفزدہ وغمگین نہ ہوں گے۔(الاحقاف:۱۳)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوا	اتَّقُوا	اللّٰهَ	وَذَرُوْا	مَا	بَقِيَ
اے	جولوگ	ایمان لائے	تم ڈرو	اللہ	اور چھوڑ دو	جو	باقی رہ گیا

مِنَ	الرِّبٰٓوا	اِنْ	كُنْتُمْ	مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾	فَاِنْ	لَّمْ تَفْعَلُوْا
سے	سود	اگر	ہوتم	ایمان والے	پھر اگر	تم نہ چھوڑو گے

فَاْذَنُوْا	بِحَرْبٍ	مِّنَ	اللّٰهِ	وَرَسُوْلِهٖ ۚ	وَاِنْ	تُبْتُمْ	فَلَكُمْ
تو خبردار ہوجاؤ جنگ کے لیے	سے	اللہ	اور اس کا رسول	اور اگر	تم توبہ کرلو	تو تمہارے لیے

رُءُوْسُ	اَمْوَالِكُمْ ۚ	لَا تَظْلِمُوْنَ	وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾
اصل	تمہارے مال	نہ تم ظلم کرو	اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔(۲۷۸) اور اگر تم نے سود نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''(۲۷۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ سود خوروں کو آخری انتباہ۔

نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینے کے بعد ایک دفعہ پھر دلرُبا اور عزت افزا لقب کے ساتھ مخاطب کیا جارہا ہے۔ اے مومن بندو! سود کا معمولی اور عارضی فائدہ حاصل کرنے کی بجائے دائمی سکون، اطمینان اور میرے ہاں اجر پانے کے لیے مجھ سے ڈرو اور جو کچھ سود کے بقایا جات ہیں انہیں ترک کردو اگر تم حقیقتاً میرا حکم ماننے اور مجھ پر ایمان لانے والے ہو۔ حقیقی ایمان کا تقاضا ہے کہ تم سود سے کنارہ کش ہوجاؤ اگر تم نے اس نصیحت کے باوجود سود نہ چھوڑا تو یاد رکھو یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کھلی جنگ ہوگی۔ ہاں اگر تم تائب ہوجاؤ تو پھر اصل مال لینے کا تمہیں پورا پورا حق ہے۔ نہ ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سود خور پر ظلم کرے گا۔ بلکہ اس کا معنیٰ ہے کہ سود معاشی ظلم ہے جس کا ردعمل ظلم ہوا کرتا ہے۔

سود قانونی اور معاشی جرم ہی نہیں بلکہ اس سے انسان اخلاق باختہ ہوجاتا ہے۔ سود خور فقط منافع کی نظر سے دیکھتا، بولتا اور معاملات کرتا ہے۔ اس میں دن بدن انسانی ہمدردی ختم ہوجاتی ہے۔ ہر دور اور معاشرے میں سینکڑوں واقعات ایسے ملتے ہیں کہ سود خور نے مصیبت زدہ حقیقی بھائی کو قرضِ حسنہ دینے کے بجائے سود پر رقم دی اور وہ بیچارہ کنگال سے کنگال ہوتا چلا گیا۔ حکومت کے نظام میں تو ہزاروں واقعات تاریخ کا حصہ ہیں کہ سودی قرضہ کی وجہ سے غریبوں کی جائیدادیں ضبط ہوئیں، مکانات گروی ہوئے یہاں تک کہ انہیں کئی کئی سال جیل میں رہنا پڑا حالانکہ انہوں نے ذاتی مجبوری اور حقیقی ضرورت کے لیے بینک یا حکومت کے کسی مالیاتی ادارے سے قرض لیا تھا۔ کیا پسماندہ لوگوں کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنا، انہیں مالی سہارا

دینا، ان کو وسائل فراہم کرنا، بیماروں کا علاج کروانا اور تعلیم کا انتظام کرنا حکومت کے فرائض میں شامل نہیں؟ لیکن غریبوں، معذوروں، مجبوروں اور بیماروں کے ساتھ مالی ہمدردی کی بجائے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیے جاتے ہیں۔ اس عمل کو اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسول کے خلاف جنگ قرار دیا ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا مذہب اور حکومت ہے جو غریبوں اور مجبوروں کی اس قدر خیر خواہ ہو کہ ان پر ہونے والی زیادتی کو براہِ راست اپنے آپ پر ظلم تصور کرے؟ یہ خیر خواہی تو صرف دینِ اسلام میں ہی پائی جاتی ہے کاش غریب لوگ اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ کر اپنی دنیا اور آخرت سنوار لیں۔ اس فرمان کے آخر میں حکم دیا ہے کہ اے صاحبِ ثروت حضرات! کسی پر ظلم نہ کرو تا کہ تم پر بھی ظلم نہ کیا جائے۔ جس معاشرے اور قوم میں سود خوروں کی بہتات ہو جائے تو پھر غریب عوام کے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ مظلوم کے ہاتھ ظالم کے گریبان تک پہنچیں، پھر یہ لوگ استحصالی طبقہ کے محلات اور فیکٹریوں پر حملہ آور اور ہڑتالیں کرتے ہیں۔ ماضی قریب میں روس، یوگوسلاویہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ جب غریب لوگ سرمایہ داروں کے خلاف سینہ سپر اور منظم ہوئے تو پھر انہوں نے نہ صرف امیروں کی جائیدادوں پر قبضہ کیا بلکہ کیمونزم کے نام پر ایک نیا نظام دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ نظام غیر فطری اور پہلے نظام سے زیادہ ظالمانہ تھا۔ اس لیے نہ صرف یہ نظام ناکام ہوا بلکہ روس جیسی عظیم مملکت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اس طرح ان قوموں نے ایک دوسرے پر ظلم کیا۔ لہٰذا سودی نظام قوم اور معاشرے کے لیے مہلک ہے۔ انہی اخلاقی اور معاشی برائیوں کی وجہ سے سودی نظام کو اپنے آپ پر ظلم کرنے اور اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ قرار دیا گیا ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَاهُنَّ قَالَ اَلشِّرْكُ بِاللهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ»

(رواہ البخاری: کتاب الوصایا، باب قول اللہ تعالیٰ إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچ جاؤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ گناہ کون کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاکدامن، مومن، بے خبر عورتوں پر تہمت لگانا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر سود اور اس کی باقیات کو چھوڑ دیا جائے۔

۲۔ سود نہ چھوڑنے والے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

۳۔ سود سے توبہ کے بعد اصل مال وصول کیا جائے۔ ۴۔ سود خور نہ ظلم کریں اور نہ ان پر ظلم ہو۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا

اور اگر ہو تنگدست تو مہلت تک کشادگی اور یہ کہ تم بخش دو

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ

بہت بہتر تمہارے لیے اگر ہو تم جانتے اور تم ڈرو دن تم لوٹائے جاؤ گے

فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۫ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا

اس میں طرف اللہ پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص جو

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

اس نے کمایا اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے

''اور اگر کوئی مقروض تنگ دست ہو تو اسے کشادگی تک مہلت دینی چاہیے اور قرض معاف کر دینا تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جان جاؤ۔(۲۸۰) اور اس دن سے ڈرو جس دن سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''(۲۸۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ضرورت مند پر صدقہ کیا جائے یا قرضِ حسنہ کے ساتھ اس سے تعاون کیا جائے اس لیے سود کی حرمت ومذمت کرنے کے بعد تجارت کے مسائل بیان ہو رہے ہیں۔

قرضِ حسنہ کے بارے میں حکم ہے کہ اگر مقروض کوشش کے باوجود قرض کی ادائیگی کا اہتمام نہ کر سکے تو اسے مہلت دینا ہوگی۔ اگر قرض معاف ہی کر دیا جائے تو یہ صاحبِ مال کے لیے بہت ہی بہتر ہوگا۔ یہاں فکرِ آخرت کے حوالے سے سمجھایا جا رہا ہے کہ اے مالدارو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو یہ سب کچھ یہیں کا یہیں رہ جائے گا اور بالآخر تم نے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے اگر تم قرض معاف کر دو یا تنگ دست کو مہلت دو تو دونوں صورتوں میں تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ یہاں ''كُلُّ نَفْسٍ'' کا لفظ استعمال فرما کر قرض دہندہ کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر جان بوجھ کر قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی تو یہ اللہ کے ہاں ظلم تصور ہوگا۔

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا کسی آدمی پر قرض تھا جب اس کے پاس قرض لینے جاتے تو وہ آگے پیچھے ہو جاتا۔ ایک دن وہ اس کے گھر گئے تو ایک بچہ نکلا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بچے سے اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا وہ گھر میں کھانا کھا رہا ہے انہوں نے آواز دی کہ اے فلاں! باہر آؤ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم گھر میں ہو۔ وہ آدمی آیا تو انہوں نے پوچھا کہ تو مجھ سے کیوں غائب ہو جاتا ہے؟ اس نے کہا میں تنگدست ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اللہ کی قسم! کیا تو واقعی تنگدست ہے؟ اس نے کہا ہاں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے کہا میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص نے اپنے قرض دار پر نرمی کی یا اس کا قرض معاف کر دیا تو وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ تلے ہوگا۔'' (رواہ احمد: کتاب باقی مسند الأنصار، باب حدیث أبی قتادہ [صحیح])

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كَانَ تَاجِرٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَإِذَا رَأَى مُعْسِرًا قَالَ لِفِتْيَانِهِ تَجَاوَزُوا عَنْهُ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا فَتَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُ» (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب من أنظر معسرا)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایک تاجر لوگوں سے لین دین کرتا تھا۔ جب وہ کسی تنگدست کو دیکھتا تو اپنے خادموں سے کہتا کہ اسے معاف کر دو شاید اللہ ہمیں معاف فرما دے تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔''

«عَنْ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادَى يَا كَعْبُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هَذَا وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهِ» (رواہ البخاری: کتاب الصلوۃ، باب التقاضی والملازمۃ فی المسجد)

''حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے کچھ ادھار لینا تھا۔ میں نے مسجد میں اس کا مطالبہ کیا۔ ہماری آوازیں سن کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کا پردہ ہٹا کر گھر سے نکلتے ہوئے فرمانے لگے اے کعب! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! فرمایا: اسے آدھا قرض معاف کر دو میں نے آدھا معاف کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حدرد کو حکم دیا جاؤ باقی قرض واپس کرو۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ»

(رواہ البخاری: کتاب الحوالات، باب الحوالۃ وھل یرجع فی الحوالۃ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صاحبِ استطاعت کا قرض واپس کرنے سے ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ جب مہلت کا مطالبہ کیا جائے تو قرض دار کو اسے مہلت دینی چاہیے۔''

مسائل

۱۔ مقروض کو مہلت دینا یا اسے معاف کر دینا بہتر ہے۔ ۲۔ ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ ۴۔ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اے جولوگ ایمان لائے جب تم لین دین کرو آپس میں قرض کے ساتھ تک ایک مدت مقررہ

فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ

تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان کاتب عدل سے اور نہ انکار کرے کاتب یہ کہ

يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ

وہ لکھے جیسے اس کو سکھایا اللہ تو چاہیے کہ وہ لکھ دے اور چاہیے کہ لکھوائے وہ جو اس پر حق اور چاہیے کہ وہ ڈرے

اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا

اللہ اسکا رب اور نہ وہ کم کرے اس سے کچھ پھر اگر ہو وہ جو اس پر حق بے عقل

اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

یا کمزور یا نہیں قدرت رکھتا یہ کہ لکھوائے وہ تو چاہیے کہ لکھوائے اس کا سرپرست عدل کے ساتھ

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ

اور گواہ کرلو تم دو گواہ سے تمہارے مرد پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد

وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ

اور دو عورتیں ان میں سے جو تم پسند کرو سے گواہ (جمع) یہ کہ بھول جائے ان میں سے ایک تو یاد دلا دے

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے مقرر میعاد پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو انصاف سے لکھنا چاہیے اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے، پس اسے لکھ دینا چاہیے اور جس کے ذمے حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اصل میں سے کچھ کم نہ کرے، ہاں جس کے ذمے حق ہے اگر وہ نادان یا کمزور یا لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور تم اپنے میں سے دو مرد گواہ کرلو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو تا کہ ایک کی بھول جائے تو اُسے دوسری یاد کرا دے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: سود کی لعنت تین طریقوں سے ختم ہوسکتی ہے صدقہ، قرض دینا اور تجارت بڑھانا لہٰذا قرض اور تجارت کے معاملات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی ہدایات جاری کی جارہی ہیں۔

اسلام کی منشا یہ ہے کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد مال ہو یا وہ کسی سبب سے خود تجارت نہیں کرسکتا تو اس کے لیے دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مالی لحاظ سے کمزور بھائی پر صدقہ کرے یا اس کو قرضِ حسنہ دے۔ یہاں قرض کا لین دین کرنے والوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ قرض کی میعاد اور اس کے متعلقہ معاملات ضبطِ تحریر میں لائیں تاکہ قرض دینے والے کو قانونی تحفظ حاصل ہونے

اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا

ان میں سے ایک دوسری اور نہ انکار کریں گواہ (جمع) جب بھی وہ بلائے جائیں اور نہ تم سستی کرو

اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

یہ کہ تم لکھو اسکو چھوٹا یا بڑا تک اسکی میعاد یہ بہت انصاف نزدیک اللہ

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

اور زیادہ درست گواہی کے لیے اور زیادہ قریب یہ کہ نہ تم شک میں پڑو سوائے یہ کہ ہو تجارت نقد

تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا

جسے تم لیتے دیتے ہو آپس میں تو نہیں تم پر کوئی گناہ یہ کہ نہ تم لکھو اس کو اور تم گواہ کرلو جب

تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ

تم آپس میں سودا کرو اور نہ نقصان پہنچایا جائے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر تم ایسا کرو گے تو بیشک یہ

فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

گناہ تم پر اور تم ڈرو اللہ اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ اور اللہ ہر چیز خوب جاننے والا

اور گواہ جب بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کریں اور قرض جس کی مدت مقرر ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ لکھنے میں سستی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کرتے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ خرید وفروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کرلیا کرو۔ اور نہ تو کاتب کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کرو گے تو یہ تمہاری نافرمانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' (۲۸۲)

کے ساتھ یہ اطمینان ہو کہ اس کی رقم کسی حقیقی سبب کے بغیر ضائع نہیں ہوگی۔ اس سے قرض دار کو بروقت ادائیگی کا احساس دلانے کے ساتھ اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ قرض دینے والے محسن کا احسان ذہن میں رکھتے ہوئے مقررہ میعاد تک پائی پائی واپس کرنے کی کوشش کرے۔ ان دستاویزات کو مکمل قانونی شکل اور تحفظ دینے کے لیے دو ایسے گواہ ہونے چاہییں جن پر فریقین کا پورا پورا اعتماد ہو اور اگر مردوں میں دو مناسب گواہ نہ مل سکیں تو پھر دو عورتیں ایک مرد کی گواہی کے قائم مقام شہادت دیں گی تاکہ اگر ایک عورت اپنا بیان دیتے ہوئے کوئی بات بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد کروا دے۔ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی کو برابر ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ عورتیں مالی معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتیں اور نہ ہی اسلامی معاشرے میں معیشت کی ذمہ داری عورتوں پر ڈالی گئی ہے۔ اس بنا پر ان کا مالی معاملات سے پوری طرح واقف نہ ہونا فطری اور شرعی امر ہے۔ جس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دو عورتوں کی گواہی مرد کی ایک گواہی کے برابر ٹھہرائی گئی ہے۔ بعض لوگ اسلام

دشمن عناصر سے متاثر ہوکر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ عورت کی نصف گواہی کے اصول میں عورت کی تذلیل پائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس طرح عورت کو بہت بڑی ذمہ داری سے سبک دوش اور کئی الجھنوں سے بچایا گیا ہے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے عورت خاتونِ خانہ ہے یہ کس طرح مناسب ہوسکتا ہے کہ ایک پردہ نشین، باحیا اور کاروباری معاملات سے لاتعلق خاتونِ خانہ کو تھانوں، کچہریوں اور مردوں کے کاروباری معاملات میں پھنسایا جائے؟ یہ اصول عورت کو تکریم اور تحفظ فراہم کرتا ہے کہ ایک خاتونِ خانہ کیوں عدالت میں فریقین کے سامنے وکلاء کے اوٹ پٹانگ سوالات کا نشانہ بنے؟ عدالت کے ماحول میں تو بڑوں بڑوں کے حواس گم ہوجاتے ہیں جب آپ یکا یک بھری محفل یا عدالت میں خاتونِ خانہ کو لا کھڑا کریں گے تو اس کے ذہن پر ماحول کا دباؤ اور منفی اثرات کا مرتب ہونا ایک طبعی اور فطری اَمر ہے۔ قرآنِ مجید نے عورت کے ساتھ خیر خواہی کرتے ہوئے ایک کی بجائے دو عورتوں کو رکھا۔ اکیلی عورت عدالت میں جانے کی بجائے اپنی ہم جنس کے ساتھ پہنچے تاکہ آنے جانے، عدالت میں بیٹھنے اُٹھنے، جرح کے وقت اور عدالتی وقفے کے دورانیہ میں وہ اپنی ساتھی عورت سے مشورہ اور وقت گزارنے کے لیے بات چیت کرسکے۔ پھر یہ بات بھی میڈیکل سائنس نے ثابت کی ہے کہ عورتوں کی غالب اکثریت مردوں کے مقابلے میں دماغی لحاظ سے کمزور واقع ہوئی ہے۔ اس لیے اگر وہ گواہی دیتے بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد کروائے تاکہ اس طرح ایک دوسرے کی معاون بنتے ہوئے گواہی ٹھیک طرح سے دے سکیں۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدِ نِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ أَضْحٰى أَوْفِطْرٍ إِلَى الْمُصَلّٰى فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّيْ أُرِيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَارَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ قُلْنَ وَمَانُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا» (رواه البخاری: کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلے عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو۔ مجھے جہنم میں تمہاری اکثریت دکھلائی گئی ہے۔ عورتوں نے کہا اللہ کے رسول! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: تم اکثر لعنت کرتی اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے عقل اور دین کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر کسی کو کم عقل نہیں دیکھا جو ایک عقلمند آدمی کو حواس باختہ کر دے۔ عورتوں نے پوچھا اللہ کے رسول! ہماری عقل اور دین میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ایک عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی نہیں؟ عورتوں نے کہا ایسے ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہاری کم عقلی ہے۔ دوبارہ پوچھا کہ کیا ایسے نہیں کہ عورت حائضہ ہوجائے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے۔ عورتوں نے کہا ہاں ایسے ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے دین میں کمی ہے۔''

یاد رہے کہ حائضہ عورت کو ان ایام میں نماز معاف ہے لیکن روزے بعد میں پورے کرے گی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلام میں ہر معاملہ میں عورت کی آدھی گواہی مقرر نہیں کی گئی بلکہ کئی ایسے معاملات ہیں جن میں عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں زیادہ ثقہ اور مکمل سمجھی گئی ہے۔ مثال کے طور پر رضاعت اور حمل کے معاملات۔ عورت کی آدھی گواہی کے بارے میں سورۂ نور میں بحث ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

نظامِ عدالت، معاملات اور مقدمات کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ گواہوں کو گواہی دینے سے بلا عذرِ شرعی انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کاروباری معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لکھنے کا اہتمام کرنا، حصولِ انصاف اور معاملات کو صحیح خطوط پر استوار رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔ کاروباری معاملہ دست بدست اور نقد ہونے کی صورت میں اگر تحریر نہ ہو سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں تاہم بہتری اسی میں ہے کہ اسے بھی کیش میمو، رسید، یا کسی شکل میں ریکارڈ میں لایا جائے۔ جس سے نہ صرف کاروباری الجھنوں سے بچا جا سکتا ہے بلکہ مسلمانوں کو اپنی تجارت کا سالانہ اندازہ کرنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں آسانی پیدا ہوگی۔ یہاں یہ بھی فرمایا کہ معاہدہ ضبطِ تحریر میں لاتے ہوئے کاتب کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اسے اس صلاحیت سے نوازا ہے۔ اس لیے اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ عدل وانصاف کے اصول پیشِ نگاہ رکھے۔ معاہدہ لکھوانا مقروض کی ذمہ داری ہے۔ اگر مقروض کم عقل، کمزور یا املاء نہ کروا سکتا ہو تو اس کا ولی یا وکیل معاہدہ تحریر کروائے تاکہ کسی کمی بیشی کا امکان اور الزام کا موقع پیدا نہ ہو سکے۔ اس طرح فریقین کو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے ہر قسم کی خیانت سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ کاتب اور گواہوں کو کسی صورت تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے اسی بنا پر دانشورانِ اسلام نے لکھا ہے کہ کاتب کے آنے جانے اور کھانے پینے کے اخراجات بھی ادا کرنے ہوں گے۔ جو کوئی ان قواعد کی خلاف ورزی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا لہٰذا ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر قرآنِ مجید کے ضابطوں کے مطابق اپنے معاملات طے کرنے چاہئیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اصول سمجھانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ مسلمان اپنے معاملات کو صحیح سمت پر چلائیں اور یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایک ایک لمحہ اور ہر چیز کا علم ہے۔

مسائل

۱۔ ادھار کا معاملہ ضبطِ تحریر میں لانا چاہیے۔ ۲۔ کاتب کو انکار کرنے کے بجائے انصاف کے ساتھ تحریر کرنا چاہیے۔
۳۔ معاہدہ لکھوانے کا حق قرض دار کو ہے۔ ۴۔ گواہوں کو گواہی سے انکار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔
۵۔ نادان، کمزور، اور معذور کی طرف سے اس کا وکیل عدل کے ساتھ تحریر کروائے۔ ۶۔ تحریر میں کمی وبیشی نہیں کرنی چاہیے۔
۷۔ فریقین کی طرف سے مردوں میں سے دو گواہ ہونے چاہئیں۔ ۸۔ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوگی۔
۹۔ معاہدہ کے مطابق انصاف کے ساتھ چھوٹے بڑے معاملے کو لکھنا چاہیے۔
۱۰۔ معاملہ کو درست رکھنے کا بہترین طریقہ اسے تحریر کرنا ہے۔ ۱۱۔ نقد لین دین کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔
۱۲۔ کاتب اور گواہ کو تکلیف سے بچانا چاہیے۔ ۱۳۔ معاہدہ میں گڑبڑ کرنا اور کاتب وگواہ کو تکلیف دینا اللہ کی نافرمانی کرنا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ

اور اگر تم ہو پر سفر اور نہ تم پاؤ لکھنے والا تو گروی رکھنا

مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ

قبضہ میں دی ہوئی پھر اگر اعتبار کرے تمہارا بعض بعض کا تو چاہیے کہ ادا کردے وہ جو امین بنایا گیا

اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا

اس کی امانت اور چاہیے کہ وہ ڈرے اللہ اسکا رب اور تم نہ چھپاؤ گواہی اور جو اسے چھپائے گا

فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

تو بیشک وہ گنہگار اس کا دل اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو خوب جاننے والا

ع ۳۹

''اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو بطور گروی کوئی چیز قبضہ میں رکھ لیا کرو۔ ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کردے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گنہگار ہوگا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔'' (۲۸۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ ہدایات۔

اگر سفر کے دوران ادھار لینے کی نوبت پیش آئے تو کاتب کی عدم موجودگی اور باہمی اعتماد نہ ہونے کی صورت میں قرض لینے والے کی کوئی چیز گروی رکھی جاسکتی ہے۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتِ اشْتَرٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا بِنَسِيْئَةٍ وَرَهَنَهٗ دِرْعَهٗ»

(رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب شراء الإمام الحوائج بنفسها)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ مدت کے لیے غلہ حاصل کیا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس بطور رہن رکھی۔'' یاد رکھیں کہ (آپ ﷺ کا کسی سے اپنی ذات کیلئے قرض لینا ثابت نہیں۔ بیت المال کمزور ہونے کی وجہ سے آپ غریب مسلمانوں کے لیے قرض لیتے تھے)۔''

جو چیز کسی کے ہاں گروی رکھی جائے اس کا عارضی مالک اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر یہ فائدہ اٹھائے گا تو وہ بھی سود کے زمرے میں سمجھا جائے گا سوائے اس کے کہ اگر کوئی جانور وغیرہ ہو تو اس کا دودھ پینا یا اس پر سواری کرنا اس کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ اس جانور کے چارے کا انتظام کرتا ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّهْنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ» (رواہ البخاری: باب الرهن مرکوب ومحلوب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے گروی چیز پر خرچ کرنے کی وجہ سے سواری کی جاسکتی ہے جب اسے گروی رکھا جائے اور دودھ والے جانور کا دودھ جانور کو چارہ کھلانے کی وجہ سے پیا جاسکتا ہے۔ جب اس قسم کا جانور گروی رکھا جائے تو سواری کرنے یا دودھ پینے والے پر اسے چارہ کھلانا ہے۔''

سفر سے گھر پہنچنے اور معاملے کی میعاد پوری ہوجانے کے بعد یہ گروی شدہ چیز مالک کو صحیح سالم واپس لوٹانا ہوگی۔ آخر میں پھر حکم دیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو وہی تمہارا پالنہار اور مالک ہے۔

لہٰذا گواہی کو ہرگز نہ چھپایا جائے۔ جو شخص شہادت کو چھپائے گا یقیناً اس کا دل گناہ سے آلودہ ہو چکا ہے۔ گویا کہ وہ گندے دل کا مالک ہے اور ایسے دل والے سے ہر گناہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔ گواہی چھپانے والے کے لیے اس لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے کہ اس کے شہادت چھپانے کی وجہ سے حق دار کی حق تلفی کا خطرہ اور نظامِ عدل کے ناکام ہوجانے کا انتہائی خطرہ ہے کیونکہ عدالت شرعی ہو یا غیر شرعی اس کا دار و مدار بالآخر شہادت پر ہی قائم ہے۔ شہادت چھپانے والے نے گویا کہ نظامِ عدل کی بنیاد اکھاڑ ڈالی ہے لہٰذا ایسے لوگوں کو ادراک ہونا چاہیے کہ جو بھی وہ حرکت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہے۔

«عَنْ أَبِي بَكْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ لَا يَسْكُتُ» (رواه البخاری: باب عقوق الوالدین من الکبائر)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں بدترین کبیرہ گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ ضرور بتائیں فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ لیٹے ہوئے تھے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا سنو جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی دینا، آپ یہ الفاظ بار بار دہراتے چلے گئے یہاں تک کہ میں نے سوچا شاید آپ خاموش نہیں ہوں گے۔''

مسائل

۱۔ حالتِ سفر میں کاتب نہ ملنے کی صورت میں کوئی چیز گروی رکھی جاسکتی ہے۔ ۲۔ مدت مکمل ہونے کے بعد امانت واپس لوٹانا لازم ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کو شہادت نہیں چھپانی چاہیے۔ ۴۔ شہادت چھپانے والے کا دل گنہگار ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

سچی گواہی:

۱۔ سچی گواہی دینے کا حکم ہے۔ (المائدۃ: ۸) ۲۔ سچی گواہی چھپانے کا گناہ۔ (البقرۃ: ۲۸۳)
۳۔ گواہی چھپانے والے ظالم ہیں۔ (البقرۃ: ۱۴۰) ۴۔ جھوٹی گواہی سے بچنے والوں کی تعریف۔ (الفرقان: ۷۲)
۵۔ گواہی پر قائم رہنے والوں کی جنت میں تکریم ہوگی۔ (المعارج: ۳۳)

لِلّٰهِ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِي	الْاَرْضِ ؕ	وَاِنْ
اللہ کیلئے	جو	میں	آسمانوں	اور جو	میں	زمین	اور اگر
تُبْدُوْا	مَا	فِيْٓ	اَنْفُسِكُمْ	اَوْ تُخْفُوْهُ	يُحَاسِبْكُمْ	بِهِ
تم ظاہر کرو	جو	میں	تمہارے دلوں	یا تم اسے چھپاؤ	وہ تم سے حساب لے گا	اس کا
اللّٰهُ ؕ	فَيَغْفِرُ	لِمَنْ	يَّشَآءُ	وَيُعَذِّبُ	مَنْ	يَّشَآءُ ؕ
اللہ	پھر وہ بخش دیگا	جس کو	وہ چاہے گا	اور وہ عذاب دیگا	جس کو	وہ چاہے گا
وَاللّٰهُ	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾
اور اللہ	پر	ہر	چیز	خوب قدرت رکھنے والا

''آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ اس کا تم سے حساب لے گا۔ پھر جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (۲۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صدقہ کرنے، قرضِ حسنہ دینے اور سود سے دست کش ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان یہ تسلیم کرے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اس لیے مجھے حقیقی مالک کی مرضی کے مطابق لین دین اور مالی معاملات کو چلانا چاہیے۔

عام طور پر شہادت کسی مفاد یا خوف کی وجہ سے ہی چھپائی جاتی ہے جس سے عدالتی نظام کے بگاڑ کے ساتھ حق دار اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ شہادت چھپانے والے کو یہاں یہ باور کرایا گیا ہے کہ شہادت چھپانے سے پہلے تجھے ہزار بار سوچنا چاہیے کہ یہ وقتی مفاد یا عارضی خوف ہے۔ جبکہ نفع ونقصان اور زمین وآسمان کی ہر چیز کا اصلی مالک اللہ تعالیٰ ہے جو ہر کسی کے مفاد اور کمزور کی حفاظت کرنے والا ہے۔ لوگو! کوئی چیز تم اپنے دلوں میں چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا اور جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب دے گا۔ اللہ تعالیٰ ذرّے ذرّے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ گواہی سوچ سمجھ کر دینا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو جانتا ہے کہ تمہارا اظہار کیا ہے اور تم دل میں کیا چھپائے ہوئے ہو۔ یہاں دلوں کے خیالات پر محاسبے کا ذکر ہوا ہے۔ اس کے متعلق قرآن وحدیث میں دو قسم کے اصول بیان ہوئے ہیں۔

اگر کوئی شخص کفر، شرک، نفاق، حسد، کینہ اور ریاکاری کے خیالات دل میں جمائے رکھتا ہے تو ان پر صرف محاسبہ ہوگا۔ باقی خیالات معاف کر دیئے جائیں گے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ» (رواہ البخاری: باب الطلاق فی الإغلاق والکرہ والسکران والمجنون)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لوگوں کے دلوں کے وسوسے اس وقت تک کے لیے معاف کر دیے ہیں جب تک وہ ان پر عمل نہ کریں یا ان کے مطابق کلام نہ کی جائے۔''

دل کی پاکیزگی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی دعائیں:

«عَنْ أُمِّ مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ»

(رواہ بیہقی: باب دعوات الکبیر [صحیح])

''حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو دکھلاوے سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھوں کو خیانت سے پاک کر دے یقیناً تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز جانتا ہے۔''

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُوْ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَالْقَسْوَةِ وَالْغَفْلَةِ وَالذِّلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ وَالسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الصَّمَمِ وَالْبُكْمِ وَالْجُنُوْنِ وَالْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَسَيِّئِ الْأَسْقَامِ»

(صحیح ابن حبان: کتاب الرقائق، باب الأدعیة [صحیح])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دعا کرتے ہوئے فرماتے اے اللہ! بے شک میں تجھ سے بے بسی، سستی، بخیلی، بڑھاپا، سختی، غفلت، ذلت اور مسکنت سے پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے فقر، کفر، شرک، نفاق اور ریاکاری سے مانگتا ہوں اور بہرے پن، گونگے پن، جنون، پھلبہری، کوڑھ اور بری بیماریوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کے لیے ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کا احتساب کرے گا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا معاف کرے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ

ایمان لایا رسول اس کے ساتھ جو اتارا گیا اس کی طرف سے اس کا رب اور مومن (جمع)

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ

سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتے (جمع) اور اس کی کتابیں اور اس کے رسول نہیں ہم فرق کرتے

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ

درمیان کسی ایک سے اس کے رسولوں اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی تیری بخشش

رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۲۸۵

ہمارے رب اور تیری طرف لوٹ کر جانا

''رسول اس چیز پر ایمان لایا جو اس کی طرف اللہ کی طرف سے اتاری گئی اور مومن بھی ایمان لائے۔ سب مومن اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طلب گار ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔'' (۲۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ البقرۃ کی ابتدا ایمانیات سے ہوئی اختتام بھی انہی ہدایات سے کیا گیا ہے جب ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور وہی گناہوں کو معاف فرمانے اور سزا دینے والا ہے تو اسی پر ایمان لاؤ جس پر کائنات کی عظیم ہستی حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔

سورۃ البقرۃ کے آغاز میں ایمان کے بنیادی ارکان کا ذکر ہوا ہے اب اس سورۂ مبارکہ کا اختتام بھی عقائد کے بیان سے ہو رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ایمانِ کامل کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور ان کی قبولیت ناممکن ہے۔ ابتدا میں اہلِ ایمان کے حوالے سے دین کے بنیادی عقائد کا ذکر تھا اور اب رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اختتام کیا جا رہا ہے کہ یہ وہ عقائد، نظریات، اصول اور احکام ہیں جن پر میرا رسول محمد ﷺ ایمان لایا اور تمام مومن یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ، اس کی نازل کردہ کتب اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ رسول کریم ﷺ اور مومن پہلے رسولوں کے درمیان کسی کی تفریق نہیں کرتے۔ رسولوں کے درمیان فرق نہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ لیکن اب سب پر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی اتباع فرض ہے رسول ﷺ اور مومن ان جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ الٰہی! ہم نے تیرے پیغامات کو سنا اور اس پر ایمان لائے۔ ہمارے رب! ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو معاف کیجیے۔ ہم تیرے حضور ہی حاضر ہونے والے ہیں۔ یہاں دعا کی صورت میں مومنوں کے ایمانی جذبات اور کردار کی ترجمانی کی جا رہی ہے۔ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کا رسول سب سے پہلے اپنے رب کے احکام پر ایمان لانے والا اور اس پر عمل کر کے مومنوں کے

لیے نمونہ ہوا کرتا ہے۔ یہی نیک قائد اور مذہبی پیشوا کا عمل ہونا چاہیے تا کہ اپنے اور بیگانے سبھی اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے میں رغبت محسوس کریں۔

«عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفَيْ عَامٍ أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا يُقْرَآنِ فِيْ دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا شَيْطَانٌ»

(رواہ الترمذی: باب ماجاء فی آخر سورۃ البقرۃ [صحیح])

''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل ایک کتاب لکھی اس کتاب کی دو آیتیں نازل کیں جن سے سورۃ البقرہ کا اختتام کیا جس گھر میں یہ تین راتیں پڑھی جائیں وہاں شیطان نہیں آتا۔''

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيْلُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ سَمِعَ نَقِيْضًا مِنْ فَوْقِهِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِنَ السَّمَاءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ وَقَالَ أَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ أُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيْتَهُ» (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس دوران انہوں نے ایک زوردار آواز سنی اور اپنا سر اٹھانے کے بعد فرمایا کہ آسمان کا جو دروازہ آج کھولا گیا ہے یہ اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک ایسا فرشتہ نازل ہوا ہے جو آج سے پہلے زمین پر نہیں اترا۔ اس فرشتے نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور کہا دونوروں کی خوشخبری سنیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے ان میں سے ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرا سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ کی مانگی مراد پوری ہو جائے گی۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ ۲۔ مومن وہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔
۳۔ مومن بندے سننے، ماننے اور اپنے رب سے معافی طلب کرنے والے ہوتے ہیں۔ ۴۔ ہر نفس نے اللہ تعالیٰ کی طرف ہی پلٹنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کے درمیان فرق نہیں کرنا چاہیے:

۱۔ اللہ اور اس کے رسولوں میں مومن فرق نہیں کرتے۔ (النساء: ۱۵۲) ۲۔ رسولوں کے درمیان فرق کرنا کفر ہے۔ (البقرۃ: ۲۸۵)
۳۔ کافر اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔ (النساء: ۱۵۰)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ

نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جان کو مگر اس کی طاقت اس کے لیے جو اس نے کمایا

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ

اور اس پر جو اس نے کمایا اے ہمارے رب نہ تو پکڑ ہمیں اگر ہم بھول جائیں

اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا

یا ہم خطا کریں اے ہمارے رب اور نہ ڈال ہم پر بوجھ جیسے

حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا

تو نے ڈالا پر جو لوگ سے ہم سے پہلے اے ہمارے رب اور نہ ہم سے اٹھوا جو

لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ

نہیں طاقت ہم کو اس کی اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہمیں اور ہم پر رحم فرما تو

مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

ہمارا آقا ہے پس مدد کر ہماری پر قوم کافر (جمع)

ع ۳۵

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی کرے وہ اسی کے لیے ہے اور جو برائی کرے اس کا بوجھ اسی پر ہے۔ اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ کرنا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالنا جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو، ہم سے درگزر فرما اور ہمیں معاف فرما دے۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہمیں کفار پر غلبہ عطا فرما۔'' (۲۸۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا مشکل کام نہیں۔ یہ عین انسان کی فطرت اور اس کی وسعتِ ہمت کے مطابق ہے ان پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بخشش، رحمت اور مدد طلب کرنی چاہیے یہی اسلام کے غلبہ اور کفار پر فتح پانے کا منظم طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے اختتام میں از راہِ کرم اپنے بندوں کے لیے یہ وضاحت فرماتا ہے کہ تمہارے رب نے جو احکام نازل فرمائے ہیں۔ وہ ایسے نہیں کہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا گیا ہو۔ لہٰذا جو ان کے مطابق عمل کرے گا اس کا اسی کو فائدہ پہنچے گا اور جس نے ان احکامات کی مخالفت کی وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا۔ مومن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے کے باوجود اس کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے خالق و مالک! اگر ہم سے بھول یا دانستہ خطا ہو جائے

تو ہمیں اپنی گرفت سے بچائے رکھنا۔ اے ہمارے پالنہار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جس طرح پہلے لوگوں پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ڈالا گیا تھا۔ مومن تو اپنے رب کے حضور دست بستہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے غلطی ہو جائے تو اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو۔ جس کی ہم میں ہمت نہ ہو۔ الٰہی! ہم سے درگزر کر، ہماری خطاؤں کو معاف فرما اور ہم پر رحم کر۔ تو ہی تو ہمارا مولا ہے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری نصرت وحمایت فرما۔ آمین۔

«عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَمَّا كَانَ رَسُولُ اللهِ يَدْعُو بِهِ اللهَ قَالَتْ كَانَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ»

(رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم یعمل)

''حضرت فروہ بن نوفل اشجعی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا آپ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ! میں نے جو کام کیے اور جو نہیں کیے ان کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

«عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ عَامَّةُ دُعَاءِ نَبِيِّ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا أَخْطَأْتُ وَمَا تَعَمَّدْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا جَهِلْتُ وَمَا تَعَمَّدْتُ»

(رواہ احمد: باب مسند عمران بن حصین [صحیح])

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہوا کرتی تھی کہ اے اللہ! میری خطاؤں کو جو میں نے جان بوجھ کر، پوشیدہ، ظاہری، بے علمی سے اور عمداً کی ہیں سب کو معاف فرما۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ۲۔ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزاء وسزا ملے گی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں اور بھول کی معافی مانگنا اور اس کی سختی سے پناہ طلب کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

دین میں آسانیاں:

۱۔ مریض ومسافر کو روزوں میں تاخیر کرنے کی اجازت۔ (البقرۃ:۱۸۵)
۲۔ نماز میں قصر کرنے کی اجازت ہے۔ (النساء:۱۰۱) ۳۔ رمضان کی راتوں میں مباشرت کی اجازت۔ (البقرۃ:۱۸۷)
۴۔ حج صرف صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ (آلِ عمران:۹۷)
۵۔ ہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم۔ (التغابن:۱۶)

تفصیل کے لیے میری کتاب ''دین تو آسان ہے'' کا مطالعہ فرمائیں:

سورۃ آلِ عمران

اس سورۂ مبارکہ کا نام آلِ عمران ہے یہ آیت ۳۳ سے لیا گیا ہے۔ حضرت عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والدِ گرامی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا محترم ہیں۔ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس کے ۲۰ رکوع اور ۲۰۰ آیات ہیں۔

ربطِ سورۃ:

''الفاتحہ'' کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی توحید سے اور ''البقرۃ'' کا آغاز قرآنِ مجید کے تعارف سے ہوا تھا۔ سورۃ آلِ عمران کی ابتداء ان دونوں مضامین سے ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اسی ذات لم یزل نے یہ کتاب حق اور سچ کے ساتھ نازل فرمائی۔ جس نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ یہ قرآن ان کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔

سورۂ آلِ عمران میں توحید کے دو ایسے پہلو نمایاں کیے گئے ہیں جن میں جلالت و جبروت اور اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ زندہ اور قائم رہنا بیان ہوا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ جب کچھ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کی ذات اس وقت بھی موجود اور قائم تھی اور جب ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر جائے گی تو اس وقت بھی ذاتِ کبریا قائم و دائم ہوگی۔ اس سورۃ کے نازل ہونے کا پسِ منظر یہ ہے کہ نجران کا علاقہ جو یمن کے شمال میں واقع ہے۔ وہاں سے عیسائیوں کا ایک نمائندہ وفد رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام اور عیسائیت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیّت میں شامل ہیں۔

اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں اجمالی اشارے دیے گئے ہیں کہ یہ صفات عیسیٰ علیہ السلام اور کائنات کی کسی چیز میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہی واحد اور معبودِ برحق ہے۔ وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے ماں کے رحم کے اندر جس طرح اور جیسے چاہے بچہ پیدا کرتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کی خالقیت کا ایک نمونہ ہیں۔ اس کے بعد قرآنِ مجید کا تعارف کروایا گیا کہ یہ تورات، انجیل اور ان سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنِ مجید ہدایت کا سرچشمہ ہے لیکن اس سے ہدایت پانے کے لیے چار بنیادی اصول ہیں:

۱۔ قرآن مجید کو ہدایت حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے۔

۲۔ قرآنِ مجید میں غور و خوض کیا جائے۔

۳۔ قرآن مجید کی تشریح و توضیح کے لیے بنیادی اور مرکزی آیات کو رہنما اصول بنایا جائے۔

۴۔ قرآن مجید پر عمل کیا جائے۔

جو شخص ان اصولوں کو چھوڑ کر قرآنِ مجید کی تشریح و تفسیر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے بھٹکنے کا اندیشہ ہے۔ جس

کے بارے میں اس سورۃ کی ابتدا میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ جن کے دلوں میں ٹیڑھ اور سوچ میں کجی ہے۔ وہ فرقہ واریت اور فتنہ پروری کے لیے بنیادی آیات کو چھوڑ کر متشابہات کو اپنے فکر کی بنیاد بناتے ہیں حالانکہ متشابہات کا مفہوم اللہ تعالیٰ اور اہلِ علم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

''سورۃ البقرۃ'' میں زیادہ تر یہودیوں کے کردار اور اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جس میں ضمناً عیسائیوں کا ذکر ہوا ہے لیکن اس سورۂ مبارکہ میں خطاب کا رخ عیسائیوں کی طرف ہے جس میں ان کے عقائد و نظریات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔

سورۃ البقرۃ میں تحویلِ قبلہ کے حکم کے بعد واضح کیا گیا کہ مسلمانو! تم محض پراپیگنڈہ سے خوفزدہ ہوئے جا رہے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دشمن کے خوف، اعزہ و اقرباء کی شہادت، مال و جان کے نقصان، بھوک و پیاس اور غربت و افلاس کے ساتھ بہر حال آزمانے والا ہے۔ چنانچہ اُحد میں مسلمانوں کو ان آزمائشوں سے حقیقتاً واسطہ پڑا پھر اُحد کے نتائج اور عارضی شکست پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے آخری اصول واضح کیا کہ دنیا میں حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہا کرتے اگر تم سربلند رہنا چاہتے ہو تو تمہیں مسلمان بن کر رہنا ہوگا۔

''سورۃ البقرۃ'' کی ابتدا اور اس کے آخر میں ایمان کے بنیادی ارکان کا ذکر ہوا تھا جس بنا پر اسلام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ سورۃ آلِ عمران میں یہ ارشاد ہوا کہ ایمان کی مبادیات کی طرح اسلام کی عمارت کے بنیادی ستون بھی ہمیشہ سے ایک رہے ہیں اور اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ یہی تمہارے لیے ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی ہے۔ جو فرد یا قوم اس کے علاوہ دوسرا راستہ تلاش کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے نظریۂ حیات اور کردار کو ہرگز قبول نہیں کرے گا۔

اس کے بعد اہلِ کتاب کو مشترکہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا جس دین اور نظریات پر تم فخر اور ناز کر رہے ہو۔ اس کا دور ختم ہو چکا ہے اب اسلام کا سکہ چلے گا اور تمہاری مخالفت کچھ کام نہیں آسکتی۔ کیونکہ عزت، ذلت، اقتدار اور اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ جسے چاہے جب چاہے عنایت فرمائے اور جب چاہے محروم کر دے۔ اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ اگر تم عظمتِ رفتہ کے خواہاں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے طلب گار ہو تو تمہیں نبی آخر الزماں ﷺ کی اتباع کرنا ہوگی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاندان کی بزرگی اور عظمت کا ذکر کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، معجزات اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی وضاحت کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں یہودیوں کے دعویٰ کی تردید کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل ہوئے اور نہ ہی انہیں تختہ ءدار پر لٹکایا گیا انہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آسمانوں پر صحیح سالم اٹھالیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وضاحتی اور دعوتی خطاب ۳۱ آیات تقریباً ۳ رکوع پر مشتمل ہے۔ اس تفصیلی خطاب کے بعد ایک دفعہ پھر یہود و نصاریٰ کو اہلِ کتاب کے باعزت لقب سے مخاطب کرتے ہوئے رسولِ کریم ﷺ کی طرف سے

دعوت دی گئی ہے کہ آؤ اس کلمہ پر متفق ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان بنیاد اور قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام تورات وانجیل کے نزول سے پہلے دیا کرتے تھے۔ یقین جانو کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی، عیسائی اور مشرک نہیں تھے وہ تو ادھر ادھر اور دائیں بائیں کی نسبتوں کی بجائے سچے مواحد اور کامل مسلمان تھے۔

اس کے بعد اہلِ کتاب کی سازشوں اور شرارتوں کا ذکر کیا اور فرمایا عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو کتاب، نبوت اور حکومت عطا کرے تو اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی توحید سمجھانے اور اس کا بندہ بنانے کی بجائے اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرے۔ تم انبیاء اور عیسیٰ علیہ السلام کے ذمہ شرک لگاتے ہو۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کے باوجود کفر وشرک کا حکم دے سکتے تھے؟ انبیاء کا حال تو یہ تھا کہ انہوں نے ابتدائے آفرینش اپنے رب کے حضور یہ عہد کیا تھا کہ ہم تیری توحید کا اقرار اور اس کا پرچار کرنے کے ساتھ نبی آخر الزماں، خاتم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اس کی تائید کریں گے۔ انبیاء کے عہد کے بعد بیت اللہ کا تذکرہ اور اسے مرکز امن وہدایت قرار دینے کا یہ مقصد بیان کیا ہے کہ اگر اہلِ کتاب اور بنی نوع انسان امن وامان، رشد وہدایت چاہتے ہیں تو توحید کا اقرار اور رسول کی اتباع کرتے ہوئے ایک ہی مرکز کو اپنانا ہوگا۔

جس طرح سورۃ البقرۃ کا اختتام قرآن کے الفاظ میں مومنوں کی دعاؤں کے ساتھ ہوا ہے اسی طرح آلِ عمران کا اختتام بھی مومنوں کی دعاؤں سے ہوتا ہے۔

رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرۃ اور آلِ عمران کو دو نور اور الزہراوین قرار دیا ہے:

«اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَإِنَّهٗ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهٖ اِقْرَؤُا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَابَتَانِ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَآفَّ تُحَآجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا اِقْرَؤُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ» (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل قراءۃ القرآن وسورۃ البقرۃ)

''قرآن کی تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی ہوگا دو روشن سورتیں البقرۃ اور آلِ عمران پڑھو یہ قیامت کے دن دو بدلیاں یا پرندوں کی طرح صفیں باندھے جھرمٹ کی مانند ہوں گی جو انہیں پڑھنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے تکرار کریں گی۔ سورۃ البقرۃ کی تلاوت کیا کرو اس کا پڑھنا باعثِ برکت اور چھوڑنا حسرت کا سبب ہے اور جہاں یہ پڑھی جائے وہاں جادو اور جنات اثر انداز ہونے کی جرأت نہیں کرتے۔''

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن مَدَنِيَّة — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا — ۲۰ اٰيَاتُهَا — ۲۰۰

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ

الف لام میم اللہ نہیں معبود سوائے اس کے زندہ سنبھالنے والا اس نے اتار آپ پر

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ

کتاب حق کے ساتھ تصدیق کرنے والی اس کیلئے جو اس سے پہلی اور اس نے اتاری تورات

وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور انجیل سے پہلے ہدایت لوگوں کیلئے اور اتارا اس نے فرقان بیشک جو لوگ

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

انہوں نے انکار کیا اللہ کی آیتوں کا ان کیلئے عذاب سخت اور اللہ نہایت غالب بدلہ لینے والا

الٓمّٓ (۱) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ (۲) جس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا ہے جو اپنے سے پہلوں کی تصدیق کرنے والی ہے، اسی نے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں۔ (۳) جو اس سے پہلے، لوگوں کے لیے ہدایت تھیں اور یہ قرآن بھی اسی نے نازل فرمایا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، بدلہ لینے والا ہے۔'' (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ البقرۃ کا اختتام ایمان کے بنیادی ارکان اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کی دعا پر ہوا ہے۔ سورۃ آل عمران کی ابتداء میں بتلایا گیا ہے کہ جس اللہ پر تم نے ایمان لانا ہے۔ وہ ہمیشہ قائم دائم اور زندہ جاوید رہنے والا ہے۔ اسی نے لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے تورات وانجیل نازل فرمائی اور اب اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے قرآن مجید نازل کیا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نافرمانوں سے سخت انتقام لے گا۔

حروفِ مقطعات کے بعد اس عظیم سورۃ کی ابتدا توحید باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ یہاں توحید کے دو ایسے پہلو نمایاں کیے گئے ہیں۔ جن میں جلالت وجبروت کے لہجے میں اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے کا بیان ہوا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ جب کچھ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کی ذات موجود اور قائم تھی۔ جب ہر چیز ختم ہو جائے گی تو اس وقت بھی اس کی ذات کبریا موجود اور قائم ہوگی گویا کہ وہ ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والی ذات ہے اور کائنات کو اپنی حکمت اور مرضی کے مطابق قائم رکھے ہوئے ہے۔ جس طرح اور جس وقت تک چاہے ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے ان اوصاف میں اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔

جب کائنات میں کوئی ہستی اس جیسی نہیں تو سب کا وہی معبود و مسجود ہونا چاہیے اور ہے۔ اسی ذاتِ اعلیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کتابِ حق نازل فرمائی اور اسی نے اس سے پہلے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں جو اپنے اپنے دور میں لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ تھیں۔ اب قرآنِ مجید نازل فرمایا جو پہلی کتابوں کے من جانب اللہ ہونے کی تصدیق اور ان میں لوگوں نے جو ترمیم و اضافے کیے ان کی نشاندہی کرتا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے حق اور باطل واضح ہو جائے اس امتیاز اور حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے شدید ترین عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سے اس جرم کا بدلہ لینے پر غالب ہے۔ قرآنِ مجید کے بنیادی اور مرکزی اوصاف میں ایک خوبی یہ ہے کہ یہ پہلی کتابوں کے حقیقی مضامین کی تصدیق کرنے کے ساتھ قیامت تک کے لیے حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل اور نگران کی حیثیت رکھتا ہے۔

{ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ } (المائدۃ:۴۸)

''اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی جو اپنے سے ماقبل کتب کی تصدیق کرنے والی اور ان پر نگہبان ہے۔''

گویا کہ حق و باطل کا فیصلہ کرنا لوگوں کی عقل و دانش اور کسی پارلیمنٹ کے اختیار پر نہیں بلکہ قرآن لوگوں کی رہنمائی کا ضامن اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا معیار ہے۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ» (شرح السنۃ للبغوی: باب رد البدع والاہواء [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی جب تک اپنی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کر دے تب تک وہ ایمان والا نہیں ہو سکتا۔''

مسائل

۱۔ اللہ ہی اکیلا معبود اور وہی ہمیشہ زندہ و قائم رہنے والا ہے۔ ۲۔ اس نے تورات، انجیل اور قرآنِ مجید نازل فرمایا۔
۳۔ اب تورات اور انجیل نہیں صرف قرآن ہی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ۴۔ قرآن مجید پہلی کُتبِ آسمانی کی تصدیق کرتا ہے۔
۵۔ انکار کرنے والوں کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ مجرموں سے بدلہ لینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

فرقان کا مفہوم:

۱۔ قرآن فرقان ہے۔ (الفرقان:۱) ۲۔ معجزات فرقان ہیں۔ (الانبیاء:۴۸)
۳۔ بدر کا معرکہ فرقان ہے۔ (الانفال:۴۱) ۴۔ فرقان سے مراد قوتِ فیصلہ بھی ہے۔ (الانفال:۲۹)
۵۔ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب یعنی قرآن مجید کو فرقان کہا گیا ہے۔ (البقرۃ:۱۸۵)

اِنَّ	اللّٰهَ	لَا يَخْفٰى	عَلَيْهِ	شَيْءٌ	فِي	الْاَرْضِ	وَلَا
بیشک	اللہ	نہیں چھپی ہوئی	اس پر	کوئی چیز	میں	زمین	اور نہ

فِي	السَّمَآءِ ۝۵	هُوَ	الَّذِيْ	يُصَوِّرُكُمْ	فِي	الْاَرْحَامِ	كَيْفَ يَشَآءُ ؕ
میں	آسمان	وہی ہے	وہ جو	شکل بناتا ہے تمہاری	میں	رحم (جمع)	جیسے وہ چاہے

لَآ	اِلٰهَ	اِلَّا	هُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ۝۶
نہیں	معبود	سوائے	اس کے	نہایت غالب	خوب حکمت والا

''بے شک اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔(۵) وہی ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے۔''(۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بدلہ اور سزا دینے والی ہستی کے لیے ضروری ہے کہ وہ حالات، واقعات سے اچھی طرح باخبر ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔جس سے زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں وہ ماں کے رحم میں ہونے والی تبدیلوں کو جانتا ہی نہیں بلکہ جس طرح چاہتا ہے انسان کی شکل وصورت بناتا اور اسے خاص ڈھانچے میں ڈھالتا ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ انسان کی ہر نقل وحرکت سے واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ زمین کی گہرائیوں اور اس کے ذرّے ذرّے، آسمان کی بلندیوں اور اس کے چپے چپے سے واقف ہے۔وہ لوگوں کی پیدائش کے ابتدائی مراحل سے آگاہ ہی نہیں بلکہ جو ماں کے رحم کے اندر لحہ بہ لحہ تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں انہیں بھی جانتا ہے۔وہ جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتوں اور قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے۔وہ ایسا کرنے پر غالب بھی ہے اور اس کے ہر کام اور فیصلے کے پیچھے حکمتیں بھی کارفرما ہوتی ہیں۔اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ پیدا ہونے والے کو طاقتور بنانا ہے یا کمزور، خوبصورت پیدا کرنا ہے یا قبول صورت، اس کا غریب ہونا بہتر ہے یا امیر، یہ نیک ہوگا یا بد۔اللہ تعالیٰ تمام اور ہر قسم کے حالات جانتا ہے اور اسے ہر فیصلے پر اختیار ہے اور تم نہ دنیا میں اس کی دسترس سے باہر ہو اور نہ مرنے کے بعد۔وہ ہر حال میں تم پر غالب ہونے کے باوجود تمہیں مہلت دیے ہوئے ہے اس مہلت کے پیچھے اس کی بہت سی حکمتیں پنہاں ہیں۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ وَيُقَالُ لَهُ أُكْتُبْ عَمَلَهُ وَرِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ فَإِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَيَعْمَلُ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ كِتَابُهُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَيَعْمَلُ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ» (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صادق ومصدوق رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرتا ہے تو جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اسے آدمی کا عمل، رزق، موت اور نیک و بد ہونا لکھنے کا حکم ہوتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ تم میں ایک بندہ عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر غالب آجاتی ہے وہ جہنمیوں والا کام کر دیتا ہے۔ ایسے ہی آدمی برے عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو وہ جنتیوں والا عمل کر دیتا ہے۔''

اس حدیث میں آدمی کے انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو زندگی بھر ماحول کے اثر، بزرگوں کے خوف، ذاتی مفاد اور اسلامی حکومت کے جبر سے بظاہر نیک اعمال کرتے ہیں لیکن ایمان ان کے دل میں راسخ نہیں ہوتا محض ماحول کے جبر کی وجہ سے ظاہری طور پر نیک ہوتے ہیں۔ جونہی انہیں موقعہ ملتا ہے وہ برائی کی طرف لپکے چلے جاتے ہیں ایسے ہی بے شمار لوگ سوسائٹی یا گھریلو اثرات کی وجہ سے نیکی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے لیکن فطرتاً نہایت ہی سعادت مند طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ جب کبھی انہیں نیکی کا ماحول میسر آئے تو بہت سے نیک لوگوں سے بڑھ کر ذوق وشوق سے نیک کام سرانجام دیتے ہیں۔ موت کے قریب اس قسم کے لوگوں کی نیک نیتی اور حقیقی کردار ان کو اصلی انجام کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس کے برعکس فطری اور قلبی طور پر برا شخص موت کے وقت کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین میں اسی فطری انجام کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا غالب آجاتا ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: طاقتور مومن اللہ کے ہاں کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے تاہم بہتری اور خیر دونوں میں ہے۔ تجھے نفع بخش چیز کی طلب کرتے ہوئے اللہ سے مدد طلب کرنا چاہیے اور عاجز نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی تکلیف آئے تو یہ نہ کہنا چاہیے کہ اگر میں یہ کام کرتا تو ایسے ہو جاتا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ نے جو تقدیر میں لکھا اور جو چاہا کر دیا۔ کیونکہ لفظ ''اگر'' سے شیطان اپنے کام کی ابتدا کرتا ہے۔'' (رواہ مسلم: کتاب القدر، باب فی الأمر بالقوۃ وترک العجز والإستعانۃ باللہ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ۲۔ وہی ماں کے رحم میں انسان کی شکل وصورت بناتا ہے۔
۳۔ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ صورتیں بنانے اور اولاد دینے والا ہے:

۱۔ لوگوں کی شکلیں اللہ تعالیٰ بناتا ہے۔ (آلِ عمران: ۶) ۲۔ اللہ ہی بیٹے، بیٹیاں دیتا ہے۔ (الشوریٰ: ۴۹)
۳۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے۔ (الانعام: ۱۰۲) ۴۔ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر: ۶۲)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

وہی ہے	جس نے نازل کی	آپ پر	کتاب	اس سے	آیتیں	محکم

هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ

وہی	اصل کتاب	اور دوسری	متشابہ ہیں	لیکن	جولوگ	میں

قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ

ان کے دل	کجی	تو وہ پیروی کرتے ہیں	جو	متشابہ	اس سے	تلاش کرنے کیلئے	فساد

وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ

اور ڈھونڈنا	اس کا مطلب	اور نہیں	جانتا	اس کا مطلب	سوائے	اللہ

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ

اور مضبوط	میں	علم	وہ کہتے ہیں	ہم ایمان لائے	اس پر	سب

مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

سے	طرف	ہمارا رب	اور نہیں	سمجھتے	مگر	عقل والے

''وہی ''اللہ'' ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری جس میں محکم آیات ہیں جو اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہ آیات ہیں۔ پس جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنہ تلاش کرنے اور اس کی تاویل ڈھونڈنے کے لیے اس کی متشابہ آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں حالانکہ ان کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور پختہ مضبوط علم والے تو یہی کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت صرف عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں۔'' (۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید کتاب مبین ہے جو پہلی کتابوں کا مصدق ہے۔ اس کے احکامات محکم ہیں جن میں کوئی ٹیڑھ اور زیغ نہیں۔ زیغ اور ٹیڑھ تو منکرین کے دلوں میں ہے انہیں معلوم ہونا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ ان کی حرکات وسکنات اور اعمال وافعال سے واقف ہے بلکہ وہ دلوں کے اسرار اور زیغ بھی جانتا ہے۔

قرآنِ مجید کو سمجھنے اور اُمّت کے اختلافات کو جاننے کے لیے یہ آیت بنیادی اور کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں یہ وضاحت پائی جاتی ہے کہ قرآنِ مجید کے احکامات اور ارشادات دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ احکامات ہیں جو الفاظ و معانی اور مفہوم کے اعتبار سے دو اور دو، چار کی طرح واضح ہیں یہی قرآن کی اساس ہیں اور یہ فہم قرآن کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری آیات میں دونوں قسم کے مفہوم تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ جن کے دل حق سے اجتناب کرنے والے اور فتنہ جُو ہیں وہ محکم اور بیّن آیات کو چھوڑ کر دوسری آیات کو رہنما اور مقدم سمجھتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے اپنی انفرادیت، مذہبی

برتری اور الگ عقیدے کی بنیاد رکھیں یہ لوگ متشابہ آیات کا اپنی مرضی سے معنیٰ متعین کرتے ہیں۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَةَ {هُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ .....} قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّى اللهُ فَاحْذَرُوْهُمْ»

(رواہ البخاری: کتاب التفسیر)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسولِ کریم ﷺ نے {هُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ .....} آیت پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا: عائشہ! جب تو متشابہات کے پیچھے لگنے والے لوگوں کو دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لے کر بتایا ہے کہ ان سے بچنا چاہیے۔''

متشابہات کا مفہوم اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہاں اہلِ علم کے دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ''إِلَّا اللهُ'' پر وقف کرنا چاہیے اور اس کا معنی ہے کہ اِن آیات کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسرے علماء کا نقطۂ نظر ہے کہ ''إِلَّا اللهُ'' کو ''وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ'' کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے۔ جس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تو جانتا ہی ہے مگر خداداد صلاحیت سے کچھ اہلِ علم بھی ان کا مفہوم جانتے ہیں جو خداداد علم و بصیرت کی بنیاد پر ان آیات کا صحیح مفہوم متعین کر سکتے ہیں۔ قرآنِ مجید لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اور اس میں حروفِ مقطعات کے سوا کوئی ایسی آیت نہیں جس کا معنیٰ پوری امت سے مخفی رکھا گیا ہو۔ باوجود اس کے کہ اہلِ علم ان آیات کا مفہوم جانتے ہیں مگر اپنے متعین کردہ مفہوم پر اصرار کرنے کی بجائے عجز و انکساری کا مظاہرہ اور حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہی نازل ہوا ہے۔ ایسی منصفانہ بات کہنا اور محکم آیات کو مقدم سمجھنا، فتنہ جوئی اور غلط تاویل سے بچنا ہی صاحبِ دانش علماء کا کردار ہوا کرتا ہے۔ قرآن ہی پہلی کتاب ہے جس نے دنیا کے اہلِ علم کو یہ اصول دیا کہ کسی قانون اور دستور کی شق میں اختلاف ہو تو اسے دستور کے بنیادی اصولوں کو سامنے طے کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن مجید نازل فرمایا۔ ۲۔ قرآن مجید میں واضح اور متشابہ دونوں طرح کی آیات ہیں۔
۳۔ گمراہ لوگ فتنہ پروری کے لیے متشابہات کو مقدم جانتے ہیں۔
۴۔ پختہ علم، نیک اور سمجھ دار علماء فتنہ پروری اور قرآن مجید کی غلط تاویل سے بچتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نبی ﷺ کی ذات کے متعلق محکم آیات:

۱۔ رسول انسان (بشر) ہوتے ہیں۔ (ابراہیم: ۱۱) ۲۔ رسول اللہ ﷺ بشر اور عبد ہیں۔ (الکہف: ۱۱۰)
۳۔ رسول اللہ ﷺ غیب دان نہیں ہیں۔ (الانعام: ۵۰) ۴۔ نبی مختار کل نہیں ہوتا۔ (القصص: ۵۶)
۵۔ رسولِ محترم اپنے نفع و نقصان کے مالک نہیں تھے۔ (الجن: ۲۱)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ

اے ہمارے رب نہ پھیر ہمارے دل بعد جب تو نے ہمیں ہدایت دی اور عنایت فرما ہمیں سے

لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۸ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ

اپنے پاس رحمت بیشک تو تو سب سے بڑا عطا کرنے والا اے ہمارے رب بیشک تو جمع کرنیوالا

النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۹

لوگ (جمع) اس دن نہیں شک اس میں بیشک اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ کی

ع ۱۰

''اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل کو ٹیڑھا نہ کر دینا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی سب سے بڑا عطا کرنے والا ہے۔ (۸) اے ہمارے رب! یقیناً تو لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔'' (۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حقیقت جاننے کے باوجود ٹیڑھا پن اور کج روی اختیار کرنا عقل مندی نہیں۔ عقل مندی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتے ہوئے کج روی سے دوری اختیار کی جائے۔

اس سے پہلے قرآن فہمی کے بارے میں کج بحث، فتنہ جو اور گمراہ لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد علم میں یدِ طولیٰ رکھنے والے علماء کی مثبت سوچ، عاجزی اور اعترافِ حقیقت کے اظہار کا ذکر ہوا ہے۔ ایسے علماء کی یہ بھی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بصیرت پر ناز، موقف پر فخر اور علم پر اترانے کے بجائے اپنے رب سے آرزوئیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی اور گمراہی سے بچائے رکھنا کیونکہ کتنے ہی علم والے ہیں جن کا علم ان کی گمراہی کا سبب اور ان کی تحقیق ان کے لیے حجاب بن گئی اور وہ گمراہی کے سرغنہ ثابت ہوئے۔ اللہ! ہماری تیرے حضور فریاد ہے کہ ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازتے رہنا یقیناً تو ہی عطا کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! یہاں تو لوگ تیرے رب کے نازل کردہ حق پر اکٹھے نہیں ہوئے لیکن قیامت کے دن تو لوگوں کو اکٹھا کرنے والا ہے جس کے قائم ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ الٰہی! اس دن بھی ہمیں اپنی رحمتوں سے ہمکنار اور اپنی عطاؤں سے سرفراز فرمانا، بے شک تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَآءُ» (رواہ الترمذی: کتاب القدر [صحیح])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ کریم ﷺ اکثر دعا کرتے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھنا۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے۔ کیا آپ ہمارے بارے میں خطرہ محسوس کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔''

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَنْ تُغْنِيَ	عَنْهُمْ	اَمْوَالُهُمْ	وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
بیشک	جولوگ	انہوں نے کفرکیا	ہرگزنہیں کام آئیں گے	ان کے	ان کے مال	اورنہ انکی اولاد

مِّنَ	اللّٰهِ	شَيْـًٔا ؕ	وَاُولٰٓئِكَ	هُمْ	وَقُوْدُ	النَّارِ ۝۱۰	كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ
سے	اللہ	کچھ	اوریہی لوگ	وہ	ایندھن	آگ	مانندعادت آلِ فرعون

وَالَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ	كَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَا ۚ	فَاَخَذَهُمُ	اللّٰهُ	بِذُنُوْبِهِمْ ؕ	
اورجولوگ	سے ان سے پہلے	انہوں نے جھٹلایا	ہماری آیات	سوانہیں پکڑا	اللہ	ان کے گناہوں کے سبب	

وَاللّٰهُ	شَدِيْدُ	الْعِقَابِ ۝۱۱	قُلْ	لِّلَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	سَتُغْلَبُوْنَ
اوراللہ	سخت	عذاب	آپ فرمادیں	ان لوگوں کیلئے	انہوں نے کفرکیا	عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے

''بے شک جولوگ کافر ہوئے ان کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ یہ لوگ تو جہنم کا ایندھن ہیں۔(۱۰) جیسا آلِ فرعون کا حال ہوا اور ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے، انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔(۱۱) کافروں سے فرمادیں کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس مال اور افرادی قوت کی بنیاد پر اہلِ مکہ حقائق کا انکار کرتے ہیں آلِ فرعون بھی اسی بنا پر گمراہ ہوئے اور تباہی کے گھاٹ اُترے تھے۔ اہل مکہ بھی عنقریب دنیا میں بدر کے معرکہ میں اور آخرت میں جہنم میں داخل ہونے کی بنا پر کافر ذلیل ہوں گے۔

سورۂ آلِ عمران کا آغاز بڑے جاہ وجلال سے ہوا۔ جس میں واشگاف لہجے میں واضح کیا گیا ہے کہ ہمیشہ قائم ودائم رہنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے اپنی آخری کتاب نازل فرمائی، منکروں کے لیے اس کا عذاب بڑا سخت ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے زبردست انتقام لینے والا ہے۔ وہ سب کو اپنے حضور اکٹھا کرے گا اور یہ وعدہ اٹل ہے۔

اے کفر کرنے والو! جب تمہیں جہنم کی آگ میں جھونکا جائے گا تو تمہارا مال ومنال، اولاد اور دنیا کی جاہ وحشمت تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی۔ تمہارا انجام بھی دنیا اور آخرت میں آلِ فرعون کی طرح ہونے والا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکذیب کی ان کو ان کے جرائم کی وجہ سے شدید عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ آلِ فرعون کا غرور، اقتدار، اختیار اور مال واسباب ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچا سکا۔ اے رسولِ معظم! دوٹوک اور بلا جھجک اعلان فرمائیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ منکرون کو دنیا میں سرنگوں اور آخرت میں جہنم میں اکٹھا کرے گا جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اہلِ یہود کو مخاطب کرتے ہوئے سمجھایا کہ تمہیں اسلام کی

وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ

اور اکٹھے کیے جاؤ گے طرف جہنم اور برا ٹھکانا تحقیق ہے تمہارے لیے

اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

نشانی میں دو گروہ وہ باہم مقابل ہوئے ایک گروہ لڑتا تھا میں راستہ اللہ

وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ

اور دوسرا کافر وہ انہیں دیکھ رہے تھے اپنے سے دوچند آنکھ کا دیکھنا اور اللہ قوت دیتا ہے

بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

ساتھ اپنی مدد جسے وہ چاہتا ہے بیشک میں اس البتہ عبرت دیکھنے والوں کے لیے

اور جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔ (۱۲) یقیناً تمہارے لیے عبرت تھی دو جماعتوں میں جو باہم ٹکرائیں۔ ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔ وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے طاقت ور بنا دیتا ہے۔ یقیناً اس میں دیکھنے والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔'' (۱۳)

مخالفت اور کفر کی حمایت چھوڑ کر ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہیے۔ انہوں نے بڑی رعونت کے ساتھ کہا کہ بدر میں تمہارا مقابلہ اپنے ہم وطنوں اور ناتجربہ کار لوگوں سے ہوا ہے۔ جب ہمارے ساتھ تمہاری پنجہ آزمائی ہوگی تو تمہارا جہاد کا شوق پورا کر دیا جائے گا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ اور اہلِ کفر غزوۂ بدر سے عبرت حاصل کرتے کیونکہ دنیا کی تاریخ میں یہ ایسا معرکہ تھا کہ ایک طرف اللہ کے راستے میں کٹ مرنے کا جذبہ اور دوسری طرف ''اللہ'' کے نافرمان تھے۔ جن کے درمیان طاقت کے عدم توازن کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت بے خانماں، افرادی قوت کے اعتبار سے تھوڑے اور اسباب کے حوالے سے نہایت ہی کمزور اپنے سے کئی گنا طاقت ور دشمن کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے کفار کی نظروں میں مسلمانوں کو دوگنا کر دکھایا اور ملائکہ کے ساتھ اپنے بندوں کی نصرت و حمایت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے جتنی چاہے جس کی چاہے مدد کرتا ہے۔ اس معرکۂ حق و باطل کو یوم الفرقان کے لقب سے ملقب فرمایا اور دنیا والوں کے لیے اسے اس طرح عبرت قرار دیا جس طرح فرعون اور اس سے پہلے لوگ عبرت کا نشان بنائے گئے۔

اسے فرقان اس لیے بھی کہا گیا کہ جنگِ بدر کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پلٹے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ لوگ ہمارے بھائی اور برادری کے لوگ ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لیں جو ہماری مالی قوت کا باعث ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابنِ خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا واللہ میری وہ رائے نہیں جو ابوبکر کی ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ فلاں کو (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قریبی تھا) میرے حوالے کریں میں اس کو قتل کرتا ہوں۔ عقیل کو علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں وہ اسے قتل کریں اور فلاں کو جو حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی ہے حمزہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں وہ اس کی گردن ماردیں، تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے ذرّہ برابر بھی نرم گوشہ نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات پسند فرمائی اور میری بات پسند نہیں کی، چنانچہ قیدیوں سے فدیہ لینا طے کرلیا اس کے بعد جب اگلا دن آیا تو میں صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ دونوں رو رہے تھے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! بتائیں آپ اور آپ کا ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ اگر مجھے رونے کی وجہ ہوئی تو روؤں گا اور اگر نہ معلوم ہو سکی تو آپ حضرات کے رونے کی وجہ سے روؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے تمہارے اصحاب پر جو چیز پیش کی گئی ہے اسی وجہ سے رو رہا ہوں۔ آپ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا مجھ پر اللہ کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب کر دیا گیا۔ (الرحیق المختوم، بدر کے قیدیوں کا قضیہ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کفار کو ان کے مال اور اولاد کچھ فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

۲۔ کفار جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون اور ان سے پہلے مجرموں کی سخت گرفت کی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ ۵۔ عنقریب کفار مغلوب اور جہنم میں اکٹھے کیے جائیں گے۔

۶۔ جہنم بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ ۷۔ معرکۂ بدر بصیرت والوں کے لیے قدرت کا بہت بڑا نشان ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے جس کی چاہے اور جب چاہے مدد فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قوموں کی تباہی کے اسباب:

۱۔ قومِ نوح کی ہلاکت کا سبب بتوں کی پرستش تھی۔ (نوح: ۲۳) ۲۔ قومِ لوط کی تباہی کا سبب اغلام بازی کرنا تھی۔ (الاعراف: ۸۱)

۳۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا سبب ماپ تول میں کمی کرنا تھی۔ (ھود: ۸۴، ۸۵)

۴۔ قومِ عاد کی تباہی کا سبب رسولوں کی نافرمانی تھی۔ (ھود: ۵۹)

۵۔ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! یہ اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے، اسکو چھوڑ دو تاکہ اللہ کی زمین میں چرے اور اس کو کسی طرح تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پکڑے گا۔ مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح نے کہا تین دن فائدہ اٹھالو، یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا۔ (ھود: ۶۴، ۶۵)

۶۔ فرعونیوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اللہ نے بھی ان کو سخت پکڑا۔ (الحاقۃ: ۱۰)

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ

خوشنما بنادی گئی	لوگوں کے لیے	محبت	خواہشات	سے	عورتیں	اور بیٹے

وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

اور خزانے	جمع کیے ہوئے	سے	سونا	اور چاندی	اور گھوڑے	نشان زدہ

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ

اور مویشی	اور کھیتی	یہ	ساز و سامان	زندگی	دنیا	اور اللہ

عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

اس کے پاس	اچھا	ٹھکانا

''مرغوب اور پسندیدہ چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے خوشنما اور مزین بنادی گئی ہے، جیسے عورتیں، بیٹے، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے، نشان زدہ گھوڑے، چوپائے اور کھیتی یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حق سے انحراف اور قوموں کی تباہی میں دنیا پرستی کا عنصر ہمیشہ غالب رہا ہے اس لیے اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

ہدایت کے راستے میں جو چیزیں سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان میں سرفہرست عورت، بیٹے، سونا، چاندی، اچھی سواری، مال، مویشی اور کھیتی باڑی ہے۔ ہر انسان ان میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور حد سے زیادہ محبت کرتا ہے اور یہی چیز راہِ ہدایت میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ خواہشات کے میدان میں عام طور پر سب سے پہلی خواہش عورت کے ساتھ مرد کی وابستگی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ آزمائش آدمی کے دل میں ان چیزوں کی محبت اور رغبت پیدا فرمائی ہے تاکہ دنیا کا نظام چلتا رہے۔ اگر عورت کے ساتھ مرد کی رغبت اور محبت نہ ہو تو نسب کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا۔ اسی تعلق کی خاطر اور ضرورت سے آدمی بیوی کو کھلاتا پلاتا اور اس کی آسائش و آرام کا خیال رکھتا ہے۔ اگر اولاد نہ ہو تو آدمی کی دنیا سے رغبت کم ہو جاتی ہے پھر اولاد میں بیٹوں کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ بیٹا ماں باپ کا سہارا اور ان کے سلسلۂ نسب اور جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔ بیٹی کی پیدائش پر باپ اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ محسوس کرتا ہے۔ جب کہ بیٹے کو اپنا معاون اور مستقبل کا سہارا سمجھتا ہے۔ طبعِ انسانی کا خیال رکھتے ہوئے بیٹوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ بیوی اور بیٹوں کے بعد دنیا کا نظام چلانے اور سہولیات حاصل کرنے کے لیے سونا اور چاندی ہمیشہ سے انسان کے لیے پرکشش سرمایہ رہا ہے۔ سونے اور چاندی کی بدولت ہی دنیا میں لین دین اور تجارت ہوا کرتی ہے۔ کاروبار کے بعد اچھی سواری آدمی کے لیے آرام کے ساتھ ساتھ باعثِ عزت ہوتی ہے۔ ہر دور میں گھوڑے کی سواری آدمی کے لیے شان و شوکت کا باعث سمجھی گئی ہے اور آج بھی موٹر کاروں

اورمشینری کی پاور کا اندازہ کرنے کے لیے گھوڑے کی طاقت [HORSE POWER] کو معیار بنایا گیا ہے۔ گھڑسواری ہمیشہ لوگوں کے لیے باعثِ فخر وانبساط رہی ہے۔ یہ جانور بہترین سواریوں میں شمار ہوتا ہے۔ ان چیزوں کے بعد کھیتی باڑی اور چوپایوں کی باری آتی ہے جو انسانی بقا کے لیے غلہ، رہائش، دودھ، گھی، گوشت اور خوراک کا کام دیتے ہیں۔ دیہاتی زندگی اور زمیندار کی یہی چیزیں متاع حیات ہیں۔ اس لحاظ سے انسانی زندگی کا دارومدار عورت، اولاد، سونا، چاندی، رہائش اور خوراک پر ہے باقی تمام نعمتیں انہی کے متعلقات اور لوازمات ہیں۔

ان نعمتوں کی افادیت اپنی جگہ مسلّم اور انہیں دنیا کی زندگی کے بہترین اسباب اور زینت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن آدمی کی دانشمندی یہ ہے کہ وہ عارضی زندگی اور اس کے اسباب پر نگاہ جمانے اور اکتفا کرنے کی بجائے حیاتِ جاوداں، لازوال نعمتوں اور ان کے خالق و مالک کی طرف توجہ رکھے اور دنیا کے ذریعے آخرت کے انعامات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے جو ربِ کریم کے پاس صاحبِ ایمان و کردار لوگوں کے لیے محفوظ ہیں۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ وَادِيَانِ وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللهُ عَلٰى مَنْ تَابَ»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب مایتقی من فتنة المال)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر آدم کے بیٹے کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں۔ اس کے منہ کو مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اللہ جس پر چاہتا ہے کرم فرماتا ہے۔''

«عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسْطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلٰى هٰذَا الَّذِيْ فِي الْوَسْطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِيْ فِي الْوَسْطِ وَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيْطٌ بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهٰذَا الَّذِيْ هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا» (رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب فی الأمل وطوله)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے ایک مربع نما لکیر کھینچی اور اس کے درمیان سے باہر نکلی ہوئی لکیر لگائی پھر اس درمیانی لکیر کے اردگرد چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت اسے گھیرے ہوئے ہے۔ جو اس دائرے سے باہر لکیر ہے یہ اس کی خواہشات ہیں اور یہ چھوٹی لکیریں آفات ہیں اگر ایک سے بچتا ہے تو دوسری اسے دبوچ لیتی ہے۔ اگر اس سے بچتا ہے تو اور کوئی اسے آلیتی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں، بیٹوں، سونا، چاندی، گھوڑوں، چوپایوں اور کھیتیوں کو لوگوں کے لیے خوش نما بنایا ہے۔

۲۔ یہ دنیا کی زندگی کے اسباب ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے بہتر مقام اور انعام ہے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ

آپ فرمادیں کیا میں تمہیں بتاؤں ساتھ بہت بہتر سے اس ان لوگوں کیلئے پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں پاس

رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ

انکے رب باغات جاری ہیں سے ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں اور بیویاں

مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

پاکیزہ اور خوشنودی سے اللہ اور اللہ خوب دیکھنے والا بندوں کو جو لوگ کہتے ہیں

رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

اے ہمارے رب بیشک ہم ایمان لائے لہٰذا بخش دے ہمیں ہمارے گناہ اور ہمیں بچا عذاب آگ

الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

صبر کرنیوالے اور سچ بولنے والے اور حکم بجالانیوالے اور خرچ کرنیوالے اور بخشش مانگنے والے سحری کے وقت

''آپ فرمادیجیے: کیا میں تمہیں اس سے بہت بہتر چیز نہ بتاؤں؟ کہ متقین کے لیے ان کے رب کے ہاں جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اچھی طرح دیکھنے والا ہے۔ (۱۵) وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے، لہٰذا ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ (۱۶) وہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، تابعداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت بخشش مانگنے والے ہیں۔'' (۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا پرستی کی بجائے آدمی کی نظر آخرت کی دائمی نعمتوں پر ہونی چاہیے ایسا وہی لوگ کرتے ہیں جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے رب سے معافی مانگتے ہیں۔

میرے نبی فرمائیں کہ اے دنیادارو! آؤ میں تمہیں اِن نعمتوں سے بڑھ کر نعمتیں بتاتا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے پرہیزگار بندوں کے لیے جنت میں تیار فرمائی ہیں۔ ایسی جنتیں ہیں کہ جن کے نیچے نہریں اور آبشاریں جاری ہیں۔ اس میں متقین کے لیے پارسا و باوفا اور حسن و جمال کی پیکر بیویاں ہوں گی۔ اس جنت کے وارث ایسے پرہیزگار ہوں گے جو نیکی اور پارسائی کے باوجود اپنے رب سے اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی طلب کرتے اور ہر دم جہنم کی ہولناکیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ ان کے یہ بھی اوصاف ہیں کہ وہ نیک کاموں پر مستقل مزاج، مصائب و مشکلات پر حوصلہ مند، سچ کے داعی، حق پر قائم رہنے والے، ہر حال میں اپنے رب کے فرماں بردار، عُسر و یُسر میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت اپنے رب کے حضور معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر قسم کے اعمال پر نگاہ رکھے ہوئے ہے کہ کون دنیا کی آسائشوں کو

مقدم جاننے والے اور کون اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دینے والے ہیں۔ بلاشبہ اپنے رب کی رضا کو ترجیح دینے والے لوگ جنت کے وارث ہوں گے اور ان پر اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ اپنی رضامندی کا اظہار فرمائیں گے۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُولُونَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيَقُولُ هَلْ رَضِيتُمْ فَيَقُولُونَ وَمَالَنَا لَانَرْضٰى وَقَدْ أَعْطَيْنَا مَالَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالُوا يَارَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَيَقُولُ أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ أَبَدًا»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو مخاطب کرتے ہوئے استفسار فرمائیں گے اے جنت میں رہنے والو! جنتی کہیں گے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں آپ کے حضور پیش ہیں۔ ہر قسم کی بھلائی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ استفسار فرمائے گا کیا تم خوش ہو؟ جنتی عرض کریں گے: اے ہمارے رب! بھلا ہم کیوں نہ خوش ہوں؟ آپ نے تو ہمیں ایسی نعمتیں عطا کی ہیں جو آپ نے اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں کیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے بھی بہتر نعمت عطا نہ کروں؟ جنتی عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! اس سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم پر ہمیشہ کے لیے خوش ہوں اب کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔''

مسائل

۱۔ جنتیوں پر اللہ تعالیٰ ہمیشہ راضی رہے گا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نیکوکار اور مجرموں کو دیکھ رہا ہے۔
۳۔ نیکوکار سحری کے وقت اپنے گناہوں کی معافی اور جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔
۴۔ اللہ کے بندے صابر، سچے، تابعدار، مخیر اور سحری کے وقت استغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مومنین کی صفات:

۱۔ زمین پر اللہ کا نظام رائج کرنے والے ہیں۔ (الحج: ۴۱) ۲۔ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ (المومنون: ۵۷)
۳۔ زمین پر امن کے داعی ہیں۔ (القصص: ۸۳) ۴۔ رات کے وقت کروٹ بدلتے ہوئے اپنے رب کو یاد کرتے ہیں۔ (السجدۃ: ۱۶)
۵۔ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ (الاحزاب: ۳۵)
۶۔ صبح وشام معافی مانگنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں۔ (آل عمران: ۱۷)

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ

گواہی دی اللہ بیشک وہ نہیں کوئی معبود مگر وہ اور فرشتے اور علم والے

قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

قائم انصاف کے ساتھ نہیں کوئی معبود مگر وہی بہت غالب خوب حکمت والا

''اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہلِ علم اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی معبود نہیں۔''(۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ اوصاف کا تقاضا ہے کہ ایماندار رہنے کا تقاضے ہے کہ اللہ کی توحید اور انصاف پر قائم رہیں

سورۃ کی ابتداء اللہ کی توحید سے ہوئی تھی اور اب پھر اسی مضمون کا اعادہ شہادت کے الفاظ میں ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے ربِ ذوالجلال اپنی ذات، صفات اور وحدانیت پر خود گواہی دے رہا ہے کہ میرے بغیر کائنات کا کوئی خالق و مالک نہیں اور میں ہی اکیلا معبودِ برحق ہوں اس کے بعد ملائکہ کی شہادت ڈالی جا رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بادشاہت کے عینی گواہ ہیں۔ ان کے بعد اہلِ علم کی گواہی پیش کی جا رہی ہے جو انصاف کی گواہی دینے والے اور ہر حال میں اس پر قائم رہنے والے ہیں۔ یہاں ''اُولُوا الْعِلْمِ'' سے مراد سب سے پہلے انبیاء کرام ہیں اور ان کے بعد درجہ بدرجہ ان کے اصحاب، شہداء اور مومن ہیں۔ اس فرمان سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ حقیقی اہلِ علم اور علمائے حق وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچار کرنے والے اور اس پر قائم رہتے ہیں۔ کائنات میں توحید سے بڑھ کر کوئی انصاف کی بات نہیں ہو سکتی جسے قسط کہا گیا ہے۔ قسط کا معنی ہے ''ہر چیز اپنے اپنے دائرۂ کار میں ٹھیک ٹھیک کام کرتی رہے'' جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمن کی ابتدا میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ شمس و قمر، نجم و شجر، زمین و آسمان اور ہوا و فضا میں جو کچھ بھی ہے وہ اصولِ قسط کے تحت رواں دواں اور قائم دائم ہے۔ یہ سب پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی نظامِ کائنات پر غالب، مالک اور تدبیر و حکمت کے ساتھ اس کا انتظام و انصرام کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت پر خود گواہی دیتا ہے۔ ۲۔ ملائکہ اور اہلِ علم ''اللہ'' کی توحید پر گواہ ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور وہی غالب، حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی شہادت:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر شہادت (آل عمران:۱۸) ۲۔ رسول کی وحی پر شہادت۔ (النساء:۱۶۶)

۳۔ حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر شہادت۔ (النساء:۷۹)

اِنَّ	الدِّيْنَ	عِنْدَ اللّٰهِ	الْاِسْلَامُ ۗ	وَمَا	اخْتَلَفَ	الَّذِيْنَ
بیشک	دین	اللہ کے نزدیک	اسلام	اور نہیں	اختلاف کیا	جو لوگ
اُوْتُوا	الْكِتٰبَ	اِلَّا	مِنْۢ	بَعْدِ	مَا	جَآءَهُمُ	الْعِلْمُ	بَغْيًۢا
دیے گئے	کتاب	مگر	سے	بعد	جو	آ گیا ان کے پاس	علم	ضد
بَيْنَهُمْ ؕ	وَمَنْ	يَّكْفُرْ	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	فَاِنَّ اللّٰهَ	سَرِيْعُ
آپس میں	اور جو	انکار کرے	اللہ کی آیات	تو بے شک	اللہ	بہت جلد لینے والا
الْحِسَابِ ⑲	فَاِنْ	حَآجُّوْكَ	فَقُلْ	اَسْلَمْتُ	وَجْهِيَ	لِلّٰهِ	وَمَنِ
حساب	پھر اگر	وہ آپ سے جھگڑیں	تو فرمادیں	میں نے مطیع کر دیا	اپنا چہرہ	اللہ کیلئے	اور جو

''یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور اہلِ کتاب نے علم آجانے کے بعد آپس میں ضد اور حسد کی بنا پر اختلاف کیا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا بہت جلد حساب لینے والا ہے۔(۱۹) پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو تم کہہ دو کہ میں اور میرے تابعداروں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: توحید اور اسلام دونوں مترادف ہیں۔ توحید اور اسلام کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔

کائنات کا پورا نظام مالکِ واحد کی ذات اور اس کے حکم کے تابع اور عدل وقسط کے اصول پر چل رہا ہے۔ یہی توحید کی روح اور اس کا تقاضا ہے کہ بنی نوعِ انسان کے انفرادی اور اجتماعی معاملات بھی تقاضائے توحید کے مطابق چلنے چاہئیں۔ توحید ہی اسلام کی بنیاد ہے اور یہی ایسا دین ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ، معتبر اور مقبول ہے۔ جس کے بنیادی ارکان اور اصول ہمیشہ سے ایک رہے اور تمام انبیاء کرام اسی اسلام کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو ایک جماعت قرار دیتے ہوئے فرمایا: {اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ}(الانبیاء:۹۲) ''یقیناً تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔''

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب خاتم الانبیاء تک انبیاء کی دعوت میں کبھی اختلاف نہیں رہا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ ہر نبی اپنے اپنے وقت میں لوگوں کے پاس دینِ اسلام لایا۔ لوگوں نے حقیقت معلوم ہو جانے کے باوجود اس دین کو ماننے سے انکار کیا اور انبیاء کرام کے جانے کے بعد دین کے ماننے والوں نے دین کے حصے بخرے کر دیے۔ یہودی ۷۱ فرقوں میں تبدیل ہوئے عیسائیوں نے ۷۲ گروہ بنا لیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سوائے ایک کے باقی سب کے سب جہنمی ہوں گے۔ (رواہ الترمذی: باب ماجاء فی افتراق ہذہ الأمۃ [صحیح])

حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے ساتھ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے اختلاف کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انہیں

اتَّبَعَنِ ؕ	وَقُلْ	لِّلَّذِيْنَ	اُوْتُوا	الْكِتٰبَ	وَالْاُمِّيّٖنَ	ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ
میری پیروی کی	اور فرمادیں	ان لوگوں سے	دیے گئے	کتاب	اوران پڑھ	کیاتم اسلام لاتے ہو

فَاِنْ	اَسْلَمُوْا	فَقَدِ	اهْتَدَوْا ۚ	وَاِنْ	تَوَلَّوْا	فَاِنَّمَا	عَلَيْكَ
پس اگر	وہ اسلام لائے	توتحقیق	انہوں نے راہ پالی	اوراگر	وہ منہ پھیریں	توصرف	آپ پر

ع ۱۱

الْبَلٰغُ ؕ	وَاللّٰهُ	بَصِيْرٌۢ	بِالْعِبَادِ ۝۲۰ ع
پہنچادینا	اوراللہ	خوب دیکھنے والا	بندوں کو

اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے۔ اہلِ کتاب اوران پڑھ لوگوں سے سوال کیجیے کہ کیا تم بھی سرِ تسلیم خم کرتے ہو؟ اگر یہ تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت پا جائیں گے اور اگر یہ روگردانی کریں تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔'' (۲۰)

دین سمجھنے میں کوئی غلط فہمی یا دقت پیش آئی۔ قرآنِ مجید دوٹوک انداز میں اختلافات کا سبب بیان کرتا ہے کہ دینِ اسلام کا انکار کرنے والوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔ حالانکہ وہ آپ ﷺ کی ذات اور دین کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ مگر ذاتی برتری، معاشرتی رجحانات، مسلکی تعصّبات اور مالی مفادات کی بنیاد پر انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ دین اللہ تعالیٰ نے ہی نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی ان سے حساب چکائیں گے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اے رسول ﷺ! اگر حقیقت عیاں ہوجانے کے باوجود یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ ان سے فرمائیں کہ مانو یا نہ مانو میں نے تو اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان کرلیا ہے۔ اس سے مراد کلی تابعداری ہے کیونکہ چہرہ ہی انسان کے جذبات اور اس کے رجحانات کا ترجمان ہوتا ہے۔ ہر زبان میں چہرے کی سپردگی کو پورے وجود کی سپرد داری سمجھا جاتا ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اختلافات، حالات اور ان کے تعصّبات سے بے پروا ہوکر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی غلامی اور دین کی سر بلندی کے لیے وقف کردیں۔ آپ کے پیروکاروں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی اہلِ کتاب، کفار، اَن پڑھ اور پڑھے لکھے لوگوں سے یہ پوچھیے کہ کیا تم بھی اپنے آپ کو زمین وآسمان کے خالق اور مالک کے تابع فرمان ہونے کے لیے تیار ہو؟ اگر تم ایسا کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے کیونکہ ہدایت کا دارومدار اور معیار صرف اسلام ہے۔ اگر یہ لوگ انکار کریں تو تمہارا کام سمجھانا ہے منوانا نہیں، پہنچانا ہے جھگڑنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں اور نافرمانوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اس سے ان لوگوں کی خود بخود نفی ہوجاتی ہے جو اسلامی طریقہ سے ہٹ کر دوسرے کاموں میں نیکی اور خیر سمجھتے ہیں۔

نجاشی کے سامنے اسلامی تعلیمات کے بارے میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا خطاب:

مکہ کے مہاجر مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا ''اے بادشاہ! ہم ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بت پوجتے تھے مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، قرابتداروں سے تعلق توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول

بھیجا۔اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت داری، پاکدامنی ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ ہم صرف ایک اللہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہم پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں۔اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری وخونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔اور فواحش میں ملوث ہونے' جھوٹ بولنے' یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔اس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔''

اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے اعمال گنوانے کے بعد فرمایا: ''ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا' اس پر ایمان لائے اور اس کے لائے ہوئے دین میں اس کی پیروی کی چنانچہ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جن باتوں کو اس پیغمبر ﷺ نے حرام بتایا انہیں حرام مانا، اور جن کو حلال بتایا انہیں حلال جانا اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی اس نے ہم پر ظلم وستم کیا اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے فتنے اور سزاؤں سے دوچار کیا۔تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں اور جن گندی چیزوں کو حرام سمجھتے تھے انہیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔جب انہوں نے ہم پر ظلم وجبر کیا، ہمارے لیے زمین تنگ کر دی۔ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی اور دوسروں پر آپ کو ترجیح دیتے ہوئے آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کی طرف سے ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' [سیرت ابن ہشام]

«قَالَ لَهُمُ النَّجَاشِيُّ إِنَّ هَذَا وَالَّذِي جَاءَ بِهِ عِيسَى لَيَخْرُجُ مِنْ مِشْكَاةٍ وَاحِدَةٍ انْطَلِقَا فَلَا وَاللَّهِ لَا أُسْلِمُهُمْ إِلَيْكُمَا وَلَا يُكَادُونَ» (سیرت ابن ہشام)

''نجاشی نے ان سے کہا کہ یہ کتاب اور عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیمات ایک ہی طاقچہ سے نکلی ہوئی شعائیں ہیں، تم دونوں چلے جاؤ اللہ کی قسم میں ان کو کبھی بھی تمہارے حوالے نہیں کروں گا اور یہ ممکن بھی نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی مقبول ہے۔۲۔اہل کتاب تعصب کی بنیاد پر اسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔۴۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والا ہدایت پائے گا۔
۵۔ رسول کا کام تبلیغ کرنا ہے۔۶۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تابعداری کا حکم:

۱۔ نبی کریم ﷺ کو مطیع ہونے کا حکم۔(الانعام: ۱۴) ۲۔ابراہیم علیہ السلام کو مطیع ہونے کا حکم۔ (البقرۃ: ۱۳۱)
۳۔ اولادِ ابراہیم علیہ السلام کو تابعدار ہونے کا حکم۔(البقرۃ: ۱۳۲، ۱۳۳) ۴۔سب کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے کا حکم۔(الحج: ۳۴)
۵۔ اسلام میں ہی پوری کی پوری ہدایت مضمر ہے۔(آلِ عمران: ۲۰)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَكْفُرُوْنَ	بِاٰيٰتِ	اللّٰهِ	وَيَقْتُلُوْنَ	النَّبِيّٖنَ	بِغَيْرِ حَقٍّ
بیشک	جولوگ	انکار کرتے ہیں	ساتھ آیات	اللہ	اوروہ قتل کرتے ہیں	انبیاء	ناحق
وَّيَقْتُلُوْنَ	الَّذِيْنَ	يَاْمُرُوْنَ	بِالْقِسْطِ	مِنَ	النَّاسِ	فَبَشِّرْهُمْ	
اوروہ قتل کرتے ہیں	جولوگ	حکم کرتے ہیں	انصاف کے ساتھ	سے	لوگوں	توخوشخبری دیں انہیں	
بِعَذَابٍ	اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾	اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	حَبِطَتْ	اَعْمَالُهُمْ	فِي	الدُّنْيَا
عذاب	دردناک	یہی	جولوگ	ضائع ہوگئے	ان کے اعمال	میں	دنیا
وَالْاٰخِرَةِ	وَمَا	لَهُمْ	مِّنْ	نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾			
اورآخرت	اورنہیں	ان کیلئے	سے	مددگار (جمع)			

''جولوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور ناحق انبیاء کو قتل کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا حکم دینے والوں کو بھی قتل کر ڈالتے ہیں۔ اے نبی! انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیجئے۔(۲۱) ان کے اعمال دنیا وآخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔''(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اسلام چھوڑ کر جس نے کفر کا راستہ اختیار کیا، انبیاء اور نیک لوگوں کو قتل کیا اس کی سزا عذابِ الیم ہے۔

اہلِ کتاب اور کفار کو بار بار اسلام کی دعوت دی گئی۔ لیکن انہوں نے اس دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے انکار اور مخالفت کا راستہ اپنایا بالخصوص یہودیوں کی یہ تاریخ ہے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی نبی اور مصلح آیا تو انہوں نے سمع واطاعت کی بجائے ان کے خلاف سازشوں اور تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ علامہ ابن جریر نے کئی حوالوں کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ یہودی اس قدر سازشی اور تخریب کار تھے کہ انہوں نے ایک ہی دن میں صبح کے وقت ۴۳ انبیاء کرام علیہم السلام اور دن کے پچھلے پہر ۷۰ اندھی رہنماؤں کو شہید کر دیا۔ تاریخ کے اس المناک سانحہ کی نشاندہی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء گرامی کو چوکس کیا جارہا ہے کہ یہودیوں کی ملمع سازی اور چکنی چپڑی باتوں سے بچتے رہیے۔ یہ ایسی قوم ہے کہ جن کی تاریخ گھناؤنے جرائم سے بھری ہوئی ہے۔ مدینے کے یہودیوں نے بھی آپ کے خلاف بارہا سازش کی کہ آپ کو شہید کر دیا جائے۔ ایک دفعہ آپ ایک مکان کے صحن میں تشریف فرما تھے یہودیوں نے پروگرام بنایا کہ کچھ لوگ آپ کو گفتگو میں مصروف رکھیں اور دوسرے آدمی چھت کے اوپر سے آپ پر بھاری پتھر پھینک کر آپ کا خاتمہ کر دیں۔ (البدایہ والنہایہ)

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک بوڑھا یہودی شاش بن قیس ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا۔ جس میں اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے لوگ بیٹھے محبت والفت کی باتیں کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بوڑھا یہودی سخت رنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔ بخدا اشراف کے اتحاد کے بعد تو ہمارا جینا محال ہے۔'' چنانچہ اس نے ایک نوجوان یہودی کو حکم دیا کہ انصار اور

مہاجرین کی مجالس میں جائے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر پھر جنگِ بُعاث اور اس کے واقعات کا ذکر کرے۔ اس سلسلے میں دونوں جانب سے جو اشعار کہے گئے ہیں انہیں سنائے اس یہودی نے ایسا ہی کیا۔ اس کے نتیجے میں اوس وخزرج میں تو تو میں میں شروع ہوگئی۔ لوگ جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر خنجر اٹھا لیے یہاں تک کہ دونوں قبیلوں کے آدمی ایک دوسرے کے خلاف گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ ایک نے اپنے مدمقابل سے کہا اگر چاہو تو ہم اس جنگ کو پھر شروع کرتے ہیں۔ اس پر دونوں فریقوں کو تاؤ آ گیا اور بولے چلو ہم تیار ہیں حرہ میں مقابلہ ہوگا۔ اسلحہ کی آوازیں بلند ہوئیں! اور لوگ اسلحہ لے کر حرہ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ خونریز جنگ ہو جاتی لیکن رسول کریم ﷺ کو بروقت خبر ہوگئی۔ آپ مہاجر صحابہ کو ہمراہ لے کر جھٹ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو کیا میرے ہوتے ہوئے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود آپس میں لڑ رہے ہو؟ آپ کے فرمان پر معاملہ ختم ہوا۔

سازشوں کا یہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری دور تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ ہجرت کے ساتویں سال لبید بن اعصم یہودی نے آپ پر جادو کا ایسا وار کیا کہ آپ کی طبیعت کئی دنوں تک نڈھال اور پریشان رہی۔ گویا اس زمانے میں سب سے بڑے تخریب کار اور تشدد پسند یہودی تھے اور آج بھی بین الاقوامی سازشوں اور تخریب کاریوں کے پیچھے یہودی ہی کارفرما ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار، انبیاء اور نیک لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ اس قدر ناراض ہوتا ہے کہ انہیں اذیت ناک عذاب کی تنبیہ کرنے کی بجائے خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ ایسے لوگوں کے دنیا اور آخرت میں اعمال غارت ہوں گے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

«عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْ قَتَلَ نَبِيًّا»

(رواہ احمد: باب مسند عبداللہ بن مسعود [حسن])

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب اس آدمی کو ہوگا جسے کسی نبی نے قتل کیا یا اس نے کسی نبی کو قتل کیا۔''

مسائل

۱۔ اللہ کے احکامات کے منکر اور انبیاء وعلماء کے قاتل جہنم میں جائیں گے۔

۲۔ دنیا وآخرت میں ان کے اعمال ضائع ہوں گے اور ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں کا گھناؤنا کردار:

۱۔ یہودی انبیاء کے قاتل ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۱۲) ۲۔ یہودیوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور انہیں قتل کیا۔ (المائدۃ: ۷۰)

۳۔ یہودی مشرک ہیں۔ (التوبۃ: ۳۰) ۴۔ یہودی سازشی ہیں۔ (آل عمران: ۵۴) ۵۔ یہودی لعنتی ہیں۔ (المائدۃ: ۷۸)

۶۔ یہودی جھوٹے اور سود خور ہیں۔ (المائدۃ: ۶۳) ۷۔ یہودی اللہ تعالیٰ کے گستاخ ہیں۔ (المائدۃ: ۶۴)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ

کیا نہیں تو نے دیکھا طرف جو لوگ دیے گئے ایک حصہ سے کتاب وہ بلائے جاتے ہیں

اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ

طرف کتاب اللہ تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان پھر پھر جاتا ہے ایک فریق

مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ

ان سے اور وہ منہ پھیرنے والے یہ اس لیے کہ بیشک وہ کہتے ہیں ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو آگ

اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

مگر چند دن گنتی کے اور انہیں دھوکہ میں ڈالدیا میں ان کا دین جو وہ تھے

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۗ

جھوٹ باندھتے پس کیا جب ہم انہیں جمع کرینگے ایسے دن میں نہیں شک اس میں

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور پورا دیا جائے گا ہر شخص جو اس نے کمایا اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے؟ وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، لیکن ان کی ایک جماعت اس سے منہ پھیر لیتی ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں۔ (۲۳) اس کی وجہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمیں چند دن ہی آگ چھوئے گی۔ ان کے دین نے ہی انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ (۲۴) پس کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو اپنے کیے کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اہلِ کتاب ہی پہلے کفر کرنے والے ہیں ان کے کفر کی بنیاد ان کا من ساختہ عقیدہ ہے کہ ہم چند دن جہنم میں جائیں گے حالانکہ وہاں ایک کے اعمال دوسرے کے لیے فائدہ مند نہیں ہوں گے۔

اے نبی ﷺ! کیا آپ نے اہلِ کتاب کے رویے پر غور نہیں فرمایا کہ جب بھی انہیں تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تو بلاوا سنتے ہی ان میں ایک گروہ سراسر منہ پھیر لیتا ہے۔ ایسا اس لیے کرتا ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہمیں جہنم کی آگ مَس نہیں کرے گی سوائے چند دنوں کے جن میں ہمارے بزرگوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ دراصل ان کا خود ساختہ دین ہی ان کے لیے فریبِ نفس اور ہدایت کے لیے سدِّ راہ بن چکا ہے۔ ان کی خود فریبیوں کا عالم یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے قرار دیتے ہیں اور لوگوں میں یہ تاثر پیدا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چند دنوں کے علاوہ

ہمیں ہرگز سزا نہیں دے گا۔ افسوس! یہی فریب کاریاں اور خوش فہمیاں آج امّتِ محمدیہ کی غالب اکثریت میں پیدا ہو چکی ہیں۔ کوئی آلِ رسول کا نام لے کر اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے، کسی نے عشقِ رسول کا نعرہ لگا کر لوگوں کو شریعت سے آزاد کر دیا ہے اور کچھ لوگوں نے دنیا میں ہی بہشتی دروازے کھول رکھے ہیں اور ان کے مذہبی پیشوا اور پیر و مرشد برملا اپنے مریدوں کو یہ سبق دیتے ہیں کہ جنت میں جانے کے لیے نیک اعمال کی ثانوی حیثیت ہے بزرگوں کو راضی رکھنا جنت کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے مترادف ہے اسی بناء پر مرشد پکڑنا اور کسی امام کی تقلید ضروری قرار دی جاتی ہے۔ ان کے خود ساختہ دعوؤں اور وعدوں کی نفی کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے دین نے ہی انہیں گمراہ کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ جو شخص دین کی خود ساختہ توجیح کی وجہ سے گمراہ ہو جائے اس کے لیے ہدایت پانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کی کسمپرسی کا کیا عالم ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ محشر کے میدان میں انہیں اپنے حضور جمع کرے گا؟ وہاں نہ تو نسب کام آئے گا نہ بزرگ فائدہ پہنچا سکیں گے اور نہ ہی پُرکشش نعرے سودمند ہوں گے۔ وہاں تو مجرموں کو دیکھتے ہی ہر کوئی ان سے دور بھاگ جائے گا۔ یہاں تک کہ جنم دینے والی ماں، پرورش کرنے والا باپ، فدا ہونے والے بھائی، اور جانثار بیوی، بیٹے اور بیٹیاں بھی ساتھ چھوڑ جائیں گی۔ پیر مریدوں سے اور مرید اپنے پیروں سے رفو چکر ہو جائیں گے۔ ہر شخص کو اس کے اچھے بُرے اعمال کی پوری پوری جزا یا سزا دی جائے گی کسی پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں ہونے پائے گا۔

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب کو اسلام کی دعوت دی جائے تو ان کی اکثریت اعراض کرتی ہے۔

۲۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ہم چند دن ہی جہنم میں جائیں گے۔ ۳۔ یہودیوں کے خود ساختہ دین نے ہی انہیں گمراہ کر دیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کو جمع کرے گا۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو پورا پورا بدلہ دے گا اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

کتاب اللہ سے اعراض کا نتیجہ:

۱۔ قرآن سے اعراض کرنے والے ظالم اور گمراہ ہیں۔ (الکہف: ۵۷)

۲۔ قرآن سے منہ پھیرنے والوں کی سزا جہنم ہے۔ (السجدۃ: ۲۲)

۳۔ قرآن سے اعراض کرنے والے قیامت کے دن اندھے ہوں گے۔ (طٰہٰ: ۱۲۴، ۱۲۵)

۴۔ اعراض کرنے والوں کو اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ (طٰہٰ: ۱۰۰، ۱۰۱)

۵۔ قرآن کا انکار برے لوگ ہی کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۹۹)

۶۔ قرآن سے اعراض کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں دوہرا عذاب ہوگا۔ (بنی اسرائیل: ۷۵)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ

آپ کہیں اے اللہ مالک بادشاہی تو دیتا ہے بادشاہی جسے تو چاہے اور چھین لیتا ہے سلطنت جس سے

تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ

تو چاہے اور عزت دیتا ہے جسے تو چاہے اور ذلیل کر دیتا ہے جسے تو چاہے تیرے ہاتھ میں سب خیر بیشک تو ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ

چیز خوب قادر تو داخل کرتا ہے رات میں دن اور تو داخل کرتا ہے دن میں رات اور تو نکالتا ہے زندہ

مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

سے مردہ اور تو نکالتا ہے مردہ سے زندہ اور تو رزق دیتا ہے جسے تو چاہے بے حساب

''تم کہہ دو اے اللہ! ساری کائنات کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت عطا فرمائے اور جسے چاہے ذلت دے تیرے ہی ہاتھ میں ہر قسم کی خیر ہے یقیناً تو ہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔(۲۶) تو ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔''(۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب اپنے حسد و بغض کی وجہ سے اسلام کی عظمت اور نبی محترم ﷺ کی حرمت ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں حالانکہ عزت و ذلت، اختیار و اقتدار، موت و حیات اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

یہودی اپنے آپ کو سلسلۂ نبوت کا وارث سمجھتے ہیں جس بنا پر انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو تختہ دار پر لٹکانے کی سازش کی اور اسی بنا پر یہ رسولِ محترم ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہوئے اور رہتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں سب سے پاک، معزز اور اللہ تعالیٰ کے مقرب یہودی ہیں لہٰذا جب بھی غلبۂ اسلام یا مسلمانوں کی عزت و اقبال کی بات ہو تو یہ لوگ اپنے آپ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ان کا حسد و بغض اپنے عروج پر پہنچا ہوا تھا۔ جب کبھی مسلمانوں کو تابناک مستقبل کے بارے میں خوشخبری سنائی جاتی تو یہودی طعنہ زن ہوتے کہ جنہیں پہننے کے لیے کپڑا، کھانے کے لیے روٹی، سر چھپانے کے لیے مکان میسر نہیں اور جن کا معاشرے میں کوئی مقام نہیں کیا یہ لوگ سلطنتِ روما پر قابض اور ایران کے فاتح بنیں گے؟ ایسے لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے آپ ﷺ کو یہ عظیم دعا سکھلائی گئی جو دعا بھی ہے، مستقبل کی پیش گوئی بھی اور مسلمانوں کے عقیدے کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ اس میں مسلمان اپنے مولا کے حضور اس خواہش کا اظہار اور فریاد کرتا ہے کہ الٰہی! اس لامحدود اور بے کنار مملکت اور اختیارات کا تو ہی مالک اور بادشاہ ہے تیرے اختیار میں ہے کہ تو گداؤں کو بادشاہ بنا دے اور بادشاہوں کو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دے۔ عزت والوں کو ان کی سرمستیوں کی وجہ

سے ذلیل کردے اور لوگوں کی نظروں میں ناچیز اور حقیروں کو معزز اور محترم ٹھہرادے۔ پوری کی پوری خیر تیرے ہی قبضہ میں ہے بلاشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ لیکن یہودیوں کی طرح کتنے لوگ اور حکمران ہیں جو ''أَنَا وَلَا غَيْرِيْ'' کے نعرے لگاتے ہیں کہ ہمارے اقتدار اور اختیار کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں۔ ہماری طرف بڑھنے والے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے۔ لیکن جب احکم الحاکمین کا فیصلہ صادر ہوا تو جو ہاتھ بادشاہوں، افسروں اور لیڈروں کے گلے میں پھول پہنایا کرتے تھے وہی ہاتھ ان کی موت کا سبب ثابت ہوئے۔ یہاں اسی عقیدے کی ترجمانی کی گئی ہے۔

الٰہی! تو ہی رات کو دن میں اور دن کی روشنی کو رات کی تاریکیوں میں گم کرتا ہے۔ تو مردہ سے زندہ پیدا کرتا اور زندہ سے مردہ نکالتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہماری روزی ہے تو جسے چاہے بغیر حساب کے عطا فرماتا ہے۔ دعا کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح رات کے اندھیروں کے بعد دن کا اجالا ہوتا ہے اسی طرح مصائب اور مشکلات کے بعد آسانیاں ہوا کرتی ہیں۔ جس طرح دن کی روشنی کو رات کی تاریکیاں آلیتی ہیں ایسے ہی تندرستی کے بعد بیماری، دولت کے بعد غربت اور کامیابی کے بعد ناکامی آدمی کا مقدر بن جاتی ہے۔ گویا کہ جس طرح زندگی دن رات سے عبارت ہے اسی طرح غمی وخوشی اور بیماری وتندرستی آپس میں جُڑے ہوئے اور زندگی کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بے حساب رزق دینے کا معنیٰ یہ ہے کہ جب وہ دینے پر آتا ہے تو لینے والے کو بھی اندازہ نہیں رہتا۔ یہ اس کے بے حساب رزق دینے کا ہی نتیجہ ہے کہ مالداروں نے اپنا حساب وکتاب رکھنے کے لیے کئی کئی کیشیئر اور کلرک رکھے ہوتے ہیں۔ اب تو کیش گننے کے لیے کمپیوٹر اور مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود بھی مال داروں کو اپنی جائیداد اور سرمایہ کا اندازہ نہیں ہوتا اس میں سرمایہ دار کی محنت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رزّاقی اور اس کی مشیت کا دخل ہوتا ہے جس کی حکمت وہی جانتا ہے۔

مسائل

۱۔ اقتدار وزوال اور عزت وذلّت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ۲۔ ہر قسم کی خیر اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرنے والا ہے۔
۴۔ وہ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ نکالتا اور بے حساب رزق دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے اختیارات:

۱۔ اللہ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ (آلِ عمران: ۲۷) ۲۔ اللہ مردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ (الاحقاف: ۳۳)
۳۔ اللہ جسے چاہتا ہے معزز اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ (آلِ عمران: ۲۶)
۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو پیدا کرے گا۔ (البقرہ: ۲۸) ۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ: ۲۰)
۶۔ اللہ سب کو مار کر دوسری مخلوق پیدا کرسکتا ہے۔ (النساء: ۱۳۳)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نہ بنائیں مومن (جمع) کافر (جمع) دوست (جمع) سے علاوہ مومن (جمع) اور جو کرے

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ

ایسا تو نہیں سے اللہ میں کچھ سوائے یہ کہ بچاؤ کرو تم ان سے بچاؤ کرنا

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ

اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنی ذات اور طرف اللہ لوٹنا فرمادیں اگر تم چھپاؤ جو میں

صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

تمہارے سینے (دل) یا تم ظاہر کرو اسکو جانتا ہے اسے اللہ اور وہ جانتا ہے جو میں آسمانوں اور جو میں

الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

زمین اور اللہ پر ہر چیز خوب قادر دن پائے گی ہر جان جو اس نے کیا

مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا

سے نیکی موجود اور جو اس نے کیا سے برائی آرزو کریگی کاش بیشک اسکے درمیان

وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ ع

اور اسکے درمیان فاصلہ لمبا اور تمہیں ڈراتا ہے اللہ اپنی ذات اور اللہ بہت شفقت کرنے والا بندوں پر

''مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا مگر یہ کہ کوئی مسلمان ان کے شر سے بچنے کے لیے ایسا کرے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ (۲۸) فرما دیجیے کہ خواہ اپنے دلوں کی باتیں چھپاؤ یا انہیں ظاہر کرو اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۹) جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں اور برائیوں کو موجود پائے گا اور آرزو کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کی برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی شفقت کرنے والا ہے۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب عزت و ذلت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو ذاتی مفاد اور دنیوی عزت کی خاطر اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ قلبی محبت اور تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ دنیا میں جو لوگ جان بوجھ کر گناہوں سے نہیں بچتے قیامت کے دن خواہش کرنے کے باوجود عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

مدینہ طیبہ میں ہجرت کے ابتدائی ایام تک کئی مسلمان کافروں کو اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کو کفار

کے ساتھ رہنے کے بنیادی اصول سے آگاہ کیا جارہا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کفار کو اپنا دلی دوست بنائے اور اسے مومن بھائی سے مقدم سمجھے۔ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی کیونکہ عزّت و ذلّت، غربت و دولت اور اختیار و اقتدار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ عام طور پر یہی چیزیں ایک غریب آدمی کو امیر کے سامنے دست نگر بناتی اور مرعوب کرتی ہیں۔ جب ہر قسم کی خیر اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو پھر مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے ہم عقیدہ بھائی کو چھوڑ کر یا مومن سے زیادہ اللہ کے باغیوں کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔ البتہ وقتی طور پر کسی خوف یا مصلحت کی خاطر دوستی رکھی جاسکتی ہے۔ تفصیل کے لیے سورۃ توبہ رکوع ۹ کی تلاوت کریں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف اپنی ذات سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی کی طرف تم نے پلٹ کر جانا ہے۔ تم کوئی چیز چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے کیونکہ وہ آسمانوں کے چپے چپے اور زمین کے ذرّے ذرّے سے واقف اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ تمہیں اس دن جمع کرے گا جس دن ہر کسی کے سامنے اس کے اچھے یا برے کام پیش کیے جائیں گے۔ مجرم اس وقت اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ کاش! میرے اور میرے جرائم کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہو جائے۔ سورۃ النباء آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا} ''کافر کہے گا کاش میں مٹی کے ساتھ مٹی بنا رہتا۔'' اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ اس کی جلالت سے ڈرانے کا مقصد یہ ہے کہ تم کفار اور اپنے مفاد کے چھن جانے سے نہ ڈرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کبریا سے ڈرتے رہو۔ جو اس سے ڈرتے ہیں وہ کسی سے نہیں ڈرا کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے تابع فرمان بندوں کے ساتھ نہایت ہی شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ کافر کو دلی دوست بنانا جائز نہیں۔ ۲۔ مصلحت کی خاطر کافر سے عارضی دوستی ہو سکتی ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے ہی ڈرنا چاہیے، سب نے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔
۴۔ انسان کوئی چیز چھپائیں یا ظاہر کریں اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ ۵۔ مجرم اپنے جرائم سے دور بھاگنے کی تمنا کرے گا۔
۶۔ قیامت کے دن ہر آدمی کے سامنے اس کے نیک اور برے اعمال پیش کئے جائیں گے۔
۷۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو ڈرانے والا اور نیکوں کے ساتھ شفقت کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار سے قلبی دوستی کی اجازت نہیں:

۱۔ کافروں سے دوستی کی ممانعت۔ (آلِ عمران: ۲۸) ۲۔ کافروں کو خوش کرنے کی ممانعت۔ (الانعام: ۱۵۰)
۳۔ کفار کی پیروی کا نقصان۔ (آلِ عمران: ۱۴۹) ۴۔ یہود و نصاریٰ کی پیروی پر انتباہ۔ (البقرہ: ۱۲۰)
۵۔ جب تک یہود و نصاریٰ کی پیروی نہ کی جائے یہ خوش نہیں ہوتے۔ (البقرہ: ۱۲۰)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

آپ فرمادیں اگر تم ہو محبت کرتے اللہ تو تم میری پیروی کرو تم سے محبت کرے گا اللہ

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا

اور وہ بخش دیگا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا آپ فرمادیں تم اطاعت کرو

اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اللہ اور رسول پھر اگر وہ پھر جائیں تو بیشک اللہ نہیں دوست رکھتا کافر (جمع)

''فرمادیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (۳۱) فرمادیجیے! کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اسلام کے دشمنوں سے محبت رکھنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور یہ اطاعتِ رسول کے بغیر ممکن نہیں ہوگی۔

دنیا میں ہر مذہب کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت کے حصول کے لیے اپنے اپنے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں۔ یہودی انبیاء کی اولاد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ اپنے آپ کو ''اللہ'' کے بیٹے سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر ان کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ کے سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ مشرکوں نے اپنے بزرگوں، بتوں اور مزارات کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا وسیلہ ٹھہرالیا ہے کچھ لوگوں نے دنیا سے لاتعلق ہوکر گوشہ نشینی، صحرانوردی اور چلہ کشی کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ بنایا ہے۔ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام، ان کی والدہ، پوپ اور پادری کو درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا زینہ بنایا ہے۔ مسلمانوں نے زندہ اور فوت شدہ بزرگوں کو وسیلہ بنالیا ہے۔ یہاں مثبت اور لطیف انداز میں ان طریقوں کی نفی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے اعلان کروایا گیا ہے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے طلب گار ہو تو اس کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ تم صرف میری فرمانبرداری کرو۔ کیونکہ میری اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرتے ہوئے تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔ مسلمان اور کافر کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے ورنہ عیسائی، یہودی، مجوسی، ہندو، سکھ، بدھ مت، غرضیکہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جو کسی نہ کسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا اعتراف اور اس کی عبادت نہ کرتی ہو۔ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآنِ مجید انہیں کافر گردانتا ہے؟ اگر مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے اپنے انداز میں مانیں اور اس کی عبادت اپنے اپنے طریقے سے کریں تو مقامِ رسالت اور آپ کی اتباع کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ کاش کہ مسلمان اتباعِ رسول کو سمجھنے کی کوشش کریں اور آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا وسیلہ بنا کر دنیا و آخرت کی کامرانیوں سے سرفراز ہوجائیں۔ مقامِ نبوت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع اختیار کرنے کے لیے عقل مند کے لیے

آپ کا ایک ہی ارشاد کافی ہے جو شخص اس کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انحراف کرتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انکار کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اچانک آپ کے سامنے تورات کا کچھ حصہ پڑھنا شروع کیا جس میں قرآنِ مجید کے احکامات کی تائید پائی جاتی تھی۔ جوں جوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات پڑھ رہے تھے آپ کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ آپ تورات پڑھے جا رہے ہیں جب کہ سرورِ دو عالم ﷺ اس پر خوش نہیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت خواہانہ انداز میں عرض کیا کہ میں تو اللہ اور اس کے رسول پر مطمئن اور راضی ہوں تب آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا جو ہر مسلمان کے لیے مشعلِ زندگی ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ مُوسَى ﷺ كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي»

(رواه احمد: باب باقی مسند جابر بن عبداللہ [صحیح])

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کیے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔''

مسائل

۱۔ رسول محترم ﷺ کی اتباع ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے سبب اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرتا ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کفار سے محبت نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

رسولِ معظم ﷺ کی اطاعت کے ثمرات:

۱۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ (النساء: ۸۰) ۲۔ اطاعت میں کامیابی ہے۔ (الاحزاب: ۷۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہے۔ (آل عمران: ۱۳۲)

۴۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی محبت اور بخشش کا ذریعہ ہے۔ (آل عمران: ۳۱)

۵۔ اطاعتِ رسول سے نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی۔ (النساء: ۶۹)

۶۔ رسول ﷺ کی اطاعت کامیابی کی ضمانت ہے۔ (الاحزاب: ۷۱)

۷۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ (الفتح: ۱۷)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ

بیشک اللہ چن لیا آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کا خاندان اور عمران کا خاندان پر سارے جہان اولاد

بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ

بعض ان کے سے بعض اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا جب کہا بی بی عمران کی

رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ

اے میرے رب بیشک میں میں نے نذر مانی تیرے لیے جو میں میرا پیٹ آزاد کیا ہوا چنانچہ تو قبول فرما مجھ سے

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ

بیشک تو تو خوب سننے والا خوب جاننے والا پھر جب اس نے اس کو جنم دیا اس نے کہا اے میرے رب یقیناً میں نے

وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ

جنم دیا اس کو لڑکی اور اللہ خوب جاننے والا جو اس نے جنا اور نہیں مذکر مانند مؤنث اور بیشک میں نے

سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

اس کا نام رکھا مریم اور بیشک میں پناہ میں دیتی ہوں اسکو تیری اور اس کی اولاد کو سے شیطان مردود

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمایا۔ (۳۳) یہ سب ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ (۳۴) جب عمران کی بیوی نے عرض کیا! اے میرے رب! میرے بطن میں جو کچھ ہے اسے میں نے تیری نذر کر دیا ہے تو اسے میری طرف سے قبول فرما۔ یقیناً تو خوب سننے اور خوب جاننے والا ہے۔ (۳۵) جب اس نے اسے جنم دیا تو کہنے لگی اے پروردگار! میرے ہاں تو لڑکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو اس نے جنم دیا اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں، میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔'' (۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہاں سے خطاب کا رخ عیسائیوں کی طرف کیا جا رہا ہے۔ جس کی ابتدا حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے خاندانی حالات سے کی گئی ہے کہ یہ سب انسان تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس طرح خدا بن گئے؟

عیسائیوں کے نظریات کی اصلاح، حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کے بارے میں ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے سے پہلے دنیا کی عظیم ترین شخصیات کا اس لیے حوالہ دیا جا رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور محبوب پیغمبر ہیں، مگر ان شخصیات سے عظیم تر نہیں بلکہ وہ انہی کے روحانی اور نسبی فرزند ہیں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا خاندانی پس منظر اس طرح ہے کہ جب ان کے نانی حضرت عمران علیہ السلام کی بیوی نے اپنے رب کے حضور یہ نذر مانی کہ اے اللہ! میرے بطن میں جو ہے میں اسے تیرے لیے

وقف کرتی ہوں۔تو میری طرف سے اسے قبول فرما۔لیکن جب اس نے جنم دیا تو وہ بیٹے کی بجائے بیٹی تھی اس نے اپنے رب کے حضور عرض کی کہ الٰہی! یہ تو بیٹی پیدا ہوئی ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا جو اس نے جنم دیا ہے بلاشبہ لڑکی لڑکے کی مانند نہیں ہوسکتی۔زوجہ عمران نے اس کا نام مریم رکھنے کے بعد دعا کی کہ الٰہی! میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان لعین سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد کو خوب قبول فرمایا اور حضرت مریم علیہا السلام کی بہترین نشوونما فرمائی اور اس کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کے ذمہ ٹھہری۔حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کے بارے میں مشہور مفسر امام رازی لکھتے ہیں کہ مریم کی والدہ نہایت ہی بوڑھی ہوچکی تھیں۔ایک دن ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھیں۔کیا دیکھتی ہیں کہ ایک پرندہ اپنے بچوں کے منہ میں منہ ڈال کر دانہ کھلا رہا ہے اس منظر نے ان کی طبیعت میں عجیب احساس پیدا کیا۔فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگیں کہ الٰہی! اگر تو مجھے بیٹا عطا فرمائے تو میں اسے تیری راہ میں وقف کروں گی جس کے نتیجے میں مریم علیہا السلام پیدا ہوئیں۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہر پیدا ہونے والے بچے کو شیطان مس کرتا ہے۔بچہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے چیختا ہے لیکن مریم اور عیسیٰ علیہما السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی **{وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ}** (رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم)

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ»

(رواہ البخاری: کتاب الأیمان والنذور، باب النذر فی الطاعة)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے پورا کرنا چاہیے اور جو ''اللہ'' کی نافرمانی کی نذر مانے اسے اس سے باز رہنا چاہیے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب کرلیا تھا۔

۲۔ نذر پوری کرنی چاہیے۔ ۳۔حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے شر سے محفوظ رکھا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ حضرات:

۱۔ آدم، نوح علیہما السلام، آل ابراہیم اور آل عمران۔(آلِ عمران: ۳۳) ۲۔حضرت مریم علیہا السلام۔(آلِ عمران: ۴۲)

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔(الاعراف: ۱۴۴) ۴۔حضرت ابراہیم علیہ السلام منفرد اور منتخب۔(البقرۃ: ۱۳۰)

۵۔ حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام اللہ کے منتخب کردہ ہیں۔(ص: ۴۵ تا ۴۷)

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین ہیں۔(الانبیاء: ۱۰۷۔ الاحزاب: ۴۰)

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ

تو قبول کیا اس کو	اس کا رب	قبول کرنا	اچھا	اور پرورش کی اس کی	پرورش	اچھی

وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ

اور اس نے اس کا کفیل بنایا	زکریا	جب کبھی	داخل ہوا	اس پر	زکریا	محراب	اس نے پایا

عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ

اس کے پاس	کھانا	اس نے کہا	اے مریم	کہاں تیرے لیے	یہ	اس نے کہا	یہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

سے	پاس	اللہ	بیشک اللہ	رزق دیتا ہے	جسے	چاہے	بے حساب

''چنانچہ اس کے پروردگار نے اسے اچھی طرح قبول فرمالیا اور بہترین پرورش فرمائی اور اس کی کفالت زکریا کو سونپی۔ جب کبھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے تو اس کے پاس رزق پاتے، وہ پوچھتے اے مریم! یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

حضرت مریم علیہا السلام جب بڑی ہوئیں تو انہیں حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دیا گیا۔ اس زمانے کے مذہبی رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف لوگ تارک الدّنیا ہو کر مسجدِ اقصیٰ میں تعلیم وتربیت اور ذکر واذکار میں مصروف رہتے تھے۔ ان میں وہ عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو دنیا کے معاملات سے الگ کرلیا ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام انہی ذاکرات میں شامل ہو کر اپنے حجرے میں محوِ عبادت رہا کرتی تھیں۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد تھا۔ ایک دن زکریا علیہ السلام ان کے ہاں حجرے میں تشریف لائے تو ان کے پاس غیر موسمی عمدہ پھل دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ بیٹی مریم یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بلا حساب رزق سے نوازتا ہے۔ یہ سنتے اور اللہ کی قدرت دیکھتے ہی حضرت زکریا علیہ السلام کے رونگٹے کھڑے ہوئے اور وجود تھر تھرانے لگا اور بے ساختہ ہاتھ اللہ کے حضور اٹھے اور فریاد کرنے لگے کہ اے میرے رب! مجھے بھی اپنی جناب سے نیکوکار اولاد نصیب فرما یقیناً تو دعا سننے والا ہے زکریا علیہ السلام ابھی اسی حجرے میں نماز کی حالت میں کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کا نزول ہوا اور انہوں نے آپ کو یہ نوید سنائی کہ اے زکریا! خوش ہو جایئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا عطا فرمائیں گے جس کا نام یحییٰ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی تصدیق کرے گا اور وہ سردار ہوگا نہایت ہی پاک باز، اپنے آپ کی حفاظت کرنے والا اور انبیاء میں سے ہوگا۔ کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ''حَصُوْرًا'' کا معنی ہے کہ مجرّد رہیں گے

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ

وہیں دعا کی زکریا اس کا رب اس نے کہا اے میرے رب عطا کر مجھے سے

لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ

اپنے پاس اولاد پاک بے شک تو خوب سننے والا دعا تو پکارا اس کو فرشتہ (جمع) اور وہ

قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا

کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے میں محراب بیشک اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی تصدیق کرنیوالا

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

ساتھ ایک کلمہ سے اللہ اور سردار اور نفس کو قابو رکھنے والا اور نبی سے نیکوکار (جمع)

رزق دیتا ہے۔(۳۷) اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تو دعا سننے والا ہے۔(۳۸) پس فرشتوں نے اسے آواز دی جب کہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا، سردار، نفس پر قابو پانے والا، نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوگا۔''(۳۹)

جس کی غالباً حکمت یہ تھی کہ یہود دنیا کے بندے بن چکے تھے۔ دنیا سے بے رغبتی دلانے کے لیے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنی ذات کو نمونہ کے طور پر پیش کیا تا کہ یہودیوں میں دنیا کے بارے میں بے رغبتی پیدا ہو سکے۔

مسائل

۱۔ حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نشوونما سے نوازا تھا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے۔ ۳۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام سردار اور شرم وحیا والے اور نبی تھے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت:

۱۔ کفالت میں جھگڑا۔(آلِ عمران: ۴۴) ۲۔ جھگڑے کے حل کا طریقہ کار۔(آلِ عمران: ۴۴)

۳۔ حضرت زکریا علیہ السلام کفیل ہوئے۔(آل عمران: ۳۷)

اولاد کی بشارت:

۱۔ زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام کی بشارت۔(مریم: ۷) ۲۔ مریم کو عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی۔(مریم: ۱۷، ۱۹)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی خوشخبری۔(الصافات: ۱۰۱، الذاریات: ۲۸)

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے کی خوشخبری۔(ھود: ۷۱)

قَالَ	رَبِّ	اَنّٰى	يَكُوْنُ	لِىْ	غُلٰمٌ	وَّقَدْ
اس نے کہا	اے میرے رب	کیسے	ہوگا	میرے لیے	لڑکا	اور تحقیق
بَلَغَنِىَ	الْكِبَرُ	وَامْرَاَتِىْ	عَاقِرٌ ؕ	قَالَ	كَذٰلِكَ	اللّٰهُ
پہنچ گیا مجھے	بڑھاپا	اور میری عورت	بانجھ ہے	اس نے کہا	اسی طرح	اللہ
يَفْعَلُ	مَا يَشَآءُ ۝۴۰	قَالَ	رَبِّ	اجْعَلْ	لِّىْٓ	اٰيَةً ؕ
کرتا ہے	جو وہ چاہتا ہے	اس نے کہا	اے میرے رب	مقرر فرما دے	میرے لیے	کوئی نشانی
قَالَ	اٰيَتُكَ	اَلَّا	تُكَلِّمَ	النَّاسَ	ثَلٰثَةَ	اَيَّامٍ	اِلَّا
اس نے کہا	تیری نشانی	یہ کہ نہ	تو بات کرے گا	لوگوں سے	تین	دن	مگر
رَمْزًا ؕ	وَاذْكُرْ	رَّبَّكَ	كَثِيْرًا	وَّسَبِّحْ	بِالْعَشِىِّ	وَالْاِبْكَارِ ۝۴۱ ع
اشارہ سے	اور تو یاد کر	اپنے رب کو	بہت	اور تسبیح کر	شام	اور صبح

ع ۴ ۱۱ ۱۲

''کہنے لگے اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ (۴۰) کہنے لگے پروردگار! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دیجیے فرمایا نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک اشارے کے سوا لوگوں سے بات نہیں کر سکے گا۔ تو اپنے رب کا ذکر اور تسبیح کثرت کے ساتھ صبح و شام کرتا رہ۔'' (۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت زکریا علیہ السلام سے ملائکہ کی گفتگو۔

قدرتِ کاملہ کی طرف سے دنیا میں کچھ واقعات ایسے رونما ہوتے ہیں کہ جن کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے آدمی ان کی توقع نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ واقعات سامنے آجاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آدمی حیرت کی تصویر بن جاتا ہے ایسے واقعات پر تعجب کا اظہار کرنے سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ کچھ واقعات پر انبیاء کرام علیہم السلام بھی تعجب میں مبتلا ہو جاتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور زندگی سے متعلقہ کئی واقعات ایسے ہیں جو زمانے میں پہلی اور ایک ہی دفعہ رونما ہوئے ہیں۔ ان واقعات میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو پوچھا اے مریم! یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت مریم علیہا السلام نے عرض کیا کہ خالو! یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت کا نتیجہ ہیں وہ جسے چاہے بغیر اسباب اور بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ جنابِ زکریا علیہ السلام کے کلیجے پر چوٹ لگی کہ مریم کو بے موسم پھل اس حجرے میں مل سکتے ہیں تو مجھے اس عمر میں اولاد کیوں نہیں مل سکتی؟ چنانچہ بے ساختہ دعا نکلی اے رب! مجھے بھی اپنی قدرتِ کاملہ سے نیک اولاد عطا فرما۔ اس دعا کے صلہ میں جب ملائکہ نے انہیں بیٹے کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ اس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس سے پہلے اس نام کا کوئی شخص نہیں ہوا۔ تو زکریا علیہ السلام حیرت زدہ ہو کر اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ بارِ الٰہ! مجھے کس طرح

بیٹا نصیب ہوگا جب کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی جسمانی طور پر بچہ جننے کے لائق نہیں؟ حالانکہ وہ اس سے پہلے دعا کیا کرتے تھے کہ میری بیوی بانجھ اور میرے بال بڑھاپے سے سفید ہو چکے ہیں اس کے باوجود اللہ! میں تیرے کرم سے مایوس نہیں ہوا۔ (مریم ۲ تا ۷) لیکن جب ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی تو تعجب کا اظہار فرمانے لگے۔ تعجب کا اظہار ملائکہ سے کرنے کی بجائے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ اولاد دینے والا تو ''اللہ'' ہے اور یہ خوشخبری بھی اسی کی طرف سے تھی۔ فرشتہ تو محض پیغام رساں ہے۔ زکریا علیہ السلام کے تعجب کے جواب میں ارشاد ہوا کہ میرے بندے! اللہ اپنے کام کو خود ہی جانتا ہے اور وہ اسی طرح ہی کرتا ہے جس طرح اس کی منشا ہوتی ہے۔ پھر عرض کرنے لگے: اے رب! میرے لیے بیٹے کی کوئی واضح نشانی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارے کے علاوہ کلام نہیں کر سکو گے ان دنوں خاص طور پر صبح وشام اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر یہ ادا کرتے رہو۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ أَتَشَبَّثُ بِهِ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ» (سنن ترمذی باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الذِّكْرِ [صحيح])

''حضرت عبداللہ بن بسر بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! شریعت کے احکام مجھے بہت زیادہ لگتے ہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جسے میں اپنا نصب العین بنالوں۔ آپ نے فرمایا: تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہنی چاہئے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے وہ جس طرح چاہے کرتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ بانجھ عورت کو بچہ دے سکتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کو صبح وشام کثرت کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں بھی اولاد دے دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں اولاد دینے پر قادر ہے:

۱۔ زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد دی۔ (مریم: ۷، ۸) ۲۔ ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔ (ھود: ۷۱، ۷۲)

اللہ کا ذکر:

۱۔ اللہ کا ذکر بڑی بات ہے۔ (العنکبوت: ۴۵) ۲۔ اللہ کا ذکر کرنے کا حکم۔ (البقرۃ: ۱۵۲)
۳۔ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔ (الانفال: ۴۵) ۴۔ اللہ کو گڑگڑا کر صبح وشام آہستہ یاد کرو۔ (الاعراف: ۲۰۵)
۵۔ ''اللہ'' کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ (الرعد: ۲۸)
۶۔ ''اللہ'' کے ذکر سے غافل لوگوں پر شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔ (الزخرف: ۳۶)
۷۔ ''اللہ'' کے ذکر سے غافل لوگ گھاٹے میں ہیں۔ (المنافقون: ۹)
۸۔ ''اللہ'' کے ذکر سے اعراض کرنا اس کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ (الجن: ۱۷)

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ

اور جب کہا فرشتہ (جمع) اے مریم بیشک اللہ تجھے چن لیا اور پاک کیا تجھ کو اور برگزیدہ کیا تجھ کو پر عورتیں

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ

تمام جہان اے مریم تو فرمانبرداری کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والے یہ

مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ

سے خبریں غیب ہم یہ وحی کرتے ہیں تیری طرف اور نہیں آپ تھے ان کے پاس جب وہ ڈال رہے تھے

اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اپنے قلم (جمع) کون ان میں سے پرورش کرے مریم اور نہ تو تھا ان کے پاس جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے

''اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ اور پاک کر دیا ہے اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب فرمایا ہے۔ (۴۲) اے مریم! تو اپنے رب کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ (۴۳) یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ (اے نبی!) جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا؟ آپ ان کے پاس نہیں تھے اور نہ ہی ان کے جھگڑے کے وقت آپ ان کے ہاں موجود تھے۔'' (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خطاب کا رخ حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ہوتا ہے۔

سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا کہ حضرت مریم کی والدہ جو حضرت عمران علیہ السلام کی بیوی اور عیسیٰ علیہ السلام کی نانی ہیں انہوں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عطا فرمائے گا تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نذر کر دے گی لیکن بیٹے کی بجائے مریم پیدا ہوئی تو اس نے مریم کو ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا جو مسجدِ اقصیٰ کے متصل ایک حجرے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتی تھی۔ جب حضرت مریم سن بلوغت کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ نے یہ پیغام دیا کہ اے مریم! اللہ نے تجھے منتخب فرما لیا ہے گناہوں، حیض ونفاس اور لوگوں کے الزامات سے پاک کر دیا ہے اور تجھے دنیا کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے لہٰذا اے مریم! اپنے رب کی تابعدار بن جا، اس کے حضور سجدہ ریز ہوتی رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ» (رواه البخاری: باب وإذ قالت الملائكة يا مريم)

''حضرت عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عورتوں میں مریم بنتِ عمران علیہا السلام اور خدیجہ رضی اللہ عنہا بہترین عورتیں ہیں۔''

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

(رواہ احمد: باب مسند أبی سعید الخدری [صحیح])

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔''

«عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ»

(رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالی إذ قالت الملائکۃ یا مریم إن اللہ یبشرک)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: عورتوں میں عائشہ کی فضیلت ایسے ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی ہے، مردوں میں کامل لوگ بہت ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنتِ عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے علاوہ کوئی کامل نہیں۔''

علامہ رازی نے امام اوزاعی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نماز میں اس قدر طویل قیام کرتی کہ ان کے پاؤں سے خون رسنا شروع ہوجاتا۔ واقعہ کے بیان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ میرے پیغمبر! یہ غیب کی خبریں ہیں جو تمہارے سامنے بیان کی جارہی ہیں کیونکہ تم اس وقت موجود نہیں تھے جب لوگ مریم کو اپنی کفالت میں لینے کے لیے باہم جھگڑتے ہوئے قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کررہے تھے۔ اہلِ علم نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں مذہبی لوگوں میں رواج تھا کہ جب کسی بات کا فیصلہ نہ ہو پاتا تو وہ ان قلموں کو پانی میں پھینکتے جن کے ذریعے تورات کی کتابت کی جاتی تھی جس کا قرعہ نکلتا اس کا قلم پانی کے بہاؤ کی طرف بہنے کے بجائے وہیں ٹھہرا رہتا یا الٹا چلنا شروع ہوجاتا۔ اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کا نام نکلا جو رشتہ میں حضرت مریم علیہا السلام کے خالو لگتے تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت پر یہ لوگ اس لیے جھگڑتے تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ہی اپنے ہاں ایک مقام سے نوازا تھا۔ وہ بچپن میں نہایت ہی معصوم، شرم وحیا کا مجسمہ اور حُسن وجمال کی پیکر تھی اور ان کے وجود کی برکات اور کرامات لوگ دیکھ چکے تھے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو ہر قسم کے عیب سے پاک اور عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

۲۔ حضرت مریم علیہا السلام عبادت گزار اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار تھی۔ ۳۔ یہ غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر وحی فرمائی ہیں۔

تفسیر بالقرآن

رسول اللہ ﷺ حاضر وناظر نہیں ہیں:

۱۔ مریم علیہا السلام کی کفالت کے وقت رسول اللہ ﷺ حاضر نہ تھے۔ (آل عمران: ۴۴)

۲۔ اخوانِ یوسف کے مکر کے وقت رسول اللہ ﷺ موجود نہ تھے۔ (یوسف: ۱۰۲)

۳۔ یہ غیب کی خبریں ہیں نہ آپ اس کے متعلق جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔ (ہود: ۴۹)

۴۔ آپ طور کی مغربی جانب اس وقت موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے منصب پر سرفراز کیا۔ (القصص: ۴۴)

اِذْ	قَالَتِ	الْمَلٰٓئِكَةُ	يٰمَرْيَمُ	اِنَّ	اللّٰهَ	يُبَشِّرُكِ
جب	کہا	فرشتہ (جمع)	اے مریم!	بیشک	اللہ	تجھے بشارت دیتا ہے

بِكَلِمَةٍ	مِّنْهُ ۖ	اسْمُهُ	الْمَسِيْحُ	عِيْسَى	ابْنُ	مَرْيَمَ	وَجِيْهًا
ایک کلمہ کے ساتھ	اپنی طرف سے	اس کا نام	مسیح	عیسیٰ	بیٹا	مریم	وجاہت والا

فِي	الدُّنْيَا	وَالْاٰخِرَةِ	وَمِنَ	الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾	وَيُكَلِّمُ	النَّاسَ
میں	دنیا	اور آخرت	اور سے	مقرب (جمع)	اور وہ باتیں کریگا	لوگ (جمع)

فِي	الْمَهْدِ	وَكَهْلًا	وَّمِنَ	الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾
میں	گہوارہ	اور پختہ عمر	اور سے	نیکوکار (جمع)

''جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں عزت والا ہے اور وہ مقربین میں سے ہے۔(۴۵) وہ لوگوں سے گہوارہ اور پختہ عمر میں باتیں کرے گا اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔''(۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اب وہ وقت آن پہنچا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو پاک، معزز اور اس زمانے کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس فرشتے حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بیٹے کی خوشخبری کا اشارہ دیتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ اس کا لقب مسیح اور نام عیسیٰ بن مریم علیہما السلام جو دنیا و آخرت میں نہایت ہی وجیہ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرب بندوں میں ہوگا۔

وَجِيْهًا کا معنیٰ ہے معزز، تروتازہ وہشاش بشاش، نہایت ہی خوبصورت چہرے والا۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسولِ محترم ﷺ معراج سے واپس آکر انبیاء کے ساتھ ہونے والی ملاقات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تفصیل بتا رہے تھے تو آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

«رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ يَعْنِي الْحَمَّامَ» (رواہ البخاری: أحادیث الانبیاء)

''عیسیٰ علیہ السلام درمیانے قد اور سرخ رنگ کے تھے چہرہ اتنا تروتازہ گویا کہ وہ حمام سے غسل فرما کر ابھی نکلے ہوں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دو وجہ سے مسیح کہا جاتا ہے ایک یہ کہ اس زمانے میں نیک اور معزز شخص کو مذہبی لوگ ایک خاص قسم کا تیل لگاتے تھے دوسری وجہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں چونکہ ان کے ہاتھ پھیرنے سے کوڑھی صحت مند اور پیدائشی نابینا بینا ہو جاتا تھا اس لیے انہیں مسیح کہا جاتا ہے۔ عبرانی میں عیسیٰ کا معنیٰ سردار ہے۔ فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ وہ

گہوارہ اور بڑی عمر میں پہنچ کر لوگوں سے گفتگو کرے گا اور نیک سیرت ہوگا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت مریم علیہا السلام پر لوگوں نے تہمت لگائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت صاف اور موثر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا فرمائی ہے۔ ہر حال میں مجھے برکت دی گئی ہے اور میں اپنی والدہ کا خدمت گزار رہوں گا۔ (تفصیل کے لیے سورۂ مریم کی آیات ۳۰ تا ۳۴ تلاوت کیجیے۔) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی اور پینتیس سال کی عمر میں انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ ''كَهْلًا'' یعنی وہ بڑھاپے میں بھی لوگوں سے خطاب اور گفتگو کریں گے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب دنیا میں تشریف لائیں گے اور میری اتباع میں دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے کام کریں گے گویا انہیں بڑھاپے کی عمر بھی دیکھنا نصیب ہوگی۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا وَإِمَامًا عَادِلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ» (رواه ابن ماجة: كتاب الفتن، باب فتنة الدجال وخروج عيسى ابن مريم [صحيح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تک عیسیٰ بن مریم منصف حکمران اور عادل امام بن کر نہیں آتے۔ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کریں گے اور مال کی فراوانی ہوگی یہاں تک کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔''

اس سے یہودیوں کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پھانسی دیئے گئے ہیں۔ دوسری طرف عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور دیگر واقعات ذکر فرما کر عیسائیوں کے شرک کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ کی ذات ولادت، بچپن اور بڑھاپا جیسی تبدیلیوں سے مبرّا ہے جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بہت سے مدوجزر آئے اور قربِ قیامت ان کے متعلق مزید واقعات رونما ہوں گے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام رب نہیں اللہ کا بندہ ہے۔

مسائل

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں عزت والے اور اللہ کے مقرب ہیں۔ ۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت آسمانوں سے زمین پر اتریں گے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف:

۱۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا۔ (آل عمران: ۴۷) ۲۔ بچپن و بڑھاپے میں کلام کرنا۔ (آل عمران: ۴۶)
۳۔ مٹی سے پرندہ بنانا۔ (المائدۃ: ۱۱۰) ۴۔ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو درست کرنا۔ (آلِ عمران: ۴۹)
۵۔ لوگوں کی ذخیرہ شدہ اشیاء کی خبر دینا۔ (آلِ عمران: ۴۹) ۶۔ باذن اللہ مردوں کو زندہ کرنا۔ (المائدۃ: ۱۱۰)
۷۔ روح اور جسم سمیت آسمانوں پر اٹھایا جانا۔ (آل عمران: ۵۵)

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ

اس نے کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لیے بیٹا اور نہیں ہاتھ لگایا مجھے کوئی انسان

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا

اس نے کہا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے جب وہ ارادہ کرتا ہے کوئی کام

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

تو صرف وہ کہتا ہے اس کیلئے ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے اور وہ سکھائے گا اس کو کتاب اور دانائی

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ ۚ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ

اور تورات اور انجیل اور رسول طرف بنی اسرائیل بیشک میں تحقیق

جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ

لایا ہوں تمہاری طرف ایک نشانی سے تمہارا رب بیشک میں بناتا ہوں تمہارے لیے سے مٹی

كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

مانند صورت پرندہ پھر میں پھونک مارتا ہوں اس میں تو وہ ہوجاتا ہے پرندہ حکم سے اللہ

''مریم کہنے لگی الٰہی! مجھے بیٹا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اسے فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ حکم دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے۔ (۴۷) اللہ تعالیٰ عیسیٰ کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائے گا۔ (۴۸) اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا عیسیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس رب کی نشانی لایا ہوں، میں تمہارے لیے پرندے کی مانند مٹی کا جانور بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔''

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت مریم کو ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف، معجزات اور ان کے مشن کا بیان۔

ملائکہ کی گفتگو ابھی جاری تھی کہ حضرت مریم علیہا السلام شرمندگی اور گھبراہٹ کے عالم میں فرشتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگیں کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دے رہے تھے۔ اے میرے رب! مجھے کیونکر بیٹا ہوگا؟ جب کہ کسی بشر نے آج تک مجھے چھوا ہی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے تو وہ صرف اس کام کے ہوجانے کا حکم دیتا ہے اور وہ کام اسی طرح ہوجاتا ہے۔ حضرت مریم یہ سوچنے لگی کہ میں کنواری ہوں میرے ماں باپ نے مجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ معاشرہ مجھے نیک اور باحیا سمجھتا ہے۔ قوم میں میرے خاندان کی نیک نامی کا شہرہ ہے مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں وہ انہی خیالات میں گم تھیں کہ اچانک ان کے

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ

اور میں اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھا اور کوڑھی اور میں زندہ کرتا ہوں مردے اللہ کے حکم کے ساتھ اور تمہیں بتاتا ہوں

بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ

جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو میں تمہارے گھر بیشک میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۴۹ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

اس ایک نشانی تمہارے لیے اگر تم ہو ایمان والے اور تصدیق کرنے والا اس کے لیے جو

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اپنے سے پہلی سے تورات اور تاکہ میں حلال کردوں تمہارے لیے بعض وہ جو حرام کی گئی

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰

تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی سے تمہارا رب چنانچہ تم ڈرو اللہ اور میرا کہا مانو

اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کرتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ (۴۹) اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں اس لیے تم اللہ سے ڈرو اور میری تابعداری کرو۔'' (۵۰)

پاس حضرت جبریلِ امین علیہ السلام انسان کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ حضرت مریم چونک اُٹھیں اور فرمانے لگی کہ میں تجھے رب رحمان کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ اگر تم واقعی نیک ہو تو میرے قریب نہ آنا۔ جبریلِ امین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے نیک بچہ عطا کروں۔ (مریم:۱۹) حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کو عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف، خصوصیات، مرتبہ میں بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکمت و دانائی کی تعلیم دے گا تورات اور انجیل بھی سکھلائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو لکھنے کا طریقہ سکھلایا، ان کی گفتگو اتنی حکیمانہ ہوتی کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں انجیل سے نوازا اور تورات پر انہیں اتنا عبور تھا کہ اگر کوئی یہودی ان سے سوال کرتا تو وہ تورات کی عبارت کا زبانی حوالہ دے کر اسے قائل اور خاموش کر دیتے۔ فرشتوں نے مریم کے سامنے یہ بات بھی واضح کی کہ وہ بنی اسرائیل کا رسول ہوگا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ میں تمہارے رب کی طرف سے کھلے دلائل اور معجزات لے کر آیا ہوں، میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑنے لگتا ہے پیدائشی نابینے کو بینا، کوڑھی کو صحیح اور مردے کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں پھر میں تمہیں یہ بھی بتلاتا ہوں کہ تم اپنے گھروں میں کیا کھاتے اور کیا جمع کرتے ہو؟ یقیناً ان معجزات اور دلائل میں تمہارے لیے ہدایت کے دلائل

ہیں۔ اگر تم ایمان لانے کے لیے تیار ہو۔ میں تورات کی تائید کرتا ہوں اور ان چیزوں کو تمہارے لیے حلال کرتا ہوں جو تمہاری نافرمانیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام قرار دیں ہیں۔ ان چیزوں کو بھی تمہارے لیے جائز قرار دیتا ہوں جو تمہارے مذہبی پیشواؤں نے اپنی مرضی سے تم پر حرام کی ہیں۔ میں یہ سب دلائل و معجزات تمہارے رب کی طرف سے پیش کرتا ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری تابع داری میں لگ جاؤ۔

یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ نبی جس قوم میں مبعوث کیا جاتا ہے وہ قوم جس فن میں یدِ طولیٰ رکھتی ہو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی نبوت ثابت کرنے کے لیے اسے ایسے معجزات عطا فرماتا ہے کہ جس سے ظاہری اسباب کے حوالے سے بھی نبی کی صداقت لوگوں کے سامنے اظہر من الشمس ہو جاتی ہے اور لوگ نبی کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو جاتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اس زمانے کے اہلِ علم طب، جراحت اور جادوگری میں اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے انہیں لاجواب کرنے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا فرمائے کہ لوگ یہ معجزات دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔

یاد رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ان معجزات کی نسبت اپنی طرف کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے اور فرماتے کہ جس طرح میں اللہ کا رسول ہوں اسی طرح یہ معجزات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اس میں میرا کمال اور اختیار نہیں ہے۔

یہودیوں پر حرام کردہ چیزیں:

{ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۠ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ } (الأنعام:۱۴۶،۱۴۷)

''اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربی ان پر ہم نے حرام کر دی تھی مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو۔ ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔ پھر اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دو کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھلائی۔
۳۔ عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ ۴۔ عیسیٰ علیہ السلام تورات کی تصدیق کرتے تھے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کے لیے حرام چیزیں حلال کرنے کا اعلان فرمایا۔
۶۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بیماروں کو صحت یاب کرتے اور مردے زندہ کرتے تھے۔
۷۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی تابعداری اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتے تھے۔ ۸۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾

یقیناً	اللہ	میرا رب	اور تمہارا رب	سو تم عبادت کرو اسکی	یہ	راستہ	سیدھا

''یقین مانو میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔'' (۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام اور عقیدہ توحید تھا۔

پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء رشتۂ نبوت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں بالخصوص بنی اسرائیل کے انبیاء کی اکثریت نسب کے اعتبار سے بھی آپس میں رشتہ دار تھی اور سب انبیاء کی دعوت کے بنیادی اصول بھی ایک ہی ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ انجیل ہونے کے باوجود تورات سے اپنی تائید میں اکثر حوالہ پیش کیا کرتے تھے۔ واضح اور ٹھوس دلائل دینے اور بے مثال معجزات دکھانے کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ایک ہی دعوت دیا کرتے تھے۔ اس اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا اور میرا رب ہے۔ یاد رہے کہ وہ میرا اور تمہارا باپ نہیں کہتے تھے جس طرح انجیل میں ان کی طرف بار بار باپ کا لفظ منسوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ میرا اور تمہارے رب کے مقدس اور واضح الفاظ استعمال فرماتے تاکہ معجزے دیکھ کر لوگوں کو ان کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو سکے۔ وہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور صرف اسی ایک کی عبادت کرنا صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان

پرانے عہد نامہ کی کتاب استثناء میں مرقوم، قوم اسرائیل کا مشہور کلمہ شمع (Shama = عربی: اسمع) اپنے مفہوم کے اعتبار سے اسلام کے کلمۂ شہادت اور قرآن کی سورۃ اخلاص کی پہلی آیت سے چنداں مختلف نہیں ہے۔ خصوصاً اپنے عربی و عبرانی متن میں اس کے الفاظ مبارک اس آیت کی بازگشت ہیں ملاحظہ فرمائیے:

عربی: اِسْمَعْ یَا اِسْرَائِیْلُ اِنَّ الرَّبَّ اِلٰهُنَا رَبٌّ وَّاحِدٌ۔

عبرانی: Shama Yisrael Adonoi Elohem.Adonoi Ehod

شمع یاسرائیل ادونائی الوھیم ادونائی احاد۔

[بائبل عبرانی واردو، کتاب استثناء ۶: ۴۔ (الکتاب المقدس عربی ۰ ط۔ بیروت ۱۸۹۹ء) پرانے اور نئے عہد نامہ کی وضاحت کے لیے دیکھئے باب ہفتم]

''سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے۔''

کتاب استثناء میں دوسری جگہ ہے:

''خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔''[استثناء:۴،۳۵]

نیز فرمایا:''میرے آگے اور معبودوں کو نہ ماننا۔''[استثناء:۵،۷]

پرانے عہد نامہ کی کتاب میں مذکور ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا میں یہ الفاظ موجود ہیں:

''تو ہی واحد خدا ہے۔''[زبور:۸۶:۱۰]

عہد نامہ قدیم میں ایک اور جگہ لکھا ہے:

''مجھ سے پہلے کوئی خدا نہ ہے اور میرے بعد بھی کوئی نہ ہوگا..... خداوند فرماتا ہے میں ہی خدا ہوں۔''[یسعیاہ:۴۳:۱۰،۱۲]

''میں خداوند سب کا خالق ہوں، میں ہی اکیلا آسمان کو تاننے اور زمین کو بچھانے والا ہوں، کون میرا شریک ہے۔''[یسعیاہ:۴۴:۲۴]

برناباس۔باب ۱۱ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''تو احمق ہے۔تو اس خدا کی عبادت کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے اور وہی تجھے صحت عطا کرے گا کیونکہ میں ویسا ہی ایک انسان ہوں جیسا تو ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ ۲۔ اللہ کی عبادت کرنا ہی صراطِ مستقیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء کی دعوت:

۱۔ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے۔(الانبیاء:۲۵)

۲۔ نوح علیہ السلام کا فرمان کہ اللہ کی عبادت کرو۔(ھود:۲۶)

۳۔ ھود علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔(الاعراف:۶۵)

۴۔ صالح علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔(الاعراف:۷۳)

۵۔ شعیب علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی طرف بلایا۔(الاعراف:۸۵)

۶۔ یوسف علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی طرف بلایا۔(یوسف:۴۰)

۷۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔(المائدۃ:۷۲)

۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔(آل عمران:۶۴)

۹۔ ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہی وصیت کی۔(البقرۃ:۱۳۲)

فَلَمَّآ	اَحَسَّ	عِيْسٰى	مِنْهُمُ	الْكُفْرَ	قَالَ	مَنْ
پھر جب	محسوس کیا	عیسیٰ	ان سے	کفر	اس نے کہا	کون
اَنْصَارِيْٓ	اِلَى	اللّٰهِ ؕ	قَالَ	الْحَوَارِيُّوْنَ	نَحْنُ	اَنْصَارُ	اللّٰهِ ۚ
میرا مددگار	طرف	اللہ	کہا	حواری (جمع)	ہم	مددگار	اللہ
اٰمَنَّا	بِاللّٰهِ ۚ	وَاشْهَدْ	بِاَنَّا	مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾	رَبَّنَآ	اٰمَنَّا
ہم ایمان لائے	اللہ پر	تو گواہ رہ	کہ بیشک ہم	فرماں بردار	اے ہمارے رب	ہم ایمان لائے
بِمَآ	اَنْزَلْتَ	وَاتَّبَعْنَا	الرَّسُوْلَ	فَاكْتُبْنَا	مَعَ	الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾
اس کے ساتھ جو	تو نے نازل کیا	اور ہم نے پیروی کی	رسول	سو تو ہمیں لکھ لے	ساتھ	گواہی دینے والے

''پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف سے کفر محسوس کیا تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون ہوگا؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور گواہ رہیے کہ ہم تابعدار ہیں۔ (۵۲) اے ہمارے رب! ہم تیری اُتاری ہوئی کتاب پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔'' (۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عیسائیوں کا اللہ تعالیٰ کی توحید سے انکار اور عیسیٰ علیہ السلام کی پکار۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے لازوال اور انتھک جدوجہد فرمائی اور ایسے معجزات دکھائے جن کی ماضی میں نظیر نہیں ملتی تھی۔ مگر یہودی اس قدر متلوّن مزاج، موقع شناس، نافرمان اور مکار قوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد انہوں نے انبیاء اور مصلحین کے ساتھ ایسا گھناؤنا کردار ادا کیا کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسے معجزات پیش فرمائے جو اپنی تاثیر اور نوعیت کے اعتبار سے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے بڑھ کر تھے۔ خطاب اور گفتگو کا ملکہ عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی معجزانہ طور پر عطا ہوا تھا۔ وہ ایسی مدلّل، مؤثر اور حکیمانہ گفتگو فرماتے کہ بڑے سے بڑا مخالف بھی انہیں قلبی طور پر اللہ کا بندہ اور نبی تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

زبور کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح نے پہلی بار ہیکل میں تعلیم دی۔ اس کم سنی کے باوجود ان کی تعلیم میں حکمت و معرفت، فصاحت و بلاغت اور لب ولہجہ میں عظمت وجلالت اور رعب و دبدبہ کا عالم یہ تھا کہ فقیہ، فریسی، سردار، کاہن اور ہیکل کا تمام عملہ دم بخود رہ گیا۔ حیرانی کے عالم میں وہ ایک دوسرے سے پوچھتے پھرتے تھے کہ یہ کون ہے؟ جو اس شان سے بات کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے اس کو خاص ملکہ عطا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے اہل علم

اور یہودیوں کو ایسے معجزات دکھائے کہ لوگ ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ اس وقت یونان کے لوگ طب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اس دور میں بقراط، ارسطو، افلاطون اور بڑے بڑے شہرۂ آفاق اطباء اور سائنسدان ہو چکے تھے وہ پیدائشی نابینے اور کوڑھے کا علاج نہ کر سکے لیکن عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ایسے معجزے پیش کیے کہ یہ لوگ ان کے سامنے طفلِ مکتب کے طور پر کھڑے بے بس دکھائی دیتے تھے۔ مٹی کا پرندہ بنانا، مردے کو زندہ کرنا، لوگوں کے کھائے پیے اور جمع پونجی کے بارے میں خبر دینا، بڑے بڑے حکماء اور نجومی ان باتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور خطبات نے بنی اسرائیل میں زبردست حرکت اور انقلاب برپا کر دیا۔ وہ جہاں جاتے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے۔ ان کا پر جمال اور ہشاش بشاش چہرہ دیکھ کر لوگ پروانہ وار ان کی طرف لپکے آتے گویا کہ قوم میں ایک انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر یہودی غضب ناک ہوئے اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف الزامات کا طوفان اٹھایا اور لوگوں کو متنفر کرنے کے لیے ان کے خلاف سازشوں کا ایک طویل منصوبہ تیار کیا۔ (یوحنا باب ۹۴ بحوالہ تدبر قرآن)

حالات اس قدر نازک صورتِ حال اختیار کر گئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باہر نکلنا بھی مشکل ہو گیا۔ اس صورتِ حال میں انہوں نے ہر جگہ لوگوں کو بتلایا اور سمجھایا کہ میری دعوت قبول کرو اسی میں تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے لیکن حکومت کے خوف، یہودیوں کے الزامات اور سازشوں کے ڈر سے لوگ ان سے دور بھاگ گئے۔ بالآخر انہوں نے اپنے شاگردوں کو اللہ کے نام پر دہائی دی کہ کون ہے جو اللہ کے لیے میرا ساتھ دے؟ ہزاروں شاگردوں میں سے صرف بارہ آدمیوں نے موت کی پروا کیے بغیر کہا کہ ہم ہیں اللہ کی خاطر آپ کی نصرت وحمایت کرنے والے اور اللہ پر ایمان لانے والے ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقین دلایا اور کہا کہ گواہ رہنا کہ ہم اسلام پر مرتے دم تک قائم رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور بھی ہماری فریاد ہے کہ وہ ہمیں آپ کا تابع دار اور آپ کے ساتھ کلمہ حق کی شہادت دینے والے شمار فرمائے۔

مسائل

۱۔ داعی اپنے متبعین کی جانچ اور ان کا امتحان لے سکتا ہے۔ ۲۔ اللہ کے رسول کی اتباع کرنا حق کی شہادت دینا ہے۔
۳۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری:

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام کے انصار۔ (الصّف: ۱۴) ۲۔ حواریوں نے کہا کہ ہم انصار اللہ ہیں۔ (الصّف: ۱۴)
۳۔ امت محمدیہ کو حکم کہ ایمان والو! اللہ کے انصار بن جاؤ۔ (الصّف: ۱۴)
۴۔ اگر تم ''اللہ'' کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ (محمد: ۷)

وَمَكَرُوْا	وَمَكَرَ	اللّٰهُ ؕ	وَاللّٰهُ	خَيْرُ	الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع	اِذْ قَالَ
اورانہوں نے مکر کیا	اور تدبیر کی	اللہ	اور اللہ	بہتر	تدبیر کرنیوالے	جب کہا
اللّٰهُ	يٰعِيْسٰٓى	اِنِّىْ	مُتَوَفِّيْكَ	وَرَافِعُكَ	اِلَىَّ	وَمُطَهِّرُكَ
اللہ	اے عیسیٰ	بیشک میں	قبض کرلوں گا تجھے	اور اٹھاؤ گا تجھے	اپنی طرف	اور پاک کرنیوالا ہوں تجھے
مِنَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَجَاعِلُ	الَّذِيْنَ	اتَّبَعُوْكَ	فَوْقَ الَّذِيْنَ
سے	جولوگ	انہوں نے کفر کیا	اور بنانیوالا ہوں	جولوگ	انہوں نے پیروی کی تیری	اوپر وہ لوگ
كَفَرُوْٓا	اِلٰى	يَوْمِ	الْقِيٰمَةِ ۚ	ثُمَّ	اِلَىَّ	مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ
انہوں نے کفر کیا	تک	دن	قیامت	پھر	میری طرف	تمہیں لوٹ کر آنا ہے پھر میں فیصلہ کروں گا
بَيْنَكُمْ	فِيْمَا	كُنْتُمْ	فِيْهِ	تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾		
تمہارے درمیان	جس میں	تم تھے	اس میں	اختلاف کرتے		

''اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ تمام تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔(۵۴) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے پورا پورا لینے والا، تجھے اپنی جانب اٹھانے والا، تجھے کافروں سے محفوظ رکھنے والا اور تیرے تابعداروں کو روزِ قیامت تک کفار پر غالب کرنے والا ہوں، تم سب کا لوٹنا میری طرف ہے، پھر میں ہی تمہارے اختلاف کا فیصلہ کروں گا۔''(۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کا ردِّعمل اور ان کی حفاظت کا بندوبست کرنے کے ساتھ اہلِ ایمان کی برتری کا اعلان۔

حالات اس نہج پر پہنچے کہ یہودیوں کے مذہبی اور سیاسی رہنما حاکمِ وقت کو یہ باور کروانے میں کامیاب ہو گئے کہ یہ شخص یہودیت کے لیے زہر قاتل اور مذہب کی آڑ میں حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ اس سازش کو کامیاب بنانے کے لیے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے یہودا نامی شخص کو بھاری رشوت دے کر وعدہ معاف گواہ بنایا اس نے سرکاری اہلکاروں کو مخبری کردی کہ عیسیٰ علیہ السلام فلاں پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں۔ گرفتاری سے بچنے کے لیے بارہ حواریوں کے سوا باقی سب حواری عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر رفو چکر ہو گئے۔ قیصرِ روم کے نمائندے شام کے گورنر ہیرو ڈیس نے آپ کو گرفتار کیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ گرفتاری کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر تھپڑ مارے گئے۔ یہ بات اس لحاظ سے غلط معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ جلال بخشا تھا کہ بڑے بڑے گستاخ یہودی دائیں بائیں تو ان کی ولادت باسعادت کے بارے میں تہمت لگاتے تھے لیکن ان کے سامنے ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ بہرحال عیسیٰ علیہ السلام گرفتار ہوئے مقدمہ چلا اور وقت کی حکومت نے انہیں الزامات سے بری الذمہ قرار دیا لیکن یہودیوں کے مذہبی اور سیاسی

رہنماؤں نے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ بالآخر شام کے گورنر نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے نائب بلاطوس کے حوالے کیا۔ اس نے رائے عامہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ کہتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے کا فیصلہ دیا کہ یہ جرم میری گردن کی بجائے تمہاری گردن پر ہو گا۔ یہودیوں نے متفق ہو کر کہا کہ ہمیں یہ منظور ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کو تختہ دار پر لے جانے کے لیے آدمی آگے بڑھے تو بعض روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی حالت میں آسمانوں پر اٹھا لیا اور جو لوگ انہیں لینے کے لیے آگے بڑھے ان میں سے یہودا کو عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دیا گیا سرکاری اہلکاروں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر سولی چڑھا دیا۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآنِ مجید نے یہ الفاظ استعمال فرمائے: {وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ} (النساء: ۱۵۷) کہ انہوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھا سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک شخص کو مشابہ کر دیا۔ اسی واقعہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مکر و فریب کیا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے پُرحکمت تدبیر کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بہتر تدبیر کرنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے الزامات اور مقدمات سے محفوظ فرما کر اپنے ہاں رفعتِ مکانی سے ہمکنار کیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن تم سب نے میرے ہاں لوٹ کر آنا ہے اور میں تمہارے اختلافات کا قطعی اور آخری فیصلہ کروں گا۔ تاہم جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں انہیں قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اور ان کی نبوت کا انکار کرنے والوں پر بلند رکھوں گا۔ ان سے مراد پہلے وہ لوگ ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام پر پوری طرح ایمان لائے اور نبی ﷺ کی نبوت سے پہلے ان کی شریعت پر عمل کرتے رہے وہ عیسائی علمی اور سیاسی طور پر ہمیشہ یہودیوں پر غالب رہیں گے۔ چنانچہ آج بھی اسرائیل کے علاوہ یہودیوں کی کہیں حکومت اور عزت نہیں پائی جاتی۔ اسرائیلی حکومت بھی امریکہ، برطانیہ اور دوسرے عیسائی ملکوں کے سہارے قائم ہے ان کے بغیر یہودی اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتے۔ بعض عیسائی قرآن مجید کے اس مقام سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیکھیں تمہارا قرآن ہماری بالادستی کی گواہی دے رہا ہے حالانکہ یہ بات قرآن کے مفہوم اور تاریخی حقائق کے سراسر خلاف ہے کیونکہ مسلمان تقریباً ایک، ہزار سال تک دنیا میں بلاشرکت غیرے حکومت کرتے رہے ہیں اور عیسائی مسلمانوں کے زیرِ دست اور ذمی بن کر رہے ہیں اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو عیسائی مسلمان ہو جائیں وہ یہودیوں پر بالادست رہیں گے۔ اگر عیسائیوں اور یہودیوں کا مقابلہ کیا جائے تو عیسائی سیاسی اور علمی طور پر یہودیوں پر غالب رہیں گے۔

یاد رہے کہ عربی میں مکر کا معنی فریب، دھوکہ دہی اور سازش ہوا کرتا ہے لیکن جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے تدبیر کرنا۔ یہاں اسی فرق کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ آسمانی پر یہودیوں، عیسائیوں اور مرزائیوں کے مؤقف کا جواب:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوری زندگی معجزات سے عبارت ہے۔ وہ بن باپ پیدا ہوئے، جھولے میں اپنی والدہ ماجدہ کی براءت اور صاحبِ کتاب نبی ہونے کا اعلان فرمایا، یہودیوں نے تختۂ دار پر چڑھانے کی کوشش کی تو جسدِ اطہر سمیت آسمانوں

پر اٹھا لیے گئے۔ان کے رفعِ آسمانی کے بارے میں یہاں قدرے اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے لیکن سورۃ النساء: آیت ۱۵۸، ۱۵۷ میں کھل کر اس بات کی تردید کی گئی کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا ہے وہ سراسر اٹکل پچو اور غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور پھانسی دینے والوں نے کسی دوسرے آدمی کو سولی پر چڑھا دیا۔ستم ظریفی یہ ہے کہ اتنی واضح اور دوٹوک تردید کے بعد بھی یہودی اپنے خبثِ باطن کی تسکین اور بے بنیاد کامیابی پر اتراتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر چڑھا دیا ہے۔عیسائیوں کے ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سب نے یہودیوں کا جواب دینے کی بجائے اپنے مفادات اور لوگوں کو آوارگی کا سرٹیفکیٹ دینے کے لیے یہ عقیدہ بنالیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سُولی پر چڑھ کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں۔گویا کہ یہودی جہنم میں چند دن جانے کے قائل ہیں عیسائیوں نے جہنم کا قصہ ہی پاک کر دیا ہے۔ان کی دیکھا دیکھی مرزا قادیانی نے یہ کہہ کر نبوت کا دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہوئے۔قربِ قیامت جس مسیح موعود کی بشارت دی گئی ہے وہ میں ہی ہوں۔اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لیے مرزائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بھی کشمیر میں ڈھونڈ نکالی تاکہ ختمِ نبوت پر پڑا کہ ڈالا جا سکے یہ تو رسالتِ مآب ﷺ کا معجزہ ہے کہ کسی جھوٹے نبی کی نبوت زیادہ دیر نہیں چل سکتی۔ہر دور کے لوگوں نے جلد ہی ایسے کذّاب سے اللہ کی زمین کو پاک کر دیا لیکن ہندوستان میں مرزائیوں کو انگریز کی وجہ سے سازگار ماحول میسر ہوا۔اس لیے یہ جھوٹا نبی ہندوؤں، عیسائیوں اور اسلام دشمن لوگوں کی سرپرستی میں محفوظ رہا لیکن علمی اور اعتقادی طور پر علماء نے اسے آگے نہیں بڑھنے دیا۔مسلمانوں نے اپنی گروہی تفریق کے باوجود مرزائیوں کا ناطقہ بند کر دیا اس سلسلہ میں تمام علماء اور مذہبی جماعتوں کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔

سب سے پہلے مرزا کے خلاف مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے کفر کا فتویٰ جاری کرنے کی ابتدا کی۔جب کہ مرزا کا انجام شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ہاتھوں ہوا۔انہی کے ساتھ مرزا نے مباہلہ کیا جس کے نتیجے میں لاہور برانڈرتھ روڈ پر احمدیہ مارکیٹ میں اپنے ایک مرید کے گھر لیٹرین میں واصلِ جہنم ہوا۔اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں علماء کی زبردست تحریک پر وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے آئینی طور پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

مسائل

۱۔ اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔۲۔اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جسدِ اطہر سمیت آسمان پر اٹھالیا۔

۳۔ سب نے اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہونا ہے اور وہی لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

رفعِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالے گا۔(آل عمران: ۵۵)

۲۔ عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے۔(النساء: ۱۵۷) ۳۔عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے۔(النساء: ۱۵۸)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا

پس لیکن وہ لوگ انہوں نے کفر کیا سو میں عذاب دوں گا ان کو عذاب سخت میں دنیا

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

اور آخرت اور نہیں ان کیلئے سے مددگار (جمع) اور لیکن جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

ایمان لائے اور انہوں نے کام کیے نیک تو وہ پورا دے گا انکو ان کا اجر اور اللہ نہیں محبت رکھتا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

ظالم (جمع) سے یہ ہم پڑھتے ہیں اسے آپ پر سے آیتیں اور نصیحت حکمت والی

''پھر کافروں کو میں دنیا اور آخرت میں سخت ترین عذاب دوں گا اور ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ (۵۶) لیکن صاحب ایمان اور نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا پورا پورا ثواب دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (۵۷) جو آیات ہم آپ کے سامنے پڑھ رہے ہیں یہ آیت حکمت اور نصیحت آمیز ہیں۔'' (۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قرآن کا انکار کرتے ہیں ان کی سزا اور جو ان حقائق کو مانتے ہیں اس کی جزا

جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قرآن مجید کا انکار کیا۔ وہ دنیا اور آخرت میں شدید عذاب سے دوچار کیے جائیں گے اور ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہوگا۔ آخرت کے عذاب کے بارے میں قرآنِ مجید کافر کی خوفناک موت سے لے کر جہنم میں اس کے دخول اور سزاؤں کا موقع بموقع تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ جہاں تک دنیا کے عذاب کا تعلق ہے اس کی کئی شکلیں اور صورتیں ہوسکتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق صاحبِ کردار ایمان داروں کو ایسا غلبہ نصیب فرمائے گا کہ اللہ کے باغی اور منکر دنیا میں ان کے سامنے سرنگوں ہو کر رہیں۔ جس طرح قرونِ اولیٰ میں اللہ کے منکر ذلیل و رسوا ہوئے تھے اسی طرح قربِ قیامت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ان کا ذلیل ہونا یقینی ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُوْنَ الْيَهُوْدَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰى يَخْتَبِيءَ الْيَهُوْدِيُّ مِنْ وَّرَآءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ فَيَقُوْلُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ خَلْفِيْ فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُوْدِ»

(رواہ مسلم: باب لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل بقبر الرجل فیتمنی الخ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب

تک مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کریں گے۔ مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر اور درخت پکار اٹھے گا۔ اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ تو آگے بڑھ کر اسے قتل کر دے لیکن غرقد درخت ایسا نہیں کہے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔''

قرآنِ مجید کا یہ اسلوب ہے کہ وہ جہنم کے ساتھ جنت اور کفار کی ذلت کے ساتھ مومنوں کی عظمت اور اللہ کا فضل بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے دل پر اس بات کا اثر ہو اور اس کے لیے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔ یہاں مزید فرمایا کہ یہ اللہ کی کتاب کی آیات ہیں جو آپ پر پڑھی جا رہی ہیں اور یہ حکمتوں سے لبریز نعمت ہے جس کا دل چاہے اسے قبول کرے۔

مسائل

۱۔ کافر دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ ۲۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پورا پورا اجر عطا فرمائیں گے۔
۳۔ آخرت میں کفار کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات نصیحت اور حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت میں عذاب پانے والے:

۱۔ یہودی دنیا میں ذلیل اور آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ (البقرۃ:۸۵)
۲۔ اللہ کی مسجدوں سے روکنے والے دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ (البقرۃ:۱۱۴)
۳۔ کفار کو دنیا و آخرت میں شدید عذاب ہوگا۔ (الرعد:۳۴، آل عمران:۵۶)
۴۔ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن اور فسادی دنیا و آخرت میں عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ (المائدۃ:۳۳)
۵۔ بچھڑے کے پجاری دنیا و آخرت میں ذلیل ہوئے۔ (الاعراف:۱۵۲)
۶۔ منافقین کو دنیا و آخرت میں سزا ہوگی۔ (التوبۃ:۷۴)
۷۔ فحاشی پھیلانے والوں کو دنیا و آخرت میں ذلت اٹھانی پڑے گی۔ (النور:۱۹)
۸۔ دینِ حق جھٹلانے والوں کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ عظیم ہوگا۔ (الزمر:۲۶)
۹۔ امورِ دین میں شکوک و شبہات سے باہر نہ نکلنے والے دنیا اور آخرت میں حقیقی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (الحج:۱۱)

اِنَّ	مَثَلَ	عِيْسٰى	عِنْدَ اللّٰهِ	كَمَثَلِ	اٰدَمَ ؕ	خَلَقَهٗ	مِنْ
بیشک	مثال	عیسیٰ	اللہ کے نزدیک	جیسی مثال	آدم	اس نے پیدا کیا اسکو	سے
تُرَابٍ	ثُمَّ	قَالَ	لَهٗ	كُنْ	فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾	اَلْحَقُّ	مِنْ
مٹی	پھر	فرمایا	اس کو	ہوجا	سو وہ ہوگیا	حق	سے
رَّبِّكَ	فَلَا تَكُنْ	مِّنَ	الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾				
آپ کا رب	پس نہ ہو	سے	شک کرنے والے				

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال بالکل آدم کی مثال جیسی ہے جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہوجا پس وہ ہوگیا۔(۵۹) تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔''(۶۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عیسائیوں سے خطاب کے آغاز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاندان۔ان کی پیدائش کے مراحل،حضرت مریم علیہا السلام کا تعجب،عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید،اس کا ردعمل اور اب ان کی ذات کے بارے میں وضاحت کی جارہی ہے۔

قرآنِ مجید نے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی تفصیلات ہی نہیں بتائیں بلکہ دنیا کے سامنے ان کے خاندان کی تاریخ رکھ دی ہے۔جس میں ان کی نانی کی نذر ماننے سے لے کر حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش،بیت المقدس میں ان کے خالو کے ہاں ان کی تربیت،عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ،ان کی پیدائش پر حضرت مریم علیہا السلام پر یہودیوں کا الزام اور عیسیٰ علیہ السلام کا جواب گویا کہ ان کی زندگی کے اہم مراحل اور خاندانی پسِ منظر سے لے کر آسمانوں پر اٹھائے جانے تک کی تفصیلات کھول کر بیان کردی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو''کُنْ'' کہہ کر مٹی سے پیدا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دیتے ہوئے حضرت مریم علیہا السلام کو بھی ''کُنْ'' کے الفاظ صادر فرمائے۔جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے لیے لفظ کُنْ سے حکم صادر فرماتا ہے۔(یٰسٓ:۸۲)

عیسائی لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں اور وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی روح پھونکی لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم سے مل کر اللہ تعالیٰ کی خدائی مکمل ہوتی ہے۔اس کو عرفِ عام میں تثلیث کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آدم علیہ السلام کی مثال دے کر واضح فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کی وجہ سے تم کہتے ہو کہ یہ اللہ ہیں یا اللہ کا حصہ ہیں۔بتاؤ کہ تمہارا آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ان کی تخلیق تو عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر

تھی۔عیسیٰ علیہ السلام کی تو والدہ تھی جب کہ آدم علیہ السلام کا نہ باپ تھا اور نہ ہی ماں۔کیا پھر آدم علیہ السلام کو اللہ یا اس کا جزو قرار دینے کے لیے تیار ہو؟ حالانکہ تمہارا بھی عقیدہ ہے کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور اوّل البشر ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خطاب کا اختتام ان الفاظ سے کیا جارہا ہے کہ جو تفصیلات تمہارے سامنے بیان کی گئی ہیں۔یہ سب تمہارے رب کی طرف سے حق اور سچ ہے۔لہٰذا تم اور کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں کرنا چاہیے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلَى صُورَتِهِ، طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا»

(رواه البخاری: باب بدء السلام)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت کے مطابق بنایا، ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔''

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان مماثلت اور فرق

آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔	عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے۔
اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ مبارک اور ''کُنْ'' کہہ کر پیدا فرمایا۔	عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ''کُنْ'' کہہ کر پیدا فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونکی۔	عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبریل کے ذریعے اپنی روح سے پیدا فرمایا۔
حضرت آدم علیہ السلام نبی اور اوّل البشر تھے۔	حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ کتاب نبی اور رسول تھے۔

تفسیر بالقرآن

الحق سے مراد:

۱۔ اہل کتاب جان بوجھ کر حق بات چھپاتے ہیں۔(البقرۃ:۶ ۱۴۶)۲۔اکثر لوگوں پر حقیقت واضح ہو چکی ہے۔(یٰس:۷،المائدۃ:۴۸)

۳۔ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں پر اللہ کا عذاب واجب ہے(ص:۱۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں نامناسب بات کرنے والے رسوا کن عذاب میں ہوں گے۔(الانعام:۹۳)

۵۔ اٹکل پچو علم کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔(یونس:۳۶)۶۔ہمارے معجزات کو قومِ فرعون نے جادو کہا۔(یونس:۷۶)

۷۔ اے نبی ﷺ آپ کے پاس اللہ کی طرف سے بات نازل ہوئی ہے۔(یونس:۹۴)

۸۔ جب ان کے پاس قرآن آیا تو انہوں نے تکذیب کی۔(الانعام:۵)

۹۔ اللہ تعالیٰ کی بات علم وحکمت پر مبنی ہوتی ہے۔(الانعام:۷۳)۱۰۔اللہ دین کو غالب اور کفر کو مٹاتا ہے۔(الانفال:۸)

۱۱۔ اللہ توحید کا پیغام دیتا ہے۔(الرعد:۱۴)۱۲۔اسلام آگیا اور باطل مٹ گیا۔(اسراء:۸۱)

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

سو جو آپ سے جھگڑے اس میں سے بعد جو آیا تیرے پاس سے علم

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ

تو فرمادیں تم آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور ہماری عورتیں اور تمہاری عورتیں

وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى

اور ہم خود اور تم خود پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں پھر کریں لعنت اللہ پر

الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ

جھوٹوں بیشک یہ البتہ وہی بیان (جمع) سچا اور نہیں سے

اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

معبود مگر اللہ اور بیشک اللہ وہی غالب حکمت والا

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع ۶ ۱۴

پھر اگر وہ پھر جائیں تو بیشک اللہ جاننے والا فساد کرنے والوں کو

''جو شخص آپ کے پاس علم آنے کے بعد بھی اس میں جھگڑا کرے تو آپ فرمائیں آؤ ہم تم اپنے اپنے بیٹوں اور اپنی اپنی عورتوں کو لے آئیں اور خود بھی آکر ہم دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔(۶۱) یقیناً یہ سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔(۶۲) اگر وہ پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو جانتا ہے۔''(۶۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کا بندہ اور رسول ہونا حق ہے۔ دلائل کے باوجود جو حق تسلیم نہیں کرتا اسے سمجھانے کا آخری طریقہ مباہلہ ہے۔

رسول اللہ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ان کے خاندان کی مرحلہ وار تاریخ کے واضح دلائل اور روشن حقائق کے ساتھ نجران کے وفد کو دعوت دی۔ لیکن وہ اس کے باوجود کہنے لگے کہ ہم تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ اس موقع پر آیتِ مباہلہ نازل ہوئی۔ مباہلہ کا معنیٰ ہے کہ عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرنا کہ حق والا سرخرو ہو اور جھوٹے پر اللہ کی پھٹکار نازل ہو۔ رسول اللہ علیہ السلام نے نجران کے وفد کو فرمایا کہ کل میں اپنے اہلِ بیت کو لے کر فلاں وقت حاضر ہوں گا اور تم بھی اپنے ارکان کے ساتھ جمع ہوجانا۔ تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کریں کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو۔ بعض روایات کے مطابق اگلے دن آپ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو لے کر تشریف لائے۔ نجران

کے وفد کے سربراہ اسقف اوران کے پادری شرحبیل نے یہ کہہ کر اپنے وفد کو مباہلہ سے باز رکھا کہ محمد (ﷺ) واقعی نبی آخرالزمان ہیں اور نبی کی بددعا مستردنہیں ہوا کرتی۔ اگر مباہلہ ہوا تو ہم نیست ونابود ہوجائیں گے اور عیسائیوں کے لیے ننگ وعار ثابت ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے جزیہ دینے کی ذلت قبول کرلی۔ لیکن نعمتِ ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس آیت کی تفسیر میں بریلوی مکتبِ فکر کے مفکر پیر کرم شاہ فرماتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہاں یہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی اہل بیت میں شامل کی گئی ہیں۔ ورنہ دوسری صاحبزادیاں بھی اس روز مباہلہ میں شرکت کرتیں۔ تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ تاریخ کی تمام معتبر کتب اور ناسخ التواریخ اور کافی وغیرہ میں موجود ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ اُس روز خاتونِ جنت کا اکیلے تشریف لانا اس لیے تھا کہ باقی صاحبزادیاں انتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت رقیہ نے ۲ ہجری میں، حضرت زینب نے ۸ ہجری میں اور حضرت اُم کلثوم نے ۹ ہجری میں انتقال فرمایا جب کہ یہ واقعہ ۱۰ ہجری میں پیش آیا۔

اس لفظ سے بعض لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اَنْفُسَنَا سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ آپ نفسِ رسول ہیں۔ گویا آپ رسول جیسے ہیں۔ تو جب آپ حضور کے مساوی ہو گئے تو پھر آپ سے زیادہ خلافت کا حقدار اور کون ہوسکتا ہے؟ تو اس کے متعلق اِلتماس ہے کہ حضرت علی کا شمار ابناء نا میں ہے۔ کیونکہ آپ نبی ﷺ کے داماد تھے۔ اور داماد کو بیٹا کہا جاتا ہے اور اگر اَنْفُسَنَا میں ہی شمار کریں تو عینیت اور مساوات کہاں سے ثابت ہوئی؟ کیونکہ یہ لفظ تو ان لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو قریبی رشتہ دار یا دینی اور قومی بھائی ہوں۔ ان آیات اور تفصیلات کے بعد اس آیت میں ان سب کا ماحصل بیان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اللہ اور معبود نہیں۔ جو کسی مخلوق کو اللہ یا اللہ کا بیٹا تسلیم کرتا ہے وہ راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ حقائق جھٹلانے والوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ توحید کا انکار اور حقائق سے انحراف کرنے والے فسادی ہیں۔ [ضیاء القرآن]

مسائل

۱۔ جھگڑالو کے ساتھ مباہلہ کرنا جائز ہے۔ ۲۔ جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔
۳۔ فسادی اللہ کے علم اور اس کی دسترس سے باہر نہیں ہوتے۔ ۴۔ قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کہانیاں نہیں بلکہ حق اور سچ ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قصص قرآن کی حقیقت:

۱۔ قرآن کے بیانات حق ہیں۔ (آل عمران: ۶۲)
۲۔ قرآن کے قصے بہترین ہیں۔ (یوسف: ۳) ۳۔ قرآن کے قصے نصیحت آموز ہیں۔ (یوسف: ۱۱۱)
۴۔ اے نبی ﷺ ہم آپ کے دل کو مضبوط کرنے کے لئے انبیاء کے قصے بیان کرتے ہیں۔ (ہود: ۱۲۰)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا

آپ فرمادیں اے اہلِ کتاب آؤ طرف ایک بات برابر ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کہ نہ

نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا

ہم عبادت کریں سوائے اللہ اور نہ ہم شریک کریں اس کے ساتھ کچھ اور نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کو

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

رب (جمع) سے سوائے اللہ پھر اگر وہ پھر جائیں تو تم کہہ دو تم گواہ رہو کہ بیشک ہم فرمانبردار

''آپ فرمادیں کہ اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ فرمادیں کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔'' (۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: توحید حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت اور مشن ہے۔ لہٰذا اہل کتاب کو اس کی پھر دعوت دی جارہی ہے۔

سورۃ البقرہ میں یہودیوں کو اور سورۃ آلِ عمران میں نصاریٰ کو مفصل خطاب کرنے کے بعد اب دونوں کو ایسی بات کی طرف دعوت دی جارہی ہے جو تمام انبیاء کی دعوت کی ابتدا اور انتہا ہوا کرتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں مختلف پیرائے میں اس بات کی وضاحت اور صراحت فرمائی ہے کہ ہم نے جتنے انبیاء مبعوث کیے وہ یہی دعوت دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور ہر قسم کے طاغوت کا انکار کردو۔ (الانعام: ۸۸) میں اٹھارہ پیغمبروں کا نام بنام ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر یہ شرک کرتے تو ان کے سب اعمال ضائع کردیے جاتے۔ یہاں حکم دیا جارہا ہے کہ اے خاتم المرسلین! ان کو دعوتِ عام دو کہ آؤ اس بات پر متفق ہوجائیں۔ جو آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت تھی وہی ہماری دعوت ہے۔ اگر لوگ یہ دعوت قبول کرنے سے انکار کردیں تو آپ فرمادیں کہ گواہ رہنا ہم تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کے تابع فرمان ہیں۔ اس دعوت کے تین بنیادی اصول ہیں۔ ① اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ ② اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ③ اللہ کی ذات کے سوا کسی کو معبود نہ بنایا جائے اس دعوت کا منطقی نتیجہ ہے نبی معظم کو اللہ کا آخری رسول مانا جائے کیونکہ آپ ہی توحید کی دعوت دینے والے ہیں یہی دعوت آپ نے سلطنتِ رومہ کے فرماں روا ہرقل کو ایک مراسلہ کے ذریعے دی تھی۔ (رواہ البخاری: کتاب بدء الوحی)

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے درمیان قدرِ مشترک توحید ہے۔ ۲۔ سب کو توحید کی دعوت دینا چاہیے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ

اے اہلِ کتاب کیوں تم جھگڑتے ہو میں ابراہیم اور نہیں نازل کی گئی تورات

وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ

اور انجیل مگر سے اس کے بعد تو کیا تم عقل نہیں رکھتے ؟ ہاں تم وہی لوگ تم نے جھگڑا کیا

فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ

جس میں تمہارے لیے اس کا علم پس کیوں تم جھگڑتے ہو اس میں جو نہیں تمہیں اس کا کچھ علم اور اللہ

يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی اور لیکن وہ تھے

حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ

ایک رخ فرمانبردار اور نہیں تھے سے مشرک (جمع) بیشک سب سے زیادہ نزدیک لوگ ابراہیم سے

لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۸

البتہ وہ لوگ انہوں نے پیروی کی اسکی اور یہ نبی اور وہ لوگ ایمان لائے اور اللہ کارساز مومن (جمع)

''اے اہل کتاب! تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل تو اس کے بعد نازل کی گئیں کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔ (۶۵) ہاں تمہارے پاس جس کا علم تھا ان میں جھگڑ چکے۔ لیکن اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۶۶) ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو یک سو مسلمان تھے اور نہ ہی وہ مشرکین میں سے تھے۔ (۶۷) سب سے زیادہ ابراہیم (علیہ السلام) کے نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی اطاعت کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان والے ہیں اور اللہ ہی مومنوں کا دوست ہے۔'' (۶۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کتاب اپنے غلط اور مشرکانہ موقف کی تائید کے لیے عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عیسائی اور یہودی ابراہیم علیہ السلام کو یہودی ثابت کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔ اس بات کی تردید اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ بتلاتے ہوئے ان کے ساتھ امت مسلمہ کے تعلق کی وضاحت کی گئی ہے۔

قومیں جب گمراہی کا شکار ہوتی اور الٹے پاؤں چلتی ہیں تو وہ صرف مذہب کا حلیہ ہی نہیں بگاڑا کرتیں بلکہ تاریخ کے مسلمہ حقائق کو تبدیل کرتے ہوئے اپنے اختلافات میں ان بزرگوں کو گھسیٹ لاتی ہیں جن کا ان کے اختلافات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ صرف اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لیے ان شخصیات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہودیوں نے عیسائیوں پر برتری ثابت کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی اور عیسائیوں نے یہودیوں پر اپنا سکہ جمانے کے لیے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عیسائی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ان کی دیکھا دیکھی مشرکینِ مکہ نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ ہم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور کعبہ کے متولی ہیں۔ اگر ہم ابراہیم علیہ السلام کے وارث اور تولیت کے اہل نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے گھر کا متولی اور نگران نہ بناتا۔ لہٰذا محمد اور اس کے ساتھیوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہودیوں، عیسائیوں اور اہل مکہ کی تردید کرنے کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رسول کریم اور آپ کی امت محمدیہ کے ساتھ رشتہ ثابت کرنے کے لیے ان کے عقیدے اور شخصیت کی وضاحت کی جارہی ہے کہ تورات وانجیل تو عرصۂ دراز کے بعد نازل ہوئیں۔ تم اپنی جہالت کی بنیاد پر ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور نہ ہی مشرکین کے ساتھ ان کا کوئی تعلق تھا اور نہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ماننے والوں کا ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام صرف ایک ہی رب کی عبادت کرنے اور اس کی توحید کی دعوت دینے والے اور اسی کے تابع فرمان تھے۔

افسوس! اسی مرض میں امتِ محمدیہ مبتلا ہو چکی ہے کہ آج خالص قرآن وسنت کے داعی کو مقلد حضرات طعنہ دیتے ہیں کہ تمہارا کوئی امام نہیں اور بغیر امام کے کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ کچھ علماء غلو کرتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مقلد تھے۔ (نعوذ باللہ) حالانکہ تقلید چار سو سال بعد شروع ہوئی۔ مزید تفصیل کے لیے سورۃ البقرۃ آیت: ۱۷۰ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ اہلِ تشیع نے اخلاق کی تمام حدیں پھلانگتے ہوئے واقعۂ کربلا کو اس قدر پھیلایا ہے کہ چند اصحاب کے علاوہ تین خلفاء اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہادت حسین میں ملوث کرتے ہوئے ان پر دشنام کرتے ہیں۔ جب کہ یہ واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ۷۴ سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ۳۶ سال بعد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ۲۶ سال بعد یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد تقریباً ایک سال بعد رونما ہوا۔ لہٰذا تمام حضرات کا واقعہ کربلا سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس کے باوجود شیعہ ان حضرات کو دشنام کرنے سے باز نہیں آتے۔

مسائل

۱۔ تورات وانجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئیں۔ ۲۔ جس مسئلہ کا علم نہ ہو اس میں بحث نہیں کرنی چاہیے۔
۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی، عیسائی اور مشرک نہیں تھے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔
۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق خاص:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ (الحدید: ۲۶)
۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ نسبت ہے۔ (آل عمران: ۶۸)
۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا۔ (البقرۃ: ۱۲۹)
۴۔ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ (الممتحنۃ: ۶)

وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ

چاہتی ہے ایک جماعت سے اہلِ کتاب کاش وہ گمراہ کردیں تمہیں اور نہیں وہ گمراہ کرتے

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ

مگر اپنے آپ کو اور نہیں وہ سمجھتے اے اہلِ کتاب کیوں تم انکار کرتے ہو

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ

للہ کی آیات حالانکہ تم گواہ ہو اے اہلِ کتاب کیوں تم ملاتے ہو سچ

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ

جھوٹ کے ساتھ اور تم چھپاتے ہو حق حالانکہ تم تم جانتے ہو اور کہا ایک جماعت

مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سے اہلِ کتاب تم مان لو وہ جو نازل کیا گیا پر جو لوگ ایمان لائے

وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج

اول حصہ دن اور منکر ہو جاؤ اس کے آخر (شام) شاید وہ وہ پھر جائیں

’’اہلِ کتاب کی ایک جماعت چاہتی ہے کہ تمہیں گمراہ کردیں دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں۔(۶۹) اے اہل کتاب! کیوں تم کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کا حالانکہ تم گواہ ہو۔(۷۰) اے اہل کتاب! تم جاننے کے باوجود حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور کیوں حق کو چھپاتے ہو؟(۷۱) اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر صبح کے وقت ایمان لاؤ اور شام کے وقت انکار کردو تاکہ مسلمان بھی مرتد ہو جائیں۔‘‘(۷۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب یہ جاننے کے باوجود کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی اور عیسائی نہیں تھے۔ پھر بھی اپنے مذہب کو تقویت دینے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ان کی شخصیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ گمراہ فرقوں کی ایک یہ بھی نشانی ہوتی ہے کہ وہ دلائل کی کمزوری کو شخصیات سے نسبت اور ان کی عقیدت کے حوالے سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآنِ مجید مسلمانوں کو بار بار اہلِ کتاب کی سازشوں اور عادتوں سے آگاہ کرتا ہے کہ اہلِ کتاب کی کوشش ہے کہ وہ کسی طرح تمہیں صراطِ مستقیم سے گمراہ کردیں۔ ان کی بدحرکتوں اور ان کے خبثِ باطن کے باوجود قرآنِ مجید انہیں سمجھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ قرآن جب بھی انہیں خطاب کرتا ہے تو اہلِ کتاب کے معزز لقب کے ساتھ مخاطب کرتا ہے، تاکہ انہیں اپنے مرتبے کا احساس ہو اور وہ بُری عادتیں چھوڑنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اسی لیے ایک دفعہ پھر انہیں اہل کتاب کے

نام پر سمجھایا جارہا ہے کہ حقیقت جاننے کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ اے اہلِ کتاب تمہیں حق چھپانے اور حق کو باطل کے ساتھ ملانے سے بھی باز آنا چاہیے۔ کیونکہ تم اس کے گناہ اور نقصان سے واقف ہو۔ جب کسی معاشرے کے پڑھے لکھے لوگ حقائق کا انکار کریں یا حق و باطل کے التباس کے جرم میں ملوث ہو جائیں تو پھر عوام الناس کا ہدایت تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دراصل عیسائیوں اور یہودیوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ عوام میں اسلام اور نبی آخر الزمان ﷺ کے بارے میں اس قسم کے شکوک و شبہات پیدا کر دیے جائیں کہ جن سے لوگ از خود اسلام سے دور رہنے کی کوشش کریں۔ اسی ذہنیت سے انہوں نے سازشوں کو نیا رنگ دے کر یہ منصوبہ بنایا کہ اپنے میں سے کچھ لوگوں کو صبح کے وقت محمد عربی ﷺ کے پاس بھیجا جائے۔ وہ ان کے سامنے اسلام کے اوصاف گنواتے ہوئے برملا ایمان لانے کا اظہار کریں لیکن ٹھیک دن کے آخر میں اسلام سے براءت کا اعلان کر دیں تا کہ ہم لوگوں اور عام مسلمانوں کو باور کروا سکیں کہ اگر اسلام میں سچائی اور آپ کے نبی میں کوئی خوبی ہوتی تو یہ پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگ مسلمان ہونے کے بعد کیوں اسے چھوڑتے؟ اس طرح مسلمان شکوک و شبہات کا شکار ہوں اور وہ بھی واپس پلٹنے کے لیے سوچیں۔ یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ اگر اہلِ کتاب بالخصوص یہودیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا پتہ چلتا ہے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے بہی خواہ بن کر ملتِ اسلامیہ کو بارہا نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ جس کی ابتدا عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کی تھی اور اس کے نتیجے میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین واقع ہوئیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ کاش! مسلمان اور ان کے سیاسی و مذہبی راہنما اہل کتاب خاص کر یہودیوں کی سازشوں کو سمجھ جائیں۔

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ ۲۔ کسی کو گمراہ کرنے والا خود گمراہ ہوا کرتا ہے۔
۳۔ اہلِ کتاب حقائق جاننے کے باوجود دینِ اسلام کا انکار کرتے ہیں۔
۴۔ اہلِ کتاب جان بوجھ کر حق و باطل کی آمیزش کرتے ہیں۔
۵۔ اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا آرہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اہلِ کتاب کے مذموم خیالات:

۱۔ اہلِ کتاب کی کوشش ہے کہ مسلمان بہک جائیں۔ (آل عمران: ۶۹)
۲۔ اہلِ کتاب حقائق جاننے کے باوجود اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۷۰)
۳۔ اہلِ کتاب جانتے ہوئے بھی حق کو باطل کے ساتھ ملاتے اور کتمان حق کرتے ہیں۔ (آلِ عمران: ۷۱)
۴۔ اہلِ کتاب کا مسلمانوں کو ورغلانے کا عجب انداز۔ (آل عمران: ۷۲، ۷۳)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ

اور نہ	مانو تم	سوائے	اس کے لیے جو پیروی کرے	تمہارا دین	آپ فرمادیں	بیشک ہدایت

اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ

اللہ کی ہدایت	یہ کہ	دیا جائے	کوئی ایک	جیسا	جو	تمہیں دیا گیا	یا وہ جھگڑا کریں تم سے

پاس	تمہارا رب	قُلْ	آپ فرمادیں	اِنَّ	بیشک	الْفَضْلَ	فضل

بِيَدِ	ہاتھ	اللّٰهِ	اللہ	يُؤْتِيْهِ	وہ یہ دیتا ہے	مَنْ يَّشَاۗءُ	جسے وہ چاہتا ہے

وَاللّٰهُ	اور اللہ	وَاسِعٌ	وسعت والا	عَلِيْمٌ ۝۷۳	جاننے والا	يَّخْتَصُّ	وہ خاص کر لیتا ہے

بِرَحْمَتِهٖ	اپنی رحمت سے	مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ	جس کو وہ چاہتا ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ	ذُو الْفَضْلِ	فضل والا

الْعَظِيْمِ ۝۷۴

بڑا

''اور اپنے دین پر چلنے والے کے سوا کسی اور کو تسلیم نہ کرو۔ کہہ دیجیے کہ بے شک ہدایت تو اللہ کی ہی ہدایت ہے۔ کہ کسی کو اس طرح کا دیا جائے جیسا تمہیں دیا گیا ہو یا یہ کہ تمہارے خلاف تمہارے رب کے حضور جھگڑا کریں۔ تم کہہ دو کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔ (۷۳) وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔'' (۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کسی کے نعروں اور دعووں سے دھوکہ کھانے اور ان پر اعتماد کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل کسی شخص کی ذات یا فرقہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی رحمت کی بدولت ہوا کرتا ہے۔

اہلِ کتاب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے باوجود فکر مند رہتے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ جو شخص بھی آپ سے ملاقات کرتا اور قرآن سنتا ہے وہ آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اہل کتاب کے سامنے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اس کی طویل لسٹ تھی۔ اکثر یہ ہوا کہ اہلِ مکہ اور اہلِ کتاب کا نمائندہ بن کر جانے والا شخص آپ ﷺ کی پُر جمال شخصیت اور دِل رُبا گفتگو سن کر اپنے دین سے دستبردار ہو جاتا۔ اس سے بچاؤ کے لیے انہوں نے اپنی عوام میں پُرزور مہم چلائی اور خاص کر سازشوں میں کردار ادا کرنے والوں کو تین باتیں سمجھائیں۔ ① اپنے پیشواؤں کے بغیر کسی کی بات نہ ماننا۔ ② صرف اس بات کو تسلیم کرنا جس کا وجود اور ثبوت تورات اور انجیل میں پایا جاتا ہو۔ ③ تیسری بات یہ باور کروائی جاتی کہ دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے دین کے بارے میں کوئی کمزور بات کر دو یا اسے چھوڑنے کا مسلمانوں کو عندیہ دو۔ یاد رکھنا! روزِ محشر مسلمان تمہارے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور جھگڑا کریں گے۔ تمہیں وہاں کوئی چھڑانے والا نہیں ہوگا۔ اس طرح کی بے محل مصنوعی فکرِ آخرت کا خوف دلا کر لوگوں کو ڈرایا کرتے تھے۔ باطل نظریات کے حامل لوگ شروع

سے حق کے خلاف یہی ہتھیار استعمال کرتے آرہے ہیں۔اس کے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئیں۔اے اہل کتاب! تمہارا صبح کے وقت ایمان لانا اور شام کے وقت انکار کرنا اہلِ حق کو صراطِ مستقیم سے نہیں ڈگمگا سکتا کیونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔جب وہ کسی کو ہدایت سے سرفراز کرتا ہے تو دنیا کی کوئی سازش اس کے قدموں کو ڈگمگا نہیں سکتی۔یہ بھی یاد رکھو کہ ہدایت وہ نہیں جسے اہلِ کتاب یا دنیا کا کوئی شخص ہدایت قرار دے۔ہدایت حقیقتاً وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمائی ہے۔یہ سراسر اللہ کا فضل ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نبوت اور ہدایت کے لیے منتخب فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، وسعتوں اور اس کے لامحدود فضل کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔

«عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ» (رواہ مسلم: باب تصریف اللہ القلوب حیث یشاء)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں۔وہ ان کو پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔پھر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیرے رکھنا۔''

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی بجائے اپنے عقیدہ کو حق سمجھتے ہیں۔

۲۔ جماعتوں اور انسانوں کا من گھڑت عقیدہ ہدایت نہیں ہوا کرتا۔

۳۔ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے اور اس کے فضل سے ملتی ہے۔۴۔فضل سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔۶۔اللہ تعالیٰ وسعت اور علم والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے:

۱۔ ہدایت کا اختیار نبی ﷺ کو بھی حاصل نہیں تھا۔(القصص:۵۶)۲۔ہدایت پانا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔(الحجرات:۱۷)

۳۔ نبی کسی کو ہدایت پر گامزن کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔(البقرہ:۲۷۲)

۴۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔(ابراہیم:۴)۵۔وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔(البقرۃ:۲۱۳)

۶۔ جسے اللہ گمراہ کردے کوئی اسے ہدایت نہیں دے سکتا۔(الاعراف:۱۸۶)

۷۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پاسکتا۔(الاعراف:۴۳)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ

اور سے اہلِ کتاب جو اگر امانت رکھیں اسکے ہاں ڈھیر مال ادا کردیگا اسے آپکی طرف

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا

اوران سے جو اگر آپ امانت رکھیں اس کے پاس ایک دینار وہ اسے ادا نہیں کریگا آپ کو مگر

مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا

جب تک آپ رہیں اس پر کھڑے یہ اس لیے کہ بیشک وہ کہتے ہیں نہیں ہم پر

فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

میں ان پڑھ (جمع) کوئی راہ اور وہ بولتے ہیں پر اللہ جھوٹ اور وہ جانتے ہیں

''بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اگر انہیں خزانے کا امین بنادیں تو وہ تمہیں واپس کردیں گے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں اگر ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھیں تو وہ آپ کو نہیں لوٹائیں گے الا یہ کہ آپ اس کے سر پر سوار رہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر جاہلوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں یہ جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔'' (۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کی علمی خیانت کے بعد مالی بددیانتی کا تذکرہ۔

اہلِ کتاب کا کثیر طبقہ ہمیشہ سے علمی خیانت کے ساتھ مالی بددیانتی کا شکار رہا ہے۔ اس کی وجہ دین سے لاعلمی، بشری کمزوری اور صرف مالی ہوس نہیں۔ بلکہ بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی کو رسول تسلیم نہ کریں۔ اسی طرح ان کا یہ بھی نظریہ ہے کہ غیر یہودی اور اَن پڑھ لوگوں کے بارے میں ہمیں پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ ان کا مال لوٹنا ہمارے لیے جائز ہے۔ ان کے نزدیک اَن پڑھ سے مراد خاص طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہے۔

ان کی کتابوں میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی یہودی کے ہاں ایسا مقدمہ پیش ہو جس میں ایک فریق غیر یہودی ہو تو یہودی جج کا فرض ہے کہ وہ ہر طریقے سے اپنے یہودی بھائی کو فائدہ پہنچائے۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے نزدیک غیر یہودی کو قتل کرکے اس کا مال ہڑپ کرنا بھی جائز ہے۔ اس باطل نظریے کی وجہ سے ان میں اس قدر بے باکی پیدا ہوئی کہ اگر یہودیوں کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اسے غصب کرنا شرعی حق اور ہر قسم کی عہد شکنی کو اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ امانت رکھنے والا ان کے سر پر سوار ہو جائے بصورتِ دیگر ان سے امانت کی واپسی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس خیانت اور بددیانتی کا جواز تورات سے پیش کرتے ہیں۔ اس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ وہ دین کو ڈھال

کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیانت کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ قرآنِ مجید کی انصاف اور اصول پسندی پر قربان جایئے کہ اس نے یہودیوں میں جو دیانتدار لوگ ہیں ان کو یہ کہہ کر مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ ان میں دیانت دار بھی ہیں۔ جن کے پاس ایک خزانہ بھی رکھ دیا جائے تو وہ اس کی پائی پائی لوٹانے کے لیے تیار رہتے ہیں امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی لوگ ہی آپ کی نبوت پہ ایمان لانے والے ہیں۔

یہودیوں کے بارے میں اسرائیلی اخبار و بزنس ڈیٹا کی رپورٹ:

یہ یہودی فلاسفی ہے کہ یہودی دنیا میں اعتماد، یقین، لین دین، وعدے وعید اور پیسے روپے کے معاملہ میں بدترین قوم ہیں۔ چاروں آسمانی کتابیں متفق ہیں کہ یہودی وعدے کے کمزور ہوتے ہیں۔ بات کر کے مکر جانا ان لوگوں کا شیوہ ہے ان کی پانچ ہزار سال کی تاریخ بتاتی ہے یہ لوگ جس جگہ رہتے ہیں اس جگہ کا امن وسکون اور اطمینان غارت ہو جاتا ہے وہ جگہ ''دارالحرب'' بن جاتی ہے۔ اس جگہ جنگیں اور لڑائیاں ہوتی ہیں۔ یہ ان لوگوں پر وہ سیاہ دھبے ہیں۔ جنہیں شاید اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں دھو سکتی۔ یہ لوگ کرپٹ بھی ہوتے ہیں، اسی اخبار میں عالمی بنک کے اعداد و شمار چھپے ہیں ان اعداد و شمار میں انکشاف ہوا کہ اسرائیل کا شمار اس وقت کے کرپٹ ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ (بحوالہ جنگ اخبار ۱۰ ستمبر ۲۰۰۵ء)

مسائل

۱۔ یہودیوں کی غالب اکثریت خائن لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

۲۔ یہودیوں میں کچھ لوگ امانت دار بھی ہوتے ہیں۔ ۳۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ غیر یہودی کا مال ہڑپ کرنا جائز ہے۔

تفسیر بالقرآن

اہل کتاب کی اکثریت بددیانت اور حرام خور ہے:

۱۔ اہلِ کتاب رشوت خور ہیں۔ (البقرۃ:۸۵) ۲۔ اہلِ کتاب حرام خور ہیں۔ (البقرۃ:۱۷۴)

۳۔ اہل کتاب بددیانت ہیں۔ (آل عمران:۷۵) ۴۔ اہلِ کتاب سود خور ہیں۔ (النساء:۱۶۱)

۵۔ اہلِ کتاب کی اکثریت گناہ اور زیادتی کے کاموں میں جلدی کرنیوالی اور سود خور ہے۔ (المائدۃ:۶۲)

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

کیوں نہیں جو پورا کرے اپنا اقرار اور پرہیزگار رہے تو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو

''کیوں نہیں جو شخص اپنا عہد پورا کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔''(۷۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ موسیٰ کے علاوہ کسی نبی پر ایمان نہ لائیں۔ یہاں ان کے اس دعویٰ کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو تمام انبیاء سے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا۔ لہٰذا جو شخص انبیاء کے عہد کی پاسداری کرتے ہوئے نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لائے اور اللہ کی نافرمانی سے بچے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

انسان کا تعلق کسی مذہب سے ہو وہ فطری اور شرعی طور پر تین باتوں کا مکلّف ہوتا ہے۔ تخلیقِ آدم کے وقت اللہ تعالیٰ سے ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کے جواب میں توحید کا اقرار کرنا، ہر نبی کے عہد اور اعلان کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانا اور ایک دوسرے کے ساتھ کیے گئے عہد کی پاسداری کرنا۔ جو شخص بھی وعدہ ایفاء کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ إِلاَّ قَالَ لاَ إِيمَانَ لِمَنْ لاَ أَمَانَةَ لَهُ وَلاَ دِينَ لِمَنْ لاَ عَهْدَ لَهُ»(رواہ احمد: مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ [صحیح])

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی نے جب بھی ہمیں خطبہ دیا آپ نے فرمایا اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانتداری نہیں اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہیں۔''

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ ہر بدعہد کے لیے جھنڈا ہوگا جو اس کی بدعہدی کے مطابق نمایاں ہوگا۔''(رواہ البخاری: باب إِثْمِ الْغَادِرِ لِلْبَرِّ وَالْفَاجِرِ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے عہد اور اس کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں۔ ۲۔ ایک دوسرے سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

ایفائے عہد کا حکم:

۱۔ وعدہ پورا کرنے کا حکم۔(المائدۃ:۱) ۲۔ قیامت کو عہد کی باز پرس۔(بنی اسرائیل:۳۴)
۳۔ عہد پورا کرنے والے متقی ہیں۔(البقرۃ:۱۷۷) ۴۔ عہد پورا کرنے والے عقل مند ہیں۔(الرعد:۱۹،۲۰)
۵۔ عہد پورا کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم ہے۔(الفتح:۱۰) ۶۔ عہد پورا کرنے والے جنتی ہیں۔(المومنون:۱۰،۱۱)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَشْتَرُوْنَ	بِعَهْدِ اللّٰهِ	وَاَيْمَانِهِمْ	ثَمَنًا	قَلِيْلًا	اُولٰٓئِكَ
بیشک	جولوگ	وہ خریدتے ہیں	اللہ کے عہد کے بدلے	اوراپنی قسمیں	قیمت	تھوڑی	یہی لوگ

لَا خَلَاقَ	لَهُمْ	فِي الْاٰخِرَةِ	وَلَا	يُكَلِّمُهُمُ	اللّٰهُ	وَلَا	يَنْظُرُ
نہیں حصہ	ان کیلئے	میں	آخرت	اورنہ ان سے کلام کرے گا	اللہ	اورنہ	نظر کرے گا

اِلَيْهِمْ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	وَلَا	يُزَكِّيْهِمْ ۪	وَلَهُمْ	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾
ان کی طرف	دن	قیامت	اورنہ انہیں پاک کرے گا		اوران کے لیے	عذاب	دردناک

''بے شک جولوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔''(۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سلسلہ کلام گزشتہ سے پیوستہ۔ اہل کتاب عہد شکن اور ایمان فروش ہیں دنیوی مفاد کے لیے عہد توڑنے اور ایمان فروشی کی سزا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم، دین اور اس کی عظمت کے مقابلے میں دنیا کی بادشاہت اور دولت کی کوئی حیثیت نہیں۔ دین میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عہد اور حکم کو دنیا کی خاطر چھوڑنا عہد اور دین بیچنے کے مترادف ہے۔ اس جرم میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو قسموں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نام کو ڈھال اور دنیاوی مفاد کا ذریعہ بناتے ہیں۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى أَنَّ رَجُلًا أَقَامَ سِلْعَةً وَهُوَ فِي السُّوقِ فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ أَعْطَى بِهَا مَا لَمْ يُعْطِ لِيُوقِعَ فِيهَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَنَزَلَتْ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا»

(رواہ البخاری: کتاب الشھادات، باب قول اللہ تعالیٰ ان الذین یشترون الخ)

''حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار میں اپنا سودا لگایا اور دوسرے مسلمان کو یہ کہہ کر سودا فروخت کیا کہ اللہ کی قسم! مجھے اس کا اتنا منافع ملتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔''

دین کے نام پر سیاسی، مالی اور سماجی مفادات اٹھانا دین کو بیچنے کے برابر ہے۔ اہلِ کتاب کے علماء کا یہ بھی شیوہ تھا کہ انہوں نے دین کو محض پیشہ کے طور پر اختیار کر رکھا تھا۔ وہ تعلیم و تعلّم اور تبلیغ و اشاعت کا اتنا ہی کام کرتے تھے۔ جتنا ان کو معاوضہ ملتا اور فائدہ پہنچتا تھا۔ ایسے مذہبی مجرموں کے لیے پانچ سزاؤں کا اعلان کیا گیا ہے۔ ① ان کے لیے آخرت میں کوئی اجر نہیں ہوگا۔ ② اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا۔ ③ اللہ تعالیٰ انہیں نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ ④ انہیں گناہوں سے پاک نہیں کیا جائے گا۔ ⑤ ان کے لیے اذیت ناک عذاب ہوگا۔

مسائل

۱۔ آخرت کے مقابلے میں پوری دنیا حقیر اور قلیل ہے۔ ۲۔ دین کے بدلے دنیا کمانے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو اذیت ناک عذاب دیں گے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ

اور بیشک ان سے البتہ ایک فریق مروڑتے ہیں وہ اپنی زبانیں ساتھ کتاب کے تاکہ تم اسے سمجھو سے

الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا

کتاب حالانکہ نہیں وہ سے کتاب اور وہ کہتے ہیں وہ سے پاس اللہ حالانکہ نہیں

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

وہ سے پاس اللہ اور وہ بولتے ہیں پر اللہ جھوٹ اور وہ جانتے ہیں

''یقیناً ان میں ایسی جماعت بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتے ہیں تاکہ تم اسے کتاب ہی خیال کرو حالانکہ وہ بات کتاب میں نہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔''(۷۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کے کردار کی مزید وضاحت کہ تاریخی حقائق بدلنے اور ان کا انکار کرنے کے ساتھ لسانی کرتب کے ذریعے باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں اور اُسے اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہیں۔

اہلِ کتاب نے اپنی طرف سے شریعت بنانا، حق و باطل کو خلط ملط کرنا، دنیا کی خاطر دین و ایمان فروخت کرنا اور حق چھپانا اپنے مذہب کا حصہ بنالیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان میں سے ایک گروہ تورات اور انجیل کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تاکہ سننے والا اس پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے اس میں بے شمار ترامیم و اضافے کیے اور لوگوں کو باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ تورات اور انجیل کی عبارت اور حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اس طرح جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

افسوس! آج امتِ محمدیہ کے بیشتر علماء اور فرقوں کا بھی یہی طرزِ عمل ہے کہ وہ اپنے گروہی نظریات، ذاتی خیالات اور فقہی مسائل کو متبادل دین کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اپنے خطبات اور فتاویٰ میں قرآن و سنت کا حوالہ دینے کے بجائے فقہ کی کتب کا حوالہ دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ مدارس میں زیادہ وقت قرآن و حدیث پڑھانے کی بجائے کئی کئی سال اپنے فرقہ کی فقہ ہی پڑھائی جاتی ہے۔

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب گروہی خیالات کو کتاب اللہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ۲۔ اہلِ کتاب دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

۱۔ اہلِ کتاب زبان کے ہیر پھیر سے کتاب کو بدلتے ہیں۔ (آل عمران:۷۸)

۲۔ زبان کے ہیر پھیر سے نبی ﷺ کی گستاخیاں کرتے ہیں۔ (البقرۃ:۱۰۴)

۳۔ اہلِ کتاب الفاظ کے ادل بدل سے کلام اللہ کا مفہوم بدلتے ہیں۔ (النساء:۴۶)

مَا	كَانَ	لِبَشَرٍ	اَنْ	يُّؤْتِيَهُ	اللّٰهُ	الْكِتٰبَ	وَالْحُكْمَ
نہیں	ہے	کسی آدمی کیلئے	یہ کہ	اسے عطا کرے	اللہ	کتاب	اور حکومت
وَالنُّبُوَّةَ	ثُمَّ	يَقُوْلَ	لِلنَّاسِ	كُوْنُوْا	عِبَادًا	لِّيْ	مِنْ	دُوْنِ
اور نبوت	پھر	وہ کہے	لوگوں کو	تم ہو جاؤ	بندے میرے لیے		سے	علاوہ
اللّٰهِ	وَلٰكِنْ	كُوْنُوْا	رَبّٰنِيّٖنَ	بِمَا	كُنْتُمْ	تُعَلِّمُوْنَ	الْكِتٰبَ
اللہ	اور لیکن	تم ہو جاؤ	اللہ والے	اس لیے کہ	ہو تم	تم سکھاتے ہو	کتاب
وَبِمَا	كُنْتُمْ	تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾	وَلَا	يَاْمُرَكُمْ	اَنْ	تَتَّخِذُوا	الْمَلٰٓئِكَةَ
اور اس لیے کہ	ہو تم	تم پڑھتے ہو	اور نہ	وہ حکم دے گا تمہیں	یہ کہ	تم ٹھہراؤ	فرشتے
وَالنَّبِيّٖنَ	اَرْبَابًا ؕ	اَيَاْمُرُكُمْ	بِالْكُفْرِ	بَعْدَ	اِذْ	اَنْتُمْ	مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع
اور نبی (جمع)	پروردگار	کیا وہ تمہیں حکم دے گا	کفر کا	بعد	جب	تم ہو	مسلمان (جمع)

''کسی انسان کو جائز نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ کتاب وحکومت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ اسے کہنا چاہیے کہ تم سب رب کے بندے بن جاؤ اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم سکھاتے ہو اور خود بھی اس میں پڑھتے ہو۔(۷۹) اور نہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب ٹھہرا لینے کا حکم کرے گا کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟''(۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو کتاب، نبوت اور حکمرانی سے نوازا۔ اس لیے ان کے بہانوں میں ایک بہانہ یہ تھا کہ ہمیشہ سے کتاب، نبوت اور حکومت ہمیں ملتے آئے ہیں۔ اب ہم کسی دوسرے شخص کو نبی کیوں تسلیم کریں۔ یہاں اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب، حکومت اور نبوت سے نوازے تو وہ لوگوں کو اللہ کا بندہ بنانے کی بجائے اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرے۔ لہٰذا تمہیں لوگوں کو اپنا بندہ بنانے کی بجائے خود اللہ کے بندے بننا چاہیے یہی اسلام کی دعوت اور مسلمان ہونے کا تقاضا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس وفدِ نجران آیا آپ نے ان کو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وحی کی صورت میں جب ٹھوس اور مکمل معلومات فراہم کر دیں تو وہ لاجواب اور کھسیانے ہو کر کہنے لگے تو پھر ہمیں آپ کی عبادت کرنی چاہیے؟ ہمیں تو عیسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح عبادت کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ وضاحت نازل ہوئی کہ کسی بشر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب، نبوت وحکومت کے ساتھ سرفراز فرمائے تو وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حکم دینے کی بجائے اپنی بندگی پر آمادہ کرے۔ پیغمبر تو لوگوں کو رب کے بندے بنانے کے لیے مبعوث کیے جاتے ہیں اسی کی وہ تعلیم دیتے اور تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ اس بات کا حکم بھی

نہیں دیتے کہ لوگ ملائکہ اور انبیاء کو رب یا اس کا جُزو بنالیں وہ تمہیں کیونکر کفر کا حکم دے سکتے ہیں جب کہ تم مسلمان ہو۔ جہاں تک عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو وہ دوٹوک الفاظ میں کہا کرتے تھے کہ میرا اور تمہارا رب ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محشر کے میدان میں جب ان سے یہ سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ! کیا تو نے عیسائیوں کو یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو الٰہ بنالو؟ تو عیسیٰ علیہ السلام تھر تھر کانپتے ہوئے عرض کریں گے کہ بارِالٰہ! ایسی بات میں کیونکر کہہ سکتا تھا جسے کہنے کی مجھے اجازت نہ تھی۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہے تو تجھے معلوم ہے۔ تو میرے دل کی حالت سے بھی واقف ہے جب کہ میں تیرے فیصلے کو نہیں جانتا۔ میں نے تو صرف یہ بات کہی تھی کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے (المائدۃ:۱۱۶، ۱۱۷) یہی بات رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمائی، جب ایک صحابی نے ملکِ فارس سے واپسی پر آپ کے قدموں پر سجدہ کرنے کی کوشش کی تو آپ نے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں نے سجدہ کرنے کی اجازت دینا ہوتی تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ ریز ہوا کرے۔ لیکن یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے اور کسی کے سامنے جھکنے کی اجازت نہیں ہے۔

«عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ رَسُولُ اللهِ أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَهُ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ إِنِّي أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ» (رواہ ابو داؤد: کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأۃ [صحیح])

''حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ گیا تو میں نے انہیں بادشاہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول سجدے کے زیادہ لائق ہیں۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کی کہ میں نے حیرہ میں دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بتلایئے! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ اگر میں نے کسی کو کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دینا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پر جو حق رکھا ہے۔ اس وجہ سے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔''

مسائل

۱۔ کسی پیغمبر کو بھی اختیار نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرے۔
۲۔ اللہ کے پیغمبر لوگوں کو اللہ ہی کا بندہ بننے کی تلقین فرماتے تھے۔ ۳۔ ملائکہ اور انبیاء یا کسی دوسرے کو الٰہ کا درجہ نہیں دینا چاہیے۔
۴۔ آسمانی کتاب، حکومت اور کسی کو نبوت دینا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔
۵۔ ملائکہ، انبیاء اور کسی بزرگ کو خدائی درجہ دینا کفر ہے۔ ۶۔ شرک اور کفر باہم مترادف ہیں۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ

اور جب لیا اللہ عہد انبیاء جو کچھ میں تمہیں دوں سے کتاب اور حکمت پھر آئے تمہارے پاس

رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ

رسول تصدیق کرتا ہوا اسکی جو تمہارے پاس تم ضرور ایمان لاؤ گے اس پر اور تم ضرور مدد کرو گے اس کی اس نے فرمایا

ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا

کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے قبول کیا پر اس میرا عہد انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا اس نے فرمایا پس تم گواہ رہو

وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور میں تمہارے ساتھ سے گواہ (جمع) پھر جو پھر جائے بعد اس تو وہی وہ نافرمان (جمع)

''جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دوں تو پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا لازم ہے فرمایا کہ کیا تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (۸۱) پس اس کے بعد جو پھر جائیں وہ یقیناً نافرمان ہیں۔'' (۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عیسائیوں اور یہودیوں کے الزام، بہانے اور جھوٹ کی تردید۔

یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر اور عیسائی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے کہتے ہیں۔ ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اپنے انبیاء کے علاوہ کسی نبی پر ایمان نہ لائیں۔ ان کی کذب بیانی کی تردید کرتے ہوئے اس عہد کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم کے وقت انبیائے کرام سے لیا تھا کہ میں تمہیں کتاب وحکمت سے سرفراز کروں گا۔ لیکن ایک آخر الزمان پیغمبر آنے والا ہے جو تمہاری شریعتوں کی تائید کرے گا۔ جس کے دور میں وہ پیغمبر آئے اُس نبی کا فرض ہوگا کہ وہ اس پر ایمان لائے اور اس کی نصرت وحمایت کرے۔ فرمایا کہ کیا تم اس بات کا اقرار اور میرے ساتھ وعدہ کرتے ہو؟ تمام انبیاء نے بیک زبان ہو کر اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ ہم نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ فرمایا پھر گواہ رہنا اور میں بھی اپنی شہادت تمہارے ساتھ ثبت کرتا ہوں۔ یاد رکھنا! کہ جس نے اس عہد سے انحراف کیا وہ نافرمان سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ہر نبی اور رسول نے اپنے دورِ نبوت میں اپنی امّت کو ہدایت کی کہ جوں ہی خاتم المرسلین تشریف لائیں تو تمہارا فرض ہوگا کہ تم میری نبوت چھوڑ کر اور اس پر ایمان لا کر اس کی نصرت وحمایت کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے لیے حضرت ابراہیم ﷺ نے دعا مانگی اور اپنی دعا میں اس تمنا کا اظہار کیا کہ بارِالٰہ! وہ آخری نبی مکہ معظّمہ میں مبعوث فرمانا۔ اس طرح انہوں نے علاقے اور ایک شہر کی نشاندہی فرمادی (البقرۃ:۱۲۹) ان کے بعد آپ کی رسالت کا ہر نبی اعلان کرتا رہا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نے آپ

کے اسمِ گرامی سے بنی اسرائیل کو آگاہ فرمایا کہ اس آخری رسول کا نام نامی اسم گرامی احمد ہوگا۔ (الصّف:۶) بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ یہ عہد انبیاء سے لینے کی بجائے ان کی وساطت سے ان کی امتوں سے لیا گیا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید دوٹوک انداز میں واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد انبیاء سے براہِ راست لیا تھا۔ دراصل ان حضرات کو ''فَمَنْ تَوَلّٰی'' (کہ تم میں سے عہد سے پھر جائے) کے الفاظ سے مغالطہ ہوا ہے اس لیے کہ نبی تو عام آدمی کے ساتھ عہد شکنی نہیں کرتا چہ جائے کہ اللہ کے ساتھ انبیاء کی وعدہ خلافی کے بارے میں کچھ کہا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے بارے میں یہ سوچنا گناہ ہے لیکن بات کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآنِ مجید نے کئی مقامات پر یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے۔ یہ انداز اس لیے اپنایا گیا کہ معاملہ رب ذوالجلال کے ساتھ ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ عہد انبیائے عظام سے ہوا کیونکہ خالق کو اپنی مخلوق پر حق ہے کہ جس طرح چاہے خطاب فرمائے۔ یہاں عہد کے بجائے میثاق کا لفظ استعمال فرمایا جو اہمیت کے اعتبار سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ محترم ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اس طرح بھی خطاب فرمایا ہے:

{ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ } (الزمر:۶۵) ''اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔''

{ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۸ } (الانعام:۸۸)

''اور اگر یہ انبیاء بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت

''میں دنیا میں اس لیے آیا ہوں کہ اس اللہ کے رسول کی آمد کے لیے راستہ ہموار کروں جو دنیا کو نجات دلائے گا۔ لیکن خبردار! دھوکہ نہ کھانا، کیونکہ بے شمار جھوٹے نبی آئیں گے جو میرا نام لیں گے اور میری انجیل میں ملاوٹ کریں گے۔'' [برناباس۔ باب ۷۱]

''وہ تمہارے وقتوں میں نہیں آئے گا بلکہ تمہارے کچھ عرصے کے بعد آئے گا جب کہ میری انجیل مسترد کر دی جائے گی..... وہ دنیا سے بت پرستی کا خاتمہ کرے گا اور ان لوگوں سے بدلہ لے گا جو مجھے آدمی سے بڑھ کر کچھ اور تصور کریں گے۔'' [برناباس۔ باب ۷۱]

مسائل

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا تمام انبیاء نے اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی شہادت ثبت فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء ایک دوسرے کے تصدیق کرنے والے تھے:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے پہلے انبیاء کی تصدیق کی۔ (الصافات:۳۷)

۲۔ قرآن پہلی کتب کی تصدیق کرنے والا ہے۔ (آل عمران:۳) ۳۔ انبیاء ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے تھے۔ (البقرہ:۱۰۱)

۴۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تصدیق کی۔ (آل عمران:۵۰) ۵۔ حضرت یحییٰ، عیسیٰ علیہما السلام کے مصدق تھے۔ (آل عمران:۳۹)

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا سوائے اللہ کا دین وہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کیلئے فرمانبردار ہوا وہ جو میں آسمانوں اور زمین

طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

خوشی خوشی اور ناخوشی اور اس کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے کہہ دیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا

عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

ہم پر اور جو نازل کیا گیا پر ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء سے ان کا رب ہم فرق نہیں کرتے درمیان

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۠ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ

کوئی ایک ان سے اور ہم اسی کے فرماں بردار اور جو تلاش کرے گا سوا اسلام

دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

کوئی دین تو ہرگز نہیں قبول کیا جائیگا اس سے اور وہ میں آخرت سے نقصان اٹھانے والے

''کیا اللہ کے دین کے سوا وہ کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار ہے اور سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (۸۳) آپ کہہ دیں کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم، اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ اور دوسرے انبیاء اللہ کی طرف سے دیے گئے ان سب پر ایمان لائے ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ (۸۴) جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والے ہوں گے۔'' (۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کتاب اور اللہ کے نافرمانوں کو بار بار سوچنا چاہیے کہ تمہاری بدعہدی اور نافرمانی سے رب کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ زمین و آسمان کی ہر چیز اپنے خالق و مالک کی تابعدار ہے۔ جب ساری مخلوق تابعدار اور تمام انبیاء نے نبی ﷺ کی نبوت کا اقرار اور اس سے عہد کیا تو تم نبوت کا انکار اور اللہ کی بغاوت کرنے والے کون ہوتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام ماننے کا نام دین ہے۔ اے اہلِ کتاب اور دنیا جہان کے لوگو! کیا اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ کر کسی اور کی تابعداری کرنا چاہتے ہو؟ ذرا غور کرو اور سوچو کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی فرمانبرداری میں لگی ہوئی ہے۔ سورج اس کے حکم کے مطابق ڈیوٹی دے رہا ہے، چاند اس کی اطاعت میں اپنی منازل طے کرتا ہے، ستارے اسی کے فرمان کے مطابق چھپتے اور ظاہر ہوتے ہیں۔ دریا اور سمندر اس کے حکم سے رواں دواں ہیں۔ ہوائیں اس کی فرمانبرداری

میں چلتی اور رکتی ہیں، رات اور دن اس کے حکم سے ایک دوسرے کے آگے پیچھے چل رہے ہیں جونہی حکم ہوگا پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ہوائیں تھم جائیں گی، سمندر جامد ہو جائیں گے، سورج اپنا رخ موڑ لے گا اور لیل ونہار کی گردشیں رک جائیں گی گویا کہ پورے کا پورا نظام لفظ ''کُنْ'' سے جامد، ساکت اور الٹ پلٹ ہو جائے گا۔ جب پورا نظام اللہ تعالیٰ کی سمع و طاعت اور اس کے حکم سے انسان کی خدمت میں لگا ہوا ہے تو حیف ہے انسان پر جو اس کی ذات کا انکار اور اس کے حکم سے سرتابی کرتے ہوئے پورے نظام کے ساتھ بغاوت اور اس کے خلاف چلتا ہے۔ لہٰذا انتباہ کے انداز میں سوال کیا جا رہا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے نظامِ قدرت کے خلاف چلنا چاہتے ہو؟ حالانکہ زمین و آسمان کی ہر چیز چار و ناچار اس کے حکم کی فرمانبردار ہے۔ لفظ ''کَرْهًا'' استعمال فرما کر باغی انسانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جو اللہ ہواؤں کا رخ موڑ دیتا ہے، سمندروں کو جامد کر دیتا ہے، پہاڑوں کو پھاڑ کر چشمے چلا دیتا ہے، شمس و قمر اپنے عظیم وجود کے باوجود اس کے سامنے بے بس ہیں، آسمان اپنی بلندیوں کے باوجود اس کے زیرِ تسلط ہیں، زمین کی وسعت و کشادگی اس کی کرسیِ اقتدار کے سامنے ایک انگوٹھی کے مانند ہے تو اے انسان! تم اس رب کی دسترس سے کس طرح باہر ہو سکتے ہو؟ اس کی دی ہوئی مہلت کے بعد بالآخر تم نے اسی کے حضور پیش ہونا ہے۔

دین کی روح اور مدعا اللہ تعالیٰ کی سمع و طاعت کا نام ہے اور یہی انبیاء کرام کی دعوت ہے اور اسی پر وہ ایمان لائے اور اسی کی اطاعت کرتے رہے۔ لہٰذا اے رسول! تم اس بات کا اعلان کرو کہ میں ہی نہیں بلکہ ہم سب کے سب اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام پر نازل کیا گیا ہم ان میں سے کسی ایک کی نبوت کی نفی اور ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے ماننے والے ہیں اور یہی انبیاء کا دین اور طریقۂ حیات تھا۔ جو بھی اس طرزِ بندگی اور سمع و طاعت کے طریقہ سے ہٹ کر زندگی بسر کرے گا اس کی کوئی نیکی اور کاوش اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوگی اور اس کا انجام بالآخر نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

مسائل

۱۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہے۔ لہٰذا جن و انس کو بھی اللہ کی اطاعت کرنا چاہیے۔
۲۔ سب نے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ ۳۔ اسلام کے سوا دوسرا دین قبول نہیں کیا جائے گا۔
۴۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ انبیاء اور ان کی کتابوں کا من جانب اللہ ہونا بلا تفریق تسلیم کیا جائے۔
۵۔ دینِ اسلام کے خلاف چلنے والا بالآخر نقصان اٹھائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اسلام کی اہمیت:

۱۔ اسلام کے بغیر کوئی دین قبول نہیں ہوگا۔ (آل عمران: ۸۵) ۲۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ (آل عمران: ۱۹)
۳۔ یوسف علیہ السلام کی اسلام پر موت کی دعا۔ (یوسف: ۱۰۱) ۴۔ سب کو اسلام پر ہی مرنے کا حکم۔ (البقرۃ: ۱۳۲)

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ

کیونکر ہدایت دے گا اللہ قوم وہ کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان اور انہوں نے گواہی دی بیشک

الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۶

رسول سچے اور آئیں ان کے پاس نشانیاں اور اللہ ہدایت نہیں دیتا قوم ظالم (جمع)

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۷

یہی لوگ ان کی سزا بیشک ان پر اللہ کی لعنت اور فرشتے اور لوگ تمام

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۸۸

ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی

''اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جو ایمان لانے اور رسول کی سچائی کی گواہی دینے اور اپنے ہاں واضح دلائل آجانے کے بعد کفر کریں اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۸۶) ان کی یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (۸۷) جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔'' (۸۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انبیاء کے مشن اور نظام کائنات کے خلاف چلنے والے کفار کی دنیا میں سزا اور آخرت میں ان کا انجام۔

اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے والوں سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔ کیونکہ تورات اور انجیل کے حوالے سے وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں قلبی طور پر مانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ اس فرمان کے مخاطب اہلِ کتاب ہوں یا مرتدین آپ کی رسالت کی حقیقت کے ٹھوس دلائل جاننے کے باوجود جو بھی تسلیم ورضا کا رویہ اختیار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت عطا نہیں کیا کرتا۔ جو شخص اپنے آپ پر ظلم کرنے کے درپے ہو جائے اس کا ہاتھ پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہر زبان میں محاورہ ہے کہ ''سوئے ہوئے کو تو جگایا جا سکتا ہے۔ لیکن جاگتے کو جگانا محال ہوتا ہے۔'' یہاں بھی ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ جنہوں نے آپ کی رسالت کو اس طرح پہچان لیا ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے کو پہچان لیتا ہے لیکن پھر بھی تعصب یا کسی مفاد کے چھن جانے کے خوف سے آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ایسے ظالموں کو ہدایت دینا تو درکنار ان پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور دنیا جہان کے انسان پھٹکار بھیجتے ہیں۔ پھٹکارا ہوا شخص ہدایت پائے تو کس طرح؟ انہیں پھٹکار کی حالت میں ہمیشہ رہنا ہے اور یہ پھٹکار انہیں بالآخر جہنم میں لے جائے گی۔ جہاں ان پر نہ کبھی عذاب ہلکا ہوگا اور نہ وہ اس سے چھٹکارا پا سکیں گے۔

مسائل

۱۔ جان بوجھ کر حق کا انکار کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ ۲۔ کفار پر اللہ تعالیٰ اور پوری مخلوق لعنت کرتی ہے۔

اِلَّا	الَّذِيْنَ	تَابُوْا	مِنْ	بَعْدِ	ذٰلِكَ	وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ
مگر	جولوگ	انہوں نے توبہ کی	سے	بعد	اس	اورانہوں نے اصلاح کی تو بے شک

اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾
اللہ	بخشنے والا	رحم کرنیوالا

''مگر جولوگ توبہ اور اصلاح کرلیں تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''(۸۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کے لیے توبہ کی گنجائش اور توبہ کرنے پر مہربانی کا وعدہ۔

توبہ کا معنیٰ پلٹنا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے گناہوں اور جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے الگ اور اس کی رحمت سے دور ہوگیا تھا۔ اب یہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہے اور اس نے توبہ کی ایسے شخص کو تائب کہتے ہیں۔ جب لفظ توبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر توجہ فرمائی۔

توبہ کی تکمیل کے لیے دو شرطیں از حد ضروری ہیں۔ ① سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرنا جسے قرآن وحدیث میں استغفار کہا گیا۔ ② آدمی اخلاصِ نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرے کہ الٰہی آئندہ میں اس گناہ سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ ذاتی اصلاح کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے معاشرے میں جو گناہ پھیلا ہے اس کی تردید اور اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے بھی کوشش کرتا رہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے گناہوں کو معاف فرمائے گا کیونکہ وہ معاف فرمانے والا، نہایت مہربان ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے پاک صاف ہوجاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (سنن ابن ماجہ: بَابُ ذِكْرِ التَّوْبَةِ [حسن])

مسائل

۱۔ توبہ اور اصلاح کر لینے والوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ کی شرائط:

۱۔ اعترافِ جرم کی وجہ سے توبہ قبول ہوتی ہے۔ (البقرۃ: ۳۷) ۲۔ توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ (التوبہ: ۲۷)

۳۔ ظلم سے اجتناب اور اصلاحِ احوال کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے۔ (المائدۃ: ۳۹)

۴۔ جہالت کے سبب گناہ کر کے اصلاح کرنے پر اللہ توبہ قبول کرتا ہے۔ (الانعام: ۵۴)

۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرسکتا۔ (آلِ عمران: ۱۳۵)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	بَعْدَ	اِيْمَانِهِمْ	ثُمَّ	ازْدَادُوْا	كُفْرًا
بیشک	جولوگ	کافر ہو گئے	بعد	اپنے ایمان	پھر	بڑھتے گئے	کفر میں
لَّنْ تُقْبَلَ	تَوْبَتُهُمْ ۚ	وَاُولٰٓئِكَ	هُمُ	الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾	اِنَّ	الَّذِيْنَ	
ہرگز نہ قبول کی جائے گی	ان کی توبہ	اور یہی لوگ	وہ	گمراہ (جمع)	بیشک	جولوگ	
كَفَرُوْا	وَمَاتُوْا	وَهُمْ	كُفَّارٌ	فَلَنْ	يُّقْبَلَ	مِنْ	اَحَدِهِمْ
انہوں نے کفر کیا	اور وہ مر گئے	اور وہ	کفر کرنیوالے	تو ہرگز نہیں	قبول کیا جائے گا	سے	ان میں سے کوئی ایک
مِّلْءُ	الْاَرْضِ	ذَهَبًا	وَّلَوِ	افْتَدٰى	بِهٖ ؕ	اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ
بھرا ہوا	زمین	سونا	اگرچہ	بدلہ دے	ساتھ اس کے	یہی لوگ	ان کے لئے
عَذَابٌ	اَلِيْمٌ	وَّمَا	لَهُمْ	مِّنْ	نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع		
عذاب	دردناک	اور نہیں	ان کے لیے	سے	مددگار		

ع ۱۱ ۱۷

''بے شک جولوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی یہی لوگ گمراہ ہیں۔(۹۰) بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی سے ہرگز فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ زمین بھر کر سونا پیش کریں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔''(۹۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: توبہ اور اصلاح کا موقعہ ملنے کے باوجود جولوگ کفر وشرک پر قائم رہتے ہیں۔ان کے بارے میں حتمی سزا کا اعلان۔

بلاشبہ جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا اور پھر اپنی اصلاح اور ایمان کی طرف پلٹنے کی بجائے کفر میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں کرے گا اور یہی لوگ گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔اگر انہیں اسی حالت میں موت آگئی تو ایسے لوگ قیامت کے دن اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے زمین بھر سونا بھی پیش کریں تو وہ قبول نہیں ہوگا۔یاد رہے کہ مرنے کے بعد انسان کے پاس اچھے یا بُرے اعمال کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہوگی۔اس کے باوجود یہاں فدیہ کی بات ہو رہی ہے۔اس کا معنیٰ ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس نہ مرنے کے بعد نہ کچھ ہوگا اور نہ ہی یہ لوگ عذاب سے نجات پائیں گے اور نہ ہی ان کا کوئی حامی و مددگار ہوگا۔

«عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ لَهٗ يَاابْنَ آدَمَ كَيْفَ وَجَدْتَّ مَنْزِلَكَ فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ خَيْرُ مَنْزِلٍ فَيَقُوْلُ سَلْ وَتَمَنَّ فَيَقُوْلُ مَا أَسْأَلُ وَأَتَمَنّٰى إِلَّا أَنْ تَرُدَّنِيْ إِلَى الدُّنْيَا فَأُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَايَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ وَيُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَيَقُوْلُ لَهٗ يَا ابْنَ آدَمَ كَيْفَ وَجَدْتَّ مَنْزِلَكَ فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ شَرُّ مَنْزِلٍ فَيَقُوْلُ لَهٗ أَتَفْتَدِيْ مِنْهُ بِطِلَاعِ الْأَرْضِ ذَهَبًا فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ نَعَمْ فَيَقُوْلُ كَذَبْتَ فَقَدْ سَأَلْتُكَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَأَيْسَرَ فَلَمْ تَفْعَلْ فَيُرَدُّ

إِلَى النَّارِ» (رواه أحمد: مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ [صحیح])

''رسول محترم ﷺ نے فرمایا: ایک جنتی کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا اے ابن آدم! تو نے اپنا مقام کیسا پایا؟ وہ جواب دے گا اے میرے رب! بہترین رہنے کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کسی اور تمنا کا اظہار کر۔ وہ عرض کرے گا نہ میری کوئی تمنا ہے نہ سوال سوائے اس کے کہ آپ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دیں میں تیری راہ میں دس مرتبہ شہید کر دیا جاؤں یہ شہادت کی فضیلت کی وجہ سے تمنا کرے گا۔ پھر ایک جہنمی آدمی لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا۔ اے ابن آدم! تو نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا؟ وہ جواب دے گا اے میرے رب! بدترین ٹھکانا ہے اللہ تعالیٰ اسے کہیں گے کیا تو زمین بھر سونا فدیہ کے طور پر دے گا؟ وہ کہے گا ہاں میرے رب۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے کم اور آسان کام کا مطالبہ کیا تھا جو تو نے نہ کیا۔ پھر اسے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔''

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ أَرَدْتُّ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَّا تُشْرِكَ بِيْ شَيْئًا فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِيْ»

(رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ایک جہنمی آدمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا تیرا کیا خیال ہے کہ اگر تیرے پاس زمین میں جو کچھ ہے جہنم کے عذاب کے بدلے وہ فدیہ دے گا؟ وہ کہے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تو تجھ سے اس سے ہلکی اور کم چیز کا مطالبہ کیا تھا۔ جبکہ تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گا لیکن تو نے انکار کیا اور میرا شریک ٹھہرایا۔''

مسائل

۱۔ حالتِ ارتداد پر قائم رہنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ۲۔ کفر کی حالت میں مرنے والے کی معافی نہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کفار سے کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا:

۱۔ قیامت کے دن کسی سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (البقرۃ: ۱۲۳)

۲۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ (آل عمران: ۸۵)

۳۔ جہنمیوں سے زمین کے برابر سونا بھی قبول نہیں ہوگا۔ (آل عمران: ۹۱)

۴۔ قیامت کے دن ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوگا۔ (الانعام: ۱۵۸)

۵۔ قیامت کے دن دوستیاں کام نہ آئیں گی۔ (البقرۃ: ۲۵۴) ۶۔ قیامت کے دن لین دین نہیں ہوگا۔ (البقرۃ: ۲۵۴)

لَنْ	تَنَالُوا	الْبِرَّ	حَتّٰى	تُنْفِقُوْا	مِمَّا	تُحِبُّوْنَ ۭ	وَمَا
تم ہرگز نہیں	پہنچ پاؤ گے	نیکی کو	جب تک	تم خرچ کرو	اس سے جو	تم محبوب رکھتے ہو	اور جو

تُنْفِقُوْا	مِنْ	شَيْءٍ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	بِهٖ	عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾
تم خرچ کرو گے	سے	کوئی چیز	تو یقیناً	اللہ	اس کو	جاننے والا

''جب تک تم اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز نیکی نہیں پاؤ گے اور تم جو خرچ کرو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔'' (۹۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفر اللہ تعالیٰ سے دوری اور آخرت میں ذلت کا باعث ہوگا۔ صدقہ اللہ تعالیٰ کی قربت اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

''بِرّ'' ایسی نیکی کو کہتے ہیں جسے اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ ادا کیا جائے۔ لہٰذا حکم ہوا ہے کہ اے لوگو! تم اس وقت تک صدقے کا حق اور نیکی کی روح کو نہیں پہنچ سکتے جب تک اللہ کی راہ میں وہ چیز خرچ نہ کرو جس کے ساتھ تم انتہائی محبت کرتے ہو۔

''بِرّ'' کا معنی جنت بھی کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر رازی) دوسرے الفاظ میں تم جنت کو نہیں پا سکتے جب تک اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں قربان نہ کرو۔ یہاں لطیف پیرائے میں یہودیوں کے کھوکھلے دعووں اور ان کے بخل کی نشاندہی کرنے کے ساتھ مسلمانوں کو عزیز ترین چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جونہی یہ حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی متاعِ عزیز کو فی سبیل اللہ صدقہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی وفادار اور سلیقہ شعار کنیز کو آزاد کیا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا قیمتی گھوڑا بیت المال میں دینے کا اعلان کیا جسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے اُسامہ کو عنایت فرمایا جو الگ گھر والے تھے۔ جس پر جناب زید رضی اللہ عنہ دل گرفتہ ہوئے کہ ہمارا صدقہ ہمیں ہی واپس لوٹا دیا گیا ہے ان کی تسلی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول فرما لیا ہے۔ (ابن جریر و طبرانی [حسن لغیرہ])

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْظَمُ أَجْرًا قَالَ أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمَلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ»

(رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب فضل صدقۃ الشحیح الصحیح)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پوچھنے لگا کہ کونسا صدقہ زیادہ باعثِ اجر ہے؟ فرمایا جب تو صحت مند، مال کی خواہش رکھنے والا، محتاجی کے خوف اور مالدار بننے کی تمنا رکھنے کے باوجود خیرات کرے۔ اتنی دیر نہ کر کہ جان حلق تک آپہنچے اس وقت تو کہے کہ اتنا فلاں کو دو اتنا فلاں کو دو حالانکہ اب تو سارا ہی فلاں فلاں کا ہو چکا۔''

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ كَانَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِيْنَةِ نَخْلًا وَكَانَ أَحَبَّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ

بَيْرُحَاءُ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ} قَامَ أَبُوْ طَلْحَةَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّ اللهَ يَقُوْلُ {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ} وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِيْ إِلَيَّ بَيْرُحَاءُ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ أَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ فَضَعْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَاقُلْتَ وَإِنِّيْ أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ قَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَفْعَلُ يَارَسُوْلَ اللهِ فَقَسَمَهَا أَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ أَقَارِبِهٖ وَفِيْ بَنِيْ عَمِّهٖ»

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصار میں سب سے زیادہ کھجوروں کے باغات کے مالک تھے ان باغات میں بیرحاء نامی باغ ان کا سب سے بہترین مال تھا۔ جو مسجد کے سامنے تھا نبی ﷺ اس میں جاتے اور وہاں سے پانی پیا کرتے تھے جب آیت {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ} نازل ہوئی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو کبھی نیکی تک نہ پہنچ سکو گے۔ یقیناً میرے پاس ''بیرحاء'' کا باغ ہے جو میری پوری جائیداد میں میرے نزدیک قیمتی اور عزیز ہے میں اس کے بدلے اللہ کے ہاں نیکی اور آخرت کے خزانے کا خواہشمند ہوں لہٰذا آپ اسے جہاں چاہیں استعمال کریں۔ آپ ﷺ نے اس جذبہ کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: یہ مال بڑا نفع بخش ہے یہ مال بڑا فائدہ مند ہے جو تم نے کہا میں نے سن لیا۔ تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے باغ اپنے چچازاد بھائیوں اور عزیزوں میں تقسیم کر دیا۔''

یاد رہے! یہ وہی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے مہمان کو کھانا کھلانے کے لیے اپنی بیوی کو کہا تھا کہ جونہی ہم کھانا شروع کریں تو دیا بجھا دیا جائے تاکہ مہمان کو کھانے کی کمی کا احساس نہ ہو۔ آیت کے آخر میں تمام صدقات کی یہ کہہ کر حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ جو کچھ بھی تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اسے اور تمہاری نیت کو خوب جانتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ کی راہ میں محبوب چیز خرچ کرنا چاہیے۔ ۲۔ آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نیکی کیا ہے؟

۱۔ نیکی کے کام۔ (البقرۃ: ۱۷۷) ۲۔ نیکی میں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ (المائدۃ: ۲)

۳۔ نیکی کے بدلے برائیاں معاف ہوتی ہیں۔ (ھود: ۱۱۴) ۴۔ محبوب چیز خرچ کیے بغیر نیکی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ (آلِ عمران: ۹۲)

كُلُّ	الطَّعَامِ	كَانَ	حِلًّا	لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ	اِلَّا	مَا حَرَّمَ
تمام	کھانے	تھے	حلال	بنی اسرائیل کیلئے	مگر	جو حرام کرلیا
اِسْرَآءِيْلُ	عَلٰى	نَفْسِهٖ	مِنْ	قَبْلِ	اَنْ	تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ
اسرائیل (یعقوب علیہ السلام)	پر	اپنے آپ	سے	پہلے	یہ کہ	نازل کی جائے تورات
قُلْ	فَاْتُوْا	بِالتَّوْرٰىةِ	فَاتْلُوْهَآ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾
آپ فرمادیں	پس تم لاؤ	تورات	پھر اس کو پڑھو	اگر	تم ہو	سچے

''بنی اسرائیل کے لیے تمام قسم کے کھانے حلال تھے سوائے اس کے جو یعقوب نے تورات نازل ہونے سے پہلے خود اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ آپ فرمادیں کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور پڑھ کر سناؤ۔'' (۹۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تیسرے پارے کی آخری آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کا دین اسلام تھا۔ جو کوئی اسلام سے انحراف کرے گا اس کا دوسرا دین قبول نہیں کیا جائے گا جس پر یہودیوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ نبی اور اس کے پیروکار اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں حالانکہ یعقوب علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت حرام تھا لہٰذا ملتِ ابراہیم پر ہم ہیں تم نہیں۔ یہاں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ تم جھوٹ بولتے ہو جبکہ اللہ کا فرمان سچا ہے۔

یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت حرام تھا جس کی وجہ سے یہودی اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے۔ حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف تھی جس سے پوری ٹانگ میں ایک درد اٹھتا ہے بسا اوقات یہ تکلیف اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ مریض کے لیے ٹانگ گھسیٹ کر چلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس تکلیف میں پرہیز کے طور پر اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی تو میں کھانے کی محبوب چیز ترک کردوں گا جس وجہ سے انہوں نے اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ ان کی شریعت میں ایسی نذر جائز تھی اسلام میں ایسا کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت حلال تھا یہودیوں نے اسے اپنے طور پر حرام قرار دے لیا ہے۔ یہ حقیقت جاننے کے باوجود یہودی پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ یہ عجیب رسول ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ یہ نبی ابراہیم علیہ السلام کے خاندان اور ان کی ملّت کے خلاف ہے۔ اس الزام کی وضاحت اس طرح کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پاک اور حلال کھانا اس میں اونٹ کا گوشت بھی شامل ہے حضرت یعقوب علیہ السلام پر حلال اور جائز قرار دیا تھا سوائے اس کے جو کھانا حضرت یعقوب علیہ السلام نے تورات نازل ہونے سے پہلے علاج کے طور پر اپنے لیے حرام قرار دے لیا تھا۔

انہیں فرمائیں اگر تورات میں اونٹ کا گوشت حرام کیا گیا ہے تو میرے سامنے تورات لاکر پڑھو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے

ہو۔اتنے کھلے چیلنج کے باوجود آج تک کوئی یہودی اصلی توراۃ میں یہ بات نہیں دکھا سکا۔لیکن پھر بھی یہودی دعویٰ کیے جا رہے ہیں کہ اونٹ کا گوشت حضرت یعقوب علیہ السلام پر حرام تھا حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نزولِ تورات سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔پھر حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کوئی بھی نبی اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔(التحریم:۱)

البتہ بطورِ علاج یا کسی چیز کو کھانے پر طبیعت آمادہ نہ ہو تو اسے چھوڑنے میں کوئی گناہ نہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے ضب (گوہ) کا سالن رکھا گیا آپ نے اس طرف ہاتھ نہیں بڑھایا جب کہ بعض صحابہ آپ کے سامنے کھا رہے تھے۔انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ کیوں نہیں تناول فرماتے؟ آپ نے فرمایا میری قوم میں یہ نہیں ہوتی اس لیے میری طبیعت اسے کھانے پر آمادہ نہیں ہے۔(رواہ البخاری: کتاب الاطعمۃ)

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ حَضَرَتْ عِصَابَةٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا يَا أَبَا الْقَاسِمِ حَدِّثْنَا عَنْ خِلَالٍ نَسْأَلُكَ عَنْهُنَّ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ فَكَانَ فِيْمَا سَأَلُوْهُ أَيُّ الطَّعَامِ حَرَّمَ إِسْرَائِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ قَبْلَ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قَالَ فَأَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِيْ أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنَّ إِسْرَائِيْلَ يَعْقُوْبَ علیہ السلام مَرِضَ مَرَضًا شَدِيْدًا فَطَالَ سَقَمُهٗ فَنَذَرَ لِلّٰهِ نَذْرًا لَئِنْ شَفَاهُ اللّٰهُ مِنْ سَقَمِهٖ لَيُحَرِّمَنَّ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ وَأَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ فَكَانَ أَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ لُحْمَانُ الْإِبِلِ وَأَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ أَلْبَانُهَا فَقَالُوْا اللّٰهُمَّ نَعَمْ» (رواہ احمد: باب بدایۃ مسند عبداللہ بن عباس [حسن لغیرہ])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کے ایک گروہ نے آپ سے کہا اے ابوالقاسم! ہم آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں جسے نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ان سوالوں میں ایک سوال یہ تھا کہ وہ کون سا کھانا ہے جو یعقوب علیہ السلام نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے آپ پر حرام کر لیا تھا آپ نے فرمایا: میں تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کہ تمہیں معلوم ہے کہ یعقوب علیہ السلام بہت زیادہ بیمار ہو گئے اور بیماری نے طوالت اختیار کی تو انہوں نے اللہ کے لیے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں شفایاب کرے گا۔تو وہ اپنے آپ پر سب سے محبوب کھانا، پینا (چھوڑ) حرام کر لیں گے اور ان کا پسندیدہ کھانا اونٹ کا گوشت اور پینا اونٹوں کا دودھ تھا انہوں نے کہا ہاں اللہ کی قسم ایسے ہی ہے۔''

مسائل

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پر ہر حلال چیز کھانا جائز تھی۔ ۲۔ بیماری کی وجہ سے حلال چیز کھانا چھوڑی جا سکتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

۱۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی حلال چیز کو حرام نہیں کر سکتا۔(التحریم:۱)

۲۔ یہودیوں کی نافرمانی کی وجہ سے کچھ حلال چیزیں ان پر حرام کر دی گئیں تھی۔(النساء:۱۶۰)

۳۔ یہودیوں پر جانوروں کی چربی حرام کر دی گئی تھی۔(الانعام:۱۴۶) ۴۔ یہودیوں پر سود کھانا حرام تھا۔(النساء:۱۶۱)

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

پھر جو باندھے پر اللہ جھوٹ سے بعد اس تو یہی لوگ وہ ظالم (جمع)

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

آپ فرمادیں سچ فرمایا اللہ نے بس پیروی کرو دین ابراہیم یکسو اور نہ تھا سے مشرکوں

''جولوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولیں وہی ظالم ہیں۔(۹۴) فرمادیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا بس تم سب یکسو ہوکر ملت ابراہیم کی پیروی کرو، وہ مشرک نہیں تھے۔''(۹۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت یعقوب علیہ السلام کا کسی وجہ سے اونٹ کا گوشت نہ کھانا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا سراسر جھوٹ ہے جس کی تردید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تورات میں اونٹ کا گوشت یا دودھ حرام نہیں کیا۔تورات کے حوالے سے اسے حرام قرار دینا تمہارا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ظالم لوگ ہی جھوٹ باندھا کرتے ہیں۔اے رسول ﷺ! آپ فرمادیں کہ یہود یو! تمہاری بات غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچا ہے۔لہٰذا ملتِ ابراہیم کی اتباع کرو۔حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر طرف سے کٹ کر اللہ ہی کے ہو چکے تھے اور ان کا مشرکوں کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہے۔یہی ملتِ ابراہیم ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو اپنے لیے حرام سمجھے اور بلاشرکت غیرے اور کسی کی پروا کیے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم مانتا رہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا ظالم ہے۔ ۲۔سب کو ملّتِ ابراہیم کی اتباع کرنے کا حکم ہے۔

تفسیر بالقرآن

ملّتِ ابراہیم کی اتباع:

۱۔ نبی کریم ﷺ کو ملّت ابراہیم کی اتباع کا حکم۔(النحل: ۱۲۳)
۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی امّت محمدیہ کے لیے نمونہ ہے۔(الممتحنۃ:۶)
۳۔ ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔(آلِ عمران:۹۵) ۴۔ابراہیم علیہ السلام یکسو اور پکّے مسلمان تھے۔(آلِ عمران:۶۷)
۵۔ نبی کریم ﷺ اور حقیقی مسلمانوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خاص تعلق ہے۔(آلِ عمران:۶۸)
۶۔ یہود و نصاریٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں۔(آلِ عمران:۶۷)
۷۔ تورات اور انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی۔(آلِ عمران:۶۵)

اِنَّ	اَوَّلَ	بَيْتٍ	وُّضِعَ	لِلنَّاسِ	لَلَّذِيْ	بِبَكَّةَ	مُبٰرَكًا
بیشک	پہلا	گھر	بنایا گیا	لوگوں کیلئے	البتہ جو	مکہ میں	برکت والا

وَّهُدًى	لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾	فِيْهِ	اٰيٰتٌۢ	بَيِّنٰتٌ	مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ	وَمَنْ
اور ہدایت	تمام جہانوں کیلئے	اس میں	نشانیاں	کھلی	مقام ابراہیم	اور جو

دَخَلَهٗ	كَانَ	اٰمِنًا ؕ	وَلِلّٰهِ	عَلَى	النَّاسِ	حِجُّ الْبَيْتِ
داخل ہوا اس میں	ہوگیا	امن والا	اور اللہ کیلئے	پر	لوگ (جمع)	خانہ کعبہ کا حج کرنا

مَنِ	اسْتَطَاعَ	اِلَيْهِ	سَبِيْلًا ؕ	وَمَنْ	كَفَرَ	فَاِنَّ اللّٰهَ
جو	طاقت رکھتا ہو	اس کی طرف	راہ	اور جو	اس نے کفر کیا	تو بیشک اللہ

غَنِيٌّ	عَنِ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾
بے نیاز	سے	دنیا والے

''جو پہلا گھر لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے۔ (۹۶) اس میں کھلی نشانیاں اور مقامِ ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس تک پہنچ سکتے ہیں اس کا حج فرض کر دیا ہے اور جو انکار کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔'' (۹۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہود کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر نہیں کیا تھا جس کی یہاں بھرپور طریقہ سے تردید کی گئی ہے۔ یہودی یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بجائے پہلے بیت المقدس تعمیر کیا اور یہی ان کا قبلہ تھا۔ اے نبی! آپ یہ اعلان فرمائیں کہ دنیا میں سب سے پہلے لوگوں کے لیے جو گھر تعمیر ہوا وہ مکہ میں بیت اللہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ہدایت کا مرکز قرار دیا اور اس میں بے پناہ برکات رکھی ہیں۔

«عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلَ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْأَقْصٰى قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُوْنَ سَنَةً ثُمَّ أَيْنَمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ بَعْدُ فَصَلِّهْ فَإِنَّ الْفَضْلَ فِيْهِ» (رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ إبراھیم خلیلا)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجدِ حرام۔ میں نے دوبارہ سوال کیا کہ پھر کونسی؟ آپ نے جواب دیا مسجدِ اقصیٰ۔ میں نے ان دونوں کے درمیان مدت کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کے درمیان چالیس

سال کی مدت ہے۔ پھر فرمایا جہاں بھی تو نماز کا وقت پائے وہاں نماز پڑھ لے کیونکہ یہی افضل ہے۔''

مفسرین نے بیت اللہ اور بیت المقدس کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ کو آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ طوفانِ نوح کے بعد اس کے نشانات معدوم ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کی نشاندہی پر بیت اللہ تعمیر فرمایا۔ جہاں تک بیت المقدس کی تاریخ ہے اس کی پہلی تعمیر حضرت اسحاق علیہ السلام نے فرمائی بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی اور بعد ازاں انہیں بنیادوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے تعمیر کیا۔ نبی محترم کے ارشاد کے مطابق حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا فرق ہے۔ اس لحاظ سے یہودیوں کا بیت المقدس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ قرار دینا سراسر خلافِ حقیقت ہے۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے جس شہر میں اللہ کا گھر تعمیر کیا تھا اس کا نام ''بکہ'' ہے بکہ مکہ کا قدیمی نام ہے۔ تاریخ میں اسے مکہ اور بکہ دونوں طرح ہی یاد کیا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر قرآن میں ''بکہ'' اور حدیث میں اس کا نام ''مکہ'' آیا ہے۔ اس جہانِ رنگ و بو میں بے شمار عمارات و محلات خوبصورت سے خوبصورت ترین موجود ہیں جن کے حسن و جمال میں اضافہ کرنے کے لیے لاکھوں کروڑوں روپے لگائے گئے اور مزید خرچ کیے جا رہے ہیں۔ ان کو دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن کوئی ایسی جگہ یا عمارت نہیں جس کے دیدار کو اہلِ جہاں کے لیے لازم قرار دیا گیا ہو اور جس کے لیے اتنی دنیا کے دل تڑپتے ہوں یہ اکرام و مقام صرف ایک عمارت کو نصیب ہوا جس کو عام پتھروں سے اٹھایا گیا ہے۔ اللہ رب العزت نے جس کو بیت اللہ قرار دیا۔ یہی لوگوں کی ہدایت کا مرکز اور بابرکت گھر ہے۔ اسی کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں کھڑے ہو کر دعائیں مانگی تھیں اور یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی پر قرآنِ مجید کے نزول کا آغاز فرمایا تھا۔ یہی گھر بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔ آج بھی اس گھر کی عظمت و فضیلت دیکھ کر ہزار ہا لوگ ہر سال ہدایت کی دولت سے مالا مال ہو رہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس میں مقامِ ابراہیم ہے اور لوگوں کو ہر دور میں اس میں امن ملتا رہا اور قیامت تک اسی طرح ہی ملتا رہے گا۔ کائنات میں صرف یہی گھر ہے جس کی زیارت کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ اس کی زیارت کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ جو شخص استطاعت کے باوجود اس گھر کی زیارت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا اور ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے۔

«عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَّلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾» (رواه الترمذی: باب ماجاء في التغليظ فی ترک الحج [حسن لغیرہ)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ جس کے پاس بیت اللہ پہنچنے کے لیے زادِ راہ اور سواری ہو۔ پھر بھی وہ حج نہیں کرتا تو اللہ کو کوئی پروا نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے کہ صاحبِ استطاعت لوگوں پر حج کرنا لازم ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا فَقَالَ رَجُلٌ أَكُلَّ عَامٍ يَارَسُولَ اللهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُونِي مَاتَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ» (رواہ مسلم: کتاب الحج)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا حج کرو۔ ایک آدمی نے اٹھ کر سوال کیا اللہ کے رسول! کیا ہر سال حج کرنا ہوگا؟ نبی ﷺ خاموش رہے حتی کہ اس نے اپنا سوال تین مرتبہ دہرایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا پھر تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑے رکھو جب تک میں تمہیں کچھ نہ کہوں۔ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں سے اختلاف اور کثرتِ سوال کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حسبِ ہمت وہ کام کرو اور جس چیز سے تمہیں روکوں اسے چھوڑ دو۔''

مسائل

۱۔ سب سے پہلے مکہ میں بیت اللہ تعمیر ہوا۔ ۲۔ بیت اللہ بابرکت اور لوگوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔
۳۔ مکہ معظمہ کا پرانا نام بکہ ہے۔ ۴۔ بیت اللہ میں مقامِ ابراہیم ہے۔
۵۔ بیت اللہ میں داخل ہونے والے کو امن نصیب ہوتا ہے۔ ۶۔ صاحبِ استطاعت پر بیت اللہ کا حج فرض ہے۔
۷۔ جو حج سے بے پروائی کرے اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ کی عظمت:

۱۔ بیت اللہ دنیا میں پہلا گھر ہے جو بابرکت اور ہدایت کا مرکز ہے۔ (آلِ عمران: ۹۶)
۲۔ بیت اللہ امن کا گہوارہ ہے۔ (البقرۃ: ۱۲۵) ۳۔ بیت اللہ کے باسیوں سے محبت کی جاتی ہے (القریش: ۱)
۴۔ بیت اللہ کے طواف کا حکم ہوا ہے۔ (الحج: ۲۹) ۵۔ پیدل اور سوار دور سے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ (الحج: ۲۷)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا

فرمادیں اے اہلِ کتاب کیوں تم انکار کرتے ہو آیات اللہ اور اللہ گواہ پر جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

تم کرتے ہو فرمادیں اے اہلِ کتاب کیوں تم روکتے ہو سے اللہ کا راستہ جو ایمان لایا

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

چاہتے ہو اس سے ٹیڑھ اور تم خود گواہ اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو

''آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔(۹۸) اہل کتاب سے فرمائیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے مومنوں کو کیوں روکتے ہو اور اس شخص کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم خود شاہد ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔''(۹۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بانیٔ کعبہ تسلیم نہ کرنا اور ملت ابراہیم سے انحراف کرنا کفر ہے۔

اہلِ کتاب ایسے حقائق کا انکار کرتے ہیں جو قیامت تک زندہ شہادت کے طور پر دنیا میں موجود ہیں اور رہیں گے۔ یعنی بیت اللہ کا وجود یا اس کا مرکزِ ہدایت ہونا، اللہ کی رحمت و برکت کا مرجع ہونا، زم زم کی برکات اور اس کا ہر وقت رواں دواں رہنا، مقام ابراہیم کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ثبت ہونا، صفا اور مروہ کا حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی سعی کی خاموش گواہی دینا۔ زمین کی چھاتی پر نسل در نسل کروڑہا انسانوں کا خاندانِ ابراہیم کی خدمات کی شہادت دینا۔ اتنی عظیم اور زندہ و جاوید شہادتوں کو مسترد کر دینے والی قوم کو قرآنِ مجید اہلِ کتاب کے معزز لفظ سے پکارتے ہوئے بار بار متوجہ کرتا ہے کہ اے اہلِ کتاب! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیوں کرتے ہو اور ہدایت یافتہ لوگوں کو منحرف کرنے کی کوشش کے کیوں درپے ہو؟ جبکہ تمہارا ضمیر قرآنِ مجید کی تصدیق، نبی آخر الزماں کا اعتراف اور شعائر اللہ کی شہادت دیتے ہوئے تمہارے کفر پر تمہیں ملامت کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب جان بوجھ کر حقائق کا انکار کرتے ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ انسان کی ہر حرکت کو جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ گواہ ہے:

۱۔ اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔(الحج:۱۷) ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے عمل پر گواہ ہے۔(یونس:۴۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔(الاعلیٰ:۷) ۴۔ اللہ سینوں کے راز جانتا ہے۔(الملک:۱۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اے جولوگ ایمان لائے اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ سے وہ لوگ

اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ

دیے گئے کتاب وہ پھیر دینگے تمہیں بعد تمہارا ایمان کفر کرنے والے اور کیسے تم کفر کرتے ہو

وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ

جبکہ تم پڑھی جاتی ہیں تم پر آیات اللہ اور تمہارے درمیان اس کا رسول اور جو

يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

مضبوط پکڑے گا اللہ کو تو تحقیق وہ ہدایت دیا گیا طرف راستہ سیدھا

''اے ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب کے کسی گروہ کی اتباع کرو گے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں مرتد بنا دیں گے۔(۱۰۰) اور تم کیسے کفر کرتے ہو؟ باوجود یکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسلک ہو گیا یقیناً وہ سیدھی راہ پا گیا۔''(۱۰۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیت میں اہلِ کتاب کو اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے سے روکا گیا ہے۔ اب مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ اہلِ کتاب کی پیروی نہ کرنا یہ تمہیں گمراہ کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

قرآنِ مجید متعدد مقامات پر مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اگر تم اہلِ کتاب کو راضی کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ ان کی خواہش اور کوشش ہے کہ تمہیں ایمان سے منحرف کر کے کافر بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا میرے پیغمبر! جب تک آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں گے تب تک یہ آپ پر بھی راضی نہ ہوں گے۔ [البقرۃ: ۱۲۰] اس لیے مسلمانوں کو ارشاد ہوا کہ تم کس طرح اپنے لیے کفر کا جواز پیدا کرو گے؟ جبکہ رسولِ مکرم ﷺ جیسا عظیم رہنما اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کر کے تمہارے سامنے بہترین نمونہ پیش کرتا ہے جس سے تم براہِ راست تربیت پا رہے ہو۔ لہٰذا تمہیں اہلِ کتاب کو راضی کرنے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا چاہیے۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے ایمان کا رشتہ مضبوط کر لیا یقیناً وہی صراطِ مستقیم پائے گا۔

مسائل

۱۔ ایمان داروں کو یہود و نصاریٰ کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ ۲۔ یہود و نصاریٰ لوگوں کو مرتد کرنا چاہتے ہیں۔
۳۔ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے مسلمان کو کافر ہونے کا کوئی جواز نہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا صراطِ مستقیم پر چلنا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا

اے جولوگ ایمان لائے تم ڈرو اللہ حق اس سے ڈرنا اور ہرگز تم نہ مرنا مگر

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا

اور ہوتم مسلمان (جمع) اور مضبوطی سے پکڑلو رسی کو اللہ سب اور نہ آپس میں تفریق ڈالو اور یاد کرو

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

نعمت اللہ تم پر جب تم تھے دشمن (جمع) تو اُلفت ڈال دی اس نے تمہارے دلوں میں توتم ہو گئے

بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ

اسکے فضل سے بھائی بھائی اور تم تھے پر کنارہ گڑھا سے آگ پھر تمہیں بچالیا

مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اس سے اسی طرح واضح کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیات تا کہ تم ہدایت پاؤ

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت مسلمانی کی حالت میں آنی چاہیے۔ (۱۰۲) اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ پیدا نہ کرو۔ اور تم اپنے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔'' (۱۰۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کی اتباع سے بچنے اور ان سے ڈرنے کی بجائے مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اسی کے حکم پر مرمٹنا چاہیے۔ اب براہِ راست مسلمانوں سے مسلسل خطاب ہوتا ہے۔

تقویٰ کا عمومی معنیٰ پرہیز گاری ہے لیکن جب ''اِتَّقِ اللّٰهَ'' کے الفاظ استعمال ہوں تو اس کا معنیٰ ہوا کرتا ہے کہ اپنے رب کی نافرمانیوں سے ڈرو، اس کی ذات اور احکام کا احترام کرو۔ نفس مضمون کے اعتبار سے یہاں یہ بات بھی تقویٰ میں شامل ہے کہ اہلِ کتاب کے الزامات اور سازشوں سے ڈرنے کے بجائے صرف اللہ سے ڈرو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ہے۔ خلوت ہو یا جلوت، نفع ہو یا نقصان، حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، پڑھے لکھے ہو یا ان پڑھ۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ خوفِ الٰہی کا اجتماعی ماحول اور ایک سماں پیدا ہو جائے۔ جس میں تمہارے لیے نیکی کرنا آسان اور برائی سے بچنا سہل ہو جائے گا۔

تقویٰ وقتی اور عارضی کام نہیں بلکہ اس میں ہمیشگی ہونی چاہیے یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے۔ دوسرے لفظوں میں مرنا گوارا کر لینا لیکن غیر اللہ سے ڈرنا قبول نہ کرنا۔ گویا کہ تقویٰ اور اسلام لازم وملزوم ہیں۔ تقویٰ اور اسلام کا تقاضا ہے کہ تم اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو۔ اتحاد کے لیے پہلی شرط اللہ کا خوف ہے اگر آدمی کا دامن خوفِ الٰہی سے خالی ہو تو وہ اپنے مفادات کی خاطر چھوٹی سی بات کو پہاڑ بنا کر پیش کرتا ہے۔ اتحادِ امت کے لیے سب سے بڑی بنیاد خدا خوفی کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کی رسی کو تھامنا ہے۔ گویا کہ مسلمانوں کا اتحاد اللہ کا ڈر اختیار کیے اور کتاب وسنت تھامے بغیر نہیں ہوسکتا۔ یہی اتحاد دیرپا اور بابرکت ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اتحاد ناپائیدار اور عارضی ہوگا۔ رسی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«كِتَابُ اللهِ هُوَ حَبْلُ اللهِ» (جامع الصغیر للألبانی) ''اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے۔''

یہاں رسی کا لفظ استعمال فرما کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح رسی سے لکڑیوں کا گٹھا یا جانور باندھا جاتا ہے اس طرح تم بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رسی کے ساتھ باندھ لو۔

آیت میں رسی کو مضبوط پکڑنے کے ساتھ مزید حکم دیا کہ باہمی تفرقے سے بچتے رہو۔ اختلافات سے نہ صرف ذات اور جماعت کی ساکھ اکھڑتی ہے بلکہ اس سے بے سکونی اور بے برکتی پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ آدمی ایک دوسرے کے خلاف حسد وبغض کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ اکثر اوقات اس کا انجام قتل وغارت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں اختلاف کو بھڑکتی ہوئی آگ اور اتحاد کو اللہ تعالیٰ کی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

اس مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے ماضی کو سامنے رکھو۔ تم اسلام سے قبل کس قدر باہمی اختلاف کی آگ میں بھسم ہوئے جارہے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہارے دلوں سے رنجش وکدورت کو نکال کر تمہیں محبت والفت سے ہمکنار کردیا ہے۔ اس اختلاف سے مراد اوس اور خزرج کی وہ طویل ترین جنگ ہے جو تقریباً سو سال تک جاری رہی۔ جس میں سینکڑوں عورتیں بیوہ، ہزاروں بچے یتیم اور قیمتی جانیں ضائع ہونے کے ساتھ شاداب کھیتیاں اور لہلہاتے ہوئے باغ اور پررونق آبادیاں ویران ہوئیں۔ نقصانات سے بچنے اور مسلمانوں کے اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا» (رواه البخاری: باب مَا يُنهى عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّدَابُرِ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے۔ تم کسی کی عیب جوئی، جاسوسی اور حسد نہ کرو، نہ پیٹھ پیچھے باتیں کرو، نہ ہی دشمنی کرو۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رہنے والا ہمیشہ صراطِ مستقیم پاتا ہے۔ ۲۔ صاحبِ ایمان لوگوں کو صحیح طور پر اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔
۳۔ ایمان داروں کو اللہ کی غلامی میں موت آنی چاہیے۔ ۴۔ فرقہ بندی کے بجائے قرآن وسنّت کے ساتھ وابستہ رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اتحاد نعمت اور اختلاف آگ ہے:

۱۔ اتحاد واتفاق اللہ کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ (الانفال: ۶۳) ۲۔ اتحاد واتفاق اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ (آلِ عمران: ۱۰۳)
۳۔ کتاب اللہ کا رشتہ نہ ٹوٹنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۶) ۴۔ باہمی اختلاف اللہ کا عذاب ہوتا ہے۔ (الانعام: ۶۵)
۵۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ تمسک کا نتیجہ صراطِ مستقیم ہے۔ (آلِ عمران: ۱۰۱)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ

اور چاہیے رہے	تم میں سے	ایک جماعت	وہ دعوت دیں	طرف	بھلائی	اور وہ حکم کریں

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اچھے کاموں کا	اور وہ روکیں	برائی سے	اور یہی لوگ	وہ	کامیاب ہونے والے

''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔'' (۱۰۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ خاص کر ایک جماعت کو یہ فریضہ مسلسل سرانجام دینا چاہیے۔

تھوڑا سا آگے چل کر آیت ۱۱۰ میں اس امّت کے وجود کی غرض و غایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے وجود کا مقصد ہی یہ ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکتے رہو۔ چونکہ امّت میں ہر آدمی اتنا وقت نہیں دے سکتا جس سے فریضۂ تبلیغ کا حق ادا ہو سکے اور نہ ہی ہر کسی میں اتنی صلاحیت ہوا کرتی ہے کہ وہ دلائل کی بنیاد پر دوسرے کو مطمئن کر سکے۔ اس لیے یہاں امت میں ایسی جماعت ہونے کا تقاضا کیا گیا ہے۔ جو لوگوں کو ہمہ وقت تعلیم و تربیت کے ساتھ خیر کی دعوت اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکتی رہے۔ ایسے لوگ اپنے مقاصد میں کامیاب اور آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ جو لوگ فریضۂ تبلیغ ادا نہیں کرتے ان پر ''اللہ'' کی لعنت ہوا کرتی ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے پھٹکار کی کیوں کہ یہ لوگ اللہ کے نافرمان اور اس کی حدّوں کو توڑنے والے تھے۔ ان پر اس لیے بھی لعنت کی گئی کہ وہ لوگوں کو برائی سے روکنے کے بجائے خود بھی گناہوں میں ملوّث ہو گئے اور یہ بُرے کردار کے حامل لوگ تھے۔ (المائدہ: ۷۸، ۷۹)

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ :يَا هٰذَا إِتَّقِ اللّٰهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّهٗ لَا يَحِلُّ لَكَ ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ فَلَا يَمْنَعُهٗ ذٰلِكَ أَنْ يَّكُوْنَ أَكِيْلَهٗ وَشَرِيْبَهٗ وَقَعِيْدَهٗ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ: {لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ} إِلٰى قَوْلِهٖ {فَاسِقُوْنَ} ثُمَّ قَالَ كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدَيِ الظَّالِمِ»

(رواہ أبو داؤد: کتاب الملاحم، باب الأمر والنهی [حسن لغیرہ])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں پہلا نقص یہ پیدا ہوا کہ کوئی آدمی کسی کو برا کام کرتے دیکھتا تو اسے اللہ کا خوف دلاتے ہوئے اس کام سے منع کرتا کہ ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔ اگلے دن اسے منع نہ کرتا بلکہ اس کے ساتھ مل کر کھاتا، پیتا، اٹھتا، بیٹھتا ان کی یہ حالت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی ایک جیسے کر دیے۔ پھر فرمایا بنی اسرائیل پر بزبانِ داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام لعنت کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا سنو! اللہ کی قسم! تمہیں ضرور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرتے ہوئے ظالم کا ہاتھ روکنا ہوگا۔''

ایک اور موقع پر نبی ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کشتی میں سوار لوگوں کی مثال بیان فرمائی:

«مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوْا لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَإِنْ يَتْرُكُوْهُمْ وَمَا أَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا وَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى أَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا» (رواه البخاری: کتاب الشرکة)

''اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں ملوث ہونے والوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے ایک بحری جہاز کے بارے میں قرعہ اندازی کی۔ بعض کو اوپر والے حصے میں اور کچھ کو نیچے والے حصے میں جگہ ملی۔ نیچے والوں کو پانی کی ضرورت پڑتی تو اوپر والوں کے پاس جاتے۔ نیچے والوں نے کہا کہ ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیتے ہیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہیں دیتے۔ اگر اوپر والے انہیں اسی حالت پر چھوڑ دیں تو تمام ہلاک ہو جائیں گے۔ اگر ان کے ہاتھوں کو روک لیں تو وہ سب بچ جائیں گے۔''

مسائل

۱۔ امتِ محمدیہ کا مقصد نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا ہے۔
۲۔ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

امّتِ محمدیہ کے اجتماعی فرائض:

۱۔ اپنے آپ اور اعزاء و اقرباء کو جہنم کی آگ سے بچانے کا حکم۔ (التحریم:۶)
۲۔ تبلیغ کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ (آلِ عمران:۱۰۴)
۳۔ اجتماعی زندگی میں شریعت نافذ کرنا فرض ہے۔ (الحج:۴۱)
۴۔ باہمی معاملات مشورہ سے طے کرنے چاہئیں۔ (آلِ عمران:۱۵۹) ۵۔ عہدہ اہل شخص کو دینا چاہیے۔ (النساء:۵۸)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ

اور نہ ہوجاؤ ان کی طرح جو متفرق ہوگئے اور باہم اختلاف کرنے لگے سے بعد

مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾

جو ان کے پاس آگئے واضح حکم اور یہی لوگ ان کیلئے عذاب بڑا

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

دن سفید ہوں گے کچھ چہرے اور سیاہ ہوں گے کچھ چہرے پس جو وہ لوگ

اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۫ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

سیاہ ہوئے ان کے چہرے کیا تم نے کفر کیا بعد اپنے ایمان کے سو تم چکھو عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ

اس لیے کہ تم تھے کفر کرتے اور جو وہ لوگ سفید ہوں گے ان کے چہرے

فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

سو میں اللہ کی رحمت وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے

''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اپنے پاس دلائل آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور باہم اختلاف کیا ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔(۱۰۵) جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ، کالے چہروں والوں سے کہا جائے گا کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب عذاب چکھو کیونکہ تم کفر کرتے تھے۔(۱۰۶) اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''(۱۰۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے احکام کو مضبوطی سے تھامنا اور متحد ہو کر لوگوں تک پہنچانا مسلمانوں پر فرض ہے۔ اختلاف کی صورت میں تبلیغ غیر مؤثر ہوجاتی ہے اس لیے باہمی اختلاف سے منع فرمایا ہے۔

اتحاد و اتفاق اور فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے ساتھ ایک دفعہ پھر امّت کو تاکید کی جارہی ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو آپس میں گروہ بندی کا شکار ہوئے۔ ٹھوس اور واضح دلائل آجانے کے باوجود انہوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی اور اختلافات پیدا کیے۔ اس فرمان میں عام لوگوں کے ساتھ بالخصوص مبلّغین کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ عام مسلمان امّت میں محدود انتشار کا باعث ہوتے ہیں لیکن راہنما اور علماء انتشار کا زیادہ سبب ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے رہنما، علماء اور عوام کو وارننگ دی جارہی ہے کہ وہ وقت ذہن میں لاؤ کہ جب تمہارے چہروں کی تروتازگی اور حسن و جمال کو جہنم کی

سیاہی اور رسوائی سے بدلتے ہوئے نرم و نازک اجسام کو آگ کے انگاروں میں جھونک دیا جائے گا اور حکم ہوگا کہ اب ہمیشہ کے لیے جہنم کا عذاب چکھتے رہو حکم ہوگا کہ اے دنیا کی جاہ وحشمت، شہرت اور دولت کی خاطر دین اور امّت میں انتشار پیدا کر کے گل چھرے اڑانے والو! اب تمہیں جہنم میں ہمیشہ رہنا اور عذاب عظیم برداشت کرنا ہوگا۔ اس اختلاف سے پہلی مراد توحید وسنت کے بارے میں اختلاف کرنا ہے۔

«عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰي تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَ تُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰي رَبِّهِمْ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ {لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ}» (رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب إثبات رؤیة المؤمنین فی الآخرة ربهم سبحانه)

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی ﷺ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم مزید کسی نعمت کو چاہتے ہو کہ میں تمہیں عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے اے اللہ! کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں فرمایا؟ آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور آپ نے ہمیں دوزخ سے نہیں بچایا؟ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا تب اللہ تعالیٰ اپنے چہرہ سے نور کے پردے اٹھائیں گے۔ انہیں ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی ہوگی جو پروردگار کے دیدار سے انہیں زیادہ محبوب ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ''جن لوگوں نے اچھے عمل کیے ان کے لیے جنت ہے اور مزید بھی۔''

مسائل

۱۔ آپس میں اختلاف کرنا عذاب الیم کو دعوت دینا ہے۔
۲۔ قیامت کے دن ایمانداروں کے چہرے روشن اور کفار کے منہ کالے ہوں گے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔
۴۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ ۵۔ اللہ ہی کے پاس ہر کام کا انجام اور اختیار ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں اور جہنمیوں کے چہروں میں فرق:

۱۔ کفار کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔ (الحج: ۷۳) ۲۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے۔ (القیامۃ: ۲۲)
۳۔ کفار کے چہرے مرجھائے اور اُڑے ہوئے ہوں گے۔ (القیامہ: ۲۴)
۴۔ مومنوں کے چہرے خوش وخرم ہوں گے۔ (العبس: ۳۸) ۵۔ کفار کے چہروں پر گردوغبار ہوگا۔ (العبس: ۴۰)
۶۔ مجرموں کے چہرے ڈرے اور اُوندھے ہوں گے۔ (الغاشیہ: ۲) ۷۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے۔ (الغاشیہ: ۸)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ اللہ کی آیات ہم پڑھتے ہیں انہیں آپ پر ٹھیک ٹھیک اور نہیں اللہ چاہتا کوئی ظلم جہان والوں کیلئے

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ کیلئے جو میں آسمانوں اور جو میں زمین اور اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے تمام کام

''اے نبی ہم آپ پر سچی آیات تلاوت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔(۱۰۸) اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے۔''(۱۰۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے مجرموں کو سزا سنائی گئی تھی یہاں وضاحت فرمائی ہے کہ مجرموں کے چہرے کالے ہونا اور ان کا جہنم میں داخل ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی نہیں بلکہ ان کے اعمال کا نتیجہ اور بدلہ ہوگا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ضابطے اور فیصلے ہیں جو ذات کبریا خود آپ ﷺ کے سامنے پڑھ رہی ہے۔ اس کے منزل من اللہ ہونے میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور سچ ہیں۔ جو فرد اور قوم ان پر عمل پیرا ہوگی وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوتے ہوئے نہ صرف دنیا میں ساحلِ مراد تک پہنچیں گی بلکہ آخرت میں روشن مستقبل ان کا منتظر ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کریں گے ان کے لیے دنیا میں بربادی ہے اور آخرت میں روسیاہی ہوگی۔ برے انجام کے ساتھ دوچار ہونا ان کا یقینی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ صرف لوگوں کو ظلم سے روکتے ہیں بلکہ اس نے اپنی ذاتِ اقدس پر ظلم و زیادتی حرام قرار دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی پر زیادتی کرنے کی اس لیے بھی ضرورت نہیں کیونکہ زمین و آسمان کا ذرّہ ذرّہ اس کا تابع فرمان اور زیرِ اقتدار ہے زیادتی تو وہ کرے جس کے اختیارات سے بڑھ کر کوئی نافرمانی کرنے والا ہو۔ اگر انسان نافرمانی کرتا ہے تو اس دی ہوئی ڈھیل کے مطابق کرتا ہے۔ آخر کار ہر کوئی اس کے حضور پیش ہونے والا ہے۔ وہاں ہر ایک کو اس کے کردار کا بدلہ چکا دیا جائے گا۔

«يَا عِبَادِيْ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا»

(رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم)

''اے میرے بندو! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کرنا حرام کر دیا ہے اور میں ظلم کو تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیتا ہوں پس تم آپس میں ظلم نہ کیا کرو۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ۲۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہے۔
۳۔ تمام معاملات اللہ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔ ۴۔ ہر کام کا انجام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ

تم ہو بہترین امت نکالے گئے ہو لوگوں کیلئے تم حکم کرتے ہو بھلائی کا اور منع کرتے ہو

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ

سے برائی اور ایمان لاتے ہو اللہ پر اور اگر ایمان لے آتے اہلِ کتاب ضرور تھا

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ

بہتر ان کے لیے ان میں سے ایمان والے اور انکے اکثر نافرمان (جمع) ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا

اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سوائے ستانا اور اگر وہ تم سے لڑیں وہ پھیر دیں گے تم سے پیٹھ (جمع) پھر وہ مدد نہ کیے جائیں گے

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن ان کے اکثر فاسق ہیں۔ (۱۱۰) یہ تمہیں معمولی تکلیف کے سوا اور کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑیں تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر وہ مدد نہیں کیے جائیں گے۔'' (۱۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ جس میں امتِ محمدیہ کا مقام اور کام بتلایا گیا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے ایک نظریہ پر اکٹھا ہونے والے لوگوں کو امت قرار دیا ہے یہاں مسلمانوں کو صرف ایک امت نہیں بلکہ امتِ خیر کے معزز ترین لقب سے ملقب فرمایا گیا ہے اور یہ اعزاز صرف اس امت کو حاصل ہوا ہے۔ اس اعتبار سے امّت محمدیہ پہلی تمام امتوں پر برتر اور فضیلت کی حامل قرار پائی ہے۔ جس کی تین بنیادی وجوہات ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر کامل اور بلاشرکت غیرے ایمان لانا۔ (۲) نیکی پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کو اس کی دعوت دینا (۳) برائی سے بچنا اور لوگوں کو اس سے منع کرنا، یہی امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ یہ فرض اتنا مشکل، عالمگیر اور ہمہ وقت کرنے کا ہے جو ایک جماعت کے کرنے سے بھی کما حقہ پورا نہیں ہوتا جب تک کہ امت کا ایک ایک فرد اپنے مقام پر اس کے لیے کوشاں نہ ہو جائے۔ رسولِ محترم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ رَّأَى مِنكُمْ مُّنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ» (رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الإیمان)

''تم میں جو آدمی برائی دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے روکے، طاقت نہ ہو تو زبان کے ساتھ منع کرے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں ہی اسے بُرا محسوس کرے لیکن یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

یہ فرض امت کے ہر فرد پر اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس حکم میں امر اور نہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور امر و نہی کے الفاظ قوت و اقتدار کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیونکہ قوت و اقتدار کے بغیر کسی حکم کا نافذ ہونا ممکن نہیں لہٰذا اس کے لیے اجتماعی قوت کی

ضرورت ہے۔ یہ کام محض عوامی تحریک یا اجتماعی قوت کے طور پر ہی نہیں بلکہ اس کے پیچھے للّٰہیت اور ایمان کی قوت ہونی چاہیے تب جا کر اقامتِ دین کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے۔

{ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ } (الحج:۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

جہاں تک اہل کتاب کا تعلق ہے اگر وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے آخری رسول پر ایمان لاتے ہوئے ابلاغِ دین کے کام میں لگ جائیں اگر وہ ایسا کریں تو نہ صرف وہ امّتِ خیر میں شامل ہوں گے۔ بلکہ دنیا اور آخرت کی بھلائی کے حق دار ٹھہریں گے۔ ان میں کچھ لوگ تو ایمان لاتے ہیں جبکہ اکثریت نے نافرمانی کا روّیہ اختیار کیا ہوا ہے۔ ایسے لوگ اپنی ہرزہ سرائی اور شرارتوں کے ذریعے مسلمانوں کو عارضی اور معمولی نقصان تو پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو کامرانی کے راستے سے ہٹانا ان کے لیے ناممکن ہو چکا ہے کیونکہ مسلمان اتحاد و تقویٰ اور ایمان باللہ کی بنیاد پر غزوۂ خندق کے بعد اس لائق ہو چکے تھے کہ اب انہیں قابلِ ذکر نقصان پہنچانا کسی کے بس کا روگ نہیں رہا تھا۔ اسلام کے دشمن رزم گاہِ حق و باطل میں اترنے کی کوشش کریں گے تو مقابلے کی تاب نہ لا کر پیٹھ پھیر کر بھاگنے پر مجبور ہوں گے ان کی مدد کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا۔ بعض مفسرین نے اس آیت مبارکہ کو قرآن کی پیش گوئیوں میں شمار کیا ہے جس کی کامل ابتدا غزوۂ تبوک سے ہوئی اور پھر صدیوں تک یہود و نصاریٰ مسلمانوں کی تاب نہ لا سکے۔

مسائل

۱۔ امتِ محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے۔ ۲۔ اہلِ کتاب ایمان لائیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔
۳۔ امتِ محمدیہ نیکی پر گامزن ہونے کے ساتھ نیکی کا حکم دینے، برائی سے رکنے اور روکنے والی ہے۔
۴۔ اہلِ کتاب میں ایمان لانے والے تھوڑے، کفر اور فسق و فجور اختیار کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں۔
۵۔ سچے مسلمان متحد ہو کر اہلِ کتاب کے خلاف لڑیں تو اہل کتاب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

مشرکین اور اہلِ کتاب کی پسپائیاں:

۱۔ بدر میں مشرکین پسپا ہوئے۔ (آلِ عمران: ۱۲۳ تا ۱۲۷) ۲۔ ۸ ہجری کو اہلِ مکہ مغلوب ہوئے۔ (الفتح:۱)
۳۔ غزوۂ حنین میں مشرک شکست خوردہ ہوئے۔ (التوبہ:۲۶)
۳۔ جنگِ خندق میں مشرکین اور اہلِ کتاب کو شکست ہوئی۔ (الاحزاب: ۲۵ تا ۲۷)

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ

مسلط کر دی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ پائے جائیں سوائے پناہ سے اللہ

وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

اور پناہ سے لوگ (جمع) وہ لوٹے غضب کے ساتھ سے اللہ اور مسلط کر دی گئی ان پر

الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

محتاجی یہ اس لیے کہ بیشک وہ تھے وہ کفر کرتے آیات اللہ اور قتل کرتے تھے

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

انبیاء ناحق یہ اس لیے انہوں نے نافرمانی کی اور وہ تھے حد سے بڑھ جاتے

''ان پر ہر جگہ ذلت مسلط کر دی گئی ہے سوائے اس کے کہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں۔ یہ غضب الٰہی کے ساتھ پھریں گے اور ان پر ذلت و مسکنت ڈال دی گئی یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرنے اور بلا جواز انبیاء کو قتل کرنے والے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ یہ نافرمان ہیں اور حد سے بڑھ جاتے ہیں۔'' (۱۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ بننے والے اہلِ کتاب خاص کر یہودیوں کے بارے میں دوٹوک فیصلہ۔

خندق اور فتح مکہ کے بعد مسلمان اس قابل ہو گئے کہ سرزمین حجاز میں مشرک ان کے سامنے سرنگوں ہوئے، یہودیوں کو ہمیشہ کے لیے جزیرہ نمائے عرب سے نکال دیا گیا۔ نصاریٰ کی طاقت تبوک کے میدان میں ہزیمت کا شکار ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد یہود و نصاریٰ ذمّی بن کر رہنے اور جزیہ دے کر اسلام کی قوت کے مقابلہ میں رُسوا ہوئے۔ یہودیوں کے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کر دی گئی کہ ان پر ہمیشہ ذلّت اور مسکنت مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے دو صورتوں میں سے ایک کو اختیار کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یا تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اس کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام کر اس امّت کا حصہ بن کر معزز ہو جائیں یا پھر دوسروں کے سیاسی گداگر بن کر زندگی بسر کریں۔ ایسی صورت میں ان پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا غضب رہے گا اور مال و متاع ہونے کے باوجود ان کے دلوں سے حرص و ہوس اور غربت نہیں نکل پائے گی۔

ان کا جرم یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے کے ساتھ انبیائے کرام کو ناحق قتل کرنے والے ہیں۔ ان جرائم میں اس لیے ملوث ہوئے کہ یہ لوگ پرلے درجے کے نافرمان اور حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور رسولِ معظم ﷺ کو یہ لوگ قتل نہیں کر سکے اور آپ کے بعد تو سلسلۂ نبوت ختم ہوا پھر ان یہودیوں اور ان کے بعد آنے والوں پر یہ سزا کیوں مقرر کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور رسولِ اکرم ﷺ کو

قتل نہیں کر سکے اور نہ ہی اب کسی نبی نے آنا ہے اس کے باوجود ان پر یہ سزا اس لیے مسلط کی گئی ہے کہ اپنے بڑوں کی صفائی ہی پیش نہیں کرتے بلکہ ان کے گھناؤنے جرائم کی تائید کرتے ہیں اور آج بھی مسلمانوں اور مصلحین کو قتل کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار ہوگی اور سیاسی طور پر ذلیل رہیں گے اور معاشی اعتبار سے ارب پتی ہونے کے باوجود یہودی کی نگاہ نہ سیر ہوتی ہے نہ پیٹ بھرتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودی دنیا کی مالدار ترین قوم ہونے کے باوجود کنجوس اور دل کے بھوکے ہوتے ہیں اور ہمیشہ دنیا میں در بدر پھرتے رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں تین عیسائی حکومتوں برطانیہ، فرانس اور امریکہ کی مدد سے یہودیوں نے مختصر سے خطہ پر اپنی ایک الگ حکومت قائم کی جسے کئی ممالک نے تا حال تسلیم ہی نہیں کیا اور عیسائیوں نے مسلمانوں سے انتقام کے طور پر ان کے ممالک کے درمیان یہ اسرائیلی حکومت قائم کر کے مسلمانوں کے جگر میں خنجر گھونپا ہے اور آج بھی اسرائیل کو امریکہ کی مکمل حمایت حاصل ہے اور اسی کے دم قدم سے یہ اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے۔ اگر امریکہ، برطانیہ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ جائے تو اس کا وجود فوراً ختم ہو جائے۔

اسرائیل غیر قانونی ریاست:

اسرائیل فلسطین میں اپنی ریاست کے قیام کی بنیاد جن تین بڑے ماخذوں پر تعمیر کرتا ہے:

(۱) انجیل میں عہد نامہ قدیم کی میراث۔ (۲) ۱۹۱۷ء میں حکومت برطانیہ کا اعلان بالفور (۳) ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی سفارش جس میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

حالانکہ تاریخی لحاظ سے یہودی فلسطین کے قدیم ترین باشندے نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے وہاں اتنا عرصہ حکومت کی جتنی دوسری اقوام نے کی ہے۔

جدید ماہرین آثارِ قدیمہ اب اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ یہاں کے قدیم ترین باشندے یعنی ۳۰۰۰ سال قبل مسیح سے لے کر تقریباً ۱۷۰۰ قبل مسیح تک کنعانی اور مصری تھے۔ جن کا ذکر قدیم کتب میں ملتا ہے۔ ان کے یکے بعد دیگرے دوسری اقوام مثلاً ہکسو، حطی اور فلسطینی آئے۔ یہودی حکومت کا عہد ۸۷۵ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۱۰۲۰ قبل مسیح تک رہا اس کے بعد اسرائیلیوں کو اسیرین، اہلِ بابل، مصریوں اور شامیوں نے روند ڈالا۔ پھر ۸۳ قبل مسیح میں سلطنت رومانے یروشلم فتح کر کے یہودی معبد گھروں کو مسمار کر ڈالا اور یہودیوں کو دوسرے علاقوں کی طرف بھگا دیا۔

مجموعی طور پر فلسطین کی پانچ ہزار سالہ دستاویزی تاریخ میں قدیم یہودیوں نے اسے یا اس کے ایک بڑے حصہ کو محض چھ سو سال تک کنٹرول کیا یعنی کنعانیوں، مصریوں، مسلمانوں اور رومیوں سے بہت کم امریکی ''کنگ کرین کمیشن'' کے مطابق اسرائیل کا ۱۹۱۹ء کے دو ہزار سال پیشتر قبضہ کو بنیاد بنا کر دعویٰ ملکیت کرنا سنجیدگی سے نہیں لیا جا سکتا۔

۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو تل ابیب میں جو میٹنگ ہوئی جس میں جو ''قدرتی اور تاریخی حق'' کے طور پر اعلانِ آزادی

کیا گیا تھا اس میں صرف یہودیوں کے ۱۳۷ افراد شریک ہوئے تھے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ ان کے اس اقدام کی بین الاقوامی عالمی قانون میں کوئی مستند حیثیت نہیں بنتی کیونکہ وہ اس وقت کی آبادی کی اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتے تھے۔ درحقیقت ان میں سے صرف ایک فلسطین کا پیدائشی شہری تھا بقیہ ۳۵ یورپی ممالک سے تھے اور ایک یمن کا باشندہ تھا۔ بقول ایک فلسطینی دانشور عیسیٰ نخلح کے ''یہودی اقلیت کو ایک ایسے علاقے میں اپنی آزاد ریاست کے قیام کا اعلان کرنے کا کوئی حق نہیں تھا جہاں فلسطینی عرب قوم آباد تھی۔''

امریکہ کی مالی امداد کا سہارا:

ہر سال اسرائیل کو دی جانے والی امریکن امداد کسی بھی دوسرے ملک کو دی جانے والی امداد سے زیادہ ہوتی ہے۔ صرف ۱۹۸۷ء سے لے کر ۲۰۰۳ء تک براہِ راست دی جانے والی معاشی اور فوجی امداد تین ارب ڈالر سے زیادہ تھی۔ علاوہ ازیں جو دوسرے مالی معاملات صرف اور صرف اسرائیل کے لیے خصوصی طور پر طے پاتے ہیں ان کو شامل کر کے یہ امداد تقریباً پانچ ارب ڈالر سالانہ تک جا پہنچتی ہے۔ اس میں اسرائیل کو دیے جانے والے قرضہ جات شامل نہیں ہیں۔ امریکی قانون کے مطابق کسی بھی ملک کو امداد چاہے وہ اقتصادی ہو یا فوجی! یکسر ختم کر دینی چاہیے اگر وہ ملک جوہری ہتھیار بنا لے یا پھر وہ ''عالمی طور پر تسلیم شدہ انسانی حقوق کی پامالی کا مرتکب ہو رہا ہو'' امریکی حکومت کو سالہا سال سے اسرائیل کے جوہری اسلحہ خانے کے انبار کا اور اس کے حقوقِ انسانی کی لگاتار پامالی کا علم ہے لیکن کسی بھی صدر یا کانگرس نے قانون کے مطابق امداد کو ختم کرنے کے اقدامات تو کجا اس کو کم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ [بحوالہ اسرائیل کی دیدہ و دانستہ فریب کاریاں/ پال فنڈ]

مسائل

۱۔ یہودی اللہ تعالیٰ کی پناہ اور لوگوں کے سہارے کے بغیر ہر جگہ ذلیل و خوار رہیں گے۔

۲۔ یہودی انبیاء کے قاتل، اللہ کی آیات کے منکر اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

۳۔ یہودیوں پر ہمیشہ کے لیے ذلت اور مسکنت مسلط کر دی ہے۔

تفسیر بالقرآن

یہود و نصاریٰ کی ذلّت کے اسباب:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے گستاخ ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۸۱) ۲۔ انبیاء کے گستاخ ہیں۔ (آلِ عمران: ۲۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکاری ہیں۔ (البقرۃ: ۶۱) ۴۔ شرک کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہوئے۔ (المائدۃ: ۱۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی وجہ سے رُسوا ہوئے۔ (البقرۃ: ۸۳ تا ۸۵)

۶۔ کتاب اللہ میں تحریف کرنے کی وجہ سے خوار ہوئے۔ (النساء: ۴۶)

۷۔ سود اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کی بنا پر تباہ ہوئے۔ (النساء: ۱۶۱)

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ

نہیں برابر سے اہل کتاب ایک جماعت قائم وہ پڑھتے ہیں اللہ کی آیات رات کے وقت

وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اوروہ سجدہ کرتے ہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اوردن آخرت اورحکم کرتے ہیں اچھی بات کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اورمنع کرتے ہیں سے برے کام اوروہ جلدی کرتے ہیں میں نیک کام اوریہی لوگ سے نیکوکار (جمع)

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اورجو وہ کریں سے نیکی توہرگز ناقدری نہ کی جائے گی اس کی اوراللہ جاننے والا پرہیزگاروں کو

''اہلِ کتاب سب برابر نہیں ہیں ان میں ایک جماعت حق پر قائم رہنے والی ہے جو رات کے وقت کلام اللہ کی تلاوت اور سجدے کرتے ہیں۔(۱۱۳) یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ بھلائیوں کا حکم کرتے، برائیوں سے روکتے، بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔(۱۱۴) یہ جو کچھ بھی نیکی کریں گے ان کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو جانتا ہے۔''(۱۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب سارے ایک جیسے نہیں اور نہ ہی تمام پر ذلت اور پھٹکار ہوگی۔ ان میں وہ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور نیکی کا حکم دینے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ ان سے مراد وہ بھی اہل کتاب ہوسکتے ہیں جو نبی اکرم سے پہلے تورات، انجیل پر عمل کرتے تھے اور آپ کی بعثت سے پہلے فوت ہوگئے۔

ان لوگوں کو اللہ کی پھٹکار اور ذلت و رسوائی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو اہلِ کتاب میں سے رسولِ معظم ﷺ پر ایمان لائے اور امّتِ خیر کے وصف سے متصف ہوئے۔ انہیں مسلمانوں میں شامل کرتے ہوئے امّت کے لفظ سے یاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ رات کی تاریکیوں میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی آیات کی تلاوت کرتے اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھنے کے ساتھ ان کے دل فکرِ آخرت سے لرزاں رہتے ہیں، نیکی کا حکم دینے، برائی سے منع کرنے، ہر کارِ خیر میں آگے بڑھنے والے اور صالحین میں شامل ہیں اور جو کوئی بھی نیکی کا طلب گار اور ان اوصاف کا حامل ہوگا وہ امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے صالح اعمال کی ہرگز ناقدری نہیں ہونے پائے گی۔

نجاشی شاہِ حبشہ جس کا نام اصحمہ جو اہل کتاب میں سے تھا اس نے مسلمانوں کی اس وقت بھرپور حمایت کی جب مسلمان ہجرت کر کے حبشہ پہنچے اور قریش مکہ کا ایک وفد انہیں واپس لانے کے لیے شاہِ حبشہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ نے نہ صرف

مسلمانوں کو واپس نہیں کیا بلکہ انہیں پناہ دی اور برملا اعتراف کیا کہ حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کے معاملہ میں مسلمانوں کے عقائد بالکل درست اور عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ پھر مسلمانوں کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کیا اور مسلمان ہو گیا جب وہ فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی وفات پر مطلع کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے بھائی کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ چنانچہ اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ (رواہ البخاری: باب الصفوف علی الجنازۃ...)

عبداللہ بن سلام یہود کے ممتاز علماء میں سے تھے حق قبول کرنے والے اور انتہائی مخلص تھے۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور عبداللہ بن سلام نے آپ میں وہ نشانیاں دیکھیں جو تورات میں نبی آخر الزماں ﷺ کی بتلائی گئی تھیں تو چند سوالات پوچھنے کے بعد اسلام لے آئے۔ انہوں نے رسول محترم ﷺ کو یہود کی سرشت سے آگاہ کیا، جس بنا پر یہودی ان کے دشمن بن گئے۔ بعد ازاں زنا کے ایک مقدمہ میں یہود نے تورات سے رجم کی آیت کو چھپانا چاہا تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ہی اس آیت کی نشاندہی کر کے یہود کو نادم اور رسوا کیا تھا۔ (رواہ ابو داؤد: باب فی رجم الیہودیین [صحیح])

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو ایک خواب آیا تھا جس کی تعبیر رسول اللہ ﷺ نے یہ بتلائی کہ عبداللہ بن سلام آخری دم تک اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔ (رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب مناقب عبداللہ بن سلام)

اہل کتاب کے دوگنا اجر:

«عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثَلٰثَۃٌ لَّھُمْ اَجْرَانِ (۱) رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِیِّہٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ (۲) وَّالْعَبْدُ الْمَمْلُوْکُ اِذَا اَدّٰی حَقَّ اللّٰہِ وَحَقَّ مَوَالِیْہِ (۳) وَرَجُلٌ کَانَتْ عِنْدَہٗ اَمَۃٌ یَطَأُ ھَا فَاَدَّبَھَا فَاَحْسَنَ تَأْدِیْبَھَا وَعَلَّمَھَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَھَا ثُمَّ اَعْتَقَھَا فَتَزَوَّجَھَا فَلَہٗ اَجْرَانِ۔» (رواہ مسلم: بَاب وُجُوبِ الْإِیمَانِ بِرِسَالَۃِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ إِلَی جَمِیعِ النَّاسِ وَنَسْخِ الْمِلَلِ بِمِلَّتِہِ)

''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول محترم ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کے لیے دوگنا اجر ہوگا۔ (۱) اہل کتاب میں وہ شخص جو پہلے اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اب مجھ پر ایمان لے آیا۔ (۲) وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ اپنے مالک کے حقوق ادا کرتا ہے۔ (۳) جس شخص کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس سے صحبت کرتا ہو۔ تو اس نے اس کی تعلیم و تربیت کا بہترین خیال رکھا اس کے بعد اسے آزاد کر کے اسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس کے لئے بھی دوگنا ثواب ہے۔''

مسائل

۱۔ اہل کتاب میں سے اللہ اور اس کے آخری رسول پر ایمان لاتے ہوئے اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں۔
۲۔ اللہ اور آخرت پر ایمان، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور نیکیوں میں جلدی کرنے والے صالح ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کی ناقدری نہیں کرتا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ متقی کون ہے۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَنْ	تُغْنِيَ	عَنْهُمْ	اَمْوَالُهُمْ	وَلَآ	اَوْلَادُهُمْ
بیشک	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	ہرگز	کام نہ آئیگا	ان سے	ان کے مال	اور نہ	ان کی اولاد
مِّنَ	اللّٰهِ	شَيْـًٔا ؕ	وَاُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾	
سے	اللہ	کچھ	اور یہی لوگ	آگ والے	وہ	اس میں	ہمیشہ رہنے والے	
مَثَلُ	مَا	يُنْفِقُوْنَ	فِيْ	هٰذِهِ	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	كَمَثَلِ	
مثال	جو	وہ خرچ کرتے ہیں	میں	اس	زندگی	دنیا	جیسے	
رِيْحٍ	فِيْهَا	صِرٌّ	اَصَابَتْ	حَرْثَ	قَوْمٍ	ظَلَمُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ	
ہوا	اس میں	سردی	وہ جا پہنچے	کھیتی	قوم	انہوں نے ظلم کیا	اپنی جانیں	
فَاَهْلَكَتْهُ ؕ	وَمَا	ظَلَمَهُمُ	اللّٰهُ	وَلٰكِنْ	اَنْفُسَهُمْ	يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾		
پھر اسکو ہلاک کردے	اور نہیں	ظلم کیا ان پر	اللہ	اور لیکن	اپنی جانیں	وہ ظلم کرتے ہیں		

''یقیناً کافروں کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں ان کے ہرگز کچھ کام نہیں آئیں گی اور یہ آگ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۱۱۶) اس دنیا میں کفار جو خرچ کریں اس کی مثال ایک تند ہوا کی طرح ہے جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تباہ کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔'' (۱۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل ایمان کے بعد اہل کفر کا انجام ذکر ہوتا ہے۔ اسلام کے مخالف اپنی انا کی خاطر مسلمانوں کے خلاف مال بھی خرچ کرتے ہیں۔ انہیں اس خرچ کرنے کی حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ بالآخر اس کا انجام کیا ہوگا۔

صاحبِ ایمان اور صالح کردار لوگوں کی ہرگز ناقدری نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ان کے مال اور اولاد ربِّ ذوالجلال کے ہاں انہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکیں گے۔ کفار اور اہل کتاب رسولِ معظم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غریبی کے طعنے دیتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اگر آپ لوگ سچے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور تمہیں دنیا کے اسباب سے مالا مال کرتا۔ اگر ہم اس کی بارگاہ میں غلط ہوتے تو وہ ہمیں مال اور اولاد سے کیوں نوازتا؟ اس خیال کی تردید اور اہل کفر کے کان کھولنے کے لیے بتلایا جارہا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیار دنیا کی بجائے آدمی کا عقیدہ اور صالح کردار ہے۔ جو لوگ اس سے تہی دامن ہوئے انہیں جہنم میں جھونکا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ دوسرے مقام پر کفار کی ترقی کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

{لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝} (آل عمران ۱۹۷،۱۹۶)

''کفار کا شہروں اور بستیوں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔''

اس عقیدہ کے حامل لوگ دنیا میں فلاح و بہبود اور نیکی کے کاموں پر لاکھوں روپے خرچ کریں تو بھی انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ جس طرح لہلہاتے ہوئے باغ، کھلے ہوئے پھول اور سرسبز و شاداب کھیتیاں بادِ صرصر سے خاکستر ہو جایا کرتی ہیں۔ عقیدۂ کفر و شرک کی وجہ سے ان کے اعمال بھی اسی طرح ضائع ہو جائیں گے۔ ان کے صدقات اور عبادات کا غارت ہونا ظلم کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اپنے عقیدے اور کردار کی وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ کفار کے اعمال کے بارے میں حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ قَالَ لَا يَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ»

(رواہ مسلم: باب الدلیل علی من مات علی الکفر لا ینفعہ عمل)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ابنِ جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی اور مساکین کو کھانا کھلایا کرتا تھا کیا اسے یہ چیزیں نفع دیں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرما دینا۔ (یعنی اس کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں تھا)۔''

مسائل

۱۔ کفار کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ فائدہ نہیں دیں گے۔ ۲۔ کفار جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
۳۔ کفار کا سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کفار کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی:

۱۔ کافر زمین کے برابر سونا دے کر بھی جہنم سے نجات نہیں پا سکتے۔ (آلِ عمران: ۹۱)
۲۔ قیامت کے دن ان کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔ (الانعام: ۵۱)
۳۔ کافر بغیر حساب کے جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔ (الکہف: ۱۰۵)
۴۔ کافروں کو ان کی جمعیت اور تکبر کام نہ آ سکے گا۔ (الاعراف: ۴۸)
۵۔ کفار کے مال و اولاد ہرگز ان کے کام نہ آ سکیں گے۔ (آلِ عمران: ۱۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ

اے جولوگ ایمان لائے ہو نہ بناؤ دلی دوست سے سوائے اپنوں کو وہ کمی نہیں کرتے خرابی

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۠ وَمَا تُخْفِيْ

وہ پسند کرتے ہیں جو تم تکلیف میں رہو تحقیق ظاہر ہو چکی دشمنی سے ان کے منہ اور جو چھپاتے ہیں

صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۸

ان کے سینے بڑا تحقیق ہم نے کھول کر بیان کر دیں تمہارے لیے آیات اگر تم ہو عقل رکھتے

''اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑے رہو۔ ان کی عداوت ان کی زبان سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تمہارے لیے آیات بیان کر دیں تا کہ تم سمجھ جاؤ۔'' (۱۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جولوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کریں اور ہر قسم کی دشمنی روا رکھیں ان کے ساتھ قلبی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو کفار اور اہلِ کتاب کے بارے میں مسلسل بتلایا جا رہا ہے کہ ان کی خواہش اور کوشش ہے کہ وہ تمہیں دینِ حق سے پھیر دیں۔ اب دوٹوک انداز میں حکم دیا گیا ہے کہ انہیں اپنا راز دان بنانے کی کوشش نہ کرنا یہ دینِ اسلام سے منحرف ہونے کے ساتھ چاہتے ہیں کہ تمہیں ہر قسم کا نقصان پہنچے یہ تمہاری ذات اور دین کے دشمن ہیں، کئی بار اپنی زبان سے حسد و بغض کا اظہار کر چکے ہیں۔ ان کے سینوں میں حسد اور دشمنی کی جو آگ بھڑک رہی ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم نے تمہارے سامنے حقیقتِ حال بیان کر دی ہے تا کہ تم عقل و فکر سے کام لو۔

عربی زبان میں ''بِطَانَةٌ'' استر کو کہتے ہیں جو لباس کے اندر پہنا جاتا ہے جسے بنیان کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہونے کی کوشش نہ کرو کہ وہ تمہاری پالیسیوں اور کمزوریوں سے واقف ہو کر تمہیں نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔

اہلِ کتاب کی دشمنی کی تصویر کا ایک رخ:

خیبر کی فتح کے بعد سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھنی ہوئی بکری کا ہدیہ بھیجا۔ اس نے پوچھ رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کون سا گوشت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ دستی کا گوشت پسند فرماتے ہیں۔ اس لیے اس نے دستی میں زہر ملایا اور بعد ازاں بقیہ حصہ بھی زہر آلود کر دیا پھر اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا۔ آپ نے دستی اٹھا کر اس کا ایک ٹکڑا چبایا لیکن نگلنے کے بجائے تھوک دیا۔ فرمایا کہ یہ دستی مجھے بتلا رہی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے زینب کو بلایا اس نے اقرار کر لیا۔ آپ نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے کہا میں

نے سوچا کہ اگر یہ بادشاہ ہے تو ہمیں اس سے نجات مل جائے گی۔ اگر نبی ہے تو اسے خبر دے دی جائے گی۔ اس پر آپ نے اسے معاف کر دیا۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بھی تھے۔ انہوں نے ایک لقمہ نگل لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ روایت میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا یا قتل کر دیا تھا تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پہلے تو آپ نے معاف کر دیا تھا۔ لیکن جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہوگئی تو پھر قصاص کے طور پر قتل کر دیا گیا۔ (فتح الباری: ۷/ ۴۹۷)

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی صحابی نے ایک اہلِ کتاب کی سفارش کی کہ یہ فنِ کتابت اور حساب کا ماہر ہے آپ اسے اپنا منشی اور کاتب رکھ لیں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اسے مسلمانوں کا راز دان نہیں بنا سکتا۔ پھر اس آیت کا حوالہ دیا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ اہل کتاب کو اتنا قریب نہ کرو۔ [ابن کثیر] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ غیر مسلموں کو اس قسم کے اہم عہدے نہیں دینے چاہییں۔ اسی وجہ سے وہ فوج کے کمانڈروں کو حکم دیتے کہ کفار کے ساتھ جب تمہارے مذاکرات ہوں یا کہیں مشترکہ اجلاس ہوں تو ان کے ساتھ اس طرح خلط ملط نہ ہونا کہ وہ تمہاری فوجی اور اخلاقی کمزوریوں سے واقف ہو جائیں۔ (سیرت الفاروق)

ملتِ اسلامیہ کو جو سب سے پہلے بھاری نقصان اٹھانا پڑا اس کا بنیادی سبب مسلمانوں کی یہی کمزوری تھی۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابولؤلؤ ایرانی مجوسی نے صبح کی نماز کے وقت پے در پے خنجر مار کر زخمی کر دیا۔ جب اس تکلیف میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اظہارِ افسوس کے لیے آئے تو انہوں نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں توجہ نہیں دلایا کرتا تھا کہ غیر مسلم غلام اپنے قریب نہ آنے دیا کرو۔ لیکن آپ لوگوں نے اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ اب اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہو۔ (البدایۃ والنہایۃ)

مسائل

۱۔ کفار سے دلی دوستی کرنا منع ہے۔ ۲۔ کفار مسلمانوں کو تکلیف دینے میں ذرہ بھر کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

۳۔ کفار مسلمانوں کو ہر وقت تکلیف میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی منع ہے:

۱۔ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کی ممانعت۔ (الممتحنۃ: ۱) ۲۔ کفار کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ (الانعام: ۱۵۰)

۳۔ کفار کی اطاعت کا نقصان۔ (آلِ عمران: ۱۴۹) ۴۔ کافر مسلمانوں کے ہمدرد نہیں ہو سکتے۔ (آلِ عمران: ۱۱۹، ۱۲۰)

۵۔ اہلِ کتاب مسلمانوں کو اپنے پیچھے لگائے بغیر خوش نہیں ہو سکتے۔ (البقرۃ: ۱۲۰)

۶۔ اہلِ کتاب چاہتے ہیں کہ مسلمان مشکلات میں پھنسے رہیں۔ (آلِ عمران: ۱۱۸)

هَآ اَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ

خبردار تم وہ لوگ تم محبت رکھتے ہو ان سے اور نہیں وہ محبت رکھتے تم سے اور تم ایمان رکھتے ہو کتاب

كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا

مکمل اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب الگ ہوتے ہیں وہ کاٹتے ہیں

عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ

تم پر انگلیاں سے غصہ فرما دیجئے تم مرجاؤ اپنے غصہ میں بیشک

اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ

اللہ جاننے والا دل کی باتیں اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی انہیں بری لگتی ہے اور اگر

تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

تمہیں پہنچے کوئی برائی وہ خوش ہوتے ہیں اس سے اور اگر تم حوصلہ رکھو اور پرہیزگاری اختیار کرو

لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۲ ۱۱ ۲

نہ بگاڑ سکے گا تمہارا ان کا فریب کچھ بیشک اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں گھیرے ہوئے ہے

''ہاں تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم پوری کتاب کو مانتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو اپنے ایمان دار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن تنہائی میں غصے سے تمہارے خلاف انگلیاں چباتے ہیں۔ فرما دو کہ تم اپنے غصہ میں ہی مرجاؤ اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ (۱۱۹) تمہیں بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں اور اگر تمہیں مصیبت پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور اجتناب کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہیں دیگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔'' (۱۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اسلام کے دشمنوں سے دوستی نہ رکھنے کی مزید وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

مسلمانوں کا ضمیر جھنجھوڑنے اور غیرت دلانے کے لیے نیا انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم کیسے لوگ ہو کہ تم ان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ کوئی الفت نہیں رکھتے۔ حالانکہ تم خلوصِ نیت کے ساتھ قرآنِ مجید پر ایمان لائے ہو ان کی حالت یہ ہے کہ تمہارے ساتھ ملتے ہیں تو زبانی جمع خرچ کے طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو غیظ وغضب کی وجہ سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ ان سے کہو کہ تم اپنے غصے کی آگ میں جل مرو۔ اللہ تعالیٰ سب کے دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ علیم کے ذریعے مسلمانوں کو یہ باور کروایا ہے کہ کفار کے غیظ وغضب اور ان کے سینے کی حالت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس قدر تمہارے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ تو

تمہارے اعمال اور دلوں کی کیفیات کو بھی جانتا ہے کہ تم کس حد تک کفار کی دوستی سے اجتناب کرنے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے والے ہو۔ اگر تمہیں کوئی فائدہ اور اچھائی پہنچتی ہے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں نقصان اور مصیبت پہنچے تو اس پر شاداں وفرحاں ہوتے ہیں۔ ہاں اگر تم صبر کرو، اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کرو اور کفار سے بچتے رہو تو ان کی سازشیں اور شرارتیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دسترس سے کسی کا عمل اور سازش بڑھ نہیں سکتی۔

یہاں مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے چار اخلاقی جرائم بتلا کر ان کے ساتھ قلبی محبت سے روکا گیا ہے۔

تم ان سے محبت کرتے ہو جبکہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔

تم اللہ تعالیٰ کی کتاب پر مکمل ایمان رکھتے ہو جبکہ وہ صرف تمہارے سامنے ایمان کے دعوے دار ہیں۔

تمہارا فائدہ انہیں برا لگتا ہے اور تمہارے نقصان پر وہ خوش ہوتے ہیں۔

وہ تمہارے ساتھ حسد وبغض رکھتے اور ہر وقت تمہارے نقصان کے درپے رہتے ہیں۔

یہود کا غیظ وغضب:

بنو کلاب کے دو آدمیوں کو عمرو بن امیہ ضمری نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ ان کی دیت میں اعانت پر بات چیت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ یہود کے ہاں تشریف لے گئے انہوں نے کہا: ابوالقاسم! آپ تشریف رکھیں ہم آپ کا مطالبہ پورا کیے دیتے ہیں۔ آپ صحابہ کے ہمراہ ان کے وعدے کی تکمیل کے انتظار میں ان کے گھروں میں سے ایک گھر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ یہودیوں نے تنہائی میں یہ مشورہ کیا کیوں نا ہم نبی کو ختم کر دیں۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ کون اس چکی کے پاٹ کو لے کر اوپر جائے وہاں سے اسے آپ کے سر پر گرا کر آپ کو کچل دے؟ عمرو بن جحاش بدبخت یہودی نے اس کام کو اپنے ذمے لیا۔ ان میں سے سلام بن مشکم نے یہ کہہ کر روکا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے اس بات کی خبر دے دے گا اور ہمارے آپس کے عہد وپیمان ختم ہو جائیں گے لیکن وہ نہ مانے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جبریل علیہ السلام کے ذریعے یہودیوں کے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ آپ فوراً اٹھے اور تیزی کے ساتھ مدینے کی طرف چل پڑے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے اٹھ آئے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کو سارا واقعہ بیان کیا۔ (الرحیق المختوم، غزوہ بنی نضیر)

مسائل

۱۔ یہود ونصاریٰ اور منافق علیحدگی میں مسلمانوں کے خلاف اپنے غیظ وغضب کے باعث اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔

۲۔ اہل کتاب مسلمانوں کی ترقی پر ناخوش اور نقصان پر خوش ہوتے ہیں۔

۳۔ یہود ونصاریٰ اور کفار کے ساتھ قلبی تعلق منقطع کرنے سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔

۴۔ مسلمانوں کو لوگوں سے ڈرنے کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

۵۔ کفار کو راضی کرنے کے بجائے قرآن وسنت پر ثابت رہنا چاہیے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ

اور جب	آپ نے صبح کی	سے	اپنے گھر	بٹھانے لگے	مومن (جمع)	ٹھکانے جنگ کے لیے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ

اور اللہ	سننے والا	جاننے والا	جب	ارادہ کیا	دو گروہ	تم میں سے	یہ کہ

تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ہمت ہار دے	اور اللہ	ان کا مددگار	اور پر	اللہ	چاہیے بھروسہ کریں مومن (جمع)

''جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کی مورچہ بندی کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سننے' جاننے والا ہے۔(۱۲۱) جب تم میں سے دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دست گیری فرمائی اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔''(۱۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار اور منافقین کا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اس پر خوش ہونے کی پہلی مثال غزوۂ اُحد ہے۔ جس کا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے۔

شکست سے بچنے کے لیے نظم وضبط، حوصلہ اور تقویٰ نہایت ضروری ہے۔ مسلمانوں نے ۲ ہجری ۱۷ رمضان المبارک کے دن بدر کے میدان میں اہلِ مکہ کو شکست فاش دی تھی۔ جس کا بدلہ لینے کے لیے مکہ والوں نے شوال ۳ ہجری میں مدینہ پر یلغار کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے دفاعی منصوبہ بندی کے لیے مشاورت کا اہتمام فرمایا جس میں آپ کا خیال یہ تھا کہ مدینہ سے باہر جانے کی بجائے شہر میں رہ کر دفاع کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی اور منافقین نے اس بات کی بھرپور تائید کی۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنا چاہیے۔ چنانچہ جمعہ ادا کرنے کے بعد آپ نے مدینہ سے باہر نکلنے کا فیصلہ فرمایا۔ آپ اپنے گھر تشریف لائے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کی دو زرہیں پہننے میں معاونت کی۔ جب آپ جرنیلی شان کے ساتھ گھر سے باہر نکلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی رائے پر نظر ثانی کرتے ہوئے عرض کی کہ ہمیں آپ کی رائے کے مطابق مدینے میں ہی دفاع کرنا چاہیے لیکن ارشاد ہوا کہ نبی کی شان اور غیرت کے منافی ہے کہ وہ پختہ عزم کرنے کے بعد فیصلہ کن جنگ کیے بغیر جنگی لباس اتار دے۔ اس کے بعد آپ اُحد کے قریب پہنچے اور ہفتہ کی صبح کو مورچہ بندی کا آغاز فرمایا۔ جونہی مورچہ زن ہونے کا آغاز ہوا تو عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر اس احتجاج کے ساتھ واپس ہوئے کہ ہماری رائے کا احترام نہیں کیا گیا۔ منافقین کے اس اقدام نے کفار کے حوصلے بڑھائے جبکہ مسلمانوں میں سراسیمگی پھیلی۔ یہاں تک کہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے لوگوں نے بھی واپس جانے کے لیے چہ میگوئیاں کیں۔ ان آیات میں اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مسلمانو! وہ وقت یاد کرو۔ جب اللہ کا رسول تمہاری صف بندی کر رہا تھا اور عین اس وقت

تم میں سے دو گروہوں نے کم ہمتی کا مظاہرہ کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدم رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ محبت رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے۔ مومنوں کو چاہیے کہ حالات اچھے ہوں یا برے ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرتے رہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت میں ہماری کمزوری کی نشان دہی کی گئی ہے جس میں ہماری پستی کا پہلو نکلتا ہے لیکن باوجود اس کمزوری کے ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان اعزاز کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ''وَلِيُّهُمَا'' کا ارشاد فرما کر ہمیں اپنی محبت اور دوستی کا اعزاز بخشا ہے۔

«عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْنَا نَزَلَتْ {إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا} قَالَ نَحْنُ الطَّائِفَتَانِ بَنُوْ حَارِثَةَ وَبَنُوْ سَلِمَةَ وَمَا نُحِبُّ أَنَّهَا لَمْ تُنْزَلْ لِقَوْلِ اللّٰهِ {وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا}»

(رواه البخاری: کتاب التفسیر، باب إذ همت طائفتان منکم ان تفشلا)

''حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ بیان کرتے ہیں یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جب تم میں سے دو جماعتیں ہمت ہارنے کا سوچ چکی تھیں۔ کہتے ہیں ہم دو جماعتیں بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھے ہمارے جذبات کے برعکس یہ آیت نازل ہوئی۔''

''تم کبھی یہ نہیں پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔ چاہے وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے ہوں، یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان پختہ کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا فرما کر انہیں ایک طاقت عطا کر دی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ اللہ کی جماعت ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے۔'' (المجادلہ: ۲۲)

مسائل

۱۔ مومنوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ ۲۔ جہاد میں بزدلی دکھانا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔
۳۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہو تو آدمی کی بگڑی حالت درست ہو جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن کا دوست؟

۱۔ اللہ مومنوں کا دوست ہے۔ (آل عمران: ۶۸) ۲۔ اللہ متقین کا دوست ہے۔ (الجاثیۃ: ۱۹)
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۷) ۴۔ اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف وغم نہیں ہوگا۔ (یونس: ۶۲)
۵۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے اللہ کا لشکر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ (المائدۃ: ۵۶)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اور البتہ تحقیق مدد کر چکا تمہاری اللہ بدر میں اور تم کمزور تو ڈرو اللہ تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ

شکر گزار ہو جب فرما رہے تھے آپ مومنوں کو کیا کافی نہیں تمہارے لیے یہ کہ وہ مدد کرے تمہاری تمہارا رب

بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

تین ہزار سے فرشتے اتارے ہوئے کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو

وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

اور تمہارے پاس آئیں سے فوراً وہ یہ مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار (جمع) سے

الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ

فرشتے نشان زدہ اور نہیں بنایا اس کو اللہ مگر خوشخبری تمہارے لیے اور تاکہ مطمئن ہوں

قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ ﴿۱۲۶﴾

تمہارے دل اس سے اور نہیں مدد سوائے سے اللہ کے پاس غالب حکمت والا

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

تاکہ کاٹ ڈالے ایک حصہ سے وہ لوگ انہوں نے کفر کیا یا انہیں ذلیل کرے تو وہ لوٹ جائیں نامراد

''یقیناً جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم نہایت کمزور تھے۔ پس اللہ ہی سے ڈرو تاکہ تم شکر یہ ادا کر سکو۔ (۱۲۳) جب تم مومنوں کو تسلی دے رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد فرمائے؟ (۱۲۴) کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ تو وہ تمہارے پاس فوراً پہنچ جائیں گے یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری مدد پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کے ساتھ ہوگی۔ (۱۲۵) یہ تو محض تمہاری خوشی اور اطمینانِ قلب کے لیے ہے ورنہ مدد تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو غالب، حکمت والا ہے۔ (۱۲۶) تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر ڈالے اور وہ نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔'' (۱۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد اور بدر کے حالات کا موازنہ کیا جا رہا ہے۔

اُحد کی شکست کے عوامل اور محرّکات پر تبصرہ کرنے سے پہلے بدر کی کامیابی، اس وقت کے حالات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کی شکل میں نصرت وحمایت کا تذکرہ اس لیے کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمانوں کا غم ہلکا اور مورال بلند ہو سکے۔ اے مسلمانو! میدانِ بدر کی طرف دیکھو جب تم کمزور اور تعداد میں تھوڑے ہونے کی وجہ سے کفار کی نگاہوں میں حقیر اور کمزور سمجھے

جارہے تھے۔اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی تا کہ تم اللہ سے ڈر کر اپنی کمزوریوں کو دور کر کے اس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ واقعہ اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ کفار ایک ہزار کا لشکر لے کر بدر کے میدان میں اترنے والے ہیں تو آپ مدینہ سے ۳۱۳ صحابہ کو لے کر تقریباً ۱۵۰ کلومیٹر کا سفر طے کرتے ہوئے بدر میں کفار کے مدمقابل ہوئے اور صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے ایک ہزار فرشتوں کی مدد کی خوشخبری سنائی جس کا ذکر سورۃ الانفال آیت :۹ میں کیا گیا ہے۔لیکن جنگ کا میدان گرم ہونے سے پہلے کفار نے افواہ پھیلائی کہ کرز بن جابر بھاری کمک کے ساتھ ہماری مدد کے لیے پہنچنے والا ہے۔اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اے مومنو! کیا تم کافی نہیں سمجھتے کہ اللہ تمہاری مدد کے لیے تین ہزار مخصوص نشان والے فرشتے نازل کرے؟ اگر تم جرأت وحوصلہ اور تقویٰ میں آگے بڑھو گے تو فوری طور پر ملائکہ کی کمک کو پانچ ہزار کر دیا جائے گا۔ملائکہ کی بھاری نفری اس لیے اتاری جارہی ہے تا کہ تمہارے دل مطمئن اور تم خوش ہو جاؤ۔جب کہ حقیقی مدد تو اللہ غالب حکمت والے کی ہی ہوا کرتی ہے۔کفار کی تباہی کے لیے ایک فرشتہ ہی کافی تھا لیکن جنگ میں افرادی قوت مجاہدین کے لیے خوشی، تقویت اور حوصلے کا باعث ہوا کرتی ہے اس لیے فرشتوں کی تعداد کو بشارت کے طور پر بڑھا دیا گیا۔اتنی بڑی حمایت کے باوجود اس بات کی وضاحت کی گئی کہ پانچ ہزار فرشتوں کی بجائے کائنات کے جن و بشر اور ملائکہ بھی تمہاری حمایت کے لیے آجاتے تو وہ تمہیں فتح نہیں دلوا سکتے تھے کیونکہ نصرت و حمایت، فتح وشکست کی حقیقی طاقت کسی کے پاس نہیں ہر قسم کی قوت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہی غالب حکمت والا ہے۔بدر میں کفار کے ستر سرخیل زمین بوس ہوئے اور ستر کو گرفتار کیا گیا۔یہ اس لیے ہوا تا کہ کفار کی کمر ٹوٹ جائے اور وہ دنیا کے سامنے ذلیل وخوار ہو جائیں اور نامراد ہو کر اپنے گھروں کو واپس جائیں۔

مسائل

۱۔ تقویٰ شکر گزاری کا سبب ہے۔ ۲۔بدر میں اللہ تعالیٰ نے تین ہزار مخصوص ملائکہ کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ صابر اور متقی مجاہدین کی مدد میں اضافہ فرماتا ہے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ کی مدد کامیابی کی ضمانت اور دلوں کا سکون ہوتی ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی مدد نہیں کر سکتا وہ غالب اور حکمت والا ہے۔
۶۔ مسلمانوں کو اللہ کی مدد پہنچنے کے بعد کافر ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے کمزور بندوں کی مدد کرتا ہے:

۱۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کی مدد فرمائی۔(آلِ عمران: ۱۲۳)
۲۔ غارِ ثور میں نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی۔(التوبۃ: ۴۰)
۳۔ ابرہہ کے مقابلے میں بیت اللہ کا تحفظ فرمایا۔(الفیل: مکمل) ۴۔بنی اسرائیل کے کمزوروں کی مدد فرمائی۔(القصص: ۵)

لَيْسَ	لَكَ	مِنَ	الْاَمْرِ	شَيْءٌ	اَوْ يَتُوْبَ	عَلَيْهِمْ
نہیں	آپ کیلئے	سے	اختیار	کچھ	یا توبہ قبول کرے	ان کی
اَوْ	يُعَذِّبَهُمْ	فَاِنَّهُمْ	ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾	وَلِلّٰهِ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ
یا	انہیں عذاب دے	تو یقیناً وہ	ظالم (جمع)	اور اللہ کیلئے	جو	میں آسمانوں
وَمَا	فِي الْاَرْضِ ؕ	يَغْفِرُ	لِمَنْ	يَّشَآءُ	وَيُعَذِّبُ	
اور جو	میں زمین	وہ معاف کرتا ہے	جس کے لیے	وہ چاہے	اور عذاب دیتا ہے	
مَنْ	يَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾		
جسے	چاہتا ہے	اور اللہ	بخشنے والا	مہربان		

''اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے بلاشبہ وہ ظالم ہیں۔(۱۲۸) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ جسے چاہے بخش دے یا جسے چاہے عذاب دے اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''(۱۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کرسکتا۔ اسی طرح معاف کرنا یا کسی کو عذاب دینا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے کیونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے سرکردہ جنگجو یہاں تک کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بڑی بیدردی کے ساتھ شہید کردیے گئے اور رسولِ مکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو بھی زخم آئے، دو دانت شہید ہوئے اور آپ بے ہوش ہوکر ایک گھاٹی میں گر گئے جونہی ہوش سنبھالا تو آپ کی زبانِ اطہر سے بے ساختہ الفاظ نکلے:

«كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا نَبِيَّهُمْ وَكَسَرُوْا رُبَاعِيَتَهُ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ إِلَى اللّٰهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ}»(رواہ مسلم: کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة أحد)

''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر پھوڑ ڈالا اور اس کا دانت شہید کردیا؟ حالانکہ وہ انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ میرے محبوب! آپ کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔''

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنَ الْفَجْرِ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا بَعْدَ مَا يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ} إِلٰى قَوْلِهِ {فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ} وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُوْ عَلٰى صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ وَسُهَيْلِ بْنِ

عَمْرٍو وَالْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَزَلَتْ {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ} إِلَى قَوْلِهِ {فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ}))

(رواه البخاری: کتاب المغازی، باب لیس لك من الأمر شیء)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا جب آپ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد دعا کر رہے تھے۔ اے اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرما۔ تب اللہ تعالیٰ نے {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ... فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ} آیت نازل فرمائی۔ حنظلہ بن ابی سفیان نے سالم بن عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے لیے بددعا کرتے تو {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ... فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ} آیت نازل ہوئی۔''

اس فرمان میں آپ کی اس بات کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی ہے آپ کو دل شکستہ اور حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے کیونکہ کسی کو معاف کرنا یا اسے عذاب دینا آپ کے اختیار میں نہیں یہ تو رب کبریا کے فیصلے ہیں جو اس کی حکمت کے مطابق صادر ہوتے ہیں۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے۔ وہ لامحدود اختیارات اور ہر چیز کی ملکیت رکھنے کے باوجود معاف کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے۔ آپ کو بددعا سے منع کرنے کا سبب یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد اُحد میں کفار کے لشکر کی کمان کرنے، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے خالد بن ولید، عمرو بن عاص، ابوسفیان بن حرب اور بڑے بڑے لوگ مسلمان ہوئے یہاں تک کہ پورے عرب میں لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

مسائل

۱۔ حقیقتاً کسی کو معاف کرنا یا عذاب دینا صرف اللہ کا اختیار ہے۔

۲۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی مختارِ کل ہے:

۱۔ نبی ﷺ کسی پر عذاب نازل کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ (آلِ عمران: ۱۲۸)

۲۔ رسول اللہ ﷺ کو منافقین کے لیے دُعا اور ان کی قبروں پر جانے سے روک دیا گیا۔ (التوبۃ: ۸۴)

۳۔ نبی مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا مجاز نہیں۔ (التوبۃ: ۱۱۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی رضا کا پابند نہیں۔ (التوبۃ: ۹۶) ۵۔ رسول اللہ ﷺ نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ (الجن: ۲۱)

۶۔ رسول اللہ ﷺ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ (القصص: ۵۶)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

اے جولوگ وہ ایمان لائے نہ کھاؤتم سود دوگنا چوگنا اورڈروتم اللہ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا

تاکہ تم فلاح پاؤ اورڈرو آگ وہ جو تیار کی گئی کافروں کے لیے اورحکم مانو تم

اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ

اللہ اوررسول تاکہ تم تم رحم کیے جاؤ اوردوڑو طرف بخشش سے

رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۱۳۳﴾

تمہارارب اورجنت اس کی چوڑائی آسمان (جمع) اورزمین تیار کی گئی پرہیزگاروں کیلئے

''اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمہیں نجات ملے۔(۱۳۰) اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔(۱۳۱) اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(۱۳۲) اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''(۱۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سودخوری آدمی میں لالچ پیدا کرتی ہے۔ اُحد میں درّہ چھوڑنے کے پیچھے لالچ ہی کارفرما تھا۔

حرمتِ سود سے پہلے بعض صحابہ بھی اس کام میں ملوث تھے۔ جس کے منفی اثرات کا نتیجہ تھا کہ جونہی درّے پر مامور اصحاب نے مجاہدین کو مالِ غنیمت لوٹتے ہوئے دیکھا تو اپنے کمانڈر سے بے قابو ہوکر غنائم اکٹھا کرنے پر ٹوٹ پڑے۔ اس اخلاقی کمزوری کو دور کرنے کے لیے حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے سود کو چھوڑ دو تاکہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکو اور اس آگ سے ڈرو جو اللہ کے حکم کا انکار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ بغاوت اور انکار کی روش اختیار کرنے کی بجائے ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی شفقت و مہربانی نازل کرتا رہے۔ دنیا کے مال کے پیچھے بھاگنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور جنت کے حصول کے لیے جلدی کرو۔ دنیا کا مال عارضی، اس کی سہولتیں ناپائیدار، یہاں کے بنگلے اور محلات سبزار اور دنیا کے باغ و بہار ویرانوں میں تبدیل ہونے والے ہیں جبکہ جنت کے باغات سدا بہار اور اس کی نعمتیں لامحدود اور ہمیشہ رہنے والی ہیں جو اللہ سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہیں۔

قرآنِ مجید نے مسلمانوں کو صرف نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ نیکیوں میں آگے بڑھنے اور جنت کی طرف سبقت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس معاشرے میں نیکی اور اہم مقصد کے لیے آگے بڑھنے کا جذبہ ختم ہوجائے وہ معاشرہ اور قوم بالآخر مُردگی کا شکار ہوجاتی ہے۔ زندہ اور بیدار قومیں اپنی منزل کے حصول کے لیے نئے جذبوں اور تازہ ولولوں کے ساتھ آگے بڑھنے کے

لیے مسلسل منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا حصول ہے اس لیے قرآن مجید نے مختلف مقامات پر ترغیب دی ہے کہ اس مقصد کے لیے آگے بڑھو اور بڑھتے ہی چلے جاؤ۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ وَاقْرَأُوا إِنْ شِئْتُمْ {وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ}» (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ گھوڑے پر سوار شخص اس کے سائے میں سو سال تک چل سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو (اور سائے ہیں لمبے لمبے)۔''

«عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ طُولُهَا سِتُّونَ مِيلًا لِلْمُؤْمِنِ فِيهَا أَهْلُونَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا يَرَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا» (رواہ مسلم: باب فی صفة خیام الجنة...)

''حضرت عبداللہ بن قیس اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں مومن کے لیے موتی کا ایک ایسا خیمہ ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی وہاں مومن کے گھر والے ہوں گے جن کے پاس وہی جائے گا دوسرا کسی کو نہ دیکھ سکے گا۔''

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے سود خوری چھوڑ دینا چاہیے۔ ۲۔ اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔
۳۔ اللہ کے نافرمان اور سود خوروں کے لیے جہنم کی آگ تیار کی گئی ہے۔
۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی شفقت و مہربانی ہوتی ہے۔
۵۔ اللہ کی بخشش اور اس کی جنت کے لیے جلدی کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اطاعتِ رسول ﷺ کے فائدے:

۱۔ اللہ کی شفقت حاصل ہوتی ہے۔ (آلِ عمران: ۱۳۲) ۲۔ اللہ کی محبت اور بخشش حاصل ہوتی ہے۔ (آلِ عمران: ۳۱)
۳۔ اطاعتِ رسول ﷺ سے اعمال ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ (محمد: ۳۳)
۴۔ دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ (الاحزاب: ۷۱)
۵۔ قیامت کے دن انبیاء، صدیقوں، شہداء اور صلحاء کا ساتھ نصیب ہوگا۔ (النساء: ۶۹)

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

جولوگ خرچ کرتے ہیں میں خوشی اورتنگی اور پی جانے والے غصہ اورمعاف کرنے والے

عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً

سے لوگ اوراللہ دوست رکھتاہے احسان کرنے والے اوروہ لوگ جب وہ کریں کوئی بے حیائی

اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۫ وَمَنْ

یا ظلم کریں اپنے آپ پر وہ یادکریں اللہ پھربخشش مانگیں اپنے گناہوں کیلئے اورکون

يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۖ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ

بخشتاہے گناہ(جمع) سوائے اللہ اورنہ وہ اصرارکریں پر جو انہوں نے کیا اور وہ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ

جانتے ہیں یہی لوگ ان کی جزا بخشش سے ان کارب اورباغات بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

سے انکے نیچے نہریں ہمیشہ ہیں گے اس میں اورکیسااچھا بدلہ عمل کرنے والے

''جو لوگ کشادگی اور تنگی میں اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔(۱۳۴) اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام یا اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور کون ہے اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو بخشنے والا؟ اور وہ لوگ اپنے کیے ہوئے پر جان بوجھ کر نہیں اڑتے۔ (۱۳۵) ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نیک کام کرنے والوں کا بہترین بدلہ ہے۔''(۱۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سود اور جہنم سے بچنے کا حکم، جنت اور صدقہ کی ترغیب دینے کے بعد جنتیوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

یہاں جنتیوں کے چھ اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ ① یہ لوگ عسر و یسر میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ② طیش اور غضب کی حالت میں اپنے آپ پر ضبط رکھتے ہیں۔ ③ ساتھیوں اور بھائیوں کے ساتھ معافی کا وطیرہ اختیار کرتے ہیں۔ ④ جب ان سے بُری حرکت یا گناہ کی صورت میں اپنے آپ پر زیادتی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس، اس کے عذاب کا خوف اور اس کی ذاتِ کبریا کا تصور کرتے ہوئے اس کے حضور اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگتے ہیں۔ ⑤ اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں ⑥ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے

گناہوں پر اترانے اور اصرار کرنے پر تیار نہیں ہوتے کیونکہ گناہوں کے نتائج اور نقصانات کو وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

نیک لوگ منصوبہ بندی کے ساتھ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے اور نہ ہی وہ شیطان کی طرح اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہیں۔ وہ تو اپنی غلطی کا اعتراف اور اس پر استغفار کرتے ہیں۔ ان کا صلہ ان کے رب کے ہاں بخشش اور جنت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ بہترین اجر پائیں گے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ» (رواه البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی کو پچھاڑنے والا طاقتور نہیں ہے طاقتور تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔''

''نبی کریم ﷺ کے صحابی سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا۔ ان میں ایک آدمی اتنا غضبناک ہوا کہ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر وہ پڑھ لے تو اس کا سارا غصہ ختم ہو جائے۔ ایک آدمی نے اسے جا کر رسول اللہ ﷺ کی بات بتائی اور کہا کہ شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ اس نے جواباً کہا کیا مجھ میں کوئی بیماری نظر آ رہی ہے یا میں مجنون ہوں؟'' (اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا فرمان سن کر میں اپنے غصہ پر ضبط کرتا ہوں) (رواه البخاری: کتاب الأدب)

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو اپنے رب کی بخشش اور جنت کے حصول کی کوشش کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نیکوکار لوگوں سے محبت کرتا ہے۔
۳۔ جنت کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے جو گناہوں سے بچنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔
۴۔ ایمان دار لوگ آسانی اور تنگی میں خرچ کرنے والے، غصہ پر ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہوتے ہیں۔
۵۔ ایمان والے اپنے آپ پر ظلم یا بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اس سے معافی مانگتے ہیں۔
۶۔ صاحب ایمان لوگ اپنی غلطی پر اصرار نہیں کرتے۔ ۷۔ اللہ کے بغیر کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں۔
۸۔ معافی مانگنے والوں کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور جنت ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنت کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے:

۱۔ اللہ کی مغفرت اور جنت کی کوشش کرو۔ (الحدید: ۲۱) ۲۔ نیکی کے حصول میں جلدی کرو۔ (البقرۃ: ۱۴۸)
۳۔ نیکیوں میں سبقت کرنے والے سب سے اعلیٰ ہوں گے۔ (فاطر: ۳۲)
۴۔ سبقت کرنے والے اللہ کے مقرب ہوں گے۔ (الواقعہ: ۱۰، ۱۱)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

تحقیق گزر چکے سے تم سے پہلے واقعات پس چلو میں زمین پھر دیکھو کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

انجام جھٹلانے والے یہ بیان لوگوں کیلئے اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کے لیے

''تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ (۱۳۷) یہ بیان سب لوگوں کے لیے ہے مگر پرہیزگاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔'' (۱۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اگر لوگ گناہوں سے بچنے، جنت میں داخل ہونے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس سے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں تو ظالم کو اپنی عارضی کامیابی پر اترانا نہیں چاہیے کیونکہ اس کا انجام بُرا ہی ہوا کرتا ہے۔ جس کے لیے انہیں پہلے لوگوں کے واقعات اور آثار کو دیکھنا چاہیے۔

اُحد کی عارضی فتح پر کفار نے بڑے گھمنڈ اور غرور کا مظاہرہ کیا۔ ابوسفیان نے نعرہ لگاتے ہوئے کہا ''ہبل زندہ باد'' پھر اس نے اُحد کے معرکہ کو بدر کا بدلہ قرار دیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریبی ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس کا فوری جواب دیا جائے۔ چنانچہ صحابہ نے جواباً نعرہ لگایا: (اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ) ''اللہ بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ احد بدر کا بدلہ نہیں ہوسکتا کیونکہ تمہارے مرنے والے جہنم کا ایندھن بنے اور ہمارے شہید جنت کے مہمان قرار پائے ہیں۔ (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد) کیونکہ اہل مکہ کی یہ جزوی فتح تھی مکمل فتح نہیں تھی۔

اس پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن مجید ظالموں کو حکم دیتا ہے کہ اگر تم تاریخ کے اوراق سے بے بہرہ ہو تو ذرا ان جگہوں اور مقامات کو نگاہِ عبرت سے دیکھو جہاں ظالموں کو تباہ و برباد کیا ہے کہ پیغمبروں کو جھٹلانے، شریعت کو ٹھکرانے اور اللہ سے ٹکرانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اے اہلِ مکہ! تمہارا انجام بھی ایسا ہی ہونے والا ہے۔ چنانچہ ٹھیک اگلے سال غزوۂ احزاب میں کافر ذلیل ہوئے۔ ۸ ہجری میں اہلِ مکہ اس طرح سرنگوں ہوئے کہ بیت اللہ میں سب کے سامنے رسولِ معظم ﷺ سے معافی کے خواستگار ہونا پڑا۔ اس کے بعد قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تخت الٹ گئے یہاں تک کہ ہندوستان کی سرزمین پر راجہ داہر جیسا ظالم محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔ اس طرح کفار اور کذاب لوگوں کا عبرت انگیز انجام ہر جگہ دیکھا جاسکتا ہے۔ رہنمائی حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تاریخ کے اوراق ہمیشہ کے لیے رقم ہو چکے ہیں۔

مسائل

۱۔ جھوٹے لوگوں کا انجام دیکھنے کے لیے ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھنا چاہیے۔

۲۔ یہ تاریخی واقعات گناہوں سے بچنے والوں کے لیے عبرت اور نصیحت ہیں۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور سست نہ پڑو اور غم نہ کھاؤ اور تم غالب اگر تم ہو ایمان والے

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ

اگر تمہیں پہنچا زخم تو البتہ پہنچا قوم زخم اس جیسا

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اور یہ دن (جمع) ہم بدلتے ہیں انکو درمیان لوگ (جمع) اور تا کہ معلوم کرلے اللہ وہ لوگ

اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

جو ایمان لائے اور بنائے تم سے شہید (جمع) اور اللہ پسند نہیں کرتا ظالم (جمع)

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تا کہ الگ کردے اللہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور مٹادے کافر (جمع)

''سستی نہ کرو اور نہ غم کھاؤ اگر تم ایماندار ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ (۱۳۹) اگر تم زخمی ہوئے تو دوسرے لوگ بھی تو اسی طرح زخم کھا چکے ہیں ہم لوگوں کے درمیان دنوں کو بدلتے رہتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو نمایاں کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (۱۴۰) اور اس طرح اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ممتاز کرلے اور کافروں کو مٹادے۔'' (۱۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کی ہزیمت کے بعد تسلی دینے کے ساتھ کامیابی کی مشروط ضمانت دی گئی ہے۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے ستر (۷۰) زعماء شہید ہوئے۔ جن میں شیر دل اور بہادر جوان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جنہوں نے معرکۂ بدر میں سب سے زیادہ کفار کو نقصان پہنچایا تھا۔ انہیں احد میں خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کفار نے ان کے جسدِ اطہر کا مثلہ کیا اور سینہ مبارک چیر کر کلیجہ چبانے کی کوشش کی گئی۔ اس بھاری جانی نقصان کے ساتھ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو شدید زخم آئے۔ یہ درّہ والوں کی کوتاہی کی وجہ سے آناً فاناً ہوا۔ اس شدید نقصان کے بارے میں مسلمان سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ خاص کر ایسے مجاہد جنہوں نے ایک سال پہلے بدر میں کفار کی کمر توڑ دی تھی۔ اس صورتِ حال پر انتہائی مغموم اور دل گرفتہ ہوئے۔ ان کی ڈھارس بندھانے اور ان کا حوصلہ بلند رکھنے کے لیے تسلی دی گئی ہے کہ غمزدہ ہونے اور کمزوری دکھانے کی ضرورت نہیں ہم لوگوں کے درمیان گردشِ ایام کرتے ہیں۔ مجاہد کا ہارنا، شہسوار کا گرنا، اقتدار کا چھننا، جوان کا بوڑھا ہونا، تندرست کا بیمار پڑنا، امیر کا غریب ہونا، غریبوں کو تونگر بنانا، کمزوروں کو طاقت بخشنا، اوقات کا تبدیل ہونا، ایام کا بدلنا اور قوموں کا عروج وزوال ہماری مشیّت وحکم کا مظہر ہے

تا کہ لوگوں کو اللہ کی قدرت وسطوت کا اعتراف ہوتا رہے۔ ہاں ہمیشہ تم ہی سربلند رہو گے بشرطیکہ تم ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہو۔ رہی بات تمہیں زخم پہنچنے کی تو اس سے بڑھ کر تم انہیں بدر کے میدان میں زخمی کر چکے ہو۔ وہ شدید زخمی ہونے، جانی و مالی نقصان اٹھانے کے باوجود ہمت نہیں ہارے بلکہ اس سے کئی گنا پُر جوش ہو کر تم پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ تمہارے پاس حوصلہ ہارنے اور غیر معمولی افسردہ ہونے کا کیا جواز ہے؟ یہ تو گردشِ ایام ہے جس کو لوگوں کے اعمال اور کردار کی وجہ سے ہم پھیرتے رہتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ممتاز کر کے ان سے منافقوں کو الگ کر دے۔ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کے درجے پر فائز فرما دے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کٹ مرنے والا اپنے خونِ جگر سے عملاً اللہ کے کلمہ کو بلند رکھنے کی گواہی دیتا ہے کون ہے۔ اس لیے اسے شہید کہا جاتا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے مطابق مرنے کے بعد مومنوں کی ارواح مقامِ علیین میں ہوتی ہیں لیکن شہداء کی ارواح اللہ تعالیٰ کے عرش معلّٰی کے نیچے ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے وہ قیامت سے پہلے ہی اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں شہید کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہنے والے۔ مفسرین نے اللہ تعالیٰ کا منافقوں کو جاننے کا معنیٰ ان کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا لیا ہے۔ عربی میں اس طرح کلام کرنے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو کسی حال میں غمگین اور سُست نہیں ہونا چاہیے۔
۲۔ مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں تو ہمیشہ سربلند رہیں گے۔
۳۔ اُحد میں مسلمانوں کو زخم آئے ان کے مقابلہ میں کفار بدر میں زیادہ زخمی ہوئے تھے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان دن پھیرتے رہتے ہیں۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو مٹانا اور مومنوں کو ممتاز کرنا چاہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا حکم اور مومن سربلند رہیں گے:

۱۔ اللہ کا حکم بلند رہے گا۔ (التوبۃ: ۴۰) ۲۔ مومن ہی ہر حال میں بلند رہیں گے۔ (آلِ عمران: ۱۳۹)
۳۔ مومن اللہ کا لشکر ہیں اور غالب رہیں گے۔ (المجادلہ: ۲۲) ۴۔ سستی نہ دکھاؤ، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے۔ (محمد: ۳۵)

گردشِ ایام:

۱۔ بدر میں مومنوں کو فتح ہوئی۔ (آلِ عمران: ۱۲۳) ۲۔ اُحد میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ (آلِ عمران: ۱۴۰)
۳۔ احزاب میں مسلمان فاتح ہوئے۔ (الاحزاب: ۲۵ تا ۲۷)
۴۔ مکہ میں فتح یاب ہوئے۔ (الفتح: ۱) ۵۔ حنین میں تکلیف دیکھنا پڑی۔ (التوبۃ: ۲۵)

اَمْ	حَسِبْتُمْ	اَنْ	تَدْخُلُوا	الْجَنَّةَ	وَلَمَّا	يَعْلَمِ اللّٰهُ	الَّذِيْنَ
کیا	تم سمجھتے ہو	یہ کہ	تم داخل ہوجاؤ گے	جنت میں	اور ابھی نہیں	اللہ نے معلوم کیا	جو لوگ
جٰهَدُوْا	مِنْكُمْ	وَيَعْلَمَ	الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾	وَلَقَدْ	كُنْتُمْ	تَمَنَّوْنَ	الْمَوْتَ
انہوں نے جہاد کیا	تم سے	اور معلوم کیا	صبر کرنے والے	اور البتہ تحقیق	تم تھے	تمنا کرتے	موت
مِنْ	قَبْلِ	اَنْ	تَلْقَوْهُ ۪	فَقَدْ	رَاَيْتُمُوْهُ	وَاَنْتُمْ	تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع
سے	پہلے	یہ کہ	تم اس سے ملو	پس تحقیق	تم نے اسے دیکھ لیا	اور تم	دیکھتے ہو

''کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں یوں ہی داخل ہوجاؤ گے؟ حالانکہ اب تک اللہ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ (۱۴۲) جنگ سے پہلے تم جس شہادت کی آرزو کرتے تھے اب تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔'' (۱۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آزمائش سے قوموں کے کردار میں پختگی پیدا ہوتی ہے اُحد کی عارضی شکست اسی سلسلہ کی کڑی سمجھنا چاہیے۔

دنیا کی یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آدمی کا مقصد جتنا بلند اور اہم ہوتا ہے اتنی ہی وہ محنت اور اس کے لیے تکلیف اٹھاتا ہے۔ مومن کی زندگی کا مقصد دین کو سربلند کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنا ہے جس کا ماحصل جنت ہے۔ یہ مقصدِ عظیم خالی دعوؤں اور کھوکھلے نعروں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے مال لٹانا، پیٹ پر پتھر باندھنا، گھر بار چھوڑنا، اولاد قربان کرنا اور جسم کٹوا کر صابر و شاکر رہنا پڑتا ہے تب جا کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا حصول ممکن ہوا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ» ''کہ جنت مصائب اور مشکلات میں گھری ہوئی ہے۔'' (رواہ البخاری: کتاب الرقاق)

اب یہاں ایک لطیف سرزنش کے ساتھ مسلمانوں کو باور کروایا جارہا ہے کہ تم خود ہی تو موت کی تمنا کر رہے تھے۔ یعنی جو لوگ کسی وجہ سے بدر کے معرکہ میں شامل نہ ہوسکے وہ تمنا کرتے تھے کہ کفار کے ساتھ پھر کب لڑائی ہو جس میں ہم اللہ کے راستے میں کٹ مریں۔ جب احد میں موت سے تمہارا آمنا سامنا ہوا اور کچھ لوگ موت کا لقمہ بنے تو تم اس پر حیرانگی کا اظہار کر رہے ہو کہ ہمیں یہ جانی نقصان کیوں اٹھانا پڑا؟ یہاں موت کی تمنا سے مراد شہادت ہے۔ جو مومن کی منزلِ مقصود اور جنت کے حصول کا مؤثر زینہ ہے کیونکہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الجہاد)

مسائل

۱۔ صبر اور جہاد کے بغیر کوئی ایماندار جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

۲۔ قتال فی سبیل اللہ میں مجاہد موت کو اپنے قریب دیکھتا ہے۔

۳۔ صبر کی فضیلت کے بارے میں البقرۃ آیت ۱۵۳ کی تفسیر بالقرآن دیکھیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ

اور نہیں محمد (ﷺ) مگر ایک رسول تحقیق گزرے ان سے پہلے رسول (جمع)

اَفَاۗىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ

کیا پھر اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کیے جائیں تم پھر جاؤ گے پر تمہاری ایڑیاں اور جو پھر جائے

عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴

پر اپنی ایڑیوں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ بھی اور جلد جزا دے گا اللہ شکر کرنے والے

''(حضرت) محمد ﷺ رسول ہیں ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا ان کو موت آجائے یا یہ شہید کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ جو کوئی اپنی ایڑیوں پر پھر جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا۔'' (۱۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد میں نبی محترم ﷺ کی شہادت کی خبر کی وجہ سے بعض صحابہ بددل ہوئے جس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ شخصیات تو آنی جانی ہیں مشن تو ان کی دعوت ہے جسے جاری رہنا اور رکھنا چاہیے۔

جنگی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ میدانِ جنگ میں جونہی فوج کا سپہ سالار زخمی ہو کر گرا تو اس کے گرنے کے ساتھ ہی بڑے بڑے بہادروں اور جنگجوؤں کے قدم اُکھڑ گئے۔ سپہ سالار کا گرنا اور مرنا تو بڑی بات ہے فوج کا پرچم سرنگوں ہو جائے تو لڑنے والوں کے حوصلے پست ہو جایا کرتے ہیں۔ غزوۂ اُحد میں اسلامی فوج کا پرچم ہی سرنگوں نہیں ہوا بلکہ جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے اور رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں یہ آواز اٹھی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ ایسے موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم اکھڑنا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ آپ ﷺ جرنیل ہی نہیں بلکہ جرنیلِ اعظم تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے نانا ہی نہیں پوری امت کے روحانی باپ تھے۔ بیواؤں کے سرپرست، یتیموں کے ملجا اور مسکینوں کے ماویٰ تھے۔ آپ صحابہ کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز، ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور تھے۔ اگر صحابہ اس خبر پر دل برداشتہ اور غمزدہ نہ ہوتے تو اس سے بڑھ کر دنیا میں کس کے لیے پریشان ہوا جاتا؟ اللہ کے راستے میں جہاد آپ کی زندگی کا مقصود تھا اگر آپ کے بعد اسلام کا پرچم سرنگوں ہو جائے تو نہ صرف دنیا میں آپ کی محنت ضائع ہو جاتی بلکہ اتنی بڑی جماعت بنانے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ اس طرح ایک نہیں دو ناقابلِ تلافی نقصان ہوتے۔ اس نقصان سے بچانے اور دین کی اہمیت بتلانے کے اس خطاب کا آغاز ہی یہاں سے کیا گیا ہے کہ محمد ﷺ اللہ نہیں ہیں بلکہ اس کے رسول ہیں۔ اللہ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ محمد ﷺ انسان ہیں اور ہر ذی روح نے اس دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ رسول کا معنی ہی قاصد اور پیغام دینے والا ہے۔ جس ہستی نے آپ کو اپنے کام اور پیغام کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ وہ جب چاہے جس حال میں چاہے آپ کو واپس بلا سکتی ہے۔ آپ سے پہلے رسول گزر چکے جن میں کچھ طبعی موت فوت ہوئے اور کچھ شہادت کے منصب پر فائز ہوئے۔ کیا آپ کو طبعی موت یا

شہادت نصیب ہو جائے تو تم اسلام اور جہاد سے منہ موڑ جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو بھی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس خطاب کا مقصد یہ ہے کہ شخصیات کتنی ہی گراں قدر اور اہم کیوں نہ ہوں اصل تو ان کا مشن ہوتا ہے۔ ذمہ دار اور زندہ قومیں اپنے قائد کے صحیح نظریات' اس کا مشن اور ان کے صحت مند کارناموں کو ہمیشہ آگے بڑھاتی ہیں۔ تم میں جو دنیا کے لیے کوشش کرے گا اسے دنیا مل جائے گی اور جو آخرت کے لیے کوشاں ہوگا اسے آخرت میں جزا ملے گی۔ اسی فلسفہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ٹھیک ساڑھے سات سال بعد آپ کی وفات کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

(مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ)

(رواه البخاری: کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه)

''جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا حضرت محمد ﷺ اپنی طبعی موت فوت ہو چکے ہیں اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے وہ کبھی فوت نہیں ہوگا۔''

امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کبیر میں ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''أَفَإِنْ مَاتَ'' سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ کو طبعی موت آئے گی اور اس کے ساتھ ہی حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ کسی رسول کو آج تک میدان کارزار میں قتل نہیں کیا گیا۔

آیت کے آخر میں ''شَاكِرِينَ'' کا لفظ اس لیے بھی لایا گیا ہے تاکہ واضح ہو کہ اللہ کے حقیقی شکر گزار بندے وہی ہوتے ہیں جو غم اور خوشی اور نفع و نقصان میں اللہ کے دین پر کاربند رہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس فرمان سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ شاکر رہنے والے تھے۔ (معارف القرآن)

مسائل

۱۔ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

۲۔ آپ ﷺ سے پہلے آنے والے رسول دنیا سے جا چکے اور آپ بھی فوت ہوں گے۔

۳۔ جو شخص اسلام سے پھر جائے وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو جزا دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی ﷺ اور ہر کسی نے فوت ہونا ہے:

۱۔ رسول اللہ ﷺ فوت ہوں گے اور آپ کے مخالف بھی۔ (الزمر: ۳۰)

۲۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ (آل عمران: ۱۸۵)

۳۔ کسی بشر کو دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔ (الانبیاء: ۳۴) ۴۔ رب ذوالجلال کے سوا سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ (الرحمن: ۲۶)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا

اور نہیں ہے کسی نفس کیلئے یہ کہ وہ مرے مگر حکم سے اللہ لکھا ہوا

مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ

مقررہ وقت اور جو چاہے گا بدلہ دنیا ہم دیں گے اسکو اس سے اور جو چاہے گا

ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

بدلہ آخرت ہم دیں گے اسکو اس سے اور ہم بہت جلد جزا دیں گے شکر کرنے والے

''اللہ کے حکم کے سوا کوئی جاندار نہیں مر سکتا ہر کسی کا وقت لکھا ہوا ہے۔ دنیا چاہنے والے کو ہم دنیا دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والے کو ہم آخرت کا ثواب دیں گے اور شکر گزاروں کو ہم بہت جلد بدلہ دیں گے۔'' (۱۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رسول اللہ ﷺ کی موت کا اشارہ دے کر ہر کسی کو بتلایا ہے کہ موت سے ڈرنا اور موت کی وجہ سے جہاد سے پیچھے ہٹنا گناہ ہے۔

موت ایسی حقیقت ہے کہ اس سے کوئی شخص محفوظ نہیں۔ موت کا وقت اور اس کی جگہ کا تعین کر دیا گیا ہے۔ کوئی ذی روح اس ضابطے سے بچ نہیں سکتا۔ جب موت یقینی' اس کا وقت مقرر اور اس کی جگہ متعین کر دی گئی ہے تو اس سے ڈرنے کا کیا مطلب؟ اسلام نے موت کا تصور اس انداز میں پیش کیا ہے کہ جس سے انسان میں بیک وقت شجاعت اور احساسِ ذمہ داری پیدا ہوتا ہے لہٰذا ہر انسان جان لے کہ اس نے مر کر ملیا میٹ نہیں ہونا بلکہ اپنے ایک ایک عمل کا اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دینا ہے۔ موت پر یقین محکم ہو تو آدمی گھمسان کے رن میں اتر کر بھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی موت کا دن اور جگہ متعین ہے۔ اسی جذبہ کے پیشِ نظر مجاہد تلوار کی دھار، نیزے کی نوک کے سامنے اور توپ کے برستے ہوئے گولوں میں مسکرایا کرتا ہے۔ موت کو سامنے آتے ہوئے دیکھ کر کترانے کی بجائے اس سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اسے یقین کامل ہے کہ موت ہر وقت اور ہر جگہ نہیں آسکتی۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَطِيْرُ عَلٰى مَتْنِهٖ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِي الْمَوْتَ وَالْقَتْلَ مَظَانَّهٗ أَوْ رَجُلٌ فِيْ غُنَيْمَةٍ فِيْ رَأْسِ شَعَفَةٍ مِنْ هٰذِهِ الشَّعَفِ أَوْ بَطْنِ وَادٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَوْدِيَةِ يُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَيَعْبُدُ رَبَّهٗ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْيَقِيْنُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا فِيْ خَيْرٍ»

(رواہ مسلم: کتاب الأمارۃ، باب فضل الجھاد والرباط)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر زندگی اس آدمی کی ہے جو جہاد میں اپنے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے اس کی پیٹھ پر دوڑتا پھرتا ہے جب بھی کوئی شور یا ہنگامہ سنتا ہے تو

وہ اس پر اڑتا ہوا پہنچتا ہے موت اور قتل کی جگہوں کو تلاش کرتا ہے یا وہ آدمی سب سے بہتر زندگی والا ہے جو پہاڑ کی چوٹیوں میں کسی چوٹی یا وادیوں میں سے کسی وادی میں اپنی بکریوں کے ساتھ رہتا ہے۔ وہاں نماز پڑھتا، زکوٰۃ ادا کرتا اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتا رہتا ہے وہ لوگوں میں بہترین آدمی ہے۔''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے چچا غزوۂ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی جنگ میں غیر حاضر تھا اگر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنگ میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیسی بہادری کے ساتھ لڑتا ہوں۔ غزوۂ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کی جماعت میں افراتفری پھیلی تو انہوں نے کہا: اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اس معاملہ میں معذرت کرتا ہوں جو مسلمانوں نے کیا اور میں مشرکین کے مسلمانوں پر غلبہ پانے سے تیرے حضور برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے تو سعد بن معاذ کو ملے۔ کہنے لگے اے سعد! کہاں جا رہے ہو؟ میں تو اُحد کی دوسری طرف جنت کی خوشبو پا رہا ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔ پہچانے نہ گئے یہاں تک کہ میں نے ان کی انگلیوں کے پوروں سے ان کی لاش کو پہچانا۔ ان کے جسم پر نیزہ، تیر اور تلوار کے ۸۰ سے اوپر زخم آئے تھے۔'' (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت مدینے کے نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے یہی بیان کیا تھا کہ آج تم موت سے ڈرتے اور کتراتے ہو میری طرف دیکھو کہ میرے جسم پر درجنوں نشانات ہیں اور میں ہمیشہ میدانِ جنگ میں ہراول دستہ کے طور پر لڑتا رہا ہوں لیکن افسوس! مجھے شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور ہونٹ کانپنے لگے۔ تب ایک بزرگ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ کو رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے "سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ" کا خطاب دیا تھا اگر یہ تلوار کفار کے ہاتھوں ٹوٹ جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر آنچ اور اسلام کے لیے آپ کی موت طعنہ بن جاتی۔ کفار کہتے کہ ہم نے اللہ کی تلوار توڑ دی ہے۔ (سیرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ)

مسائل

۱۔ کوئی ذی روح اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں مرتا۔ ۲۔ ہر کسی کے لیے موت کا دن اور جگہ مقرر ہے۔
۳۔ دنیا چاہنے والے کو دنیا اور آخرت چاہنے والے کو اللہ تعالیٰ آخرت کا اجر دیں گے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت کے طلب گار میں فرق:

۱۔ دنیا دار صرف دنیا طلب کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۰۰) ۲۔ نیکوکار دنیا و آخرت کی اچھائی چاہتے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۰۱)
۳۔ دنیا چاہنے والوں کو دنیا اور آخرت چاہنے والوں کو آخرت ملتی ہے۔ (آلِ عمران: ۱۴۵)
۴۔ دنیا کی زیب و زینت عارضی اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔ (الکہف: ۴۶)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا

اور کتنے ہی سے نبی لڑے اس کے ساتھ اللہ والے بہت پس نہ سست پڑے وہ

لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ

بسبب جو انہیں پہنچا میں اللہ کی راہ اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ دبے اور اللہ

يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا

محبت کرتا صبر کرنیوالے اور نہ تھا ان کا کہنا مگر یہ کہ انہوں نے کہا

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ

اے ہمارے رب بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور ہماری زیادتی میں ہمارے کام اور ثابت رکھ

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ

ہمارے قدم اور ہماری مدد فرما پر قوم کافر (جمع) تو انہیں دیا اللہ انعام

الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

دنیا اور اچھا انعام آخرت اور اللہ محبت کرتا ہے احسان کرنے والے

''بہت سے نبیوں کے ساتھ بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ انہیں اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ انہوں نے ہمت ہاری اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ ہی دبے اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔(۱۴۶) ان کی یہ آرزو تھی کہ پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کام میں جو زیادتی ہوئی ہے اسے معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر ہماری مدد فرما۔(۱۴۷) اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں اجر دیا اور آخرت کا صلہ اس سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''(۱۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں کو اُحد میں پہنچنے والی تکلیف پر تبصرہ جاری ہے جس میں تلقین کی جارہی ہے کہ حوصلہ ہارنے کی بجائے اپنے سے پہلے اللہ والوں کی تابناک تاریخ پر نظر رکھو۔ مصائب ومشکلات کے باوجود وہ اللہ کی راہ میں کس طرح ڈٹے رہے۔

اے اسلام کے مجاہدو، بدر کے غازیو اور محمد عربی ﷺ کے ساتھیو! کیا تم ایک ہی معرکہ میں عارضی شکست کھانے کے بعد کم ہمتی اور دل چھوٹے کر بیٹھے ہو۔ ذرا تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر دیکھو کہ کتنے ہی نبی اور ان کے ساتھ رب والے ''اللہ'' کے راستے میں جان توڑ کر لڑے۔ ان کے بچے یتیم ہوئے، عورتیں بیوہ ہوئیں، گھر بار لٹ گئے، انہیں زخم پر زخم اور صدمہ پر صدمے برداشت کرنے پڑے۔ وہ آگ کے انگاروں میں جھونکے گئے، ان کی چمڑیاں ادھیڑ دی گئیں، ان پر مصیبتوں اور پریشانیوں کی آندھیاں چلیں، مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، صدموں اور زخموں سے چور چور ہوئے لیکن اس کے باوجود وہ پوری

استقامت کے ساتھ بہادروں اور جوانمردوں کی طرح میدانِ کارزار میں سینہ سپر رہے۔ وہ دشمن کے مقابلے میں نہ بزدل ہوئے اور نہ ہی کم ہمت ثابت ہو۔

{ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾ } (البقرۃ:۲۱۴)

''تم سمجھتے ہو کہ جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ سختیوں اور بدحالیوں سے دوچار ہوئے اور انہیں جھنجھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ رسول اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو! اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔''

یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ دین پر مستقل مزاج رہنے اور پریشانیوں میں صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ کے بندے اپنی محنتوں اور قربانیوں پر اترانے کی بجائے نہایت ہی عاجزی اور سرافگندگی کے ساتھ اپنے رب کے حضور اپنی کوتاہیوں، لغزشوں اور اطاعت و جہاد میں کمی و بیشی کی معافی طلب کرتے ہوئے کفار کے مقابلہ میں استقامت اور اللہ تعالیٰ سے نصرت و حمایت طلب کیا کرتے تھے۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں عزت و عظمت عطا فرمائی اور دین کی خدمت کی توفیق بخشی۔ یہی لوگ آخرت میں بے پناہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہاں ''فِیْۤ اَمْرِنَا'' (ہمارا کام) کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ والے دین کی خدمت اور جہاد فی سبیل اللہ کو کسی پر احسان کے طور پر نہیں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ بہت سے انبیاء کے ساتھ کثیر تعداد میں نیک لوگ جہاد کرتے رہے۔
۲۔ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں نہ ہمت ہاری اور نہ دب کر رہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ حوصلہ مند لوگوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ ۴۔ اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی کے لیے دعا کرتے ہیں۔
۵۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام اور ان کے مجاہد ساتھی:

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں کی جانثاری۔ (الصف: ۱۴) ۲۔ جالوت و طالوت کا معرکہ۔ (البقرۃ: ۲۴۹)
۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا جہاد۔ (الفتح: ۲۹) ۴۔ مجاہدین ہی بلند و بالا ہوں گے۔ (النساء: ۹۵)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنْ	تُطِيْعُوا	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	يَرُدُّوْكُمْ
اے	جولوگ	وہ ایمان لائے	اگر	تم کہا مانو گے	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	وہ تمہیں پھیر دیں گے
عَلٰٓى	اَعْقَابِكُمْ	فَتَنْقَلِبُوْا	خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾	بَلِ	اللّٰهُ	مَوْلٰىكُمْ ۚ	
پر	تمہاری ایڑیاں	پھر تم پلٹ جاؤ گے	گھاٹا پانے والے	بلکہ	اللہ	تمہارا مددگار	
وَهُوَ	خَيْرُ	النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾	سَنُلْقِيْ	فِيْ	قُلُوْبِ	الَّذِيْنَ	
اور وہ	بہتر	مددگار (جمع)	عنقریب ہم ڈال دینگے	میں	دل (جمع)	وہ لوگ	
كَفَرُوا	الرُّعْبَ	بِمَآ	اَشْرَكُوْا	بِاللّٰهِ	مَا	لَمْ يُنَزِّلْ	
انہوں نے کفر کیا	رعب	اس لیے کہ	انہوں نے شریک کیا	اللہ کے ساتھ	جو	نہیں اتاری	
بِهٖ	سُلْطٰنًا ۚ	وَمَاْوٰىهُمُ	النَّارُ ۭ	وَبِئْسَ	مَثْوَى	الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾	
اس کی	کوئی دلیل	اوران کا ٹھکانہ	آگ	اور برا	ٹھکانہ	ظالم (جمع)	

''اے صاحب ایمان لوگو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پھیر دیں گے پھر تم نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔ (۱۴۹) صرف اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔ (۱۵۰) ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو ظالموں کے لیے بری جگہ ہے۔'' (۱۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب تمہارے دشمن مکہ اور اُحد میں تمہیں عظیم نقصان پہنچا چکے اور وہ تمہیں کافر بنانے کے درپے ہیں تو ان سے خیر کی توقع کا کیا معنیٰ؟ مسلمانوں تمہارا مولیٰ اور خیر خواہ صرف اللہ تعالیٰ ہے بس اس پر بھروسہ رکھو۔

سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۰ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر تم کفار اور منافقین کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں کافر بنا کر چھوڑیں گے۔ اب دوبارہ تاکید کی جارہی ہے کہ اے مومنو! تم کافروں کے پیچھے لگو گے تو وہ تمہیں یکسر الٹے پاؤں پھیر دیں گے جس سے تمہیں دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یاد رکھو! صرف اللہ ہی تمہاری مدد کرنے والا ہے عنقریب وہ کفار کے دلوں میں تمہارا رعب اور دبدبہ ڈال دے گا کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے کسی صورت بھی اجازت نہیں دی۔ ان کا ٹھکانہ دہکتی ہوئی آگ ہے جو ظالموں کے لیے بدترین ٹھکانہ ہوگا۔

غزوۂ اُحد کی ہزیمت کے بعد منافقوں کی سرگرمیاں اس قدر تیز ہوئیں کہ وہ مسلمانوں کے گھروں میں جا جا کر پروپیگنڈہ کرتے کہ اگر یہ رسول سچا ہوتا تو اللہ اس کی نصرت وحمایت ضرور کرتا اور تمہیں اس طرح اپنی قیمتی جانوں سے محروم نہ ہونا پڑتا۔

تم اپنی خیر اور تحفظ چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ مل جاؤ تاکہ ہم اپنے رئیس عبداللہ بن اُبی کے ذریعے اہلِ مکہ سے تمہیں حفظ وامان کی گارنٹی لے دیں۔ یہاں کمزور مسلمانوں کو ارتداد اور منافقت سے بچانے کے لیے ایک دفعہ پھر حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم منافقوں کے پیچھے چلو گے تو یقیناً وہ تمہیں مرتد کر دیں گے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی تمہارا خیر خواہ اور مددگار نہیں ہو سکتا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ کفار پر تمہارا رعب اور دبدبہ ڈال دے گا۔ چنانچہ اُحد کے دورانیہ میں دو دفعہ کفار پر ایسا رعب پڑا کہ وہ خود بخود پسپا ہوئے اور اس پسپائی پر ہمیشہ شرمندہ رہے۔ ایک اس وقت جب درّے کے راستہ مسلمانوں پر ان کے عقب سے انہوں نے حملہ کیا اور جونہی مسلمان اکٹھے ہوئے تو انہوں نے بھاگنے میں اپنی عافیت سمجھی۔ دوسری دفعہ جب مدینے سے کچھ میل دور جا کر مسلمانوں پر حملے کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ ہمارے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے وہی لوگ نکلیں جو اُحد کے غزوہ میں شریک تھے۔ کچھ تازہ دم لوگوں نے بھی نکلنا چاہا لیکن آپ نے ایک آدمی کے سوا کسی کو اجازت نہیں دی (الرحیق المختوم) جب آپ تھکے ماندے اور انتہائی زخمی مجاہدوں کے ساتھ نکلے تو کافروں نے صورتِ حال جان کر مکے کی راہ لی۔ اس طرح دوسری مرتبہ کفار پر مسلمانوں کا دبدبہ طاری ہوا۔

«نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ» (رواه البخاری: کتاب التیمم)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا رعب عطا کر دیا ہے کہ میرا دشمن ایک مہینے کی مسافت پر بیٹھا ہوا بھی کانپتا رہے گا۔''

اسی رعب کا نتیجہ تھا کہ جب آپ نے مکہ پر یلغار کی تو مکہ والوں نے مقابلہ کرنے کی بجائے آپ سے معافی مانگ کر جان بچائی۔ اس کے بعد حنین والے پسپا ہوئے اور آخر میں سلطنتِ روم کے حکمران جو اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور تھی تبوک کے مقام پر آپ کا سامنا کرنے کی تاب نہ لا سکے۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو کفار کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ ۲۔ کافر مسلمانوں کو مرتد بنا کر دنیا و آخرت کے نقصان میں ڈالنا چاہتے ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مالک اور بہترین مدد کرنے والا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کفار کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈالتا ہے۔
۵۔ کافروں کے پاس اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ ۶۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

شرک بے بنیاد نظریہ ہے:

۱۔ شرکیہ عقیدے کی کوئی دلیل نہیں۔ (المومنون: ۱۱۷) ۲۔ شرک سے آدمی ذلیل ہو جاتا ہے۔ (الحج: ۳۱)
۳۔ بتوں کے الٰہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ (النجم: ۲۳) ۴۔ مشرک پر جنت حرام ہے۔ (المائدۃ: ۷۲)
۵۔ مشرک کو اللہ تعالیٰ کسی صورت معاف نہیں کرے گا۔ (النساء: ۴۸) ۶۔ شرک کرنے والا دور کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ (الحج: ۳۱)
۷۔ شرک کرنے والے کے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔ (الانعام: ۸۸)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى

اور البتہ تحقیق سچا کر دیا تم سے اللہ اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے انہیں اسکے حکم سے یہاں تک کہ

اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ

جب تم نے بزدلی کی اور جھگڑا کیا تم نے میں کام اور تم نے نافرمانی کی سے

بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

بعد جو اس نے تمہیں دکھایا جو تم چاہتے تھے تم سے جو چاہتا تھا

الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ

دنیا اور تم سے جو چاہتا تھا آخرت پھر اس نے پھیر دیا تمہیں

عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

ان سے تاکہ تمہیں آزمائے اور البتہ تحقیق معاف کیا تم سے اور اللہ

ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

فضل کرنے والا پر مومن (جمع)

''اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے یہاں تک جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی اس کے بعد اس نے تمہاری پسند کی چیز تمہیں دکھا دی تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت۔ پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمایا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔'' (۱۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کے واقعات پر تبصرہ جاری ہے اور جنگ کے دوران ہونے والے افتراق کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ آئندہ اس سے بچا جا سکے۔ مجاہدین کی صفوں میں اختلافات ہوں تو وہ دشمن کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ نے خواب بیان فرمایا کہ میں نے رات کو اپنے گرد و پیش بہت سی گائیں ذبح ہوتی دیکھی ہیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ میری تلوار کو دندانے پڑ گئے ہیں۔ میں پھر دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے ہاتھ میں ایک مضبوط کڑا پکڑا ہوا ہے جس کی آپ نے یہ تعبیر فرمائی کہ پہلے ہمیں فتح ہو گی اس کے بعد نقصان اٹھانا پڑے گا اور بعد ازاں ہم محفوظ ہو جائیں گے۔ (رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الإسلام)

اُحد کی عارضی شکست پر منافقین نے ہرزہ سرائی کی چونکہ یہ رسول اپنے دعوائے رسالت میں سچا نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ

نے ان کی مدد کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت وحمایت کا وعدہ کیا ہوتا تو وہ ضرور پورا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تردید کرتے ہوئے مسلمانوں سے فرمایا کہ میرا وعدہ اس وقت پورا ہو گیا تھا۔ جب تم میرے حکم سے کفار کو قتل کر رہے تھے پھر تم نے آپس میں اختلاف کیا اور مالِ غنیمت کو دیکھ کر اپنے رسول کی نافرمانی کی۔ کچھ تم میں دنیا اکٹھی کر رہے تھے جبکہ دوسرے آخرت کے طلبگار تھے۔ یہ درّہ پر مقرر کردہ کی طرف اشارہ ہے کہ جن پچاس آدمیوں میں سے دس نے اپنے یونٹ کے سردار کے ساتھ جان دے دی لیکن درّہ نہیں چھوڑا۔ جب کہ دوسرے مالِ غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تعینات کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوا مَكَانَكُمْ» (رواه البخاری: کتاب الجهاد)

''اگر پرندوں کو ہماری بوٹیاں نوچتے ہوئے دیکھو تو پھر بھی تم نے درّہ کو نہیں چھوڑنا۔''

پہلے مرحلہ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور وہ مالِ غنیمت اکٹھا کرنے لگے تو درّہ پر مامور لوگ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ ہمیں بھی شریک ہونا چاہیے ورنہ ہم مالِ غنیمت سے محروم رہ جائیں گے۔ دستے کے سالار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ رسولِ معظم ﷺ نے ہمیں یہیں جمے رہنے کا حکم دیا ہے لیکن دس آدمیوں کے سوا باقی سب درّہ چھوڑ کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ درّہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید کی سربراہی میں کفار نے حملہ کیا اور درّے والوں کو شہید کرتے ہوئے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے جس سے حواس باختہ ہو کر مسلمان ادھر ادھر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار سے بچا لیا تا کہ تمہیں آزمائے اور پھر تمہیں معاف کر دیا اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا کر دیا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ صاحبِ فضل وکرم ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ جہان والوں پر فضل کرنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۴۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا فضل فرماتا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۲)

۳۔ اللہ کا فضل نہ ہو تو آدمی شیطان کے تابع ہو جاتا ہے۔ (النساء: ۸۳)

۴۔ اللہ کا فضل نہ ہو تو انسان خسارہ پاتا ہے۔ (البقرۃ: ۶۴)

۵۔ اللہ کے فضل وکرم کے بغیر تکلیف سے نہیں بچا جا سکتا۔ (النور: ۱۴)

۶۔ فضل سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ (آلِ عمران: ۷۳)

اِذْ	تُصْعِدُوْنَ	وَلَا تَلْوٗنَ	عَلٰٓى	اَحَدٍ	وَّالرَّسُوْلُ	يَدْعُوْكُمْ
جب	تم چڑھ رہے تھے	اور مڑ کر نہ دیکھتے تھے	پر	ایک	اور رسول	تمہیں پکارتا تھا
فِيْٓ	اُخْرٰىكُمْ	فَاَثَابَكُمْ	غَمًّۢا بِغَمٍّ	لِّكَيْلَا	تَحْزَنُوْا	عَلٰي	مَا
میں	تمہارے پیچھے	پھر تمہیں پہنچایا	غم کے بعد غم	تاکہ نہ	تم غم کرو	پر	جو
فَاتَكُمْ	وَلَا	مَآ	اَصَابَكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ	خَبِيْرٌۢ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾
نکل گیا تم سے	اور نہ	جو	تمہیں پیش آیا	اور اللہ	باخبر	اس سے جو	تم کرتے ہو

''جب تم چڑھتے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور اللہ کا رسول تمہیں پیچھے سے آوازیں دے رہا تھا۔ پھر تمہیں غم پر غم پہنچا تاکہ تم سے جو چھن گیا اور جو تمہیں رنج پہنچا اس پر غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔'' (۱۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد میں سرزد ہونے والی کمزوریوں میں ایک اور کمزوری کی نشاندہی کی ہے کہ جب اکثر صحابہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور رسولِ معظم انہیں واپس بلا رہے تھے۔

معرکۂ اُحد کی ابتدا میں میدان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ رہا کفار نے بھاگنے میں اپنی عافیت سمجھی۔ صحابہ کرام اسلحہ ایک طرف چھوڑ کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ درّہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید نے اتنی مستعدی اور منصوبہ بندی کے ساتھ حملہ کیا کہ درّہ پر مامور دس اصحاب کو ان کے سالار سمیت شہید کرتے ہوئے غنیمت لوٹنے والوں پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑا۔ افراتفری کے عالم میں صحابہ کرام کا جس طرف منہ ہوا بھاگنا شروع کر دیا لیکن رسولِ معظم ﷺ زخمی ہونے کے باوجود صبر واستقلال کا پہاڑ اور استقامت کا پیکر بن کر اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ چہرے پر پریشانی اور نہ لہجہ میں گھبراہٹ اپنے حواس پر مکمل کنٹرول، پورے تدبر و تفکر کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے بھاگنے والوں کو آواز پر آواز دے رہے تھے:

«يَا عِبَادَ اللّٰهِ إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ» (تفسیر البغوی تفسیر آیت وما محمد الا رسول)

''اے اللہ کے بندو! کہاں بھاگے جا رہے ہو پلٹ کر میری طرف آؤ۔''

لیکن حالات نے اس قدر اچانک پلٹا کھایا کہ کسی کو کچھ بھی سوجھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ کیا کرے سوائے، چودہ صحابہ کے، جن میں سات مہاجر اور سات انصار تھے۔ ان میں سرِ فہرست حضرت ابوبکر صدیق، حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے۔ جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس طرح جانثاری کے ساتھ آپ کا دفاع کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

«يَا سَعْدُ ارْمِ فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ» (رواہ البخاری: کتاب المغازی)

''اے سعد! تیر پھینکئے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ڈھال ٹوٹ جانے کی وجہ سے آپ کی طرف آنے والے تیروں کو دبوچنے کی کوشش کرتے رہے جس وجہ سے ان کا ایک بازو ہمیشہ کے لیے مفلوج ہو گیا: قیس بن حازم بیان کرتے ہیں:

(رَأَیْتُ یَدَ طَلْحَةَ الَّتِیْ وَقٰی بِهَا النَّبِیَّ ﷺ قَدْ شَلَّتْ) (رواہ البخاری: کتاب المناقب)

''میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو دیکھا جس کے ساتھ انہوں نے نبی ﷺ کا دفاع کیا تھا وہ مفلوج ہو چکا تھا۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کبھی کبھار بڑے ناز کے ساتھ مدینہ کے نوجوانوں کو اپنا معذور بازو دکھلا کر فرماتے کہ اُحد کے دن میں نے اسے ڈھال کے طور پر استعمال کیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا اُحد طلحہ کا دن تھا۔ (سیر الصحابہ)

اس ہنگامی صورتِ حال میں کفار کی طرف سے یہ افواہ پھیلائی گئی کہ مسلمانوں کے نبی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اسی بات کے بارے میں فرمایا ہے کہ مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تمہارے اوپر غم پر غم ٹوٹ پڑے تھے۔ مال غنیمت کا ہاتھ سے نکل جانا، ستر صحابہ کا شہید ہونا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا جانا، رسولِ کریم ﷺ کا زخمی ہو کر نیچے گرنا، آپ کے دانت ٹوٹنا، پیشانی پر زخم آنا، فتح کا شکست میں تبدیل ہونا اور کفار کا خوش ہونا ایک سے ایک بڑھ کر صدمہ تھا۔ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ لچک اور وسعت رکھی ہے کہ اکثر اوقات یہ ہلکا غم برداشت نہیں کرتا لیکن بڑے غم کو حوصلے کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ گردشِ ایام کے ساتھ اُحد کی ہزیمت کا فلسفہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو آئندہ حالات کے لیے تیار کر لیں کیونکہ افراد اور قومیں وہی آگے بڑھا کرتی ہیں جو مصائب پر نڈھال اور دل برداشتہ ہونے کی بجائے مضبوط اعصاب کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے والی ہوتی ہیں۔

مسائل

۱۔ متواتر غم سہنے سے آدمی میں حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔
۳۔ جماعت کے قائد کو مشکل حالات میں بہادری اور استقامت دکھانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

غم کا بہتر ردِّ عمل:

۱۔ غم سے مومن کی تربیت اور اس میں حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ (الحدید: ۲۲، ۲۳)
۲۔ غم میں صبر و استقامت کی دعا کرنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۲۵۰)
۳۔ جو چھن جائے اس پر پچھتانا نہیں چاہیے جو ملے اس پر اترانا نہیں چاہیے۔ (الحدید: ۲۳)
۴۔ پریشانی انسان کے اپنے عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (الشوریٰ: ۳۰)
۵۔ ایسے حالات میں صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرنی چاہئے۔ (البقرۃ: ۱۵۳)

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ

پھر اس نے اتارا تم پر سے بعد غم امن اونگھ ڈھانپ لیا ایک جماعت تم میں سے

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

اور ایک جماعت تحقیق فکر میں ڈال دیا انہیں انکی جانیں وہ گمان کرتے تھے اللہ کے بارہ میں بے حقیقت گمان

الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

جاہلیت وہ کہتے تھے کیا ہمارے لیے سے کام سے کچھ آپ فرمادیں بیشک کام

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ

تمام اللہ کیلئے وہ چھپاتے ہیں میں اپنے دل جو وہ ظاہر نہیں کرتے آپ کیلئے وہ کہتے ہیں اگر ہوتا

لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ

ہمارے لیے سے کام کچھ ہم نہ مارے جاتے یہاں آپ فرمادیں اگر تم ہوتے میں تمہارے گھر

''پھر اس غم کے بعد اس نے تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو پرسکون نیند آنے لگی۔ کچھ لوگ جنہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت پر مبنی بدگمانیاں کر رہے تھے اور کہتے تھے کیا ہمیں کسی چیز کا اختیار نہیں؟ آپ فرمادیجئے کہ ہر کام پورے کا پورا اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جو اپنے دلوں میں چھپا رہے تھے جس کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کاش! ہمارے لیے کوئی اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ قتل نہ کیے جاتے۔ آپ فرمادیں کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو جن پر قتل ہونا لکھا ہوا تھا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کے بارے میں تبصرہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُحد کے میدان میں صحابہ پر سکینت کا نزول۔

اُحد میں سراسیمگی اور پے در پے صدمات کے عالم میں اچانک اللہ کی رحمت کا نزول ہوا جہاں جہاں کوئی تھا۔ لمحہ بھر کے لیے اسے اونگھ آئی جس سے کئی دنوں کی تھکاوٹ اور دماغ کا بوجھ ہلکا ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس طرح تازہ دم ہوئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی کیفیت ذکر کرتے ہیں:

«كُنْتُ فِيمَنْ تَغَشَّاهُ النُّعَاسُ يَوْمَ أُحُدٍ حَتّٰى سَقَطَ سَيْفِيْ مِنْ يَدِيْ مِرَارًا يَسْقُطُ وَآخُذُهٗ وَيَسْقُطُ فَآخُذُهٗ» (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب ثم أنزل علیکم من بعد الغم الخ)

''میں ان لوگوں میں تھا جنہیں اونگھ نے آلیا حتیٰ کہ میرے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار گری اور میں اسے اٹھاتا رہا۔''

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں نہ اونگھ آئی اور نہ ہی انہیں کچھ سکون حاصل ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بدظنی کا اظہار کرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ کاش! ہمارے پاس فیصلہ کرنے کا کچھ اختیار ہوتا۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں بہت کچھ چھپائے ہوئے تھے۔ یہ بھی کہے جا رہے تھے کہ اگر ہماری بات چلتی تو ہم یہاں مرنے اور کٹنے کی بجائے اپنے گھروں میں ٹھہرے رہتے انہیں یہ

لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ

ضرور نکل کھڑے ہوتے وہ لوگ لکھا گیا ان پر مارا جانا طرف اپنی قتل گاہوں اور تا کہ آزمائے

اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

اللہ جو میں تمہارے دلوں اور تا کہ صاف کر دے جو میں تمہارے دل

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ

اور اللہ جاننے والا دلوں کے راز بیشک وہ لوگ وہ پھر گئے تم میں سے دن

الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں درحقیقت ان کو پھسلا دیا شیطان بعض کی وجہ سے جو انہوں نے کمایا

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

اور البتہ تحقیق معاف کر دیا اللہ ان سے بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا

وہ اپنے مقتل کی طرف چلے آتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو آزمانا اور پاک کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ (۱۵۴) جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دو جماعتوں کا ٹکراؤ ہوا یہ لوگ اپنے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان کے پھسلانے میں آ گئے لیکن یقین جانو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اللہ تعالیٰ بخشنے والا' حوصلے والا ہے۔'' (۱۵۵)

عقیدہ بتلایا گیا ہے کہ کلی اختیارات صرف اللہ کے پاس ہیں۔ اگر تم اپنے گھروں میں بستروں پر لیٹے ہوتے تو پھر بھی موت کے وقت اپنے مقتل پر پہنچ جاتے۔ گو شکست تمہاری اپنی کمزوریوں کا نتیجتاً ہے لیکن حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں آزمائش ہے تا کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ ظاہر ہو جائے اور تمہیں معلوم ہو کہ تم ایمان کے کس مقام پر کھڑے ہو؟ اللہ تعالیٰ دلوں کے حالات سے خوب واقف ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ منافقوں کے ساتھ بعض کمزور مسلمانوں نے بھی ایسے خیالات کا اظہار کیا تھا جن کے متعلق یہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اُحد کے دن پیٹھ دکھائی درحقیقت ان کی کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے انہیں ایسا کرنے پر اکسایا تھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نہایت ہی معاف فرمانے والا، بُردبار ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس فرمان کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان کے اعمال لشکر کی طرح ہیں جو آدمی کو اپنے مطابق گھسیٹ لیتے ہیں اگر نیک اعمال ہوں گے تو وہ نیکی کی طرف کھینچ لیں گے اور اگر بُرے اعمال ہوں گے تو وہ برائی کی طرف لے جائیں گے۔ یہاں معافی کا اعلان ان مسلمانوں کے لیے ہے جو درّہ اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ وہ تین اہم موقعوں پر غیر حاضر تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عثمان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور مسلمانوں کی طرف سے مکہ میں نمائندہ بنا کر بھیجا تھا کہ وہ کفار کے ساتھ مذاکرات کریں۔ جب آپ نے صحابہ سے بیعت لی تو اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا تھا۔ اس سے بڑھ

کر کونسا اعزاز ہوسکتا ہے؟ غزوۂ بدر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری اس لیے تھی کہ ان کی بیوی جو نبی کریم کی بیٹی تھی ان دنوں شدید بیمار تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تیمارداری کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں رہنے کی اجازت دی تھی۔

جہاں تک اُحد میں میدان چھوڑ کر بھاگنے کا تعلق ہے۔ اس میں چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ باقی سب شامل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تنہا نہیں تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سب کو معاف کر دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھتے ہوئے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ ''ظَنَّ الجاهِلِيَّة'' سے مراد ایسا خیال ہے جو عقیدہ توحید اور شریعت کے اصولوں کے خلاف ہو۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ نہیں کیا تھا۔

{ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ } (لقمان:۳۳)

''بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے چنانچہ تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان اللہ کے بارے میں دھوکے میں رکھے۔''

موت کی جگہ متعین ہے:

''قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کرنے والا ہے۔ اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ اس کو موت کس سرزمین میں آئے گی۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔'' (لقمان: ۳۴)

مسائل

۱۔ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔ ۲۔ مرنے کے وقت آدمی خود بخود موت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔
۳۔ مرنے کے وقت آزمائش میں انسان کا امتحان ہوتا ہے۔ ۴۔ اللہ کا کرم نہ ہو تو شیطان آدمی کو پھسلا دیتا ہے۔
۵۔ اللہ سینوں کے رازوں کو جانتا ہے۔ ۶۔ اللہ بخشنے والا، حوصلے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظَنّ کے معانی:

۱۔ ظن کا معنیٰ یقین کرنا۔ (الحاقۃ: ۲۰)
۲۔ ظن کا معنیٰ گمان کرنا۔ (یوسف: ۴۲) (موقعہ کی مناسبت سے معنیٰ کا تعین کیا جاتا ہے۔)

موت ہر کسی کا مقدر ہے:

۱۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ (آلِ عمران: ۱۴۵) ۲۔ موت کی جگہ متعین ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۴)
۳۔ موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (آلِ عمران: ۱۶۸) ۴۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ (النساء: ۷۸)
۵۔ سب کو موت آنی ہے۔ (الانبیاء: ۳۵) ۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی نے مرنا ہے۔ (الرحمن: ۲۶، القصص: ۸۸)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اے وہ لوگ ایمان لائے نہ ہوجاؤ ان لوگوں کی طرح وہ کافر ہوئے وہ کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو

اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا

جب وہ سفر کریں میں زمین یا ہوں غازی (جمع) اگر وہ ہوتے ہمارے پاس

مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ

نہ وہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ بنادے اللہ یہ حسرت میں

قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

ان کے دل اور اللہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھنے والا

''اے ایمان والو! تم کفار کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا۔ جب وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے تاکہ اس بات کو اللہ ان کے دلوں کی حسرت بنادے۔ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے۔'' (۱۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین نے اپنے عزیزوں کی موت پر حسرت وافسوس کا اظہار کیا جس پر مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ تمہیں منافقوں اور بزدلوں کی طرح اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ موت وحیات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اے صاحبِ ایمان لوگو! تمہاری سوچ، زبان اور کردار کفار جیسا نہیں ہونا چاہیے جنہوں نے اپنے رشتے داروں کو کہا کہ اگر تم قتال کے لیے نہ نکلتے اور ہمارے ہاں ٹھہرے رہتے تو قتل ہونے سے بچ جاتے دراصل یہ لوگ اپنی حد سے بڑھ کر بات کرتے ہیں۔ کیونکہ موت وحیات کے فیصلے صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ کسی نیک کی نیکی، برے کی برائی، دانش مند کی دانش مندی اور محتاط کی احتیاط موت کو ٹال سکتی ہے اور نہ ہی کسی کو اس کی موت کی جگہ سے ہٹا سکتی ہے۔ یہ تو کفار کی سوچ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یوں ہوجاتا اور یوں ہوتا تو اس طرح ہوجاتا۔ ایسے لوگ زندگی بھر انہی حسرتوں کا شکار رہتے ہیں کہ کاش وسائل ہوتے تو یہ اور وہ ہوجاتا حالانکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسی گفتگو اور سوچ سے منع فرمایا ہے:

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَّأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِيْ كُلٍّ خَيْرٌ إِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّيْ فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ»

(رواہ مسلم: باب فی الأمر بالقوۃ وترک العجز والإستعانۃ باللہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے طاقتور مومن اللہ کے ہاں کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے تاہم بہتری اور خیر دونوں میں ہے۔ تجھے نفع بخش چیز کی طلب کرتے ہوئے اللہ سے مدد طلب کرنا چاہیے اور عاجز نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی تکلیف آئے تو یہ نہ کہنا چاہیے کہ اگر میں یہ کام کرتا تو ایسے ہو جاتا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ نے جو تقدیر میں لکھا اور جو چاہا کر دیا۔ کیونکہ لفظ ''اگر'' سے شیطان اپنے کام کی ابتدا کرتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ پریشانی کے موقعہ پر آدمی کے اگر، مگر کہنے سے شیطان آدمی کا عقیدہ کمزور کرنے اور اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم:

آپ نے بچوں کے ذہنوں میں بھی یہ بات پختہ کر دی کہ جو فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہوتا ہے۔ نہ وہ ٹل سکتا ہے اور نہ اسے کوئی روک سکتا ہے آپ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ عقیدہ سکھایا:

«وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ» (رواه الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق والورع [صحیح])

''یقین رکھ کہ اگر پوری دنیا تجھے کچھ نفع دینے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ اتنا ہی نفع دے سکتی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے کچھ نقصان دینے پہ تل جائے تو تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیری قسمت میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھالی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔''

مسائل

۱۔ مسلمانوں کی سوچ اور گفتگو کفار جیسی نہیں ہونی چاہیے۔ ۲۔ مسلمانوں کو جہاد سے پھسلانا یا ہٹانا کفریہ سوچ ہے۔
۳۔ موت اور زندگی اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حسرت زدہ لوگ:

۱۔ اسلام کا انکار کرنا حسرت کا سبب ہوگا۔ (الحاقہ: ۵۰) ۲۔ مشرکین قیامت کے دن حسرت کا اظہار کریں گے۔ (البقرۃ: ۱۶۷)
۳۔ قیامت کے منکرین حسرت وافسوس کریں گے۔ (الانعام: ۳۱)
۴۔ قیامت کے دن مجرم دنیا کی بُری دوستی پر اظہار افسوس کریں گے۔ (الفرقان: ۲۷ تا ۲۹)

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ

اور البتہ اگر تم مارے جاؤ میں اللہ کی راہ یا تم مرجاؤ یقیناً بخشش سے اللہ اور رحمت

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

بہتر اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور البتہ اگر تم مر گئے یا تم مار دیے گئے یقیناً اللہ کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے

''اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جاؤ یا اپنی موت مرجاؤ تو بے شک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں۔(۱۵۷) اگر تم مرجاؤ یا قتل کر دیے جاؤ تو تم نے ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جمع ہونا ہے۔''(۱۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق قتل ہوں یا طبعی موت مریں ان کے لیے حسرتیں ہیں۔ مسلمان شہید ہوں یا فطری موت مریں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دنیا کی کوئی دولت مقابلہ نہیں کرسکتی۔

یہاں تجزیاتی انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص جو اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے میدانِ کارزار میں اترتا ہے اور شہید ہوجاتا ہے یا اُسے اللہ تعالیٰ کی سمع واطاعت میں طبعی موت آجاتی ہے اس کا صلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کی فرو گزاشتوں کو اپنے کرم سے معاف فرمائیں گے اور اس کے اعمال سے کہیں بڑھ کر اپنی رحمت سے نوازیں گے۔ یہ اجر وثواب دنیا کی دولت وثروت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جس کو لوگ زندگی بھر جمع کرتے رہتے ہیں۔ ایسے مومن کو جب موت آتی ہے تو ملائکہ اس کا استقبال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مہمان نوازی کا اہتمام ہوتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں جو لوگ بدکردار اور اللہ کے نافرمان ہوتے ہیں۔ وہ بُری موت مرتے ہیں اور ان کا انجام جہنم ہوگا۔ یہاں کفار کی حسرتوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم دنیا میں کتنی مدت ٹھہرے رہو گے؟ اگر تم قتل ہوجاؤ یا تمہیں طبعی موت آئے بالآخر تم نے اللہ کے حضور ہی جمع ہونا ہے۔ پھر موت سے فرار اور ان حرکتوں کا کیا فائدہ؟ ذرا سوچیے کہ کتنا فرق ہے ایک اللہ کے حضور عزت وتکریم کے ساتھ مہمان کی حیثیت سے حاضر ہوگا اور اسے دائمی آرام وانعام سے نوازا جائے گا۔ دوسرا روسیاہ، ذلیل وخوار اور مجرم بن کر پیش کیا جائے گا اور اسے ہمیشہ کے لیے جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں پھینک دیا جائے گا لہٰذا سوچو دنیا بہتر ہے یا آخرت۔

مسائل

۱۔ اللہ کا فرمانبردار اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والا بخشا جائے گا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا کے مال ومتاع سے بے انتہا گنا بہتر ہے۔ ۳۔ کوئی طبعی موت مرے یا قتل ہوجائے سب کو اللہ کے ہاں جمع ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی رحمت وبخشش دنیا کے خزانوں سے بہتر:

۱۔ اللہ کا فضل ورحمت دنیا کے مال ومتاع سے بہتر ہے۔ (یونس:۵۸)

۲۔ اللہ کی رحمت دنیا کے خزانوں سے بہتر ہے۔ (الزخرف:۳۲) ۳۔ حکمت وبصیرت خیر کثیر ہے۔ (البقرۃ:۲۶۹)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ

پس بوجہ رحمت سے اللہ آپ نرم دل ہو گئے ان کیلئے اور اگر آپ ہوتے

فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ

تندخو سخت دل تو منتشر ہو جاتے سے آپکے پاس پس آپ معاف کر دیں

عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ

ان کو اور بخشش مانگیں ان کیلئے اور مشورہ کریں ان سے میں کام پھر جب آپ ارادہ کر لیں

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

تو بھروسہ کریں پر اللہ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے بھروسہ کرنے والے

''آپ اللہ کی رحمت سے ان کے لیے نرم مزاج ہیں اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ان سے درگزر فرمائیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام میں ان کے ساتھ مشورہ کیا کریں۔ جب آپ کا ارادہ پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ یقیناً اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''(۱۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد میں درّہ والوں کی کوتاہی اور صحابہ کے منتشر ہونے کی وجہ سے نقصان ہوا۔ جس پر نبی کریم ﷺ نے صبر و حوصلہ کا مظاہرہ فرمایا۔ اس پر آپ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی تعریف کی گئی اور خطا کرنے والوں کو معاف کر دینے اور اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی بخشش کی دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

اُحد میں تین سو منافقوں کا واپس لوٹنا، درّے والوں کا درّہ خالی کرنا، گھمسان کے رن میں صحابہ کی اکثریت کا آپ کو تنہا چھوڑ جانا، اس قدر ذاتی اور جماعتی نقصان ہونا۔ ان میں کوئی ایک معاملہ بھی نبی کریم ﷺ کو مشتعل کرنے کے لیے کافی تھا۔ ایسے موقعہ پر بڑے سے بڑا بہادر اور حوصلہ مند انسان کا پتہ پانی ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے کسی اشتعال، خفگی اور ترش کلامی کا مظاہرہ نہیں فرمایا۔ بلکہ نہایت حوصلہ اور اعلیٰ اخلاق کے ساتھ حالات پر کنٹرول کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خراجِ تحسین سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ میرے محبوب! یہ صرف تیرے رب کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے کہ آپ بردبار، رحمدل، نرم خو اور اعلیٰ اخلاق کے پیکر ہیں اگر آپ سخت خو، جذباتی اور ترش کلام ہوتے تو یہ لوگ نفرت کھا کر آپ سے دور بھاگ جاتے۔ لہٰذا انہیں دل سے معاف کر دیجیے اور اپنے رب کے حضور ان کی معافی کی درخواست کیجیے۔ یہ نہیں کہ پہلے مشورہ کرنے سے نقصان ہوا ہے لہٰذا آئندہ مشورہ کرنے سے آپ احتراز کریں بلکہ مشاورت جاری رہنی چاہیے۔

مشاورت کے بعد آپ کو فرمایا گیا ہے کہ مکمل تیاری اور باہمی مشورہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے وہی عزت و ذلت

اور فتح وشکست کا مالک ہے۔ کام کرنے کے لیے جو وسائل اور مشاورت درکار ہوں اس کے لیے بھرپور کوشش کریں اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے عزم بالجزم کے ساتھ کام کا آغاز کر دینا چاہیے۔

مشاورت کی اہمیت اور غرض وغایت

قرآن پاک نے مسلمانوں کو مشاورت کا حکم دیا ہے تاکہ مسلمان اجتماعی مسائل کو اجتماعی انداز میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرزِ عمل کے بیک وقت کئی فوائد ہیں ایک طرف اراکین جماعت کی دلجوئی ہے اور دوسری جانب ان کی صلاحیتوں سے اجتماعی فائدہ اٹھانا اور ان کی انفرادی فکر کو اجتماعی نظم میں لانا ہے۔ یہ خیر وبرکت سے بھرپور عمل ہے جس سے نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ والاصفات کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ حالانکہ آپ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور ہدایات میں زندگی گزارتے ہوئے لوگوں کی راہنمائی فرما رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ ان احکام کے نزول سے قبل بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے لیکن نزولِ حکم کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ آپ ہر کام میں صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے:

{ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ } (آل عمران:۱۵۹)

''اور معاملات میں ان کو شریک مشورہ رکھا کرو، پھر جب آپ کا عزم کسی رائے پر پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔''

اس کارِ خیر کی اہمیت وافادیت کو اجاگر اور ممتاز رکھنے کے لیے پانچ رکوع پر مشتمل ایک سورۃ کا نام ہی الشوریٰ رکھ دیا گیا تاکہ رہتی دنیا تک مسلمان مشاورت کے اصولوں کو اپناتے ہوئے اجتماعی زندگی بسر کرتے رہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشورہ کن امور میں کرنا چاہیے؟ مشاورت کا حدود اربعہ کیا ہے؟ جہاد کے سلسلے میں بدر، اُحد، خندق غرضیکہ ہر اہم معاملہ میں آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے۔ جنگ سے پہلے شوریٰ کے اجلاس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جہاد کرنا چاہیے یا نہیں۔ واضح احکامات کے بعد ان پر عمل کرنے کے بارے میں مشورہ کرنا تو درکنار ان کے بارے میں سوچنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ مشاورت تو اس بات پر کرنا ہے کہ دشمن پر حملہ کرنے کا وقت اور طریقہ کار اور میدان جنگ کا انتخاب وغیرہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان امور کو امت کے ذمہ داران پر چھوڑ دیا ہے۔

بعض لوگوں نے لفظی موشگافیوں میں پڑ کر مشاورت کے حکم کو بازیچۂ اطفال بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جماعت کا امیر ارباب حل وعقد سے ان کی دلجوئی کی خاطر مشورہ کرے گا لیکن اس پر عمل کرنے کا پابند نہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ امیر جس سے چاہے مشورہ کرے وہ باضابطہ شوریٰ کو تشکیل دینے اور اس کا پابند نہیں ہونا چاہیے۔

رسولِ کریم ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت

بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ:

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ انہیں فدیہ

لے کر چھوڑ دینا چاہیے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی اور بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔

حنین کے قیدیوں کے بارے میں رائے طلب کرنا:

غزوۂ حنین کے موقعہ پر بے شمار قیدی اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ حنین کے نمائندہ لوگوں نے جب آپ سے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس بارے میں صحابہ سے رائے طلب کی۔ آراء میں اختلاف دیکھا تو حکم دیا کہ اپنے خیموں میں جا کر باہمی مشاورت کے بعد اپنے نمائندوں کو میرے ہاں بھیجو تا کہ مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے۔ (رواہ البخاری: کتاب الایمان)

اُحد میں دفاع کے متعلق مشاورت:

احد سے پہلے مشاورت کی کہ شہر میں رہ کر دفاع کرنا چاہیے یا مدینہ سے باہر نکل کر؟ لوگوں کی اکثریت نے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے احد کے دامن کا انتخاب فرمایا حالانکہ آپ کی رائے مدینہ میں رہ کر دفاع کرنے کے بارے میں تھی۔ (ابن کثیر)

گورنر کی تقرری کے لیے مشاورت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بناتے وقت شوریٰ بلائی گئی۔ ارکانِ شوریٰ نے اپنی اپنی رائے پیش کی اور کافی غور و خوض کے بعد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تقرری کا اعلان ہوا۔ (کنز العمال)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مشاورت اور فیصلوں کی بنیاد

جمہوریت کی مخالفت میں بعض لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے صحابہ سے مشورہ کیا لیکن اکثریت کی رائے کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ لہٰذا خلیفہ اکثریت کی رائے کا پابند نہیں۔ حالانکہ ان واقعات سے اس استدلال کی گنجائش نہیں نکلتی کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی رائے کے مقابلے میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور فرمان پیش کیے تھے جو آپ کی وفات کے صدمہ اور پے در پے مشکلات کی وجہ سے صحابہ کے ذہن سے اوجھل ہو چکے تھے۔ جوں ہی خلیفۃ المسلمین نے ان کا حوالہ دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے موقف سے پیچھے ہٹ گئے۔

خلیفۂ اول کا پہلا اقدام:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب قبائل مرتد ہونے لگے اور کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ادھر لشکرِ اُسامہ کی روانگی کا مسئلہ بھی تھا جسے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں روانہ کیا تھا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے جیشِ اسامہ کی روانگی کے متعلق مشورہ کیا تو نازک حالات میں شوریٰ فوری طور پر لشکر کی روانگی کے خلاف تھی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِیْ بَکْرٍ بِیَدِہٖ لَوْ ظَنَنْتُ اَنَّ السِّبَاعَ تَخْطَفُنِیْ لَاَنْفَذْتُ بَعْثَ اُسَامَۃَ کَمَا اَمَرَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَلَوْ لَا یَبْقَ فِی الْقُرٰی غَیْرُہٗ لَاَنْفَذْتُہٗ) (طبری: ج ۲، ص ۵۲۲)

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے اگر مجھے یہ یقین ہو کہ وحشی جانور مجھے نوچ لیں گے اور ان آبادیوں میں میرے سوا کوئی بھی شخص باقی نہ رہے۔ تو بھی لشکرِ اسامہ روانہ کروں گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کو روانگی کا حکم دیا ہے۔''

مانعینِ زکوٰۃ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

مانعینِ زکوٰۃ کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کو جمع کر کے فرمایا آپ کو معلوم ہے کہ بعض عربوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے مشورہ دیں کہ اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے؟ کیونکہ میں بھی تم میں سے ایک انسان ہوں البتہ تمہاری نسبت مجھ پر بوجھ زیادہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے خلیفۂ رسول! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اس وقت لوگوں کی نماز ادائیگی کو ہی غنیمت سمجھیں اور زکوٰۃ چھوڑنے پر گرفت نہ فرمائیں۔ یہ لوگ ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے ہیں آہستہ آہستہ یہ تمام اسلامی فرائض واحکام کو تسلیم کرنے کے بعد سچے مسلمان بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کو مزید قوت دے گا تو ہم منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوں گے لیکن اس وقت ہم میں عرب وعجم کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سننے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تائید کی۔ ان کے بعد تمام انصار ومہاجرین اسی رائے کی تائید میں یک زبان ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

اسی موقع پر انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم کفر میں بڑے بہادر تھے، کیا اسلام میں آکر بزدل ہو گئے ہو؟ میں ضرور ان لوگوں کے خلاف جہاد کروں گا جو نماز ادا کرتے ہیں مگر زکوٰۃ دینے سے انکاری ہیں۔

(وَاللّٰہِ لَا اَبْرَحُ اُقَاوِمُ بِاَمْرِ اللّٰہِ وَاُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یُنْجِزَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَفِیَ لَنَا عَھْدَہٗ)

(حیاۃ الصحابہ: باب الھجرۃ قول ابی بکر عند وفاقہ لعمر رضی اللہ عنہما)

''اللہ کی قسم! میں اس بات پر ڈٹ جاؤں گا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہوں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا نہ فرما دے۔''

دورِ فاروقی میں کمانڈر، مفتوحہ علاقوں اور طاعون کے بارے میں مشاورت

عراق میں پیش قدمی کے سلسلہ میں اسلامی فوج کی کمان کا مسئلہ پیش آیا۔ یاد رہے اس وقت عراق، فارس (ایران) کے ماتحت تھا خلیفہ ثانی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اس فوج کی کمان مجھے خود کرنا چاہیے لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ آپ مدینہ طیبہ میں رہ کر ہدایات جاری فرماتے رہیں۔ خدانخواستہ اگر فوج کو

ہزیمت اٹھانی پڑی یا آپ کو کچھ ہو گیا تو اس نقصان کی تلافی مشکل ہو جائے گی۔ اس صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں تو عراق جانے کے لیے ہی مدینہ سے نکلا تھا مگر اصحاب رسول کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اب بتائیں کہ اس فوج کی کمان کس کے سپرد کی جائے؟ لوگوں کی اکثریت نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا کیونکہ ابوعبیدہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما شام کے محاذ پر برسر پیکار تھے۔ (سیرت الفاروق)

مفتوحہ علاقے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی اتباع کرتے ہوئے ہر معاملہ میں اہل الرائے سے مشورہ لیتے یہاں تک کہ مفتوحہ علاقوں کی زمین کے لیے بھی انہوں نے کئی دن تک مجلس مشاورت کے اجلاس منعقد کئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہ کی رائے یہ تھی کہ یہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم ہونا چاہییں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال حضرات کی رائے یہ تھی کہ زمینیں حکومت کی ملکیت ہونا چاہئیں تا کہ آنے والے حضرات بھی اس سے مستفید ہوتے رہیں۔ اس ضمن میں دونوں طرف سے کوئی واضح شرعی دلیل نہ تھی۔ بالآخر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قرآنِ پاک کی آیت تلاوت کی:

{وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْم بَعْدِهِمْ .....} پڑھ کر فرمایا:

(فَكَانَتْ هٰذِهٖ عَامَّةً مَنْ جَآءَ مِنْ بَعْدِهِمْ فَقَدْ صَادَ هٰذَا اَلْفَىْ بَيْنَ هٰؤُلَآءِ جَمِيْعاً فَكَيْفَ تَقْسِمُهٗ لِهٰؤُلَآءِ وَنَدَعُ مَنْ تَخَلَّفَ بَعْدَهُمْ) (الفاروق)

''یہ آئندہ آنے والے تمام لوگوں کے لیے ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ ان لوگوں کو محروم کر دوں جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔''

طاعون اور مجلسِ شوریٰ

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے کے لیے نکلے جب آپ سرغ کے مقام پر پہنچے تو وہاں شام کے کمانڈر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور دوسرے اعلیٰ حکام نے ان کا استقبال کیا اور وہاں کے حالات بیان کرتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ شام میں طاعون کا مرض پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے مسئلہ پیدا ہوا کہ آگے جانا چاہیے یا واپس پلٹ جائیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے امیر المؤمنین نے حکم دیا کہ مہاجرین کو بلاؤ۔ جب وہ آئے تو ان سے اس صورتِ حال پر مشورہ طلب کیا گیا۔ ان کی آراء میں اختلاف تھا۔ کچھ نے کہا کہ آپ دینی کام کے لیے نکلے ہیں آپ کو واپس نہیں جانا چاہیے جبکہ دوسرے اصحاب کہتے تھے آپ کے ساتھ بہت سے اصحابِ رسول ہیں خواہ مخواہ موت کو دعوت نہیں دینا چاہیے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انصار کو بلایا جائے انہوں

نے بھی مہاجرین کی طرح مختلف تجاویز پیش کیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ پھر حکم دیا قریش کے ان سرداروں کو بلایا جائے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ یہ سب بالاتفاق کہنے لگے کہ آپ کو آگے جانے کی بجائے واپس پلٹ جانا چاہیے۔ تب امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ ہم صبح مدینہ واپس جا رہے ہیں، یہ سنتے ہی ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کاش یہ بات ابوعبیدہ کے سوا کوئی اور کہتا! کیونکہ یہ بات ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی دانشمندی کے خلاف تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف جا رہا ہوں۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو کسی مصروفیت کی وجہ سے غیر حاضر تھے تشریف لائے اور کہنے لگے ایسی صورتِ حال کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کن ارشاد موجود ہے۔

«سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ إِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ قَالَ فَحَمِدَ اللّٰهَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ انْصَرَفَ»

(رواہ مسلم: کتاب السلام، باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ ونحوھا)

''میں نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کسی علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہو تو وہاں داخل نہیں ہونا چاہیے اور جس زمین میں طاعون واقع ہو جائے وہاں سے بھاگنا نہیں چاہیے۔ یہ سن کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مدینہ واپس تشریف لے گئے۔''

فیصلہ کا طریقہ کار اور ''فَإِذَا عَزَمْتَ'' کا مفہوم

آدمی جب اپنے ذہن میں ایک بات بٹھا اور جما لیتا ہے تو پھر ہر بات کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھتا اور پرکھتا ہے۔ یہی حالت ان دوستوں کی ہے جو علمی دنیا میں تنہا پرواز کے قائل اور انتہا پسندی کی روش کو اختیار کرتے ہیں۔ ان کی سر توڑ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح ثابت کیا جائے کہ اکثریت کی کوئی حیثیت نہیں۔ انہیں لفظِ اکثریت سے اس حد تک چڑ ہوتی ہے کہ وہ اہلِ حق کی اکثریت کو بدنام زمانہ جمہوریت سے مماثل قرار دے کر حقائق کو رد کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں اور جذباتی لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا ہم کسی کے مقلد ہیں؟ حالانکہ قرآن وسنت کے بعد خاص کر تنظیمی اور اجتماعی معاملات میں اجتماعیت کو قابلِ قدر حیثیت دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اجتماعی زندگی کا نظام چلانے کے لیے یہ آخری اصول ہے۔ اس کے بغیر امت کو متحد رکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اس کے باوجود کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ امیر صرف لوگوں کی دلجوئی کی خاطر پیش آمدہ مسئلہ میں شوریٰ کی تجاویز سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کی ذرہ نوازی ہے ورنہ کوئی اصول امیر کو پابند نہیں کر سکتا۔ پھر ان کا یہ بھی فرمان ہے کہ اس طرح تو امیر مامور اور ربڑ کی مہر بن جاتا ہے۔ بقول ان کے قرآن پاک

نے ''فَاِذَا عَزَمْتَ'' کے الفاظ استعمال کر کے امیر کو اجتماعی معاملات میں مختارِ کل بنا دیا ہے۔ کاش یہ حضرات طبیعت کے بے لگام گھوڑے کو قابو رکھتے ہوئے اس بات پر غور کرتے کہ ارکانِ شوریٰ مشورہ دینے کے لیے تشریف لائے ہیں نہ کہ مشورہ لینے کے لیے۔ صاحب امر کو تو مشورہ لینے کا حکم ہو رہا ہے لہٰذا یہاں صیغہ بھی واحد حاضر کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر اراکینِ شوریٰ کو ایک دوسرے سے مشورہ لینے کے لیے اکٹھا کیا جاتا تو پھر ''شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ'' کے بجائے یہ ہونا چاہیے تھا: ''تَشَاوَرُوْا فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتُمْ فَتَوَكَّلُوْا عَلَى اللّٰهِ يَتَشَاوَرُوْنَ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمُوْا'' اس لیے صحیح نقطہ نگاہ یہ ہے کہ عزم کا معنیٰ وہ نہیں جو کچھ علماء نے سمجھا ہے۔ ایسے ہی آزاد استدلال کی وجہ سے مسلمانوں کے حکمران آمر، ڈکٹیٹر، ظالم اور سفاک ثابت ہوئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے علاوہ ہم سے پوچھنے کا کسی کو اختیار نہیں اور نہ ہی ہم کسی کے پابند ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں قابلِ عمل نقطۂ نگاہ یہی ہے کہ امیر قرآن وسنت، واضح شواہد وقرائن اور شوریٰ کی اکثریت کا پابند ہونا چاہیے۔ اس طرزِ عمل میں نہ صرف ملک وملت کی بہتری ہے بلکہ امیر کے لیے بھی عافیت کا راستہ ہے کیونکہ وہ اکیلا ذمہ دار نہیں ہوگا بلکہ پوری جماعت ذمہ دار ہوگی، اور قرآن وسنت اور صحابہ کا عمل بھی اس بات کی مکمل رہنمائی کر رہا ہے۔

اب ''فَاِذَا عَزَمْتَ'' کا معنیٰ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ حیات سے سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔

«عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْعَزْمِ فَقَالَ مُشَاوَرَةُ اَهْلِ الرَّاْيِ ثُمَّ اتِّبَاعُهُمْ» (ابن کثیر)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے عزم کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے عزم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عزم کے معنیٰ ہیں اہل رائے سے مشورہ لینا اور پھر اس کا اتباع کرنا۔''

اس آیت کی روشنی میں امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«وَغَيْرُ جَائِزٍ اَنْ يَّكُوْنَ الْاَمْرُ بِالْمُشَاوَرَةِ عَلٰى جِهَةِ تَطْيِيْبِ نُفُوْسِهِمْ وَرَفْعِ اَقْدَارِهِمْ وَلِتَقْتَدِيَ الْاُمَّةُ بِهٖ فِيْ مِثْلِهٖ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ مَعْلُوْمًا عِنْدَهُمْ اِنَّهُمْ اِذَا اسْتَغْرَغُوْا جُهُوْدَهُمْ فِيْ اِسْتِنْبَاطِ مَاشُوْرِوَافِيَةٌ وَصَوَابُ الَّذِيْ فِيْهِ وَلَا مُلْتَقٰى مِنْهُ بِالْقَبُوْلِ بِوَجْهٍ لَمْ يَكُنْ فِيْ ذٰلِكَ تَطْيِيْبُ نُفُوْسِهِمْ وَلَا رَفْعُ لِاَقْدَارِهِمْ بَلْ فِيْهِ اِيْحَاشُهُمْ وَاَعْلَامُهُمْ بِاَنَّ آرَاءَ هُمْ غَيْرُ مَقْبُوْلَةٍ وَلَا مَعْمُوْلَ عَلَيْهَا فَهٰذَا تَاوِيْلٌ سَاقِطٌ مَعْنًى لَهٗ» (احکام القرآن)

''نبی اکرم ﷺ کو مشورہ لینے کا جو حکم دیا گیا وہ صرف صحابہ کی دلجوئی اور عزت افزائی کے لیے نہیں تھا۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم ہوتا کہ کسی خاص معاملے میں مشورہ طلب کیا جا رہا ہے اور وہ مکمل غور وخوض کے ساتھ پیش آمدہ مسئلے میں ٹھیک ٹھیک مشورہ اور رائے کا اظہار کریں گے تو بھی اسے قبول نہیں کیا جائے گا اس طرح تو ان کی دلجوئی اور عزت افزائی کی صورت نہیں نکلتی بلکہ اس میں ان کی حوصلہ شکنی کا پہلو نکلتا ہے۔''

اگر تعصب کی عینک اتار کر اور جذبات کے پردے ہٹا کر نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں ہونے والی مجالس شوریٰ کے فیصلوں پر غور کیا جائے تو روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا فیصلہ کرتے ہوئے اگر اکثریت کی رائے کو مسترد کیا تو اس کے پیچھے نص قطعی یعنی نبی اکرم ﷺ کا حکم موجود تھا۔ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں بھی قرآن پاک کی نص قطعی موجود تھی جو حالات کی بحرانی کیفیت کی وجہ سے صحابہ ﷺ کے ذہن سے اوجھل ہو چکی تھی۔ جب خلیفۂ وقت نے توجہ دلائی تو صحابہ کے دل و دماغ روشن ہو گئے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح فیصلہ:

۱۔ قرآن وسنت کی موجودگی میں کثرت وقلت اور عقل وفکر کی کوئی حیثیت نہیں۔
۲۔ ٹھوس فکری، نظری، دلائل اور واضح قرائن کے بعد جمہوریت کوئی معنی نہیں رکھتی۔
۳۔ دونوں طرف دلائل برابر ہوں تو اجتماعی زندگی میں اہل حق کی اکثریت کی اتباع امیر اور سب کے لیے لازم ہے۔

مزید تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''اتحاد وامت اور نظمِ جماعت کی طرف رجوع'' کیا جائے۔

مسائل

۱۔ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑے نرم خو اور خلیق تھے۔ ۲۔ سربراہ بداخلاق ہو تو لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں۔
۳۔ سربراہ کو قومی کاموں میں لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ ۴۔ مشورہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا لازم ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

داعی اور قائد کے اوصاف:

۱۔ داعی اور قائد کو ہمدرد ہونا چاہیے۔ (التوبہ:۱۲۸) ۲۔ قائد کو لوگوں سے مشورہ کا خواہش مند ہونا چاہیے۔ (یوسف:۱۰۳)
۳۔ قائد میں لوگوں کی خیر خواہی کے لیے جان قربان کرنے کا جذبہ ہونا چاہیے۔ (الکہف:۶)
۴۔ قائد کو مشورہ لینا چاہیے۔ (آلِ عمران:۱۵۹) ۵۔ قائد میں عفو ودرگزر کا جذبہ ہونا چاہیے۔ (المائدۃ:۱۳)
۶۔ قائد اور مومنین کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔ (الزمر:۳۸، التوبہ:۵۱)

نوٹ: مزید ''البقرہ ۲۴۷'' کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ

اگر مدد کرے تمہاری اللہ تو نہیں غالب آنے والا تم پر اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو کون

ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

وہ جو کہ تمہاری مدد کرے سے اس کے بعد اور پر اللہ چاہیے کہ بھروسہ کریں ایمان والے

''اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا؟ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔'' (۱۶۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ، اس میں منافقوں کے پروپیگنڈہ کا جواب دیتے ہوئے مسلمانوں کو بنیادی عقیدہ سمجھایا گیا ہے کہ عزت وذلت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور مومنوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

رسولِ محترم ﷺ ہر کام کرنے سے پہلے اس پر غور وخوض اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس کو عملی جامہ پہناتے تھے۔ اُحد میں بھی ایسا ہی کیا گیا لیکن چند ساتھیوں کی کمزوری کی وجہ سے آپ ﷺ اور مسلمانوں کو مالی، جانی نقصان اٹھانا پڑا جس پر کمزور مسلمانوں نے غیر محتاط انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور منافقوں نے اسے دوسرے انداز میں اچھالا۔ اس موقعہ پر یہ بنیادی اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ صادر فرمائے تو ساری دنیا کے لوگ بھی تم پر غالب نہیں آسکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں رسوا کرنا چاہے تو تمہیں کوئی بھی عزت نہیں دے سکتا لہٰذا مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اللہ پر توکل کا یہ معنیٰ نہیں کہ آدمی حاصل شدہ وسائل کو استعمال کرنا چھوڑ دے بلکہ توکل کا معنیٰ ہے ہر قسم کی استعداد حاصل کرنے کی کوشش کرے اور پھر وسائل پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور یقین رکھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول!

«أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ قَالَ اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ» (رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق [حسن])

''میں اونٹ کو باندھ کر توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ کر توکل کروں آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹ کو باندھو اور توکل کرو۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو تو آدمی کو کوئی مغلوب نہیں کرسکتا۔

۲۔ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ ۳۔ اللہ ہی پر مومنوں کو ہمیشہ بھروسہ کرنا چاہیے۔ (التوبہ: ۱۲۹)

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ

اور نہیں ہے نبی کیلئے یہ کہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا لائے گا وہ جو اس نے خیانت کی

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

قیامت کے دن پھر پورا پائے گا ہر شخص جو اس نے کمایا اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے

''نبی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرے۔ ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لیے قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔'' (۱۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا ہے کہ منافقین رسولِ محترم ﷺ کو پریشان اور مسلمانوں کو رسوا کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ بدر کے موقع پر ایک قیمتی چادر سامان میں آگے پیچھے ہوگئی تو منافقوں نے یہ کہہ کر بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کی کہ آپ نے اس کو اپنے لیے رکھ لیا ہوگا۔

بظاہر یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن یہ بدگمانی آپ کی ذاتِ اطہر کے بارے میں تھی اس لیے سخت اور دوٹوک الفاظ میں اس کی وضاحت کی گئی۔ اس موقعہ پر یاوہ گوئی کرنے والوں کی زبانیں بند نہ کی جاتیں تو آئندہ چل کر کسی بڑی خیانت کا الزام بھی آپ کی ذات پر چسپاں کیا جاسکتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ مستقبل میں مسلمانوں کو کتنے قیمتی غنائم حاصل ہونے والے تھے اس لیے فرمایا کہ کسی نبی کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے بلکہ نبی کے بارے میں ایسا سوچنا بھی عظیم گناہ ہے۔ جو بھی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانت کے ساتھ پیش کیا جائے گا پھر وہاں ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا ملے گی اور کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ فَذَكَرَ الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ قَالَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ...» (رواہ البخاری: باب الغلول وقول اللہ تعالیٰ ومن یغلل)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر خیانت کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے بہت سنگین گردانتے ہوئے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کے کندھے پر بکری ممیا رہی ہو اور کسی کے کندھے پر گھوڑا ہنہنا رہا ہو اور وہ کہے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد کیجیے تو میں کہوں کہ میں تو کچھ نہیں کرسکتا میں نے تجھے پہلے ہی باخبر کردیا تھا۔''

مفسّرین نے ''غَلَّ'' کے دو معنیٰ کیے ہیں کہ ''کسی کے بارے میں اپنے دل میں غصہ رکھنا۔''

اُحد میں درّے والوں نے درّہ خالی کرکے غلطی کی اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے میدان سے بھاگ کر غلطی کی تھی اس پر فرمایا

گیا ہے کہ اے پیغمبر! آپ کو معاف کر دینے کے بعد دل میں غصہ نہیں رکھنا چاہیے۔

''غَلّ'' کا دوسرا معنی ہے کہ ''مسلمانوں کے اجتماعی مال میں خیانت کرنا'' جس کا گناہ عام چوری سے زیادہ ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب خیبر فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں ہمیں سونا اور چاندی نہیں ملا تھا بلکہ گائے، اونٹ، سامان اور باغات ملے تھے پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادی القریٰ کی طرف لوٹے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مدعم نامی غلام تھا جو بنی ضباب کے ایک صحابی نے آپ کو ہدیہ دیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کی سواری سے کجاوہ اتار رہا تھا کہ کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر اس کو لگا لوگوں نے کہا اسے شہادت مبارک ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر میں تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت میں سے چوری کی تھی وہ اس پر آگ کا شعلہ بن کر بھڑک رہی ہے۔ یہ سن کر ایک صحابی ایک یا دو تسمے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ میں نے اٹھا لیے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ جہنم کے تسمے ہیں۔'' (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر)

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا إِذَا ائْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ» (رواہ البخاری: باب علامۃ المنافق)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس میں چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہوگا اور ان میں سے جس میں ایک علامت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک کہ اسے چھوڑ تا نہیں۔ (۱) جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۲) بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب عہد کرے تو غداری کرے (۴) معمولی تکرار پر گالی گلوچ پر اتر آئے۔''

مسائل

۱۔ کوئی نبی بھی خائن نہیں ہوا۔ ۲۔ قیامت کے دن خائن اپنی خیانت کے ساتھ پیش ہوگا۔

۳۔ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

نبی خائن نہیں ہوتا:

۱۔ نبی اللہ کی وحی میں خیانت نہیں کرتا۔ (التکویر: ۲۴) ۲۔ نبی وحی کو نہیں چھپاتا۔ (المائدۃ: ۶۷)

۳۔ نبی مال میں خیانت نہیں کرتا۔ (آلِ عمران: ۱۶۱) ۴۔ نبی خائن کی حمایت نہیں کرتا۔ (النساء: ۱۰۵)

اَفَمَنِ	اتَّبَعَ	رِضْوَانَ اللّٰهِ	كَمَنْۢ	بَآءَ	بِسَخَطٍ مِّنَ
کیا پس جو	اس نے پیروی کی	اللہ کی رضا	مانند جو	لوٹا	غصے کے ساتھ سے
اللّٰهِ	وَمَاْوٰىهُ	جَهَنَّمُ ؕ	وَبِئْسَ	الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾	هُمْ	دَرَجٰتٌ	عِنْدَ اللّٰهِ ؕ
اللہ	اوراس کا ٹھکانہ	جہنم	اور برا	ٹھکانہ	انکے	درجات	اللہ کے پاس
وَاللّٰهُ	بَصِيْرٌۢ	بِمَا	يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾				
اوراللہ	دیکھنے والا	اس کو جو	وہ کرتے ہیں				

''کیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا متلاشی ہے اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے؟ (۱۶۲) اللہ کے پاس ان کے الگ الگ درجے ہیں اور ان کے تمام اعمال کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔'' (۱۶۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: امانت و دیانت میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، خیانت و بددیانتی پر اللہ کی ناراضگی اور غضب ہوتا ہے ایک اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اور دوسرا اس کے غضب کا سزاوار ہے کیا دونوں قسم کے انسان برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اب دو قسم کے کرداروں کا موازنہ کیا جارہا ہے کہ کیا ایسے کردار کے حامل انسان اعمال اور انجام کے لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں؟ ان میں ایک وہ ہے جو سراپا سمع واطاعت ہے اور اس کے ہر کام کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا کارفرما ہوتی ہے۔ دوسرا وہ ہے جو کفر اور نافرمانی میں آگے ہی بڑھتا چلا جارہا ہے یہاں تک کہ آخر دم تک اللہ تعالیٰ کی بغاوت میں ہی سرگرم عمل رہا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو لوٹنے کی بدترین جگہ ہے۔ پہلے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین درجات، اعلیٰ مقامات اور ہمیشہ کے لیے خوشنودی ہے۔ دوسرے کے لیے جہنم ہے۔ یاد رکھو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور وہ انسان کے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والا اور اللہ کی ناراضگی مول لینے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے لیے بڑے درجات ہیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

مومن اور نافرمان برابر نہیں ہیں:

۱۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہیں۔ (السجدۃ:۱۸) ۲۔ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہو سکتے۔ (الحشر:۲۰)

۳۔ سیدھا اور الٹا چلنے والا برابر نہیں ہوسکتا۔ (الملک:۲۲)

۴۔ اندھا اور بینا برابر نہیں ہوسکتا۔ (الانعام:۵۰) ۵۔ روشنی اور اندھیرا برابر نہیں ہو سکتے۔ (فاطر:۲۰)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

البتہ تحقیق احسان کیا اللہ پر ایمان والے جب بھیجا اس نے ان میں ایک رسول

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

سے ان کی جانیں وہ پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں سکھاتا ہے کتاب

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

اور دانائی اور بیشک وہ تھے سے پہلے البتہ میں گمراہی کھلی

''بے شک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ ''(۱۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اکثریت کی رائے کا احترام کرنا، ساتھیوں کی غلطیوں کو معاف کر دینا۔ انسان کو شرف انسانیت سے سرفراز فرمانا' توحید کی دولت سے مالا مال کرنا اور بھٹکتے ہوئے انسان کو کامیابی کے راستے پر گامزن کرنا۔ رسولِ معظم ﷺ ہی کی ذات اور قیادت کا کمال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بطورِ احسان ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس قدر احسانات فرمائے ہیں کہ وہ ان کا شمار کرنا چاہے تو جدید مشینری کے ذریعے بھی انہیں شمار نہیں کر سکتا۔ تمام احسانات وانعامات میں سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی ہے۔ دنیا میں ہدایت کا مؤثر، مدلل، قابل اعتماد اور ''اللہ'' اسے براہِ راست ذریعہ انبیاء کی شخصیات ہوا کرتی تھیں۔ ان شخصیات میں سب سے ممتاز شخصیت رسولِ محترم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جنہوں نے انسانیت کی اصلاح اور فلاح کے لیے سب سے بڑھ کر کوششیں اور تکلیفیں اٹھائیں ہیں۔ اس لیے مومنوں کو یہ احسان جتلایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص احسان ہے کہ اس نے تم ہی سے یعنی انسانوں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جو تمہارے اپنے آپ سے بھی تم پر زیادہ مہربان اور درگزر کرنے والا ہے۔ (التوبہ:۱۲۸) اس کی شب وروز کی محنتیں، صبح وشام کی دعائیں اور ہر وقت یہ تمنا اور خواہش ہوتی ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائے، گناہوں اور جرائم سے پاک کرے اور تمہیں کتاب وحکمت کے ذریعے دنیا وآخرت کی ترقیوں سے سرفراز کر دے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی تشریف آوری اور آپ کی تعلیمات سے پہلے تمام لوگ سراسر گمراہی اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ آپ کی کوششوں اور محبت واخلاص کا نتیجہ ہے کہ آج انسانیت نے اپنا مقام پایا، غلاموں کو آزادی نصیب ہوئی، عورتوں کو حقوق ملے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا طریقہ اور دنیا میں رہنے سہنے کا سلیقہ آیا۔

یہ دنیا کی مسلمہ حقیقت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانیت ہر قسم کی جہالت اور تاریکی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ خصوصاً عرب اور مکہ کی حالت یہ تھی کہ یہاں کے دانشور اس سوچ میں غلطاں تھے کہ ہم تاریکیوں

سے کس طرح نجات پائیں۔ اسی کے نتیجے میں حلف الفضول کا معاہدہ طے پایا جس میں اہل دانش نے بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا کہ معاشرے میں پیدا ہونے والی بیماریوں کا تدارک اس انداز میں کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (ابن ہشام) اسی سلسلہ کی دوسری کڑی یہ تھی کہ ایک موقع پر ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو اور چند دوسرے لوگ حرم میں بیٹھ کر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ تمام مروجہ مذاہب کا جائزہ لے کر طے کیا جائے کہ کونسا مذہب سچا ہے؟ اس کے لیے یہ بزرگ اٹھ کھڑے ہوئے جس کے نتیجے میں ورقہ بن نوفل عیسائیت کے قریب ہوئے اور کچھ نے یہودیت کو مناسب سمجھا۔ لیکن حضرت زید بن عمرو نے سب سے براءت کا اعلان کیا۔ اس حالت میں وہ بیت اللہ میں سجدہ ریز ہو کر زار و قطار روتے ہوئے دعا کیا کرتے تھے کہ اے کعبہ کے رب! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری عبادت اس طرح کرنی ہے تو میں اس طرح کرنے کو تیار ہوں لیکن آسمانی ہدایت مفقود ہو جانے کی وجہ سے وہ دین کی روشنی سے محروم رہے تاہم ایک سوال کے جواب میں رسولِ معظم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا (نَعَمْ إِنَّهُ يُبْعَثُ أُمَّةً وَاحِدَةً) کیوں نہیں! وہ ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ (ابن ہشام)

آپ ﷺ کی آمد سے قبل کی جہالت اور تاریکی کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادرِ مکرم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے حبشہ کے حکمران نجاشی کے سامنے اس کا یوں اعتراف کیا تھا کہ ہم گمراہ تھے، ہمارے اندر ہر قسم کے گناہ اور جرائم پائے جاتے تھے ہم ایک دوسرے پر ظلم کرنے والے تھے پس اللہ نے ہم میں ایک شخص کو نبی بنایا جس کو ہم ہر لحاظ سے جانتے ہیں اس نے ہماری اصلاح اور تربیت کی جس کے نتیجے میں ہم مسلمان ہوئے۔ اسی کے بارے میں قرآن حکیم نے {وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ} کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے آپ کی بعثت کو احسانِ عظیم قرار دیا ہے۔ (ابن ہشام)

مسائل

۱۔ رسولِ محترم ﷺ کو مبعوث فرما کر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا ہے۔
۲۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا مقصد لوگوں کو قرآن سنانا، ان کی تربیت کرنا اور ان کو کتاب و دانشمندی سکھانا ہے۔
۳۔ رسولِ کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے لوگ واضح گمراہی میں تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے احسانات:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسان ان گنت ہیں۔ (ابراہیم: ۳۴)
۲۔ ایمان نصیب ہونا اللہ کے احسان کا نتیجہ ہے۔ (الحجرات: ۱۶)
۳۔ رسالت مآب ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔ (آلِ عمران: ۱۶۴)
۴۔ کمزوروں کو خلافت دینا اللہ کا احسان ہے۔ (القصص: ۵) ۵۔ اللہ جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ (ابراہیم: ۱۱)

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ

کیا اور جب تمہیں پہنچی مصیبت البتہ تم نے پہنچائی اس سے دوچند تم نے کہا کہاں سے یہ

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

آپ فرمادیں وہ سے پاس تمہارے نفس بیشک اللہ پر ہر چیز قادر

''کیا جب تمہیں پہنچی ایک ایسی تکلیف جو تم ان کو اس سے دوگنی پہنچا چکے ہو تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آگئی؟ آپ کہہ دیجیے یہ خود تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (۱۶۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کی شکست اور اس کے عوامل پر تبصرہ جاری ہے اس میں مسلمانوں کی تنظیمی اور اخلاقی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی جارہی ہے۔

اُحد کی شکست کے اسباب میں دو سبب بڑے یہ تھے۔ منافقوں کا کردار اور مسلمانوں کا نبی ﷺ کے حکم پر پوری طرح عمل کرنے کی بجائے درہ چھوڑنا۔ لہٰذا مختلف انداز اور الفاظ میں منافقوں کے کردار کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ ناقابل اعتماد اور آستین کے سانپ ہیں۔ ان سے ہر وقت بچنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے سبب پر تبصرہ کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مسلمان ہو اور اللہ کا رسول تم میں موجود ہے لیکن تم نے رسول کے حکم کی نافرمانی کی۔ پہلے درّہ خالی کیا اور بعد میں میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور اب تم یہ کہتے ہو کہ یہ شکست کیونکر ہوئی؟ اگر تم اپنے کیے پر توجہ کرو تو اس کا جواب تمہیں اپنے آپ سے مل جائے گا کہ یہ شکست تمہاری اپنی کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں ایک اور اصول بیان کیا ہے کہ انسان کو جو بھی مصائب اور پریشانیاں آتی ہیں حقیقتاً وہ اس کے اپنے ہی کیے دھرے کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہارے اعمال کی سزا تمہیں دنیا میں دے یا اسے آخرت کے لیے مؤخر کردے۔

ذرا ماضی کے آئینہ میں جھانک کر دیکھو کہ تم اس سے دوگنا نقصان انہیں پہنچا چکے ہو؟ بدر میں ان کے ستر سرکردہ آدمی واصلِ جہنم ہوئے جن کی وہ لاشیں بھی نہ اٹھا سکے۔ ستر قیدی ہوئے جو فدیہ دے کر چھوٹے اور ان کا کافی سامان تمہارے ہاتھ آیا۔ ان کے مقابلے میں تمہارا نقصان اُحد میں کئی گنا کم ہوا اور وہ بھی تمہاری کوتاہی کی وجہ سے۔

مسائل

۱۔ انسان کو پہنچنے والے مصائب اس کی اپنی وجہ سے ہوتے ہیں۔

۲۔ جنگ میں اپنے اور کفار کے نقصان کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ ۳۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور جو تمہیں پہنچا مقابلے کے دن دو جماعتیں تو اللہ کے حکم سے اور تاکہ وہ معلوم کرے ایمان والے

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ

اور تاکہ جان لے وہ لوگ منافق ہوئے اور کہا گیا انہیں تم آؤ لڑو میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ

اللہ کی راہ یا دفاع کرو انہوں نے کہا اگر ہم جانتے جنگ ضرور تمہارا ساتھ دیتے

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ

وہ کفر کے لیے اس دن زیادہ قریب ان سے بہ نسبت ایمان وہ کہتے ہیں اپنے منہ سے

مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ۚ

جو نہیں میں ان کے دل اور اللہ خوب جاننے والا اس کو جو وہ چھپاتے ہیں

''جس دن دو جماعتیں باہم ٹکرائیں اور جو کچھ تمہیں تکلیف پہنچی وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے۔ (۱۶۶) اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کافروں کو روکو، تو وہ کہنے لگے اگر ہم لڑائی کرنا جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے۔ اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔'' (۱۶۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کے واقعات پر تبصرہ رواں ہے تاکہ امت آئندہ ایسے واقعات سے بچنے کی کوشش کرے۔ ساتھ ہی منافقین کا ردِّ عمل اور کردار بتلایا گیا ہے۔

اُحد کے دن کفار کے ساتھ ٹکراؤ میں مسلمانوں کو جو کچھ پیش آیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تھا۔ اس ارشاد کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں اسی طرح لکھا تھا اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کفار کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے جس کے نتیجے میں تمہیں زخم اور پریشانی اٹھانا پڑی۔ اس کے پیچھے یہ فلسفہ کارفرما تھا کہ مومنوں اور منافقوں کے درمیان حدِ فاصل قائم ہو جائے۔ جب مخلص مسلمان منافقوں کو سمجھا رہے تھے کہ آؤ اللہ کے راستے میں قتال کرو اگر تم لڑنے پر آمادہ نہیں ہو تو کم از کم ہمارے ساتھ شامل ہو کر دفاع کو مضبوط بناؤ۔ لیکن منافق تو یہی کہے جا رہے تھے کہ اگر ہم اسے قتال فی سبیل اللہ سمجھتے تو ضرور تمہارے ساتھ شامل ہوتے کیونکہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ لڑنا سراسر خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ ایسی صورت میں ہم تمہارے ساتھ کس طرح کھڑے رہ سکتے ہیں؟

بہر حال منافقین نے واپسی کا فیصلہ کیا تو اس نازک ترین موقعہ پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کا فرض یاد دلانا چاہا کہ واپس آؤ۔ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفاع کرو مگر انہوں نے جواب میں کہا کہ اگر ہم جانتے کہ واقعی جہاد ہے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ شامل ہوتے یہ جواب سن کر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے واپس آئے کہ اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی مار ہو۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے بے نیاز کر دے گا۔

(الرحیق المختوم: عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی سرکشی)

درحقیقت منافق یہ بہانہ بنا کر مسلمانوں کو کمزور اور کفار پر اپنی ہمدردیاں ظاہر کرنا چاہتے تھے کیونکہ حقیقت میں منافق مسلمانوں کے بجائے کفار کے قریب ہوا کرتے ہیں اور اس دن بھی ایسا ہی تھا۔ منافق مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لیے وہ کچھ اپنی زبان سے ظاہر کرتے ہیں جو ان کے دل کی آواز نہیں تھی۔ وہ مسلمانوں سے اپنا خبثِ باطن چھپا سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں وہ کچھ نہیں چھپا سکتے۔

مسائل

۱۔ اُحد کے دن پہنچنے والی مصیبت میں مومنوں کا امتحان تھا۔ ۲۔ منافق ایمان کی بجائے کفر کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔
۳۔ منافق کا دعویٰ فریب پر مبنی ہوتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعے مومن اور منافق کے درمیان امتیاز پیدا کرتا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو لوگ چھپاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

منافق کی نشانیاں:

۱۔ منافق کو مسلمان کی بھلائی اچھی نہیں لگتی۔ (آلِ عمران: ۱۲۰)
۲۔ منافق صرف زبان سے حق کی شہادت دیتا ہے۔ (المنافقون: ۱) ۳۔ منافق کفار سے دوستی رکھتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۴)
۴۔ منافق دنیا کے فائدے کے لیے اسلام قبول کرتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۰)
۵۔ منافق اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ سنجیدہ نہیں ہوتا۔ (البقرہ: ۱۴)
۶۔ منافق مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ (المنافقون: ۸) ۷۔ منافق کفر کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۶۷)
۸۔ منافق ریاکار ہوتا ہے۔ (النساء: ۱۴۲) ۹۔ منافق جھوٹا ہوتا ہے۔ (البقرہ: ۱۰)
۱۰۔ منافق بھلائی سے روکنے والا اور برائی کی دعوت دینے والا ہوتا ہے۔ (التوبہ: ۶۷)
۱۱۔ منافق اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے حوالے سے بہت تنگ دل ہوتا ہے۔ (التوبہ: ۶۹)
۱۲۔ منافق ہمیشہ توہین آمیز گفتگو کرنے والا ہوتا ہے۔ (التوبہ: ۶۱)

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ

وہ لوگ انہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں اور وہ بیٹھے رہے اگر وہ ہماری مانتے وہ نہ مارے جاتے

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

فرما دیجئے تم ہٹا دو سے اپنے آپ موت اگر تم ہو سچے

''یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ آپ فرما دیجئے: اگر تم سچے ہو تو اپنے آپ سے موت ہٹا کر دکھاؤ۔'' (۱۶۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

بدر میں مسلمانوں کے ساتھ منافق شامل نہیں تھے اس لیے مسلمان پوری یکسوئی کے ساتھ جان توڑ کر لڑے۔ اُحد کا معاملہ نہایت ہی مختلف تھا کہ پہلے دن کی مشاورت سے لے کر دونوں جماعتوں کے مدِ مقابل آنے تک منافقوں کی بھاری تعداد مسلمانوں کے ساتھ شامل رہی۔ منافق ایک سوچی سمجھی گہری سازش کے تحت اس وقت مسلمانوں کو چھوڑ کر الگ ہوئے جب اہلِ مکہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ منافقین نے جان بوجھ کر مسلمانوں میں ہر قسم کی غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ مسلمان بددل ہو کر کفار کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں۔ ایک طرف مسلمان ذلیل ہوں اور دوسری طرف منافقت کا پردہ چاک نہ ہونے پائے۔ اسی سازش کا تسلسل تھا کہ وہ آخر تک مسلمانوں کو بزدل بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ میدانِ جنگ میں منافق جب ٹولیوں کی صورت میں کفار کو دکھا دکھا کر نکل رہے تھے تو بعض صحابہ کرام جن میں سرفہرست جابر کے والد جناب عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے سر توڑ کوشش کی کہ کسی طریقے سے منافق مسلمانوں سے الگ ہونے سے باز آجائیں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

اُحد میں مسلمان شہید ہوئے تو منافقین نے ان کے لواحقین کو بداعتقادی کا شکار کرنے اور ان کی پریشانی میں اضافہ کرنے کے لیے کہا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو اس طرح قتل نہ کیے جاتے، خواہ مخواہ اور بے مقصد ان لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کیا ہے۔ خاص طور پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ تو جانور کی موت مرا کیونکہ افراتفری کے عالم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہی کسی ساتھی کی تلوار کا وار لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ اس گفتگو اور حرکات پر منافقین کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں چیلنج دیا گیا کہ جب تمہیں موت آئے گی تو اسے اپنے سے دھکیل کر اپنے آپ کو بچا کر دکھانا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو؟

مسائل

۱۔ موت سے کوئی بھی چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ ۲۔ منافق مسلمانوں کے ساتھ مخلص نہیں ہوتا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

اور ہرگز خیال نہ کرو تم جو لوگ مارے گئے میں راہ اللہ مردہ (جمع) بلکہ زندہ (جمع)

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

پاس اپنے رب وہ رزق دیے جاتے ہیں خوش ہونیوالے ساتھ اسکے جو انہیں دیا اللہ

مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ

اپنے فضل سے وہ خوشی کا پیغام دیتے ہیں ان لوگوں کو نہیں ملے ان سے سے انکے پیچھے

اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ

یہ کہ نہیں خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ خوشیاں منا رہے ہیں نعمت کے ساتھ

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

سے اللہ اور فضل اور بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر ایمان والے

''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔(۱۶۹) اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اس سے خوش ہیں اور خوش خبری دیتے ہیں ان لوگوں کو جو ان سے نہیں ملے اور ابھی ان کے پیچھے ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(۱۷۰) وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ خوش ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''(۱۷۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شہداء کا مرتبہ اور منافقوں کی ہرزہ سرائی کا جواب۔

منافقوں نے اُحد کے شہداء کے بارے میں بھی ہرزہ سرائی کی کہ یہ بے وجہ اور فضول موت مرے ہیں۔ اس لیے شہداء کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہیں مردہ نہ کہو۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر آنے والی نسلوں کے لیے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے دین کا پرچم سربلند رکھنے کے لیے ہر چیز قربان کر دینا چاہیے کیونکہ شہید اللہ تعالیٰ کا دین اور کام سربلند رکھتا ہے اس لیے اس کا صلہ یہ ہے کہ اس کا نام بھی رہتی دنیا تک سربلند رکھا جائے۔ اس بنا پر حکم دیا کہ انہیں مردہ سمجھنا اور کہنا جائز نہیں۔ یہ گراں مایہ لوگ اللہ کے ہاں زندہ اور انہیں ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا جا رہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات پر اتنے خوش ہیں کہ اپنے سے پیچھے رہ جانے والوں کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ شہادت کے میدان میں آگے بڑھو اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں کٹ مرو۔ کیونکہ اس کے بعد نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی حزن وملال۔ شہداء اپنے سے پیچھے رہنے والے مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل وکرم کا پیغام دیتے ہوئے یقین دہانی کرواتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے

وقف لازم ع ۱۶

اجر میں ذرّہ برابر کمی نہیں کرے گا کیونکہ وہ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

رسولِ محترم ﷺ نے شہداء کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے خاص کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی کا ذکر فرمایا۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا جابر رضی اللہ عنہ اور سات یا نو بیٹیاں تھیں۔ حضرت جابر نوعمر تھے ان کے والد نے خاصہ قرض چھوڑا۔ باپ کی شہادت، قرض اور جوان بہنوں کی وجہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ مغموم رہا کرتے تھے ایک دن آپ نے جابر کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو اپنے حضور بلا کر پوچھا کہ تم مزید کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کی کہ الٰہی! مجھے دنیا میں واپس بھیجا جائے تا کہ تیرے راستے میں دوبارہ شہادت کا مرتبہ پاؤں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا تو پھر میرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا جائے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

(رواہ ابنِ ماجۃ: کتاب المقدمۃ، باب فیما انکرت الجھمیۃ [حسن])

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض اور اس کی ادائیگی کا انتظام:

«عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ رضی اللہ عنہ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَاسْتَعَنْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلٰى غُرَمَائِهٖ أَنْ يَضَعُوْا مِنْ دَيْنِهٖ فَطَلَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَفْعَلُوْا فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ اذْهَبْ فَصَنِّفْ تَمْرَكَ أَصْنَافًا الْعَجْوَةَ عَلٰى حِدَةٍ وَعَذْقَ زَيْدٍ عَلٰى حِدَةٍ ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَيَّ فَفَعَلْتُ ثُمَّ أَرْسَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَجَاءَ فَجَلَسَ عَلٰى أَعْلَاهُ أَوْ فِيْ وَسَطِهٖ ثُمَّ قَالَ كِلْ لِلْقَوْمِ فَكِلْتُهُمْ حَتّٰى أَوْفَيْتُهُمُ الَّذِيْ لَهُمْ وَبَقِيَ تَمْرِيْ كَأَنَّهُ لَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ شَيْئٌ» (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب الکیل علی البائع والمعطی)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب (میرے باپ) عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ان کے ذمہ لوگوں کا قرض باقی تھا۔ میں نے نبی کریم ﷺ کے ذریعے کوشش کی کہ قرض خواہ اپنے قرض میں کچھ معاف کر دیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا لیکن وہ نہ مانے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اپنی تمام کھجور کی قسموں کو الگ الگ کر لو۔ عجوہ ایک خاص قسم کی کھجور کو الگ رکھو اور عذق زید کھجور کی قسم کو الگ کر کے مجھے بلا لینا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور نبی کریم ﷺ کو کہلا بھیجا۔ آپ تشریف لائے اور کھجوروں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اب ان قرض خواہوں کو ناپ کر دیتے رہو۔ میں نے ناپنا شروع کیا جتنا قرض لوگوں کا تھا میں نے سب ادا کر دیا پھر بھی کھجوریں جوں کی توں تھی۔ ان میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔''

مسائل

۱۔ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے مردہ نہیں ہوتے۔ ۲۔ شہید اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں۔

۳۔ شہید اللہ کے فضل کے ساتھ خوش اور اپنے سے پیچھے لوگوں کو خوشخبری کا پیغام دیتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ۵۔ شہداء کا مرتبہ و مقام البقرۃ آیت ۱۵۴ کے تحت دیکھیں۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ

جولوگ انہوں نے قبول کیا اللہ کیلئے اور رسول سے بعد جو پہنچا انہیں زخم

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ

ان لوگوں کیلئے انہوں نے نیکی کی ان میں سے اور پرہیزگاری کی اجر بڑا وہ لوگ اس نے کہا ان کیلئے

النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ

لوگ (جمع) بیشک لوگ تحقیق جمع ہوئے ہیں تمہارے لیے پس ان سے ڈرو تو زیادہ کیا ان کو ایمان

وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ

اور انہوں نے کہا ہمارے لیے کافی اللہ اور اچھا ہے کارساز پھر وہ لوٹے نعمت کیساتھ سے اللہ اور فضل

لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

نہیں انہیں پہنچا کوئی نقصان اور انہوں نے پیروی کی رضامندی اللہ اور اللہ فضل والا بڑا

''جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا ان میں سے جس نے نیکی کی اور پرہیزگاری اختیار کی ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ (۱۷۲) جب ان کو لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے میں لشکر جمع کر لیے ہیں۔ تم ان سے ڈر جاؤ تو اس خبر نے انہیں ایمان میں بڑھا دیا اور وہ پکار اٹھے کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (۱۷۳) پھر وہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ لوٹے انہیں کوئی نقصان نہ ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنے والے ہوئے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' (۱۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کی ہزیمت کے بعد کفار کی دھمکی کا مسلمانوں کی طرف سے ردِّ عمل جس میں ان کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے۔

منافقوں کے کردار اور ان کی ہرزہ سرائی کے ذکر کے بعد اللہ کے راستے میں کٹ مرنے والوں کی حیاتِ جاوداں اور دنیا و آخرت میں ان کے مقام و انعام کا ذکر کرتے ہوئے ان کے احترام کا لحاظ رکھنے کی تلقین کرنے کے بعد غازیوں اور مجاہدوں کا ایک دفعہ پھر تذکرہ ضروری سمجھا گیا جنہیں اُحد کی شکست کے فوراً بعد کفار کے کمانڈر ابوسفیان نے یہ چیلنج دیا تھا کہ میں تم پر دوبارہ حملہ آور ہو رہا ہوں۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اُحد کے میدان میں مسلمانوں کو بھاری نقصان پہنچانے کے باوجود کفار کو مزید ٹھہرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ کچھ دور جا کر انہوں نے سوچ و بچار کے بعد اس طرح بے مراد لوٹنے پر افسوس کا اظہار کیا۔ بالآخر یہ طے کیا کہ ہمیں مدینے پر حملہ کر کے مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو تہس نہس کر دینا چاہیے۔ اس کے لیے اعصابی حربہ استعمال کرتے ہوئے انہوں نے نعیم بن مسعود اشجعی کو انعام کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ جا کر مسلمانوں کو اس طرح مرعوب کرے کہ وہ ہمارے مدِ مقابل آنے کی تاب نہ لا کر ہمارے سامنے ہتھیار پھینک دیں۔ اس نے ایسا ہی کیا لیکن

مسلمانوں کا ردّعمل اس قدر شدید اور ایمان افروز تھا کہ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے جو بہترین کارساز ہے۔ البتہ ابوسفیان کے اعصابی حملے کا جواب دیتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے معبد بن ابی معبد الخزاعی کو بھیجا یہ شخص کافر ہونے کے باوجود مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا تھا جس وجہ سے یہ اُحد کی شکست کے بعد مدینہ آیا اور اس نے آپ سے عرض کی کہ ان حالات میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ تب آپ ﷺ نے اسے ذمہ داری سونپی کہ وہ ابوسفیان کے پاس جا کر اس طرح کی گفتگو کرے کہ کفار کے چھکے چھوٹ جائیں۔ چنانچہ اس نے یہ فریضہ انجام دیتے ہوئے ابوسفیان کے سامنے مسلمانوں کی طرف سے حالات کا ایسا نقشہ پیش کیا کہ اس کے اعصاب ٹوٹ گئے اور اس نے مکہ کی راہ اختیار کرنے میں اپنے لیے عافیت سمجھی۔ اس نازک موقعہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے غیر معمولی کردار کو خراجِ تحسین سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں کو گہرے زخم آئے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہا اور کفار سے ڈرنے کی بجائے ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ وہ کفار کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا جس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو مرعوب اور پسپا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں دس دن قیام فرمایا یہ مقام تجارتی قافلوں کی گزرگاہ کے قریب تھا۔ بعض صحابہ نے خوب تجارت کی اس طرح مسلمان کاروباری فوائد کے ساتھ بڑی شان و شوکت کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ (الرحیق المختوم) یاد رہے کہ نبی معظم ﷺ نے دوبارہ کفار کے لشکر کے مقابلے میں صرف ان مجاہدوں کو اپنے ساتھ نکلنے کا حکم دیا جو اُحد میں آپ کے ساتھ شامل تھے۔

اس آیت میں صحابہ کی تجارت، ایمان سے لبریز ولولہ اور کفار کے مقابلہ میں کامیابی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ تقویٰ اختیار کرنے، اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننے والوں کے لیے اجرِ عظیم ہے۔
۲۔ مسلمان کفار سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو اپنا کارساز سمجھیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے اور اس کی رضا چاہنے والوں پر اللہ کا فضل عظیم ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے:

۱۔ رسولِ کریم ﷺ کو اللہ پر توکل کرنے کی ہدایت۔ (النمل: ۷۹)
۲۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم۔ (المجادلہ: ۱۰) ۳۔ انبیاء اور نیک لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (یوسف: ۶۷)
۴۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ (الطلاق: ۳)
۵۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ (التوبہ: ۱۲۹)

إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ

صرف	یہ تمہیں	شیطان	ڈراتا ہے	اپنے دوستوں سے	سو نہ ان سے ڈرو اور ڈرو مجھ سے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

اگر	تم ہو	ایمان والے

''یہ صرف شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو اگر تم مومن ہو۔'' (۱۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد میں مقابلہ یا اس کے بعد کفار کی دھمکیاں دراصل شیطانی ہتھکنڈے ہیں جن سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

اُحد کی لڑائی اور کفار کی دھمکیوں کے بعد مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے سمجھا دیا گیا کہ کبھی اور کسی حال میں بھی شیطان اور اس کے چیلوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے مکر و فریب بظاہر بڑے مضبوط اور خوفناک نظر آتے ہیں لیکن اگر کامل ایمان کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو گے تو کفار کی سازشیں اور شرارتیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ شیطان اور غیروں کے خوف کی بجائے اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے سینوں میں جاگزیں کرو۔ جس کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی بڑی سے بڑی طاقت اور سازش سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک وقت میں دل میں ایک ہی کا خوف سما سکتا ہے۔ کامیابی کے لیے یہی بنیادی اصول ہے کہ مسلمان غیر سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس پر بھروسہ رکھے اور اپنی زندگی ایمان کے سانچے میں ڈھال لینے والے کبھی ناکام اور نامراد نہیں ہوا کرتے۔

مسائل

۱۔ شیطان اپنے دوستوں سے مسلمانوں کو ڈراتا ہے۔ ۲۔ ان سے ڈرنے کے بجائے اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا خوف:

۱۔ مومنوں کو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ (البقرۃ:۱۵۰)

۲۔ اللہ کے بندے صرف اللہ سے ہی ڈرتے ہیں۔ (المائدۃ:۲۸)

۳۔ نبی صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔ (یونس:۱۵، الزمر:۳) ۴۔ اللہ سے ڈرنے والے ہی کامیاب ہوا کرتے ہیں۔ (النور:۵۲)

۵۔ مومنوں کی استقامت دیکھ کر شیطان خود ڈر جاتا ہے۔ (الانفال:۴۸)

۶۔ کفار اور منافق اللہ تعالیٰ کی بجائے لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ (النساء:۷۷)

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

اور نہ آپ کو غمگین کریں جو لوگ جلدی کرتے ہیں کفر میں یقیناً وہ ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کچھ

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

چاہتا ہے اللہ کہ نہ ہو ان کے لیے کوئی حصہ میں آخرت اور ان کیلئے عذاب بڑا بیشک وہ لوگ

اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

انہوں نے خرید لیا کفر ایمان کے بدلے ہرگز نہیں بگاڑ سکیں گے اللہ کچھ اور ان کیلئے عذاب دردناک

''کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ آپ کو پریشان نہ کریں یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (۱۷۶) کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے اللہ تعالیٰ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (۱۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کی سازشوں اور شیطان کے ساتھیوں کی شرارتوں سے دل گیر نہیں ہونا چاہیے انہیں تو دنیا اور آخرت میں اذیت ناک سزا ملنے والی ہے۔

رسولِ محترم ﷺ نے ہمیشہ منافقوں کے ساتھ درگزر کا رویہ اختیار کیا اور ہر موقع پر انہیں سمجھاتے رہے تاکہ ان کی دنیا اور آخرت سدھر جائے۔ لیکن وہ سدھرنے کے بجائے شرارتوں اور منافقت میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ آپ کی درگزر اور اعلیٰ ظرفی سے انہوں نے ہمیشہ غلط فائدہ اٹھایا اور ہر نازک موقعہ پر خبثِ باطن کا اظہار اور اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کرتے رہے۔ اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کا پلڑا ہلکا رہا جس سے انہیں امید ہوگئی کہ اب مسلمان ختم ہو جائیں گے اس لیے سرِ عام مسلمانوں سے الگ ہو گئے۔ ان کے منافقت میں آگے بڑھنے اور مسلمانوں سے الگ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو دلی رنج پہنچا کہ یہ کیسے ناعاقبت اندیش اور بدنصیب لوگ ہیں؟ جو سدھرنے کی بجائے نافرمانیوں میں آگے ہی بڑھتے جا رہے ہیں اس پر آپ کو تسلی دی گئی کہ میرے نبی! اطمینانِ خاطر رکھو کیونکہ آپ کا کام تو فقط سمجھانا ہے جس میں آپ نے کسی غفلت کا ارتکاب نہیں کیا۔ کفار اور منافق جو چاہیں کر لیں اللہ اور اس کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رہے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان کے مقابلے میں کفر کو ترجیح دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے ان کو عظیم اور اذیت ناک عذاب ہوگا۔

مسائل

۱۔ کفار کی سرگرمیاں رسولِ محترم ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں۔

۲۔ ایمان کے بجائے کفر کو ترجیح دینے والے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا

اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ انہوں نے کفر کیا صرف ہم ڈھیل دیتے ہیں انہیں بہتر ان کے نفسوں کیلئے درحقیقت

نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ

ہم ڈھیل دیتے ہیں انہیں تاکہ وہ بڑھ جائیں گناہ اور ان کے لیے عذاب ذلیل کرنیوالا نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ

ایمان والے پر جو تم اس پر یہاں تک کہ جدا کردے ناپاک سے پاک اور نہیں ہے

اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠

اللہ کہ تمہیں مطلع کردے پر غیب اور لیکن اللہ چن لیتا ہے سے اپنے رسولوں جس کو وہ چاہے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لیے اجر بڑا

''کافر ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں یہ مہلت تو ہم نے اس لیے دی ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔(۱۷۸) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اسی حال پر نہیں چھوڑے گا جب تک کہ وہ پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کردے اور نہ اللہ ایسا کرے گا کہ تمہیں غیب کی باتوں سے آگاہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کرلیتا ہے اس لیے تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔''(۱۷۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کا کفر کے کاموں میں جلدی کرنے کے باوجود انہیں مہلت دینے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دل بھر کر گناہ کرلیں تاکہ قیامت کو انہیں ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے۔

اُحد میں کفار مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور منافق ہمدرد اور خیر خواہ بن کر ان کے حق میں خفیہ کردار ادا کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے کبھی کافروں کے کردار پر تنقید کی جاتی ہے اور کبھی منافقوں کے رویے کو ہدف بنایا جاتا ہے۔ بسا اوقات منافقوں کے کردار اور اعتقاد کی بنا پر ان کے لیے بھی کفر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس فرمان میں منافق اور کافر دونوں ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ تاہم کفار کو سمجھایا جارہا ہے کہ اگر اُحد میں تھوڑی سی کامیابی اور دنیا میں تمہیں کچھ مہلت میسر ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم جو مہلت دیے جارہے ہیں اس میں تمہارے لیے کوئی خیر ہوسکتی ہے۔ اگر اللہ کی گرفت سے بچے ہوئے ہو تو اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان حرکتوں سے بے خبر ہے یا اس کی دسترس سے تم باہر ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری رسی ڈھیلی اور دراز کر رکھی ہے تاکہ گناہ کرنے میں تمہیں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ جب اللہ تعالیٰ گرفت کی رسی کھینچے گا تو وہ تمہاری گردن میں اس

طرح پھندا بن جائے گی جس سے چھٹکارا پانا ممکن نہ ہوگا اور کافر ہمیشہ کے لیے ذلیل کر دینے والے عذاب میں سزائیں بھگتتے رہیں گے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمیشہ کسمپرسی کی حالت میں اور منافقوں کو ان کے ساتھ خلط ملط رہنے دے۔ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر رہا ہے جس سے منافق الگ ہوتے جا رہے ہیں جیسا کہ اُحد میں ہوا۔ یہاں مومنوں کے وجود اور کردار کو طیب اور منافقوں کے کردار کو خبیث کہا گیا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مومن کتنے عمدہ، پاک اور منافق کس قدر گندے ہیں۔ اللہ کے ہاں یہ بھی درست نہیں کہ وہ ہر کسی کو اپنی تقدیر یعنی امورِ غائب سے مطلع کرتا رہے۔ ایک تو اس لیے کہ ہر شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے بھید پانے اور برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کی اطلاع کے لیے پیغمبروں کو منتخب کر رکھا ہے۔ ان میں بھی جس پیغمبر کو جتنا چاہا امورِ غیب سے آگاہ فرمایا۔ لوگوں کا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں اگر کافر اور منافق بھی ایمان لائیں تو ایمانداروں کی طرح یہ بھی اجرِ عظیم پائیں گے۔ بعض لوگ پیروں، فقیروں اور علماء کے حوالے سے ایسے واقعات لکھتے اور بیان کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ بھی غیب کے واقعات جانتے تھے۔ یہاں دوٹوک الفاظ میں اس عقیدے کی نفی کی گئی ہے۔ جہاں تک انبیاء کا معاملہ ہے ان کے بھی درجنوں واقعات ہیں کہ وہ غیب کا علم ہرگز نہیں جانتے تھے۔ اس کے باوجود بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ انبیاءِ کرام خود تو غیب کا علم نہیں جانتے تھے لیکن انہیں عطائی علم غیب ضرور تھا۔ عطائی کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بتلایا ہوا اور عطا کردہ علم۔ علم غیب کی یہ تعریف بذات خود مضحکہ خیز ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انبیاء یا کسی کو کوئی بات بتلا دے تو وہ غیب کس طرح رہا۔ یہ بات علم غیب کی تعریف میں نہیں آتی اس لیے رسولِ کریم ﷺ کی زبانِ اطہر سے کئی بار یہ اعلان کروایا گیا کہ آپ از خود یہ اعلان فرمائیں کہ میں غیب کا علم نہیں جانتا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ڈھیل کفار کے لیے بہتر نہیں ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کے بغیر کسی کو غیب کی خبریں نہیں دیتا۔
۳۔ ایمان اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے اجرِ عظیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار کے لیے مہلت مفید نہیں:

۱۔ ڈھیل کفار کے لیے گناہوں کا باعث بنتی ہے۔ (آلِ عمران: ۱۷۸)
۲۔ کفار اور بخیل کے لیے مہلت نقصان دہ ہے۔ (آلِ عمران: ۱۸۰) ۳۔ کفار کے لیے دنیا کی فراوانی نقصان دہ ہے۔ (الانعام: ۴۴)

نبی غیب نہیں جانتے:

۱۔ اللہ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)
۲۔ آپ فرما دیں کہ غیب اللہ ہی کے لیے ہے۔ (یونس: ۲۰) (النمل: ۶۵) (ھود: ۳۱)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ

اور ہرگز خیال نہ کریں جولوگ بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو انہیں دیا اللہ سے

فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ

اپنا فضل وہ بہتر ان کے لیے بلکہ وہ بُرا ان کیلئے عنقریب طوق پہنائے جائینگے

مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

جو انہوں نے بخل کیا اس کے ساتھ قیامت کے دن اور اللہ کے لیے میراث آسمانوں اور زمین

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸ ۹ ۹

اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو باخبر

''جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ بخل کو اپنے لیے بہتر نہ سمجھیں بلکہ بخل کرنا ان کے لیے برا ہے عنقریب قیامت کے دن وہ بخل والی چیز ان کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔'' (۱۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مال اور جان اللہ کے راستے میں قربان کرنے چاہئیں۔ منافق مخلص مسلمانوں کو جہاد پر خرچ کرنے سے روکتے تھے اس لیے اُحد کے غزوہ پر تبصرہ کرتے ہوئے بخل کی مذمت کی گئی ہے۔

منافق مسلمانوں کو صرف جہاد فی سبیل اللہ سے دلبرداشتہ اور منع ہی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو مایوس کرنے کی کوشش بھی کرتے۔ ان کا اپنا حال یہ تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے دور بھاگتے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے بچنے کی کوشش کرتے اور ''اللہ'' کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بجائے اسے جمع رکھنے کے روّیے پر گامزن تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے یہاں تک مہم چلائی اور زبان درازی کرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہا کہ مسلمانوں کے ساتھ قطعاً تعاون نہیں کرنا چاہیے تاکہ یہ تنگ آکر مدینہ خالی کر دیں اس طرح مدینہ گھٹیا لوگوں سے پاک ہو جائے گا۔ [المنافقون:۸] یہاں منافقوں کے حوالے سے ہر کسی کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ غریبوں، مسکینوں اور جہاد فی سبیل اللہ پر خرچ کرنے کی بجائے بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے وہ جمع کرنے کی صورت میں ان کے لیے بہتر ہوگا بلکہ جس مال کو اپنے مستقبل کی بہتری کے لیے جمع کر رہے ہیں وہ ان کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ عنقریب درہم و دینار اور سونا چاندی جہنم میں تپا کر قیامت کے دن ان کے گلے کا ہار بنا دیے جائیں گے۔ ان بخیلوں اور کنجوسوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حقیقتاً اللہ ہی زمین و آسمان کی میراث کا وارث ہے۔ اگر یہ پلٹ کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو

جائے گا کہ زمین کی ملکیت کا دعویٰ کرنے اور دنیا کا مال ومتاع جمع کرنے والے ان سے پہلے لوگ کہاں ہیں؟ ان پر بھی وقت آئے گا جب ان کی جائیداد کا وارث دوسرا بنے گا تو پھر کیوں نہ یہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے مجبور بندوں پر خرچ کیا کریں۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔

{ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ } (التوبة:۳۵)

''قیامت کے دن مال کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغا جائے گا۔ کہا جائے گا یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تم چکھو جو کچھ جمع کرتے تھے۔''

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَامِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكَاةَ مَالِهٖ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ عُنُقِهٖ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهٗ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ} الآيَةَ»

(رواہ الترمذی: کتاب: تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آلِ عمران [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کو نبی کریم ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت یہ مال اس کی گردن میں گنجا سانپ بنا کر ڈالے گا۔ پھر آپ نے کتاب اللہ سے اس آیت کی تلاوت کی {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ}۔''

مسائل

۱۔ بخیل کے لیے اس کا بخل کرنا کبھی بہتر نہیں ہوگا۔ ۲۔ رزقِ حلال اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے رہنا چاہیے۔
۴۔ قیامت کے دن بخیل کا مال سانپ بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔
۵۔ زمین وآسمان کی حقیقی اور دائمی ملکیت اللہ ہی کی ہے۔ ۶۔ اللہ ہر کسی کے اعمال سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

بخل اور بخیل کا انجام:

۱۔ خزانے جمع کرنے والوں کو عذاب کی خوشخبری۔ (التوبہ:۳۴) ۲۔ بخیل اپنا مال ہمیشہ باقی نہیں رکھ سکتا۔ (ھمزہ:۳)
۳۔ بخیل کے مال کے ذریعے ہی اسے سزا دی جائے گی۔ (التوبہ:۳۵)
۴۔ مالدار بخل کو اپنے لیے اچھا تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔ (آل عمران:۱۸۰)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ

البتہ تحقیق سن لیا اللہ بات وہ لوگ انہوں نے کہا بیشک اللہ فقیر اور ہم مالدار

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ

اب ہم لکھ رکھیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا قتل کرنا انبیاء ناحق اور ہم کہیں گے تم چکھو عذاب

الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ج

جلانے والا یہ ا۔کا بدلہ جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھ اور بیشک اللہ نہیں ظلم کرنے والا بندوں پر

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا کہا سن لیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ان کا بلاوجہ انبیاء کو قتل کرنا اور ان کی بات کو ہم لکھ لیں گے اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلا دینے والا عذاب چکھو۔ (۱۸۱) یہ تمہارے پیش کردہ اعمال کا نتیجہ ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔'' (۱۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں میں بخل کا ماحول پیدا کرنے کے لیے یہودیوں نے منافقوں کو یہ کہہ کر مالی تعاون سے منع کیا کہ مسلمانوں کا رب کنگال ہو گیا ہے اور ہم مال والے ہیں یہاں ان کے بخل کی مذمت اور ان کی گستاخی کی سزا سنائی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسہ بیت المدراس میں فنحاص یہودی عالم کے پاس گئے۔ اسے فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے مسلمان ہو جاؤ۔ کیونکہ تو جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں اور یہ بات تورات وانجیل میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ فنحاص نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے محتاج نہیں۔ البتہ وہ ضرور ہمارا محتاج ہے اگر وہ ہمارا محتاج نہ ہوتا تو ہم سے قرضے کا مطالبہ نہ کرتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غصے میں آئے اور اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر ہمارا آپس کا معاہدہ نہ ہوتا تو اے اللہ کے دشمن! میں تیری گردن اڑا دیتا۔ فنحاص یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ فنحاص نے جب اپنی بات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

انفاق فی سبیل اللہ کی تحریک کے خلاف منافقوں نے اپنے طریقہ کے مطابق کوشش اور زبان درازی کی۔ لیکن یہودیوں نے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ اب یہ نبی اور اس کا خدا لوگوں سے قرض کے نام پر چندہ مانگ رہے ہیں۔ درحقیقت مسلمانوں کا خدا فقیر اور کنگال ہو گیا ہے ہم ان کے مقابلے میں غنی اور دولت مند ہیں۔ جو خود لوگوں سے مانگتا ہے وہ ہمیں کہاں سے دوگنا تگنا کر کے واپس کرے گا؟ [الرحیق المختوم]

اس ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی کے بارے میں فرمایا کہ جو کچھ یہ اپنی زبانوں سے نکال رہے ہیں۔ ہم نے اس کا ایک ایک حرف لکھ لیا ہے جس طرح ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا ریکارڈ ہو چکا ہے۔ گویا کہ جس طرح انہوں نے انبیاء کو قتل کیا اس طرح ہی

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تقدس کو پامال کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کی سزا یہ ہے کہ ہم قیامت کے دن انہیں کہیں گے کہ جس مال کو تم بچا بچا کر رکھتے تھے اب اسی مال کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کا عذاب چکھتے رہو۔جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اس کی سزا پائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں کرتا۔بے شک انسان اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا باغی ،کافر اور متکبر کیوں نہ ہو اسے اتنی ہی سزا ملے گی جتنا اس نے جرم کیا ہوگا۔

«عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا رَوَى عَنِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا...» (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کرتے ہیں۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندو! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کرنا حرام کرلیا ہے اور میں اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیتا ہوں۔پس تم آپس میں ظلم نہ کیا کرو۔''

مسائل

۱۔ یہودی اللہ تعالیٰ کو فقیر اور اپنے آپ کو مال دار کہتے ہیں۔

۲۔ یہودیوں کی ہرزہ سرائی اور ان کے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے انہیں جلا دینے والا عذاب ہوگا۔

۳۔ لوگوں کو قیامت کے دن وہی کچھ ملے گا جو آگے بھیجیں گے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ غنی ہے فقیر نہیں:

۱۔ اللہ کے ہاتھ فراخ ہیں جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔(المائدۃ:۶۴)

۲۔ زمین وآسمان کے خزانوں کا مالک ''اللہ'' ہی ہے۔(المنافقون:۷)

۳۔ زمین وآسمان کی کنجیوں کا مالک ''اللہ'' ہے۔(الزمر:۶۳) ۴۔اللہ تعالیٰ لوگوں کا رزق بڑھاتا اور کم کرتا ہے۔(العنکبوت:۶۲)

اللہ تعالیٰ ظلم پسند نہیں کرتا:

۱۔ اللہ تعالیٰ بلاوجہ عذاب دینا پسند نہیں کرتا۔(النساء:۱۴۷) ۲۔اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔(النساء:۴۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ نبی بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں دیتا۔(بنی اسرائیل:۱۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کو بھی کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔(ق:۲۹)

۵۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔(الحج:۱۰) ۶۔اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔(آل عمران:۱۴۰)

۷۔ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔(آل عمران:۱۱۷)

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا

وہ لوگ انہوں نے کہا بیشک اللہ اس نے عہد کیا ہماری طرف یہ کہ نہ ہم ایمان لائیں کسی رسول پر یہاں تک وہ لائے ہمارے

بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ

قربانی جسے کھالے آگ آپ فرمادیں بے شک تمہارے پاس آئے بہت سے رسول مجھ سے پہلے نشانیوں کے ساتھ

وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۸۳ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ

اور اس کے ساتھ جو تم کہتے ہو پھر کیوں تم نے انہیں قتل کیا اگر تم ہو سچے پھر اگر وہ جھٹلائیں آپ کو

فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝۱۸۴

تو تحقیق جھٹلائے گئے بہت سے رسول آپ سے پہلے وہ آئے کھلی نشانیوں کے ساتھ اور صحیفے اور کتاب روشن

''یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ فرما دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول اُن معجزات کے ساتھ آئے جن کا تم مطالبہ کر رہے ہو تو پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ (۱۸۳) اگر پھر بھی یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو تم سے پہلے بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو واضح دلائل، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔'' (۱۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ پر فقر کا الزام لگا کر یہودی مسلمانوں میں بخل کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کی ذات اور دین سے روکنے کے لیے قربانی کے جل کر خاکستر ہونے کی جھوٹی شرط پیش کرتے جس کی یہ کہہ کر تردید کی گئی ہے کہ پہلے انبیاء میں سے کچھ نے یہ معجزہ بھی دکھایا تھا پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟

یہودی کسی صورت بھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تھے اور ایسا ہی ان کا رویہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ بات بات پر اعتراضات، ہر مسئلے کو سوالات کے ذریعے الجھانے اور بال کی کھال اتارنے کی کوشش کرتے۔ جب نبی محترم ﷺ کے سامنے ہر طرح لاجواب ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ بات لگاتے کہ دراصل اے محمد (ﷺ)! ہم آپ پر اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی رسول پر ایمان نہیں لانا جب تک وہ رسول قربانی ذبح نہ کرے جسے تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سے آئی ہوئی آگ نگل جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں کے بار بار مطالبہ کی وجہ سے بعض انبیاء کے دور میں یہ واقعات رونما ہوئے کہ جونہی قربانی پیش کی گئی آسمان سے آگ آئی اس نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ قربانی اللہ کی بارگاہ میں مستجاب ہو چکی ہے اور یہ نبی سچا ہے۔

اس بات کو یہود نے اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا جیسے یہ نبوت کے لیے لازمی نشانی ہو۔ حالانکہ تورات اور انجیل میں نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کے لیے ایسی کسی شرط کا ذکر موجود نہیں ہے۔ اے نبی! ان سے پوچھئے کہ مجھ سے

پہلے بے شمار رسول ٹھوس اور واضح دلائل کے ساتھ آئے اور وہ چیز بھی انہوں نے کر دکھائی جس کا تم مطالبہ کرتے ہو اگر تم اپنی اس حجت میں سچے ہو تو بتاؤ کہ قربانی کے جل کر راکھ ہونے اور واضح دلائل آنے کے باوجود تم نے پہلے انبیاء کو قتل کیوں کیا؟ اس کے بعد آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بلاشبہ پہلے انبیاء کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔ جبکہ انبیاء واضح دلائل لے کر آئے تھے۔ حضرت داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام بھی روشن کتابوں اور کھلے معجزات کے ساتھ آئے تھے۔ جھٹلانے والوں نے ان کی بھی تکذیب کی۔

سورۂ یٰس میں یہاں تک بیان ہوا کہ ایک بستی میں پہلے ایک رسول آیا پھر دوسرے رسول بھیجے گئے اور ان کے بعد تیسرے نبی مبعوث کیے گئے جنہوں نے ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق فرمائی لیکن اس کے باوجود لوگوں نے تینوں نبیوں کو جھٹلایا اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

{ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ } (یٰس: ۱۳،۱۴)

''ان کے سامنے اس بستی کے رہنے والوں کی مثال بیان کرو۔ جن کے پاس پیغمبر تشریف لائے جب ہم نے ان کی طرف دو رسول مبعوث کیے تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا۔ ہم نے تیسرے کو بھیجا تینوں پیغمبروں نے لوگوں کو بتلایا کہ ہم رسول اور پیغمبر ہیں۔''

لہٰذا اے محبوب پیغمبر! تمہیں دل چھوٹا کرنے اور حوصلہ ہارنے کی ضرورت نہیں ایسا ہوا کرتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

{ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ } (الانعام: ۳۳)

''یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم ''اللہ'' کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ یہودی اپنی صداقت کے لیے من گھڑت دعوے اور جھوٹی نشانیاں پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیائے عظام کو معجزات اور آسمانی کتابیں پیش کرنے کے باوجود جھٹلایا گیا۔

تفسیر بالقرآن

حقائق کو جھٹلانا اہلِ کفر کا وطیرہ ہے:

۱۔ اہلِ کفر انبیاء کو جھٹلایا کرتے تھے۔ (ص: ۱۴) ۲۔ باطل پرست اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ (المائدۃ: ۸۶)

۳۔ کفار قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔ (الروم: ۱۶) ۴۔ کفار اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ (المائدۃ: ۱۰۳)

۵۔ اہلِ کتاب حقائق جاننے کے باوجود اللہ کی آیات کے منکر ہیں۔ (آل عمران: ۷۰)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

ہر	جان	چکھنے والی	موت	اور بیشک پورے پورے ملیں گے	تمہیں اجر	قیامت کے دن

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ

پھر جو	بچالیا گیا	سے	آگ	اور داخل کیا گیا	جنت	تو تحقیق وہ کامیاب ہوا

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

اور نہیں	دنیا کی زندگی	سوائے	سامان	دھوکا

''ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم پورے پورے اجر دیے جاؤ گے۔ پھر جو شخص آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا یقیناً وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔'' (۱۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: موت اور فکرِ آخرت کے ذریعے نصیحت کی گئی ہے کہ دنیا کے جس جاہ وجلال اور مال پر اترا کر نبی ﷺ کی نبوت کا انکار اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں خرافات بکتے ہو یہ تو ختم ہونے والی ہے۔

منکرین توحید و رسالت کا کردار بتلانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے موت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اے رسول ﷺ آپ کے مخالفوں نے دنیا میں ہمیشہ نہیں بیٹھ رہنا بالآخر ہر کسی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ قیامت کے دن تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں مکمل جزا اور ان کے کردار کی انہیں پوری پوری سزا دی جائے گی۔ جسے جہنم کی ہولناکیوں سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا یقیناً وہ کامیاب ہوا۔ یہ دنیا کی زندگانی محض نظر کا فریب اور دماغ کا غرور ہے۔ اسی وجہ سے یہ آپ کی ذات اور اللہ تعالیٰ کی آیات جھٹلا رہے ہیں حالانکہ یہ کرّ وفرّ اور ساز وسامان عارضی ہے۔ اس کے مقابلے میں آخرت کی جزا وسزا مستقل اور دائمی ہے۔ جب دنیا عارضی اور موت یقینی ہے تو عقل ودانش کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی زندگی کی فکر کرنی چاہیے۔

مسائل

۱۔ ہر کسی کو موت آکر رہے گی۔ ۲۔ یہ دنیا مکر وفریب کا سامان ہے۔
۳۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔
۴۔ جہنم کی آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہونے والا ہی کامیاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

نیکی کا پورا پورا اجر ملے گا:

۱۔ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ (آلِ عمران: ۱۷۱) ۲۔ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ھود: ۱۱۵)
۳۔ سب کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (النساء: ۱۷۳) ۴۔ تمہیں روزِ قیامت پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (آل عمران: ۱۸۵)

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

تم ضرور آزمائے جاؤ گے میں تمہارے مال اور تمہاری جانیں اور ضرور سنو گے تم سے وہ لوگ

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ

دیے گئے کتاب سے تم سے پہلے اور سے وہ لوگ انہوں نے شرک کیا دکھ بہت

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۱۸۶

اور اگر تم صبر و کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بیشک یہ سے ہمت کام (جمع)

''تم ضرور اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں آزمائے جاؤ گے اور تمہیں اپنے سے پہلے اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی۔ اگر تم صبر کرلو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بلاشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔'' (۱۸۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد میں مالی، جانی نقصان اور یہودیوں کی اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرزہ سرائی اور نبی ﷺ کی نبوت کی تصدیق کے لیے غلط ثبوت کا مطالبہ مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔ اس پر انہیں تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

یہ دنیا ہر کسی کے لیے آزمائش ہے خاص کر انبیاء اور مومنوں کے لیے اسے امتحان گاہ اور کڑی آزمائش کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ مومن کا مال اور اس کی جان آزمائش کی بھٹی میں اس لیے جھونکے جاتے ہیں تاکہ مال کا حق ادا کرنے کے بعد مومن کا مال خالص ہو جائے۔ مومنوں کو اس لیے آزمایا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے نمونہ بن کر زندگی بسر کریں۔ آزمائش اور امتحان کا یہ بھی مقصد ہے کہ مومن دین کی سربلندی اور لوگوں کی خیر خواہی کے لیے جتنی بھی قربانیاں پیش کریں۔ اس کے باوجود بھی غیر مسلم حسد و بغض کا مظاہرہ کرتے ہیں مسلمانوں کو حوصلے سے کام لینے چاہیے جس پر تسلی دینے کے لیے ارشاد ہوتا ہے اے مسلمانو! تم اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کے باوجود یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے باتیں سنو اور تکلیفیں اٹھاؤ گے۔ اگر صبر اور پرہیزگاری اختیار کرتے رہو تو یہ بڑے ہی عظمت والے کام ہیں۔ صاحبِ عزیمت لوگ ہی اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے والے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ چنانچہ وہ کونسی اذیت اور طعن ہے جو رسولِ محترم ﷺ کو نہیں دیا گیا۔ اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے آپ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ دکھ اٹھائے کہ جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو مال اور ان کی جانوں کے ساتھ ضرور آزمایا جائے گا۔

۲۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکوں سے مسلمان بڑی تکلیفیں اٹھائیں گے۔

۳۔ تکالیف پر صبر کرنا اور گناہوں سے بچنا بڑے عظیم کام ہیں۔

وَاِذْ	اَخَذَ	اللّٰهُ	مِيْثَاقَ	الَّذِيْنَ	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	لَتُبَيِّنُنَّهٗ
اور جب	لیا	اللہ	عہد پختہ	وہ لوگ	جو دیے گئے کتاب	تم اسے ضرور بیان کرو گے

لِلنَّاسِ	وَلَا	تَكْتُمُوْنَهٗ	فَنَبَذُوْهُ	وَرَآءَ	ظُهُوْرِهِمْ	وَاشْتَرَوْا
لوگوں کے لیے	اور نہ	تم اسے چھپاؤ گے	تو انہوں نے اسے پھینک دیا	پیچھے	اپنی پیٹھوں	اور انہوں نے خریدی

بِهٖ	ثَمَنًا	قَلِيْلًا	فَبِئْسَ	مَا	يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
ساتھ اس کے	قیمت	تھوڑی	تو برا ہے	جو	وہ خریدتے ہیں

''اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں۔ لیکن انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ بہت برا سودا ہے جو انہوں نے کیا ہے۔'' (۱۸۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کے من گھڑت بہانے کی تردید کرنے کے بعد انہیں اظہارِ حق کے عہد کی یاد دہانی کروائی گئی ہے۔

یہود و نصاریٰ نہ صرف نبی آخر الزماں ﷺ کے اوصاف اور آپ کی نبوت کے ٹھوس دلائل چھپاتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ہر اُس بات کو تورات اور انجیل سے نکال دیا ہے جو ان کے مفادات کے خلاف ہے حالانکہ ان سے اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا ہے کہ تم اللہ کے احکامات کو چھپانے کی بجائے انہیں کھول کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرو گے۔ لیکن انہوں نے اس عہد کو اس طرح فراموش کر دیا اور دور پھینکا جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو اپنے پیچھے پھینک کر الٹے منہ دیکھ نہیں سکتا۔ دنیا کے وقتی وقار، عارضی اقتدار، معمولی فائدے اور چند مڑیوں کی خاطر انہوں نے اللہ کے احکام کو بیچ ڈالا۔ پھر اپنے کیے پر افسوس کرنے کی بجائے اس پر اتراتے ہیں۔ بڑا ہی بُرا کردار اور سودا ہے جو انہوں نے اختیار کیا۔

حضرت حسن بصری کی والدہ حضرت ام المومنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں۔ اس بنا پر حسن بصری نے حضرت ام المومنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پرورش پائی وہ اس آیت کی تصریح میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے بالواسطہ امت محمدیہ کے علماء سے بھی لیا ہے کہ وہ حق کو چھپانے کی بجائے ہر حال میں اسے بیان کرتے رہیں گے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا اپنا کردار یہ تھا کہ وہ حجاج بن یوسف پر سرِ عام تنقید کرتے۔ ایک دن حجاج نے انہیں بلا کر تلوار لہراتے ہوئے پوچھا کہ آپ میرے بارے میں یہ یہ باتیں کرتے ہیں؟ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے وہی باتیں حجاج کے روبرو کہتے ہوئے فرمایا کہ ہاں جب تک تم ان جرائم سے باز نہیں آؤ گے میں تمہیں ٹوکتا رہوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ آیات کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے سچ بولنے کا وعدہ لیا ہے جس کی پاسداری کرنا ہمارا فرض ہے۔ (تفسیر رازی)

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب نے دنیا کے تھوڑے سے مفاد کی خاطر اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈالا اور تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ دیا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ

آپ ہرگز نہ سمجھیں جولوگ خوش ہوتے ہیں اس کے ساتھ جو وہ لائے اوروہ چاہتے ہیں یہ کہ

يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ

ان کی تعریف کی جائے اس پر جو انہوں نے نہیں کیا پس ہرگز آپ انہیں نہ سمجھیں کامیاب سے عذاب

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

اوران کے لیے عذاب دردناک

''وہ لوگ جو اپنے کیے پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے آپ انہیں ہرگز عذاب سے نجات پانے والے نہ سمجھیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''(۱۸۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآنِ مجید تحریری شکل میں نازل نہیں ہوا یہ پُرمغز خطابی انداز میں نازل ہوا ہے اس لیے مخاطب کو سمجھانے کے لیے جس پیرائے اور الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے وہی استعمال ہوتے ہیں جو موقعہ کے مطابق ہوں جس بنا پر بات کا تعلق بہت پیچھے کی بات سے جوڑ کر اسے کسی دوسرے انداز میں سمجھایا جاتا ہے یہاں یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس دین کی مخالفت اور دنیا کی خاطر تم بخل اور خوشامد کرتے ہو اس وجہ سے جو تمہارا انجام ہونے والا ہے اس کی طرف توجہ دو۔

انسان کی اخلاقی گراوٹ کی انتہا دیکھنا ہو تو اس شخص کے کردار کی طرف دیکھیے جو گناہ پر معذرت کرنے کی بجائے اس پر اصرار کرتے ہوئے خوش ہوتا اور فخر محسوس کرتا ہے۔ ایسے آدمی کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ صرف صحت مند تنقید سننا گوارا ہی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے عمل اور ناپسندیدہ کردار کی بھی تعریف چاہتا ہے۔ جس شخص کی یہ حالت ہو جائے اس کے سنورنے کی تمام صورتیں ختم ہو جایا کرتی ہیں۔ اگر ایسا شخص کسی ملک یا قوم کا سربراہ ہو تو ہلاکت اس قوم کا مقدر ہوا کرتی ہے۔ اہل کتاب کے علماء اور زعماء کی یہی حالت تھی کہ وہ ہر حال میں اپنی تعریف سننا پسند کرتے تھے یہاں تک کہ جس کام کے ساتھ ان کا دور کا تعلق نہ ہوتا اس کی بھی تعریف چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ مفاد پرست اور جاہل لوگ ان کی ذات اور خاندان میں وہ وہ خوبیاں ظاہر کرنے کی کوشش کرتے جن کا ان کے ہاں تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اپنی کردہ اور ناکردہ خدمات کی تعریف چاہنے والا شخص مغرور، ریاکار اور خود پسند ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے کردار کے حامل لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ آخرت میں بھی ان کی تعریف اور خوشامد ہوگی اور وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ ہرگز نہیں ان کے لیے تو ربِ ذوالجلال نے نہایت ہی تکلیف دہ عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس طرح کی اخلاقی بیماریوں سے بچنے اور بچانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کسی کے روبرو تعریف کرنے والے کے بارے میں فرمایا ایسا شخص دوسرے کو کند چھری کے ساتھ ہلاک کرتا ہے۔

«عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ إِيَّاكُمْ وَالتَّمَادُحَ فَإِنَّهُ الذَّبْحُ» (سنن ابن ماجه: باب المدح [حسن])

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! منہ پر تعریف کرنے سے بچو کیونکہ یہ ذبح کرنے کے مترادف ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نَحْثُوَ فِي أَفْوَاهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ»

(رواہ الترمذی: کتاب الزھد، باب ماجاء فی کراھیۃ المدحۃ والمداحین [صحیح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم کسی کے منہ پر تعریف کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈالیں۔''

«عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ اسْتَأْذَنَ ابْنُ عَبَّاس رضی اللہ عنہما قَبْلَ مَوْتِهَا عَلَى عَائِشَةَ وَهِيَ مَغْلُوبَةٌ قَالَتْ أَخْشَى يُثْنِي عَلَيَّ فَقِيلَ ابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمِنْ وُجُوهِ الْمُسْلِمِينَ قَالَتْ إِئْذَنُوا لَهُ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدِينَكِ قَالَتْ بِخَيْرٍ إِنِ اتَّقَيْتُ قَالَ فَأَنْتِ بِخَيْرٍ إِنْ شَآءَ اللهُ زَوْجَةُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَمْ يَنْكِحْ بِكْرًا غَيْرَكِ وَنَزَلَ عُذْرُكِ مِنَ السَّمَاءِ وَدَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ خِلَافَهُ فَقَالَتْ دَخَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما فَأَثْنَى عَلَيَّ وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا»(رواہ البخاری: باب ولو لا إذ سمعتموہ قلتم مایکون لنا أن نتکلم بھذا)

''ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب موت کے قریب تھیں تو اس وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ وہ میری تعریف نہ کرنے لگیں۔ کسی نے عرض کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور عزت دار ہیں اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انہیں اندر بلالو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا کہ آپ کس حال میں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں اللہ سے ڈرنے والی ہوں تو اچھا ہی اچھا ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان شاء اللہ آپ اچھی ہی رہیں گی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی خدمت میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ ابھی ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے تھے اور میری تعریف کی کاش! میں بھولی بسری گمنام ہو چکی ہوتی۔''

مسائل

۱۔ جو لوگ ہر کام پر اپنی تعریف چاہتے ہیں وہ آخرت کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

تفسیر بالقرآن

اپنی تعریف کروانا بہتر نہیں:

۱۔ خواہ مخواہ تعریف کروانے والا جہنم میں جائے گا۔ (آلِ عمران: ۱۸۸) ۲۔ اپنی پاک دامنی کا دعویٰ کرنا بہتر نہیں۔ (النجم: ۳۲)

۳۔ اللہ کے نیک بندے شکریہ سے مبرّا ہوتے ہیں۔ (الدھر: ۹) ۴۔ پاک وہی ہے جسے اللہ پاک فرمائے۔ (النساء: ۴۹)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ

اور اللہ کے لیے بادشاہت آسمانوں اور زمین اور اللہ پر ہر چیز قادر بیشک میں

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

پیدائش آسمانوں اور زمین اور آنا جانا رات اور دن البتہ نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے

''آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱۸۹) آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''(۱۹۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ریاکاروں، کنجوسوں، خوشامدیوں اور اللہ کے منکروں کو سوچنا چاہیے کہ زمین وآسمان کی بادشاہی اور ملکیت کس کے پاس ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس لیے حقیقی اور دائمی تعریف اسی کے لیے ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر اختیار رکھتا ہے۔

اگر سمجھنا چاہو تو اس نے زمین وآسمان کے درمیان اور لیل ونہار کے آنے جانے میں بہت سی نشانیاں رکھ دی ہیں دوسری طرف مسلمانوں کو سمجھایا کہ جس طرح رات اور دن کا آنا جانا ہے اسی طرح زندگی میں دُکھ، سُکھ، خوشی، غم، کامیابی اور ناکامی ایک دوسرے کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اس میں مومن کے لیے خوش خبری اور اطمینان کا سبق ہے۔

''لُبّ'' کا معنی ہے عقل اور الباب اس کی جمع ہے۔ زمین وآسمان کی ملکیت تو ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی خدائی کا ثبوت چاہتے ہو تو زمین وآسمان کی پیدائش اور لیل ونہار کی گردشوں پر غور کرو۔ لہٰذا ہر قسم کی تعریف ذاتِ کبریا کو لائق ہے اور وہی زمین وآسمان کا مالک اور ان کے چپے چپے پر اختیار اور اقتدار رکھنے والا ہے۔ لیکن اس کی نشانات ِقدرت پر عقل مند ہی غور وخوض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر خوش ہونے اور اپنی تعریف کروانے والے لوگ اس کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ ہر چیز پر اسی کا کنٹرول ہے۔

مسائل

۱۔ آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۲۔ زمین وآسمان کی تخلیق، رات اور دن کی تبدیلی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات ہیں۔

تفسیر بالقرآن

سب کچھ اللہ ہی کی ملکیت ہے:

۱۔ مشرق ومغرب اللہ کے لیے ہیں۔(البقرۃ:۱۴۲) ۲۔ زمین وآسمان اللہ کی میراث ہیں۔(آلِ عمران:۱۸۰)

۳۔ زمین وآسمان پر اللہ کی بادشاہی ہے۔(آلِ عمران:۱۸۹) ۴۔ قیامت کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہوگی۔(الفرقان:۲۶)

الَّذِيْنَ	يَذْكُرُوْنَ	اللّٰهَ	قِيٰمًا	وَّقُعُوْدًا	وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ
جولوگ	یادکرتے ہیں	اللہ	کھڑے	اور بیٹھے	اور پر اپنی کروٹیں
وَيَتَفَكَّرُوْنَ	فِيْ	خَلْقِ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ۚ	رَبَّنَا مَا
اور وہ غور کرتے ہیں	میں	پیدائش	آسمانوں	اور زمین	اے ہمارے رب نہیں
خَلَقْتَ	هٰذَا	بَاطِلًا ۚ	سُبْحٰنَكَ	فَقِنَا	عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾
تونے پیدا کیا	یہ	بے فائدہ	تو پاک ہے	تو ہمیں بچا	عذاب آگ (دوزخ)

''جولوگ اللہ کا ذکر کھڑے، بیٹھے اور اپنی پہلوؤں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے اور کہتے ہیں اے پروردگار تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''(۱۹۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کے بندے ہر حال میں اس کے شکر گزار، اس کی عبادت میں محو اور اس کے ذکر و فکر میں مشغول رہتے ہیں، یہی دانشمندی ہے۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل اور حاکمِ مطلق ہے۔ اگر وہ چاہتا تو صرف حکم دیتا کہ میری ذات اور بات مانو لیکن اس نے اپنی ذات کو حاکم کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ خالق و مالک اور رحمن و رحیم کے طور پر تسلیم کرنے کی دعوت دی ہے اس لیے وہ انسان کو اس کی تخلیق، اپنی قدرتوں اور کائنات کی بناوٹ اور سجاوٹ پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ عقل و فکر اور دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ اس پر ایمان لایا جائے۔ ایسا ایمان ہی آدمی کی فکر میں تبدیلی اور اس کے کردار میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ اسی بنا پر قرآنِ مجید بار بار آدمی کی توجہ کائنات کی تخلیق اور اللہ کی قدرت و سطوت کی طرف دلاتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن انسان کو اپنے اندر جھانکنے کی دعوت دیتا ہے کیونکہ یہی لوگ غور و فکر اور دلائل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی بات اور ذات کو مانتے اور یاد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کے تین طریقے ہیں کیونکہ آدمی تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہی ہوتا ہے۔ کھڑا، بیٹھا اور لیٹا ہوا۔ چلنے پھرنے کی حالت کھڑے ہونے میں شمار ہوتی ہے۔ ذکر کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا ادراک و اعتراف کرتے ہوئے اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کی جائے اور زندگی بسر کی جائے۔

جب اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعور نصیب ہو جائے تو پھر انسان ان تینوں حالتوں میں جس حالت میں بھی ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔ نماز افضل ترین ذکر ہونے کی بنا پر فرض ہے۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَتْ بِيْ بَوَاسِيْرُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ: صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ» (رواہ البخاری: باب إذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب)

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بواسیر کی تکلیف تھی تو میں نے نبی ﷺ سے نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر بیٹھ کر پڑھ اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھو۔''

شعور کی دولت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اس کی تخلیقات اور زمین و آسمان کی بناوٹ وسجاوٹ پر فکر وتدبر اختیار کرے۔ پھر انسان کے جسم کا ایک ایک رونگٹا اور دل کا ایک ایک گوشہ پکار اٹھتا ہے کہ اے ہمارے رب! تو نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ اس لیے ہر چیز تیری حکمت اور حکم کے مطابق اپنی تخلیق کے مقصد پر لگی ہوئی ہے۔ اے ہمارے رب! تو ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم نے نافرمانیاں کر کے اپنے آپ کو ناپاک بنایا اور اپنی زندگی کے مقصد کو کھویا اور اپنے آپ کو ضائع کر لیا ہے۔ ہماری تیرے حضور التجا ہے کہ ہمیں معاف فرما کر آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ (آمین)

غور وفکر کے نتائج اور سائنسدانوں کے مشاہدات

ماہر طبقات الارض جے، ڈبلیو ڈاسن:

''حق تو یہ ہے کہ عبادت کا فلسفیانہ تصور پیدا کرنے کے لیے اصول وقوانین پر ایمان لانا لابدی ہے۔ اگر کائنات بے ترتیب اتفاقات کا نتیجہ ہوتی یا محض کسی ضرورت یا حاجت کی پیداوار ہوتی تو سوچ سمجھ کر عبادت کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہ آتی۔ جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کائنات ایک حکیم ودانا کی تدبیر کا مظہر ہے وہی ذاتِ بے ہمتا اسے کمال حکمت ودانائی سے چلا رہی ہے اسی حالت میں ہمارے دل میں یہ احساس اُبھرتا ہے کہ ہم اس بے مثل ذات کو ہر چیز کا آقا ومولیٰ تصور کر کے، اس کی بے پناہ دانائی اور محبت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں۔''

جہاں تک میرے شعبے کا تعلق ہے ہم لوگ ہر چیز کو وسیع پیمانے پر دیکھنے کے عادی ہیں۔ وقت کا شمار تاریخ ارضی کے پچاس کھرب سال اکائیوں میں کرتے ہیں اور فضا کا اندازہ زمین کے محیط سے اور عملِ کائنات کا اندازہ عالمی گردش سے کرتے ہیں۔ ان تمام اندازوں کی وسعت سے ناگزیر طور پر عقیدہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو انسان مذہب کا دلدادہ نہ ہو وہ بھی ان حیرت پرور اشیاء کو دیکھ کر اپنے دل میں خوف وہیبت محسوس کرتا ہے اور اسے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ:

''آسمان خدا کی عظمت کے شاہد ہیں اور یہ کائنات اس کے کرشمۂ تخلیق کا ثبوت ہے۔''

مرلن گرانٹ سمتھ (ماہر ریاضیات وفلکیات):

خدا کے بارے میں انسان کے دل میں جو سوال پیدا ہوتا ہے اس کا خالق اور مخلوق دونوں کے سامنے جواب دہی سے بڑا قریبی تعلق ہے اس لیے جواب کا فیصلہ کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اگر خدا ہے تو وہ صرف ہمارا پیدا کرنے والا

ہی نہیں ہے بلکہ ہمارا مالک وآقا بھی ہے اس لیے ہمیں اس کے دونوں قسم کے پسندیدہ افعال واعمال کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں، یعنی ان افعال کے بارے میں بھی جن کا تعلق براہِ راست خدا سے ہے اور ان کے بارے میں بھی جن کا تعلق ہمارے ہم جنس انسانوں سے ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بہت چوٹی کے اہلِ علم نے حال ہی میں اس بات کا بالواسطہ یا بلاواسطہ اعتراف کیا ہے کہ خدا ہے۔ میں ان میں چند اقوال یہاں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

مثلاً سر جیمز جینز کہتے ہیں:

''ہماری کائنات ایک بڑی مشین کے مقابلے میں ایک عظیم خیال سے زیادہ مشابہ ہے یہ بات ایک سائنسی حقیقت کی طرح نہیں بلکہ گمان کے طور پر کہتا ہوں کہ یہ کائنات کسی بڑے آفاقی ذہن کی پیداوار ہے جو ہمارے تمام ذہنوں سے مطابقت رکھتا ہے اور سائنس کے تصوّرات بھی اب اسی طرف اقدام کرتے نظر آتے ہیں۔''

جارج رومینس جو ایک بڑا فاضل حیاتیات ہے لکھتا ہے:

''علمِ نجوم کی نئی معلومات سے جن کا حصول نئی میکانیات اور ذراتی علم کی بنا پر ممکن ہوا ہے کائنات کی طبیعیاتی بلندیوں خصوصاً اس مسلسل عمل اور ردِّ عمل کو دیکھ کر ہمارے دماغ چکرا گئے ہیں جو وہاں نظر آرہا ہے۔

یہ تمام بلکہ ان سے اور بھی زیادہ معلومات کا حصول اس مسلسل تلاش وجستجو کا مرہونِ منّت ہے جو اسباب اور ان کے پس پردہ نتائج معلوم کرنے کے لیے جاری ہے۔ اسباب ونتائج کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دونوں معنوی طور پر ایک وحدت ہیں۔ ہم انسان اور ہمارے گردوپیش کی دنیا سب مل کر نتائج کا ایک مجموعہ ہیں اور اس مجموعہ کی تہہ میں اس کے پسِ پشت ایک غیر مرئی سبب اور ازلی علّت موجود ہے جس کو میں خدا کہتا ہوں۔''

(ماخوذ از: خدا موجود ہے، چالیس سائنسدانوں کی شہادت)

مسائل

۱۔ اللہ کے بندے اٹھتے بیٹھتے اور اپنے بستروں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی قدرتوں پر غور وخوض کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دعوتِ فکر:

۱۔ حق پہچاننے کے لیے آفاق پر غور کرنے کی دعوت۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۵۳)

۲۔ اپنی ذات پر غور وفکر کی دعوت۔ (الذاریات: ۲۱) ۳۔ رات کے سکون پر غور کرنے کی دعوت۔ (القصص: ۷۲)

۴۔ دن رات کے بدلنے میں غور وخوض کی دعوت۔ (المومنون: ۸۰) ۵۔ شہد کی بناوٹ پر غور کرنے کی دعوت۔ (النحل: ۶۹)

۶۔ ہم نے بابرکت کتاب نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔ (ص: ۲۹)

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا

اے ہمارے رب بیشک تو جو تو داخل کردے آگ (دوزخ) تو یقیناً تو نے اس کو رسوا کیا اور نہیں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ

ظالموں کے لئے سے مددگار اے ہمارے رب بیشک ہم ہم نے سنا پکارنے والا پکارتا ہے

لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۣ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

ایمان کے لیے یہ کہ ایمان لے آؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لائے اے ہمارے رب تو بخش دے ہمیں ہمارے گناہ

وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا

اور دور کردے ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں موت دے نیکوں کے ساتھ اے ہمارے رب اور ہمیں دے جو

وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

تو نے ہم سے وعدہ کیا تیرے رسول پر اور ہمیں رسوا نہ کرنا قیامت کے دن بیشک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ

''اے ہمارے پالنے والے! جسے تو نے جہنم میں ڈال دیا یقیناً تو نے اسے ذلیل کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۱۹۲) اے ہمارے رب! ہم نے ایمان کی دعوت دینے والے کی پکار کو سنا کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری کوتاہیاں ہم سے دور کردے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت نصیب فرما۔ (۱۹۳) اے ہمارے پالنے والے! ہمیں وہ کچھ عطا فرما جس کا وعدہ آپ نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۱۹۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی یاد کا تقاضا ہے کہ انسان کی فکر کا نتیجہ مثبت ہو اور وہ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اس کے عذاب سے پناہ اور اس کی عطاؤں کا طلب گار رہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسے فکر و عمل کا حامل مرد ہو یا عورت کسی ایک کے اجر کو ضائع نہیں کیا جائے گا۔

حقیقی دانشمند لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات اور عجائبات دیکھنے کے بعد نہ صرف ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکامات کو یاد رکھتے ہیں بلکہ وہ برملا اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے خالق و مالک نے زمین و آسمان کی کسی چیز کو بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کر رہی ہے۔ اس حقیقت کے اعتراف کے بعد انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ انسان بھی ایک عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ مقصد اللہ تعالیٰ کی غلامی میں رہتے ہوئے دنیا میں اس کی خلافت کا حق ادا کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول میں صادر ہونے والی کمزوریوں کا

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

پس قبول کی ان کی ان کا رب بیشک میں نہیں ضائع کرتا محنت کوئی محنت کرنے والا تم میں سے

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

سے مرد یا عورت بعض تمہارا سے بعض سو جو لوگ انہوں نے ہجرت کی

وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا

اور نکالے گئے سے اپنے شہروں اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

میں ضرور دور کروں گا ان سے ان کی برائیاں اور ضرور انہیں داخل کروں گا باغات بہتی ہیں سے ان کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

نہریں ثواب سے اللہ کے پاس اور اللہ اس کے پاس اچھا ثواب

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی۔ میں کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل ہرگز ضائع نہیں کرتا وہ عورت کے ہوں یا مرد کے کیونکہ تم ایک دوسرے سے ہو۔ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنہیں میری راہ میں ستایا گیا اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے میں ہر صورت ان کے گناہ ان سے ختم کر دوں گا اور یقیناً انہیں ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔'' (۱۹۵)

احساس کرتے ہوئے ایماندار پکار اٹھتا ہے۔ الٰہی! ہم نے اس مقصد کو پانے میں کوتاہی کی۔ ہماری تیرے حضور عاجزانہ التجا ہے کہ تو اپنی ناراضگی اور جہنم کی آگ سے بچائے رکھنا۔ کیونکہ جو جہنم کی آگ میں داخل ہوا اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اور وہ ذلیل وخوار ہو جائے گا۔ اس کے بعد مومنوں کی چھ دعاؤں کا ذکر اور ان کی قبولیت کا بیان ہوتا ہے۔ ہمیں ان دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اے ہمارے رب! ہم نے تیری قدرتوں کے نشانات دیکھے! ہم نے تیرے رسول کی دعوت کو قبول کیا۔ ہم تیری ذات پر ایمان لائے کہ تو ہی ہمارا خالق، رازق اور مالک ہے۔ ہماری عاجزانہ درخواست ہے کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہمیں گناہوں اور غلطیوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرما اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ فرما اور جو تو نے اپنے انبیاء کے ذریعے اپنے بندوں کے ساتھ وعدے فرمائے وہ سب کچھ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ذلت و رسوائی سے محفوظ فرمانا۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

مومنوں کا کردار اور اخلاص دیکھ کر اللہ تعالیٰ اپنی شفقت و مہربانی سے جواب عنایت فرماتا ہے کہ ان کے رب نے ان

کے اخلاص، کردار اور دعاؤں کو قبول کرلیا ہے۔ اُس کا اعلان ہے کہ مرد ہو یا عورت کسی نیک عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی یا انہیں ان کے گھروں سے جبراً نکال دیا گیا میرے راستے میں انہوں نے دکھ اٹھائے، لڑے اور شہید ہوئے ان کے گناہوں کو ضرور معاف کیا جائے گا اور ان کے لیے باغات ہوں گے۔ جن میں نہریں جاری ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے اجر وثواب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین عطا اور جزا ہے۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُولُونَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيَقُولُ هَلْ رَضِيتُمْ فَيَقُولُونَ وَمَالَنَا لَا نَرْضَى وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالُوا يَا رَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَيَقُولُ أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا»

(رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں کو فرمائے گا کہ اے جنتیو! جنتی عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو؟ جنتی کہیں گے ہم کیوں راضی نہ ہوں۔ کیونکہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز دینا چاہتا ہوں۔ جنتی کہیں گے اے ہمارے رب! اس سے افضل چیز کون سی ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر راضی ہوگیا ہوں اور اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔''

مسائل

۱۔ جسے اللہ تعالیٰ نے آگ میں داخل کردیا وہ ذلیل ہوا اور اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

۲۔ نیک اعمال کرنے والی عورت ہو یا مرد اللہ تعالیٰ کسی کا عمل ضائع نہیں کرے گا۔

۳۔ اللہ کے راستے میں لڑنے، مرنے، تکلیف اٹھانے اور ہجرت کرنے والے کے گناہ معاف فرما کر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نماز ضائع نہیں کرے گا۔ (البقرۃ: ۱۴۳) ۲۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (آلِ عمران: ۱۷۱)

۳۔ نیکوکار کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (التوبہ: ۱۲۰) ۴۔ مصلح کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (الاعراف: ۱۷۰)

۵۔ نیک عمل کرنے والے کا عمل برباد نہیں ہوگا۔ (الکہف: ۳۰) ۶۔ کسی مرد وزن کی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ (آلِ عمران: ۱۹۵)

۷۔ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ھود: ۱۱۵) ۸۔ سب کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (النساء: ۱۷۳)

لَا يَغُرَّنَّكَ	تَقَلُّبُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	فِي	الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾	مَتَاعٌ
ہرگز نہ دھوکہ دے آپ کو	چلنا پھرنا	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	میں	شہروں	فائدہ
قَلِيْلٌ ۚ	ثُمَّ	مَاْوٰىهُمْ	جَهَنَّمُ ۭ	وَبِئْسَ	الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾	
تھوڑا	پھر	ان کا ٹھکانا	دوزخ	اور برا	بچھونا	

''آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکا نہ دے۔(۱۹۶) یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''(۱۹۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اپنی بادشاہی اور زمین وآسمانوں میں قدرت کی نشاندہی، ان پر مومنوں کی سوچ اور دعاؤں کے بعد ان کو ان کا بہتر انجام بتانے کے بعد نصیحت کی جارہی ہے کہ کفار کے کرّوفر پر فریفتہ نہیں ہونا، یہ تو دنیا کی زندگی کا عارضی سامان ہے تمہیں جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں نظر میں رکھنی چاہیے جو تمہیں عطا کی جائیں گی۔

قرآنِ مجید انسان کو بار بار یہ حقیقت بتلاتا اور سمجھاتا ہے کہ دنیا اور اس کی ہر چیز عارضی، ناپائیدار اور بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ نادان ہے وہ انسان جو اس کی زیب وزینت پر فریفتہ ہو کر اپنی زندگی کے اصل مقصد کو کھو بیٹھتا ہے۔ اس دنیا کی شادابی اور حسن وزیبائی نظر کا فریب اور دماغ کا دھوکا ہے جس کے پیچھے لگ کر آدمی اپنی دائمی زندگی اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو فراموش کرتا اور لامتناہی مستقبل کو تاریک کر کے جہنم کا خریدار بن جاتا ہے۔

یہ طرزِ حیات ایک مومن کا نہیں بلکہ اللہ کے منکر اور باغی کا ہوا کرتا ہے۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر بظاہر نبی محترم ﷺ کو مخاطب کیا ہے لیکن حقیقتاً ایمانداروں کو تاریک مستقبل اور جہنم کی ہولناکیوں سے بچنے کا احساس دلایا گیا ہے کہ دنیا کا سروسامان اور عیش وعشرت نہایت مختصر ہے۔ لہٰذا کفار کے کرّوفر، شان وشوکت اور ان کی زندگی کی چہل پہل مومنوں کو عظیم مقصد سے غافل اور اس غلط فہمی کا شکار نہ کردے کہ شاید ''اللہ'' ان پر راضی ہے جس کی وجہ سے انہیں دنیا کی ترقی سے نوازا گیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ دنیا کی حقیقت یہ ہے:

«لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَاسَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ»(رواہ الترمذی: کتاب الزھد [صحیح])

''اگر دنیا کی قدر ومنزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا میں کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا۔''

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ ایک چٹائی پر سوئے تو آپ کے پہلو پر نشان پڑ گئے۔ ہم نے عرض کی اللہ کے رسول! اگر ہم آپ کے لیے اچھا سا بستر تیار کردیں؟ آپ نے فرمایا میرا دنیا کے ساتھ ایک مسافر جیسا تعلق ہے جو کسی درخت کے نیچے تھوڑا سا آرام کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دیتا ہے۔''(رواہ الترمذی: کتاب الزھد [صحیح])

مسائل

۱۔ کفار کی ترقی اور عیش وعشرت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ ۲۔ کافروں کے لیے بالآخر جہنم ہوگی۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

لیکن جولوگ ڈرتے رہے ان کارب ان کے لیے باغات بہتی ہیں سے ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ہمیشہ رہنے والے اس میں مہمانی سے اللہ کے پاس اور جو اللہ کے پاس بہتر نیک لوگوں کے لیے

''جولوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مہمان نوازی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے۔''(۱۹۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کی شان وشوکت پر فریفتہ ہونے کی بجائے جنت کی نعمتوں پر نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو اسلام کی سربلندی، ذاتی کردار اور اپنی ترقی پر محنت کرنا چاہیے۔

قرآنِ مجید اپنے اسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے یہاں بھی کفار کی سزا کا ذکر کرنے کے فوراً بعد مومنوں کے صلہ اور انعام کا ذکر کرتا ہے۔ تاکہ کتابِ الٰہی کی تلاوت کرنے والا فوری طور پر دو کرداروں اور ان کے انجام کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی اصلاح پر غور کرے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جولوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اجتناب اور دنیا پر فریفتہ ہونے سے بچے رہے۔ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں جن میں ہر دم نہریں اور آبشاریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو وہاں نہ مشقت ہوگی اور نہ کسی قسم کی پریشانی، بلکہ وہ تو ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ ایسے نیکوکار لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا ہی انعام واکرام ہوگا۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی گرامی ﷺ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا جنت میں اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ تم تندرست ہی رہو گے کبھی بیمار نہ ہوگے، تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی فوت نہ ہوگے، تم ہمیشہ جوان رہو گے کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا اور تم ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے ان سے تمہیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ یہ اللہ کا فرمان ہے کہ جنتیوں کو آواز دے کر بتایا جائے گا کہ یہ جنت ہے جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے کیونکہ تم نیک اعمال کرتے تھے۔''(رواہ مسلم: کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا)

مسائل

۱۔ رب سے ڈرنے والوں کے لیے ہمیشہ کی جنت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی مہمان نوازی:

۱۔ مومن جنت الفردوس میں مہمان ہوں گے۔(الکہف: ۱۰۷) ۲۔ مومنوں کی جنت میں مہمان نوازی ہوگی۔(السجدۃ: ۱۹)
۳۔ مہمان نوازی رب رحیم کی طرف سے ہوگی۔(حٰمٓ السجدۃ: ۳۲)

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ

اور بیشک سے اہلِ کتاب البتہ جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

اُتارا گیا ان کی طرف عاجزی کرنے والے اللہ کیلئے نہیں خریدتے اللہ کی آیات کے ساتھ قیمت تھوڑی

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

یہی لوگ ان کے لیے ان کا اجر پاس ان کا رب بیشک اللہ جلد کرنیوالا حساب

''یقیناً اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے اور جو ان کی جانب نازل کیا گیا اس پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو معمولی قیمت پر نہیں بیچتے۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔'' (۱۹۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں کے بعد اہلِ کتاب میں سے ایمان والوں کا ذکر اور اجر بیان کیا جاتا ہے۔

اس سورت میں یہودیوں کے کردار کا ضمناً اور عیسائیوں کے کردار اور عقائد کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے۔ جس میں ان کے فکر وعمل کی کمزوریوں کی نشان دہی کی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وضاحت فرمائی ہے کہ اہل کتاب تمام کے تمام ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے، شب زندہ دار، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والے بھی ہیں۔ اس فرمان سے پہلے مومنوں کی دعاؤں کی قبولیت اور بلا امتیاز ان کو اجر وثواب کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اب اختتام پر ضروری سمجھا گیا ہے کہ اہل کتاب کے ان لوگوں کو اطمینان دلایا جائے جو تورات اور انجیل کے بعد قرآنِ مجید پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو دنیا کی حقیر اور قلیل قیمت کے بدلے فروخت کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ انہوں نے دنیا میں معمولی صلہ پانے کی بجائے آخرت کے اجر وثواب کی خاطر ایسا کیا ہے۔ جس بنا پر انہیں یہ تسلی دی گئی ہے کہ ان کا اجر ان کے رب کے ہاں محفوظ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ بہت جلد عطا کرنے والا ہے۔

''حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ہیں جنہیں دوہرا اجر ملے گا۔ ① اہل کتاب میں سے جو اپنے نبی اور محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔ ② غلام جو اللہ کا حق ادا کرنے کے ساتھ اپنے مالک کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ ③ ایسا آدمی جس کے پاس لونڈی ہو اس نے اس کی اچھی تعلیم وتربیت کی پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔'' (رواہ البخاری: کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمتہ وأھلہ)

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے لیے اللہ کے ہاں بڑا اجر ہوگا۔ ۲۔ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۲۰۰ ع ۲۰ ۱۱ ۱۱

اے جولوگ وہ ایمان لائے تم صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور جنگ کی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ

''اے ایمان والو! ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کی تیاری کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (۲۰۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنت کی نعمتوں کے حصول اور اسلام کی سربلندی کے لیے مومنوں کو امن ہو یا جنگ ہر حال میں اللہ سے ڈرنا اور ثابت قدم رہنا ہوگا۔

سورۃ کی اختتامی آیات میں کفار کی دنیاوی شان وشوکت کا بیان ہوا اور اس پر مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی کہ ہر مسلمان کو زندگی کے نشیب وفراز اور اسلام دشمنوں کے مقابلہ میں صبر واستقلال اختیار کرنا چاہیے اور اپنے مسلمان بھائی کو اس کی تلقین کرتے ہوئے ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے ہوئے جہاد کی تیاری کرنا چاہیے۔

مشکلات پر قابو پانے کا یہی مؤثر ذریعہ ہے کہ آدمی ایک دوسرے کی ڈھارس بندھاتے ہوئے آگے بڑھے۔

''رَابِطُوْا'' کا دوسرا معنی کفار کے خلاف منصوبہ بندی اور جنگی تیاری کرنا ہے اور رات کے وقت مجاہدین کی نگرانی اور حفاظت کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔

«عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهٖ وَإِنْ مَاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفُتَّانَ» (رواہ مسلم: کتاب الإمارۃ)

''حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن اور رات کا پہرہ مہینہ بھر نفلی روزے رکھنے اور ان کی راتوں کا قیام کرنے سے بہتر ہے۔ اگر پہرے دار اسی حالت میں فوت ہو جائے تو جو عمل کرتا تھا اس کا اجر اُسے برابر ملتا رہے گا اور اسے رزق دیئے جانے کے ساتھ آخرت کے فتنوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى» (رواہ البخاری: کتاب الجنائز)

''اجر ابتداً مصیبت پر صبر کرنے پر ملتا ہے۔''

مسائل

۱۔ ایمان داروں کو خود صبر کرتے ہوئے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے کے ساتھ جہاد کے لیے مستعد رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی تلقین:

۱۔ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے کا حکم۔ (آلِ عمران: ۲۰۰) ۲۔ صابر بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ (الزمر: ۱۰)

۳۔ کامیاب لوگ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ (العصر: ۴)

سورۃ النساء

مقام نزول مدینہ۔ آیات ۱۷۶۔ الفاظ ۳۳۵۵ اور اس کے ۲۴ رکوع ہیں۔

ربطِ سورۃ: البقرہ میں مرکزی مضمون بنی اسرائیل کا کردار تھا اور اکثر مقامات میں بنی اسرائیل سے مراد یہودی ہیں۔ سورۃ آل عمران میں سرفہرست عیسائیوں کے عقیدہ و کردار پر بحث کی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں مسلمانوں کے باہمی حقوق کے بیان کے ساتھ درج ذیل مضامین ذکر کیے گئے ہیں۔

(۱) سورۃ النساء کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے ڈرنے کا حکم دینے کے بعد لوگوں کو یہ بتلایا ہے کہ تم ایک ہی جان سے پیدا کیے گئے ہو۔ اس لیے اللہ سے ڈرتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق پورے کرو۔ بالخصوص یتیموں اور عورتوں کے حقوق کا خیال رکھو پھر مالی، معاشرتی اور اخلاقی حدود و قیود کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

ان حقوق کے تحفظ کا حکم دیتے ہوئے یہ یقین دہانی کروائی ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔

(۲) کردار کی پاکیزگی کے بعد جسمانی طہارت کے لیے غسل، وضو اور تیمم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

(۳) عقیدہ کی پختگی اور اس کے نکھار کے لیے شرک سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور شرک کو بدترین گناہ قرار دیا ہے۔

(۴) اہلِ کتاب کو بار بار انتباہ کرنے کے بعد وارننگ دی گئی اگر تم باز نہ آئے تو تم پر ایسا عذاب مسلط ہوگا جس سے تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں گے۔

(۵) اہل کتاب نے ہر قسم کی امانت میں خیانت کی تھی لہٰذا اس سے بچنے کے لیے اُمت کو امانتوں کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور خلیفہ وقت کی اطاعت کرنی چاہیے خلیفہ سے اختلاف اور باہمی تنازعات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص اللہ کے رسول کو فیصل تسلیم نہیں کرتا اس کے ایمان کی یکسر نفی کی گئی ہے۔

(۷) مسلمانوں کو ہر حال میں اپنا بچاؤ کرنے کا حکم دیتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت، معذورین کو رخصت دی اور مسلمانوں کو موت سے بے خوف ہونے کا تصور دیا ہے۔

(۸) حالتِ جہاد میں کوئی کافر حلقہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کرے تو اس کے اسلام قبول کرنے کا حکم دیا اور مومن کی حرمت کا حکم دیتے ہوئے اس کے قتل کی سزا بیان کی گئی ہے۔

(۹) کتاب اللہ کے نازل کرنے کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی کہ مسلمانوں کے تمام فیصلے اسی کے مطابق ہونے چاہئیں۔

(۱۰) منافقوں کی عادات اور کردار بیان کرتے ہوئے ان کا انجام ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

(۱۱) اہل کتاب کو شرک اور دین میں غلو کرنے سے روکا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فقط حضرت مریم کا بیٹا اور اللہ کا رسول اور کلمہ ثابت کیا گیا ہے۔

(۱۲) سورت کی ابتدا اخلاقی حدود کے بیان سے ہوئی اور اس کے آخر میں مالی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوْعُهَا - ٢٤
اٰيَاتُهَا - ١٧٦

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

يٰٓاَيُّهَا	النَّاسُ	اتَّقُوْا	رَبَّكُمُ	الَّذِيْ	خَلَقَكُمْ	مِّنْ	نَّفْسٍ
اے	لوگ (جمع)	ڈرو	تمہارا رب	وہ جو	اس نے تمہیں پیدا کیا	سے	جان
وَّاحِدَةٍ	وَّخَلَقَ	مِنْهَا	زَوْجَهَا	وَبَثَّ	مِنْهُمَا	رِجَالًا	كَثِيْرًا
ایک	اور پیدا کیا	اس سے	اس کی بیوی	اور پھیلائے	ان دونوں سے	مرد (جمع)	بہت
وَّنِسَآءً ۚ	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	الَّذِيْ	تَسَآءَلُوْنَ	بِهٖ	وَالْاَرْحَامَ ؕ	
اور عورتیں	اور ڈرو	اللہ	وہ جو	آپس میں مانگتے ہو	اس کے ساتھ	اور رشتے	
اِنَّ	اللّٰهَ	كَانَ	عَلَيْكُمْ	رَقِيْبًا ①			
بیشک	اللہ	ہے	تم پر	نگہبان			

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا فرما کر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔'' (۱)

فہم القرآن

ربطِ سورۃ: سورۃ آل عمران کے اختتام میں ''اِتَّقُوا اللّٰهَ'' فرما کر تقویٰ کو مسلمانوں کی کامیابی کی ضمانت قرار دیا ہے۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ میں جلالت اور تمکنت پائی جاتی ہے۔

سورۃ النساء کا آغاز ''اِتَّقُوْا رَبَّكُمُ'' سے ہوتا ہے۔ اسمِ رب میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اظہار ہوتا ہے جس میں شفقت، الفت اور قربت کا تصور پایا جاتا ہے۔

اس سورۃ میں انسانی معاشرے کے ابتدائی یونٹ کو مضبوط بنانے کے لیے اس کے بنیادی حقوق و فرائض کا بیان ہوا ہے۔ سورۃ النساء کے ابتدائی الفاظ اور کلمات میں توحید اور وحدت انسانی کا سبق دیا گیا ہے کہ جس طرح تم سب ایک ہی خالق کی مخلوق اور اسی کی ربوبیت کے مرہون منت ہو۔ اسی طرح تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد اور ارکان ہو جس کی ابتدا دو کی بجائے ایک سے ہوئی۔ پھر اس ایک سے دوسرے کو یعنی آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی حوا کو پیدا کیا گیا پھر بے شمار مرد اور عورتیں پیدا کرنے کا سلسلہ جاری فرمایا جو قیامت تک جاری رہے گا۔ اس رب سے ڈرو جو تمہارا اللہ ہے جس کی عظمت و تقدیس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال اور ہمدردی کے طلبگار ہوتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے ساتھ رشتے داریوں کو توڑنے سے بھی ڈرو اور اجتناب کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اُوپر نگران کی حیثیت سے قائم دائم ہے۔

بِهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾» (سنن ابی داؤد باب فی خطبة النکاح) [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ خطبہ نکاح سکھایا الحمدللہ سے آخر تک لفظِ ارحام کا واحد رحم ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے رحم کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ الرَّحِمَ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهُ»

(رواه البخاری: کتاب الأدب، باب من وصل وصله الله)

''رحم رحمان سے نکلا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رحم سے فرمایا جو تجھے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا۔ جس نے تجھے کاٹ دیا میں اسے کاٹ دوں گا۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ» (رواه البخاری: کتاب الأدب، باب إثم القاطع)

''رشتے داریوں کو توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

صلہ رحمی کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرمایا کرتے تھے۔

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا»

(رواه البخاری: کتاب الأدب، باب لیس الواصل بالمکافی)

''ادلے کا بدلہ صلہ رحمی نہیں بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ دوسرا آدمی صلہ رحمی نہ کرے تجھے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔''

مسائل

۱۔ انسان کو ہر حال میں اپنے رب سے ڈرنا چاہیے۔

۲۔ لوگوں کو اپنے رب سے ڈر کر رشتے داریوں کا احترام کرنا چاہیے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی نگرانی فرما رہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نسلِ انسانی کی افزائش کے مراحل:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ (آلِ عمران: ۵۹)

۲۔ حضرت حوا نے آدم علیہ السلام سے تخلیق پائی۔ (الروم: ۲۱) ۳۔ اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا علیہما السلام سے بے شمار مرد و زن پیدا فرمائے۔ (النساء: ۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قبائل میں تقسیم فرمایا۔ (الحجرات: ۱۳)

تخلیقِ انسان کے مختلف مراحل پارہ ۱۴: رکوع: ۸ اور پارہ ۱۸ رکوع ۱ کی تفسیر میں دیکھیں۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا

اورتم دو	یتیموں کو	ان کے مال	اورتم نہ بدلو	ناپاک	پاک سے	اورتم نہ کھاؤ

اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

ان کے مال	طرف	تمہارے مال	بیشک وہ	ہے	گناہ	بڑا

''اور یتیموں کے مال ان کے حوالے کرو اور پاک چیز کو ناپاک کے ساتھ نہ بدلو اور اپنے مالوں کے ساتھ یتیموں کے مال ملا کر نہ کھاؤ۔ بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''(۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورت کی پہلی آیت میں بنی نوع انسان کو ایک کنبہ قرار دے کر ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دیا اب معاشرے کے پسماندہ لوگوں کے حقوق کا چھ آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ پسماندہ لوگوں میں سرِفہرست یتیم ہیں جو بلوغت سے پہلے باپ کے سہارے سے محروم ہو چکے ہوں۔

یتیم کا مال ہڑپ کرنے کے لیے اپنے مال کے ساتھ ملانے کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ایسا کرنے والا حرام کو حلال کے ساتھ ملاتا ہے جس سے نفرت دلانے کے لیے خبیث کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ خبیث ناپاک اور گندی چیز کو کہتے ہیں۔ لفظِ خبیث استعمال کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ پاک ذہن اور باضمیر شخص یتیم کا مال کھانے کا تصور بھی نہ کر سکے کیونکہ اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اتنی سختی اور جلدی کے ساتھ عمل کیا کہ آپ کی محفل سے اٹھے اور گھر جانے کے بعد جن کے ہاں یتیم پرورش پا رہے تھے۔ ان کا کھانا پینا اور برتن الگ کر دیے۔ جسے یتیموں نے شدّت کے ساتھ محسوس کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا۔ تب قرآن مجید میں اس کی وضاحت نازل ہوئی:

{ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۲۰ } (البقرۃ: ۲۲۰)

''اور وہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیں کہ ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے اور اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ مصلح اور مفسد کو جانتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔''

«عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ يَاأَبَاذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَاأُحِبُّ لِنَفْسِي لَاتَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ»(رواہ مسلم: کتاب الإمارۃ، باب کراھۃ الإمارۃ بغیر ضرورۃ)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! میں تجھے کمزور پاتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں کے امیر نہ بننا اور نہ ہی یتیم کے مال کا والی بننا۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ» (رواہ ابن ماجة: کتاب الأدب، باب حق الیتیم [ضعیف])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا مسلمانوں میں بہترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو۔ مسلمانوں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کے ساتھ پیش آیا جاتا ہو۔''

«عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَا أَجِدُ شَيْئًا وَلَيْسَ لِي مَالٌ وَلِي يَتِيمٌ لَهُ مَالٌ قَالَ كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُتَأَثِّلٍ مَالًا قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَلَا تَقِي مَالَكَ بِمَالِهِ» (ابن ماجة: کتاب الوصایا، باب قوله ومن کان فقیرا فلیأکل بالمعروف [صحیح])

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر ایک آدمی نے کہا میرے پاس کوئی مال نہیں البتہ میرے پاس ایک یتیم ہے جس کا مال بھی ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے یتیم کے مال سے فضول خرچی اور اپنے مال کے ساتھ نہ ملاتے ہوئے اس کے مال میں سے کھالیا کر۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا اپنا مال اس کے مال کے ذریعے نہ بچانا۔''

مسائل

۱۔ یتیموں کا مال واپس کرنا چاہیے۔ ۲۔ یتیموں کا مال کھانا بڑا گناہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

یتیموں کے حقوق:

۱۔ یتیم تمہارے بھائی ہیں۔ (البقرۃ: ۲۲۰) ۲۔ یتیموں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم۔ (البقرۃ: ۸۳)
۳۔ یتیموں کا مال واپس کیا جائے۔ (النساء: ۲) ۴۔ یتیموں کا مال بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر واپس کرو۔ (النساء: ۶)
۵۔ یتیموں کو مال لوٹاتے وقت اس پر گواہ کرلو۔ (النساء: ۶)
۶۔ یتیم کو جھڑکنے کی ممانعت۔ (الضحیٰ: ۹) ۷۔ یتیموں کا مال کھانا بڑا گناہ ہے۔ (النساء: ۲)

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا

اور اگر تم ڈرو یہ کہ نہ انصاف کرسکو گے میں یتیموں تو نکاح کرلو جو

طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ

پسند ہو تمہارے لیے سے عورتیں دو، دو اور تین، تین اور چار، چار اگر

خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ

تمہیں اندیشہ ہو کہ نہ انصاف کرسکو گے تو ایک یا جو مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ یہ

اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝

قریب تر کہ نہ جھک پڑو

''اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہیں کرسکو گے تو دوسری عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو۔ دو دو، تین تین، چار چار سے لیکن اگر تم ڈرو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ ایک طرف جھکنے سے بچ جاؤ۔'' (۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یتامیٰ میں بھی یتیم بچیوں کا خیال رکھنے کا حکم ہے کیونکہ یتیم لڑکا تو کسی نہ کسی طریقے سے گزارہ کرلیتا ہے لیکن یتیم بچی جائے تو کدھر جائے۔ اگر بالغ ہوجائے تو اسے تحفظ فراہم کرنے کے لیے اس سے نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے یتیموں کے بعض سرپرست محض ان کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے یتیم لڑکی کے بالغ ہونے پر اس کا نکاح اپنے یا اپنے بیٹے کے ساتھ کردیتے۔ ایسا ہی واقعہ آپ کی بعثت کے بعد پیش آیا۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَجُلًا كَانَتْ لَهُ يَتِيمَةٌ فَنَكَحَهَا وَكَانَ لَهَا عَذْقٌ وَكَانَ يُمْسِكُهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مِنْ نَفْسِهِ شَيْءٌ فَنَزَلَتْ {وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامٰى.....}»

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب وإن خفتم ألا تقسطوا)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک آدمی کی پرورش میں ایک یتیم لڑکی تھی جس کی ملکیت میں کھجور کا ایک باغ تھا اسی باغ کی وجہ سے وہ اس کی پرورش کرتا رہا۔ حالانکہ اس کو اس سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔''

یعنی اگر تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کرسکتے تو پھر دوسری عورتوں کے ساتھ اپنی پسند کے مطابق دو دو، تین تین، چار چار نکاح کرسکتے ہو۔ اس میں بھی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے درمیان عدل نہیں کرپاؤ گے تو پھر ایک سے ہی

نکاح کرو۔ البتہ تم لونڈیاں رکھ سکتے ہو۔ عدل وانصاف کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ کہیں تم ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقْسِمُ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ» (رواہ أبوداؤد: باب فی القسم بین النساء [صحیح])

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باری تقسیم کرنے میں عدل کرتے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا مجھے اختیار ہے اور مجھے ملامت نہ کر اس میں جس (دل) کا تو مالک ہے اور کیونکہ اس پر مجھے اختیار نہیں۔''

چار بیویوں کا مسئلہ

غیر مسلموں نے قرآن مجید کے اس فرمان پر بڑے اعتراضات اور سوالات اٹھائے ہیں وہ اس آیت کی خود ساختہ تشریح کرتے ہوئے کہتے اور لکھتے ہیں کہ قرآن نے مسلمانوں کو چار بیویاں کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ قرآنِ مجید نے چار بیویاں کرنے کا حکم نہیں دیا۔ چار بیویاں کرنے کی صرف رخصت عنایت فرمائی ہے۔ اس میں بھی ہر قسم کا عدل وانصاف قائم رکھنا ضروری قرار دیا ہے ورنہ اسلامی حکومت ایسے شخص کا نوٹس لے سکتی ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ» (رواہ الترمذی: کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر [صحیح])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس آدمی کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے۔ قیامت کے دن فالج زدہ جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا۔''

قرآنِ مجید نے جن وجوہات کی بنیاد پر تعدّدِ ازواج کی اجازت دی ہے۔ یہ وجوہات اور ضرورت ہر دور میں رہی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گی۔ مردوں کو یہ اجازت عورتوں کی کفالت اور تحفظ کے لیے دی گئی ہے کیونکہ اس کے بغیر اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا ناممکن ہے۔ جن قوموں نے صرف ایک بیوی رکھنے کا قانون بنا کر داشتائیں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ ان میں بے حیائی، معصوم بچوں کا قتل، اسقاطِ حمل، جسمانی اور روحانی بیماریوں کی بہتات کی وجہ سے ان کا معاشرہ پرلے درجے کی آوارگی کا شکار ہو چکا ہے۔ اسلام کے اصولوں کے مطابق اگر بیویوں کے درمیان ہر قسم کا عدل وانصاف کیا جائے تو عورتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا حل بڑی عمدگی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اس کے بغیر اس کا کوئی حل نہیں ہو سکتا۔

۱۔ افغانستان پر دس سال تک روس کا جنگ مسلط کرنا بعد ازاں افغانستان اور عراق پر امریکیوں کا حملہ آور ہونا جس میں دونوں مسلمان ملکوں کے کم از کم پندرہ سے بیس لاکھ مرد شہید ہوئے جس کی وجہ سے ان ملکوں میں مردوں کے مقابلے میں عورتیں چار گنا زیادہ ہو چکی ہیں۔ جنگی اور ہنگامی حالات کی بناء پر مرد کو چار بیویاں رکھنے کی رخصت دی گئی۔

۲۔ شرح پیدائش کے اعتبار سے عورتوں کی کثرت خاص کر قربِ قیامت عورتوں کا زیادہ ہونا۔

۳۔ٹریفک حادثات میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کا زیادہ ہلاک ہونا کیونکہ عورتوں کی نسبت مرد زیادہ سفر کرتے ہیں۔
۴۔جنسی طاقت کی بنیاد پر مرد کو اجازت دینا تاکہ بے شرمی رواج پانے کی بجائے شرم وحیا کا تحفظ ہو سکے۔
۵۔پہلی بیوی کے بانجھ ہونے کی صورت میں یا نرینہ اولاد کی خواہش میں دوسری شادی کی ضرورت ہونا۔
۶۔ یاد رکھیے نکاح کا مقصد شہوت زنی نہیں۔تفصیل کے لیے النساء آیت ۹۴ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

رسولِ محترم ﷺ اور اُمّہاتُ المؤمنین

رسولِ معظم ﷺ کی ذاتِ اطہر پر وہی شخص اعتراض کرنے کی جسارت کر سکتا ہے جو منکر نبوت اور جاہل ہو کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے۔اللہ کا حکم آنے سے پہلے جہاں کہیں آپ نے کسی مسئلہ میں استدلال فرمایا اور وہ شریعت کے مطابق مطابقت نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تردید یا تصحیح کر دی گئی۔

ایک منصف مزاج شخص کا فرض بنتا ہے کہ وہ دیانتداری کے ساتھ مذکورہ بالا اصول پر غور کرے اور آپ کی حیاتِ مبارکہ کا وہ دور دیکھے۔جب آپ پچیس سال کے جوانِ رعنا تھے،صحت اور حسن و جمال کے حوالے سے پوری دنیا میں آپ کا ثانی نہیں تھا۔اس کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ آپ کو روکنے اور سمجھانے والے والدین بھی سر پر موجود نہیں تھے۔آپ کی شرم وحیا، دیانت وامانت عرب میں ضرب المثل تھی۔شادی کا وقت آیا تو آپ نے اپنے سے پندرہ سال بڑی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جس کے دو خاوند پہلے فوت ہو چکے تھے۔پھر اسی ایک بیوی کے ساتھ پچیس سال کا عرصہ گزارا تا آنکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ان کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جو معمر عورت تھی۔جب وہ آپ کے گھر آئیں تو اس وقت آپ کی عمر مبارک ۵۴ سال ہو چکی تھی۔حضرتِ سودہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عائشہ سے ۲ سنہ ہجری میں نکاح کیا۔آپ نے پچپن سال میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور اسی سال کے آخر میں حضرتِ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ۴ سنہ ہجری میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں ۵ سنہ ہجری حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ ۶ سنہ ہجری میں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ۷ سنہ ہجری میں، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ۷ سنہ ہجری کے آخر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔مزید وضاحت کے لیے سیرت رحمۃ اللعالمین کا مطالعہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ ۲۔انصاف نہ کر سکے تو صرف ایک بیوی رکھنی چاہیے۔

وَاٰتُوا	النِّسَآءَ	صَدُقٰتِهِنَّ	نِحْلَةً ؕ	فَاِنْ	طِبْنَ	لَكُمْ
اور دے دو	عورتیں	ان کے مہر	خوشی سے	پھر اگر	وہ خوشی سے دیں	تمہارے لیے

عَنْ	شَیْءٍ	مِّنْهُ	نَفْسًا	فَكُلُوْهُ	هَنِیْٓـًٔا	مَّرِیْٓـًٔا ۝۴
سے	کچھ	اس سے	دل	تو اسے کھاؤ	مزیدار	خوشگوار

''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو پھر اگر وہ اس میں اپنی دل کی خوشی سے تمہارے لیے کچھ چھوڑ دیں تو اسے خوش ہو کر مزے سے کھاؤ۔'' (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے اخلاقی، ازدواجی حقوق بیان کرنے کے بعد ان کا حق مہر اور مالی حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کے معاشی تحفظ کے ساتھ شخصی وقار میں اضافہ ہو جائے۔

اسلام سے پہلے عورتوں پر یہ ظلم بھی ہوتا تھا کہ انہیں حق مہر سے محروم کر دیا جاتا اس ظلم کی چار شکلیں تھیں۔

۱۔ یتیم اور کمزور گھرانوں کی بچیوں کا سرے سے حق مہر مقرر ہی نہیں کیا جاتا تھا۔

۲۔ بعض دفعہ عورت کا ولی حق مہر خود ہی کھا جاتا تھا۔

۳۔ حق مہر مقرر کرنے کے باوجود عورت کو حق مہر نہ دیا جاتا یا ادا کرنے میں کئی کئی سال اجتناب کیا جاتا تا آنکہ عورت کے مطالبہ پر میاں بیوی کے درمیان تلخیاں پیدا ہو جاتیں۔

۴۔ خاوند ایسا رویہ اختیار کرتا جس سے مجبور ہو کر عورت اپنا حق مہر چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتی تھی۔

قرآنِ مجید نے ''نِحْلَةً'' کا لفظ استعمال فرما کر اس بات کی طرف واضح اشارہ کیا ہے کہ حق مہر دل کی خوشی اور رغبت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ حق مہر خاوند کی طرف سے بیوی کے لیے شبِ زفاف کا تحفہ اور محبت کا اظہار ہے۔ اس سے آدمی کو پہلے دن ہی ازدواجی زندگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے حق مہر خاوند کو معاف کر دے تو خاوند کو چاہیے کہ وہ اس انداز سے اسے استعمال کرے۔ جس سے اس کی استغناء ظاہر ہوتی ہو۔ ایسا کرنے سے آدمی ہلکے پن اور لالچی ہونے کے الزام سے بچ جائے گا۔ بصورتِ دیگر عورت کی نظر میں خاوند کا ہلکا پن اور اس کے لالچی ہونے کا شبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ جس کے لیے یہ ہدایت فرمائی کہ اسے کھاؤ مگر خوشگوار طریقے کے ساتھ۔

حق مہر کا تعیّن

لڑکے اور لڑکی کے نکاح کی صورت اس وقت ہی پیش آتی ہے جب دونوں خاندانوں کے درمیان قربت اور مودّت پیدا ہو جائے۔ اس قربت اور مودّت کو آگے بڑھانے اور دونوں خاندانوں اور افراد کو مالی بوجھ سے بچانے کے لیے شریعت نے اپنی طرف سے حق مہر کا تعین کرنے کی بجائے لڑکے، لڑکی اور اس کے ولی پر معاملہ چھوڑ دیا ہے۔ اب ان کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مالی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے خوشگوار ماحول اور باہمی رضامندی سے حق مہر کا تعین

کریں۔ اس لیے حدیث کے مقدس ریکارڈ میں بیوی کو چند آیات حفظ کروانے سے لے کر حق مہر میں بھاری رقم دینے کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مجید نے حق مہر کے لیے ''قِنطَاراً'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی خزانہ ہے۔ اس سے مراد کثیر رقم ہے۔ لہٰذا جو علماء شرعی حق مہر ۳۲ روپے یا اپنی طرف سے کسی قسم کی رقم کا تعین کرتے ہیں۔ دین میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ عورت پر زیادتی کرنے کے مترادف ہے۔

رسول اللہ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم میں تشریف فرما تھے ایک عورت نے اپنے حالات سے مجبور ہو کر اپنے آپ کو نکاح کے لیے آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ ﷺ خاموش رہے۔ اتنے میں ایک شخص عرض کرنے لگا اگر آپ آمادہ نہیں تو میں اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تیرے پاس حق مہر کے لیے کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا یہ چادر جو میں نے لپیٹ رکھی ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا کہ چادر اپنے پاس رکھو اور حق مہر کے لیے لوہے کی انگوٹھی ہی لے آؤ۔ کوشش کے باوجود اسے انگوٹھی بھی میسر نہ ہو سکی۔ وہ خالی ہاتھ واپس آیا۔ آپ پوچھتے ہیں کہ تجھے قرآنِ مجید یاد ہے؟ اس نے عرض کی کہ مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ سورتیں حق مہر کے طور پر اپنی بیوی کو یاد کروا دینا۔ (بخاری: کتاب النکاح، باب تزویج المعسر)

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

«أَلَا لَا تُغَالُوا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ ﷺ مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَكَحَ شَيْئًا مِّنْ نِّسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً» (رواه الترمذی: کتاب النکاح، باب منه [صحیح])

''خبردار! عورتوں کے حق مہر بڑھا چڑھا کر مقرر نہ کیا کرو۔ اگر یہ بات عظمت اور تقویٰ کا باعث ہوتی تو رسولِ کریم ﷺ اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی کسی بیوی یا بیٹی کا حق مہر بارہ تولے چاندی سے زیادہ نہیں تھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد حق مہر میں اعتدال قائم رکھنے کی طرف توجہ دلانا تھا۔ اس کے باوجود کسی شخص کو عورتوں کے حق مہر کی رقم متعین کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت عمر کے خطبہ کے دوران ایک عورت نے کہا تھا کہ امیر المومنین آپ حق مہر کی رقم مقرر نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قنطار کا لفظ استعمال فرما کر حق مہر کے مسئلہ کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔ اگر کوئی آدمی حق مہر میں خزانہ بھی دینا چاہے تو کوئی حرج نہیں امیر المومنین نے اس عورت کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت کو مسئلہ یاد رہا اور مجھ سے خطا ہوئی۔ (عون المعبود)

مسائل

۱۔ عورتوں کے حق مہر ادا کرنا چاہیے عورت خود معاف کر دے تو اسے اچھے طریقے سے کھانا چاہیے تھا۔

۲۔ حق مہر مقرر کرتے وقت اعتدال قائم رکھنا چاہیے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا

اور نہ دو بے عقل (جمع) تمہارے مال وہ جو بنایا اللہ تمہارے لیے سہارا

وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵

اور انہیں کھلاتے رہو اس میں اور انہیں پہناتے رہو اور کہو ان کے لیے بات اچھی

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ

اور آزماؤ یتیم (جمع) یہاں تک کہ جب وہ پہنچیں نکاح پھر اگر تم پاؤ

مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا

ان میں سمجھ داری تو حوالے کردو ان کی طرف ان کے مال اور نہ تم کھاؤ اسے ضرورت سے زیادہ

وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

اور جلدی جلدی یہ کہ وہ بڑے ہو جائیں اور جو ہو غنی تو وہ بچے

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ

اور جو ہو حاجت مند تو وہ کھائے اچھے طریقے کے مطابق پھر جب تم حوالے کرو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

ان کی طرف ان کے مال تو گواہ کرلو ان پر اور کافی اللہ حساب لینے والا

''اور ناوانوں کو اپنا مال نہ دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزر بسر کا ذریعہ بنایا ہے۔ انہیں اس مال سے کھلاؤ، پہناؤ اور انہیں اچھی بات کہتے رہو۔ (۵) اور یتیموں کو بالغ ہونے تک آزماؤ پھر اگر تم ان میں سمجھ داری پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کرو اور ان کے بڑے ہو جانے کے خوف سے ان کے مال کو جلدی جلدی اسراف کے ساتھ نہ کھاؤ۔ مالدار کو چاہیے کہ وہ یتیم کے مال سے بچا رہے۔ جو کوئی محتاج ہو وہ مناسب طریقے سے کھائے۔ جب مال ان کے سپرد کرو تو اس پر گواہ بنالو اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔'' (۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ فرامین میں یتامیٰ اور عورتوں کے مالی حقوق کی ادائیگی کا حکم تھا۔ اب فرمایا کہ یتیموں کو ان کا مال واپس لوٹاتے ہوئے اچھی طرح اندازہ کرلو کہ کہیں وہ ناتجربہ کاری یا صغرِ سنی کی وجہ سے اپنا مال ضائع نہ کر بیٹھیں۔

قرآنِ مجید نے دوسری آزمائشوں کے ساتھ مال کو بھی آدمی کے لیے ایک بڑی آزمائش اور فتنہ قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی رزقِ حلال کو اللہ تعالیٰ کا فضل، نعمت، زندگی کا لازمہ اور اسے تقویت کا باعث ٹھہرایا ہے۔

یتیموں کے لیے بالخصوص مال سہارا اور تقویت کا باعث ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر ان کا کمانے والا کوئی نہیں ہوتا بلکہ ان

کی جائیداد کا بھی کوئی دوسرا نگران ہوتا ہے۔ یہاں یتیموں کے سرپرست کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ان کے مال کو اپنا مال تصور کرتے ہوئے اس کی حفاظت اور نگرانی کرے اور جب تک یتیم میں فہم وشعور اور اپنا مال سنبھالنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک ان کا سرپرست ان کے مال سے ان کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام کرتا رہے۔ ان کی طرف سے اگر کوئی مطالبہ یا غلط فہمی پیدا ہو تو نہایت محبت اور پیار کے ساتھ ان کو بہلاتا اور سمجھاتا رہے۔ یہاں تک کہ یتیم اپنا مال سنبھالنے کے قابل ہو جائے۔ یتیموں کے لیے ناسمجھ کا لفظ دو وجہ سے استعمال ہوا ہے۔ ایک تو یہ مال کی حفاظت اور اس کو استعمال کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نوعمر اور یتیم ہونے کی وجہ سے یہ لوگوں کے پروپیگنڈہ کا شکار ہو کر اپنے سرپرست اور خیر خواہ سے اکثر بدظن ہو کر مال واپس لے کر ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ»

(رواه الترمذی: کتاب الزکاة، باب ماجاء فی الزکاة من مال الیتیم [ضعیف])

''خبردار! جو کسی یتیم کا سرپرست بنے اور یتیم کے پاس مال ہو تو وہ اس کے مال کو کاروبار میں لگائے۔ کہیں آہستہ آہستہ زکوٰۃ سے اس کا مال ختم نہ ہو جائے۔''

یتیموں کے مال کی حفاظت کے پیشِ نظر یہ اصول بھی قائم فرمایا کہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں اور ان میں مالی معاملات سمجھنے کی کچھ نہ کچھ صلاحیت پیدا نہ ہو جائے۔ ان کا مال اس وقت تک ان کو نہیں لوٹانا چاہیے جب وہ شعور کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کا مال لوٹاتے ہوئے اس پر گواہ بنا لینے چاہئیں تاکہ جس آدمی نے سرپرستی کی صورت میں ان کی خدمت کی ہے وہ ہر قسم کے الزامات سے بچ سکے۔

سرپرست کو یہ حکم بھی دیا کہ اگر وہ امیر ہے تو یتیموں کے مال کی نگرانی اور سرپرستی کے عوض ان کے مال سے کچھ نہ لے اور اگر اس کی اپنی گزران تنگ ہے تو مناسب طریقے سے اس میں سے کھا سکتا ہے۔ یتیم اور ان کے سرپرست کو ہر دم خیال رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے معاملات اور ہر قسم کے حساب وکتاب کو خوب جانتا ہے اور اس کے ہاں تمام معاملات لکھے اور پیش کیے جاتے ہیں اور قیامت کے دن وہ پائی پائی کا حساب لے گا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مال کو لوگوں کے لیے استحکام کا ذریعہ بنایا ہے۔ ۲۔ یتیموں سے نرم لہجے میں پیش آنا چاہیے۔
۳۔ یتیموں کا مال کھانا منع ہے۔ ۴۔ یتیموں کو آزمانے اور ان میں سمجھداری دیکھنے کے بعد ان کا مال ان کے سپرد کرنا چاہیے۔
۵۔ یتیموں کا کفیل مالدار ہو تو اسے ان کے مال سے کچھ نہیں لینا چاہیے۔
۶۔ یتیموں کا کفیل تنگ دست ہو تو مناسب انداز میں ان کے مال میں سے کھا سکتا ہے۔
۷۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کا حساب لینے کے لیے کافی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ

مردوں کے لیے حصہ اس سے جو چھوڑا ماں باپ اور رشتہ دار (جمع) اور عورتوں کے لیے حصہ

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ

اس سے جو چھوڑا ماں باپ اور قرابت دار اس میں سے تھوڑا اس سے یا زیادہ

نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ

حصہ مقرر کیا ہوا اور جب حاضر ہو تقسیم کیلئے رشتہ دار اور یتیم (جمع) اور مسکین (جمع)

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ

تو انہیں کھلاؤ اس سے اور کہو انکے لیے بات اچھی اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ

''ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں مردوں کا حصہ ہے اور عورتوں کا بھی ان کے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں حصہ ہے۔ مال کم ہو یا زیادہ حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ (۷) اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو انہیں اس میں سے کھلاؤ اور ان سے نرم گفتگو کرو۔ (۸) اور چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے عورتوں اور یتیموں کے مالی اور سماجی حقوق کے تحفظ کا حکم دیا۔ اب قانونِ وراثت کے ذریعے سب کے مالی حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔

قبل از اسلام اور آج بھی دنیا میں تقسیمِ وراثت کے چار قانون نافذ العمل ہیں۔

۱۔ عورتوں کو مالی حقوق سے یکسر محروم رکھا جاتا ہے۔

۲۔ خاوند فوت ہونے کے بعد بیوہ اور بیٹیوں کو متروکہ جائیداد سے خارج کر دینا۔

۳۔ باپ کے فوت ہونے کے بعد صرف بڑے بیٹے کو وراثت کا حقدار ٹھہرانا۔

۴۔ باپ کی وراثت میں صرف بیٹوں کا ہی حق دار قرار پانا۔

اسلام نے اس استحصال کو یکسر ختم کر کے حکم دیا کہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا جو اس کے والدین اور اقرباء چھوڑ جائیں اس میں شریعت کے مقرر کردہ قریبی رشتہ داروں کا حصہ ہے۔ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ حصہ ہر کسی کو ملنا چاہیے۔ اخلاقی قدروں کا خیال رکھتے ہوئے یہ بھی حکم دیا کہ تقسیم کے وقت غریب رشتہ دار، یتیم اور مسکین اگر موجود ہوں وہ جائیداد میں حصہ دار تو نہیں ہوں گے لیکن انہیں کھانے پینے کے لیے کچھ ضرور دینا چاہیے۔

ان کی حاضری کو گراں سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ منفی رویہ اختیار کرنے کی بجائے ان کے ساتھ مروّت اور اچھے انداز میں گفتگو کی جائے۔ اس کے بعد فوت ہونے والوں کو تلقین فرمائی کہ وہ مرنے کے قریب اس طرح شاہ خرچ نہ بنیں جس سے ان

لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

اگر چھوڑ جائیں سے اپنے پیچھے اولاد کمزور وہ ڈریں ان پر پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

اور چاہیے کہ کہیں بات سیدھی بیشک جولوگ کھاتے ہیں مال (جمع) یتیم (جمع)

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ ع ۱۰/۱۲

ظلم صرف وہ کھاتے ہیں میں اپنے پیٹوں آگ اور عنقریب داخل ہونگے دوزخ

اگر وہ خود اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے وہ ان کے ضائع ہو جانے سے ڈرتے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور سیدھی بات کہا کریں۔ (۹) جولوگ زیادتی سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم میں جائیں گے۔'' (۱۰)

کے چھوٹے چھوٹے بچے مالی طور پر کنگال ہو جانے کی وجہ سے دوسروں کے دستِ نگر ہو جائیں۔

کچھ مفسرین نے یہ حکم میّت کے لواحقین پر لاگو کیا ہے کہ انہیں یتیموں کے ساتھ تلخ روّیہ اور ان کے مال میں زیادتی کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے بچوں کو اس حالت میں چھوڑ جائیں تو ان کے کیا احساسات ہوں گے؟ لہٰذا یتیموں کے ساتھ گفتگو نہایت نرم اور محبت آمیز لہجہ میں کرنا چاہیے۔ وراثت کا مسئلہ شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر یتیموں کے بارے میں حکم دیا ہے کہ ان کا مال ظلم کے ساتھ نہ کھاؤ۔ یہ کھلم کھلا پیٹ میں آگ کے انگارے ڈالنے کے مترادف ہے۔ یتیم کا مال کھانے والے عنقریب جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ وہاں ان کے آگے پیچھے اور اوپر نیچے آگ ہی آگ ہوگی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر سخت بیمار ہوئے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کی کہ میرے پاس بہت سا مال ہے ایک بیٹی کے علاوہ کوئی وارث نہیں۔ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے انہیں اجازت عنایت نہ فرمائی۔ پھر انہوں نے نصف کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تہائی کی اجازت مانگی تو آپ نے یہ فرما کر اجازت دی کہ یہ بھی زیادہ ہے۔ اپنی اولاد کو مال دار چھوڑنا ان کو محتاج چھوڑنے سے کہیں بہتر ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الفرائض، میراث البنات)

مسائل

۱۔ مردوں کے لیے ان کے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں حصہ ہے۔

۲۔ عورتیں بھی اپنے والدین اور اقرباء کی وراثت میں حصے دار ہیں۔

۳۔ وراثت تقسیم کرتے وقت یتیموں اور مسکینوں کو کچھ نہ کچھ کھلانا پلانا چاہیے۔

۴۔ وراثت کے بارے میں واضح ہدایت دینا چاہیے۔ ۵۔ یتیموں کا مال کھانے والے جہنم میں داخل ہوں گے۔

۶۔ یتیموں کا مال زیادتی کے ساتھ کھانے والے آگ کے انگارے نگلتے ہیں۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

تمہیں وصیت کرتا ہے اللہ میں تمہاری اولاد مرد کے لیے مانند حصہ

الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا

دو عورتیں پھر اگر ہوں عورتیں زیادہ دو تو ان کے لیے دو تہائی

مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ

جو اس نے چھوڑا اور اگر ہو ایک تو اس کے لیے نصف اور ماں باپ کے لیے ہر ایک کے لیے

مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ

ان دونوں میں سے چھٹا حصہ اس سے جو چھوڑا (ترکہ) اگر ہو اسکے لیے اولاد پھر اگر

لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ

نہ ہو اس کے لیے اولاد اور اس کے وارث ہوں اسکے ماں باپ تو اس کی ماں کیلئے تہائی

''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے متروکہ مال سے دو تہائی ہوگا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ مضمون سے پیوستہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا گزر ایک بازار سے ہوا۔ ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بچیاں ہیں جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو چکے ہیں۔ ان کا چچا ان کی میراث پر قبضہ کر چکا ہے اب ان کے لیے کچھ باقی نہیں بچا۔ اس معاملہ میں آپ کیا حکم صادر فرماتے ہیں؟ اللہ کی قسم! اگر وراثت واپس نہ ہوئی تو ان لڑکیوں کے ساتھ کوئی شخص نکاح کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ نازل فرمائے گا۔ اس کے بعد یہ فرمانِ الٰہی نازل ہوا۔ (رواہ ابوداؤد کتاب الفرائض [حسن]) اس میں نہایت مختصر مگر کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ مرنے والے کے بعد اس کی جائیداد کا وارث کون کون اور کس حساب سے ہوگا؟ اس میں بیک وقت موروثی معاملات کو نمٹانے کے ساتھ محروم طبقات کا تحفظ، جاگیرداری نظام کا خاتمہ اور دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے

فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

پھر اگر ہوں اس کیلئے کئی بہن بھائی تو اس کی ماں کیلئے چھٹا سے بعد وصیت

يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ

وصیت کی ہے اسکے ساتھ یا قرض تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم معلوم نہیں ان میں سے کون

اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

نزدیک تر تمہارے لیے فائدہ حصہ مقرر کیا ہوا سے اللہ بیشک اللہ ہے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ

جاننے والا حکمت والا اور تمہارے لیے آدھا جو چھوڑیں تمہاری بیویاں اگر نہ

يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

ہو انکے لیے اولاد پھر اگر ہو انکے لیے اولاد تو تمہارے لیے چوتھائی

ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت یا قرض کی ادائیگی کے بعد کے ہیں جو مرنے والے نے وصیت کی ہو۔ تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ مفید ہے یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (۱۱) جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اور ان کی اولاد نہ ہو تو تر کہ میں تمہارا نصف حصہ ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے۔

کی بجائے اس کی اس طرح تقسیم کر دی گئی ہے کہ ''حقدار را حق رسید'' کا قانون منہ بولتا دکھائی دیتا ہے۔ جائیداد کی تقسیم کا فارمولہ مرد کی بجائے عورت کو سامنے رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ حکم ہے: ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ'' جس میں عورت کے مالی حقوق کو فوقیت دی گئی ہے۔ یہی حکمت اس سورۂ مبارکہ کے نام ''النساء'' سے معلوم ہوتی ہے تا کہ عورتوں کے اخلاقی، معاشی اور معاشرتی حقوق نمایاں کیے جائیں۔ وراثت کی تقسیم سے قبل تین بنیادی باتوں کو پیش نگاہ رکھنا چاہیے ان سے پہلے وراثت تقسیم کرنا جائز نہیں۔ ① فوت ہونے والے کے کفن دفن کا انتظام کرنا۔ ② اس کے ذمہ قرض ہو تو وراثت سے اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا۔ ③ مرنے والے نے اگر شریعت کی حدود میں رہ کر اپنے مال کے بارے میں صدقہ کرنے کی وصیت کی ہو تو اس پر عمل درآمد کرانا ورثاء پر ضروری ہے کیونکہ اس فرمان سے پہلے عورتوں کے حقوق اور ان کے بارے میں عدل وانصاف کی تاکید کی گئی ہے۔ اس سے ان لوگوں کا پروپیگنڈہ بے وجہ ثابت ہوتا ہے جس میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ (خاکم بدہن) اسلام نے عورت کے مالی حقوق کا چنداں خیال نہیں کیا۔ حالانکہ تعمق نگاہی سے دیکھا جائے تو اسلام ہی فقط ایک دین ہے جس میں عورتوں کو اخلاقی، سماجی اور خاندانی اعتبار سے تحفظ فراہم کرتے ہوئے ان کے مالی حقوق کا پورا اور مکمل خیال رکھا گیا ہے۔ اسلام کے قانونِ وراثت کے تحت بسا اوقات ایک عورت مختلف انداز میں تین رشتوں سے اپنا حصہ وصول کرتی ہے اس

مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

اس میں سے جو وہ چھوڑیں سے بعد وصیت وہ وصیت کر جائیں اسکے ساتھ یا قرض

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ

اوران کے لیے چوتھائی اس میں سے جو تم چھوڑ جاؤ اگر نہ ہو تمہارے لئے اولاد

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ

پھر اگر ہو تمہارے لیے اولاد تو ان کے لیے آٹھواں اس سے جو تم چھوڑ جاؤ سے

بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ

بعد وصیت تم وصیت کرو اسکے ساتھ یا قرض اور اگر ہو مرد

یہ قرض کی ادائیگی اور اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو وہ وصیت کر گئی ہوں۔ اور جو تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ قرض کی ادائیگی اور اس وصیت کے بعد جو تم کرو اور اگر مرد یا عورت

کے باوجود عورتوں کو ان کے حق سے محروم رکھنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جہیز کے بہانے اس کو اصل وراثت سے محروم کرنا بالخصوص یتیم بچیوں کو اپنی سرپرستی میں اس لیے لینا کہ شادی کے بعد ان کی جائیداد پر قبضہ کرنا آسان ہو۔ بعض لوگ ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں کہ جس سے وراثت میں حصہ دار بہنیں تلخی سے بچنے اور بھائیوں سے تعلقات استوار رکھنے کی خواہش میں اپنا حصہ معاف کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ایسی معافی سے قانون کے نفاذ سے تو بچا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخروئی حاصل کرنا مشکل ہوگی۔

قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد ورثاء میں تقسیم

(۱) اولاد (۲) والدین (۳) خاوند (۴) زوجہ (۵) بہن بھائی۔

اولاد:

۱۔ لڑکیاں لڑکے ملے جلے ہوں تو لڑکے کو لڑکی کے حصے سے دوگنا ملے گا (لِلذَّكَرِ مِثْلُ...)

۲۔ صرف لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کو کل مال کا دو تہائی ملے گا۔ (فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ...)

۳۔ اگر اولاد میں صرف ایک لڑکی ہی ہو تو کل مال کا نصف اسے ملے گا۔ (وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً...)

والدین:

۱۔ میت کے والدین بھی ہوں اور اولاد بھی تو ماں باپ دونوں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ...)

۲۔ میت کے والدین ہوں اور اولاد نہ ہو تو ماں باپ کو کل مال کا تیسرا حصے ملے گا۔ (فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ)

يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

وارث بنایا گیا جس کا باپ بیٹا نہ ہو یا عورت اور اس کیلئے بھائی یا بہن تو تمام کے لیے ایک

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ

ان دونوں میں سے چھٹا پھر اگر ہوں زیادہ سے اس تو وہ

شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ

شریک میں تہائی سے بعد وصیت وصیت کی گئی اسکے ساتھ یا قرض

غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

نقصان نہ پہنچانا وصیت سے اللہ اور اللہ جاننے والا حلم والا

کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر بہن، بھائی اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں۔ یہ قرض کی ادائیگی اور وصیت کے بعد ہے جو کی گئی ہو جس میں دوسروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور بردبار ہے۔'' (۱۲)

۳۔ وارثوں میں میت کے والدین ہوں لیکن اولاد تو نہ ہو لیکن دو سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (باقی باپ کو)۔ (فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ...) (یا اس کو درج ذیل طریقہ کے مطابق سمجھیں)

صرف ماں کے حصے:

۱۔ میت کی اولاد ہو (صرف مذکر کی شرط ہے) تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ...)

۲۔ میت کی اولاد نہ ہو تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ (فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ...)

صرف باپ کے حصے:

۱۔ میت کی اولاد ہو تو باپ کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔ (وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ...)

۲۔ میت کی اولاد نہ ہو تو باپ عصبہ کی صورت میں باقی ماندہ مال لے گا۔ (فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ...)

۳۔ جب میت کی بیٹی، پوتی وغیرہ نیچے تک کوئی موجود ہو تو باپ صاحبِ فرض اور عصبہ ہونے کے لحاظ سے وارث بنے گا۔

خاوند:

۱۔ بیوی کی اگر کوئی اولاد اس خاوند سے یا پہلے کسی خاوند سے نہ ہو تو خاوند کو کل ترکے کا نصف ملے گا۔ (وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ...)

۲۔ اگر بیوی کی اس سے یا پہلے خاوند سے کوئی اولاد ہو تو خاوند کو اس کے کل ترکے سے چوتھا حصہ ملے گا۔ (فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ...)

بیوی:

۱۔ خاوند کی اگر کوئی اولاد نہ ہو تو بیوی کو کل مال کا چوتھا حصے ملے گا۔ (وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا...)

۲۔ خاوند کی اگر کوئی اولاد ہو تو بیوی کو کل مال کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ (فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ...)

بہن، بھائی:

۱۔ میت کی اولاد در اولاد اور باپ دادا وغیرہ نہ ہوں اور ماں کی طرف سے ایک بہن یا ایک بھائی وارث بن رہا ہو تو اسے کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا مذکر و مونث کی تمیز نہ ہوگی۔ (وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً...)

۲۔ میت کی اولاد در اولاد اور باپ دادا وغیرہ نہ ہوں اور ماں کی طرف سے بہن بھائی یا ایک سے زیادہ ہوں تو ان تمام کو کل مال کا تیسرا حصہ دیا جائے گا، مذکر و مونث اس میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ (فَإِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ...)

نوٹ!

۱۔ اولاد ہونے کی صورت میں پوتے پوتی کو کچھ نہ ملے گا۔

۲۔ باپ کی موجودگی میں دادا کو کچھ نہ ملے گا اگر باپ نہیں تو دادا باپ والا حصہ لے گا۔

۳۔ صرف اولاد یا صرف باپ یا اولاد اور باپ کی موجودگی میں میت کے بہن بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔

۴۔ صرف باپ یا ماں باپ کی طرف سے بہن بھائیوں کی وراثت کا بیان سورۃ کی آخری آیت میں آئے گا۔

مسائل

۱۔ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ ۲۔ صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں دو تہائی دیا جائے گا۔

۳۔ صرف ایک لڑکی وارث ہونے کی صورت میں اسے آدھا مال ملے گا۔

۴۔ میت کے متروکہ مال میں ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہوگا۔

۵۔ میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کی ماں تیسرے حصے کی وارث ہوگی۔

۶۔ مرنے والے کے بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہوگا۔ ۷۔ فوت ہونے والی بیوی کی اولاد نہ ہو تو خاوند کو نصف حصہ ملے گا۔

۸۔ مرنے والی کی اولاد ہو تو خاوند کا چوتھا حصہ ہوگا۔ ۹۔ آدمی کی اولاد نہ ہو تو اس کی بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔

۱۰۔ فوت ہونے والے کی اولاد ہو تو اس کی بیوی کا آٹھواں حصہ ہوگا۔

۱۱۔ فوت ہونے والے مرد یا عورت کی اولاد، ماں باپ اور دادی دادا نہ ہوں تو بھائی اور بہن (ماں جائے) ہونے کی صورت میں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

۱۲۔ کلالہ کے بہن بھائی (ماں جائے) زیادہ ہوں تو وہ تیسرے حصے کے حق دار ہوں گے۔

۱۳۔ یہ تقسیم، کفن دفن اور قرض کی ادائیگی اور میت وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

یہ حدیں اللہ اور جو اللہ کی اطاعت کرے اور اس کا رسول وہ اسے داخل کرے گا

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ

باغات بہتی ہیں سے ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں اور یہ

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ

کامیابی بڑی اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کا رسول اور بڑھ جائے اس کی حدیں

يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع

وہ اسے داخل کرے گا آگ ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے عذاب ذلیل کرنے والا

''یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۱۳) اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے آگے نکلے اسے اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: وراثت کے قانون درحقیقت اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود ہیں ان ماننے والوں کو جزا اور نہ ماننے والوں کو سزا سنائی ہے۔

اس سے پہلے کی آیات میں ماں باپ، اولاد اور ان کے قریبی رشتہ داروں کے درمیان میّت کی چھوڑی ہوئی متروکہ جائیداد کی وراثت کے بارے میں اصول متعین کر کے انہیں میت کا وارث بنایا گیا۔ لیکن حدیث میں کچھ جرائم کے مرتکب افراد کو بعض حالتوں میں وراثت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ جن میں سرفہرست مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا یعنی ایک آدمی پہلے کافر تھا اب مسلمان ہوا لہٰذا نئے دین میں شامل ہونے کی وجہ سے دوسرے دین کے حامل کا وارث نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص پہلے مسلمان تھا بدقسمتی سے عیسائی، یہودی یا کسی اور مذہب میں داخل ہوگیا تو وہ بھی وراثت کا حقدار نہیں ہوسکتا۔ (رواہ البخاری: کتاب الفرائض)

۲۔ باپ کا قاتل بیٹا ہو یا بیٹی وہ وراثت سے محروم ہو جائے گا۔

۳۔ قاتل اگر مقتول کی وراثت میں حصہ دار ہے تو قتل عمد کی صورت میں وہ بھی اپنے حصہ سے محروم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ

الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

(رواہ مسلم: باب أخذ الحلال وترک الشبهات)

''یقیناً حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ان کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں داخل ہو گیا۔ یہ اس چرواہے کی طرح ہے جو چراگاہ کے قریب جانور چراتا ہے ہوسکتا ہے وہ جانور چراگاہ میں چرنا شروع ہو جائیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سنو! یقیناً جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے یاد رکھنا! وہ دل ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رکھنے والے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ دنیا میں جس نے اللہ کی رضا کے لیے اپنی لذت اور مفاد کو چھوڑا آخرت میں اس کا بدلہ جنت ہے جس میں نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی جس نے حدود اللہ کا لحاظ اور احترام نہ کیا وہ حقیقت میں باغی ہے جس کو جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں جھونکا جائے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس کو اذیت ناک اور ذلیل کر دینے والا عذاب ہوگا۔

تاہم رسول اللہ ﷺ نے حدود اللہ اور کبیرہ گناہ کے بارے میں یہ صراحت فرمائی ہے کہ موحد ہونے کی صورت میں تزکیہ ہونے یعنی سزا بھگتنے کے بعد اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا:

«عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى أَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَيُخْرِجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِيْ جَانِبِ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً» (رواہ البخاری: باب تفاضل أهل الإیمان فی الأعمال)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ جنت والے جنت اور جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے آگ سے ہر اُس آدمی کو نکال لیا جائے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔ فرشتے آگ سے لوگوں کو نکالیں گے جو جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے انہیں نہرِ حیات میں غسل دیا جائے گا وہ ایسے نمو پائیں گے جس طرح سیلاب کے کنارے دانہ بہترین حالت میں اُگتا ہے۔''

مسائل

۱۔ وراثت کے مسائل اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کو جنت نصیب ہوگی۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور حدود سے تجاوز کرنے والے کو ذلیل ترین عذاب ہوگا۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ

اور جو عورتیں مرتکب ہوں بدکاری سے تمہاری عورتیں تو گواہ لاؤ ان پر

اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی

چار تم میں سے پھر اگر وہ گواہی دیں تو انہیں بند رکھو میں گھروں یہاں تک کہ

یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ

انہیں اٹھا لے موت یا بنا دے اللہ ان کے لیے کوئی راستہ اور جو دو مرد

یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا

مرتکب ہوں اس کے تم میں سے تو انہیں ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور اصلاح کر لیں تو پیچھا چھوڑ دو

عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

ان کا بیشک اللہ ہے توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان

''تمہاری عورتوں میں جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ ان کی موت واقع ہو یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راہ نکال دے (۱۵) تم میں سے جو دو مرد ایسا کام کریں انہیں سزا دو اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' (۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: معاشرتی اور معاشی استحصال ظلم کرنے کے احکام کے بعد اخلاقی بے راہ روی کے خاتمہ کا حکم۔

نزولِ اسلام سے پہلے روم، ایران اور دیگر ممالک کے ساتھ عرب معاشرہ میں ایک طبقہ پر لے درجے کی بے حیائی، فحاشی اور بدکاری میں مبتلا تھا۔ بعض شہروں میں جن میں مدینہ بھی شامل تھا باقاعدہ فحاشی کے اڈے قائم ہو چکے تھے۔ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والی عورتیں اپنے گھروں پر جھنڈا نما کپڑا لٹکایا کرتی تھیں تاکہ بے حیا لوگ آسانی کے ساتھ راغب ہو سکیں۔ یہ دھندہ کنواری عورتیں ہی نہیں بلکہ شادی شدہ عورتیں بھی کیا کرتی تھیں۔ اسلام نے اس بے حیائی کو روکنے اور ایسے مقدمات کی تحقیق کے لیے ایک نظام اور طریق کار وضع فرمایا کہ جرم ثابت ہونے پر پہلے نسبتاً ہلکی سزا تجویز کی گئی کہ اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت بدکاری کا ارتکاب کرے تو اس پر چار عادل گواہ پیش کیے جائیں جو صرف عادل مردوں سے ہونے چاہئیں اگر وہ اسلامی تقاضوں کے مطابق ٹھیک گواہی دیتے ہیں تو پھر ایسی عورتوں کو ان کے گھروں میں اس وقت تک محصور رکھا جائے جب تک اللہ تعالیٰ کوئی اور حکم نازل نہیں فرماتے یا پھر انہیں اس حالت میں موت آجائے۔

اس سے اگلی آیت میں ہم جنسی کرنے والے دو مردوں کی سزا بیان کی ہے کہ انہیں اس جرم کے بدلے اذیت دی

جائے۔ اگر وہ تائب ہوجائیں اور اپنی اصلاح کا وعدہ کریں تو پھر انہیں چھوڑ دیا جائے یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ بعد میں اس سزا میں اضافہ کیا گیا کہ شادی شدہ زانی مرد ہو یا عورت اسے سنگسار کیا جائے اور غیر شادی شدہ مرد ہو یا عورت اسے سو کوڑے مارے جائیں۔

اس کی تفسیر سورۃ نور میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ مجید نے یہاں ''وَالَّذَانِ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے اہلِ علم نے دو معانی کیے ہیں۔

① وَالَّذَانِ اسم موصول مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے مؤنث کا مذکر کے تابع ہونے کی وجہ سے یہاں مذکر اشارۃً لایا گیا ہے اس لیے بعض اہل علم نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''وَالَّذَانِ'' کا معنی ہے مرد اور عورت یعنی غیر شادی شدہ۔

② ''دو مردوں کا آپس میں ہم جنسی کرنے کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قومِ لوط کا فعل ہے جن کو اس جرم کی پاداش میں زمین سے اٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹا پھینکا گیا پھر ان لوگوں پر آسمان سے سنگ باری کی گئی۔'' قرآن میں ان کے جرم اور اس کی سزا الاعراف آیت ۸۰ تا ۸۴ کی تلاوت کریں۔

''اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت کی خاطر آتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ اور اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہنے لگے انہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو بہت پاک باز بنتے ہیں۔ ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ اور ہم نے ان پر پتھروں کی زبردست بارش برسائی، پس دیکھ لو مجرموں کا انجام کیا ہوا؟'' (الاعراف: ۸۰ تا ۸۴)

مسائل

۱۔ بدکاری کے ثبوت کے لیے چار گواہ ہونے چاہئیں۔

۲۔ ہم جنسی کرنا جرم ہے۔ ۳۔ اللہ توبہ قبول فرمانے اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہم جنسی کرنے والوں کی سزا:

۱۔ ہم جنسی کی ابتدا قومِ لوط نے کی۔ (الاعراف: ۸۰) ۲۔ ہم جنسی کی سزا۔ (الاعراف: ۸۴)

بدکاری کی سزا:

۱۔ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم۔ (مسلم: کتاب الحدود)

۲۔ کنوارے زانی مرد و زن کو سو کوڑے مارنے کا حکم۔ (النور: ۲) ۳۔ تہمت لگانے والے کی سزا۔ (النور: ۴)

اِنَّمَا	التَّوْبَةُ	عَلَى	اللّٰهِ	لِلَّذِيْنَ	يَعْمَلُوْنَ	السُّوْٓءَ
صرف	توبہ	پر	اللہ	ان لوگوں کیلئے	وہ کرتے ہیں	برائی
بِجَهَالَةٍ	ثُمَّ	يَتُوْبُوْنَ	مِنْ	قَرِيْبٍ	فَاُولٰٓئِكَ	يَتُوْبُ	اللّٰهُ
جہالت سے	پھر	توبہ کرتے ہیں	سے	جلدی	پس یہی لوگ	توبہ قبول کرتا ہے	اللہ
عَلِيْمُهُمْ ؕ	وَكَانَ	اللّٰهُ	عَلِيْمًا	حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾	وَلَيْسَتِ	التَّوْبَةُ
ان پر	اور ہے	اللہ	جاننے والا	حکمت والا	اور نہیں	توبہ
لِلَّذِيْنَ	يَعْمَلُوْنَ	السَّيِّاٰتِ ۚ	حَتّٰٓى	اِذَا	حَضَرَ	اَحَدَهُمُ
ان لوگوں کیلئے	وہ کرتے ہیں	برائیاں	یہاں تک کہ	جب	سامنے آجائے	ان میں سے کسی کو
الْمَوْتُ	قَالَ	اِنِّيْ	تُبْتُ	الْـٰٔنَ	وَلَا	الَّذِيْنَ	يَمُوْتُوْنَ
موت	وہ کہے	بیشک میں	توبہ کرتا ہوں	اب	اور نہ	وہ لوگ	وہ مرجاتے ہیں
وَهُمْ	كُفَّارٌ ؕ	اُولٰٓئِكَ	اَعْتَدْنَا	لَهُمْ	عَذَابًا	اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾
اور وہ	کافر	یہی لوگ	ہم نے تیار کیا	انکے لیے	عذاب	دردناک

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو جہالت کی وجہ سے برائی کریں اور پھر جلد ہی اس سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (۱۷) ان کی کوئی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے کہ میں نے توبہ کی اور جو کفر پر ہی مرجائیں ان کی توبہ بھی قبول نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اخلاقی بے راہروی کی سزا اور اس کی توبہ کے بیان کے بعد اب ان لوگوں کا ذکر ہوتا ہے جن کی توبہ قبول ہوگی اور جن کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

قرآنِ مجید کے اسلوبِ بیان میں بیشمار لطافتیں اور حکمتیں ہیں ان میں یہ بھی حکمت ہے کہ یہ محض قانون اور ضابطوں کی کتاب نہیں کہ جس میں پھیکا پن، جرم کی تفصیل اور صرف سزاؤں کا تذکرہ ہو قرآنِ مجید کی لطافت و بلاغت یہ ہے کہ وہ کسی قانون اور سزا کو محض ضابطے کے طور پر نہیں بلکہ اسے نصیحت اور خیر خواہی کے طور پر بیان اور نافذ کرتا ہے۔ بدکار لوگوں کی سزا کا ذکر کرنے کے فوراً بعد توبہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ جہالت کی وجہ ہونے والے گناہ کے بعد توبہ کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔ البتہ ان لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی جو پے در پے گناہ کرتے رہے یہاں تک کہ موت نے انہیں آلیا یا وہ کفر کی حالت میں مرے ان کے لیے نہایت ہی تکلیف دہ عذاب تیار کیا گیا ہے۔

جہالت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو کام بھی اللہ تعالیٰ کی تابعداری سے خارج ہو وہ جہالت تصور کیا جائے گا۔ لہٰذا جس شخص سے گناہ سرزد ہوا سے فوراً توبہ کرنی چاہیے۔

توبہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللهُ عَلَيْهِ» (صحيح مسلم: باب استحباب الاستغفار)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورج کے مغرب کی طرف سے نکلنے سے پہلے توبہ کرلے گا اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے۔''

۱۔ توبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اور ہر شخص کی توبہ نزع کے وقت سے پہلے قبول ہوسکتی ہے۔ نزع سے مراد موت کی وہ گھڑی ہے جب مرنے والے کو دنیا کی بجائے آخرت نظر آنے لگتی ہے۔

۲۔«مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ يُغَرْغِرَ نَفْسُهُ قَبِلَ اللهُ مِنْهُ» (رواه احمد: كتاب باقي مسند المكثرين، باب أحاديث رجال من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم [حسن لغيره])

''جس نے موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کرلی اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔''

۳۔«كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ» (رواه ابن ماجة: باب ذكر التوبة [حسن])

''آدم کی ساری اولاد خطا کار ہے اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔''

۴۔«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهُ» (رواه ابن ماجة: كتاب الزهد [حسن])

''گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے کے برابر ہوجاتا ہے۔''

توبہ کی شرائط:

توبہ کرنے والا اپنے گناہ پر نادم، آئندہ رک جانے کا عہد اور گناہ کے اثرات کو مٹانے کی کوشش کرے۔

مسائل

۱۔ جہالت کی وجہ سے گناہ کرنے والا توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔
۳۔ نزاع کے وقت توبہ کرنے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ ۴۔ کفار کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

کس کی توبہ قبول نہیں ہوتی:

۱۔ نزاع کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ (النساء: ۱۸) ۲۔ فرعون کی غرق ہونے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوئی۔ (یونس: ۹۱،۹۰)
۳۔ عذاب کے وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔ (المومن: ۸۵) ۴۔ مرتد کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ (البقرۃ: ۲۱۷)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا يَحِلُّ	لَكُمْ	اَنْ	تَرِثُوا	النِّسَآءَ
اے	جولوگ	ایمان لائے	نہیں حلال	تمہارے لیے	یہ کہ	وارث بن جاؤ	عورتیں
كَرْهًا ؕ	وَلَا	تَعْضُلُوْهُنَّ	لِتَذْهَبُوْا	بِبَعْضِ	مَآ	اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
زبردستی	اور نہ	انہیں روکے رکھو	تاکہ تم لے لو	کچھ	جو	تم نے ان کو دیا ہو
اِلَّآ	اَنْ	يَّاْتِيْنَ	بِفَاحِشَةٍ	مُّبَيِّنَةٍ ۚ	وَعَاشِرُوْهُنَّ	بِالْمَعْرُوْفِ ۚ
مگر	یہ کہ	وہ مرتکب ہوں	بے حیائی	کھلی ہوئی	اوران سے رہن سہن رکھو	دستور کے مطابق
فَاِنْ	كَرِهْتُمُوْهُنَّ	فَعَسٰٓى	اَنْ	تَكْرَهُوْا	شَيْـًٔا	وَّيَجْعَلَ
پھر اگر	ناپسند کرو تم انہیں	تو ممکن ہے	یہ کہ	تم ناپسند کرو	ایک چیز	اور رکھ دے
اللّٰهُ	فِيْهِ	خَيْرًا	كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾			
اللہ	اس میں	بھلائی	بہت			

''اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے ورثے قابو کرلو اور جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ واپس لینے کے لیے انہیں مت روکو۔ سوائے اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہا کرو۔ اگر تم انہیں ناپسند کرو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بھلائی پیدا کردے۔'' (۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بدکاری کی سزا اور اس کی توبہ کے بیان سے پہلے عورتوں کے حقوق کا ذکر ہو رہا تھا اب اس کا تسلسل بحال ہوتا ہے۔

عورتوں کے بارے میں عربوں کی جہالت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ عورت کو منڈی کا مال سمجھتے تھے۔ اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو نہ صرف وہ اپنی وراثت سے محروم ہو جاتی بلکہ مرنے والے کے وارث اس عورت کو اپنی مِلک سمجھتے ہوئے اس سے من مرضی کا سلوک کرتے جس کی چار صورتیں تھیں۔

۱۔ بیوہ کو جبراً نکاح میں لینا یہاں تک کہ بعض قبائل میں لوگ اپنی سوتیلی والدہ کو بیوی بنالیا کرتے تھے۔

۲۔ عورت کو طلاق دینے کے باوجود خاوند کا اُسے آگے نکاح کرنے سے کسی نہ کسی بہانے سے روکنا۔

۳۔ عورت کی جائیداد اور حق مہر پر قبضہ کرنا۔

۴۔ ذاتی اور قومی عصبیت کی بنیاد پر بیوہ یا مطلقہ کو نکاح سے روکنا۔

یہاں صرف ایک صورت میں عورت کا حق مہر لینے کی اجازت دی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی انتہاء درجے کی گستاخ ہو یا اس نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہو تو ایسی صورت میں خاوند کو حق ہے کہ وہ سزا کے طور پر اس کا حق مہر ضبط کرلے۔

اس آیت میں دوسرا حکم یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے ان میں اگر کوئی عادت تمہیں پسند نہیں تو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بیوی کی وجہ سے تمہیں خیرِ کثیر عطا فرمائے۔ خیرِ کثیر سے مراد نیک اولاد، بیوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا رزق میں برکت اور عزت میں اضافہ کرنا اور بیوی اپنی اولاد کی تربیت کا خصوصی خیال رکھنے والی ہو۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ» (رواه البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریته)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ کیونکہ یہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ سب سے ٹیڑھی پسلی اوپر والی ہوتی ہے اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو اسے توڑ دے گا۔ اگر اسے چھوڑ دے گا تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي» (رواه الترمذی: کتاب المناقب عن رسول الله [صحیح])

''وہی شخص اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ بہتر طریقے سے رہتا ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے معاملہ میں بہتر ہوں۔''

«عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ»

(مسند احمد: باب حدیث عبدالرحمن بن عوف [صحیح])

''حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عورت پانچ نمازیں ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی عفت کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو اسے کہا جائے گا کہ تو جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جا۔''

مسائل

۱۔ عورتوں کی وراثت پر قبضہ کرنا حرام ہے۔ ۲۔ عورتوں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا:

۱۔ بیویوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم۔ (النساء: ۱۹) ۲۔ بیویوں کو تکلیف نہ دی جائے۔ (الطلاق: ۶)
۳۔ حقِ زوجیت ادا کیا جائے۔ (النساء: ۳) ۴۔ حق مہر خوشی سے ادا کرنا چاہیے۔ (النساء: ۴)
۵۔ حق مہر واپس نہیں لینا چاہیے۔ (النساء: ۲۰) ۶۔ بچے کی وجہ سے ماں، باپ کو تکلیف نہ دی جائے۔ (البقرۃ: ۲۳۳)

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا

اور اگر تم چاہو بدل لینا ایک بی بی جگہ (بدلے) دوسری بی بی اور تم نے دیا ہے ان میں سے ایک کو خزانہ

فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ

تو نہ لو اس سے کچھ کیا تم لیتے ہو اس سے الزام اور گناہ صریح اور کیسے تم اسے لو گے

وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۲۱

اور یقیناً پہنچ چکا تم میں ایک دوسرے تک اور انہوں نے لیا تم سے عہد پختہ

''اور اگر تم پہلی بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ بھی دے رکھا ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم الزام لگا کر اور کھلا گناہ کر کے لو گے۔ (۲۰) تم اس کو کس طرح لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو اور پھر ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے حقوق و فرائض کا تذکرہ جاری ہے۔

بیوی کی کوئی بات ناگوار ہو تو پھر بھی اس کے ساتھ گزارا کرنا چاہیے، بصورتِ دیگر طلاق دیتے ہوئے اس سے حق مہر واپس لینے کی اجازت نہیں۔ پہلے حکم تھا اگر بیوی کی کوئی عادت ناگوار ہو تب بھی اس کے ساتھ اچھے طریقے سے رہنا چاہیے اور جبراً کسی عورت کو نکاح میں لینا یا بیوی کی کسی چیز پر قبضہ کرنا جائز نہیں۔ اب اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر بیوی کے ساتھ نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور خاوند نے بیوی بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہو تو ایسی صورت میں اس کو دیا ہوا حق مہر یا کوئی تحفہ بے شک وہ کتنا ہی گرانقدر اور قیمتی کیوں نہ ہو اس میں کچھ بھی واپس لینے کی اجازت نہیں۔ پہلی آیت میں اس بات کی اجازت تھی کہ اگر عورت بدکاری کا ارتکاب کرے یا حد سے زیادہ گستاخی کرے تو اس کا حق مہر ضبط کیا جا سکتا ہے۔ اب اس اجازت کو غلط استعمال کرنے سے منع کرنے کے لیے حکم دیا ہے کہ بلاوجہ عورت پر الزام لگا کر اسے دی ہوئی چیز واپس لینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تہمت لگانے کے مترادف اور بہت بڑا گناہ ہے۔ بیوی کو ہبہ کی ہوئی چیز اس لیے واپس نہیں لی جا سکتی جبکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوت اور پختہ عہد کر چکے ہیں۔

''اَفْضٰى'' کا معنی ہے ''بلا تکلّف ایک دوسرے کے قریب ہونا'' جس سے مراد میاں بیوی کی قربت ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی نے مجامعت نہ بھی کی ہو تو پھر بھی بیوی سے حق مہر لینا جائز نہیں۔ پختہ عہد کا مفہوم نکاح ہے کیونکہ عورت نکاح کے وقت اپنے آپ کو برضاء و رغبت خاوند کے حوالے کرتی ہے۔ قرآنِ مجید نے دوسرے مقام پر یہ ارشاد فرمایا کہ {وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ} [البقرۃ:۲۳۷] ''باہمی محبت کو فراموش نہ کرو۔'' جس کا مقصد یہ ہے کہ طلاق ہونے کے باوجود میاں بیوی میں دشمنی کا رویہ پیدا نہیں ہونا چاہیے۔

مسائل

۱۔ بیوی کو چھوڑتے وقت اس کو دیئے ہوئے تحائف واپس لینا بڑا گناہ ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا

اور نہ نکاح کرو جو نکاح کیا تمہارے باپ سے عورتیں مگر

مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ

جو تحقیق گزر چکا بیشک وہ تھا بے حیائی اور ناراضگی کی بات اور برا

سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ

راستہ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں

وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں وہ جو انہوں نے تمہیں دودھ پلایا

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ

اور تمہاری بہنیں سے دودھ شریک اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور تمہاری بیٹیاں وہ جو میں

''اور ان عورتوں سے نہ نکاح کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر چکا ہے۔ یہ بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بڑی بری راہ ہے۔ (۲۲) حرام کر دی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری رضاعی مائیں اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری ساسیں اور تمہاری وہ پروردہ لڑکیاں جو تمہاری

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورت کی عفت و تکریم کے تحفظ' گھر کے ماحول میں آزادی دینے اور باہمی شرم و حیا اور حد درجہ احترام کے لیے کچھ رشتے مستقل طور پر اور چند رشتوں کو حسد و بغض سے بچانے اور تقدس کے تحفظ کی خاطر مخصوص مدّت کے لیے حرام قرار دیا۔ مستقل طور پر حرام کردہ رشتے درج ذیل ہیں:

۱۔ ماں، دادی، نانی، اوپر تک۔ ۲۔ بیٹیاں، پوتیاں نیچے تک اور نواسیاں۔

۳۔ بیک وقت سگی بہنوں سے نکاح حرام ہے۔

۴۔ باپ یا ماں کی طرف سے یعنی سوتیلی بہنیں جنہیں علاتی اور اخیافی بہنیں کہا جاتا ہے۔

۵۔ پھوپھیاں۔

۶۔ خالائیں، خواہ یہ سگی ہوں یا اخیافی یا علاتی۔

۷۔ بھتیجیاں اور ان کی بیٹیاں۔

۸۔ بھانجیاں اور ان کی بیٹیاں۔

۹۔ رضاعی مائیں۔

حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ

تمہاری پرورش سے تمہاری بیبیاں وہ جو تم نے صحبت کی ان سے پس اگر

لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمْ

تم نے صحبت نہیں کی ان سے تو نہیں گناہ تم پر اور بیویاں تمہارے بیٹے

الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا

وہ جو سے تمہاری پشت اور یہ کہ تم جمع کرو دو بہنیں مگر جو

قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

تحقیق گزر چکا بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

گود میں ہیں تمہاری ان عورتوں سے جن سے مجامعت کر چکے ہو۔ ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دو بہنوں کا جمع کرنا سوائے اس کے جو گزر چکا ہو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔'' (۲۳)

۱۰۔ رضاعی بہنیں اور رضاعت کی بنیاد پر وہ سب رشتے حرام ہیں جو رشتۂ نسب کی بنیاد پر حرام ہیں۔

۱۱۔ ساس اور سالیاں جب تک ان کی بہن نکاح میں ہو۔

۱۲۔ سوتیلی بیٹیاں، جن کی ماں کے ساتھ خلوت ہو چکی ہو۔ اگر اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو تو پھر اس کی پہلی بیٹیوں کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔

۱۳۔ حقیقی بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ یعنی بہو سے نکاح حرام ہے۔

۱۴۔ تمام شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں۔ جب تک انہیں طلاق نہ ہو جائے۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عَمَّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ يُسَمّٰى أَفْلَحَ اسْتَأْذَنَ عَلَيْهَا فَحَجَبَتْهُ فَأَخْبَرَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهَا لَا تَحْتَجِبِيْ مِنْهُ فَإِنَّهُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»

(رواہ مسلم: کتاب الرضاع، باب تحریم الرضاعة من ماء الفحل)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کا رضاعی چچا جس کا نام افلح تھا اس نے ان کے ہاں آنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے اس سے پردہ کیا پھر رسول اللہ ﷺ کو یہ واقعہ بتلایا آپ نے فرمایا اس سے پردہ نہ کرو کیونکہ جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کے سبب بھی حرام ہیں۔''

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ

اور خاوند والی عورتیں سے عورتیں مگر جو مالک ہو جائیں تمہارے داہنے ہاتھ اللہ کا حکم

عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

تم پر اور حلال کی گئیں تمہارے لیے جو سوا ان کے یہ کہ تم تلاش کرو اپنے مالوں سے

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ

پاکدامنی اختیار کرنیوالے نہ شہوت رانی کرنے والے پس جو تم فائدہ حاصل کرو اسکے ساتھ ان میں سے تو ان کو دو

اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ

ان کے مہر مقرر کئے ہوئے اور نہیں گناہ تم پر اس میں جو تم باہم رضامند ہو جاؤ اسکے ساتھ

مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

سے بعد مقرر کیا ہوا بیشک اللہ ہے جاننے والا حکمت والا

''اور شوہر والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آجائیں اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیے ہیں اور ان عورتوں کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں ہیں کہ اپنے مال سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ شہوت رانی کرنے کے لیے۔ اس لیے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر ادا کرو۔ اور مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جن عورتوں کے خاوند موجود ہوں وہ بھی حرام ہیں۔ البتہ جو عورتیں جنگی قیدی یعنی لونڈیاں بن کر تمہاری ملک (capture) میں آجائیں اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ جائیں تو وہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ کیونکہ قیدی ہونے کی وجہ سے ان کا سابقہ نکاح ختم تصور ہوگا۔

مذکورہ عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہاں نکاح کا مقصد بیان فرمایا کہ یہ کام عیاشی کے لیے نہیں بلکہ بدکاری سے بچنے کے لیے ہونا چاہیے بشرطیکہ آزاد عورتوں کے حق مہر ادا کیے جائیں۔ حق مہر کی ادائیگی میں باہمی رضامندی سے کچھ طے کر لیا جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ یاد رکھو! اللہ خوب جانتا ہے کہ تم کس حد تک اس کے احکام کی پابندی کرنے والے ہو۔

قیدیوں کے بارے میں حالات کے مطابق چار صورتوں میں سے کوئی صورت اسلامی حکومت اختیار کر سکتی ہے:

① بلا معاوضہ آزاد کر دیا جائے۔ ② فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ ③ قیدیوں کا باہمی تبادلہ کر لیا جائے۔

④۔قومی مصلحت کے تحت ان کے شرعی واخلاقی حقوق ادا کرتے ہوئے غلام بنا کر رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا خالق، رازق اور مالک ہے اس کا حق اور انسان کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی غلامی میں زندگی گزارے۔ جو شخص یا قوم اللہ کی غلامی سے انکار اور اس کے حکم سے سرتابی کرتی ہے۔ وہ دنیا میں دنگا وفساد کا موجب بنتی ہے۔ اسے اخلاقی حدود میں رکھنے اور امن قائم کرنے کے لیے پہلے تبلیغ اور آخر میں قتال فی سبیل اللہ فرض قرار دیا گیا ہے۔

معرکۂ حق و باطل میں ضروری نہیں ہر بار مسلمان ہی غالب آئیں۔ بسا اوقات مسلمان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ہزیمت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں جانی، مالی نقصان کے ساتھ ایک دوسرے کے مرد وزن قیدی بنا لئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں کوئی چارہ کار نہ تھا کہ بامر مجبوری غلامی کی کوئی ایک صورت ایک حد تک باقی رکھی جائے۔

چنانچہ گھمبیر حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے قیدیوں کے متعلق چار باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

①۔فدیہ لے کر چھوڑنا۔ ②۔قیدیوں کا باہمی تبادلہ۔ ③۔شخصی غلامی یا ④۔ملک کے جیل خانہ میں رکھنا۔

البتہ عادی اور بھاری مجرموں کو قتل کرنے کی اجازت ہے۔ جس طرح فتح مکہ کے موقعہ پر چار مجرموں کو قتل کیا گیا تھا۔

(رواہ النسائی: باب الحکم فی المرتد [صحیح])

مندرجہ بالا تین صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائے تو پھر مسئلہ کا حل غلامی کے بغیر نہیں رہتا۔ اس صورت میں بھی قومی مصلحت کے تحت فیصلہ ہوگا کہ عام جیل خانہ میں رکھنا چاہیے یا قومی بوجھ سے بچنے اور قیدیوں کی دینی، اخلاقی تربیت کے لیے شخصی غلامی میں دینا چاہیے۔ شخصی غلامی کی صورت میں درج ذیل پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔

جو لوگ ناگزیر صورت میں بھی غلامی کے قانون پر اعتراض کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کیا کوئی غیور مسلمان یہ گوارا کر سکتا ہے کہ ہمارے قیدی تو دشمن کے قبضہ میں رہیں اور دشمن کے قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ مسلمان تو درکنار کوئی قوم بھی اس طرح کرنے کا تصور نہیں کر سکتی۔ اس ناگزیر صورت حال میں اسلام نے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھنے کے احکامات جاری فرمائے اور جن پر ہر دور کے مسلمانوں نے عمل کیا ہے۔ تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ غلامی کے بارے میں جو غلط فہمی پیدا کی ہے وہ یہ ہے کہ جو قیدی جس کے ہاتھ میں آئے وہ اس کی ملکیت ہے۔ اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے حالانکہ اس پکڑ دھکڑ کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ رسولِ کریم ﷺ کا خادم آپ کی سواری کا پلان سیدھا کر رہا تھا کہ دشمن کا تیر لگنے سے موقعہ پر فوت ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تبصرہ کیا کہ کتنا خوش قسمت ہے کہ ابھی چند دن ہوئے مسلمان ہوا اور شہادت کا رتبہ پالیا۔ نبی محترم ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں میں اسے آگ میں لپٹا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ اس نے مال غنیمت سے بلا اجازت ایک کمبل ہتھیا لیا تھا۔ (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر)

اندازہ فرمائیں جو دین بلا اجازت ایک کمبل بھی کسی مجاہد کے ہاتھ میں گوارا نہیں کرتا وہ قیدیوں بالخصوص خواتین قیدیوں کے بارے میں برداشت کر سکتا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی طرح جس کا دل چاہے ہانک کر لے جائے اور ان کو عیاشی کا سامان سمجھ بیٹھے اب ہم غلامی کے بارے میں رسولِ معظم ﷺ کے جاری کردہ چند اصول بیان کرتے ہیں تاکہ آپ سمجھ لیں کہ اسلام کے

دشمنوں یا نادان لوگوں نے اس مسئلہ میں کس قدر غلط فہمیاں پیدا کر رکھی ہیں۔

بلا اجازت مالِ غنیمت سے کوئی چیز لینا حرام ہے:

① ۔ رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا سنو! میں تم کو وہ بات بتانا چاہ رہا ہوں جو میں نے رسولِ معظم ﷺ سے سنی۔ آپ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا پانی کسی دوسرے کے کھیت کو پلائے یعنی غیر کی حاملہ عورت سے صحبت کرے اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ قیدی عورت کے استبراء سے پہلے اس سے صحبت کرے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس چیز کا لین دین کرے۔ (رواہ ابو داؤد: کتاب النکاح، باب فی وطی ء السبایا [حسن]) (استبرا کا معنی ہے عورت کا بچے کی ولادت سے فارغ ہونا۔)

② ۔ ماہواری سے پہلے لونڈی سے مجامعت کرنا حرام ہے:

«عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ اَتٰی بِامْرَاَةٍ مُجِحٍّ عَلٰی بَابِ فُسْطَاطٍ فَقَالَ لَعَلَّهٗ یُرِیْدُ اَنْ یُلِمَّ بِهَا فَقَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَهٗ لَعْنًا یَدْخُلُ مَعَهٗ قَبْرَهٗ کَیْفَ یُوَرِّثُهٗ وَهُوَ لَا یَحِلُّ لَهٗ کَیْفَ یَسْتَخْدِمُهٗ وَهُوَ لَا یَحِلُّ لَهٗ» (رواہ مسلم: کتاب النکاح، باب تحریم وطء الحامل المسبیة)

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ ایک حاملہ عورت کے قریب سے گزرے۔ آپ نے اس کے متعلق پوچھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا وہ فلاں شخص کی لونڈی ہے۔ آپ نے پوچھا کیا وہ اس سے مجامعت کرتا ہے؟ صحابہ نے کہا: جی۔ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اس پر ایسی لعنت کروں جو قبر تک اس کے ساتھ جائے۔ وہ اس بچہ سے کیسے خدمت کروائے گا؟ یا اس کو کیسے وارث بنائے گا، جبکہ اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں تھا۔''

③ ۔ غلام کو وہی کچھ کھلانا اور پہنانا چاہیے جو مالک خود کھاتا اور پہنتا ہے:

«عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ... اِخْوَانُکُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَخَاهُ تَحْتَ یَدِهٖ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا یُکَلِّفُهٗ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُهٗ فَاِنْ کَلَّفَهٗ مَا یَغْلِبُهٗ فَلْیُعِنْهُ عَلَیْهِ» (رواہ البخاری: باب ماینهی من السب واللعن)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا..... تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے زیر دست کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے بھائی کو اس کے ماتحت کر رکھا ہو، تو وہ اسے وہی کچھ کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اسی طرح کا پہنائے جیسا خود پہنتا ہے اور اس سے اتنا کام نہ لے جو اس کے لیے مشکل ہو اگر اس سے مشکل کام لے تو اس کام میں اس کی مدد کرے۔''

غور فرمائیں کہ نبی ﷺ نے غلام کے لیے بھائی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

④ ۔ غلام کو سزا دینے کی بجائے آزاد کر دینا چاہیے:

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهٗ حَدًّا لَمْ یَاْتِهٖ اَوْ لَطَمَهٗ فَاِنَّ

كَفَّارَتَهٗ اَنْ يُّعْتِقَهٗ» (رواه مسلم: باب صحبة المماليک و كفارة من لطم عبده)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے جس شخص نے اپنے غلام کو حد لگائی جب کہ اس نے وہ غلطی نہ کی ہو یا اس کو طمانچہ مارا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ اللّٰهُ ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ»

(رواه البخاری: کتاب البیوع)

''حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تین آدمیوں کے متعلق جھگڑا کروں گا ① ایسا آدمی جس نے میری بیعت کرنے کے بعد غداری کی ② جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی ③ جس نے کسی آدمی کو مزدور رکھا اور اس سے کام پورا لیا اور اجرت نہ دی۔''

۱۔ آزاد آدمی کو غلام بنانا یا فروخت کرنا حرام ہے۔ اس بنا پر کسی باپ کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کو فروخت کرے۔

جس لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے اسے اور اس کی اولاد کو فروخت نہیں کیا جا سکتا:

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى عُمَرُ عَنْ بَيْعِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ فَقَالَ لَا تُبَاعُ وَلَا تُوهَبُ وَلَا تُورَثُ يَسْتَمْتِعُ بِهَا سَيِّدُهَا مَا بَدَا لَهُ فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ» (سنن کبری بیهقی باب الرجل یطأ أمته بالملک فتلدله)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے چھوٹے بچوں والی لونڈیاں بیچنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ انہیں نہ بیچا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ وراثت میں کسی کو دیا جائے، جب تک اس کا مالک زندہ ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا اور جب فوت ہو جائے گا تو وہ آزاد ہو جائے گی۔''

مذکورہ بالا اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے چند فرامین پر غور ضرور فرمائیں کہ ان پر عمل کرنے کے بعد جنگ میں قید ہونے والے قیدی کے لیے حالت مجبوری میں مسلمان کی غلامی نعمت ہے یا سزا؟

مسائل

۱۔ شوہر والی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ ۲۔ نکاح کا مقصد برائی سے بچنا ہے شہوت رانی نہیں۔
۳۔ عورتوں کا حق مہر ادا کرنا چاہیے۔ ۴۔ عورت کی رضامندی سے اس کا حق مہر کھانا جائز ہے۔

تفسیر بالقرآن

محصنات کا مفہوم:

۱۔ شادی شدہ۔ (النساء: ۲۴) ۲۔ آزاد کنواری عورت۔ (النساء: ۲۵) ۳۔ پاکدامن۔ (النساء: ۲۵)

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

اور جو نہ طاقت رکھے تم میں سے مقدور کہ نکاح کرے وہ بیبیاں آزاد مومن عورتیں

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

تو سے جو مالک ہو جائیں تمہارے دائیں ہاتھ سے تمہاری کنیزیں مومن عورتیں اور اللہ خوب جانتا ہے

بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ

تمہارے ایمان کو تمہارے بعض سے بعض سو ان سے نکاح کرو تم اجازت سے ان کے مالک

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا

اور ان کو دو ان کے مہر دستور کے مطابق (نکاح) میں آنے والیاں نہ کہ مستی نکالنے والیاں اور نہ

''اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو نکاح کر لے۔ اللہ تمہارے ایمان کو جاننے والا ہے تم سب آپس میں ایک ہی ہو اس لیے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ان کو دو وہ پاک دامن ہوں نہ کہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کے اخراجات کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ کسی کی مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ مسلمان رشتۂ اسلام کے اعتبار سے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ یہ لوگوں کے اپنے پیدا کردہ حالات کا نتیجہ ہے کہ ان میں سے کچھ غلام بنا لیے گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو آزاد پیدا فرمایا ہے۔ لونڈی سے نکاح کے لیے اس کے مالک سے اجازت لینے کے ساتھ اس کو حق مہر بھی ادا کرنا ہوگا۔ اس لونڈی کا بھی فرض ہے کہ وہ محض شہوت رانی کی بجائے مستقل نکاح کی نیت رکھتے ہوئے پاک دامنی کے ارادے سے ازدواجی بندھن میں آئے اور کسی سے پوشیدہ دوستی رکھنے سے بھی مکمل اجتناب کرے۔ اگر منکوحہ لونڈی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے تو آزاد عورت کے مقابلے میں اسے آدھی سزا ہوگی۔

تخفیفِ سزا کی بنیادی وجوہات یہ ہیں:

۱۔ آزاد عورت کو اپنے خاوند، خاندان اور والدین کی حفاظت و نگرانی حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ لونڈی پر اتنی نگرانی نہیں ہوتی۔

۲۔ لونڈی کسی کی ملکیت میں ہونے کی وجہ سے مجبور ہوتی ہے کہ مالک اسے جہاں اور جن لوگوں کے پاس چاہے کام کے لیے بھیج سکتا ہے جب کہ آزاد عورت اس طرح مجبور نہیں ہوتی۔

۳۔ کسی کی لونڈی ہونے کی وجہ سے نفسیاتی طور پر خاوند کا رعب اور وقار اتنا نہیں سمجھتی جتنا آزاد عورت سمجھتی ہے کیونکہ یہ

مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

آشنائی کرنے والیاں چوری چھپے پس جب نکاح میں آجائیں پھر اگر وہ کریں بے حیائی تو ان پر

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ

آدھا جو پر آزاد عورتیں سے سزا یہ اس کے لیے جو ڈرا

ع ۴ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵ ع

زنا تم میں سے اور اگر تم صبر کرو بہتر تمہارے لیے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں۔ جب یہ لونڈیاں نکاح میں آجائیں۔ پھر اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا سے جو آزاد عورتوں کی ہے۔ لونڈیوں سے نکاح کا حکم تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' (۲۵)

لونڈی اپنے مالک کے ماتحت ہوتی ہے۔ ان وجوہات کی وجہ سے لونڈی سے بدکاری ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے جس وجہ سے سزا میں بھی تخفیف کر دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چھوڑ کر لونڈیوں سے شادی کرنے کی دو وجوہ بیان کی ہیں انہیں ذہن نشین رکھنا چاہیے۔

۱۔ آزاد عورت سے شادی کے اخراجات برداشت نہ کر سکتا ہو۔

۲۔ آدمی اپنے آپ میں کسی گناہ میں ملوث ہونے کا خوف محسوس کرتا ہو۔

ان دو وجوہات کے علاوہ اسے لونڈی سے شادی کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ کیونکہ لونڈی کی اولاد اس کے آقا کی غلام ہوتی ہے۔

لونڈی سے نکاح کرنے کی قباحتیں:

۱۔ غیور آدمی کو یہ بات مسلسل کھٹکتی رہے گی کہ میری بیوی دوسرے کی لونڈی ہے۔

۲۔ لونڈی کی اولاد اس کے خاوند کی بجائے شرعی طور پر آقا کی ملکیت ہوتی ہے۔

۳۔ لونڈی اپنے خاوند کے حقِ زوجیت ادا کرنے کے علاوہ باقی معاملات میں اپنے آقا کی پابند ہوتی ہے۔

مسائل

۱۔ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی استعداد نہ ہو تو مومنہ لونڈی رکھنا جائز ہے۔ ۲۔ بدکار لونڈی کی سزا نصف ہے۔

يُرِيْدُ	اللّٰهُ	لِيُبَيِّنَ	لَكُمْ	وَيَهْدِيَكُمْ	سُنَنَ	الَّذِيْنَ	مِنْ
ارادہ رکھتا ہے	اللہ	تاکہ بیان کردے	تمہارے لیے	اور تمہیں ہدایت دے	طریقے	جولوگ	سے
قَبْلِكُمْ	وَيَتُوْبَ	عَلَيْكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ	حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾	وَاللّٰهُ	يُرِيْدُ
تم سے پہلے	اور رجوع کرے	تم پر	اور اللہ	جاننے والا	حکمت والا	اور اللہ	ارادہ رکھتا ہے
اَنْ	يَّتُوْبَ	عَلَيْكُمْ ۖ	وَيُرِيْدُ	الَّذِيْنَ	يَتَّبِعُوْنَ	الشَّهَوٰتِ	اَنْ
یہ کہ	رجوع کرے	تم پر	اور ارادہ رکھتے ہیں	وہ لوگ	پیروی کرتے ہیں	خواہشات	یہ کہ
تَمِيْلُوْا	مَيْلًا	عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾	يُرِيْدُ	اللّٰهُ	اَنْ	يُّخَفِّفَ	عَنْكُمْ ۚ
تم پھر جاؤ	پھر جانا	بہت بڑا	چاہتا ہے	اللہ	یہ کہ	ہلکا کردے	تم سے
وَخُلِقَ	الْاِنْسَانُ	ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾					
اور پیدا کیا گیا	انسان	کمزور					

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے کھول کر بیان کرے اور تمہیں پہلے لوگوں کی راہ دکھلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (۲۶) اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیچھے لگتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ (۲۷) اللہ چاہتا ہے کہ تم پر آسانی کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔'' (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

عورتوں کے حقوق اور دیگر مسائل کے بارے میں دنیا کے دو بڑے مذاہب یہود و نصاریٰ نے بہت سے حقائق چھپا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کو کھول کھول کر بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے کھول کر بیان کیے ہیں تاکہ تمہیں پہلے انبیاء اور صلحاء کا راستہ دکھلایا جائے اور تمہیں معلوم ہو کہ اللہ کے برگزیدہ لوگوں کی زندگی کا کیا اسلوب ہوا کرتا ہے تاکہ تم صالح زندگی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے حقدار بن جاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے کرم و فضل کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ اپنے نفس کے پجاری، خواہشات کے بندے اور رسومات کے غلام بن چکے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم صراط مستقیم اور اللہ کے کرم سے محروم ہو جاؤ۔ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین میں کوئی ایسی بات نہیں رکھی جو تمہاری قوتِ عمل سے باہر ہو۔ دینی احکام کو اس لیے آسان رکھا گیا کیونکہ انسان نہایت کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ»

(رواہ البخاری: کتاب الإیمان، باب الدین یسر)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا دین آسان ہے کوئی شخص اسلام پر غالب نہیں آسکتا بلکہ دین ہی غالب ہوگا۔ اجر وثواب کا راستہ اور میانہ روی اختیار کرو، لوگوں کو خوشخبریاں دو، صبح وشام اور رات کے کچھ حصے میں اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے رہو۔''

رسولِ کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کچھ نام نہاد علماء اور جاہل صوفیوں نے مصنوعی تقویٰ، گروہی تعصّبات اور دنیوی مفادات کی خاطر دینِ اسلام میں بے پناہ اضافے کیے۔ مذہبی پیشواؤں کی مجرمانہ حرکت، لوگوں کی بے علمی اور دین سے عدم دلچسپی کی وجہ سے آسان ترین دین آج لوگوں کو مشکل دکھائی دے رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ دین نہایت ہی آسان اور فطرتِ انسانی کے مطابق بنایا ہے۔ عادی مجرموں، پیشہ ور ظالموں اور اس پر جان بوجھ کر عمل نہ کرنے والوں کے سوا سب کے لیے دین آسان ہے۔ جو شخص خلوصِ نیت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے گا اسے نہ صرف دین آسان دکھائی دے گا بلکہ اس کی دنیا وآخرت کی مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ بشرطیکہ اجتماعی ضابطوں پر اجتماعی طور پر اور انفرادی قوانین پر انفرادی سطح پر عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگنا:

یقیناً اسلام فطرت کے موافق اور آسان بنایا گیا ہے۔ کیونکہ انسانی طبائع ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتیں۔ دنیاوی ترغیبات، معاشرتی اور کاروباری مشکلات انسان پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں جن کی وجہ سے آدمی سستی، کم ہمتی اور بے توجہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے سستی سے بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔ گرامی قدر رسول ﷺ بڑے اہتمام کے ساتھ اللہ کے حضور یہ دعائیں کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ» (رواه ابو داؤد: كتاب الصلاة [صحيح])

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

«اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ» (رواه الترمذي: كتاب الدعوات [صحيح])

''اے اللہ! میں سستی، بڑھاپے، بزدلی اور بخیلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت دینا اور ان کی توبہ قبول کرنا چاہتا ہے۔ ۲۔ بدکار لوگ نیک لوگوں کو بے حیا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔
۳۔ انسان کی کمزوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں آسانی پیدا فرمائی ہے۔

تفسیر بالقرآن

دین تو آسان ہے:

۱۔ بیماری یا سفر میں روزہ چھوڑ کر بعد میں گنتی پوری کرنا چاہیے۔ (البقرہ: ۱۸۴)
۲۔ حالت سفر میں نماز قصر کی اجازت ہے۔ (النساء: ۱۰۱) ۳۔ غسل یا وضو کے لیے پانی نہ ملے تو تیمم کا حکم۔ (المائدۃ: ۶)
(تفصیل کے لیے دیکھیں راقم کی کتاب ''دین تو آسان ہے'')

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ

اے جولوگ ایمان لائے نہ کھاؤ تمہارے مال آپس میں ناحق مگر

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ

یہ کہ ہو کوئی تجارت سے باہمی رضامندی تم سے اور نہ قتل کرو تمہارے نفس بیشک

اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا

اللہ ہے تمہارے ساتھ بہت مہربان اور جو کرے گا یہ سرکشی اور ظلم

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

پس عنقریب ہم اس کو ڈالیں گے آگ اور ہے یہ پر اللہ آسان

''اے ایمان والو! آپس کے مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے خرید وفروخت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔(۲۹) اور جو شخص یہ سرکشی اور ظلم کرے گا عنقریب ہم اسے آگ میں داخل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا کرنا آسان ہے۔''(۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حرمت رشتہ اور حرمتِ اموال کا باہم معنوی تعلق ہے کیونکہ دونوں کا خیال نہ رکھنے سے رنجشیں پیدا ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حرمت پامال ہوتی ہے۔

اب تک سورۃ النساء کی ابتدا میں خاندان، یتامیٰ اور لونڈیوں کے معاشرتی و مالی حقوق کا ذکر اور ان کے ساتھ مقدس رشتوں کی حرمت وتکریم کا بیان ہوا ہے۔ اب مالی حقوق بیان کرنے سے فرمایا کہ تم اپنے ہی مال آپس میں باطل طریقے کے ساتھ نہ کھایا کرو۔ البتہ باہمی رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے لین دین کے ذریعے مال لینا اور کھانا جائز ہے۔ جس طرح تم اپنے مال ناجائز طریقے سے نہیں کھا سکتے اسی طرح تمہیں اپنے آپ کو قتل بھی نہیں کرنا چاہیے۔ الفاظ کے سیاق وسباق سے یہاں معاشی قتل بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربانی کرنا چاہتا ہے۔ اس کی مہربانی کا یہ تقاضا ہے کہ تم بھی مالی، اخلاقی اور جسمانی ظلم کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور مہربانی کا سلوک کرو۔ جذبۂ اخوت کو بڑھانے کے لیے ایک دوسرے کے مال کے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے ایسی ضمیریں استعمال فرمائی ہیں۔ جن سے باہمی قربت وشفقت کا احساس بیدار ہو سکے۔ جو شخص اس حکم اور نصیحت کے باوجود کسی پر مالی اور جانی ظلم کرے گا دنیا میں شاید وہ اس کی سزا سے بچ جائے لیکن آخرت کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ظالموں کو سزا دینا ذرّہ برابر بھی مشکل نہیں۔ دنیا تو نہایت مختصر اور جلد ہی ختم ہو جانے والی ہے اور اس کے بعد اسے جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں جھونک دیا

جائے گا۔ وہاں نہ ان جرائم کی معافی ہوگی اور نہ ہی سزا کے بغیر تلافی ہو سکے گی۔ آپ ﷺ نے دھوکا دہی، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی وبیشی، حرام چیزوں کی خرید وفروخت اور رشوت سے منع فرمایا۔ اب ہم احادیث کے حوالہ جات سے قدرے تفصیل کے ساتھ جائز اور ناجائز طریقوں کا ذکر کریں گے۔ قتل کے بارے میں سورۃ المائدۃ کی آیت کی تفسیر بیان ہوگی۔

سود اور اس کی تمام قسمیں حرام ہیں

سورۃ البقرۃ کی آیت 275 میں سود کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اس کی تفصیل مذکورہ آیت کے ضمن میں دیکھیں اور ہر وہ کاروبار ناجائز ہوگا جس میں سود یا اس کی کوئی شکل پائی جاتی ہو۔

۱۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم اٹھا کر کسی مسلمان کا حق کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم لازم اور جنت حرام کر دیتے ہیں۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کی اگرچہ یہ حق تلفی تھوڑی ہو؟ فرمایا اگرچہ وہ پیلو کے درخت کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔ (رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب وعید من اقتطع الخ)

۲۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے ہم کلام نہیں ہوگا اور نہ ہی انہیں نظر کرم سے دیکھے گا اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا بلکہ انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ ایسے لوگ تو نامراد اور خسارے میں پڑ گئے۔ آپ نے فرمایا ٹخنوں سے نیچے تہ بند لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنے والا۔ (رواہ مسلم: کتاب الایمان)

ماپ تول میں کمی کرنا

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اس جرم کی وجہ سے دنیا سے نیست ونابود کر دی گئی۔ (الأعراف: ۸۵)

رسول اللہ ﷺ نے ماپ تول کرنے والوں کو فرمایا یقیناً تم دو ایسے کاموں کے ذمہ دار بنائے گئے ہو۔ جن میں کوتاہی کی وجہ سے پہلی قومیں تباہ ہوگئیں۔ (رواہ الترمذی: کتاب البیوع، باب فی المکیال والمیزان [موقوف صحیح])

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بازار تشریف لے گئے ایک تولنے والے کو دیکھا کہ وہ کوئی جنس تول رہا ہے۔ اسے فرمایا تولیے مگر جھکتا ہوا۔ (رواہ النسائی: کتاب البیوع، باب الرجحان فی الوزن [صحیح])

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت حرام قرار دی ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب بیع المیتۃ والأصنام)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ذکر کرتے ہیں کہ آپ نے کتے کی قیمت، فاحشہ کی کمائی اور نجومی کی اجرت سے منع فرمایا۔ (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب ثمن الکلب)

تجارت میں دھوکا دینا حرام ہے

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی عیب دار چیز اس کا عیب بتلائے بغیر فروخت کی وہ

ہمیشہ اللہ کے غضب میں مبتلا رہے گا اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔(رواہ ابن ماجۃ: کتاب التجارات [ضعیف])

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے سودا کرنے والے جب تک آپس میں جُدا نہ ہوں انہیں سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہے۔ اگر انہوں نے سچ بولا اور صاف گوئی سے کام لیا تو ان کی تجارت میں برکت ہوگی اگر اس کا عیب چھپایا اور جھوٹ بولا تو سودے سے برکت اٹھالی جائے گی۔(رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب إذا بین البیعان.....)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک دن منڈی تشریف لے گئے اور ایک غلے کے ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو انگلیوں پر نمی محسوس فرمائی۔ غلہ کے مالک سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ اللہ کے رسول رات بارش ہوئی تو میں نے گیلا اناج نیچے کر دیا آپ نے فرمایا تجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جس نے دھوکا دیا وہ ہم سے نہیں ہے۔

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا)

کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا غلط ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجبور آدمی کی تجارت سے فائدہ اٹھانے، دھوکے کی تجارت اور پھلوں کے پکنے سے پہلے سودا کرنے سے منع فرمایا۔(رواہ ابو داؤد: کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر [حسن لغیرہ])

ابو حرہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم نہ کرو۔ کسی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہوتا ہے۔(مسند أحمد: کتاب: اول مسند البصریین، باب حدیث عم ابی حرہ [صحیح])

چوری کا مال خریدنا

آپ ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص نے اپنا مال کسی کے پاس پایا وہ اس سے واپس لینے کا زیادہ حقدار ہے جس نے مسروقہ مال خریدا ہے وہ اس کے چور کو تلاش کرے۔(رواہ النسائی: کتاب البیوع، باب الرجل یبیع السلعۃ فیستحقھا مستحق [صحیح])

مسائل

۱۔ مسلمانوں کا ایک دوسرے کا مال کھانا اور قتل و غارت کرنا حرام ہے۔ ۲۔ ظالم اور زیادتی کرنے والا جہنم میں داخل ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

مال کمانے کے باطل طریقے:

۱۔ سود لینا حرام ہے۔(البقرۃ:۲۷۵) ۲۔ رشوت لینا حرام ہے۔(البقرۃ:۸۵)

۳۔ کم تولنا حرام ہے۔(المطففین:۱) ۴۔ لوٹ مار کرنا حرام ہے۔(المائدۃ:۳۳)

۵۔ غلط مقدمات کے ذریعے مال حاصل کرنا حرام ہے۔(البقرۃ:۱۸۸)

اِنْ	تَجْتَنِبُوْا	كَبَآىِٕرَ	مَا تُنْهَوْنَ	عَنْهُ	نُكَفِّرْ	عَنْكُمْ
اگر	تم بچتے رہو	بڑے گناہ	جو تم منع کیے گئے	اس سے	ہم دور کر دیں گے	تم سے
سَيِّاٰتِكُمْ	وَنُدْخِلْكُمْ	مُّدْخَلًا	كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾			
تمہارے چھوٹے گناہ	اور ہم تمہیں داخل کریں گے	مقام	عزت			

''اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔'' (۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رشتوں کی حرمت کو پامال کرنا اور حرام کھانا کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔ جو کبیرہ گناہوں سے بچے گا اس کے لیے چھوٹے گناہوں سے بچاؤ آسان ہو جاتا ہے۔ اگر چھوٹے گناہ بتقاضائے بشریت سرزد ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ یقیناً معاف فرما دیں گے۔

رب کریم نے اس فرمان میں مومنوں کو ایک تسلی اور اطمینان دلایا ہے کہ اگر تم بڑے اور سنگین نوعیت کے گناہوں سے اجتناب کرو تو تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ ہم اپنے کرم سے از خود ہی معاف فرما دیں گے۔ بڑے گناہوں سے بچنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ بڑے گناہ اکثر چھوٹے گناہوں سے جنم لیتے ہیں۔ مثلاً زنا سے پہلے اشارے کنائے، آنکھ مچولی، قتل سے پہلے حسد و بغض، گالی گلوچ اور معمولی جھگڑا وغیرہ۔ اس فرمان کی تفسیر رسولِ معظم ﷺ نے یوں فرمائی مسلمان جب وضو کرتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ جب کلی کرتا ہے تو زبان کے، منہ دھوتا ہے تو آنکھوں، کان اور چہرے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ جب نماز ادا کرتا ہے تو وہ اس طرح گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے جس طرح موسم خزاں میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

«عَنْ أَبِي ذَرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ فِي زَمَنِ الشِّتَآءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَأَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَاأَبَاذَرٍ! قُلْتُ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهُ كَمَا يَتَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ»

(مسند احمد: کتاب مسند الأنصار، باب حدیث أبی ذر رضی اللہ عنہ [حسن لغیرہ])

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ سردیوں کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتے جھڑ رہے تھے آپ نے درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا جس سے ٹہنی کے پتے زمین پر گر پڑے پھر فرمایا ابوذر! میں نے عرض کی کہ حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا مسلمان آدمی جب اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی گر جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر گئے ہیں۔''

اس طرح بعض اذکار کے فوائد بیان فرمائے کہ ان سے گناہ معاف اور پڑھنے والے کے مرتبے بلند ہوتے ہیں۔ البتہ کبیرہ گناہ سچی توبہ اور اس کے تقاضے پورے کرنے سے ہی معاف ہوتے ہیں۔ آپ نے امّت کو ایسے گناہوں سے بچنے کے

لیے کبیرہ گناہوں کی ایک فہرست بیان فرمائی ہے۔ ان گناہوں کے ساتھ علماء نے قرآن وسنت کو سامنے رکھتے ہوئے ہر اس گناہ کو کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ جنہیں کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو کر اور تکبر سے کرتا ہے بظاہر وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ کچھ علماء نے ان گناہوں کو بھی کبیرہ گناہ شمار کیا ہے جن کے کرنے پر لعنت کی گئی ہے۔ تاہم یہاں ان گناہوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کا نام لے کر رسول اللہ ﷺ نے انہیں کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْكَبَآئِرَ فَقَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ فَقَالَ أَلَآ أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ»

(رواه البخاری: کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''بڑے گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق خون کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔'' پھر فرمایا کیا میں تمہیں بڑے گناہ سے آگاہ نہ کروں؟ وہ جھوٹی گواہی دینا ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَاهُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ»

(رواه البخاری: کتاب الحدود، باب رمي المحصنات)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سات تباہ کر دینے والے گناہوں سے بچ جاؤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول! وہ کون کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ① اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ② جادو کرنا، ③ ناحق کسی کو قتل کرنا، ④ سود کھانا، ⑤ یتیم کا مال کھانا، ⑥ میدانِ جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا اور ⑦ بے خبر پاکدامن مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا۔''

مسائل

۱۔ اگر لوگ بڑے گناہوں سے بچ جائیں تو اللہ تعالیٰ چھوٹے گناہوں کو معاف فرما کر ان کو جنت میں داخل کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں مذکور کبیرہ گناہ:

۱۔ شرک بڑا گناہ ہے۔ (النساء: ۴۸) ۲۔ والدین کی نافرمانی بڑا گناہ ہے۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

۳۔ زنا بڑا گناہ ہے۔ (الفرقان: ۶۸، ۶۹) ۴۔ یتیموں کا مال کھانا بڑا گناہ ہے۔ (النساء: ۱۰)

۵۔ قتل ناحق بڑا گناہ ہے۔ (النساء: ۹۳) ۶۔ دختر کشی کرنا بڑا گناہ ہے۔ (التکویر: ۸، ۹) ۷۔ سود کھانا بڑا گناہ ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵)

وَلَا تَتَمَنَّوْا	مَا فَضَّلَ	اللّٰهُ	بِهٖ	بَعْضَكُمْ	عَلٰى	بَعْضٍ ؕ
اور نہ آرزو کرو	جو فضیلت دی	اللہ	اس سے	تم میں سے بعض	پر	بعض
لِلرِّجَالِ	نَصِيْبٌ	مِّمَّا	اكْتَسَبُوْا ؕ	وَلِلنِّسَآءِ	نَصِيْبٌ	مِّمَّا
مردوں کے لیے	حصہ	اس سے جو	انہوں نے کمایا	اور عورتوں کے لیے	حصہ	اس سے جو
اكْتَسَبْنَ ؕ	وَسْـَٔلُوا	اللّٰهَ	مِنْ	فَضْلِهٖ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	كَانَ
انہوں نے کمایا	اور سوال کرو	اللہ	سے	اس کا فضل	بیشک	اللہ	سے
بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾					
ہر	چیز	جاننے والا					

''اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔'' (۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح بڑے گناہ آدمی کو ہلاک کر دیتے ہیں اسی طرح حسد بھی آدمی کے اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار اور دنیا کے نظام کو مربوط رکھنے کے لیے لوگوں کے درمیان تفاوت اور اُونچ نیچ رکھی ہے تاکہ انسان ایک دوسرے کی ضرورت محسوس کریں باہمی تعاون اور احترام کریں۔ جس کو نعمت میسر آئی ہے وہ شکر ادا کرے اور جسے محروم رکھا گیا ہے وہ صبر کرے۔ چھوٹے بڑے کا فرق عام انسانوں کے علاوہ میاں بیوی اور ایک باپ کی اولاد میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک خوبصورت دوسرا عام صورت ہے، ایک تنومند اور طویل قدوقامت لیے ہوئے، جبکہ دوسرا پست قد اور ناتواں جسم کا مالک ہے، ایک معمولی محنت کے بعد دولت میں کھیل رہا ہے دوسرا سخت مشقت اٹھانے کے باوجود غربت کے تھپیڑے کھا رہا ہے' ایک دانا دوسرا نادان ہے۔ اس فطری تفاوت کے بارے میں حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ جلنے اور حسد کرنے کے بجائے اسے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سمجھ کر قبول کرو۔ یاد رکھو کہ تمہارے رب کے نزدیک طاقت ور اور کمزور، گورے اور کالے، غریب اور امیر، شاہ اور گدا، عربی اور عجمی میں کوئی فرق نہیں۔ اس کی بارگاہ میں چہرے نہیں دل دیکھے جاتے ہیں۔ نعرے نہیں آدمی کا کردار دیکھا جاتا ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یوں بیان فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى»

(مسند أحمد: كتاب مسند الأنصار، باب حديث رجل من أصحاب النبی ﷺ [صحيح])

''اے لوگو! خبردار یقیناً تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی

عربی پر، کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر سوائے تقویٰ کے کوئی فضیلت حاصل نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے غریبوں کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

«يَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَهُوَ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ»

(رواه الترمذی: کتاب الزهد، باب ماجاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم [صحيح])

''غریب مسلمان امیر لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔''

لہٰذا قدرت کے فرق کو مٹانے یا حسد کے ساتھ آگے بڑھنے میں اپنی صلاحیتیں ضائع نہ کرو۔ بلکہ اپنے آپ کو سنوارنے اور آخرت بنانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل کے طلب گار اور اس کا قرب تلاش کرنے والے ہو جاؤ۔ اس کے خزانے لامحدود، اس کی رحمت بے کراں اور اس کا فضل بے حد وحساب ہے۔ وہاں مرد وزن میں فرق کیے بغیر ہر کسی کے اعمال اور اس کی نیت وکردار کے مطابق اجر دیا جائے گا۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا» (رواه البخاری: کتاب الأدب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ بدگمانیوں سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور نہ ٹوہ لگاؤ، نہ جاسوسی کرو، نہ پیٹھ پیچھے باتیں کرو اور نہ ہی آپس میں بغض رکھو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ» (رواه ابو داؤد: کتاب الادب، باب فی الحسد [حسن])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مرد وزن کے حصے مقرر فرما دیے ہیں۔

۲۔ ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

فضل کا معنیٰ ومفہوم:

۱۔ فضل سے مراد مال ہے۔ (البقرۃ:۱۹۸) ۲۔ فضل سے مراد احسان کرنا۔ (البقرۃ:۶۴)

۳۔ فضل سے مراد فضیلت۔ (النساء:۷۰) ۴۔ فضل سے مراد مالِ غنیمت۔ (النساء:۷۳)

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ

اور ہر ایک کے لیے	ہم نے مقرر کیے	وارث	اس سے جو	چھوڑ جائیں	والدین اور قرابت دار

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور وہ جو کہ	بندھ چکا	تمہارا عہد	تو ان کو دے دو	ان کا حصہ	بیشک اللہ ہے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

پر	ہر	چیز	گواہ (مطلع)

''ماں باپ یا قرابت دار جو ترکہ چھوڑ جائیں ہم نے ہر شخص کے وارث مقرر کر دیئے ہیں اور جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے انہیں ان کا حصہ دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' (۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مردوں اور عورتوں کے معاشرتی اور اخلاقی حقوق بیان کرنے کے بعد مالیاتی حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔

اوپر کی آیت میں مرد اور عورت کی کمائی کو الگ الگ تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہاں عربوں کے اس رواج کی اصلاح کی گئی ہے جس میں مرنے والا اپنے حقیقی وارثوں کو محروم کر کے کسی دوست یا رشتہ دار کے نام اپنی جائیداد وقف کر دیتا تھا۔ فرمایا کہ مرد ہو یا عورت ہر ایک کا حصہ اور اس کے وارثوں کا تعین کر دیا گیا ہے۔ اب ان کے حصہ میں کمی وبیشی کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ سوائے اس کے جو اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلے تم نے کسی کے ساتھ عہد کیا ہو۔ اسے عہد کے مطابق اتنا حصہ دے سکتے ہو۔ لیکن اس کے بعد ایسا کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلے انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو وراثت میں حصہ دار ٹھہرایا کرتے تھے۔ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا اور فرمایا کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر سخت بیمار ہوئے۔ انہوں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میرے پاس بہت سا مال ہے ایک بیٹی کے علاوہ کوئی وارث نہیں۔ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے انہیں اجازت نہ دی انہوں نے نصف کی اجازت چاہی۔ آپ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی اس کے بعد انہوں نے ایک تہائی کی اجازت مانگی تو آپ نے یہ فرما کر اجازت دی کہ یہ بھی زیادہ ہے۔ اپنی اولاد کو مال دار چھوڑنا ان کو محتاج چھوڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الفرائض، باب میراث البنات)

مسائل

۱۔ وراثت کی تقسیم شریعت کے مطابق ہونی چاہیے۔

نوٹ: وراثت کا بیان سورۃ النساء: ۱۱ کے تحت دیکھئے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ

مرد (جمع) حاکم پر عورتیں اس لیے کہ فضیلت دی اللہ ان میں سے بعض

عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ

پر بعض اور اس لیے کہ انہوں نے خرچ کیا سے اپنے مال پس نیکوکار عورتیں تابع فرمان

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ

حفاظت کرنے والیاں غیر حاضری اس سے جو حفاظت کی اللہ اور وہ جو تم ڈرتے ہو

نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ

ان کی نافرمانی پس ان کو سمجھاؤ اور ان کو تنہا چھوڑ دو میں بستر (جمع) اور ان کو سزا دو پھر اگر

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پس نیک تابع فرماں عورتیں خاوند کی غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت و نگرانی میں (عزت و مال کی) حفاظت کرنے والی ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستر پر چھوڑ دو اور انہیں سزا دو پھر اگر

فہم القرآن

ربطِ کلام: معاشرتی، مالی حقوق اپنی جگہ مسلّم لیکن خاندانی یونٹ کو متوازن اور مستحکم رکھنے کے لیے مرد کو گھر کا ناظم مقرر کیا گیا ہے اگر ان کے درمیان تنازعہ ہو جائے تو اس کا طریقہ کار بھی طے کر دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید نے گھریلو زندگی کو ایک یونٹ قرار دے کر مرد کو اس کا سربراہ مقرر کیا ہے۔ جس کے لیے ''قَوَّامُ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنی ہے ہر قسم کی نگرانی اور انتظام کرنے والا۔ گھر کا منتظم اس لیے مقرر کیا تا کہ گھر کا نظام مضبوط اور صحت مند خطوط پر چلتا رہے۔ مرد کو منتظم بنانے کی دو وجوہات بیان فرمائیں تا کہ عورت کے ذہن میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ پہلی یہ کہ مرد ذہنی اور جسمانی لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مضبوط اور برتر پیدا کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد پر بیوی بچوں کی حفاظت اور ان کے اخراجات کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ تا کہ عورت باہر کی الجھنوں سے بچ کر سکون کے ساتھ خاوند کی خدمت، بچوں کی تربیت اور صنفِ نازک ہونے کی وجہ سے آرام کی زندگی گزار سکے۔ اگر غور سے سوچا جائے تو عورت کی گھریلو مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ باہر کے کاموں کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتی۔ چہ جائیکہ اس پر ملازمت یا کاروبار کی ذمہ داری ڈال دی جائے۔ معاشرہ اس بات کا گواہ ہے کہ جو عورتیں کسی مجبوری یا محض گھریلو بجٹ میں اضافہ کرنے کے لیے ملازمت کرتی ہیں۔ انہیں گھر اور بچوں کو سنبھالنے کے لیے کوئی ملازمہ رکھنا پڑتی ہے۔ بصورت دیگر ان کے گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان کے پاس کھانا پکانے کا وقت بھی نہیں ہوتا۔ ایسے جوڑے اپنی ڈیوٹی سے گھر آتے وقت کھانا بھی ہوٹل سے لاتے ہیں۔ ان مسائل کی بنا پر عورت کو گھر کی ملکہ اور خاوند کو مشکل معاملات کا ذمہ دار

اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا

وہ تمہارا کہا مانیں تو نہ تلاش کرو ان پر کوئی راہ بیشک اللہ ہے سب سے اعلیٰ

كَبِيْرًا ۝۳۴ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ

سب سے بڑا اور اگر تمہیں خوف ہو اختلاف ان کے درمیان تو مقرر کردو ایک منصف سے

اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا

مرد کا خاندان اور ایک منصف سے عورت کا خاندان اگر دونوں چاہیں گے صلح کرانا

يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵

موافقت کردے گا اللہ ان دونوں میں بیشک اللہ ہے جاننے والا باخبر

اطاعت کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ یقیناً اللہ بلند اور بڑا ہے۔ (۳۴) اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان تعلقات بگڑنے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں موافقت کی توفیق دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ علم والا خبر رکھنے والا ہے۔'' (۳۵)

بنایا گیا ہے۔ جب سے مسلمان خواتین نے بلا مجبوری مرد کی ذمہ داریوں میں حصہ لینا شروع کیا ہے اس وقت سے عورت میں خودسری اور نخوت پیدا ہونے کے ساتھ مسلمان معاشرہ توڑ پھوڑ کا شکار، گھروں کا سکون برباد اور اولاد ماں باپ کی نافرمان ہو چکی ہے۔ کتنا ہی بہتر ہوتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھالتے تو اولاد کی نافرمانیوں، گھروں کی بربادی اور معاشرتی بے حیائی سے محفوظ رہتے۔

نیک بیوی کے کردار میں دو خوبیاں نمایاں ہونی چاہئیں۔ خاوند کی مطیع اور اس کی عزت و ناموس، مال اور اولاد کی حفاظت کرنے والی ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی حیا اور گھر کی نگرانی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر عورت مرد کے مقابلے میں آئے اور اس کی بغاوت کرے تو اسے بہتر الفاظ اور اچھے انداز میں نصیحت کرنی چاہیے۔ ٹکراؤ کی صورت میں گھریلو زندگی بے چینی اور عدم توازن کا شکار ہوگی بلکہ اولاد پر بھی بُرے اثرات مرتب ہوں گے۔ خاص کر بیٹیوں کے مستقبل پر اس کے نہایت ہی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

نفع و نقصان سمجھانے کے باوجود بیوی اگر اپنی روش ترک کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو خاوند کو اس کے ساتھ اپنی قربت ختم کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جس کے لیے قرآنِ مجید نے بستر الگ کر دینے کا حکم دیا ہے جو حیادار اور خاندانی عورت کے لیے بہت بڑی سزا ہے۔ عورت میں اگر معمولی عقل اور حیا ہوگی تو وہ ضرور سوچنے پر مجبور ہوگی کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے بیگانگی اور ایک دوسرے سے بیزاری اچھی نہیں۔ بصورت مجبوری تیسرا اور آخری اقدام یہ ہے اسے ہلکی پھلکی جسمانی سزا دی جائے تاکہ اس کی آنکھیں کھل جائیں کہ اب گھر کی ملکہ کی بجائے میں لونڈی کے مقام پر آ کھڑی ہوں اور میرا گھر عقوبت خانہ

اوراس کا ماحول میرے لیے اچھوت بن چکا ہے۔کوئی عورت اگر اس قدر جاہل اور ہٹ دھرم ہو کہ وہ سدھرنے کا نام نہ لے تو پھر دونوں خاندانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قریبی رشتہ داروں سے دو آدمی ثالث مقرر کریں۔ثالثوں کا دونوں طرف سے رشتہ دار ہونا اس لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف کھل کر بات چیت اور معاملات سلجھا سکتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ میاں بیوی اور خاندان کی عزت بھی سلامت رہ سکے گی۔ بالفاظِ دیگر گھر کا معاملہ گھر ہی میں نمٹ جائے گا۔اگر ثالث اور میاں بیوی اخلاص کے ساتھ معاملہ سدھارنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ہمت اور توفیق نصیب فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان میں کون زیادہ قصوروار اور کون اخلاص کے ساتھ صلح کا خواہش مند ہے؟

«عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ مَاحَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ» (رواه أبو داؤد: كتاب النكاح، باب فی حق المرأة علی زوجها [صحيح])

''حضرت حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! ہم پر ہماری بیویوں کے کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو کھانا کھائے تو اسے بھی کھلائے جب تو کپڑے پہنے اسے بھی پہنائے منہ پر نہ مارے، نہ گالی دے اور اسے نہ چھوڑ مگر اپنے گھر میں۔''

''حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو بادشاہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔میں نے کہا: اللہ کے رسول سجدے کے زیادہ لائق ہیں۔میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کی: میں نے حیرہ میں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں۔اللہ کے رسول! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا: بتلائیے! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں۔آپ نے فرمایا: ایسے نہ کرو اگر میں نے کسی کو کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دینا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پر جو حق رکھا اس وجہ سے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کے سامنے سجدہ کیا کریں۔'' (رواه أبو داؤد: كتاب النكاح، باب فی حق الزوج علی المرأة [صحيح])

عورت کی سربراہی

بعض نام نہاد دانشور غیر مسلموں سے متاثر ہو کر نا صرف اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ عورت کو مرد کے کندھے سے کندھا ملا کر چلنا چاہیے بلکہ وہ مغربی جمہوریت کی پیروی میں عورت کو ملک کا سربراہ بنانے میں حرج نہیں سمجھتے۔اس کے لیے ''سورۃ النمل'' سے ملکہ سبا کی حکومت کا حوالہ دیتے ہیں۔ایسے دانشور یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ مملکت سبا کی ملکہ بلقیس اس وقت تک ہی اپنے ملک کی حکمران رہی تھی جب تک وہ کافرہ تھی۔جونہی وہ اپنے وقت کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائی تو اس نے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔اس کے بعد اس کی حکمرانی کا تاریخ میں ثبوت نہیں ملتا۔کچھ لوگ جنگِ جمل

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سربراہی کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بھی انصاف کے ترازو پر پوری نہیں اُترتی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زندگی بھر کبھی مسلمانوں کی خلیفہ بننے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ وہ تو شدید ہنگامی حالات میں مسلمانوں کے درمیان صلح کی غرض سے نکلی تھیں۔ لیکن حالات کی پیچیدگی میں پھنس کر رہ گئیں۔ اس لیے وہ زندگی بھر اپنے اس اقدام پر پریشان اور پشیمان رہیں۔ جب بھی قرآنِ مجید کی اس آیت {وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ} (الاحزاب:۳۳) کی تلاوت کرتیں تو زار و قطار رویا کرتی تھیں۔ [طبقات ابن سعد]

عورت کی حکمرانی اور اسلام:

ہم یہاں مولانا سید جلال الدین انصر کی کتاب ''عورت اسلامی معاشرے میں'' سے کچھ اقتباس درج کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''قدیم تاریخ کے متعلق کسی قدر مفصل اور مستند معلومات ہمیں یونانیوں اور رومیوں کے عہد سے ملتی ہیں۔ انہوں نے تہذیب وتمدن اور علوم وفنون میں اس قدر ترقی کی کہ اس کی بنیاد پر بہت سی تہذیبیں اور بہت سے علوم وجود میں آئے لیکن بایں ہمہ ترقی، ان کے ہاں عورت کا مقام بہت ہی پست تھا۔ وہ اس کو انسانیت پر بار سمجھتے تھے اس کا مقصد ان کے نزدیک سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ خادمہ کی طرح گھر والوں کی خدمت کرتی رہے۔

اہلِ یونان اپنی معقولیت پسندی کے باوجود عورت کے بارے میں ایسے ایسے تصورات رکھتے تھے جن کو سن کر ہنسی آتی ہے لیکن ان سے اس بات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ان کی نگاہ میں عورت کی کیا قدر و قیمت تھی اور وہ اپنے درمیان اسے کیا حیثیت دیتے تھے۔ ان کا قول تھا آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔ پنڈورا نامی ایک عورت کی بابت ان کا عام اعتقاد تھا کہ وہی تمام دنیاوی آفات ومصائب کی جڑ ہے۔ ایک یونانی ادیب کہتا ہے: دو مواقع پر عورت مرد کے لیے باعثِ مسرت ہوتی ہے ایک تو شادی کے دن دوسرا اس کے انتقال کے دن۔''

لیکی نے اپنی کتاب ''تاریخ اخلاقِ یورپ'' میں لکھا ہے:

''بہ حیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ نہایت پست تھا اس کی زندگی مدۃ العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندوں کی وراثت میں اس کے مقابلہ میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ رائج سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا تاہم عملاً وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کیونکہ عدالت میں اس کا اظہار یونانی ناموس وحیا کے منافی تھا..... .....افلاطون نے بلاشبہ مرد اور عورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی۔ عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔ ازدواج کا مقصد خالص سیاسی رکھا گیا۔ یعنی یہ کہ اس سے طاقتور اولاد پیدا ہو جو حفاظت ملک کے کام آئے۔'' (عورت اسلامی معاشرہ میں صفحہ:۱۹، ۲۰، ۲۱)

یہ تو تھا یونانی تہذیب میں عورت کا مقام و مرتبہ جس کی معقولیت پسندی کا تاریخ کے اوراق میں آج بھی شہرہ ہے۔ اب ذرا مذکورہ مصنف لیکی ہی کی زبان سے رومی تہذیب میں عورت کے احوال کا تذکرہ کیا سماعت فرمالیں وہ لکھتا ہے:

''عورت کا مرتبہ رومی قانون نے عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا، افسر خاندان جو باپ ہوتا تھا یا شوہر، اسے اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا۔ وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ دیتا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی دور تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہوگیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہوگئے ہیں کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کرسکتا تھا۔ ۵۲۰ء تک طلاق کا کسی نے نام نہ سنا تھا۔''

غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔ مرد اسی غرض سے شادی کرتا تھا کہ وہ بیوی سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ وہ کسی عہدے کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی۔ حتی کہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔ البتہ اس کی طبعی کمزوریوں کی بناء پر اس کو بعض سہولتیں دی گئی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعد کے ادوار میں رومیوں نے اس کو حقوق بھی دیے لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کو مرد کے مساوی درجہ کبھی نہیں دیا۔'' (عورت اسلامی معاشرہ میں صفحہ: ۲۱، ۲۲) [بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، عورت کی سماجی و معاشرتی حالت]

[ماخوذ از ''عورت کی حکمرانی اور اسلام'' مصنف فخر الدین صدیقی]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر برتری عطا فرمائی ہے۔ ۲۔ مرد اپنی کمائی سے عورتوں کی کفالت کرتے ہیں۔
۳۔ عورتوں کو خاوندوں کی تابعداری اور اپنی عزت و عفت کی حفاظت کرنا چاہیے۔ ۴۔ نافرمان بیویوں کو نصیحت کرنا۔
۵۔ دوسرا قدم خواب گاہوں میں ان سے علیحدگی اختیار کرنا۔ ۶۔ تیسرا قدم ہلکی پھلکی سزا دینا ہے۔
۷۔ اطاعت شعار بیوی پر زیادتی کرنا جائز نہیں۔
۸۔ میاں بیوی کے درمیان اختلافات پہلی تینوں صورتوں سے حل نہ ہوں تو دونوں کی طرف سے رشتہ دار ثالثان مقرر کرنے چاہئیں۔

تفسیر بالقرآن

نیک عورتوں کے اوصاف:

۱۔ پاک دامن، حیادار اور باپردہ۔ (المائدۃ: ۵، القصص: ۲۵)
۲۔ مطیع، توبہ کرنے والی، عبادت گزار اور روزے دار۔ (التحریم: ۵)
۳۔ صدقہ کرنے والی، صابرہ، ڈرنے والی، سچی، پاکدامنہ اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والی۔ (الاحزاب: ۳۵)

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اورتم عبادت کرو اللہ اور نہ شریک کرو اس کے ساتھ کچھ اور ماں باپ سے اچھا سلوک

وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ

اورقرابت داروں سے اوریتیموں اورمحتاجوں اورہمسایہ قرابت والا اورہمسایہ

الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ

اجنبی اور پاس بیٹھنے والے (ہم مجلس) اورمسافر اور جو مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا جو ہو اترانے والا شیخی بگھارنے والا

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قرابت دار ہمسایہ، اجنبی ہمسایہ، عارضی ساتھی، مسافر اور ان سے جن کی ملکیت تمہارے ہاتھ میں ہے ان کے ساتھ احسان کرو۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''(۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: میاں بیوی کے حقوق کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت بلاشرکت غیرے کرنے کا حکم نیز والدین' قریبی رشتہ داروں اور مستحق لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین۔ گویا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بیک مقام تذکرہ کیا گیا ہے۔

انسان اس وقت تک کسی کے حقوق اخلاص کے ساتھ پوری طرح ادا نہیں کرسکتا جب تک صحیح معنوں میں اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے اللہ تعالیٰ کی غلامی اور تابعداری میں نہ لے آئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کبھی احکامات جاری کرنے کے بعد اور کبھی ان کی ابتدا میں اپنی توحید اور تقویٰ یاد دلاتے ہیں تاکہ انسان اپنے آپ کو اس کے حضور مکمل طور پر سرنگوں کردے۔

ذاتِ کبریا کے بعد والدین ہی انسان کے سب سے زیادہ ہمدرد، محسن، مربی اور قریب ہوتے ہیں۔ انسان ماں کی آغوش میں باپ کی کمائی سے نشوونما پاتا ہے۔ اس لیے اللہ اور اس کے رسول کے بعد آدمی کی اطاعت کے سب سے زیادہ حقدار اس کے والدین ہیں۔ والدین، یتامیٰ اور مساکین کے تفصیلی مسائل وفضائل کے لیے [سورۃ البقرۃ آیت ۸۳] کی تفسیر ملاحظہ کیجیے۔ یہاں والدین کے حقوق کے ذکر کے بعد معاشرے میں ہمسایہ اور بے سہارا ہونے والے طبقات یعنی، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور غلاموں کا ذکر ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبریلِ امین علیہ السلام اس قدر ہمسایوں کے بارے میں مجھے تلقین کرتے رہے کہ میں نے سمجھا شاید پڑوسی کو وراثت میں شریک بنادیں گے۔''(رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب الوصیۃ بالجار والإحسان إلیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ میں پہلے کس کو تحفہ

بھیجوں؟ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تیرے زیادہ قریب ہے۔(رواہ البخاری: باب حق الجوار فی قرب الأبواب)
رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر تین مرتبہ قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں۔صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کون مومن نہیں؟ فرمایا جس کی تکلیف سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔(رواہ البخاری: باب إثم من لا یأمن جارہ بوائقه)

مسافر کے حقوق

رسولِ معظم ﷺ کے زمانے میں بالخصوص عرب میں شہر اور بستیاں ایک دوسرے سے بہت ہی دور ہوا کرتی تھیں اور آج کی طرح ہوٹلوں کا انتظام نہیں تھا۔ مسافر لوگ اونٹوں، گھوڑوں اور گدھوں پر سفر کرتے اور اپنا زادِ راہ ساتھ رکھا کرتے تھے۔ بسا اوقات راستہ بھول جانے یا مسافت کا اندازہ کرنے میں غلطی ہو جانے کی وجہ سے زادِ راہ ختم ہو جاتا۔ بعض اوقات پینے کا پانی بھی میسر نہیں ہوتا تھا۔ ایسے سفر کے بارے میں ہمارے لیے کیا حکم ہے:

«عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَلاَ يَقْرُونَنَا فَمَا تَرَى فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُم» (رواہ البخاری: باب إکرام الضیف وخدمته إیاہ بنفسه)

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں کسی مہم پر روانہ کرتے ہیں اگر ہم ایسے لوگوں کے پاس سے گزریں یا ٹھہریں جو ہماری مہمان نوازی کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، اس صورت حال میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر لوگ تمہارا خیال رکھیں تو اچھی بات ہے بصورتِ دیگر تمہیں ان سے اپنی مہمانی کا حق وصول کرنا چاہیے۔''

مراد یہ ہے کہ بھوکا مرنے کی بجائے ان سے کھانے پینے کا سوال کیا جا سکتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی بلا شرکت غیرے عبادت کرنا، والدین اور دیگر رشتہ دار، تعلق داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا لازم ہے۔
۲۔ اللہ متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

حقوق اللہ اور حقوق العباد:

۱۔ ایک اللہ کی ہی عبادت کی جائے۔(البقرۃ:۲۱) ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔(لقمان:۱۳)
۳۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔(الاحقاف:۱۵) ۴۔ ہمسایوں کا خیال رکھا جائے۔(النساء:۳۶)
۵۔ یتامیٰ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم۔(البقرۃ:۸۳) ۶۔ اقرباء کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم۔(النحل:۹۰)

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ

جولوگ	بخل کرتے ہیں	اور حکم کرتے ہیں	لوگوں کو	بخل کے ساتھ	اور چھپاتے ہیں	جو

اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾

انہیں دیا	اللہ	سے	اپنے فضل	اور ہم نے تیار کر رکھا ہے	کافروں کے لیے	عذاب	ذلت والا

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور جولوگ	خرچ کرتے ہیں	اپنے مال	دکھانے کو	لوگ	اور نہیں	ایمان لاتے

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ

اللہ پر	اور نہ	آخرت کے دن پر	اور جو	ہو	شیطان	اس کا

قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

ساتھی	توبرا	ساتھی

''جولوگ بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے کے لیے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں عطا فرمایا ہے اسے چھپا لیتے ہیں ہم نے ان کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۳۷) اور جولوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ساتھی شیطان ہو وہ بدترین ساتھی ہے۔''(۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے والدین، عزیز و اقارب، یتامیٰ، مساکین، پڑوسیوں اور مسافروں کے ساتھ مالی تعاون کرنے کا حکم ہے۔ جس میں مالی تعاون سرفہرست ہونا چاہیے۔ اس لیے یہاں بخل کی مذمت کی گئی ہے۔

اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے مال و اسباب کو اپنا فضل قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے سرفراز فرمائے ان کا فرض ہے کہ وہ بخل کرنے کی بجائے سخاوت کا مظاہرہ کریں۔ بخل کا ماحول پیدا کرنے یا مستحق حضرات پر خرچ نہ کرنے کا حکم دینے اور مال کو چھپا کر رکھنے کی بجائے لوگوں کو صدقہ و خیرات کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ مال چھپا چھپا کر رکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خرچ کرنا چاہیے۔ جولوگ بخل کرنے کے ساتھ دوسروں کو بخل کے لیے کہتے ہیں ایسے ناشکروں اور نافرمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔

یہاں صرف خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ جولوگ نمود و نمائش اور دوسروں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں درحقیقت وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ کیونکہ انکا اللہ اور آخرت پر یقین ہوتا تو یہ بطورِ احسان، نمود و نمائش اور لوگوں سے خوشامد کی صورت میں اپنے صدقہ کا معاوضہ نہ لیتے۔ اگر

ان کا آخرت پر یقین ہوتا تو یہ دنیا میں عارضی شہرت کی خاطر آخرت کا دائمی اجر ضائع نہ کرتے۔ اس ہلکے پن اور جلد بازی کا حقیقی سبب شیطان کا پھسلانا اور اُکسانا ہے۔ شیطان تو آدمی کا بدترین ساتھی ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَثَلَ الْبَخِيلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ أَيْدِيهِمَا إِلَى ثَدْيِهِمَا وَتَرَاقِيهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ حَتَّى تَغْشَى أَنَامِلَهُ وَتَعْفُو أَثَرَهُ وَجَعَلَ الْبَخِيلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَأَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ بِإِصْبَعِهِ هٰكَذَا فِي جَيْبِهِ فَلَوْ رَأَيْتَهُ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَوَسَّعُ» (رواہ البخاری: باب جیب القمیص من عند الصدر وغیرہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال دی کہ اس کی مثال دو آدمیوں کی طرح ہے جو ہاتھ، سینے اور حلق تک فولادی قمیص پہنے ہوئے ہوں۔ صدقہ دینے والا جب بھی صدقہ کرتا ہے تو اس کا جبہ کشادہ ہو جاتا ہے اور وہ اس کی انگلیوں تک بڑھ جاتا ہے اور قدموں کو ڈھانپ لیتا ہے اور جب بخیل صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا جبہ اس سے چمٹ جاتا ہے یہاں تک ہر حلقہ اپنی جگہ پر جم جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ اپنی انگلیوں سے اپنے گریبان کی طرف اشارہ کر کے بتا رہے تھے کہ تم دیکھو گے کہ وہ اس کو کھولنا چاہے گا لیکن وہ نہیں کھلے گا۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُولُ الْآخَرُ اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»

(رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب قول اللہ تعالیٰ فأما من أعطی واتقی وصدق بالحسنیٰ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک یہ آواز لگاتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور عطا فرما۔ دوسرا یہ آواز لگاتا ہے اے اللہ! نہ خرچ کرنے والے کا مال ختم کر دے۔''

مسائل

۱۔ بخل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ذلت آمیز عذاب دیں گے۔ ۲۔ نمود و نمائش کے لیے خرچ کرنے والے شیطان کے ساتھی ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شیطان بدترین ساتھی ہے:

۱۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ (البقرۃ:۱۶۸) ۲۔ شیطان کی رفاقت کا بدترین انجام۔ (الفرقان:۲۷، ۲۹)
۳۔ شیطان بے وفائی سکھلاتا ہے۔ (الحشر:۱۶) ۴۔ شیطان بدترین ساتھی ہے۔ (النساء:۳۸)
۵۔ شیطان نے ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی۔ (الاعراف:۲۰ تا ۲۲)

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا

اور کیا ان پر اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور یوم آخرت اور وہ خرچ کرتے اس سے جو

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ

انہیں دیا اللہ اور ہے اللہ ان کو خوب جاننے والا بیشک اللہ نہیں ظلم کرتا برابر

ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

ذرہ اور اگر ہو کوئی نیکی اس کو کئی گنا کرتا ہے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر بڑا

''انہیں کیا ہوتا اگر یہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے اللہ ان کو جاننے والا ہے۔(۳۹) بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے بڑھا دیتا ہے اور مزید اپنی طرف سے اجر عطا فرماتا ہے۔''(۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ریا کاری اور بخل سے اجتناب اور انفاق فی سبیل اللہ تبھی قبول ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقینِ کامل ہو کہ جو کچھ صدقہ یا کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں کرتا قیامت کو اس کو پورا پورا اجر ملے گا۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ» (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو آدمی کھجور کے برابر اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ کے ہاں صرف پاک چیز ہی قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کو اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی بچھڑے کو پالتا ہے حتیٰ کہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ لوگوں کو اخلاص کے ساتھ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا:

۱۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔(آل عمران: ۱۸۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔(النساء: ۴۰)
۳۔ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔(آل عمران: ۱۱۷)

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ

پھر کیسا جب ہم لائیں گے سے ہر امت ایک گواہ اور ہم لائیں گے آپ کو

عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا

پر ان کے گواہ اس دن چاہیں گے وہ لوگ انہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی

الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

رسول کاش برابر کر دی جائے ان پر زمین اور نہ چھپائیں گے اللہ کوئی بات

''پس کیا حال ہوگا جس وقت ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور تمہیں ان لوگوں پر گواہ بنائیں گے۔(۴۱) جس دن کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش انہیں زمین کے ساتھ برابر کر دیا جاتا اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے۔''(۴۲)

فہم القرآن

ربط کلام: جس دن نیک لوگوں نے اپنی نیکیوں کا اجر پانا ہے اس دن ظالم اپنا انجام دیکھ کر اپنے اعمال کا انکار کرتے ہوئے یہاں تک کہیں گے کہ دنیا میں ہمیں کسی نبی اور مبلغ نے کچھ سمجھایا ہی نہیں تھا۔ اے رب! ورنہ ہم تیری نافرمانی نہ کرتے۔ اس دن ''اللہ'' کے باغی یہ آرزو کریں گے کاش! ہم زمین میں دھنس جائیں اور ہم پر زمین برابر کر دی جائے۔ خواہش کے باوجود نہ چھپ سکیں گے اور نہ ہی وہ کوئی بات چھپا سکیں گے۔

محشر کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اس میں کئی مراحل ہوں گے ہر مرحلہ دنیا کے سینکڑوں سالوں کے برابر ہوگا۔ ان مراحل میں ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا کہ جب مجرم قسمیں اٹھا اٹھا کر اس بات کا انکار کریں گے کہ الٰہی ہم نے نہ تیری ذات کا انکار کیا اور نہ ہی کسی کو تیرا شریک ٹھہرایا۔ ہمارے ذمہ جو اعمال لگائے گئے ہیں ہم نے یہ ہرگز نہیں کیے۔ انبیاء کے بارے میں کہیں گے کہ انہوں نے ہمیں ایک بار بھی نہ سمجھایا۔ اس دروغ گوئی کی وجہ سے ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی۔ اب ان کے اعضاء گواہی دیں گے۔ اس کے بعد اور شہادتیں پیش کی جائیں گی جن میں سب سے بڑی اور معتبر شہادت انبیاء کی ہوگی۔ وہ عرض کریں گے اے رب ذوالجلال! ہم نے تیرا پیغام مِن وعَن پہنچا دیا تھا لیکن مجرم پھر بھی نہیں مانیں گے۔ اس پر سرورِ دو عالم ﷺ گواہی دیں گے کہ اے ربِ کریم! انبیاء کرام نے تیرا پیغام ٹھیک ٹھیک طریقے سے پہنچایا تھا۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے لیے فرمایا میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! کیا میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں؟ حالانکہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی جب اس آیت کریمہ پر پہنچا {پس کیا حالت ہوگی جب ہر امت سے گواہ لائیں گے اور ان سب پر تمہیں گواہ بنا کر لائیں گے۔} آپ نے فرمایا رُک جائیے! میں نے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔'' (رواہ البخاری: کتاب فضائل القرآن)

اس شہادت کے بارے میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے لوگوں سے پوچھا: "أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ" کیا میں نے پہنچا دیا؟ تو لوگوں نے کہا کیوں نہیں آپ ﷺ نے ہمیں اللہ کے احکام پہنچا دیئے۔ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا: "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ" اے اللہ! گواہ رہنا' اے اللہ! گواہ رہنا۔" (رواہ البخاری: کتاب الحج، باب الخطبة أیام منی)

اُمت محمدیہ کی گواہی:

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُدْعٰى نُوحٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُدْعٰى قَوْمُهُ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ مَا أَتَانَا مِنْ نَّذِيْرٍ أَوْ مَا أَتَانَا مِنْ أَحَدٍ قَالَ فَيُقَالُ لِنُوْحٍ مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ قَالَ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ {وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا}»

(رواہ أحمد: باب مسند أبی سعید الخدری [صحیح])

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ جواب دیں گے ہاں پھر ان کی قوم کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا نوح نے تمہیں تبلیغ کی اور میرا پیغام پہنچایا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو ڈرانے والا کوئی نہیں آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا آپ کی گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے محمد (ﷺ) اور اس کی امت۔ آپ نے فرمایا: یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ {اسی طرح ہم نے تمہیں امّتِ وسط بنایا ہے}۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن ہر امّت کا رسول اس پر گواہ ہوگا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ امت محمدیہ اور پہلے انبیاء کے بارے میں گواہی دیں گے۔

۲۔ قیامت کے دن کافر اور رسول کا نافرمان مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کی آرزو کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن ظالم کی آرزوئیں:

۱۔ مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کی خواہش کرے گا۔ (النساء: ۴۲، النباء: ۴۰)

۲۔ دنیا میں واپس آنے کی آرزو کریگا۔ (البقرۃ: ۱۶۷) ۳۔ دنیا میں لوٹ کر نیک عمل کرنے کی تمنا کریگا۔ (السجدۃ: ۱۲)

۴۔ ظالم اپنے ہاتھ کاٹتے ہوئے کہے گا' کاش میں رسول کی اتباع کرتا۔ (الفرقان: ۲۷)

۵۔ کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔ (الفرقان: ۲۸) ۶۔ جہنم کے داروغہ سے درخواست کریگا۔ (الزخرف: ۷۷)

۷۔ اپنے مرشدوں اور لیڈروں کو دوگنی سزا دینے کا مطالبہ کریگا۔ (الاحزاب: ۶۸)

۸۔ اللہ تعالیٰ سے مریدوں کا مرشدوں کو اپنے پاؤں تلے روندنے کا تقاضا کریں گے۔ (السجدۃ: ۲۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا

اے وہ لوگ ایمان لائے نہ قریب جاؤ نماز اور ہو تم حالت نشہ یہاں تک کہ جان لو تم

مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ

جو تم کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں سوائے گزرنے والا راستہ کا یہاں تک کہ تم غسل کرلو

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ

اور اگر ہو تم مریض یا پر سفر یا آئے کوئی ایک تم میں سے رفع حاجت سے

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

یا تم نے چھوا عورتیں پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو مٹی پاک

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

تو مسح کرلو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ بیشک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا

''اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ جب تک تمہیں معلوم نہ ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک غسل نہ کرلو! اگر راستہ سے گزر جانے والے ہو تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں پر مل لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے۔'' (۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آخرت کی تیاری کے لیے سچا ایمان اور پاکیزگی کی حالت میں نماز پڑھنا فرض ہے۔ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید محض قانون کی کتاب نہیں۔ بلکہ قرآن مجید قانون اور ضابطے بیان کرنے کے بعد نصیحت کرتا ہے تاکہ ان پر عمل کرنا آسان ہو۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۹ میں فقط اتنا احساس دلایا تھا کہ شراب میں فائدے کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ اب حکم ہوتا ہے کہ شراب پی کر نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم کیا کہہ اور مانگ رہے ہو۔ ساتھ ہی طہارت اور وضو کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

''سُکٰرٰی'' کا لفظ استعمال فرما کر بتلایا گیا ہے کہ بے ہوشی نشہ کی ہو یا نیند کی ایسی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ جس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی:

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ»

(رواہ البخاری: باب الوضوء من النوم ومن لم یر من النعسۃ والنعستین أو الخفقۃ وضوءا)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز کے دوران اونگھ آئے تو وہ نیند پوری ہونے تک آرام کرے کیونکہ جب تم میں سے کوئی نیند کی حالت میں نماز پڑھتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ خیر مانگنے کی بجائے اپنے لیے برائی مانگ رہا ہو۔''

''سُکٰرٰی'' سے مراد ہر قسم کا نشہ ہے چاہے شراب سے ہو یا کسی اور چیز سے۔ دوسرے حکم میں جنبی اور محتلم کو جب تک غسل نہیں کر لیتا۔ اسے نماز کے قریب جانے سے منع کیا ہے۔ نماز ہی نہیں بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ یہاں ''عَابِرِیْ سَبِیْلٍ'' کا اشارہ دے کر کوئی اور راستہ نہ ہونے کی صورت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت عنایت فرمائی ہے۔ اس کے ساتھ مریض، مسافر اور قضائے حاجت سے فارغ ہونے والا وضو کے لیے پانی نہ پائے تو اس کے لیے پاک مٹی سے تیمم کرنا ہی کافی ہوگا۔ ہاں جنبی یا محتلم غسل کے لیے پانی نہ پائے یا اس کے لیے پانی کا استعمال مضر ہو تو اُسے تیمم کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ رعایت عطا فرمائی ہے کیونکہ وہ درگزر اور معاف کرنے والا ہے۔ اس آیت میں عورتوں کو چھونے کے بعد غسل یا تیمم کرنے کا حکم دیا ہے چھونے سے مراد تمام مفسرین نے جماع لیا ہے۔ بعض اہلِ علم بیوی کو چھونے پر وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں حالانکہ رسولِ محترم ﷺ نے اپنے عمل سے اس طرح تشریح فرمائی تاکہ امت کو کسی قسم کا وسوسہ باقی نہ رہے۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ»

(رواه النسائی: كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من القبلة [صحيح])

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں میں سے کسی کا بوسہ لیتے پھر وضو کیے بغیر نماز ادا کرتے۔'' (بشرطیکہ آدمی کی کیفیت نارمل رہے۔)

غسل کا طریقہ

رسولِ معظم ﷺ جنبی ہونے کی حالت میں پہلے جسم کا مخصوص حصہ یعنی شرمگاہ دھوتے اور اس کے بعد نماز جیسا وضو کرتے اور بعد ازاں اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتے اس کے بعد جسم کے دائیں حصہ سے غسل کا آغاز کرتے اور اس کی تکمیل کرتے۔''

(رواه البخاری: كتاب الغسل)

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں غسلِ واجب کرتے ہوئے اپنے سر کے بال کھول دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ (رواہ مسلم: کتاب الحیض) (بالوں کا خلال ہی کافی ہے)

تیمم کا طریقہ

حضرت سعید بن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا کہ اگر میں جنبی ہو جاؤں اور مجھے پانی نہ ملے تو کیا کروں؟ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ یاد فرمائیں جب ہم دونوں ایک سفر میں اس حالت سے دوچار ہوئے تو آپ نے اس حالت میں نماز ادا نہ کی جبکہ میں نے مٹی میں

لوٹ پوٹ ہونے کے بعد نماز ادا کر لی۔ بعد ازاں میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تجھے اتنا ہی کافی تھا کہ اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر مار کر اور ان میں پھونک مارتے ہوئے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کر لیتا۔

(رواہ البخاری: کتاب التیمم، باب المتیمم ھل ینفخ فیھما)

بعض لوگ تیمم کے لیے دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنے اور کہنیوں تک مسح کرنے کے قائل ہیں لیکن مستند روایت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

تکلیف کی حالت میں غسل کی بجائے تیمم کافی ہے

«عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِّنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِيْ رَأْسِهِ ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ هَلْ تَجِدُوْنَ لِيْ رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ فَقَالُوْا مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أُخْبِرَ بِذٰلِكَ فَقَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ أَلَا سَأَلُوْا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوْا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ أَوْ يَعْصِبَ عَلٰى جُرْحِهِ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ» (رواہ أبو داود: کتاب الطھارۃ، باب فی المجروح یتیمم [صحیح])

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم ایک سفر میں تھے ہمارے ایک ساتھی کو سر پر پتھر لگا جس سے وہ زخمی ہو گیا رات کو اسے احتلام ہوا صبح اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا میں تکلیف کی وجہ سے تیمم کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں کیونکہ تو پانی استعمال کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس نے غسل کیا جس سے اس کی تکلیف بڑھ گئی بالآخر وہ اسی وجہ سے فوت ہو گیا۔ جب ہم رسولِ محترم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ کے سامنے یہ واقعہ عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مسئلہ بتانے والوں نے اس بیچارے کو مار ڈالا۔ اللہ ان کو مار ڈالے جب انہیں مسئلہ کا علم نہیں تھا تو وہ کسی سے پوچھ لیتے۔ کیونکہ بے علمی کا حل کسی سے پوچھ لینا ہے۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم کا غسل کر لیتا۔''

مسائل

۱۔ نشہ اور پلیدی کی حالت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہیے۔

۲۔ پانی نہ ملنے یا تکلیف کے باعث پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھنی چاہئے۔

۳۔ چہرے اور ہاتھوں کا تیمم ایک ہی مرتبہ مٹی لے کر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

وضو اور تیمم کے مسائل اور طریقہ:

۱۔ وضو۔ (المائدۃ: ۶) ۲۔ تیمم۔ (النساء: ۴۳)

اَلَمْ تَرَ	اِلَى	الَّذِيْنَ	اُوْتُوْا	نَصِيْبًا	مِّنَ	الْكِتٰبِ	يَشْتَرُوْنَ
کیا تم نے نہیں دیکھا	طرف	جولوگ	دیے گئے	ایک حصہ	سے	کتاب	وہ خریدتے ہیں

الضَّلٰلَةَ	وَيُرِيْدُوْنَ	اَنْ	تَضِلُّوا	السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾	وَاللّٰهُ	اَعْلَمُ
گمراہی	اوروہ چاہتے ہیں	یہ کہ	تم گمراہ ہوجاؤ	راستہ	اوراللہ	خوب جانتا ہے

بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ	وَكَفٰى	بِاللّٰهِ	وَلِيًّا ۙ	وَّكَفٰى	بِاللّٰهِ	نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾
تمہارے دشمنوں کو	اورکافی	اللہ	حمایتی	اورکافی	اللہ	مددگار

''کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ گمراہی کا کاروبار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔(۴۴) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ حمایتی ہونے اور مددگار ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔''(۴۵)

فہم القرآن

ربط کلام: سورت کی ابتدا میں تمام انسانوں کو اس کے بعد مسلمانوں کو اور اب اہل کتاب کو مخاطب کیا جارہا ہے۔

اس سورۃ کا آغاز ''اَیُّهَا النَّاسُ'' کہہ کر کیا اور باور کروایا کہ تم ایک ہی ماں، باپ کی اولاد اور ایک ہی ''اللہ'' کی مخلوق ہو لہٰذا تمہیں اپنے خالق سے ڈرتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو میاں بیوی کے حوالے سے اور پھر ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے کے احکام جاری فرمائے۔ اب اہل کتاب کو خطاب کرتے ہوئے ان کی غلطیوں کی نشاندھی کرنے کے بعد نہایت ہی خیر خواہی کے انداز میں سمجھانے کے ساتھ مسلمانوں کو ان کے کردار پر کڑی نظر رکھنے اور اپنے آپ کو گمراہی سے بچانے کی تلقین کی گئی ہے اور تسلی دی ہے کہ ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔ خصوصی توجہ کے لیے فرمایا کہ کیا تم نے ان لوگوں کے کردار پر غور نہیں کیا؟ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا۔ قرآنِ مجید نے اہلِ کتاب کو خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ کئی مرتبہ استعمال فرمائے ہیں کہ جن لوگوں کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا۔ ان الفاظ کے اہل علم نے تین مفہوم بیان کیے ہیں۔ ① کچھ حصہ سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور انجیل کے کافی حصہ کو اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کی خاطر ضائع کر دیا تھا۔ جو ان کے ہاں کتابی شکل میں تورات اور انجیل پائی جاتی ہے اس میں بھی بے شمار ترامیم واضافے کیے۔ اس لحاظ سے تورات اور انجیل کے حقیقی اجزاء تھوڑے ہی باقی تھے۔ ② یہ کہ تمہیں تورات اور انجیل کی شکل میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ اپنے وقت کے مطابق کافی تھے لیکن ان سے دین مکمل نہیں ہوجاتا کہ تم انہیں پر جم کر بیٹھے رہو۔ وہ نامکمل دین تھا لہٰذا اب جامع دین نازل ہورہا ہے جو عنقریب مکمل ہوجائے گا۔ اس لیے تمہیں جامع اور اکمل دین کی پیروی کرنی چاہیے۔ لیکن تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اپنے مفاد اور عناد کی خاطر نہ صرف اس دین سے انحراف کررہے ہو بلکہ گمراہی کے خریدار بن کر مسلمانوں کی گمراہی کے درپے ہوچکے ہو۔ اس صورت حال سے آگاہ

کر کے مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں اور ان کے عزائم کو اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بشرطیکہ تم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت پر ثابت قدم رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا سرپرست خیر خواہ اور مددگار ہے۔

{ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ } (لقمان:۶)

''اور لوگوں میں سے ایسا بھی ہے جو بے ہودہ کلام خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکے اور جہالت کے ساتھ گمراہ کرے اور اس دعوتِ حق کو مذاق بنائے۔ ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

گمراہی کے خریدار:

دنیا میں گمراہی خریدنے کی کئی شکلیں ہیں:

اللہ تعالیٰ کے احکامات کو مقدم اور بہتر سمجھنے کی بجائے دنیا کے مفاد کو مقدم اور اپنے لیے بہتر جاننا۔

بے حیائی اور برائی کے کاموں کو فروغ دے کر شہرت اور دولت حاصل کرنا۔

دین کو سیاسی اور معاشی مفاد کے لیے استعمال کرنا۔

شریعت کے حرام کردہ کاروبار کو اختیار کرنا۔

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب گمراہی کے خریدار ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ ۲۔ اللہ ہی مسلمانوں کا حمایتی اور مددگار ہے۔

تفسیر بالقرآن

اہلِ کتاب کی بدترین تجارت:

۱۔ رشوت لینے والے۔ (البقرۃ:۸۵، ۸۶) ۲۔ کفر کا سودا کرنے والے۔ (البقرۃ:۸۹، ۹۰)

۳۔ دین کے بدلے مال بٹورنے والے۔ (البقرۃ:۱۷۴) ۴۔ گمراہی کے خریدار۔ (البقرۃ:۱۷۵)

۵۔ ایمان کے بدلے کفر کو پسند کرنے والے۔ (آلِ عمران:۱۷۷)

۶۔ دنیا کے بدلے بدعہدی کا ارتکاب کرنے والے۔ (النحل:۹۵) ۷۔ اللہ کی آیات کو فروخت کرنے والے۔ (التوبہ:۹)

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا

سے جولوگ وہ یہودی ہوئے بدل دیتے ہیں کلمات سے اس کی جگہ اور کہتے ہیں ہم نے سنا

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ

اور ہم نے نافرمانی کی اور سنو نہ سنوایا جائے اور ہمارا خیال کرموڑ کر اپنی زبانوں کو طعنہ کرتے ہوئے دین میں

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور اگر بیشک وہ وہ کہتے ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور سنیے اور ہم پر نظر کیجئے تو ہوتا بہتر ان کیلئے

وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

اور زیادہ درست اور لیکن ان پر لعنت کی اللہ ان کے کفر کے سبب پس وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے

''بعض یہودی کلمات کو ان کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن اس کے بغیر کہ تو سنا جائے اور رَاعِنَا کہتے ہوئے اپنی زبان کو مروڑتے ہیں اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا اور آپ سنیں اور ہماری طرف دیکھیں تو یہ ان کے لیے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے پس بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔ (۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کی بڑی عادات اور کردار کا ذکر جاری ہے۔ ان آیات میں یہودیوں پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے انہیں خبردار کیا گیا کہ اگر تمہاری عادات رہیں تو یہ سزا دی جائے گی۔

جس شخص یا گروہ میں یہ عادتیں پائی جائیں وہ معاشرے کے لیے ناسور، مذہب کا بدترین دشمن اور لوگوں کی ہدایت میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بجائے اس کی لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں۔ ان سے چھٹکارا پائے بغیر معاشرہ جرائم سے پاک نہیں ہوسکتا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو ہمیشہ کے لیے مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا تھا اور اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحات میں ان پر لعنت اور پھٹکار کی۔

جن عادتوں کی وجہ سے یہودیوں پر لعنت کی گئی وہ یہ ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس کے سیاق وسباق سے ہٹ کر بیان کرنا۔

② سچ سننے اور سمجھنے کے باوجود اس کا انکار کرنا۔

③ ''اللہ'' کے رسول کو بہرہ ہونے کی بددعا دینا اور آپ کو چرواہا کہہ کر گستاخی کا ارتکاب کرنا۔

④ دین اسلام میں عیب نکالنا۔

ان بھاری جرائم کے باوجود انہیں نہایت ہی دلربا انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ کاش یہ لوگ سننے کے بعد سمع واطاعت کا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا

اے وہ لوگ جو دیے گئے کتاب ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا تصدیق کرنے والا اس کے لیے جو

مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ

تمہارے ساتھ سے پہلے یہ کہ ہم مٹادیں چہرے پھر ہم الٹ دیں اس کو پر ان کی پیٹھوں یا

نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۴۷

ہم ان پر لعنت کریں جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ والوں پر اور ہے حکم اللہ ہو کر رہنے والا

اے اہل کتاب! ایمان لاؤ اس پر جو کچھ ہم نے نازل فرمایا یہ اس کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں الٹ کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیجیں۔ جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی۔ اور ہے اللہ تعالیٰ کا کام کیا گیا۔'' (۴۷)

مظاہرہ کرتے اور رسول کریم ﷺ کے مزید ارشادات سننے کے لیے ''رَاعِنَا'' کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے نہایت ادب کے ساتھ عرض کرتے کہ اے رسول! ہماری طرف توجہ فرمائیں۔ اس لفظ کی تشریح سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۴ میں گزر چکی ہے۔ ایسا کرنا اور کہنا ان کے لیے نہایت ہی بہتر اور درست ثابت ہوتا لیکن ان کی بُری نیت اور بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر پھٹکار کی۔ اب ان میں نہایت ہی تھوڑے ہوں گے جو ہدایت پائیں گے۔ اس کے باوجود ایک دفعہ پھر قرآنِ مجید نے یہ بات کہہ کر انہیں ایمان لانے کی دعوت دی ہے کہ یہ کتاب تمہارے انبیاء کی تصدیق اور تورات و انجیل کی تائید کرتی ہے لہٰذا تمہیں اس پر ایمان لانا چاہیے۔ اس بُرے وقت سے پہلے جب تمہارے چہروں کو مسخ کر کے گدیوں کے بل الٹا کر دیا جائے یا تم پر ہفتہ والوں کی طرح لعنت کی جائے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

''اَصْحَابَ السَّبْتِ'' سے مراد یہودیوں کے وہ آباء و اجداد ہیں جنہیں ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار سے منع کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی بجائے حیلہ سازی سے کام لیتے ہوئے دریا کے کنارے تالاب تیار کیے اس میں مچھلیاں خود بخود آجاتیں۔ ہفتہ کی بجائے انہیں اتوار کے دن پکڑ لیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اُن پر اللہ کی پھٹکار ہوئی اور ان کو ذلیل بندر بنا دیا گیا۔ نویں پارے میں دیکھئے۔ (الاعراف: ۱۶۳)

مسائل

۱۔ یہودی اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں۔ ۲۔ یہودی نبی کریم ﷺ کا نام بگاڑ کر لیتے ہیں۔
۳۔ یہودی دینِ اسلام میں عیب جوئی کرتے ہیں۔ ۴۔ اہلِ کتاب کو عذابِ الٰہی سے پہلے قرآن مجید پر ایمان لانا چاہیے۔
۵۔ یہودیوں پر ان کے کفر اور کلام اللہ میں تحریف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی پھٹکار برستی ہے۔
۶۔ ہفتہ کے دن زیادتی کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

بیشک اللہ نہیں معاف کریگا یہ کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کا اور بخشے گا وہ جو اس کے سوا

لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

جس کو وہ چاہے گا اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کا پس تحقیق اس نے کیا گناہ بڑا

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہتان باندھا اور بہت بڑا گناہ کیا۔'' (۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودی اخلاقی جرائم کے ساتھ شرک جیسے بدترین گناہ میں ملوث تھے اور ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں اور اس نے ہمارے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں۔

اخلاقی جرائم کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد شرک کے بارے میں واضح کیا ہے کہ جو شخص شرک کی حالت میں فوت ہوگا اسے ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ تمام انبیاء کرام کے کلمے کے پہلے جز میں شرک کی نفی اور دوسرے جز میں توحید کا اثبات ہے۔ اس لیے ان کی دعوت کا آغاز یہاں سے ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور عبادات میں کسی قسم کا شرک نہ کیا جائے۔ شرک نام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو ملانا یا اس کی صفات وعبادات میں دوسرے کو برابر یا حصہ دار تصور کرنا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اس لیے اللہ کا بیٹا قرار دیا کہ وہ سو سال فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیے گئے، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی غیر معمولی ولادت، بے مثال معجزات اور ان کی والدہ کی کرامات دیکھ کر انہیں اللہ کا جزء قرار دیا۔ اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت وعقیدت میں مبالغہ کرنے سے منع کیا ہے۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما سَمِعَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ»

(رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم)

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ منبر پر فرما رہے تھے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی شان میں غلو کیا تم میری شان میں اس طرح غلو نہ کرنا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے بارے میں فرمایا کہ مجھے حضرت یونس (علیہ السلام) سے نہ بڑھایا جائے۔

(رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وھل اتاک حدیث موسیٰ)

شرک تمام گناہوں اور جرائم کا منبع ہے جس وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی ذات اطہر تک تمام انبیاء اور صلحاء نے اس کی مذمت کی ہے خاص کر عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ ادا کروائے گئے۔

{ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ } (المائدۃ:۷۲)

''جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔''

''رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ محشر میں میری سفارش مشرک کے سوا ہر کلمہ پڑھنے والے کو فائدہ دے گی۔ شرک کرنے والا نہ صرف اپنے خالق و مالک کے ساتھ غدّاری کا ارتکاب کرتا ہے بلکہ وہ اپنے عقیدے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھتا ہے۔ وہ شرک کرتے ہوئے سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں سے خوش ہو کر انہیں کچھ اختیارات دے رکھے ہیں یا اللہ تعالیٰ ان پر اتنا مہربان ہے کہ وہ انہیں کسی صورت ناراض نہیں کر سکتا۔ اس عقیدے کی وجہ سے مشرک کو کذاب کہا گیا ہے۔'' (الزمر:۳)

«عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أُعْطِيتُ خَمْساً بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُوراً وَمَسْجِداً وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِمَنْ كَانَ قَبْلِي وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ شَهْراً وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَلَيْسَ مِنْ نَبِيٍّ إِلاَّ وَقَدْ سَأَلَ شَفَاعَةً وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ شَفَاعَتِي ثُمَّ جَعَلْتُهَا لِمَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئاً» (رواہ احمد: مسند ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ [صحیح])

''حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ خصوصیات عطا کی گئی ہیں مجھے ساری دنیا کے لیے نبی بنایا گیا ہے اور ساری زمین میرے لیے پاک ہے اور مسجد بنا دی گئی ہے اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں اور میری مدد کی گئی ہے ایک مہینے کی مسافت سے اور مجھے شفاعت کا حق دار قرار دیا گیا ہے اور کوئی بھی نبی ایسا نہیں مگر اُس نے سفارش کا سوال کیا اور بے شک مجھے شفاعت کے لیے چن لیا گیا اور میں اپنی امت میں سے ہر اُس شخص کی سفارش کروں گا جس نے شرک نہیں کیا ہوگا۔''

مسائل

۱۔ شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ جو اور جس کے چاہے گناہ معاف کر دے گا۔ ۲۔ شرک بہت بڑا گناہ اور بہتان ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک بدترین گناہ ہے:

۱۔ شرک کی ممانعت۔ (البقرۃ:۲۲) ۲۔ شرک بڑا ظلم ہے۔ (لقمان:۱۳) ۳۔ مشرک ناپاک ہے۔ (التوبۃ:۲۸)
۴۔ مشرکوں کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ (الانعام:۸۸) ۵۔ مشرکوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ (الفتح:۶)
۶۔ مشرکوں پر جنت حرام ہے۔ (المائدۃ:۷۲) ۷۔ شرک معاف نہیں ہوگا۔ (النساء:۴۸)
۸۔ اٹھارہ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کر کے فرمایا اگر یہ شرک کرتے تو ان کے اعمال برباد ہو جاتے۔ (الانعام:۸۳ تا ۸۶)
۹۔ نبی آخری الزماں ﷺ کو فرمایا کہ شرک کرنے سے آپ کے اعمال بھی برباد ہو جائیں گے۔ (الزمر:۶۵)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ

کیا تم نے نہیں دیکھا طرف جو لوگ وہ پاک کہتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ اللہ پاک کرتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ

جسے وہ چاہتا ہے اور وہ ظلم نہیں کیے جائینگے دھاگے برابر دیکھو کیسا باندھتے ہیں

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

پر اللہ جھوٹ اور کافی ہے یہی گناہ صریح

''کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے پاک کرتا ہے اور کسی پر دھاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(۴۹) دیکھو تو سہی یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھتے ہیں اور یہ کھلا ہوا گناہ ان کے لیے کافی ہے۔''(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کا زعم ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہونے کی بنا پر پوری دنیا سے ممتاز اور پاک لوگ ہیں اور عیسائی سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹک کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں۔

یہاں یہود و نصاریٰ کے حوالے سے ہر آدمی کو سمجھایا گیا ہے کہ کوئی بزرگوں سے نسبت کی بنیاد یا کسی کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھ کر اپنی پاک دامنی کا دعویٰ نہ کرے کیونکہ ہر آدمی اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ انبیاء کی اولاد ہونے یا کسی کے ساتھ عقیدت و محبت کی بنیاد پر آدمی پاک دامن نہیں ہو جاتا۔ جب تک وہ عقیدے کے اعتبار سے موحد اور عمل کے لحاظ سے نبی آخر الزمان ﷺ کی پیروی کرنے والا نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی آدمی کا یہ عقیدہ بھی ہونا چاہیے کہ صرف ظاہری نیکی کی بنیاد پر انسان کا دل پاک نہیں ہو سکتا جب تک وہ نیکی کی روح کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جس کا نام اخلاص اور تقویٰ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے پاک کر کے جہنم سے محفوظ فرما دیا ہے۔ اس کے باوجود لوگ یہ ذہن رکھتے ہیں کہ ہم بزرگوں سے نسبت اور ان کی طفیل جہنم سے بچ جائیں گے۔ یہودی تورات سے، عیسائی انجیل سے، بدعقیدہ مسلمان قرآن و سنت سے غلط استدلال کرتے ہیں۔ گویا کہ یہ بالواسطہ طور پر اللہ تعالیٰ پر کذب بیانی کرتے ہیں۔ یہ گناہ انہیں جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ رسولِ محترم ﷺ نے مصنوعی تقویٰ اور ایسے نام رکھنے سے منع فرمایا ہے جس سے خواہ مخواہ پاکدامنی کا اظہار ہوتا ہو۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمَّيْتُ ابْنَتِيْ بَرَّةَ فَقَالَتْ لِيْ زَيْنَبُ بِنْتُ أَبِيْ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ هٰذَا الْإِسْمِ وَسُمِّيْتُ بَرَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمُ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ فَقَالُوْا بِمَ نُسَمِّيْهَا قَالَ سَمُّوْهَا زَيْنَبَ» (رواہ مسلم: کتاب الآداب)

''محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا۔ مجھے زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام رکھنے سے منع کیا ہے۔ میرا نام بھی برہ رکھا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ کو پاک نہ گردانو۔ اللہ جانتا ہے تم میں سے کون پاک ہے۔ انہوں نے پوچھا ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا: اس کا نام زینب رکھو۔''

«عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَثْنَى رَجُلٌ عَلَى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ مِرَارًا ثُمَّ قَالَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا أَخَاهُ لا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فُلاَنًا وَاللهُ حَسِيبُهُ وَلاَ أُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدًا، أَحْسِبُهُ كَذَا وَكَذَا إِنْ كَانَ يَعْلَمُ ذَلِكَ مِنْهُ» (رواه البخاری: کتاب الشهادات، باب إذا زکی رجل کفاه)

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی نے آ کر کسی کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔ آپ نے یہ کلمات تین دفعہ دہرا کر فرمایا اگر کوئی ضرور کسی کی تعریف کرنا چاہتا ہے تو یہ کہے کہ فلاں آدمی کے بارے میں میرا یہ خیال ہے اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت خوب جانتا ہے۔ وہ یہ الفاظ تبھی کہہ سکتا ہے جب حقیقتاً اس شخص کو ایسا پائے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تم کسی کی گارنٹی نہیں دے سکتے۔''

مسائل

۱۔ آدمی کو اپنی پاکدامنی کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر آدمی پاک اور نیک نہیں ہوسکتا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے کو بس یہی گناہ کافی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اہلِ کتاب کی کذب بیانی:

۱۔ آگ میں تھوڑی دیر رہنے کا دعویٰ۔ (البقرۃ: ۸۰) ۲۔ جنت کے ٹھیکیدار ہونے کا دعویٰ۔ (البقرۃ: ۱۱۱)
۳۔ ''اللہ کے محبوب'' ہونے کا دعویٰ۔ (المائدۃ: ۱۸)
۴۔ من گھڑت باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا۔ (آل عمران: ۷۸)
۵۔ اپنے لیے جنت مخصوص سمجھنا۔ (البقرۃ: ۱۱۱) ۶۔ ہدایت کو اپنے تک محدود کرنا۔ (البقرۃ: ۱۳۵)
۷۔ نبوت کو تسلیم کرنے کے لیے قربانی کی شرط لگانا۔ (آلِ عمران: ۱۸۴)
۸۔ اللہ تعالیٰ کی گستاخی کرنا۔ (المائدۃ: ۶۴) ۹۔ بشر کی نبوت کا انکار کرنا۔ (الانعام: ۹۱)

اَلَمْ تَرَ	اِلَى	الَّذِيْنَ	اُوْتُوْا	نَصِيْبًا	مِّنَ الْكِتٰبِ	يُؤْمِنُوْنَ
کیاتم نے نہیں دیکھا	طرف	جولوگ	دیے گئے	ایک حصہ	کتاب سے	ایمان لاتے ہیں

بِالْجِبْتِ	وَالطَّاغُوْتِ	وَيَقُوْلُوْنَ	لِلَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	هٰٓؤُلَآءِ	اَهْدٰى
بتوں کیساتھ	اورشیطان	اور کہتے ہیں	ان لوگوں کیلئے	انہوں نے کفر کیا	یہی لوگ	سب سے ہدایت یافتہ ہیں

مِنَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾	اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	لَعَنَهُمُ	اللّٰهُ ؕ
سے	وہ لوگ	ایمان لائے	راہ	یہی لوگ	وہ لوگ	ان پر لعنت کی	اللہ نے

وَمَنْ يَّلْعَنِ	اللّٰهُ	فَلَنْ	تَجِدَ	لَهٗ	نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾
اورجس پر لعنت کرے	اللہ نے	توہرگز نہیں	توپائے گا	اس کا	کوئی مددگار

''کیاتم نے انہیں دیکھا؟ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے جو بتوں اور طاغوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔(۵۱) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کردے آپ اس کا کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔''(۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ یہودیوں کے عیوب کا تذکرہ جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی بھی عبادت اور اطاعت کی جائے وہ طاغوت کی عبادت اور اطاعت ہوگی۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو وقتی طور پر ہزیمت اٹھانی پڑی لیکن اس کے باوجود یہودی سمجھتے تھے کہ مسلمان دن بدن آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس کی روک تھام کے لیے مدینے کا ایک وفد کعب بن اشرف کی سرکردگی میں مکہ معظمہ پہنچا تاکہ کفار کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا جاسکے۔ لیکن ابوسفیان اور اہل مکہ یہودیوں پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ جس وجہ سے انہوں نے یہ شرط پیش کی کہ جب تک تم ہمارے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اکٹھے رہنے کا یقین نہیں دلاتے ہم آپ پر اعتماد نہیں کرسکتے۔ یہودی مشرک ہونے کے باوجود بتوں کی پوجا سے نفرت کرتے تھے بالخصوص کعب بن اشرف بتوں کو سجدہ کرنے کا سخت مخالف تھا لیکن اہلِ مکہ کو اعتماد دلانے کے لیے اس نے بتوں کے سامنے سجدہ کیا۔ اس موقعہ پر ابو سفیان نے کعب سے پوچھا کہ ہم تو اتنا علم نہیں رکھتے آپ بتائیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں یا محمد؟ کعب بن اشرف اور اس کے وفد نے کہا کہ تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم نے ان لوگوں کے کردار پر غور نہیں کیا جو اہل کتاب ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود بتوں اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (تفسیر طبری) حسد و بغض میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کے مقابلے میں اہل کفر کو یقین دہانی کرواتے ہیں کہ تم مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ باطل عقائد رکھنے

والوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔جس کی مثال آج بھی دیکھی جاسکتی ہے کہ یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہونے کے باوجود باطل مذاہب کے اس قدر دشمن نہیں ہیں جس طرح مسلمانوں کے دشمن ہیں یہی حالت مسلمانوں کے اندر باطل عقائد رکھنے والوں کی ہے۔وہ اہلِ توحید اور سنت پر عمل کرنے والوں کی زیادہ مخالفت کرتے ہیں۔طاغوت کی پوجا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے۔

مشرک اور کافر جس طرح چاہیں آپس میں گٹھ جوڑ کرلیں اللہ تعالیٰ کے بغیر ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔یہی کچھ ہوا کہ ٹھیک دو سال کے بعد غزوۂ خندق سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو ہمیشہ کے لیے جزیرۂ عرب سے نکال دیا۔

(۱) «عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْكَعْبَةِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ نُصُبًا فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهٖ وَجَعَلَ يَقُوْلُ {جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ} الآية»

(رواه البخاری: کتاب المظالم والغصب، باب هل تکسر الدنان التی فیها الخمر)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبے کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے آپ انہیں اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی سے گراتے اور کہتے: {حق آچکا اور باطل بھاگ گیا}۔''

(۲) «عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ أَلاَّ أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ لاَ تَدَعَ تِمْثَالاً إِلاَّ طَمَسْتَهُ وَلاَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ» (رواه مسلم: کتاب الجنائز)

''ابوالھیاج اسدی کہتے ہیں مجھے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا کہ ہر تصویر کو مٹادے اور جو اونچی قبر دیکھے اسے برابر کردے۔''

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب بتوں اور شیاطین پر ایمان رکھتے ہیں۔ ۲۔اہلِ کتاب مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ اہلِ کتاب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور لعنتی اپنے لیے کوئی مددگار نہیں پاسکتا۔

تفسیر بالقرآن

طاغوت:

۱۔ طاغوت کے انکار کا حکم۔(النساء:۶۰) ۲۔کفار طاغوت کے ساتھ ہیں۔(البقرۃ:۲۵۷)

۳۔ کفار طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔(النساء:۷۶)

۴۔ اہل کتاب میں سے بھی طاغوت کی عبادت کرنے والے ہیں۔(المائدۃ:۶۰)

۵۔ طاغوت کا انکار کرنے والا مضبوط کڑے کو تھامتا ہے۔(البقرۃ:۲۵۶)

۶۔ طاغوت کی عبادت سے بچنے والے کے لیے خوشخبری ہے۔(الزمر:۱۷)

اَمْ	لَهُمْ	نَصِيْبٌ	مِّنَ	الْمُلْكِ	فَاِذًا	لَّا يُؤْتُوْنَ	النَّاسَ
کیا	ان کا	کوئی حصہ	سے	سلطنت	پھر اس وقت	نہ دیں گے	لوگ

نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾	اَمْ	يَحْسُدُوْنَ	النَّاسَ	عَلٰى	مَآ	اٰتٰىهُمُ	اللّٰهُ	مِنْ
تل برابر	یا	وہ حسد کرتے ہیں	لوگ	پر	جو	انہیں دیا	اللہ	سے

فَضْلِهٖ ۚ	فَقَدْ	اٰتَيْنَآ	اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ	الْكِتٰبَ	وَالْحِكْمَةَ	وَاٰتَيْنٰهُمْ
اپنا فضل	سو تحقیق	ہم نے دیا	آل ابراہیم	کتاب	اور حکمت	اور ہم نے انہیں دیا

مُّلْكًا	عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾	فَمِنْهُمْ	مَّنْ	اٰمَنَ	بِهٖ	وَمِنْهُمْ	مَّنْ
ملک	بڑا	پھر ان میں سے	جو	ایمان لایا	اسکے ساتھ	اور ان میں سے	جو

صَدَّ	عَنْهُ ؕ	وَكَفٰى	بِجَهَنَّمَ	سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾
رکا رہا	اس سے	اور کافی	جہنم	بھڑکتی ہوئی آگ

''کیا ان کا سلطنت میں کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہو تو پھر یہ کسی کو ایک کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔ (۵۳) یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب حکمت اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی۔ (۵۴) پھر ان میں سے کوئی تو اس کتاب پر ایمان لایا اور کوئی اس سے رہا اور جہنم کا جلانا کافی ہے۔'' (۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

ابھی تو یہودیوں کے پاس کوئی اقتدار اور اختیار نہیں۔ اگر ان کے پاس اقتدار اور اختیار ہو تو یہ کسی کو دمڑی بھی نہ دیں اور نہ ہی کسی کو دم مارنے دیں۔ اہل کتاب رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کے یتیم کو نبوّت کا تاج اور قوموں کی قیادت کیوں عطا فرمائی اور جو روز بروز غلبہ پا رہی ہے۔ یہ جس قدر چاہیں حسد کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کو عزت وعظمت، امامت وقیادت اور دین کو غلبہ دے گا۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو امامت وحکومت اور نبوت عطا کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے اور وطن سے نکالنے والے بالآخر ناکام ہوئے تھے اسی طرح انجام کے لحاظ سے یہ بھی ناکام ہوں گے۔ چنانچہ رسولِ معظم ﷺ نے یہ بات لوگوں کو اس وقت بتلائی جب خندق کھودنے کے دوران کچھ صحابہ کو ایسی چٹان سے واسطہ پڑا جس کو توڑنا ان کے لیے مشکل ہوا۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں اس پریشانی کا اظہار کیا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اتنے زور سے کدال ماری کہ پہلی اور دوسری ضرب پر پتھر سے چنگاریاں نکلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ خوش ہو جاؤ! اللہ تعالیٰ نے قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی چابیاں مجھے عطا فرما دیں

ہیں۔(مسند احمد: کتاب اول مسند الکوفیین، باب حدیث البراء بن عازب [صحیح])

رہی بات اُن لوگوں کی جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی آل میں بھی ایسے لوگ رہے ہیں جنہوں نے حسد و بغض اور باہمی مخالفت کی بنیاد پر اپنے باپ دادا کے دین سے انحراف کیا تھا۔ یہ لوگ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کے ساتھ نسبت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود آپ کی ذات اور دعوت سے انکاری ہیں۔ ایسے بغیض اور حاسدوں کے لیے جہنم ہی کافی ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ» (رواه أبو داؤد: كتاب الأدب، باب في الحسد [حسن])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔''

{ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝ } (الفلق: ۵)

''اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔''

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُؤْتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ فَيَقُولُ لَا وَاللهِ يَا رَبِّ وَيُؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَيَقُولُ لَا وَاللهِ يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ» (رواه مسلم: باب صبغ أنعم أهل الدنيا في النار وصبغ أشدهم بؤسا في الجنة)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا روزِ قیامت دنیا میں سب سے زیادہ ناز و نعمت میں پلنے والے جہنمی کو لا کر آگ میں غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے کبھی کوئی خیر دیکھی؟ کیا کبھی تجھے کوئی نعمت میسر ہوئی؟ تو وہ کہے گا نہیں اللہ کی قسم! میرے رب میں نے کوئی نعمت نہیں دیکھی۔ پھر ایک جنتی کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ تکلیفوں میں رہا اسے جنت میں داخل کر کے پوچھا جائے گا اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف اور سختی دیکھی۔ وہ جواباً دے گا نہیں اللہ کی قسم! مجھے کبھی کوئی تکلیف اور مصیبت نہیں آئی۔''

مسائل

۱۔ آدمی کو حسد سے بچنا چاہیے۔ ۲۔ یہودی بدترین قسم کے بخیل ہوتے ہیں۔
۳۔ یہودی بنی اسماعیل پر حسد کرتے ہیں۔ ۴۔ اہل کتاب لوگوں کو ہدایت سے روکتے ہیں۔
۵۔ لوگوں کو ہدایت سے روکنے والے جہنم میں جائیں گے۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	بِاٰيٰتِنَا	سَوْفَ	نُصْلِيْهِمْ	نَارًا ؕ	كُلَّمَا
بیشک	وہ لوگ	جنہوں نے کفر کیا	ہماری آیات کا	عنقریب	ہم انہیں ڈالیں گے	آگ	جب
نَضِجَتْ	جُلُوْدُهُمْ	بَدَّلْنٰهُمْ	جُلُوْدًا	غَيْرَهَا	لِيَذُوْقُوا	الْعَذَابَ ؕ	
جل جائیں گی	ان کی کھالیں	ہم بدل دیں گے	کھالیں	اس کے علاوہ	تا کہ وہ چکھیں	عذاب	
اِنَّ	اللّٰهَ	كَانَ	عَزِيْزًا	حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾			
بیشک	اللہ	ہے	غالب	حکمت والا			

''جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھتے رہیں یقیناً اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔''(۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب بالخصوص یہودی حسد کی بنا پر اسلام اور مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں لہٰذا حاسدوں اور منکروں کا انجام بیان کیا جاتا ہے۔

پہلے بھی عرض کیا ہے کہ قرآن مجید کا یہ مستقل اسلوب ہے کہ برے لوگوں کے مقابلے میں نیک لوگوں کا اور جہنم کی سزاؤں کے مقابلے میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے۔ تا کہ قرآن کی تلاوت کرنے والا اپنے انجام کا موقع پر ہی فیصلہ کر سکے۔ چنانچہ جو لوگ کفر کی حالت میں کوچ کریں گے وہ مرنے کے بعد جہنم کے گھاٹ اتریں گے۔ جہاں ان کو آگ میں جلایا جاتا رہے گا۔ جب ان کی چمڑیاں جل جائیں گی تو سزا کے لیے ان کے جسموں کو بار بار تبدیل کیا جائے گا تا کہ ان کو پوری پوری سزا مل سکے۔ وہ جہنم سے بھاگ سکیں گے اور نہ ہی جل کر راکھ ہوں گے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضِرْسُ الْكَافِرِ مِثْلُ أُحُدٍ وَغِلَظُ جِلْدِهٖ مَسِيْرَةُ ثَلَاثٍ»

(رواہ مسلم: باب النار یدخلھا الجبارون والجنۃ یدخلھا الضعفاء)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافر کی ڈاڑھ اُحد پہاڑ کے برابر اور اس کی جلد تین دن کی مسافت کے مساوی موٹی ہوگی۔''

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَابَيْنَ مَنْكِبَيِ الْكَافِرِ مَسِيْرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِلرَّاكِبِ الْمُسْرِعِ»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا کافر کے دونوں کندھوں کا درمیانی فاصلہ تیز ترین گھوڑے کے تین دن دوڑنے کے برابر ہوگا۔''

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءً مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِیَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَیْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّ سِتِّیْنَ جُزْءً كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا» (متفق علیه: وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِیِّ] وَفِیْ رِوَایَةٍ مُسْلِمٍ نَارُكُمُ الَّتِیْ یُوْقِدُ ابْنُ اٰدَمَ وَفِیْهَا عَلَیْهَا وَكُلُّهَا بَدَلَ عَلَیْهِنَّ وَكُلُّهُنَّ۔)

(رواہ البخاری: باب صفة النار واہلها)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا تمہاری آگ، دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک ہے آپ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! جلانے کو تو دنیا کی آگ ہی کافی تھی۔ آپ نے فرمایا دوزخ کی آگ کو دنیا کی آگ سے انہتر ڈگری بڑھا دیا گیا ہے۔ ہر ڈگری دنیا کی آگ کے برابر ہوگی۔ (بخاری و مسلم) یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ تمہاری آگ جسے ابن آدم جلاتا ہے۔ نیز اس میں عَلَیْهِنَّ وَكُلُّهِنَّ کی بجائے عَلَیْهَا وَكُلُّهَا کے الفاظ ہیں۔''

«عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَّهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ یَغْلِیْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا یَغْلِی الْمِرْجَلُ مَا یَرٰی أَنَّ أَحَدًا أَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَّإِنَّهُ لَأَهْوَنُهُمْ عَذَابًا» (رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب أهون أهل النار عذابا)

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ یقیناً دوزخیوں میں سب سے معمولی عذاب پانے والے کے پاؤں میں آگ کے جوتے اور تسمے ہوں گے۔ جس کی وجہ سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح کھول رہا ہوگا وہ یہ خیال کرے گا کہ کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ عذاب نہیں ہو رہا، حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا۔''

مسائل

۱۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والوں کو جہنم میں جلایا جائے گا۔

۲۔ جہنمیوں کی کھالوں کو بار بار بدلا جائے گا تاکہ ان کو پوری پوری سزا مل سکے۔

تفسیر بالقرآن

عذاب کی مختلف شکلیں:

۱۔ آنتوں اور کھالوں کا بار بار گلنا۔ (النساء: ۵۶) ۲۔ دوزخیوں کی کھال کا بار بار بدلنا۔ (الحج: ۲۰)

۳۔ کانٹے دار جھاڑیوں کا کھانا۔ (الغاشیہ: ۶) ۴۔ لوہے کے ہتھوڑوں سے سزا پانا۔ (الحج: ۲۱، ۲۲)

۵۔ کھانا گلے میں اٹک جانا۔ (المزمل: ۱۳) ۶۔ دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی دیا جانا۔ (الانعام: ۷۰)

۷۔ دوزخیوں کو پیپ پلایا جانا۔ (النبا: ۲۵) ۸۔ آگ کا لباس پہنایا جانا۔ (الحج: ۱۹)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور جولوگ وہ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک عنقریب ہم انہیں داخل کریں گے باغات میں بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ

سے ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے اس میں ہمیشہ ان کے لیے اس میں

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝۵۷

بیویاں پاک اور ہم انہیں داخل کریں گے سائے گھنے

''اور جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ان کے لیے وہاں پاک صاف بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنے سایوں میں رکھیں گے۔''(۵۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفراور حسد کرنے والوں کے مقابلہ میں صاحب ایمان اور صالح کردار لوگوں کا صلہ اور مقام۔

جولوگ ایمان لائے اور صالح کردار کے حامل ہوئے جونہی وہ دنیا کے امتحانات سے نکل کر عالم عقبیٰ میں پہنچیں گے ان کے لیے ایسے باغات ہوں گے جن میں نہریں اور آبشاریں چلتی ہوں گی۔صاحبِ ایمان اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔اس میں نہایت پاک وصاف، وفادار اور جانثار بیویاں ہوں گی۔انہیں سرسبز وشاداب اور لہلہاتے ہوئے باغوں کے گھنے سایوں میں داخل کیا جائے گا۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ أَعْدَدْتُّ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ فَاقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ}» (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ وأنہا مخلوقۃ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے جو کچھ تیار کیا ہے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں خیال پیدا ہوا چاہو تو اللہ کا فرمان پڑھ لو'' کوئی بھی نہیں جانتا کہ جنتیوں کے لیے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چھپا رکھا گیا ہے۔''

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ وَاقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ {وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ}» (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ...)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو برس تک چلتا رہے تب بھی ختم نہ ہوگا اگر چاہو تو اللہ کا فرمان {وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ} پڑھو۔''

«عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ نِّسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَ تْ مَابَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا» (رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ اگر اہلِ جنت کی عورتوں سے کوئی ان کی طرف جھانک لے' تو مشرق و مغرب اور جو زمین و آسمان کے درمیان ہے روشن اور معطر ہو جائے۔ نیز اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔''

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لِلرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ زَوْجَتَانِ مِنْ حُوْرِ الْعَيْنِ عَلٰى كُلِّ وَاحِدَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً يُّرٰى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَآءِ الثِّيَابِ» (رواہ احمد: مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ''جنتی شخص کی بیویاں دو حوریں ہوں گی ہر ایک کے اوپر ستر (۷۰) کپڑے ہوں گے لیکن اسکی پنڈلی کا گودا کپڑوں میں بھی نظر آئے گا۔

مسائل

۱۔ صاحب ایمان و کردار جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۲۔ جنتیوں کے لیے پاک بیویاں اور گھنے سائے ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

ازواجِ جنت کا حسن و جمال:

۱۔ پاک بیویاں ہوں گی۔ (البقرۃ: ۲۵) ۲۔ خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والیاں ہوں گی۔ (الصافات: ۴۸، ۴۹)
۳۔ جنتیوں کی ہم عمر۔ (ص: ۵۲) ۴۔ یاقوت و مونگے کی طرح خوبصورت ہوں گی۔ (الرحمٰن: ۵۸)
۵۔ چھپائے ہوئے موتی کی طرح ہوں گی۔ (الواقعہ: ۲۳) ۶۔ کنواری اور ہم عمر ہوں گی۔ (الواقعہ: ۳۶، ۳۷)
۷۔ ان کو کبھی کسی جن و انس نے چھوا نہیں ہوگا۔ (الرحمٰن: ۷۴) ۸۔ خیموں میں محفوظ ہوں گی۔ (الرحمٰن: ۷۲)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ

بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے یہ کہ تم ادا کردو امانتیں طرف اس کے اہل

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور جب تم فیصلہ کرنے لگو درمیان لوگ یہ کہ تم فیصلہ کرو انصاف سے بیشک اللہ

نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝۵۸

بہت اچھی نصیحت کرتا ہے تمہیں اسکے ساتھ بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے حوالے کرو اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو یقیناً وہ بہتر ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔'' (۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب سے تورات وانجیل میں نبی ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا تھا۔ جس کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا امانت داری کا تقاضا تھا لیکن انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اس امانت میں خیانت کی اس کا نتیجہ نکلا کہ وہ ہر شعبہ میں پرلے درجہ کے خائن ثابت ہوئے۔ امت کو مالی، اخلاقی، سیاسی اور عدالتی خیانت سے بچانے کے لیے ہر قسم کی ذمہ داری اس کے اہل لوگوں کے سپرد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اکثر مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے ہجرت سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے عثمان بن طلحہ سے چابی طلب فرمائی لیکن اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا عثمان وہ وقت ذہن میں لاؤ جب یہ چابی میرے پاس ہوگی اور جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔ عثمان نے غصہ میں آکر کہا کہ کیا ہم اس وقت مر چکے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں تم زندہ ہو گے لیکن اس کے باوجود چابی میرے پاس ہوگی۔ چنانچہ جب آپ نے مکہ فتح کیا تو بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے عثمان بن طلحہ سے چابی طلب فرمائی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ عثمان نے بڑی بے چارگی کے عالم میں آپ کو چابی پیش کرتے ہوئے عرض کی اللہ کے رسول! اسے امانت سمجھئے۔ آپ نے بیت اللہ میں داخل ہو کر دو نفل ادا کیے اور آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب نیچے تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یہ چابی ہمیں ملنی چاہیے کیونکہ حجاج کو زم زم پلانے کی ذمہ داری ہمارے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ایفائے عہد کا دن ہے لہٰذا یہ چابی عثمان بن طلحہ کو دی جائے گی۔ پھر عثمان بن طلحہ کو بلا کر یہ فرماتے ہوئے چابی عطا کی کہ یہ چابی ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی۔ جس شخص نے تم سے چابی چھیننے کی کوشش کی وہ ظالم ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اس وقت اس آیت کی

تلاوت کررہے تھے۔'' (تفسیر ابن کثیر: النساء ۵۸)

بے شک یہ آیت مبارکہ خاص موقعہ پر نازل ہوئی لیکن اس میں ہر قسم کی امانتوں کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے جس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ اے مسلمانو! قیادت وامامت اہلِ کتاب سے چھین کر تمہارے سپرد کی جارہی ہے انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا لیکن تم اس کا حق ادا کرنا۔

اس امانت کا انہوں نے حق ادا نہیں کیا جس منصب شہادت پر ان کو مامور کیا گیا اس کو انہوں نے چھپایا، جو کتاب ان کی تحویل میں دی گئی اس میں انہوں نے تحریف کی، جس شریعت کا ان کو حامل بنایا گیا اس میں انہوں نے اختلاف پیدا کیا، جن حقوق کے وہ امین بنائے گئے ان میں انہوں نے خیانت کی، جو فرائض اُن کے سپرد ہوئے ان میں وہ چور ثابت ہوئے، جو عہد انہوں نے باندھے وہ سب توڑ ڈالے۔ اے امت محمدیہ کے لوگو! اب تمہاری اولین ذمہ داری یہ ہے کہ تم اس عظیم امانت کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو یہاں لفظ امانت کے بجائے امانات استعمال ہوا ہے جس میں اخلاقی، سیاسی امانتیں لوٹانے کے ساتھ رقم کی امانت بھی شامل ہے۔ (تدبرِ قرآن)

اس لیے مفسرین نے سیاسی، مالی، اخلاقی اور دینی امانتوں کے ساتھ حقوق اللہ کو شامل کیا ہے۔ امانت میں سب سے بڑی امانت جس سے دنیا کا نظام بگڑتا اور سنورتا ہے وہ اختیارات کا استعمال ہے۔ اختیارات تبھی صحیح استعمال ہو سکتے ہیں جب یہ اہل اور صحیح لوگوں کو دیے جائیں۔ اگر نااہل، بددیانت اور اوباش لوگوں کو اختیارات سونپ دیے جائیں تو بہتر سے بہترین قانون اور منصب بھی نہ صرف اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے بلکہ یہ دنیا کی نظروں میں ذلیل اور بے مقصد ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب تمہارے حکمران نااہل، حق سننے اور کہنے میں گونگے، بہرے ہوں گے تو پھر تمہیں قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس عادل اور ذمہ دار حکمرانوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب چمکتے ہوئے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ (رواہ مسلم: کتاب الامارۃ)

نااہل آدمی کو ذمہ داری دینے والا ملعون ہوتا ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری دی جائے اور وہ صرف تعلق اور قرابت کی بنیاد پر کسی نااہل آدمی کو منصب سونپ دے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور اس کی نفلی اور فرضی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (رواہ احمد: مسند ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ [ضعیف])

صحیح مشورہ دینا امانت ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ ایک طرح سے امین ہوتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی سمجھ اور معلومات کے مطابق بلا رعایت صحیح مشورہ دے۔ اگر اس نے جان بوجھ کر غلط مشورہ دیا تو اس کے نتائج کا ذمہ دار ہوگا آپ نے اس کو جامع الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

«اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ» (رواہ الترمذی: کتاب الأدب، باب إن المستشار مؤتمن [صحیح])

''جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔''

مجالس بھی امانت ہوتی ہیں:

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ وہی شخص امانت دار ہوتا ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ یا کوئی سامان رکھا جائے حالانکہ قرآن وسنت میں دیانت وامانت کا وسیع تصور پایا جاتا ہے۔ جس کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ باضابطہ مجالس بھی امانت ہوتی ہیں کیونکہ بسا اوقات مال واسباب کا نقصان آدمی برداشت کر لیتا ہے یا اس کی تلافی ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی اجلاس اور مجالس کا راز افشا کر دیا جائے تو فرد اور خاندان ہی نہیں قوموں اور ملکوں کو ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ» (رواہ أبو داؤد: کتاب الأدب، باب فی نقل الحدیث [حسن لغیرہ])

''مجالس امانت ہوا کرتی ہیں۔''

مسائل

۱۔ مسلمان اہل لوگوں کو اپنے معاملات کا ذمہ دار بنائیں۔ ۲۔ ذمہ دار لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عدل وانصاف قائم کریں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بہت ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

عدل وانصاف کا حکم:

۱۔ عدل وانصاف کا حکم۔ (الاعراف: ۲۹) ۲۔ فیصلہ کرتے وقت عدل وانصاف کا خیال رکھنا چاہیے۔ (ص: ۲۶)
۳۔ فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے۔ (المائدۃ: ۴۸) ۴۔ انصاف کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ (المائدۃ: ۴۲)
۵۔ انصاف کی بات کہنے کا حکم۔ (الانعام: ۱۵۲) ۶۔ صلح بھی عدل وانصاف سے کروانا چاہیے۔ (الحجرات: ۹)
۷۔ رسولوں کی بعثت کا مقصد انصاف قائم کرنا تھا۔ (الحدید: ۲۵)
۸۔ کسی کی دشمنی عدل وانصاف میں رکاوٹ نہیں بننی چاہیے۔ (المائدۃ: ۸)



يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اَطِيْعُوا	اللّٰهَ	وَاَطِيْعُوا	الرَّسُوْلَ
اے	وہ لوگ	ایمان لائے	اطاعت کرو	اللہ کی	اور اطاعت کرو	رسول کی

وَاُولِي الْاَمْرِ	مِنْكُمْ ۚ	فَاِنْ	تَنَازَعْتُمْ	فِيْ	شَيْءٍ	فَرُدُّوْهُ
اور صاحب امر	تم میں سے	پھر اگر	تم جھگڑ پڑو	میں	کسی بات	اسے لوٹاؤ

اِلَى	اللّٰهِ	وَالرَّسُوْلِ	اِنْ	كُنْتُمْ	تُؤْمِنُوْنَ	بِاللّٰهِ
طرف	اللہ	اور رسول	اگر	تم ہو	تم ایمان لاتے ہو	اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ	ذٰلِكَ	خَيْرٌ	وَّاَحْسَنُ	تَاْوِيْلًا ۝
اور روزِ آخرت	یہ	بہتر	اور بہت اچھا	انجام

ع ۸ ۹ ۵

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو صاحب امر ہوں ان کی بھی۔ اگر کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تمہارا اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ انجام کے لحاظ سے نہایت بہتر اور بہت اچھا ہے۔'' (۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اپنے میں سے کسی کو حاکم بنانے کا یہ مقصد نہیں کہ حکمران حاکمِ مطلق بن جائے بلکہ وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع ہیں۔

امانتوں کی ادائیگی اور اختیارات کا صحیح استعمال کرنے کا حکم دینے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا اس لیے فوری ذکر کیا ہے تاکہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ کوئی اپنے اختیارات میں آزاد ہے۔ اس بات کو مزید واضح کرنے کی خاطر ''اُولِی الْاَمْرِ'' کے لیے لفظِ ''اطاعت'' استعمال کرنے کی بجائے فقط واؤ کے عطف سے اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تاکہ راعی اور رعیت، امیر اور مامور اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنے آپ کو صرف اللہ اور اس کے رسول کے تابع فرمان سمجھیں۔ اسی سورۃ کی آیت ۶۴ اور ۸۰ میں واضح کیا کہ رسول کی اطاعت فی ذاتہٖ نہیں بلکہ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا حقیقی منشاء سمجھنا اور اس کے مطابق سو فیصد عمل کر کے دکھلانا رسول کا کام ہوتا ہے۔ اگر رسول سے بتقاضائے بشریت کوئی چوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کی درستگی فرما دیتا ہے۔ اس لیے رسول امت کے ہر شخص کے لیے اسوۂ حسنہ اور واجب الاتباع ہوتا ہے۔ رسول کے علاوہ کوئی شخص غیر مشروط اطاعت کے لائق نہیں۔ اگر امیر المومنین یا بڑے سے بڑا عالم اور امام غلطی کرے یا اس کے ساتھ کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش کرنا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں وہ معاملہ قرآن وسنت کے سامنے رکھا جائے۔ پھر اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے سامنے ہر کسی کو سرِ تسلیم خم کرنا لازم ہے۔ یہی اللہ اور آخرت پر

ایمان لانے کا تقاضا ہے۔اس طرزِ عمل میں دنیا کی بہتری اور آخرت کی خیر مضمر ہے اور اسی طریقے سے امت متحد رہ سکتی ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں دلائل برابر ہوں تو اہلِ علم کی اکثریت کی پیروی کرنا ہوگی۔

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ» (رواہ فی شرح السنۃ وقال النووی فی أربعینہ: ہذا حدیث صحیح)

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اُس چیز کے تابع نہ ہوجائیں جو میں لایا ہوں۔''

امیر کا انتخاب اور اس کی اطاعت

اس فرمان میں امیر کے لیے ''مِنْكُمْ'' آیا ہے اور ''كُمْ'' ضمیر استعمال کی ہے کہ وہ تم میں سے ہو۔جس سے دوٹوک انداز میں واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا امیر مسلمان اور انہی کی مرضی سے ہونا چاہیے۔کیونکہ امارت اور خلافت کی بنیاد اُوپر سے نہیں نیچے سے قائم کی گئی ہے۔تاکہ فکری اور عملی طور پر اس کی جڑیں گھر اور عوام میں ہوں اور ہر فرد اس ذمہ داری میں اپنے آپ کو برابر کا شریک سمجھے۔جہاں تک امت میں سیاسی، گروہی اور مذہبی جماعتوں کا تعلق ہے۔اس کا شریعت میں صرف جواز کے سوا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملتا۔لہٰذا ان جماعتوں کے امراء اور سربراہوں کی حیثیت سفری امیر سے زیادہ نہیں۔جس طرح اس کے وقتی اور محدود اختیارات ہوتے ہیں اسی طرح جماعتوں کے امراء کو اپنے حقوق وفرائض کا تعین کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو اللہ، اس کے رسول اور نیک حکمرانوں کی اطاعت کرنی چاہیے۔

۲۔ تنازعات کو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔

۳۔ قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کرنا ایمان داروں کے لیے فرض ہے اسی میں دنیا اور آخرت کی بہتری ہے۔

تفسیر بالقرآن

اختلافات کا حل:

۱۔ معاملہ اللہ کی طرف لوٹایا جائے۔(الشوریٰ:۱۰) ۲۔کتاب اللہ میں مسائل کا حل ڈھونڈا جائے۔(المائدۃ:۴۷)

۳۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو فیصل تسلیم کیا جائے۔(النساء:۵۹)

۴۔ جو اللہ کے رسول کو فیصل تسلیم نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں۔(النساء:۶۵)

۵۔ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مومن کو اپنی مرضی کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔(الاحزاب:۳۶)

۶۔ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا ظالم، کافر اور فاسق ہے۔(المائدہ:۴۴، ۴۵، ۴۷)

نوٹ! مزید تفصیل کے لیے دیکھیں راقم کی کتاب ''اتحادِ امت اور نظم جماعت''

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ

کیا نہیں آپ نے دیکھا طرف وہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں بیشک وہ ایمان لائے اس پر جو نازل کیا گیا

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى

آپ کی طرف اور جو نازل کیا گیا سے آپ سے پہلے وہ چاہتے ہیں یہ کہ فیصلے کروائیں طرف

الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ

طاغوت اور تحقیق انہیں حکم ہو چکا کہ وہ کفر کریں اس کا اور چاہتا ہے شیطان یہ کہ انہیں بہکا دے

ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

گمراہی دور اور جب کہا جاتا ہے انہیں آؤ طرف جو نازل کیا اللہ

وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

اور طرف رسول آپ دیکھیں گے منافقین رک جاتے ہیں تم سے رُک جانا

''کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور آپ سے پہلے اتارا گیا اس پر ان کا ایمان ہے۔ لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں پھینک دے۔ (۶۰) ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم اور رسول کی طرف آؤ آپ دیکھیں گے کہ منافق آپ سے کنی کترا جاتے ہیں۔'' (۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دے کر من گھڑت ایمان، نمائشی اطاعت کی تردید اور شیطان کی اتباع سے منع کیا گیا ہے۔ اہل کتاب کے بعد خطاب کا رخ منافقین کی طرف کر دیا گیا۔

منافقین کا دعویٰ اور خیال تھا کہ وہ قرآن مجید اور پہلی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ منع کرنے کے باوجود چاہتے ہیں کہ ان کے فیصلے طاغوت کے ذریعے ہوں۔ ایسا اس لیے ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں دھکیل دے تاکہ یہ ہدایت کی طرف نہ پلٹ سکیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے منافقوں کی ذہنیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک منافق اور یہودی کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہوا۔ یہودی نے مسلمان سے کہا کہ اس کا فیصلہ آپ کے نبی سے کروانا چاہیے لیکن منافق نے کہا کہ نبی کی بجائے یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف سے فیصلہ لینا زیادہ بہتر ہے۔ منافق یہودی کے اصرار پر آپ ﷺ کے سامنے جانے کے لیے اس لیے مجبور ہوا کہ کہیں میری منافقت کا پتہ نہ چل جائے۔

جب ان دونوں نے رسول محترم ﷺ کے پاس مقدمہ پیش کیا تو آپ نے یہودی کا موقف صحیح سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا۔ لیکن منافق نے یہ فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہودی کو کہا کہ چلو عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ لیتے ہیں۔ کیونکہ منافق سمجھتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں کے سخت خلاف ہیں۔ اس لیے وہ تعصب کی بنیاد پر یہودی کے خلاف فیصلہ کریں گے۔ معاملہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو یہودی نے کہا کہ اس جھگڑے کا آپ کے نبی پہلے فیصلہ دے چکے ہیں۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لا کر منافق کا سر قلم کرتے ہوئے فرمایا:

«هٰذَا قَضَآئُ لِمَنْ لَّمْ يَرْضَ بِقَضَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ» (فتح الباری: کتاب المساقاة)

''جو رسول معظم ﷺ کے فیصلہ کو نہیں مانتا اس کے بارے میں میرا یہی فیصلہ ہے۔''

{ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ } (الاحزاب:۳۶)

''کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

مسائل

۱۔ قرآن وسنت کے خلاف فیصلہ کرنا اور کروانا شیطان کی پیروی کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ شیطان آدمی کو دور کی گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ ۳۔ منافق اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات سے انحراف کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شیطانی ہتھکنڈے:

۱۔ انسان کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کی اللہ تعالیٰ کے سامنے قسمیں۔ (ص:۸۲)

۲۔ شیطان کی خفیہ چالیں۔ (الاعراف:۲۷) ۳۔ شیطان گناہوں کو مزین وخوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ (الانعام:۴۳)

۴۔ شیطان خیالات کے ذریعے گمراہ کرتا ہے۔ (الناس:۵) ۵۔ شیطان انسان سے کفر کروا کر خود پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (الحشر:۱۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو نورِ ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ (البقرۃ:۲۵۷)

۷۔ کفار کے دوست طاغوت ہوتے ہیں جو انہیں ظلمات کی طرف لے جاتے ہیں۔ (البقرۃ:۲۵)

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

پھر کیسی جب انہیں پہنچے کوئی مصیبت سبب اسکے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھ (جمع)

ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۚ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا

پھر وہ آئیں آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی نہیں ہم نے چاہا سوائے بھلائی

وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ

اور موافقت یہی وہ لوگ اللہ جانتا ہے جو میں ان کے دل

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

تو آپ اعراض کریں ان سے اور ان کو نصیحت کریں اور کہیں ان کیلئے ان کے لیے مؤثر بات

''پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کردار کی وجہ سے کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ کا تھا۔ (۶۲) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کے راز اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ان سے چشم پوشی کیجیے انہیں نصیحت کرتے رہیں اور انہیں وہ بات کہیں جو ان کے دلوں پر اثر کرنے والی ہو۔'' (۶۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ ہونے کے ساتھ منافقین کی دوغلی پالیسی سے نبی ﷺ کو آگاہ کرنے کے باوجود حکم ہوا کہ آپ ان کو وعظ و نصیحت جاری رکھیں۔

اس فرمان میں آپ کو خبر دی جا رہی ہے کہ آج تو منافقین اپنی سازشوں اور شرارتوں پر اتراتے اور دندناتے پھرتے ہیں۔ لیکن عنقریب وقت آنے والا ہے کہ جب ان کے کرتوت سامنے آئیں گے تو یہ اپنے کیے پر پچھتاتے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلف اُٹھاتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی صفائی پیش کریں گے کہ اس کام میں ہماری یہ مصلحت تھی اور یہ کام ہم نے فلاں وجہ سے کیا ہے۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف باہمی یگانگت اور موافقت کے ذریعہ اچھا ماحول پیدا کرنا تھا چنانچہ اس پیش گوئی اور خوشخبری کا ایک ایک حرف غزوۂ تبوک کے موقعہ پر پورا ہوا۔ جب آپ اس غزوہ سے واپس لوٹے تو پیچھے رہ جانے والے منافقین نے آپ کی خدمت میں آ کر معذرتیں پیش کیں۔ لیکن آپ ان کے جواب میں خاموشی اور درگزر سے کام لیتے رہے۔ مزید گیارھویں پارے کی ابتدائی آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

منافقین کی غلط بیانی اور ملمع سازی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور زبان سے اس کے خلاف دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ اپنی باتیں دنیا والوں سے چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے وہ تو ان کے دلوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ لہٰذا میرے محبوب ﷺ! ان سے الجھنے کی بجائے اعراض فرمائیں، انہیں مسلسل نصیحت کرتے رہیں اور ان کو سمجھانے

کے لیے اچھا انداز اور مؤثر الفاظ استعمال فرمائیں۔اس میں آپ کی ذات گرامی کے حوالے سے ہر مبلغ کے لیے اصول ہے کہ وہ مخالفوں اور منافقوں کے ساتھ الجھنے کی بجائے بہتر رویہ اختیار کرے جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں یقیناً بہتر ہوگا۔

«قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ دَعْنِي يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ» (رواہ البخاری: تفسیر القرآن، قولہ یقولون لئن رجعنا إلی المدینۃ)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں نے رسولِ کریم ﷺ سے عرض کی کہ آپ اجازت دیں تو میں عبداللہ بن ابی منافق کا سر قلم کر دوں لیکن آپ نے منع فرمایا اور کہا لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کراتا ہے۔''

تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ابن ابی اپنے اصل کردار کی وجہ سے اس قدر لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوا کہ کوئی اس کے پروپیگنڈہ کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ درست ثابت ہوا۔

«عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَبَائِرُ الإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ» (رواہ البخاری: باب الیمین الغموس)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم اُٹھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔''

مسائل

۱۔ مصیبت کے وقت منافق قسم اٹھا کر مسلمانوں کی رفاقت کا دعویٰ کرتا ہے۔

۲۔ منافقوں سے چشم پوشی کر کے انہیں اچھی نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

منافقین کی چالیں:

۱۔ دوغلی زبان اور دوغلا کردار۔(البقرۃ: ۱۳، ۱۴) ۲۔اسلام کا دعویٰ مگر طاغوت کے فیصلہ پر خوش ہونا۔(النساء: ۶۰)

۳۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچا کر صفائی کی قسمیں اٹھانا۔(النساء: ۶۲) ۴۔بغیر تحقیق کے افواہیں اڑانا۔(النساء: ۸۲)

۵۔ صرف دنیا کی کامیابی کی چاہت رکھنا۔(النساء: ۱۴۱) ۶۔زبان اور دل میں تضاد ہونا۔(آلِ عمران: ۱۶۷)

وعظ و نصیحت کا انداز کیا ہونا چاہیے؟

۱۔ نرم انداز میں گفتگو کرنی چاہیے۔(طٰہٰ: ۴۴) ۲۔وعظ میں مؤثر انداز اختیار کرنے کا حکم (النساء: ۶۳)

۳۔ جھگڑے کی بجائے احسن انداز اختیار کرنا۔(النحل: ۱۲۵) ۴۔حکمت کے ساتھ موثر دعوت دینا چاہیے۔(النحل: ۱۲۵)

۵۔ بصیرت کے ساتھ دعوت دینا چاہیے۔(یوسف: ۱۰۸)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اور نہیں ہم نے بھیجا سے رسول مگر تا کہ اسکی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ

اور اگر بیشک وہ لوگ جب انہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر وہ آتے آپ کے پاس پھر بخشش چاہتے اللہ

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

اور مغفرت مانگتا انکے لیے رسول تو وہ ضرور پاتے اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان

''ہم نے ہر رسول کو اسی لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول کی فرمانبرداری کی جائے اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور آپ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔'' (۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خطاب کا تسلسل جاری ہے۔ اس میں منافقوں کو توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے رسول کا مرتبہ اور مقام بیان کرنے کے ساتھ اپنی شفقت و مہربانی کا ذکر فرمایا ہے۔ رسولِ معظم ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ آپ کی شان اور مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کی اطاعت کی جائے۔ اس میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ ملمع سازی یا محض دعووں کی بنیاد پر رسول کی ذات کو خوش کر لیا جائے تو اس سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک حقیقتاً قرآنِ مجید کی ہدایت کے مطابق آپ کی اطاعت نہ کی جائے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی بے کناں رحمت کا معاملہ ہے وہ اس قدر بے کنار ہیں کہ جب بھی کوئی شخص خواہ اس کا ماضی کتنا ہی گھناؤنا اور منافقانہ کیوں نہ ہو۔ اخلاصِ نیت کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے رسول کے تابع کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے گا تو وہ اپنے رب کو شفیق و مہربان پائے گا۔ یہی بات منافقوں کو کہی گئی کہ کتنا ہی بہتر ہوتا کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اپنی بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی درخواست کرتے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا اور انتہائی مہربان پاتے۔

اس آیت کی تفسیر میں ضیاء القرآن کے مؤلف نے اپنے عقائد کی حمایت میں قرطبی کے حوالے سے ایک واقعہ ذکر کیا ہے جو نہ صرف قرآن و سنت کے خلاف ہے بلکہ تاریخی حقائق بھی اس کی تائید نہیں کرتے لکھتے ہیں:

''سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور فرطِ رنج و غم سے مزارِ پُرانوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک کو اپنے سر پر ڈالا اور عرض کرنے لگا۔ اے اللہ کے رسول! جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وہ ہم نے آپ سے سیکھا۔ اسی میں یہ آیت بھی ہے: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا ...'' میں نے اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کیے ہیں اب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپائے شفقت و رحمت! میری

مغفرت کے لیے دعا فرمایئے۔ فَنُوْدِیَ مِنَ الْقَبْرِ أَنَّهٗ قَدْ غُفِرَ لَكَ۔ ''تو مرقدِ منور سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا۔''

نوٹ! اس واقعہ کی سند سخت ضعیف ہے مزید تفصیل کے لئے البانی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''وسیلہ اور اس کے احکام کا مطالعہ فرمائیں۔

قرآن مجید نے دوٹوک انداز میں فرمایا ہے:

{ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ } (فاطر:۳۲)

کہ رسول اللہ ﷺ بھی قبر والوں کو سنا نہیں سکتے چہ جائیکہ ایک اعرابی آپ کو آ کر کوئی فریاد سنائے اور آپ جواب دیں۔ اگر یہ عقیدہ کسی لحاظ سے بھی ثابت ہوتا یا اس کی ذرہ برابر گنجائش ہوتی تو آپ کی وفات کے وقت جب آپ کا جسدِ مبارک موجود تھا تو صحابہ میں تین بڑے اختلافات اُبھر کر سامنے آئے۔ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ خلافت کے لیے کون سی شخصیت زیادہ موزوں ہے؟ یہاں تک کہ آپ کے فوت ہونے پر بھی دو نقطۂ نظر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ابھی مدینہ میں منافق موجود ہیں اور اسلام کا غلبہ بھی پوری طرح نہیں ہوا لہٰذا آپ کو موت نہیں آئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موقف کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول محترم ﷺ فوت ہو چکے ہیں انہوں نے اپنی تقریر میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے: (مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ) ''تم میں سے جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا یقیناً محمد (ﷺ) وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا یقیناً اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔'' پھر اس آیت کی تلاوت کی: {وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ... الخ} (رواہ البخاری: کتاب الجنائز، باب الدخول علی میت الخ) ''محمد (ﷺ) ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر گئے۔''

یاد رہے کسی صحابی نے یہ بات نہیں فرمائی کہ بھائیو کیوں جھگڑتے ہو چلو آپ کے جسدِ اطہر سے عرض کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس وقت آپ ﷺ کا جسدِ اطہر ابھی قبر سے باہر جلوہ نما تھا۔

مسائل

۱۔ رسول کی بعثت کا مقصد اس کی اطاعت کرنا ہے۔ ۲۔ لوگوں کو ہر دم اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے رہنا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کی دعوت:

۱۔ اللہ تعالیٰ گناہ ہی بخشتا ہے۔ (آلِ عمران:۵: ۱۳۵) ۲۔ انبیاء کی دعوت اللہ سے بخشش مانگنا ہے۔ (نوح:۱۰)
۳۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر: ۵۳) ۴۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ میں بخشنے والا ہوں۔ (الحجر:۴۹)
۵۔ منافق اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے سے انحراف کرتے ہیں۔ (المنافقون:۵)

فَلَا وَ رَبِّكَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	حَتّٰى	يُحَكِّمُوْكَ	فِيْمَا	شَجَرَ
پس قسم ہے آپ کے رب کی	وہ مومن نہیں	یہاں تک	وہ آپ کو حکم بنائیں	اس میں جو	جھگڑا اٹھے
بَيْنَهُمْ	ثُمَّ	لَا يَجِدُوْا	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	حَرَجًا	مِّمَّا
انکے درمیان	پھر	وہ نہ پائیں	اپنے دلوں میں	کوئی تنگی	اس سے جو
قَضَيْتَ	وَ يُسَلِّمُوْا	تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾			
آپ نے فیصلہ کیا	اور وہ تسلیم کریں	تسلیم کرنا			

''آپ کے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے تمام اختلاف میں آپ کو حکم نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی نہ پائیں اور اسے دل و جان سے تسلیم کر لیں۔'' (۶۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیات میں منافقین کو رسول کو مطاع تسلیم کرنے اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ اب قطعی انداز میں رسولِ معظم ﷺ کو فیصل ماننے کا حکم دیا ہے۔

لہٰذا فیصلہ کُن انداز میں منافقوں، کافروں اور سب لوگوں کی غلط فہمی دور کی جا رہی ہے کہ کسی کا ایمان اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک حضرت محمد ﷺ کو زندگی کے تمام معاملات میں حکم تسلیم نہ کر لیا جائے۔ جونہی آپ کا فیصلہ سامنے آئے تو اُسے دل کی رغبت اور طبیعت کی چاہت کے ساتھ من وعن تسلیم کرنا ہوگا اور اس کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کا تردد اور تأمل نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں قرآنِ مجید نے ''شجر'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنیٰ ایسا درخت جس کی شاخیں ایک دوسرے کے ساتھ پھنسی اور اُلجھی ہوئی ہوں۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ تمہارے معاملات خواہ کتنے ہی الجھے اور بگڑے ہوئے کیوں نہ ہوں تمہیں ہر حال میں اللہ کے رسول کو حکم تسلیم کرنا پڑے گا۔ معاملات سیاسی ہوں یا معاشی، اخلاقی ہوں یا معاشرتی، انفرادی ہوں یا اجتماعی غرض کہ زندگی کا کوئی معاملہ اور شعبہ ہو۔ اس میں اللہ کے رسول کو حکم تسلیم کرنا لازم ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِيْ يَسْقُوْنَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَآءَ يَمُرُّ فَأَبٰى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلزُّبَيْرِ أَسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَآءَ إِلٰى جَارِكَ فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَآءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِيْ ذٰلِكَ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا

شَجَرَ بَيْنَهُمْ}» (رواه البخاری: باب سکر الأنهار)

''انصار کے ایک آدمی کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پانی کے نالے کے بارے میں اختلاف ہو گیا جس سے وہ کھجوروں کو پانی دیتے تھے۔ انصاری نے کہا پانی چھوڑو اسے آگے آنے دو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا دونوں اپنا جھگڑا رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا زبیر! پانی لگا کر ہمسائے کے لیے چھوڑ دیا کرو۔ انصاری نے غضبناک ہو کر کہا وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زبیر! پانی لگا جب تک وہ منڈیروں تک نہ پہنچ جائے پانی کو روکے رکھنا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت ''فَلَا وَرَبِّكَ'' اس موقعہ پر نازل ہوئی ہے۔''

''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسلمانوں کے ایک آدمی سے اپنی بہن کی شادی کی وہ اس کے پاس کچھ عرصہ رہی پھر اس نے اسے ایک طلاق دی اور عدت گزر گئی لیکن رجوع نہ کیا۔ اب پھر دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے پھر اس آدمی نے منگنی کے لیے آدمی بھیجا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا: کمینے! میں نے تیری عزت کرتے ہوئے اس کے ساتھ شادی کی اور تو نے اسے طلاق دے دی۔ اللہ کی قسم اب کبھی یہ تیرے پاس نہیں لوٹے گی یہ آخری باری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی کے جذبات کو قبول کیا تو یہ آیت نازل فرمائی {وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ} جب معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو کہا کہ سَمْعًا لِرَبِّي وَطَاعَةً میں نے اپنے رب کی بات کو سنا اور مان لیا۔ پھر انہوں نے اس آدمی کو بلایا اور کہا میں تیرا اپنی بہن کے ساتھ نکاح بھی کرتا ہوں اور عزت بھی کروں گا۔'' (رواه الترمذی: کتاب التفسیر، باب ومن سورة البقرة [صحیح])

مسائل

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصل تسلیم کیے بغیر لوگ ہرگز ایمان دار نہیں ہو سکتے۔

۲۔ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دل و جان سے ماننا ایمان ہے۔

تفسیر بالقرآن

مقام نبوت:

۱۔ رسولِ محترم بہترین اسوہ ہیں۔ (الاحزاب: ۲۱) ۲۔ ہر معاملہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا چاہیے۔ (النساء: ۵۹)

۳۔ اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (الحجرات: ۱)

۴۔ رسول جو تمہیں دے اسے پکڑ لو اور جس سے منع کرے رُک جاؤ۔ (الحشر: ۷)

۵۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ (النساء: ۸۰) ۶۔ اللہ کی محبت رسول کی اطاعت میں ہے۔ (آل عمران: ۳۱)

۷۔ ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو ان کی مخالفت سے اپنے اعمال برباد نہ کرو۔ (محمد: ۳۳)

وَلَوْ	اَنَّا	كَتَبْنَا	عَلَيْهِمْ	اَنِ	اقْتُلُوْٓا	اَنْفُسَكُمْ	اَوِ
اور اگر بیشک	ہم	ہم لکھ دیتے	ان پر	یہ کہ	تم قتل کرو	اپنے آپ کو	یا
اخْرُجُوْا	مِنْ	دِيَارِكُمْ	مَّا فَعَلُوْهُ	اِلَّا	قَلِيْلٌ	مِّنْهُمْ ؕ	
تم نکل جاؤ	سے	اپنے گھروں	نہ کرتے وہ اسکو	سوائے	تھوڑے	ان سے	
وَلَوْ	اَنَّهُمْ	فَعَلُوْا	مَا	يُوْعَظُوْنَ	بِهٖ	لَكَانَ	خَيْرًا
اور اگر	بیشک وہ	کرتے	جو	نصیحت کی جاتی ہے	اس کی	البتہ ہوتا	بہتر
لَّهُمْ	وَاَشَدَّ	تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾	وَّاِذًا	لَّاٰتَيْنٰهُمْ	مِّنْ لَّدُنَّآ	اَجْرًا	
ان کیلئے	اور زیادہ	ثابت رکھنے والا	اور تب	ہم انہیں دیتے	اپنے پاس سے	اجر	
عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾	وَّلَهَدَيْنٰهُمْ	صِرَاطًا	مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾				
بڑا	اور البتہ ہم انہیں ہدایت دیتے	راستہ	سیدھا				

''اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے بہت ہی کم لوگ اسے بجالاتے اور اگر وہی کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً ان کے لیے یہ بہتر اور بہت زیادہ ثابت رکھنے والا ہوتا۔ (٦٦) تب انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا اجر عطا فرماتے۔ (٦٧) اور یقیناً انہیں سیدھے راستے کی راہنمائی کرتے۔'' (٦٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین مشکل حکم ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے لوگوں پر ایسے احکام نازل کیے جو نرمی اور آسانی پر مبنی ہیں۔ اگر یہ احکام سخت اور مشکل ہوتے تو لوگوں کو ان پر عمل کرنا دشوار اور ناممکن ہوتا۔ اس صورت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اگر ہم لوگوں کو اپنے آپ کو قتل کرنے یا اپنے جگر گوشوں کو گھروں سے نکال دینے کا حکم دیتے یعنی جو نافرمان اور سرکش ہیں انہیں قتل کرنے یا گھروں سے نکال باہر کرنے کا حکم دیتے تو چند لوگوں کے سوا کوئی بھی ان پر عمل نہ کرتا۔ یا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر شرک کی یہ سزا مقرر کی گئی تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں تو انہیں قتل کرنا پڑا تھا۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے معاملات میں فیصل تسلیم کرو۔ اس میں تمہارے لیے نرمی بھی ہے اور بھلائی بھی۔

اگر منافق اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے تو ان کے لیے یہ بہتر اور ایمان کی پختگی کا باعث ہوتا۔ اس کے بدلے انہیں عظیم اجر اور مزید صراط مستقیم کی رہنمائی سے بھی نوازا جاتا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بظاہر عمل کرنے میں مشکل کیوں نہ ہوں پھر بھی ان پر عمل کرنا آدمی کے لیے بہتر ہوا کرتا ہے۔

ابن جریر طبری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک آدمی نے کہا کہ اگر ہمیں ایسا کرنے کا حکم ہوتا تو ہم ضرور کر گزرتے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے درگزر فرمائی ہے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن میں پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ایمان ہے۔ (تفسیر طبری: سورۃ النساء، آیت ۶۶ [صحیح])

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے {وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا} تلاوت فرمائی تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ((لَوْ أَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ ذٰلِكَ لَكَانَ هٰذَا مِنْ أُولٰئِكَ الْقَلِيْلِ)) ''اگر اللہ تعالیٰ یہ کام لازم کر دیتے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی انہی تھوڑے لوگوں میں سے ہوتے جو اللہ کا حکم مان کر اپنے آپ کو قتل کرتے۔'' (ابن کثیر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اظہار تشکر کے طور پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بے پناہ فضل و کرم ہوا ہے کہ اس نے ہمیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اگر یہ حکم نازل ہو جاتا تو ہم اس پر عمل کرنے سے ہرگز گریز نہ کرتے۔ اس بات کا عملی ثبوت انہوں نے غزوۂ بدر کے موقعہ پر دیا تھا کہ جب قیدیوں کے بارے میں مشاورت ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ تو دو تجاویز سامنے آئیں جن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے۔ اس میں مسلمانوں کی مالی امداد کے ساتھ کفار کے لیے ہدایت کا آخری موقعہ فراہم کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز یہ تھی کہ یہ لوگ ناقابل معافی اور ناقابل اصلاح ہیں۔ ان کو قتل کرنے سے ہمیشہ کے لیے کفر کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ ان کی تجویز تھی کہ ہر کوئی اپنے قریبی رشتہ دار قیدی کو قتل کرے سب سے پہلے میں اپنے رشتہ دار قیدیوں کو قتل کروں گا۔ (الرحیق المختوم، ابن ہشام غزوۂ بدر کے قیدیوں کا قضیہ)

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَالَمْ يَكُنْ إِثْمًا فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهٖ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا» (رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ دونوں میں سے آسان کام کو اختیار کرتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔ اگر وہ کام گناہ کا ہوتا تو لوگوں میں سب سے زیادہ اس سے دور رہتے اور آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیا البتہ جب اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو اللہ کے لیے انتقام لیتے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنا ہر حال میں انسان کے لیے بہتر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عظیم اجر اور مزید ہدایت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

۳۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت اطاعت رسول میں پنہاں ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اور جو اطاعت کرے اللہ اور رسول کی تو یہی لوگ ان لوگوں کے ساتھ انعام کیا اللہ

عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ

ان پر سے انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور اچھے

اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

یہ لوگ ساتھی یہ فضل سے اللہ اور کافی اللہ جاننے والا

''اور جو بھی اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ یہ بہترین ساتھی ہیں۔ (۶۹) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقی فضل ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے۔'' (۷۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اطاعت رسول کے دنیا میں فوائد اور قیامت کے دن اس کے ثمرات۔

رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ اور فرمان کو زندگی کے ہر شعبہ میں قطعی طور پر لائقِ اتباع اور باعثِ نجات سمجھنے والے کو دنیا اور آخرت کے آٹھ انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے۔

دنیا میں ہر اعتبار سے بھلائی کا حصول، ایمان پر ثابت قدمی کی توفیق، اجرِ عظیم، صراطِ مستقیم کی رہنمائی کے ساتھ اور قیامت کو اللہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت انبیاء، صدیق، شہداء اور صالح لوگوں کی رفاقت اور معیّت نصیب ہوگی۔ یہاں چار شخصیات کے حوالے سے درحقیقت چار قسم کے مراتب اور مقام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جنت میں لوگوں کی انہی چار مراتب کے لحاظ سے درجہ بندی کی جائے۔ آدمی کوشش کرے تو تین مراتب کو کسی نہ کسی حد تک حاصل کرسکتا ہے۔ جن میں صدیق بننا، شہادت کے مرتبہ پر فائز ہونا اور صالح کردار کا حامل بننا ہے۔ جہاں تک نبوت کا مرتبہ اور مقام ہے وہ تو اعمال کے ذریعے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہے۔ جس کو چاہے اپنے پیغام کے لیے منتخب فرمالے اور یہ سلسلہ بھی حضرت محمد کریم ﷺ کی ذات اقدس پر اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا اب کوئی شخص یا گروہ یہ دعویٰ کرے کہ حسنِ اعمال کی بنیاد پر آدمی منصبِ نبوت پر فائز یا نبوت میں حصہ دار ہوسکتا ہے یہ سراسر گمراہی ہے۔ اس لیے یہاں رفاقت کا لفظ استعمال فرمایا ہے یعنی اسے نبی کی رفاقت نصیب ہوگی جس سے واضح طور پر اس باطل عقیدہ کی نفی ہوتی ہے کہ کوئی شخص قیامت تک ظلّی یا بروزی نبی نہیں بن سکتا یہ بحث سورۃ الاحزاب آیت: ۴۰ میں ختم نبوت کے سلسلہ میں موجود ہے۔

صدیق:

صدیق سے مراد ایسا شخص جو ہر حال میں سچ بولنے والا، سچ پر قائم رہنے والا اور سچ کے لیے ہر چیز قربان کردینے والا ہو،

امت میں اس مقام پر سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز ہوئے۔ جن کے بارے میں رسولِ محترم ﷺ نے اپنی زبانِ اطہر سے ان کے اعزاز کا اعلان فرمایا۔ باقی لوگ درجہ بدرجہ اس مقام کے حامل ہو سکتے ہیں۔

شہید:

ایسی شخصیت کو کہتے ہیں جو دل کی سچائی کے ساتھ اسلام میں داخل ہوا اور دین کی سربلندی کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ اور تیار رہے اور میدانِ کارزار میں کٹ مرنے والے کو شہید کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے خونِ جگر سے حق کی گواہی دیتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے شہادت کے کئی مراتب ذکر فرماتے ہوئے مختلف قسم کے لوگوں کو شہداء میں شامل فرمایا ہے۔ امام رازی نے سورۃ آل عمران آیت ۱۸ سے استدلال کیا ہے کہ عدل وانصاف کی گواہی دینے والے بھی شہداء میں شمار ہوں گے۔

صالحین:

صالح سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم اور خلوصِ نیت کے ساتھ نبی آخر الزماں ﷺ کی اتباع کرنے والا ہو۔ اس طرح امت کے تمام موحد اور نیک لوگ درجہ بدرجہ صالحیت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور اپنے عمل کے لحاظ سے جنت میں مقام پائیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول محترم ﷺ مسجد سے باہر نکل رہے تھے دروازے پر آپ کو ایک آدمی ملا اور عرض کرنے لگا اللہ کے نبی! قیامت کب برپا ہوگی؟ آپ نے اس سے فرمایا کہ تو نے قیامت کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ عرض کرتا ہے کہ میں نے نفلی کام تو زیادہ نہیں کیے تاہم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

«فَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ» (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحب)

''تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تو محبت کرتا ہے۔''

یہ مقام اور مراتب محض اعمال کی بنیاد پر نہیں بلکہ سراسر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا صلہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے افکار اور اعمال کو جانتا ہے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے فضل کا ذکر کرتے ہوئے:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَنْ يُنْجِيَ أَحَداً مِنْكُمْ عَمَلُهُ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَةٍ» (رواہ البخاری: کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی بنیاد پر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص نے عرض کیا آپ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ہاں میں بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

مسائل

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا قیامت کے دن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء کے ساتھ ہوگا۔

۲۔ جنت میں نیک لوگوں کی رفاقت نصیب ہونا اللہ کا بڑا فضل ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ

اے وہ لوگ ایمان لائے لے لو اپنا بچاؤ پھر نکلو جدا جدا یا نکلو سب اور بیشک

مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ

تم میں سے البتہ جو جان بوجھ کر دیر کرتا ہے پھر اگر تمہیں پہنچے کوئی مصیبت کہتا ہے تحقیق انعام کیا اللہ مجھ پر جب

لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ

میں نہ تھا ان کے ساتھ حاضر اور البتہ اگر تمہیں پہنچے کوئی فضل سے اللہ تو ضرور کہے گا گویا

لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

نہ تھی تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی دوستی اے کاش میں میں ہوتا ان کے ساتھ تو مراد پاتا مراد بڑی

''اے مسلمانو اپنے بچاؤ کا سامان لے لو پھر حسب موقعہ الگ الگ نکلو یا اکٹھے ہو کر نکلو۔ (۷۱) اور یقیناً تم میں ایسے بھی ہیں جو لڑائی سے پس وپیش کرتے ہیں اگر تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ شریک نہ تھا۔ (۷۲) اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو ضرور کہے گا کہ تم میں اور ان میں دوستی تھی ہی نہیں۔ کہتا ہے کاش کہ میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی پاتا۔'' (۷۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اطاعت رسول کا حکم اور اس کے ثمرات بیان کرنے کے بعد جہاد کا حکم دیا ہے تا کہ اطاعتِ رسول کرنے والے جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں۔

اسلام اور کفر کی پندرہ سالہ کشمکش اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ معرکہ بدر میں مسلمانوں کو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی اور اُحد میں کفار کا پلڑا بھاری رہا۔ جس سے کفار اور یہود و نصاریٰ کے حوصلے اس قدر بلند ہوئے کہ وہ سوچنے لگے کہ مسلمانوں کو ختم کرنا ناممکن کام نہیں لہٰذا اب فیصلہ کن مرحلہ آن پہنچا ہے کہ ایک فریق ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو جائے۔ اس سوچ کے پیش نظر اہل مکہ اور یہود نے مدینہ کی چاروں جانب سازشوں کے جال بُننا شروع کر دیئے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو گشت کے لیے بھیجا کرتے تھے تا کہ کفار کی نقل وحرکت کا بروقت علم ہو سکے۔ انہی حالات میں یہ حکم نازل ہوا کہ مسلمانو! ہر وقت چاک وچوبند رہو اور اپنا اسلحہ پکڑے رکھو۔ مراد یہ ہے کہ اسلحہ اس قدر قریب اور تیار ہونا چاہیے کہ ہنگامی حالت میں وقت ضائع کیے بغیر دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے۔ پھر جنگ کے بارے میں ہدایات دیں کہ حالات کے مطابق تم گوریلا جنگ کرو یا منظم طریقہ کے ساتھ جماعت کی صورت میں حملہ آور ہو تمہیں ہر طرح میدانِ کارزار میں اُترنے کے لیے آمادہ و تیار رہنا چاہیے۔ اسی سے جنگ کے متعلق قوموں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مضبوط دفاع ہی قوموں کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے لہٰذا دشمن کی جارحیت

سے بچنے کے لیے ہر وقت چوکس رہنا چاہیے۔ اس کے بعد منافقوں کے عزائم سے آگاہ کیا گیا کہ یہ تمہاری آستینوں کے سانپ اور گھر کے بھیدی ہیں ان کی سازشوں سے آگاہ رہنا نہایت ضروری ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی مشکل اور افتاد آپڑتی ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے ہم پر انعام کیا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ نہیں تھے۔ اگر تمہیں کامیابی نصیب ہو تو حسرت وافسوس سے کہتے ہیں کہ کاش! ہم بھی اس عظیم کامیابی میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے۔

«عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى نَفَرٍ مِنْ أَسْلَمَ يَنْتَضِلُونَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا ارْمُوا وَأَنَا مَعَ بَنِي فُلَانٍ قَالَ فَأَمْسَكَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ بِأَيْدِيهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا لَكُمْ لَا تَرْمُونَ قَالُوا كَيْفَ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَهُمْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ارْمُوا فَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ» (رواہ البخاری: باب التَّحْرِيضِ عَلَى الرَّمْيِ)

''حضرت یزید بن ابی عبید کہتے ہیں میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ کا اسلم قبیلہ کے چند لوگوں پر گذر ہوا جو تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا اے اسماعیل کی اولاد تیر اندازی کرو یقیناً تمھارے آباء بھی تیر انداز تھے تیر اندازی کرو میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں تو دوسرے فریق نے مقابلہ کرنا چھوڑ دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم تیر اندازی کیوں نہیں کرتے انہوں نے عرض کی کہ ہم تیر اندازی کیونکر کریں جبکہ آپ ان کے ساتھ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم تیر اندازی کرو میں سبھی کے ساتھ ہوں''

مسائل

۱۔ امت کو انفرادی اور اجتماعی طور پر جہاد کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ۲۔ مسلمانوں کو ہر وقت اپنا دفاع مضبوط رکھنا چاہیے۔
۳۔ حالات کے مطابق جہاد انفرادی اور اجتماعی طور پر کرنا چاہیے۔ ۴۔ منافق کو دنیا اور آخرت میں پچھتاوا ہوگا۔
۵۔ منافق مسلمانوں کی آزمائش میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

تفسیر بالقرآن

ہر حال میں مضبوط دفاع:

۱۔ تھوڑے ہو یا زیادہ دفاع مضبوط رکھو۔ (النساء: ۷۱) ۲۔ کفار کے مقابلے میں ہر دم تیار رہو۔ (الانفال: ۶۰)
۳۔ دفاعی قوت کے ذریعے اسلام دشمنوں کو مرعوب رکھو۔ (الانفال: ۶۰) ۴۔ اسلحہ سے غافل نہ رہو۔ (النساء: ۱۰۲)
۵۔ نماز میں اسلحہ اپنے پاس رکھو۔ (النساء: ۱۰۲)

منافق کی حسرتیں:

۱۔ جنگ میں نہ جاتے تو زندہ رہتے۔ (آل عمران: ۱۵۶) ۲۔ بااختیار ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔ (آل عمران: ۱۵۴)
۳۔ ہماری بات مان لیتے تو نہ مرتے۔ (آل عمران: ۱۶۸) ۴۔ کاش ہم فتح کے وقت مسلمانوں کے ساتھ ہوتے۔ (النساء: ۷۳)

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ

سو چاہیے کہ لڑیں میں اللہ کا راستہ وہ لوگ وہ بیچتے ہیں زندگی دنیا آخرت کے بدلے اور جو

يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۷۴

لڑے میں اللہ کا راستہ پھر مارا جائے یا غالب آئے عنقریب ہم اسے دیں گے اجر بڑا

''پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ چکے ہیں انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پا جائے یا غالب آ جائے یقیناً ہم اسے بڑا اجر عنایت فرمائیں گے۔'' (۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

اب پھر مسلمانوں کو جہاد پر یہ کہہ کر تیار کیا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کو جنہوں نے دنیا پر آخرت کو مقدم سمجھ رکھا ہے اللہ کے راستے میں ضرور لڑنا چاہیے۔ انہیں کسی نقصان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی دنیا کو خیر باد کہہ چکے ہیں لہٰذا یہ اللہ کی راہ میں کٹ مریں یا غالب آئیں انہیں ہر دو صورتوں میں اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ لاَ يُخْرِجُهُ إِلاَّ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَاتِهِ بِأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَي مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ» (رواہ البخاری: باب قولہ تعالیٰ ولقد سبقت کلمتنا)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کا ذمہ لے لیا جسے اس کے راستے میں صرف جہاد اور اس کے کلمے کی تصدیق نے نکالا ہو کہ اسے جنت میں داخل کرے گا یا اسے اس کے اس گھر میں اجر یا مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹائے گا۔''

مسائل

۱۔ کفار کے خلاف جہاد کرنے میں کامیابی یا شہادت دونوں ہی اجرِ عظیم کا باعث ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مجاہد کا اجر و ثواب:

۱۔ مجاہد اور غیر مجاہد برابر نہیں ہو سکتے۔ (النساء: ۹۵) ۲۔ مجاہدین عذابِ الیم سے نجات پائیں گے۔ (الصّف: ۱۰، ۱۱)
۳۔ مجاہد کے لیے جنت ہے۔ (محمد: ۶) ۴۔ شہید کے لیے مغفرت ہے۔ (آل عمران: ۱۵۷)
۵۔ مجاہدین سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ (الصّف: ۴)
۶۔ شہید زندہ ہیں وہ اللہ کے ہاں رزق پاتے اور بے خوف و غم رہتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۷۰، ۱۷۱)

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

اور کیا تمہارے لیے نہیں تم لڑتے ہو میں اللہ کا راستہ اور کمزور (جمع) سے

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

مرد (جمع) اور عورتیں اور بچے جو لوگ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں نکال

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا

سے اس بستی ظالم اس کے رہنے والے اور بنادے ہمارے لیے

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

سے اپنے پاس دوست اور بنادے ہمارے لیے سے اپنے پاس مددگار

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان ناتواں مردوں، عورتوں اور بچوں کی نجات کے لیے جہاد نہیں کرتے جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے اپنی طرف سے ہمارا حمایتی کھڑا کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔'' (۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہاد کے متعلق خطاب جاری ہے اور جہاد میں مظلوم کی مدد کرنا لازم قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وطن اور گھر کی محبت انسان ہی نہیں درندوں اور پرندوں کے دل میں بھی پیدا فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درندے اپنی غار کی اور پرندے اپنے گھونسلے کے ایک ایک تنکے کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر جاندار شام کو اپنے ٹھکانے کی طرف پلٹتا ہے۔ کوئی جاندار اپنے گھر اور وطن کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن جب کسی کو اس قدر ستایا جائے کہ اسے اپنی جان کے لالے پڑ جائیں تو وہ ہر چیز چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہی صورت انسان کی ہے جب مکہ معظّمہ میں مسلمانوں پر اس قدر مظالم توڑے گئے کہ ظالم اور سفاک لوگوں نے مسلمان خواتین اور معصوم بچوں کو بھی معاف نہ کیا۔ جس کی وجہ سے مرد، عورتیں اور بچے بلبلا اُٹھے کہ اے بارِ الٰہا! ظالموں کی بستی سے نکلنے کے لیے اپنی طرف سے ہمارا سرپرست اور مددگار پیدا فرما تاکہ ہم اپنے ایمان اور جان و مال کو بچا سکیں۔ اس دعا میں کمزور مسلمانوں کی مظلومیت کا نقشہ پیش کرنے کے ساتھ ان کی ہمدردی اور مدد کے لیے مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت واضح کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ اسلامی جہاد کی بنیادی طور پر تین اقسام ہیں۔ ۱۔ دفاعی۔ ۲۔ مظلوم مسلمان اور انسانیت کی مدد کرنا۔ ۳۔ اللہ کے باغیوں کو سرنگوں کر کے پرچمِ اسلام کو سربلند رکھنا۔ کیونکہ زمین و مافیہا اللہ کی ملکیت ہے۔ لہٰذا باغی انسانوں کو سرنگوں کرنا اور رکھنا اللہ والوں کی ذمہ داری ہے۔

جہاں تک مظلوم انسانیت کی مدد کرنے کا معاملہ ہے دُنیا میں دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمان لازوال تاریخ رکھتے

ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی اغراض کی بجائے محض اللہ کی رضا اور انسانیت کی حمایت کے لیے بیش بہا قربانیاں دی ہیں۔ ہسپانیہ کی تاریخ گواہ ہے کہ جب عیسائی حکمران راڈرک نے اپنے ہی گورنر کی معصوم بچی کے ساتھ زیادتی کی تو گورنر نے مجبور ہو کر اپنے ہم منصب مسلمان ملک کے سرحدی گورنر موسیٰ بن نصیر کو خط لکھا۔ جس کے جواب میں طارق بن زیاد نے اسپین پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں تقریباً ۸ سو سال تک اسپین امن وامان کا گہوارہ بنا۔ ہسپانوی مورخ اسے ہسپانیہ کی تاریخ کا سنہری دور تصور کرتے ہیں۔ ایسی ہی صورت حال سندھ میں پیدا ہوئی کہ جب مسلمان مسافروں پر راجہ داہر کے غنڈوں نے حملہ کیا تو ایک مسلمان بیٹی نے عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کو دہائی دی۔ حجاج نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو مظلوموں کی مدد کے لیے بھیجا۔ جس سے تقریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان میں اسلام کا پھریرا بلند رہا اور اس ملک میں وحدت پیدا ہوئی۔ لوگوں کو سیاسی، علمی شعور ملنے کے ساتھ امن وسکون نصیب ہوا اور پاکستان وجود میں آیا۔ اسی جہاد کی ترجمانی قادسیہ میں جو اس وقت ایرانی حکومت کا دارالحکومت تھا حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے رستم کے سامنے ان الفاظ میں کی تھی:

«إِنَّا قَدْ أُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَهَالَةِ إِلَى نُورِ الْإِيمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوكِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ»(البدایہ والنہایہ)

''(ہم خود نہیں آئے) ہمیں بھیجا گیا ہے تاکہ لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان میں لا کھڑا کریں۔ عوام الناس کو بڑے لوگوں کے جور وستم سے نکال کر اسلام کے عادلانہ نظام میں زندگی گزارنے کا موقعہ فراہم کریں۔''

مسائل

۱۔ کفار کے مظالم سے مسلمانوں کو نجات دلانی چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے مظلوم کو مدد طلب کرنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

مظلوم کی مدد کرنا چاہیے:

۱۔ مظلوم مسلمانوں کو جہاد کرنے کی اجازت ہے۔(الحج:۳۹)
۲۔ مظلوموں کی مدد کے لیے جہاد کرنا لازم ہے۔(النساء:۷۵)
۳۔ مسلمانوں کو نظر انداز کرنا ظلم ہے۔(الانعام:۵۲) ۴۔ ظالموں سے سختی سے نمٹو۔(البقرۃ:۱۹۳)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

جولوگ ایمان لائے وہ لڑتے ہیں میں اللہ کا راستہ اور وہ لوگ انہوں نے کفر کیا وہ لڑتے ہیں میں راستہ

الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝۷۶

طاغوت سو تم لڑو دوست شیطان (جمع) بیشک فریب شیطان ہے کمزور

''جولوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ بلاشبہ شیطان کا حربہ نہایت کمزور ہے۔'' (۷۶)

فہم القرآن

ربط کلام: جہاد فی سبیل اللہ اور عام لڑائی کا فرق بیان کیا گیا ہے۔

یہاں دو جماعتوں اور لشکروں کی محاذ آرائی اور باہمی جنگ وجدل کے محرکات اور ان کے مشن کا فرق نمایاں کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ صاحبِ ایمان لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے جنگ وجدل کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں کفار طاغوت کے مشن کی بالادستی کے لیے برسرپیکار ہوتے ہیں۔ تیسرے پارے میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ طاغوت سے مراد ہر وہ قوت جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہو یہ حکمرانوں یا سیاستدانوں کی شکل میں ہوں یا عام انسانوں کے روپ میں، کفار ہوں یا اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے منافق گویا اللہ اور اس کے رسول کے مخالف کہ جس شکل وصورت میں ہوں۔ وہ طاغوت کے ساتھی تصور ہوں گے۔ پہلی آیت میں مظلوموں کی مدد کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ کفار کی اصل طاقت کا پول کھول دیا جائے تاکہ مجاہد کسی کمزوری اور گھبراہٹ کے بغیر آگے بڑھیں۔ یہ بھی واضح کیا گیا کہ کفار کا کروفر محض دکھاوا ہے اندر سے یہ کمزور اور کھوکھلے ہیں۔ پھر ان کی کمزوری کی وجہ بیان فرمائی کہ اپنے خالق کے باغی اور سچا مشن نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں جرأت اور ان کے قدموں میں استقامت پیدا نہیں ہوتی۔ مسلمان ایمان کی دولت اور وسائل کے مطابق مکمل تیاری، باہمی اتحاد، اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے سینہ سپر ہوں تو دنیا کی کوئی قوت مسلمانوں کو سرنگوں نہیں کرسکتی کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

مجاہدو! تم ہی غالب آؤ گے بشرطیکہ ایمانِ کامل کے اسلحہ سے لیس ہو جاؤ۔ مسلمانوں کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ مسلمان جب بھی ایمان، اتحاد اور جہاد کے جذبہ سے سرشار ہو کر میدان کارزار میں اترے فتح وکامرانی نے ان کے قدم چومے اور اللہ کی مدد کالی گھٹا اور موسلا دھار بارش کی طرح مسلمانوں پر سایہ فگن ہوئی۔ کفار اور اشرار بالآخر ہر میدان میں منہ کی کھا کر واپس ہوئے۔ کیونکہ قوت وجبروت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ مکروفریب اور ضعف وکمزوری شیطان کے حصہ میں آئی ہے۔

مسائل

۱۔ ایمان دار اللہ کے لیے لڑتے ہیں اور کافر شیطان کے لیے برسرِ پیکار ہیں۔

۲۔ شیطان کے ساتھی اور ان کے حربے نہایت کمزور ہوا کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کیا تم نے نہیں دیکھا طرف وہ لوگ کہا گیا ان کو روک لو اپنے ہاتھ اور قائم کرو نماز

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ

اور ادا کرو زکوٰۃ پھر جب فرض ہوا ان پر لڑنا اچانک ایک فریق ان میں سے ڈرتے ہیں

النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

لوگ مانند ڈرنا اللہ یا زیادہ ڈرنا اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے کیوں فرض کیا

عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ

ہم پر لڑنا کیوں نہ ہمیں مہلت دی تک مدت تھوڑی فرمادیں فائدہ

الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۷۷

دنیا تھوڑا اور آخرت بہتر اس کے لئے جو ڈر گیا اور نہ تم پر ظلم ہوگا دھاگے کے برابر

''کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگی جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کیوں نہ ہمیں تھوڑی سی اور مہلت دی جاتی تم کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لیے آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔'' (۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کمزور مسلمانوں کو جنگ میں پہل کرنے کی بجائے اپنے آپ کو منظم اور اخلاق و ایمان کے لحاظ سے مضبوط کرنا چاہیے۔

مفسرین نے اس آیت کے متضاد مفہوم اخذ کیے ہیں۔ ایک طبقے کا خیال ہے کہ یہ آیت مظلوم مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے مظالم سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مطالبہ کیا کہ ہمیں لڑنے کی اجازت عنایت فرمائی جائے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اللہ کے رسول! ہم مشرک ہونے کے باوجود معزز اور باوقار لوگ تھے اب ایمان لانے کے بعد ہم ذلیل ہو رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں لڑنے کی اجازت دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ابھی تک اللہ تعالیٰ نے مجھے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچے تو ہمیں قتال کا حکم ہوا لیکن بعض لوگوں نے لڑنے سے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا، جس پر یہ فرمان نازل ہوا۔ (رواہ النسائی: باب وجوب الجہاد [صحیح]) جبکہ دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کی بجائے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی

ہے۔ جہاد کا حکم آنے سے پہلے وہ ڈینگیں مارتے تھے کہ ہمیں مشرکوں کے مقابلے میں کٹ مرنا چاہیے۔ جس سے ان کا مطلب مصنوعی اخلاص کا اظہار تھا۔ یا پھر منافق چاہتے تھے کہ مسلمان طاقتور اور منظم ہونے سے پہلے کفار کے ساتھ ٹکرا جائیں تاکہ مسلمانوں کی طاقت ابتداء ہی میں پاش پاش ہو جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو سمجھایا اور روکا جا رہا ہے کہ ابھی میدانِ جہاد میں اُترنے کا وقت نہیں آیا۔ کیونکہ تم تعداد میں تھوڑے اور تربیت کے لحاظ سے ناپختہ اور غیر منظم ہو۔ اس لیے پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت میں مالی قربانی کا جذبہ پیدا کرو۔ اخلاقی، روحانی اور تنظیمی تربیت کے لیے نماز پڑھتے رہو۔ جب تم ایک امام کی اتباع میں قیام اور رکوع وسجود کرو گے تو تمہیں ہر حال میں نظم وضبط قائم رکھنے کا سلیقہ آئے گا۔ جہاد میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور نظم بھی ضروری ہوتا ہے جو زکوٰۃ اور نماز کے نتائج اخذ کیے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن جب جہاد فرض ہوا تو کچھ لوگ اس طرح ڈر رہے تھے جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف زدہ ہو کر کہتے تھے کہ ہمارے رب نے ہم پر قتال کیوں فرض کیا ہے؟ کاش کہ ہمیں مزید مہلت دی جاتی۔ ان کے جواب میں فرمایا گیا کہ اے رسول! انہیں سمجھاؤ تم تھوڑی سی مہلت مانگتے ہو یہ دنیا تو بذات خود قلیل اور اس میں رہنے کی مدت انتہائی تھوڑی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں آخرت کی نعمتیں بیش بہا، دائمی اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔ وہاں کسی پر کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی زیادتی نہ ہوگی۔ بلکہ ہر کسی کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ کھجور کی گٹھلی کی لکیر میں جو دھاگہ نما پردہ ہوتا ہے۔ اسے عربی میں ''فتیل'' کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا تَمَنَّوْا لِقَآءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا»

(رواہ البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب لا تمنوا لقاء العدو)

''دشمن سے ملنے کی آرزو نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، جب تمہارا ٹکراؤ دشمن سے ہو جائے تو پھر ڈٹ جاؤ۔''

مسائل

۱۔ جنگ کی خواہش کرنے کی بجائے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے اپنا کردار مضبوط بنانا چاہیے۔

۲۔ جہاد فرض ہو جائے تو ڈرنے کی بجائے ڈٹ جانا چاہیے۔

۳۔ دنیا کا مال ومتاع آخرت کے مقابلے میں نہایت ہی تھوڑا ہے۔ ۴۔ صاحبِ تقویٰ لوگوں کے لیے آخرت بہتر ہے۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ سے ڈرنا چاہیے:

۱۔ لوگ اللہ سے ڈرنے کے بجائے لوگوں سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ (النساء: ۷۷)

۲۔ اللہ سے خلوت میں ڈرنے والے کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ (یٰسین: ۱۱)

۳۔ لوگوں سے ڈرنے کے بجائے اللہ سے ہی ڈرنا چاہیے۔ (آلِ عمران: ۱۷۵)

اَيْنَ	مَا	تَكُوْنُوْا	يُدْرِكْكُّمُ	الْمَوْتُ	وَلَوْ	كُنْتُمْ	فِيْ	بُرُوْجٍ
جہاں کہیں	تم ہو گے	تمہیں پالے گی	موت	اگرچہ	تم ہو	میں	قلعے
مُّشَيَّدَةٍ ؕ	وَاِنْ	تُصِبْهُمْ	حَسَنَةٌ	يَّقُوْلُوْا	هٰذِهٖ	مِنْ	عِنْدِ اللّٰهِ ۚ
مضبوط	اور اگر	انہیں پہنچے	کوئی بھلائی	وہ کہتے ہیں	یہ	سے	اللہ کے پاس
وَاِنْ	تُصِبْهُمْ	سَيِّئَةٌ	يَّقُوْلُوْا	هٰذِهٖ	مِنْ	عِنْدِكَ ؕ	قُلْ	كُلٌّ
اور اگر	انہیں پہنچے	کچھ برائی	وہ کہتے ہیں	یہ	سے	آپ کی طرف	فرمادیں	سب
مِّنْ	عِنْدِ اللّٰهِ ؕ	فَمَالِ	هٰٓؤُلَآءِ	الْقَوْمِ	لَا يَكَادُوْنَ	يَفْقَهُوْنَ	حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾	
سے	اللہ کے پاس	تو کیا ہے	اس (جمع)	قوم	نہیں قریب	وہ سمجھیں	بات	

''تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں پالے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں ہو اور اگر انہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ انہیں فرمادو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا کہ کوئی بات سمجھنے کے قریب نہیں آتے۔'' (۷۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہاد وہی کر سکتا ہے جو موت سے ڈرنے والا نہ ہو۔ مجاہد کو موت سے بے خوف کرنے کے لیے بتلایا ہے کہ موت کا تعلق قتال کے ساتھ نہیں۔ اس کا تو وقت، مقام اور سبب مقرر ہے۔ موت اپنے وقت اور مقام پر آئے گی چاہے کوئی قلعہ بند ہو جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کسی کو زندگی عزیز، اولاد محبوب اور مال و جان پیارے ہوتے ہیں۔ لیکن مومن اور دوسروں کا فرق یہ ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کی محبت اور ڈر کی وجہ سے اس کے حکم کو دنیا جہاں کی ہر چیز سے عزیز تر سمجھ کر بے خوف و خطر میدان جنگ میں کود پڑتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ گھر ہو یا باہر، امن ہو یا جنگ میرے لیے موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے۔ پھر منافقوں کی طرح چھپنا اور بزدلوں کی طرح پیچھے ہٹنے کا کیا مقصد؟ یہ جذبہ اس کے دل سے موت کا خوف نکال دیتا ہے تبھی تو وہ چمکتی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے گولوں میں آگے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ موت اپنی مقررہ جگہ اور وقت کے بغیر ہرگز نہیں آسکتی۔ دنیا میں کتنے ہی سپہ سالار اور حکمران گزرے ہیں جن کی حفاظت کے لیے ہزاروں کمانڈوز حصار بنائے رکھتے تھے۔ لیکن جب موت کا وقت آیا تو کوئی بھی ان کی حفاظت نہ کر سکا۔ ماضی قریب میں امریکہ کا صدر کینیڈی گولی لگنے سے اس وقت ہلاک ہوا جب پولیس کے ہزاروں جوان، درجنوں انٹیلی جنس ایجنسیاں اور انتہائی چاک و چوبند مسلح گارڈز اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فلسطین کے صدر یاسر عرفات پر اسرائیل نے بارہا دفعہ سینکڑوں گولے برسائے یہاں تک کہ اس کے صدر مقام رملہ کا اسرائیل نے کئی مہینے محاصرہ کیے رکھا، مسلسل بمباری

کی وجہ سے اس کے دفتر اور رہائش کا بیشتر حصہ تباہ ہوگیا لیکن موت یاسر عرفات کے قریب نہ پہنچ سکی، جب وقت آیا تو فرانس کے ایک ہسپتال سے اس کا جسدِ خاکی اٹھا۔

امریکہ جسے اپنے سیٹلائٹ سسٹم پر بڑا ناز ہے اس کی انٹیلی جنس سے مرعوب ہو کر جنگی جغادری بھی کہتے ہیں کہ زمین پر پڑی ہوئی سوئی بھی امریکہ سے چھپ نہیں سکتی لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ 2002ء سے لے کر 2012ء تک اسامہ زندہ رہا ہے۔ افغانستان کا چپہ چپہ چھان مارنے' بستیوں کی بستیاں تباہ کرنے کے باوجود امریکہ اسامہ بن لادن تلاش کر سکا اور نہ کروڑوں ڈالر کی پیش کش کا اعلان ہونے کے باوجود کوئی اسامہ کو قتل کر سکا۔

یہاں منافقوں کی ایک اور عادتِ بد کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ان کو کوئی فائدہ اور اچھائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ ہماری حسنِ تدبیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا ہے۔ جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کو اذیت اور صدمہ پہنچانے کے لیے ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ یہ تمہاری بے تدبیری کا نتیجہ ہے۔ اے نبی! انہیں فرمائیں کہ نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ کوئی کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ہمیں جدوجہد کرنے کی کیا مصیبت پڑی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے لیے لکھ چھوڑا ہے وہ ہو کر رہے گا دراصل یہ شیطان کا حربہ ہے جس کو استعمال کر کے یہ لوگ نیکی کے کاموں سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔ کیا ایسے لوگ دنیا کے معاملات کے بارہ میں بھی یہ عقیدہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں؟ جہاں تک رسول گرامی ﷺ کا تعلق ہے آپ دنیا کے لیے رحمت اور محسن اعظم بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ تو کسی کو نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے بلکہ آپ تو انسانیت کی خاطر بڑی بڑی تکالیف اور نقصانات اٹھاتے رہے ہیں۔ منافق کیسے بدفطرت اور غیر دانشمند لوگ ہیں کہ اس حقیقت کو بھی سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

مسائل

۱۔ انسان قلعہ بند ہو یا جہاں بھی چھپ جائے موت اسے دبوچ لے گی۔

۲۔ منافقوں کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ دوسروں کے ذمہ لگاتے ہیں۔

۳۔ ہر تکلیف بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ ۴۔ منافق اور کافر حقیقت کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

تفسیر بالقرآن

موت کا ایک دن مقرر ہے:

۱۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ (آلِ عمران: ۱۴۵) ۲۔ موت کی جگہ متعین ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۴)

۳۔ موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (آلِ عمران: ۱۶۸) ۴۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ (النساء: ۷۸)

۵۔ سب کو موت آنی ہے۔ (الانبیاء: ۳۵) ۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی نے مرنا ہے۔ (الرحمٰن: ۲۶، القصص: ۸۸)

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

جو تجھے پہنچے سے بھلائی سو سے اللہ اور جو تجھے پہنچے سے کوئی برائی تو سے

نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ

تیرا نفس اور ہم نے بھیجا آپ کو لوگوں کے لیے رسول اور کافی ہے اللہ گواہ جو اطاعت کرے

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ ؕ

رسول پس تحقیق اطاعت کی اللہ اور جو روگردانی کی تو نہیں ہم نے آپ کو بھیجا ان پر نگہبان

''تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے نفس کی بدولت ہے۔ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ (۷۹) جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے ہم نے تمہیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔'' (۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نقصان پہنچنے پر منافق رسولِ کریم ﷺ کی ذات کو ذمہ دار ٹھہراتے تھے اس ہرزہ سرائی کا جواب دیتے ہوئے اصل حقیقت سمجھائی ہے کہ نفع ونقصان حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ لیکن انسان کو پہنچنے والے نقصان کا بنیادی سبب اس کا ذاتی کسب وعمل ہوتا ہے۔

پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ نفع ہو یا نقصان ہر ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہی مختارِ کل اور نفع ونقصان کا مالک ہے۔ اس آیت میں اس کی یوں تشریح فرمائی ہے کہ انسان کو پہنچنے والی اچھائی اور فائدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم ہے۔ جہاں تک برائی اور نقصان کا معاملہ ہے یہ انسان کی اپنی کوتاہی اور بے تدبیری کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو دنیا میں کسی کی غلطی سے درگزر فرمائے نہ چاہے تو کوتاہی کے بدلے سرزنش یا سزا کے طور پر آدمی کی گرفت فرمائے۔ یہی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید سمجھاتے ہوئے بیان فرمائی تھی کہ شفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بیماری اپنی طرف سے ہوتی ہے۔ (الشعراء:۸۰)

یہاں یہ اُصول سمجھانے کے بعد فرمایا اے رسولِ مکرم ﷺ! آپ کو دل چھوٹا کرنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ خود لوگوں کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے یہ تو ہم نے آپ کو پوری انسانیت کی طرف پیغام دینے والا بنا کر بھیجا اور کھڑا کیا ہے۔ لوگ تمہاری رسالت کی گواہی دیں تو یہ ان کی خوش نصیبی ہے اگر یہ انکار کر دیں تو تمہیں بھیجنے والا ''اللہ'' شہادت دیتا ہے کہ آپ اس کے سچے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شہادت تمام شہادتوں سے بڑھ کر ہے کوئی گواہی اُس کی گواہی سے بہتر اور معتبر نہیں ہوسکتی۔ نہ ہی اس کی گواہی کے بعد کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ دراصل لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ آپ کی اطاعت

اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔جس نے آپ کی اطاعت کی حقیقتاً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔اے نبی ﷺ! تمہیں ہم نے لوگوں پر نگہبان اور دربان بنا کر نہیں بھیجا اور نہ ہی آپ سے سوال ہوگا کہ آپ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ کافر و مشرک کیوں رہے؟ آپ کا کام تو بات سمجھانا اور پہنچانا ہے یہ فرض آپ کماحقہٗ پورا کر رہے ہیں۔

نفع ونقصان کے بارے میں نبی ﷺ کا عقیدہ اور فرمان:

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں رسولِ کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا: بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں تو اللہ کے احکامات کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔اللہ کو یاد کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر، جب مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنا اور یقین رکھ کہ اگر تمام لوگ تجھے نفع دینے کے لیے جمع ہو جائیں۔وہ اتنا ہی نفع دے سکتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے نقصان دینے پہ تل جائیں۔تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیرے حق میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھالی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔''

مسائل

۱۔ اچھائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور نقصان انسان کی کوتاہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ۲۔اللہ تعالیٰ ہر کسی پر گواہ ہے۔
۳۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت حقیقت میں اللہ کی اطاعت ہے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

تفسیر بالقرآن

آپ ﷺ کی عالمگیر نبوت:

۱۔ رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کے رسول ہیں۔(الاعراف:۱۵۸)
۲۔ رسول اللہ ﷺ سب کے رسول ہیں۔(سباء:۲۸) ۳۔رسول اللہ ﷺ مبشر اور نذیر ہیں۔(الاحزاب:۴۵)
۴۔ رسول اللہ ﷺ رحمت عالم ہیں۔(الانبیاء:۱۰۷) ۵۔رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔(الاحزاب:۴۰)

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ

اور وہ کہتے ہیں حکم ماننا پھر جب باہر جاتے ہیں سے آپ کے پاس رات کو مشورہ کرتا ہے ایک گروہ

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ

ان سے علاوہ وہ جو تو کہتا ہے اور اللہ لکھ لیتا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

پس آپ منہ پھیر لیں ان سے اور بھروسہ کریں آپ پر اللہ اور کافی ہے اللہ کارساز

''(منہ پر) یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت اختیار کر لی۔ جب تمہارے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت، تمہاری کہی ہوئی بات کے خلاف رات کے وقت جمع ہو کر مشورے کرتی ہے۔ ان کی راتوں کی سرگوشیاں اللہ لکھ رہا ہے۔ آپ ان سے اعراض فرمائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کافی ہے کارساز۔'' (۸۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقوں کے کردار کا تذکرہ جاری ہے۔ منافق کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ اکثر دوغلی بات کرتا ہے۔

منافق کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سامنے جی حضوری اور بعد میں اس کے الٹ بات کرتا ہے۔ یہی عادت آپ ﷺ کے دور کے منافقوں کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے رُعب اور مسلمانوں کے ماحول سے مرعوب ہو کر ظاہری رکھ رکھاؤ کے لیے آپ ﷺ کے سامنے آتے تو ایسے الفاظ اور انداز اختیار کرتے کہ جن سے آپ کو یقین ہو جائے کہ یہ واقعتاً اچھے لوگ ہیں۔ لیکن جونہی آپ کی محفل سے باہر جاتے بالخصوص رات کے وقت خفیہ میٹنگوں میں مشورے کرتے کہ اسلام سے کس طرح چھٹکارا پائیں اور آپ کو کس طرح نقصان پہنچایا جائے؟ ان کی خفیہ مجالس کو طشت از بام کرتے بتلایا جا رہا ہے کہ جو کچھ یہ کہتے اور کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے لکھ رہا ہے یعنی اس کے حکم سے کراماً کاتبین ان کا ایک ایک لفظ اور تمام حرکات کو ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں۔ قیامت کے دن مکمل ریکارڈ ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ یہاں نہایت بلیغ انداز میں منافقوں کو ایسی حرکات سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ کو سمجھایا گیا کہ آپ ایسی باتوں کے پیچھے پڑنے کے بجائے درگزر فرمایا کریں۔ کیونکہ صاحب عزیمت لوگ سفلہ مزاج لوگوں کی عادات سے صرفِ نظر ہی کیا کرتے ہیں آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی پوری طرح حفاظت کرنے والا، کارساز اور ان کی سازشیں ناکام کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ منافق لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں اطاعت کا اعلان کرتے لیکن بعد میں انکار کرتے تھے۔

۲۔ لوگوں کے اعراض اور بے ہودہ اعتراضات پر افسردہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اَفَلَا	يَتَدَبَّرُوْنَ	الْقُرْاٰنَ ؕ	وَلَوْ	كَانَ	مِنْ عِنْدِ
کیا پس نہیں	وہ غور وفکر کرتے	قرآن	اور اگر	ہوتا	سے پاس
غَيْرِ اللّٰهِ	لَوَجَدُوْا	فِيْهِ	اخْتِلَافًا	كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾	
اللہ کے علاوہ	ضرور پاتے	اس میں	اختلاف	بہت	

''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔'' (۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اگر آدمی قرآن مجید کے نصائح اور فرمودات پر غور کرے تو اس کے قول وفعل میں تضاد نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ قرآن تضادات سے پاک ہے اور سیدھی، صاف بات کہتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید پر آدمی مخلصانہ طریقہ پر غور اور عمل کرے تو وہ منافقت اور قول وفعل کے تضاد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

قرآنِ مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کسی حقیقت کو منوانے کے لیے تحکم کی بجائے سوچ و بچار اور غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ توحید کی دعوت دی تو زمین و آسمان کی تخلیق، رات اور دن کی گردش، سمندر کی لہروں اور تہوں گویا کہ بحر و بر کی تمام نشانیوں کو پیش فرمایا یہاں تک کہ انسان کو اپنے آپ پر غور کرنے کا حکم دیا اور یہی دعوت قرآنِ مجید کے بارے میں دی ہے۔

یہاں منافقوں اور قرآن کے منکروں کے اس الزام اور شبہ کی تردید کے لیے خود قرآن ہی کو ان کے سامنے پیش فرمایا ہے کہ آؤ قرآن کا ایک ایک لفظ پرکھو اور اس پر غور کرو۔ اگر تمہارے زعم کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی بجائے کسی اور کا کلام ہو سکتا ہے تو اس میں کسی قسم کا اختلاف، انحطاط اور تضاد پیش کرو لیکن تم کبھی ایسا نہیں پاؤ گے۔ ہاں یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں ضرور سینکڑوں اختلافات اور تضادات ہوتے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی تحریک اور شخصیت ایسی نہیں جس کے مختلف ادوار اور خطابات، بیانات کو سامنے رکھا جائے تو وہ اونچ نیچ اور تضادِ فکری سے خالی ہو۔ کسی لائق سے لائق انسان کی پوری زندگی کا کلام اخلاقی قدروں، علمی بنیادوں اور فکری ارتقاء کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوا کرتا۔ جبکہ قرآنِ مجید کا ایک ایک لفظ انگوٹھی کے نگینے کی طرح موزونیت لیے ہوئے ہے اس میں شہد جیسی مٹھاس، گلاب کے پھول سے بڑھ کر دلربائی، چنبیلی کی خوشبو سے زیادہ کشش، دریا کے طوفان سے زیادہ جوش وخروش اور بجلی کے کڑکے سے زیادہ رعب پایا جاتا ہے۔ قرآن کے بیان کردہ واقعات تاریخ کی روشنی میں دیکھیں تو اس کا ہر لفظ صداقت کا آئینہ دار اور حق کی گواہی دے رہا ہے۔ اس کی پیشگوئیوں کا ایک ایک حرف ٹھیک ثابت ہوا اور ہوتا رہے گا۔ اس کے بتلائے ہوئے معاشی، سیاسی، سائنسی اصول اور حقائق اپنی جگہ پر ہر دور میں مسلمہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

''یہ کتاب تیئس سال کے عرصۂ دراز میں وقفہ وقفہ سے نازل ہوئی۔ اس میں تضاد اور اختلاف کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ ایک ہنگامہ خیز اور پرآشوب عرصہ ہے جس میں داعی اسلام، اس کے ماننے والوں اور خود اس دعوت کو شدید قسم

کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ ظلم وستم کے پہاڑ بھی توڑے گئے اور عقیدت ومحبت کے پھول بھی برسائے گئے۔ ایسے حالات بھی رُونما ہوئے کہ ظاہر بیں نگاہوں کو یقین ہونے لگا کہ چراغِ حق ابھی بُجھا چاہتا ہے۔ ایسا دور بھی آیا کہ اس چراغ کو پھونکیں مار مار کر بجھانے والے وحشیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔ صلح بھی اور جنگ بھی، فتح بھی اور پسپائی بھی، خوف بھی اور امن بھی ہر قسم کے حالات رُونما پذیر ہوئے۔ گونا گوں اور بُوقلموں ادوار میں یہ کتاب نازل ہوتی رہی اور اس میں ایک بھی ایسی آیت کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جس سے اسلام کے اصولوں میں تضاد کا شائبہ تک ہو۔ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے ایک جملہ میں سب کچھ بیان کر کے رکھ دیا۔ (مِنْ تَنَاقُضِ الْمَعْنٰی وَتَفَاوُتِ النَّظْمِ) یعنی اس کی کوئی آیت نہ معنوی لحاظ سے دوسری آیت کے خلاف ہے نہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے کوئی حصہ دوسرے حصہ سے فروتر ہے۔ یہ معانی وحقائق کا سمندر ہے جس کی لہروں میں آویزش نہیں اور جس کی ہر موج اور ہر قطرہ گُل کا رنگ و بُو لیے ہوئے ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ [ضیاء القرآن]

تدبرِ قرآن کی اہمیت

قرآن مجید کی تلاوت کے جو آداب اور تقاضے مقرر کیے گئے ہیں ان میں ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ تلاوت کے دوران قرآن مجید کے الفاظ، انداز اور اس کے فرمان پر غور وخوض کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ تہجد میں تلاوت کے دوران قرآن مجید کے احکامات پر غور کرتے اور عذاب کی آیات پر اللہ تعالیٰ سے پناہ اور معافی طلب کرتے اور زار وقطار روتے۔ جب بشارت کی آیات پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے حصول کے طلب گار ہوتے۔ (رواہ ابن ماجہ: باب ما یقول فی القرأۃ فی صلاۃ اللیل [صحیح]) قرآن مجید میں تدبّر وتفکّر کرنا حسبِ لیاقت ہر آدمی پر فرض ہے۔

تدبّر کے اُصول

قرآن مجید کے تدبر کے بارے میں بنیادی اُصول یہ ہے کہ اس کا معنی اور مفہوم وہی متعین کرنا چاہیے جو قرآن مجید کے الفاظ کے سیاق وسباق اور دعوتِ قرآن کے مطابق ہو۔ جہاں مفہوم سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو حدیثِ رسول کے ذریعے اس کا مفہوم متعین کرنا چاہیے۔ اگر قرآن وحدیث کے حوالے سے بھی بات سمجھنے میں دقّت محسوس ہو۔ جس کی گنجائش بہت کم ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کے مطابق قرآن کا مفہوم لینا ہوگا۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم براہِ راست قرآن کے مخاطب تھے اور انہوں نے بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن پڑھا، سنا اور سمجھا تھا۔ محض عربی لغت اور ادبی محاورات کی بنیاد پر قرآن مجید کا معنی و مفہوم متعین کرنا قطعاً جائز نہیں۔ اس لیے علماء نے قرآنِ مجید سے مسائل اخذ کرنے اور اس کی تفسیر کے لیے کچھ اصول مقرر کیے ہیں۔ جب تک ان اصولوں کا خیال نہ رکھا جائے۔ آدمی نہ صرف خود بھٹک سکتا ہے بلکہ دوسروں کی گمراہی کا سبب ثابت ہوگا۔ بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ دین اور قرآن پر علماء کی اجارہ داری چہ معنٰی دارد؟ ہر کسی کو قرآن وسنت سے

مسائل کے استنباط کا حق ہونا چاہیے۔ اس مغالطہ کی عام طور پر دو وجوہات ہوتی ہیں۔ اکثر لوگ اپنی سادگی اور اخلاص کی بنیاد پر جبکہ دوسرے اس زعم میں مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم علماء سے زیادہ سمجھدار اور پڑھے لکھے ہیں۔ ذرا غور سے سوچا جائے تو دونوں قسم کے حضرات کا مطالبہ اور موقف دنیا کے مسلّمہ اُصولوں پر پورا نہیں اُترتا۔ دنیا میں کونسا ایسا فن ہے جسے مستقل اختیار کرنے کے لیے استاد اور تجربہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیا حکمت اور ڈاکٹری نہ جاننے والا مریض کا باقاعدہ علاج کر سکتا ہے؟ اسے مریض کی جان کے ساتھ کھیلنے کی اجازت ہونی چاہیے؟ کوئی معمولی عقل والا جان بوجھ کر اناڑی ڈرائیور کے ساتھ سفر کرنے کے لیے آمادہ ہوگا؟ دور نہ جائیں ایک اَن پڑھ اور دیہاتی نے اپنا مکان بنانا ہو تو وہ کسی ناتجربہ کار کاریگر سے کچا مکان بنانے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔ آپ دنیا میں کوئی ایسا تعلیمی ادارہ دکھا سکیں گے جس میں ریاضی کے ٹیچر کو اردو پڑھانے کے لیے اور انگلش جاننے والے کو عربی کا سبجیکٹ دیا جاتا ہو؟ کیا ایسی اجازت دینے والے ادارہ کا سربراہ دانشور تسلیم کیا جائے گا؟ تو کیا پھر دین کا معاملہ اتنا عارضی اور ہلکا ہے کہ اس کی باقاعدہ تبلیغ و تدریس اور مسائل کے استدلال کے لیے ہر کسی کو اجازت دے دی جائے۔ اس کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ غیر عالم قرآن سمجھنے یا کسی کو مسئلہ بتلانے کی کوشش نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی باقاعدہ تدریس و تبلیغ اور قرآن و سنت سے مسائل مستنبط کرنا چاہتا ہے تو اسے باضابطہ طور پر عربی جاننا اور قرآن و حدیث کا علم سیکھنا چاہیے ورنہ وہ گمراہی کا سبب بنے گا جس سے رسول اللہ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں منع فرمایا ہے۔

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔» (رواہ البخاری: کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم ختم نہیں کرے گا لیکن علماء کے فوت ہونے سے علم ختم ہوگا یہاں تک کہ جب حقیقی عالم نہیں رہیں گے تو جو لوگ جاہلوں کو بڑے عالم سمجھ کر مسائل پوچھیں گے وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے جس طرح خود گمراہ ہوں گے اسی طرح لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

دیہاتی کی غلط فہمی اور مفکرِ اسلام حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب

بسا اوقات اپنی کم فہمی اور علمی کم مائیگی کی بنیاد پر آدمی قرآن مجید میں تضادات محسوس کرتا ہے۔ ایسا ہی تأثر اس اعرابی کا تھا جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے یہ اعتراضات کئے کہ فلاں، فلاں مقام پر قرآن مجید میں تضادات پائے جاتے ہیں۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک ایک کر کے تسلی بخش جواب دیے تو اعرابی پکار اُٹھا کہ واقعی قرآنِ مجید میں کسی قسم کے تضاد اور اختلاف کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے انشراحِ صدر اور دلچسپی کے لیے من وعن اس مکالمے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آدمی نے کہا کہ قرآن میں

کئی آیات ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ پھر اس نے قرآنی آیات کا اختلاف پیش کیا کہ ایک آیت میں ہے کہ قیامت کے دن لوگ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے دوسری آیت میں ہے کہ وہ آمنے سامنے آکر ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ ایسے ہی ایک آیت میں ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے کچھ چھپا نہیں سکے گا۔ دوسرے مقام میں ہے کہ مشرک کہیں گے کہ ہمارے رب ہم نے شرک نہیں کیا۔ پھر ایک آیت میں آسمان کی پیدائش زمین سے پہلے ذکر کی گئی ہے اور دوسری آیت میں زمین کی پیدائش کا آسمان سے پہلے ذکر ہوا ہے۔ ایک اور مقام میں ہے اللہ تعالیٰ بخشنے اور رحم کرنے والا غالب، حکمت والا، سننے والا اور جاننے والا تھا گویا کہ اب نہیں۔

ان اعتراضات کا جواب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرح دیا کہ جس آیت میں ہے کہ لوگ آپس میں سوال نہیں کریں گے۔ وہ پہلے نفخہ کا ذکر ہے اور جس آیت میں ایک دوسرے سے سوال کرنے کا تذکرہ ہے وہ دوسرے نفخہ کے بعد ہوگا۔ وہ جو کہیں گے کہ ہمارے مالک ہم مشرک نہیں تھے۔ تو یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ مومنوں کو بخش دیں گے تو مشرک آپس میں کہیں گے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں کہ ہم نے شرک نہیں کیا تھا۔ اس وقت ان کے مونہوں پر مہریں لگا دی جائیں گی پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں بولیں گے۔ جب مجرم جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کو چھپایا نہیں جا سکتا تب کافر کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے!!! زمین و آسمان کی پیدائش میں اختلاف کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے زمین کو دو دنوں میں پیدا فرما کر پھر آسمان کو پیدا کیا آسمان کو دو دنوں میں برابر کر کے زمین کو پھیلایا اس میں سے پانی، پہاڑ، ٹیلے اور جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہے دو دنوں میں بنایا لہٰذا زمین اور اس کی تمام اشیاء چار دن اور آسمان دو دنوں میں پیدا کیا گیا۔

آخری اعتراض تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ماضی میں تھیں اب نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ازل سے ہی یہ اللہ کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر دکھاتا ہے۔ یہ سارا قرآن اللہ کی طرف سے ہے تجھے اس میں اختلاف محسوس نہیں کرنا چاہیے۔

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ ونفخ فی الصور.....)

مسائل

۱۔ قرآن مجید میں تدبّر و تفکّر کرنا چاہیے۔ ۲۔ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اس میں تعارض نہیں پایا جاتا۔

۳۔ قرآن مجید اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو اس میں بے شمار اختلافات پائے جاتے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے:

۱۔ قرآن کے بارے میں کفار کا الزام۔ (الفرقان: ۴) ۲۔ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ (الشعراء: ۱۹۲)

۳۔ قرآن کسی کاہن و شاعر کا کلام نہیں۔ (الحاقۃ: ۴۱، ۴۲) ۴۔ قرآن مجید شیطان کی شیطنت سے پاک ہے۔ (التکویر: ۲۵)

۵۔ قرآن کو روح الامین لے کر آتے تھے۔ (الشعراء: ۱۹۳) ۶۔ سمجھنے کی خاطر قرآن کو عربی میں نازل کیا گیا۔ (الشوریٰ: ۳)

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ

اور جب ان کے پاس آتی ہے کوئی خبر سے امن یا خوف مشہور کر دیتے ہیں اسے

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ

اور اگر اسے لوٹا دیتے طرف رسول کی اور طرف حاکم ان میں سے تو اسے جان لیتے

الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

جو لوگ اسکی تحقیق کرتے ہیں ان سے اور اگر نہ فضل اللہ تم پر

وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

اور اس کی رحمت تم پیچھے لگ جاتے شیطان کے سوائے چند ایک

''جب انہیں کوئی امن یا خوف کی خبر ملتی ہے تو اسے مشہور کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول اللہ ﷺ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار لوگوں کے سامنے پیش کرتے تا کہ وہ اس کی اصلیت معلوم کر لیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو چند ایک کے علاوہ تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔'' (۸۳)

فہم القرآن

ربط کلام: منافق اپنی دوغلی پالیسی اور فکر کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی دوغلے پن سے دوچار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ افواہوں اور جھوٹی خبروں کے ذریعے مسلمانوں میں دھڑے بندی کر دی جائے۔

مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ مل کر نبی کریم ﷺ کو پریشان کرنے اور مسلمانوں کے اعصاب توڑنے کے لیے افواہ سازی اور جھوٹی خبروں کا ایک سلسلہ قائم کر رکھا تھا۔ یہ لوگ اہلِ مکہ کی معمولی سرگرمیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ کبھی کفار کی طاقت کا معمولی تاثر دیتے کہ مسلمان جوابی کاروائی کرنے میں غفلت کا مظاہرہ کریں۔ بسا اوقات معمولی معاشرتی واقعہ کو ایسے رنگ میں پیش کرتے کہ مسلمانوں کے اخلاقی نظام کی بنیادیں کھوکھلی ہو جائیں۔ انہی افواہوں کا شاخسانہ تھا کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک سفر کے دوران رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے اپنے خیمے سے نکل کر باہر تشریف لے گئیں وہاں ان کا ہار گم ہو گیا۔ اس کی تلاش میں واپس لوٹنے میں تاخیر ہوئی جب اپنی جائے قیام پر واپس تشریف لائیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ آپ دوسرے صحابی کی سواری پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ شامل ہوئیں۔ اس دوران وہ صحابی اونٹ کی مہار تھامے پیدل چلتا رہا اور آپ دوپہر کے وقت قافلے سے آملیں۔ (رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، لولا إذسمعتموہ ظن المومنون والمومنات بأنفسھم خیرا) اتنے سے واقعہ کو منافقین نے ایسا رنگ دیا کہ جس نے کچھ دنوں کے بعد ایک تہمت اور مہم کی شکل

اختیار کرلی جس کی تفصیل اور برأت سورۃ نور میں بیان ہوئی ہے۔اس قسم کے واقعات کی تحقیق اور افواہوں کے منفی اثرات ختم کرنے اور ان کی روک تھام کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ اصول اور طریقۂ کار عطا فرمایا ہے کہ افواہ اچھی ہو یا خوفزدہ کرنے والی بالخصوص جنگ کے دوران اس کی چھان بین اور تجزیہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ورنہ ملک وملت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ایسی خبروں کو رسولِ معظم ﷺ یا ذمہ دار لوگوں کے سامنے پیش کرنا لازم ہے تاکہ وہ اُس کی تحقیق اور اس کے نفع ونقصان اور حسن وقبح پر غور کرسکیں۔لہٰذا عوام الناس کا فرض ہے کہ ایسی باتوں کو آگے پھیلانے کی بجائے متعلقہ اور ذمہ دار لوگوں کے سامنے پیش کریں۔جس معاشرے اور قوم میں اس قسم کا نظام قائم نہ ہو اسے کسی وقت بھی معاشرتی، سیاسی اور حربی نقصان ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے نقصان سے بچانے کے لیے سورۂ نور میں مسلمانوں کو تین مرتبہ فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو دنیا وآخرت میں تم عذابِ عظیم میں مبتلا کیے جاتے اور چند لوگوں کے سوا باقی شیطان کے پیچھے چل پڑتے' دوسرے لفظوں میں افواہ سازی اور اس پر یقین کرنا شیطانی کام ہے۔آج یہ شیطانی دھندہ سائنسی شکل اختیار کر چکا ہے۔کروڑوں ڈالر ایجنسیوں، اداروں، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر لگائے جارہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں متزلزل اور ان کے اخلاق کو بگاڑا جاسکے۔افسوس! کہ مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا نظام نہیں جو ایسے اداروں کا مؤثر جواب دے سکے۔جب کہ قرآن مطالبہ کررہا ہے کہ اس قسم کی خبروں، افواہوں اور پروپیگنڈہ کے توڑ کے لیے افراد ہونے چاہئیں جو منفی اثرات سے مسلمانوں کو بچاسکیں۔یہاں اسلامی صحافت کے لیے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ وہ ہر خبر کی بلاتحقیق اشاعت کرنے سے پرہیز کرے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ» (رواه مسلم: المقدمة، باب النهى عن الحديث...)

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کردے۔''

مسائل

۱۔ منافق اور غیر ذمہ دار لوگ مسلمانوں میں افواہیں پھیلاتے ہیں۔
۲۔ افواہیں پھیلانے کی بجائے معاملہ کتاب وسنت اور صاحب علم لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر آدمی ہر وقت گمراہ ہوسکتا ہے۔ ۴۔شیطان آدمی کو ہر وقت گمراہ کرنے کے درپے رہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

افواہیں اڑانا جرم ہے:

۱۔ بلاتحقیق بات کرنا ندامت کا باعث بنتا ہے۔(الحجرات:۶) ۲۔منافق افواہیں پھیلاتے ہیں۔(النساء:۸۳)
۳۔ بے بنیاد افواہوں اور جھوٹے الزمات لگانے کی سزا۔(النور:۴)

فَقَاتِلْ	فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ ۚ	لَا تُكَلَّفُ	اِلَّا نَفْسَكَ
پس لڑیں	میں	راستہ	اللہ	نہیں مکلف آپ	مگر اپنی ذات
وَحَرِّضِ	الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	عَسَى	اللّٰهُ	اَنْ	يَّكُفَّ بَاْسَ
اور آمادہ کریں	مومنوں کو	قریب ہے	اللہ	یہ کہ	روک دے جنگ
الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا ؕ	وَاللّٰهُ	اَشَدُّ	بَاْسًا	وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾
وہ لوگ	انہوں کفر کیا	اور اللہ	سخت ترین ہے	جنگ میں	اور سب سے سخت سزا دینے میں

''آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہو۔ آپ صرف اپنی جان کے مکلف ہو۔ ہاں ایمان والوں کو بھی تیار کرو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے گا۔ اللہ تعالیٰ سخت قوت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔'' (۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بیٹھ رہنے والوں سے مجاہد افضل ہے۔ لہٰذا افضل کام کو اپنانے اور جہاد کو مضبوط رکھنے کے لیے رسولِ معظم ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو چوکس و مستعد رکھ کر مسلمانوں کو ہر دم قتال کے لیے آمادہ و تیار رکھیں۔

مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے جہادی خطاب کا آغاز یوں کیا تھا کہ اپنے بچاؤ کے لیے ہر وقت اسلحہ پکڑے رکھو اور جنگی حالات کے مطابق گوریلا جنگ کرو یا پورے کے پورے دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ (النساء: ۱۰۲) پھر منافقوں کی عادات کا ذکر کیا کہ وہ ابن الوقت اور اپنے مفاد کے بندے اور تمہارے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اللہ کی راہ میں تمہیں لڑنا چاہیے۔ چاہے کمزور ہو یا طاقت ور اور جو بھی رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا حقیقتاً وہ اللہ تعالیٰ کا تابع فرماں اور مطیع ہوگا۔ اب رسولِ محترم ﷺ کو براہِ راست اللہ کے راستے میں لڑنے کا یہ کہہ کر حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ مومنوں کو قتال کے لیے ترغیب دیں اور اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر تنہا نکلنا پڑے تو نکلیں۔ گویا کہ پہلے مجاہدین کو خطاب تھا اور اب ان کے کمانڈر کو حکم دیا ہے پھر تسلی اور خوشخبری دی ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کفار کو بے بس کر دے گا۔ وقت آنے والا ہے کہ جب منافقوں کی سازشیں اور کفار کی شرارتیں دم توڑ جائیں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی طاقت والا لڑنے میں جری نہیں ہو سکتا۔ دشمن کی جارحیت سے بچنے کے لیے یہ بنیادی اصول ہے کہ قوم کو ہر دم چوکس، مستعد اور چاک و چوبند رکھنے کے لیے قوم کے ذمہ دار اور فوج کے عہدہ دار نمونے کے طور پر اپنے آپ کو مرنے مارنے کے لیے تیار رکھیں۔ تب جا کر فوج اور قوم کے ایک ایک فرد میں دشمن کے خلاف صف آراء ہونے کا جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ولولہ انگیز جذبات کا یوں اظہار فرمایا:

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا أَنْ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَطِيْبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوْا عَنِّيْ وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ أَنِّيْ أُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ

أُقْتَلُ» (رواه البخاری: کتاب الجهاد، باب تمنی الشهادة)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ایمانداروں کو یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ وہ مجھ سے پیچھے رہیں اور میرے پاس اتنی سواریاں نہیں کہ میں ان کو سوار کروں تو میں کسی غزوہ سے بھی پیچھے نہ رہتا۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ کر دیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَالرِّيحُ رِيحُ مِسْكٍ»

(رواه مسلم: کتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل الله)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے راستے میں زخمی ہو جاتا ہے اور یہ اللہ جانتا ہے کہ حقیقتاً کون اس کے راستے میں زخمی ہوا تو وہ زخمی قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا' اس کا رنگ خون جیسا ہوگا مگر اس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ» (رواه مسلم: باب ذم من مات ولم یغز ولم یحدث نفسه بالغزو)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا جس نے نہ جہاد کیا اور نہ ہی دل میں جہاد کا خیال لایا تو وہ منافقت کی ایک قسم پر فوت ہوا۔''

مسائل

۱۔ مسلمانوں کے سربراہ کو لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنا چاہیے۔

۲۔ مسلمان مرمٹنے کے لیے تیار ہو جائیں تو اللہ کافروں کا زور توڑ دے گا۔

تفسیر بالقرآن

جہاد کی ترغیب:

۱۔ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دلائیے۔ (الانفال: ۶۵) ۲۔ مظلوم مسلمانوں کے لیے جہاد کیجیے۔ (النساء: ۷۵)

۳۔ کفار کو ایسی مار مارو کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں۔ (الانفال: ۵۷) ۴۔ اللہ کی راہ میں کما حقہ جہاد کرو۔ (الحج: ۷۸)

۵۔ جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے اور دین کا غلبہ نہ ہو جائے مشرکین سے جہاد کرتے رہو۔ (البقرۃ: ۱۹۳)

مَنْ	يَّشْفَعْ	شَفَاعَةً	حَسَنَةً	يَّكُنْ	لَّهٗ	نَصِيْبٌ
جو	سفارش کرے	سفارش کرنا	اچھی	ہوگا	اس کے لیے	حصہ
مِّنْهَا ۚ	وَمَنْ	يَّشْفَعْ	شَفَاعَةً	سَيِّئَةً	يَّكُنْ	لَّهٗ
اس میں سے ہے	اور جو	سفارش کرے	سفارش	بری	ہوگا	اس کے لیے
كِفْلٌ	مِّنْهَا ۭ	وَكَانَ	اللّٰهُ	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	مُّقِيْتًا ۝۸۵
بوجھ	اس سے	اور ہے	اللہ	پر	ہر	چیز	قدرت رکھنے والا

''جو شخص اچھے کام کی سفارش کرے گا اسے اس سے حصہ ملے گا۔ اور جو برائی کی سفارش کرے اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ''(۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہاد کے لیے مسلمانوں کو ابھارنا اور دین کی نشر واشاعت کی تبلیغ کرنا بھی جہاد ہے۔

جہاد کے دوران پیدا ہونے والے ضمنی مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے جہاد کی ترغیب اور دین کی تبلیغ کو اچھی سفارش اور اس کو شش کو جہاد کا حصہ شمار کیا ہے۔ کیونکہ ترغیب دلائے بغیر کوئی آدمی لڑنے مرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ترغیب اور تبلیغ کو قرآنِ مجید نے سورۃ الفرقان آیت ۵۲ میں جہادِ کبیر قرار دیا ہے۔ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ افضل ترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ (رواہ ابو داؤد: کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی [صحیح]) اسے یہاں سفارش کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس میں رسول اللہ ﷺ اور نیکی کی سفارش کرنے والے ہر شخص کو تسلی اور مسلسل ملنے والی اجر کی خوش خبری دی گئی ہے بشرطیکہ وہ خود بھی حتی المقدور اس پر عمل کرنے والا ہو۔ سفارش کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں۔ نیکی اور خیر کے کام کے لیے کسی کو آمادہ اور تیار کرنا' اس کے مقابلے میں برائی کی سفارش اور اس کی ترغیب دینا۔ نیکی کی سفارش اور تبلیغ پر مسلسل اور برابر ثواب ملتا رہتا ہے اس کے مقابلے میں برائی پر آمادہ کرنے یا اس کی سفارش اور ترغیب دینے والے کو اس گناہ میں حصہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اور تنبیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کسی پر نگران ہے۔ سفارش کے مطابق ہر شخص جزاء وسزا پائے گا لہٰذا سفارش سمجھ سوچ کر کرنی چاہیے۔ غلط سفارش مجرم کی رہائی کے لیے ہو یا کسی نااہل کو منصب دلانے کی خاطر ہو جائز نہیں کیونکہ مجرم کی سفارش کرنے سے جرائم کی حوصلہ افزائی اور مظلوم پر مزید ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ جس قوم میں یہ سلسلہ عام ہو جائے اس کا تباہی کے گھاٹ اُترنا یقینی ہو جاتا ہے۔ جہاں تک کسی نااہل آدمی کو نوکری اور منصب دلانے کا معاملہ ہے اس سے حقدار کا حق تلف ہونے کے ساتھ آہستہ آہستہ پورا نظام ہی بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ نااہل اور کرپٹ شخص جتنے بڑے منصب

پر ہوگا اتنا ہی ملک وملت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی سفارش قبول کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ ایسی سفارش کرنے سے منع کیا ہے۔

«عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا» (رواه مسلم: باب كراهة الإمارة بغير ضرورة)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عامل یا عہدیدار نہیں بنائیں گے؟ آپ نے میرے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے فرمایا ابوذر! آپ کمزور ہیں اور یہ عہدہ امانت ہے جو روزِ قیامت باعثِ ذلّت اور ندامت ہوگا۔ بچے گا وہی جس نے اس کا حق ادا کیا اور اس کو فرض سمجھا۔''

«عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِي عَمِّي فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَمِّرْنَا عَلَى بَعْضِ مَا وَلَّاكَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّي عَلَى هٰذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ»

(رواه مسلم: كتاب الإمارة، باب النهي عن طلب الإمارة والحرص عليها)

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور بنوعمیق کے دو آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے کہا اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے جو علاقے آپ کے سپرد کیے ہیں ان پر ہمیں بھی والی بنائیں دوسرے نے بھی عہدے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم عہدے کسی مطالبہ کرنے اور اس کا لالچ رکھنے والے کو نہیں سونپتے۔''

«مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ» (رواه مسلم: كتاب الإمارة، باب فضل إعانة الغازي...)

''جس نے کسی نیکی کے کام کی رہنمائی کی اس کو نیکی کرنے والے کے برابر اجر وثواب ملے گا۔''

مسائل

۱۔ نیکی کی سفارش اور تبلیغ کرنے والے کو مسلسل اور برابر حصہ ملتا رہتا ہے۔

۲۔ برائی کی سفارش اور اشاعت کرنے والا برائی میں برابر کا ذمہ دار ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

نیکی اور برائی کی سفارش کا صلہ:

۱۔ نیکی کی سفارش پر اجر۔ (النساء: ۸۵) ۲۔ برائی کی سفارش پر سزا۔ (النساء: ۸۵)

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ

اور جب	تمہیں دعا دی جائے	دعا دینا	تو تم دعا دو	بہتر	اس سے	یا وہی لوٹا دو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ

بیشک	اللہ	ہے	پر	ہر	چیز	حساب کرنے والا	اللہ

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

نہیں	معبود	مگر	وہ	وہ تمہیں ضرور اکٹھا کرے گا	طرف	روزِ قیامت

لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ ع

نہیں شک	اس میں	اور کون	زیادہ سچا	سے	اللہ	بات

''اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔(۸۶) اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یقیناً تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوسکتا ہے؟''(۸۷)

فہم القرآن

ربط کلام: قتال فی سبیل اللہ کا معنیٰ ہر وقت اور ہر کسی سے لڑنا نہیں بلکہ جو اسلام اور مسلمانوں کی طرف مائل ہو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا لازم ہے۔

فرمایا جو تمہیں تحفہ دے تو تم بھی اسے اس سے بہتر یا اس جیسا تحفہ دو۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی پر محاسب ونگہبان اور وہی معبود برحق ہے۔ جو تمہیں دنیا میں پیار، محبت اور توحید کی بنیاد پر اکٹھا رہنے کا حکم دیتا ہے۔ وہی قیامت کے دن تمہیں اکٹھا کرے گا۔ لوگوں کو جمع کرنے اور قیامت کے آنے میں ذرہ برابر شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فرمان سچا اور اس سے بڑھ کر کسی کی بات سچی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا سچ سنو، اسے قبول کرو اور اس پر قائم ہو جاؤ۔

یہاں تحفہ سے مراد مفسرین نے دو قسم کے تحائف لیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عام تحائف کے بارے میں فرمایا کہ مسلمانو! ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو کیونکہ اس سے باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔(مؤطا امام مالک: کتاب الجامع، باب ماجاء فی المھاجرۃ [صحیح]) لیکن تحائف کے تبادلہ میں ایک بات نہایت ضروری ہے کہ اس میں تکلف نہیں ہونا چاہیے۔ تکلف ایک دوسرے کے لیے بوجھ کا باعث بنتا ہے جس کی وجہ سے یہ سلسلہ دیر پا نہیں ہوتا۔ پر تکلّف تحائف میں نمائش کا عنصر غالب اور بسا اوقات فخر وغرور پایا جاتا ہے۔ جس سے محبت کی بجائے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ مسلمان کو اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم اور تکلف سے منع کیا گیا ہے۔ یہاں مفسرین نے تحفہ سے مراد ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنا بھی لیا ہے۔ ایک دوسرے کو سلام کہنے کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ جونہی آدم علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں اور اپنے وجود میں جنبش محسوس کی تو اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے آدم وہ ملائکہ کا ایک گروہ بیٹھا ہوا ہے، تم جاؤ اور انہیں سلام کرو۔ جواب میں ملائکہ جو الفاظ استعمال کریں گے وہی تیری اولاد کے لیے ملاقات کا طریقہ اور اسلوب مقرر کیا جائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جواب میں فرشتوں نے ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' کے الفاظ کہے'' (رواہ البخاری: أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریته)

اس گھڑی سے لے کر ملاقات کا یہی طریقہ پسند کیا گیا۔ اس لیے ہمیں اِدھر اُدھر کے الفاظ کہنے کی بجائے فطری اور طبعی طریقے کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں اس قدر جامعیت ہے کہ ایک دوسرے کے لیے ہر لحاظ سے خیر سگالی کے جذبات، خیالات اور دعائیہ کلمات کا اظہار ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی مذہب اور سوسائٹی میں ملاقات کے وقت اس قدر دعا کے جامع الفاظ اور جذبات نہیں پائے جاتے۔

دنیا میں ہر قوم کے ایک دوسرے سے ملنے کے کچھ آداب ہیں۔ جن سے باہم خیر سگالی اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسلامی تہذیب کے مقابلے میں ہر قوم کے آداب میں وقتی اور جزوی جذبات کا اظہار ہے۔ ہندو ملنے کے وقت پرنام یعنی ہاتھ جوڑتے ہیں، انگریز گڈ مارننگ اور گڈ نائٹ کے الفاظ کہتے ہیں، مجوسی صرف جھکتے ہیں، یہودی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں، عیسائی منہ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ نبوت سے پہلے عرب صباح الخیر وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اسلام کی تہذیب یہ ہے کہ ملاقات کے وقت ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا جائے۔ یہ کلمات پورے دین کے ترجمان اور ہر لحہ سلامتی کی دعا ہیں اور جنتی جنت میں ایک دوسرے سے انہی کلمات کے ساتھ ملاقات کریں گے اور جنت میں ہر جانب سے سلامتی کی صدائیں بلند ہوں گی۔ [یونس:۱۰]

اس حقیقت کی ترجمانی نبی اکرم ﷺ کے الفاظ سے اور زیادہ نمایاں ہوتی ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے سے ملاقات کرے تو اس کے چہرے پر تبسم اور مسکراہٹ ہونی چاہیے اور اس کو انسانی جسم کی سخاوت قرار دیا:

«أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ» (رواہ مسلم: باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء)

''کسی کو خوش روئی سے ملنا بھی نیکی ہے۔''

مسلمانوں میں باہمی الفت وعقیدت، احترام واکرام کو فروغ دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ ملانے یعنی مصافحہ کرنے کی فضیلت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

«إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا»

(رواہ ابو داؤد: کتاب الأدب [ضعیف])

''جب دو مسلمانوں کی باہم ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اپنے لیے مغفرت طلب کریں تو ان دونوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔''

کچھ مدّت کے بعد ملنے پر بغل گیر ہونا اسلامی معاشرت کا حصہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے مجھے اپنے ہاں آنے کا پیغام بھیجا میں گھر میں موجود نہیں تھا۔ بعد ازاں میں آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا (وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ تِلْكَ أَجْوَدَ وَأَجْوَدَ) آپ ﷺ اپنی چارپائی پر بیٹھے میرے ساتھ بغلگیر ہوئے۔ آپ کا ملنا بہت ہی اچھا تھا۔ (رواہ ابو داؤد: کتاب الأدب، باب فی المعانقة [ضعیف])

پھر ملاقات کے آداب میں مسلم معاشرے کو رعونت وغرور اور اخلاقی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ اصول لاگو فرمایا کہ سوار پیدل کو اور چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ اگر یہی اصول ٹھہرایا جاتا کہ ہر حال میں چھوٹا بڑے کو، کمزور طاقتور کو اور محکوم حاکم کو سلام کرے تو مسلم سوسائٹی واضح طور پر طبقاتی کشمکش کا شکار ہو جاتی۔ آپ کا ارشاد ہے۔

«يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ»

(رواہ الترمذی: کتاب الإستئذان، باب ماجاء فی تسلیم الراکب علی الماشی [صحیح])

''سوار پیدل کو اور چلنے والا بیٹھنے والے کو، تھوڑے زیادہ کو دوسری حدیث میں ہے کہ چھوٹا بڑے کو اسی طرح آنے والا پہلے سے موجود کو السلام علیکم کہے۔''

ہاں اگر ملنے والے ایک جیسی حالت میں ہوں تو احترام کی طبعی اور بین الاقوامی قدروں کا بھی خیال رکھا گیا کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے تاکہ مسلم معاشرہ ادب واحترام کے ثمرات سے لطف اندوز ہو سکے۔ اونچ نیچ کے مرض کے تدارک کے لیے یہ اصول بھی وضع فرمایا کہ کوئی سر جھکا کر نہ ملے اس سے بندگی کا انداز ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَآءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ»

(رواہ ابو داؤد: کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأة [صحیح])

''اگر میں نے کسی کو یہ حکم دینا ہوتا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے سر جھکائے تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے سجدہ کیا کریں۔''

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور السلام علیکم کہا آپ نے جواب دیا وہ آدمی بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا دس نیکیاں ہیں، پھر ایک اور آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا آپ نے جواب دیا جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا بیس نیکیاں ہیں پھر ایک اور آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا آپ نے جواب دیا جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا تیس نیکیاں ہیں۔ (سنن ابی داؤد: باب کیف السلام [صحیح])

مسائل

۱۔ تحفہ کے بدلے میں بہتر تحفہ دینا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ قیامت کے دن سب کو اکٹھا کرے گا۔ ۳۔ قیامت برپا ہو کر رہے گی۔ ۴۔ اللہ کے فرمان سے کسی کی بات سچی نہیں ہو سکتی۔

تفسیر بالقرآن

تحائف کا تبادلہ کرتے رہیں:

۱۔ احسان کا بدلہ احسان۔ (الرحمان: ۶۰) ۲۔ احسان کا بہتر بدلہ دینا چاہیے۔ (النساء: ۸۶)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ

سو کیا ہوا تمہیں منافقین کے بارے میں دو فریق اور اللہ انہیں الٹ دیا اس کے سبب جو انہوں نے کمایا کیا تم چاہتے ہو

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۸۸

یہ کہ راہ پر لاؤ جسے گمراہ کیا اللہ نے اور جسے گمراہ کردے اللہ پس تم ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لیے کوئی راہ

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے الٹا کر دیا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کردہ لوگوں کو راہ راست پر لا کھڑا کرو؟ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تم اس کے لیے کوئی راہ ہرگز نہیں پا سکتے۔'' (۸۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق بالخصوص جہاد کے موقعہ پر مسلمانوں میں بزدلی اور انتشار پیدا کرتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو منافقوں سے چوکنا اور بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

مکہ معظمہ اور اس کے گرد و نواح میں ایسے لوگ اور قبائل موجود تھے جو دنیاوی اغراض اور تعلق داری کی بنا پر کفار کے ساتھ مسلمانوں سے بھی ہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔ جب ہجرت کا فیصلہ کن حکم آیا کہ دار الکفر کو چھوڑ کر سب مسلمان دار الاسلام مدینہ میں جمع ہو جائیں تا کہ طاقت مجتمع، مرکز مضبوط، اور دین پر عمل کرنے کیلئے بہتر ماحول پا سکیں تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو ترجیح دینے کی بجائے کفار کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ مدینہ میں رہنے والے منافقین کی حالت بھی یہی تھی کہ جب کبھی فیصلہ کن وقت آتا تو ان کی ہمدردیاں کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ جس کا مظاہرہ وہ غزوۂ اُحد کے وقت کر چکے تھے۔ جونہی مسلمانوں سے مشکل وقت گزر جاتا تو یہ لوگ قسمیں کھا کر اپنی صفائی پیش کرتے جس سے کئی سادہ لوح مسلمان متاثر ہو کر ان کے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے اُن کے حق میں اپنے ساتھیوں سے بحث کرتے تھے۔ اس صورت حال سے مسلمانوں کے درمیان فکری انتشار ہی نہیں بلکہ دو جماعتیں بننے کا خطرہ پیدا ہو گیا جس پر یہ کہہ کر توجہ دلائی گئی ہے کہ مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم منافقین کے بارے میں آپس میں ایک رہنے کی بجائے دو ہوتے جا رہے ہو۔ کیا منافقین کی خاطر باہمی محبت کمزور اور اتحاد کو پارہ پارہ کر لو گے؟ حالانکہ انہوں نے تمہارے مقابلے میں کفار کو ترجیح دی ہے۔ تم انہیں مخلص سمجھتے ہو جبکہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اندرونِ خانہ تمہیں گمراہ کرنے اور نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا تم ایسے لوگوں کو ہدایت دینا چاہتے ہو جو ہدایت حاصل کرنے کی بجائے تمہیں بھی اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہی میں زیادہ کر دیا اور انہیں اُسی طرف پھیر دیا ہے جدھر وہ رہنا اور جانا پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کو گمراہ کرنے کا یہی مطلب ہے اس لیے جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اُسے کوئی بھی ہدایت پر نہیں لا سکتا۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو منافقوں کی حمایت کرنا جائز نہیں۔ ۲۔ منافق کو اس کے کردار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ الٹا کر دیتا ہے۔
۳۔ جسے اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا

وہ چاہتے ہیں کاش تم کفر کرو جیسے وہ کافر ہوئے تو تم ہو جاؤ برابر پس تم نہ بناؤ

مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

ان سے دوست (جمع) یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں میں اللہ کی راہ پھر اگر وہ منہ موڑیں

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا

تو ان کو پکڑو اور انہیں قتل کرو جہاں کہیں تم انہیں پاؤ اور نہ بناؤ

مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

ان سے دوست اور نہ مددگار

''وہ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ کافر ہوئے ہیں تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ۔ تاکہ سب برابر ہو جائیں پس جب تک یہ اللہ کے راستہ میں ہجرت نہ کریں ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔ پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں انہیں پکڑو اور قتل کرو اور ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار نہ سمجھو۔'' (۸۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق حقیقتاً کافر ہوتا ہے اور مسلمانوں کو اسے اس طرح ہی دیکھنا چاہیے۔ اس لیے اس سے قلبی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ منافقوں کو ہرگز دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی رضا کے لیے ہجرت نہ کریں۔ اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو انہیں حالت جنگ میں جہاں پاؤ، پکڑو اور قتل کر دو۔ ایسے لوگوں کو اپنا دوست اور مددگار نہیں سمجھنا چاہیے۔

ہجرت کا لغوی معنٰی:

ہجرت کا لغوی معنٰی ہے کسی چیز کو ترک کرنا، چھوڑ دینا۔ عرفِ عام میں دین کی خاطر کسی مقام کو چھوڑنے کا نام ہجرت ہے۔ شریعت کے وسیع تر مفہوم میں ہر اس چیز کو چھوڑ دینا۔ جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے یہی حقیقی ہجرت ہے

«وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَانَهَي اللّٰهُ عَنْهُ» (رواہ البخاری: باب المسلم من سلم المسلمون)

''مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔''

کن حالات میں ہجرت کا حکم ہے؟

مقصد حیات یعنی ایمان کے لیے ہر چیز قربان کر دینا ہی کامل ایمان کی نشانی ہے۔ ایسے ہی جذبات کا مندرجہ ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

{ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ } (العنکبوت:۵۶)

''اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین بہت وسیع ہے بس تم میری بندگی کیے جاؤ۔''

اس آیت مبارکہ میں واضح اشارہ موجود ہے اگر مکے میں اللہ کی بندگی کرنا مشکل ہو رہی ہے تو ملک چھوڑ کر نکل جاؤ۔ ملک خدا تنگ نیست۔ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے جہاں بھی تم اللہ کے بندے بن کر رہ سکتے ہو وہاں چلے جاؤ۔

«عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِإِمْرِءٍ مَانَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَاهَاجَرَ إِلَيْهِ»

(رواه البخاری: کتاب الأیمان والنذور، باب النیة في الأیمان)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمام اعمال کا انحصار نیت پر ہے۔ آدمی جس چیز کی نیت کرے گا وہ اس کے مطابق اجر پائے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی بس اس کی ہجرت تو واقعی اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے لیکن جس نے دنیا کی خاطر ہجرت کی کہ اس کو دنیا مل جائے یا کسی عورت کے لیے ہجرت کی تا کہ اس سے نکاح کرے اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کی خاطر اس نے ہجرت کی۔''

ہجرت ایمان کی کسوٹی ہے:

اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ یہ ایسی پل صراط ہے جس کی دھار تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے ہجرت کی تکالیف اور مشکلات ایمان سے خالی دل کو ننگا کر دیتی ہیں یہ ایسا ترازو ہے جس میں ہر آدمی نہیں بیٹھ سکتا۔ اس پیمانے سے کھرے کھوٹے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآنِ مجید نے اسے ایمان کا معیار قرار دیا ہے۔ (مزید دلائل دیکھنا چاہیں تو میری کتاب سیرت ابراہیم علیہ السلام کا مطالعہ فرمائیں۔)

مسائل

۱۔ کفار کو کبھی اپنا خیر خواہ اور دوست نہیں سمجھنا چاہیے۔ ۲۔ منافق اور کافر حالتِ جنگ میں جہاں کہیں ملیں انھیں قتل کر دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

منافق اور کفار کو دوست نہ بناؤ:

۱۔ منافق اور کفار کو دوست نہ بناؤ۔ (المائدۃ: ۵۷) ۲۔ منافق و کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (المائدۃ: ۵۱)

۳۔ مومن کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ (آل عمران: ۲۸)

۴۔ محض دنیا کی عزت کی خاطر کفار سے دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔ (النساء: ۱۳۹)

۵۔ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنۃ: ۱ تا ۲)

۶۔ اے ایمان والو! جن پر اللہ کا غضب ہوا انھیں اپنا دوست مت بناؤ۔ (الممتحنۃ: ۱۳)

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ

مگر جولوگ مل گئے ہیں طرف قوم تمہارے درمیان اوران کے درمیان عہد یاوہ تمہارے پاس آئیں

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ

تنگ ہوگئے ان کے سینے یہ کہ وہ تم سے لڑیں یاوہ لڑیں اپنی قوم سے اوراگر چاہتا

اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ

اللہ ضرورانہیں مسلط کردیتا تم پر تووہ تم سے ضرورلڑتے پھراگروہ تم سے کنارہ کش ہوں پھروہ تم سے نہ لڑیں

وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝۹۰

اوروہ ڈالیں تمہاری طرف صلح تونہیں بنایا اللہ تمہارے لیے ان پرکوئی راستہ

''سوائے ان کے جواس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس آئیں کہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے اوراپنی قوم سے جنگ کرنے سے بھی دل میں تنگی سمجھتے ہوں اوراگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کردیتا اوروہ تم سے یقیناً جنگ کرتے۔ پس یہ لوگ اگر تم سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اورتم سے لڑائی نہ کریں اورتمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پرلڑائی کی کوئی سبیل نہیں رکھی۔''(۹۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایسے منافقوں اور کافروں سے لڑنا اور انہیں قتل کرنا ضروری ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوں۔ یہاں ان کفار اور منافقوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کا بقائے باہمی کا معاہدہ ہو یا وہ اسلام اور مسلمانوں کے راستے میں حائل نہ ہوں۔

یہ بات پہلے بھی بیان ہوچکی ہے کہ اسلام جنگ جُو مذہب نہیں اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ وہ ایسے لوگوں سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا جو صلح جو ہوں اور اسلام کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتے۔ یہاں اس بات کا اعادہ فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں سے لڑنے کی تمہیں اجازت نہیں جو تمہاری حلیف قوم کے ساتھی ہیں یا وہ تمہارے ساتھ مل کر لڑنا یا تمہارے مخالفوں کے ساتھ مل کر تم سے لڑنا پسند نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ تمہیں ہرگز نہیں لڑنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُن کو تم پر مسلط کر دیتا۔ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ لڑنے سے گریز کریں اور تم سے صلح کرنا چاہیں اُن کے ساتھ لڑنے کا تمہارے پاس کوئی جواز نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایسے صلح جو لوگوں کے ساتھ تمہیں لڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔

مسائل

۱۔ عہد و پیمان والے کفار کے ساتھ لڑنا جائز نہیں۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ

اب تم پاؤ گے دوسرے کو وہ چاہتے ہیں یہ کہ تم سے امن میں رہیں اور امن میں رہیں اپنی قوم سے

كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ

جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں فتنہ کی طرف پلٹ دیے جاتے ہیں اس میں پس اگر تم سے کنارہ کشی نہ کریں

وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

اور (نہ) ڈالیں وہ تمہاری طرف صلح اور (نہ) روکیں اپنے ہاتھ تو انہیں پکڑو اور انہیں قتل کرو جہاں کہیں

ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

تم انہیں پاؤ اور یہی لوگ ہم نے بنائی تمہارے لیے ان پر دلیل واضح

''تم لوگوں کو پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح پر آمادہ نہ ہوں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور مار ڈالو جہاں کہیں بھی پاؤ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے قتل پر ہم نے تمہیں واضح دلیل دی ہے۔'' (۹۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ پہلے امن پسند کفار سے لڑنے کی ممانعت فرمائی تھی اب شر پسندوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

البتہ تم ایسے منافق اور دغا باز لوگ ضرور پاؤ گے جو تم سے اور تمہارے دشمنوں سے امن میں رہنے کے نام نہاد دعوے دار ہیں۔ لیکن جونہی کوئی فتنہ اٹھتا ہے تو اس میں کود پڑتے ہیں اگر یہ لوگ تمہاری طرف صلح کا ہاتھ نہ بڑھائیں اور تم سے جنگ کرنے سے اجتناب نہ کریں تو جنگ کے دوران جہاں پکڑو انہیں قتل کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی منافقت اور غداری کی وجہ سے تمہارے لیے ان کو قتل کرنے کی واضح حجت بنا دی ہے۔

مسائل

۱۔ عہد شکنی کرنے والے کے ساتھ لڑنا جائز ہے۔ ۲۔ نہ لڑنے والوں سے لڑنا درست نہیں۔

تفسیر بالقرآن

جہاد کی حدود:

۱۔ کفار مسلمانوں کو اذیت دیں تو انکے خلاف جہاد کرو۔ (النساء:۷۵) ۲۔ خوف دور کرنے کے لیے جہاد کرنا چاہیے۔ (النساء:۸۴)

۳۔ عہد شکن اور دغا باز لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے۔ (الانفال:۵۶، ۵۷)

۴۔ حرمت کے مہینوں میں صرف بدلے کے لیے لڑنا جائز ہے۔ (البقرۃ:۲۱۷)

۵۔ خیانت کا اندیشہ ہو تو انہیں آگاہ کر کے عہد توڑ دینا چاہیے۔ (الانفال:۵۸) ۶۔ نہ لڑنے والوں سے لڑنا درست نہیں۔ (النساء:۹۱)

۷۔ اللہ اور رسول کے منکرین اور حرام کو حلال کرنے والوں سے جہاد کرو۔ (التوبۃ:۲۹)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

اور نہیں ہے کسی مؤمن کے لیے یہ کہ وہ قتل کرے مؤمن کو مگر غلطی سے اور جو قتل کرے مؤمن کو

خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

غلطی سے تو آزاد کرنا ایک گردن مؤمن اور خون بہا حوالہ کرنا طرف اسکے وارثوں کے مگر یہ کہ

يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ

وہ معاف کردیں پھر اگر ہو سے قوم دشمن تمہاری اور وہ مؤمن تو آزاد کرنا

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ

ایک گردن (غلام) مؤمن اور اگر ہو سے قوم تمہارے درمیان اور ان کے درمیان عہد تو خون بہا

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

حوالے کرنا طرف اسکے وارث اور آزاد کرنا ایک گردن مؤمن سو جو نہ پائے تو روزے رکھنا

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

دو ماہ لگاتار توبہ سے اللہ اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

''کسی مومن کے لیے کسی مومن کو قتل کرنا جائز نہیں مگر غلطی سے ہو جائے تو جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہے سوائے اس کے کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور وہ مسلمان ہو تو صرف ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر مقتول اس قوم سے ہو جس سے تمہارا عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو دینا ہے اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔ پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے متواتر روزے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا طریقہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔'' (۹۲)

فہم القرآن

ربط کلام: کافروں اور منافقوں کو قتل کرنے کا حکم ہے لیکن مومن کو قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے اگر جنگ یا کسی ہنگامی کیفیت میں مومن، مومن کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو اس کی سزا کا ذکر۔ جس میں منافق اور مومن کی شخصیت کا بھی موازنہ بھی پایا جاتا ہے۔

اسلام میں انسانی شرف اور اس کی جان کی حرمت کا اس قدر خیال رکھا گیا ہے کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا گویا کہ وہ پوری انسانیت کا قاتل ٹھہرا۔ اس کی تفصیل ''المائدہ آیت ۳۲'' میں بیان کی گئی ہے۔ یہاں پہلی آیات میں منافقوں اور کفار کو حالت جنگ میں قتل کرنے کا حکم تھا۔ لیکن مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اگر غلط فہمی کی بنیاد پر مومن کو قتل کر دیا جائے جسے قتل خطا کہا گیا ہے جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں ٹریفک حادثات، باہمی لڑائی جھگڑا جس

میں دونوں طرف سے ارادۂ قتل شامل نہ ہو۔ جنگ کے دوران مسلمان کا اپنوں کے ہاتھوں قتل ہونا شامل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو واقعات پیش آئے۔

ان میں سے ایک واقعہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں قبیلہ جہینہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کیا اور وہ شکست سے دوچار ہوئے میں نے ایک انصاری کے ساتھ مل کر ایک شخص پر قابو پایا تو اس نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' پڑھ دیا۔ میرے ساتھی نے اُسے چھوڑ دیا لیکن میں نے آگے بڑھ کر اُسے نیزہ مارا جس سے وہ مر گیا۔ جب ہم رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ کو اس واقعہ کی اطلاع پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ آپ نے مجھے فرمایا:

«أَقَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَقَتَلْتَهُ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ قَالَ أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ»

(رواه مسلم: كتاب الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد أن قال لا إله إلا الله)

''کیا تو نے اس کے کلمہ پڑھنے کے باوجود اُسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا کہ اُس نے اسلحہ سے ڈر کر کلمہ پڑھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے کلمہ دل سے پڑھا ہے یا اسلحہ کے خوف سے۔ آپ نے یہ سوال کئی مرتبہ دہرایا یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کاش میں آج اسلام قبول کرتا۔''

ایسا ہی واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رونما ہوا۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ إِلٰى بَنِيْ خَزِيْمَةَ فَدَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوْا أَنْ يَقُوْلُوْا أَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ مِنْهُمْ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا أَسِيْرَهُ حَتّٰى إِذَا كَانَ يَوْمٌ أَمَرَ خَالِدٌ أَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا أَسِيْرَهُ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَآ أَقْتُلُ أَسِيْرِيْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِيْ أَسِيْرَهُ حَتّٰى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرْنَاهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ»

(رواه البخاري: كتاب المغازي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن وليد إلى بني خزيمة)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنی جزیمہ کی طرف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہیں (أَسْلَمْنَا) ''ہم مسلمان ہوئے'' کہنا نہ آیا وہ (صَبَأْنَا صَبَأْنَا) ''ہم بے دین ہو گئے، ہم بے دین ہو گئے'' کہنا شروع کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کچھ کو قتل کر دیا اور کچھ کو قیدی بنا لیا اور ہم میں سے ہر ایک کو اس کا قیدی دیا۔ ایک دن آیا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر کوئی اپنے قیدی کو قتل کر

دے تو میں نے کہا اللہ کی قسم! نہ میں اپنے قیدی کو قتل کروں گا اور نہ ہی دوسرا کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ ہم نے نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ کر معاملہ ذکر کیا تو آپ نے اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے دو مرتبہ فرمایا اے اللہ! میں خالد بن ولید کے کیے پر تیری بارگاہ میں برأت کا اظہار کرتا ہوں۔''

جس پر یہ حکم نازل ہوا کہ اگر کسی مومن کو غیر ارادی طور پر قتل کر دیا جائے تو اس کی سزا ایک غلام آزاد کرنا اور اُس کی دیّت اُس کے وارثوں کو دینا ہے اِلّا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ اگر مقتول مومن دشمن قوم کا ہو تو پھر صرف ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر مقتول مومن ایسی قوم کے ساتھ تعلق رکھتا ہو جس کے ساتھ مسلمانوں کا بقائے باہمی کا معاہدہ ہے تو اُس کے وارثوں کو دیت دینے کے ساتھ ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ غلام نہ ملنے یا اُس کے آزاد کرنے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں قاتل کو متواتر دو مہینے روزے رکھنا ہوں گے۔ توبہ کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے احکام کی حکمت جاننے والا ہے۔ یاد رہے روزے رکھنے کے دوران شرعی عذر کے بغیر ناغہ کرنے والے کو از سر نو روزوں کی گنتی کا آغاز کرنا اور ان کی تعداد پوری کرنا ہوگی۔ گویا کہ روزے متواتر رکھنے کا حکم ہے۔

مسائل

۱۔ مومن کا مومن کو قتل کرنا جائز نہیں۔

۲۔ مومن کو غلطی سے قتل کرنے کی سزا مقتول کے ورثاء کو دیّت دینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔

۳۔ مقتول مومن کافر قوم کے ساتھ تعلق رکھتا ہو تو صرف ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا۔

۴۔ معاہد قوم کا مسلمان قتل کرنے کی صورت میں اس کی دیّت دینے کے ساتھ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔

۵۔ مومن غلام آزاد کرنے کی استعداد نہ ہو تو متواتر دو مہینے روزے رکھنے ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

قتل کی سزا:

۱۔ قصاص لینا فرض ہے اور اس میں تمہاری زندگی ہے۔ (البقرۃ:۱۷۸)

۲۔ جس جان کو اللہ نے تحفظ دیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرنا چاہیے۔ (بنی اسرائیل:۳۳)

۳۔ جس نے کسی کو بغیر حق کے قتل کر دیا گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ (المائدۃ:۳۲)

۴۔ قابیل کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا۔ اس نے قتل کر دیا پس خسارہ پانے والا ہوا۔ (المائدۃ:۳۰)

۵۔ جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (النساء:۹۳) ۶۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ (الانعام:۱۵۱)

۷۔ بے گناہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے پر لعنت اور اللہ کا عذاب ہوگا۔ (النساء:۹۳)

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا

اور جو	قتل کردے	کوئی مومن	دانستہ	تو اس کی سزا	جہنم

ہمیشہ رہے گا اس میں

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

غضب کیا	اللہ	اس پر	اور لعنت کی اس پر	اور تیار کیا ہے	اس کے لیے	عذاب

بڑا

''اور جو کوئی مومن کو ارادتاً قتل کردے، اس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (۹۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ جان بوجھ کر مومن کو قتل کرنے کی سزا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر بیت اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے اللہ کے گھر! تیرا احترام واکرام اور جلالت ومنزلت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن کی عزت تجھ سے بڑھ کر ہے۔ (رواہ ابن ماجۃ: باب حرمۃ دم المؤمن وماله [حسن لغیرہٖ])

ایک مرتبہ آپ ﷺ ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے راستے میں ایک جگہ پڑاؤ فرمایا۔ کچھ صحابہ کرام ''وَنْ'' کے درختوں پر چڑھ کر پیلو توڑ رہے تھے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود بھی شامل تھے۔ آپ کے ساتھ کھڑا ایک صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر مسکرانے لگا۔ یہ صورت حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے مومن کی شان کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ یہ پنڈلیاں اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہیں۔ (رواہ احمد: باب مسند علی رضی اللہ عنہ [صحیح])

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے نزدیک ایمان اور کلمے کی اتنی قدر ہے کہ آپ سے حضرت مقداد بن اسود نے استفسار کیا اگر میری کسی کافر کے ساتھ مڈھ بھیڑ ہو اور وہ تلوار سے میرا ہاتھ کاٹ دے۔ جب میں اس پر وار کروں تو وہ درخت کی اوٹ میں جان بچانے کے لیے کلمۂ شہادت پکار اُٹھے تو ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تجھے اپنا ہاتھ روکنا ہوگا۔ بے شک اس نے تجھے زخمی کیا ہے اگر تو نے اس پر حملہ کیا۔ تو تو اُس کے مقام پر کھڑا ہوگا یعنی وہ مظلوم اور تو ظالم ہو گا۔ (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب شھود الملائکۃ بدرا)

قرآنِ مجید کے اس فرمان میں مومن کو عمداً قتل کرنے والے کی پانچ سزاؤں کا بیان ہوا ہے: (۱) جہنم میں داخلہ (۲) اس میں ہمیشگی (۳) اللہ کا غضب (۴) اللہ کی لعنت (۵) عذابِ عظیم۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ)) مومن کو گالی دینا اللہ کی نافرمانی اور اُسے قتل کرنا کفر ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عملہ)

مسائل

۱۔ بلاوجہ مومن کو قتل کرنے والے پر اللہ کا غضب، اس کی لعنت اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا

اے جولوگ ایمان لائے ہو جب تم سفر کرو میں اللہ کی راہ تو تحقیق کرلو اور نہ

تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ

تم کہو اسے جو ڈالے تمہاری طرف سلام تو نہیں ہے ایمان والا تم چاہتے ہو سامان

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

دنیا کی زندگی پاس اللہ کے غنیمتیں بہت اسی طرح تم تھے سے پہلے

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

تو احسان کیا اللہ تم پر سو تحقیق کرلو بیشک اللہ ہے اسکے ساتھ جو تم کرتے ہو خوب باخبر

''اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو تمہیں سلام کرے تم اسے یہ نہ کہو کہ تو ایماندار نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں۔ تم بھی پہلے ایسے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا۔ لہٰذا تم ضرور تحقیق کرلیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔'' (۹۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قتال فی سبیل اللہ میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو یا غلطی سے مسلمان نشانہ نہ بن جائیں۔

اسلام میں جہاد و قتال کا یہ معنیٰ نہیں کہ کفار کی دشمنی میں مجاہد اس حد تک آگے بڑھ جائے کہ اس کی تلوار کے سامنے جو آئے اسے تہ تیغ کرتا چلا جائے۔ اسلامی جہاد اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جس علاقہ پر حملہ کرنا مقصود ہو۔ وہاں کے بارے میں پہلے اچھی طرح معلومات حاصل کی جائیں۔ اگر وہاں مسلمان موجود ہوں تو اندھا دھند حملہ کرنے کی بجائے ایسی حکمتِ عملی اختیار کرنی چاہیے جس سے مسلمان محفوظ رہ سکیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا نقصان ملت کا نقصان اور مجاہدین کے لیے بدنامی کا باعث ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ پر حملہ کیا تو ایسی منصوبہ بندی فرمائی کہ جس سے مکہ کی حرمت قائم رہے اور مسلمانوں کا نقصان بھی نہ ہونے پائے۔ اعلان فرمایا کہ جو شخص بھی بیت اللہ میں داخل ہو جائے یا اپنے گھر کے کواڑ بند کرلے یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے۔ اسے حفظ و امان دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو ان کی قربان گاہ پر نہ پہنچنے دیا۔ اگر مومن مرد اور مومن عورتیں موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ بے خبری میں تم انہیں پامال کردو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا۔ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرلے۔ اگر مومن الگ ہو گئے ہوتے تو کفار کو ہم ضرور سخت سزا دیتے۔'' (الفتح:۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«عَنِ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يُغِيْرُ بِنَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ

وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ.....)) (رواه البخاری: کتاب الأذان، باب مایحقن بالأذان من الدماء)

''نبی کریم ﷺ کسی قوم پر صبح ہونے سے پہلے حملہ نہ کرتے، صبح کے وقت آپ دیکھتے اگر اذان سنتے تو ان پر حملہ نہ کرتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔.....''

مقصد یہ تھا کہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچ پائے۔ اس آیت میں اسی احتیاط کا حکم دیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! جب تم اللہ کے راستے میں نکلو اور کوئی تمہارے سامنے اپنا اسلام پیش کرے تو غنائم کے لالچ میں اسے ٹھکرانے کی بجائے اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ پھر تنبیہ فرمائی کہ آخر تم بھی تو ان حالات سے گزرے ہو کہ جب تم میں کئی لوگ دشمنوں کے خوف کی وجہ سے اپنا ایمان چھپاتے تھے اور تم بھی پہلے کافر تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم فرمایا کہ تمہیں آزاد مملکت نصیب فرمائی اور دشمن پر غلبہ عطا کیا اور مسلمان ہونے کی توفیق دی۔ یہاں اس سانحہ کی طرف اشارہ ہے جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رونما ہوا کہ جب ایک چھوٹی سی جھڑپ کے دوران کچھ لوگوں نے ان کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان پر یقین کرنے کی بجائے انہیں شہید کر ڈالا۔ جس پر رسول کریم ﷺ نے براءت کا اظہار کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے اَسْلَمْنَا نہ کہا بلکہ کہا ہم صابی ہو گئے ہیں اپنے دین سے دوسرے دین میں داخل ہو گئے۔ یہ سن کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر ہم میں سے ہر شخص کو اس کا قیدی سونپ دیا۔ اس کے بعد ایک دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حکم دیا، کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ میں نے کہا: میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور اسی طرح میرے ساتھیوں میں سے بھی کوئی اپنے قیدی کو قتل نہیں کرے گا، یہاں تک کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو مرتبہ فرمایا ﷺ اے اللہ! خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو کام کیا ہے میں تیری بارگاہ میں اس سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ (رواہ البخاری: کتاب المغازی)

آیت کے آخر میں تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ جو کچھ اور جس نیت سے تم کوئی عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی اچھی طرح خبر رکھنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ جہاد کے دوران کافر اور مسلمان کی تمیز اور تحقیق کرنا مجاہد پر لازم ہے۔

۲۔ دنیا کے مال کی خاطر کلمہ پڑھنے والے کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

دورانِ جہاد تحقیق کرنا:

۱۔ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنا چاہیے۔ (الحجرات: ۶) ۲۔ کسی کے دعوی اسلام کی تحقیق کرنا لازم ہے۔ (النساء: ۹۴)

۳۔ مشرک اور کافر کے اسلام لانے کی تحقیق کی اجازت۔ (الممتحنۃ: ۱۰)

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ

نہیں برابر بیٹھنے والے سے مؤمن (جمع) بغیر عذر والے اور مجاہد (جمع)

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

میں اللہ کی راہ ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں فضیلت دی اللہ جہاد کرنے والے

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ

ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں پر بیٹھنے والے درجہ اور ہر ایک وعدہ دیا اللہ اچھا

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ

اور فضیلت دی اللہ مجاہدین پر بیٹھنے والوں اجر عظیم درجے

مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

اس کی طرف سے اور بخشش اور رحمت اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

''اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں ہو سکتے۔ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجات میں فضیلت دے رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر بہت بڑی فضیلت اور عظیم اجر کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ (۹۵) اپنی طرف سے رتبے، بخشش اور رحمت کی بھی نوید دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔'' (۹۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہادی خطاب میں پہلے مسلمانوں کو حالات کے مطابق انفرادی اور اجتماعی طور پر قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیا اس کے بعد جہاد کے احکامات اور اس کے متعلق ضمنی ہدایات دیتے ہوئے قتال فی سبیل اللہ کی عظمت اور برکت بیان فرمائی پھر قتال میں ہونے والی کوتاہیوں اور غفلتوں کے بارے میں احتیاط کا حکم دیا۔ اب مجاہدین کا مرتبہ و مقام بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مومن کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ لیکن ایسے مومن جو بغیر کسی مجبوری اور شرعی عذر کے قتال فی سبیل اللہ میں براہ راست حصہ لینے کی بجائے دنیاوی کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال نچھاور اور جانیں نثار کرتے ہیں ان کا مرتبہ و مقام دوسرے مومنوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ گو اللہ تعالیٰ نے ہر ایمان دار کے ساتھ اس کے اعمال اور اخلاص کے مطابق درجات کی بلندی اور جنت کے وعدے کیے ہیں جو ہر صورت پورے ہو کر رہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود مومن مجاہدین کا مرتبہ جہاد سے پیچھے رہنے والوں کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ عام مومنوں کی روحیں عالم برزخ میں مقام علیین میں ہوتی ہیں جبکہ مجاہدین کی ارواح اللہ تعالیٰ کے عرش تلے جلوہ افروز اور براہِ راست جنت کے نظارے کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخشتے ہوئے انہیں اپنی خصوصی

رحمت سے نوازتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَوْجَلَسَ فِيْ أَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ مَابَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَابَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهٗ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ قَالَ وَفَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ»

(رواہ البخاری: کتاب الجہاد والسیر)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ و رسول پر ایمان لایا اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے۔ اسے جنت میں داخل کرنا اللہ پر حق ہے اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی پیدائش کے علاقہ میں بیٹھا رہا۔ صحابہ نے کہا اللہ کے رسول! تو کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے جنت میں سو درجات بنائے ہیں ہر دو درجے کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ جتنا ہے جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو کیونکہ یہ جنت کا وسط اور اعلیٰ جگہ ہے راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور وہاں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔''

«عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَاعَلَيْهَا» (رواہ البخاری: باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ)

''حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستے میں ایک دن کا پہرہ دینا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔''

مسائل

۱۔ گھروں میں بیٹھنے والے مومنوں سے مجاہدین بہتر ہیں۔ ۲۔ مجاہدین کو اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ و مقام عطا فرمایا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔
۴۔ مجاہدین اور دوسروں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رحمت ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

مجاہدین کا مرتبہ:

۱۔ مجاہد اور غیر مجاہد برابر نہیں (النساء: ۹۵) ۲۔ مجاہدین عذابِ الیم سے نجات پائیں گے۔ (الصف: ۱۰، ۱۱)
۳۔ شہید کے لیے مغفرت۔ (آل عمران: ۱۵۷) ۴۔ مجاہدین سے اللہ تعالیٰ کی محبت۔ (الصف: ۴)
۵۔ مجاہد کے لیے جنت۔ (محمد: ۶) ۶۔ شہید زندہ ہیں وہ اللہ کے ہاں رزق پاتے اور بے خوف و غم ہوتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۷۰، ۱۷۱)

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ

بیشک وہ لوگ ان کی جان نکالتے ہیں فرشتے ظلم کرنیوالے اپنی جانیں وہ کہتے ہیں کس (حال) میں

كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۖ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ

تم تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس میں زمین وہ کہتے ہیں کیا نہ تھی

أَرْضُ اللَّهِ وَٰسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ

اللہ کی زمین وسیع پس تم ہجرت کر جاتے اس میں سو یہ لوگ ان کا ٹھکانہ جہنم

وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَٰنِ

اور بری ہے لوٹنے کی جگہ مگر بے بس سے مرد (جمع) اور عورتیں اور بچے

لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى

نہیں طاقت رکھتے کوئی وسیلہ اور نہ رہنمائی پاتے ہیں راستہ سو ایسے لوگ امید ہے

اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

اللہ یہ کہ معاف فرمائے ان سے اور ہے اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا

''جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ لوٹنے کی نہایت ہی بری جگہ ہے۔ (۹۷) مگر جو مرد، عورتیں اور بچے کمزور ہیں جو نہ تو کوئی وسیلہ رکھتے ہیں اور نہ راستے کی رہنمائی پاتے ہیں۔ (۹۸) ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے درگزر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے، اور معاف فرمانے والا ہے۔'' (۹۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دارالکفر میں رہنے کی بجائے باہمت لوگوں کو دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا چاہیے۔

یہ دنیا جب سے معرض وجود میں آئی ہے اسی وقت سے لے کر حق و باطل کے معرکے پیش آتے رہے ہیں۔ حق و باطل کی اس آویزش میں ہمیں بے شمار ہجرتیں دکھائی دیتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عراق سے ہجرت کر کے شام، مصر اور ارضِ مقدس کی طرف جانا اور پھر حجاز میں تشریف لا کر اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے حجاز کو مرکز دعوت مقرر کرنا، حضرت یعقوب اور جناب یوسف علیہما السلام کی ہجرت مصر کی طرف، سیدنا لوط علیہ السلام کی ہجرت علاقہ سدوم کی جانب حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی پہلی ہجرت مدین کی طرف اور اس کے بعد ہزاروں ساتھیوں سمیت فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کا ثبوت قرآن میں موجود ہے۔

شرعی اصطلاح میں دین کی خاطر وطن چھوڑنے والے کو مہاجر اور ترکِ وطن کے عمل کو ہجرت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک نظریۂ اسلام جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا واحد ذریعہ ہے اس کی خاطر ہر چیز قربان کرنا لازم ہے۔ جو شخص ایمان کے لیے قربانی نہیں دیتا اور اس پر دوسری باتوں کو مقدم جانتا ہے۔ ایسا شخص ایماندار ہونے کا حق دار نہیں۔ ہجرت میں بھی یہی فلسفہ ہے کہ ناگزیر حالات میں ہمیشہ دب کر اور کمزور رہنے کے بجائے مسلمانوں کو ایسے علاقے سے ہجرت کر کے اپنی افرادی قوت کو مجتمع کر کے کفار کے مقابلے میں کھڑا ہونے کے اقدامات کرنے چاہئیں۔

ہجرت ایمان کی کسوٹی ہے:

اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے یہ ایسا مشکل اقدام ہے کہ کمزور ایمان شخص اس کے لیے اپنے آپ میں حوصلہ نہیں پاتا یہ ایمان کی ایسی کسوٹی ہے جس سے ایمان کی طاقت اور اس کے معیار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو لوگ ہجرت کے اسباب اور طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کرتے قرآن مجید نے انہیں جہنم کی وعید سنائی ہے کیونکہ انہوں نے ایمان کی نعمت، مسلمانوں کی اجتماعیت، اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر اپنے کاروبار، مکانات اور دنیاوی مفاد کو ترجیح دی ہے البتہ وہ لوگ جو ہجرت کے لیے کوئی سبیل اور وسیلہ نہیں پاتے انہیں معاف کر دینے کی امید دلائی گئی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے اور معاف فرمانے والا ہے۔

«عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ» (رواه البخاری: باب قَوْلُهُ {وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ} إِلَى {الظَّالِمِ أَهْلُهَا})

''عبید اللہ بیان کرتے ہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میرا اور میری والدہ کا شمار کمزور مرد اور عورتوں میں تھا۔''

مسائل

۱۔ شرعی عذر کے بغیر اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کرنے والے ظالم ہیں۔

۲۔ جان بوجھ کر ہجرت نہ کرنے والے کو موت کے وقت فرشتے ہجرت نہ کرنے کا طعنہ دیں گے۔

۳۔ ظالموں کے لیے جہنم بدترین ٹھکانا ہے۔ ۴۔ مجبور اور معذور لوگ ہجرت سے مستثنیٰ ہیں۔

۵۔ معذور اور مجبور لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے اور بخش دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے:

۱۔ اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ (یوسف:۲۲)

۲۔ تیرا پروردگار بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (الکہف:۵۸)

۳۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ:۲۱۸)

۴۔ اے رب ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (المومنون:۱۰۹)

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ

اور جو ہجرت کرے میں راستہ اللہ وہ پائے گا میں زمین

مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا

جگہ بہت اور کشادگی اور جو نکلے سے اپنا گھر ہجرت کرنے والا

اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ

طرف اللہ اور اس کا رسول پھر پالے اسکو موت تو تحقیق ثابت ہوگیا

اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۴ ۱۱

اس کا اجر پر اللہ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

''جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی جگہ اور گزران کی کشادگی پائے گا اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا پھر اسے موت نے آلیا تو یقیناً اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔''(۱۰۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مہاجر کو تسلی دی گئی ہے کہ گھبرانے اور دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کو ایک جگہ مقید نہیں رکھا ہوا رزق تو انسان کے ساتھ، ساتھ رہتا ہے۔ لہٰذا اللہ کے راستے میں بے دھڑک نکلو اللہ تمہارا رزق کشادہ کردے گا۔

ہجرت کا حکم دینے اور معذور لوگوں کو معاف کرنے کے اعلان کے بعد مہاجرین کو تسلی دی جارہی ہے۔ میرے نام اور کام پر بے خانماں ہونے اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے والو! دل چھوٹا کرنا نہ حوصلہ ہارنا۔ تم ایسے خالق و مالک کے حکم سے وطن چھوڑ رہے ہو جو پتھر کے کیڑے کو چٹان میں، گوشت خور درندوں کو جنگل میں، پانی کے جانوروں کو سمندر کی لہروں اور تہوں میں، پرندوں کو صحراؤں میں رزق پہنچاتا ہے۔ تم تو اشرف المخلوقات اور اس کے راستے کے راہی ہو۔ وہ تمہیں کس طرح کسمپرسی کی حالت میں رہنے دے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا' اپنے رب پر اعتماد کرو۔

ذرا یقین کی آنکھ سے تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر دیکھو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق چھوڑا تو ملک شام اور سرزمین مقدس کے مالک بنے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کا خاندان اپنے وطن سے نکلا تو سینکڑوں سال مصر کا فرمانروا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو ان کے پیروکار بیت المقدس کے حکمران ہوئے۔ غرض یہ کہ ہر دور میں اور ہر قافلۂ مہاجرین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ انہیں دنیا میں بے پناہ وسعت اور لامحدود فضل سے نوازا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ جب مہاجرین مکہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو بے خانماں اور کنگال تھے لیکن ہجرت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی روئیداد بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ ایک وقت تھا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اب

یہ حال ہے کہ مٹی اٹھاتا ہوں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ لاکھوں روپے صدقہ کیے۔ اس کے باوجود وفات کے وقت اڑھائی کروڑ کے مالک تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بے حساب صدقہ کرنے کے بعد بھی پانچ کروڑ کی جائیداد چھوڑ کر دنیا سے گئے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ پر ایک وقت وہ تھا جب مہمان کا کھانا کم ہونے کی وجہ سے بیوی کو حکم دیا کہ جب ہم کھانا شروع کریں تو دیا بجھا دینا۔ میں یوں ہی منہ سے آواز نکالتا رہوں گا تا کہ مہمان سیر ہو کر کھالے۔ پھر ایسا دور آیا کہ لاکھوں درہم کا باغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے ہیں۔ غرضیکہ جن صحابہ نے کاروبار کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں بے حساب نعمتوں سے نوازا۔ [التجارات فی الاسلام] دنیا کی نعمتوں اور وسعتوں کے ساتھ ان لوگوں کو آخرت کے اجر کی گارنٹی بھی دی گئی ہے۔ جو اپنے گھروں سے نکلے لیکن دارالہجرت نہ پہنچ پائے راستے ہی میں موت نے آلیا۔ ان میں حضرت خالد بن حزام رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی دورانِ سفر سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے دنیا سے کوچ کر گئے۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجَ ضَمْرَةُ بن جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ احْمِلُونِي فَأَخْرِجُونِي مِنْ أَرْضِ الْمُشْرِكِينَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ فَمَاتَ فِي الطَّرِيقِ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَنَزَلَ الْوَحْيُ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ (النساء آية ...) حَتَّى بَلَغَ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَحِيمًا» (مسند ابی یعلی الموصلی: باب وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا [ضعیف])

''حضرت ضمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ مدینہ کی طرف نکلے تو راستے میں وفات پا گئے جناب ابوحمزہ بن العیض زرقی نابینا تھے معذور ہونے کے باوجود مدینہ طیبہ کی طرف رواں دواں ہوئے۔ ابھی مکہ سے کچھ دور تنعیم کے مقام پر پہنچے تھے تو موت نے آلیا۔ (ابن کثیر، ابن ابی حاتم)

کفار اور منافقین نے پروپیگنڈہ کیا کہ یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس پر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور خوشخبری سنائی کہ ہجرت کے لیے اپنے گھروں سے نکلنے والے خوش نصیبوں کے اجر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیے ہیں جو ہرگز ضائع نہیں ہوں گے۔

مسائل

۱۔ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا وسعت اور کشادگی پائے گا۔

۲۔ ہجرت کے دوران فوت ہونے والے کو پورا پورا اجر ملے گا۔

تفسیر بالقرآن

ہجرت کی اہمیت:

۱۔ ہجرت کا اجر و ثواب اور فضیلت۔ (آل عمران: ۱۹۵) ۲۔ ہجرت کے دوران مرنے والے کو پورا ثواب ملے گا۔ (النساء: ۱۰۰)

۳۔ ہجرت کا دنیا میں اجر۔ (النحل: ۴۱، ۴۲) ۴۔ ہجرت نہ کرنے والوں کی سزا۔ (النساء: ۹۷، ۹۹)

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ

اور جب تم سفر کرو میں زمین پس نہیں تم پر کوئی گناہ یہ کہ قصر کرو سے نماز

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ

اگر تم کو ڈر ہو یہ کہ تمہیں ستائیں گے وہ لوگ انہوں نے کفر کیا بیشک کافر (جمع) ہیں تمہارے

عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۱۰۱ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ

دشمن کھلے اور جب آپ ہوں ان میں پھر قائم کریں ان کیلئے نماز تو چاہیے کہ کھڑی ہو

طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا

ایک جماعت ان میں سے آپ کیساتھ اور چاہیے کہ وہ پکڑ لیں اپنے ہتھیار پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو چاہئے کہ وہ ہو جائیں

مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ

سے تمہارے پیچھے اور چاہیے کہ آئے جماعت دوسری نہیں نماز پڑھی انہوں نے پس وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ

''اور جب تم سفر کے لیے نکلو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ یقیناً کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ (۱۰۱) جب آپ ﷺ ان میں ہوں اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھاؤ تو چاہیے کہ ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی رہے۔ پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمہارے پیچھے آجائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور تمہارے ساتھ نماز ادا کرے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ آیات میں جہاد اور اس کے مسائل کا ذکر ہو رہا ہے۔ حالتِ جنگ میں اور سفر کے دوران آدمی مشقت میں ہوتا ہے۔ لہٰذا جہاد اور سفر کی حالت میں نماز جیسی عظیم عبادت میں تخفیف کر دی ہے۔

ایمان لانے کے بعد مسلمان پر سب سے زیادہ زور نماز کی ادائیگی اور اس کے قیام پر دیا گیا ہے۔ قیامِ صلوٰۃ سے مراد اس کے ارکان کی سنت کے مطابق ادائیگی اور اس کے روحانی اور معاشرتی تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے ہر قسم کی رعایت بخشی گئی۔ حالتِ مجبوری میں نماز کے لیے تیمم ہی کافی سمجھا گیا۔ کسی وجہ سے قبلہ کی طرف منہ کرنا مشکل ہو تو یہ شرط بھی ختم کر دی گئی۔ نماز میں قیام اور رکوع و سجود کرنے فرض ہیں۔ (رواہ البخاری: باب اذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب) لیکن کوئی شخص کھڑا نہیں ہو سکتا تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے، بیٹھ کر نماز ادا نہیں ہوتی تو لیٹ کر ادا کرے۔ اگر یہ بھی ممکن نہیں تو اشارے کے ساتھ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن نماز چھوڑنا کفر کے مترادف قرار پایا۔ لہٰذا نماز بقائمی ہوش و حواس ہر حال میں فرض ہے اور اسے جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ ۗ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ

اور چاہیے کہ پکڑیں اپنا بچاؤ اور اپنا اسلحہ چاہتے ہیں وہ لوگ انہوں نے کفر کیا کاش

تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً

تم غافل ہو جاؤ سے تمہارے ہتھیار اور تمہارے سامان تو وہ جھک پڑیں تم پر جھکنا

وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ

یکبارگی اور نہیں گناہ تم پر اگر ہو تمہیں تکلیف سے

مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ

بارش یا تم ہو بیمار یہ کہ اتار رکھو تمہارا اسلحہ اور لے لو اپنا بچاؤ

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲

بیشک اللہ اس نے تیار کیا کافروں کے لیے عذاب ذلت والا

''اور پھر کنارہ کرے اپنے ہتھیار لیے رہے۔ کافر اس تاک میں ہیں کہ کسی طرح تم اپنے اسلحہ اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں۔ ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی حرج نہیں جب کہ تم بارش کی وجہ سے یا بیمار ہونے کی بنا پر تکلیف میں ہو مگر پھر بھی اپنے بچاؤ کی چیز ساتھ لیے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (۱۰۲)

حالت جنگ میں خوف، اضطراب اور عجلت ہوتی ہے۔ اور حالت سفر میں تھکاوٹ کے ساتھ آدمی کو منزلِ مقصود تک پہنچنے کی جلدی اور گھر سے دور ہونے کی وجہ سے اضطراب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نہایت مہربانی فرماتے ہوئے سفر میں قصر کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ حالتِ جنگ میں نا صرف نماز فرض ہے بلکہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہوا ہے چاہے اسلحہ اٹھا کر ہی پڑھنی پڑے۔ تاہم اس کی رکعات میں تخفیف کر دی گئی کہ حالتِ جنگ میں سنن اور نوافل کی ادائیگی معاف کرنے کے ساتھ فرض کی چار رکعات کو دو میں تبدیل کر دیا گیا جنگ میں نماز با جماعت کی ادائیگی کی کئی صورتیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔

شدید خوف، گھمسان کا رن یا موجودہ طرز جنگ کے مطابق فوجی اپنے اپنے مورچوں میں جس حالت میں مناسب سمجھیں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ بے شک تیمم کے ساتھ جوتوں سمیت پڑھنی پڑھے۔ مجبوری کی حالت میں قبلہ کی پابندی بھی اٹھا دی گئی۔ فرمان عالی ہے:

{ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ } (البقرۃ:۱۱۵)

''تم جس طرف اپنے چہرے کرو گے اسی طرف ہی اللہ تعالیٰ کی توجہ کارفرما ہو گی۔''

نماز:

رعایتیں اس لیے عنایت فرمائیں کہ کفار کی یہ خواہش ہے کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی غافل پا کر یکبارگی حملہ کر کے ختم کر دیں۔لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی بقا اور ہر لحاظ سے ترقی اور ان کا تحفظ چاہتا ہے۔جس وجہ سے عبادت کے دوران بھی دفاع سے غفلت کی اجازت نہیں دی گئی۔کاش مسلمان اس نکتہ کو سمجھتے ہوئے دفاعی اور حربی طاقت کو بڑھاتے اور آج غیروں کے سامنے سرنگوں اور ذلیل نہ ہوتے۔یہاں ایک اور بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے محبوب ﷺ! آپ ان میں موجود ہوں تو بنفس نفیس امامت کروائیں کیونکہ آپ کے ہوتے ہوئے کسی کا مقام نہیں کہ وہ امامت و قیادت کرے۔اسی سے استدلال کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے جسدِ اطہر کے ہوتے ہوئے صرف درود پڑھا تھا۔نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تھی۔یہاں یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ سرکاری افسران اور قوم کے رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ میں اتنی صلاحیت پیدا کریں کہ وہ امامت کروائیں۔جب سے دینی اور دنیوی قیادت الگ الگ ہوئی۔اسی وقت سے مذہب اور سیاست میں تفریق پیدا ہوئی۔سیاست بے دین لوگوں کی وجہ سے کرپشن اور فساد کا منبع بنی اور امامت غریب لوگوں کی بنا پر غیر اہم ہو گئی۔

سفری نماز:

نبی اکرم ﷺ کے اسفار کو سامنے رکھتے ہوئے مسافت کے تعین میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں امام بخاری، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ ۴۸ میل جبکہ دوسرے علماء شہر کی حدود سے باہر عرب کے ۹ میل، ہمارے پرانے ساڑھے تیرہ میل اور موجودہ پیمائش کے مطابق (تقریباً ۲۲ کلومیٹر) کے قائل ہیں۔بعض علماء علمی موشگافیوں میں پڑ کر کہتے ہیں کہ اس وقت سفر کی سہولتوں کا فقدان تھا۔آج سڑکیں ہموار اور سواریاں تیز رفتار ہیں اس وجہ سے ۹ میل کی مسافت پر قصر نہیں کرنا چاہیے بعض لوگ تو اتنی مسافت پر نماز پڑھنے کا مذاق اڑاتے ہیں۔حالانکہ معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت کے پیش نظر کوئی مخصوص علاقہ یا زمانہ نہیں ہوتا۔آج بھی پہاڑی علاقوں میں پگڈنڈیوں کے ذریعے ۹ میل بالخصوص میدانی علاقے کے رہنے والوں کے لیے دل ہلا دینے والا سفر ہے۔شریعت کا مطمعِ نظر لوگوں کو سہولتیں فراہم کرنا ہے۔لہٰذا شریعت کے مقصد کو فوت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔کیونکہ خالق کائنات کو معلوم تھا اور ہے کہ دنیا میں کون کون سی ایجادات ہوں گی۔اس لیے شریعت کو مکمل سمجھنا چاہیے اور اپنی طرف سے قیل و قال کر کے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہئیں۔

قصر کتنے دن؟

جس طرح مسافت کی تعیین میں علماء کے مختلف خیالات ہیں اسی طرح قصر کے ایام کے بارے میں اختلافات ہیں کیونکہ بعض وجوہات کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ سے قصر کے ایام میں کمی بیشی ثابت ہے جو لوگ تین سے زیادہ دن قصر کرنے کے قائل ہیں وہ اپنے موقف کی تائید میں انہی روایات کا حوالہ دیتے ہیں جو علماء تین دن کے قائل ہیں وہ ان روایات کے بارے

میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تردد کی کیفیت میں تھے جیسا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر پندرہ سے انیس دن قصر کرنے کی روایات ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ انتظامی امور نمٹانے کی وجہ سے آپ ﷺ تردد میں تھے کہ آج رخصت ہوتے ہیں یا کل۔ ایسی صورت میں پندرہ یوم کجا کئی مہینے بھی نماز قصر کی جاسکتی ہے لہٰذا تین دن کے قائل علماء کے دلائل یہ ہیں کہ آپ نے مہمان نوازی تین دن قرار دی ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الرقاق) اس کے بعد مہمان کے ساتھ مقیم جیسا سلوک کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح حج کے موقع پر آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ مکہ سے باہر رہنے والے لوگ تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں۔ (رواہ النسائی: کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر [صحیح]) کیونکہ صحابہ مکہ سے ہجرت کر چکے تھے اس لیے تین دن سے زیادہ ٹھہرنا مقیم ہونے کے مترادف ہوگا۔

سفر میں نفلی نماز:

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يَقُوْلُ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ رضی اللہ عنہم» (رواہ البخاری: کتاب الجمعۃ، باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلاۃ وقبلھا)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہا ہوں وہ سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔'' (یعنی نفل نہیں پڑھتے تھے۔)

دو نمازوں کو اکٹھا کرنا:

«عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّسِيْرَ يَوْمَهُ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّسِيْرَ لَيْلَهُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ»

(مؤطا امام مالک: باب الجمع بین الصلاتین [صحیح])

''حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب دن کے وقت سفر کا ارادہ کرتے تو ظہر اور عصر کی نماز کو جمع فرماتے اور جب رات کو سفر کرنا چاہتے تو مغرب اور عشاء کی نماز کو اکٹھا کرتے تھے۔''

مسائل

۱۔ سفر کے دوران نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ ۲۔ کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقعہ نہیں چھوڑتے۔
۳۔ کافر مسلمانوں کے کھلے دشمن ہیں۔ ۴۔ جنگ کے دوران حالت نماز میں اسلحہ پہنے رکھنے کی اجازت ہے۔
۵۔ مسلمانوں کو سستی اور غفلت کی بنا اپنے آپ پر کفار کو حملہ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔
۶۔ حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو امامت کے فرائض خود سرانجام دینے چاہئیں۔
۷۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَاِذَا	قَضَيْتُمُ	الصَّلٰوةَ	فَاذْكُرُوا	اللّٰهَ	قِيٰمًا
پھر جب	تم ادا کر چکو	نماز	تو یاد کرو	اللہ	کھڑے

وَّ	عَلٰى	جُنُوْبِكُمْ ۚ	فَاِذَا	اطْمَاْنَنْتُمْ	فَاَقِيْمُوا
اور	پر	اپنی کروٹیں	پھر جب	تم مطمئن ہو جاؤ	تو قائم کرو

اِنَّ	الصَّلٰوةَ	كَانَتْ	عَلَى	الْمُؤْمِنِيْنَ	كِتٰبًا
بیشک	نماز	ہے	پر	مومن (جمع)	فرض

مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾
وقت مقررہ

''پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو۔ یقیناً مومنوں پر نماز مقررہ وقتوں میں فرض کی گئی ہے۔'' (۱۰۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حالت جنگ اور سفر میں نماز مختصر پڑھنے کی اجازت تھی اب مقیم کو بروقت اور پوری نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ نماز کے بعد اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔

ذکر ایسی عبادت ہے کہ جسے کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ نماز بذاتِ خود بہت بڑا ذکر ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں دو مقامات پر نماز کی ادائیگی کے بعد مزید کثرت کے ساتھ یادِ الٰہی میں مصروف رہنے کا حکم فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان ہے کہ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

(رواہ البخاری: کتاب الأذان، باب ھل یتتبع المؤذن فاہ ھھنا وھھنا)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد ہے جب آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے۔ جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو پھر یہاں سے عصر کا وقت شروع ہو کر سورج کے زرد ہونے تک رہتا ہے اور نمازِ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر اس کی سرخی ختم ہونے تک ہے عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے۔ جبکہ صبح کی نماز کا وقت طلوع فجر سے لے کر سورج نکلنے تک لیکن جب سورج نکلنا شروع ہو جائے تو نماز پڑھنے سے رُک جانا چاہیے کیونکہ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔''

(مسلم: باب أوقات الصلوات الخمس)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کیا ہے۔

۲۔ نماز کی ادائیگی کے بعد چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور لیٹنے کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کے اوقات مقرر کیے ہیں جن کا خیال رکھنا فرض ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا

اور ہمت نہ ہارو میں پیچھا کرنا قوم (کفار) اگر تم ہو دکھ پہنچتا ہے تو بیشک انہیں دکھ پہنچتا ہے جیسے

تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۱۰۴

تمہیں دکھ پہنچتا ہے اور تم امید رکھتے ہو سے اللہ جو نہیں وہ امید رکھتے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

''ان لوگوں کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے تو انہیں بھی تمہاری طرح دکھ پہنچا ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ امید رکھتے ہو جو امید وہ نہیں رکھتے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکیم ہے۔'' (۱۰۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ جہاد کے مضمون سے پیوستہ۔

اس موقعہ پر جہاد کے مسائل اور احکام کا اختتام کرنے سے پہلے مجاہدین کو خصوصی نصیحت کے طور پر فرمایا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہیں جہاد کے راستے میں مشکلات پہنچیں ہیں لیکن سوچو کہ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو وہ بھی زخمی ہوئے ہیں۔ لیکن یاد رکھو تمہارے دشمن اس سے دگنی مشکلات میں مبتلا ہیں۔ اگر بدر واُحد کو ملا کر دیکھا جائے تو وہ تم سے زیادہ قتل اور زخمی ہوئے ہیں۔ اگر وہ تمہارا تعاقب کرنے میں سست اور بزدل نہیں ہوئے تو تمہیں بھی سستی اور بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا وعدہ کیا ہے لہٰذا جس رحمت کی تم امید رکھتے ہو وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو مجاہد کو کثرت وقلت اور بے سروسامانی کی پرواہ کیے بغیر کفار کے مقابلہ میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اسی کی بدولت مسلمان کفار پر غالب آتے رہے ہیں۔ جس کی تاریخ میں سینکڑوں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ آج بھی مسلمان اسی جذبہ کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

«عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقَى تَمَرَاتٍ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ» (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد)

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے غزوۂ اُحد کے دن نبی کریم ﷺ سے پوچھا اگر میں شہید ہو جاؤں تو میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: جنت میں۔ اس کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں اس نے انہیں پھینک دیا پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔''

مسائل

۱۔ زخمی ہونے کے باوجود مجاہدین کو حالتِ جنگ میں ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔

۲۔ مجاہد اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے جبکہ کافر کو کوئی امید نہیں ہوتی۔

اِنَّآ	اَنْزَلْنَآ	اِلَيْكَ	الْكِتٰبَ	بِالْحَقِّ	لِتَحْكُمَ	بَيْنَ	النَّاسِ
بیشک ہم	ہم نے نازل کی	آپکی طرف	کتاب	حق کیساتھ	تاکہ آپ فیصلہ کریں	درمیان	لوگ

بِمَآ	اَرٰىكَ	اللّٰهُ ؕ	وَلَا تَكُنْ	لِّلْخَآئِنِيْنَ	خَصِيْمًا ۙ﴿۱۰۵﴾	وَّاسْتَغْفِرِ
اسکے ساتھ جو	دکھائے آپ کو	اللہ	اور نہ ہوں آپ	خیانت کرنیوالوں کیلئے	جھگڑنے والا	اور بخشش مانگیں

اللّٰهَ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	كَانَ	غَفُوْرًا	رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾
اللہ	بیشک	اللہ	ہے	بخشنے والا	مہربان

''یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ اللہ نے جو سیدھا راستہ آپ کو دکھایا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرو اور خیانت کرنے والوں کی حمایت کرنے والا نہ ہو جانا۔ (۱۰۵) اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (۱۰۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: امت کو خارجی خطرات سے بچانے کے لیے اسلحہ کی تیاری اور مسلسل جہاد کی ضرورت ہے۔ داخلی انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے سب کے لیے قانون شریعت یکساں طور پر نافذ کرنا اور کرپٹ لوگوں کی طرفداری سے بچنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید صرف اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ اسے گلدانوں میں سجا کر رکھ دیا جائے۔ نزولِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ عوام کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتے ہوئے اسے اللہ کا قانون سمجھ کر اللہ کے بندوں پر نافذ کرنا ہے۔ تاکہ انفرادی اور اجتماعی معاملات عدل و انصاف کے ساتھ چلتے رہیں۔ باہمی اختلاف کی صورت میں قرآن مجید ہی ان کے درمیان فیصل ہو۔ اسی لیے تورات و انجیل نازل کی گئی تھیں۔ جس معاشرے میں قرآنِ مجید کا حکم جاری نہیں ہوتا ایسے لوگوں کو ظالم، فاسق اور کافر قرار دیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل سورۃ المائدہ آیت ۴۵ تا ۵۰ میں بیان ہوئی ہے۔

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِيْ بِلَادِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ» (رواہ ابن ماجہ: کتاب الحدود، باب إقامة الحدود [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی حدود میں سے کسی حد کو ملک میں نافذ کرنا چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔''

یہاں ایک پیش آمدہ واقعہ اور مقدمہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ کو ہدایات دی گئی ہیں جو عدل و انصاف کے اصولوں کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جج کا غیر جانب دار ہونا، کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کرنا، وکیل ہو یا رشتہ دار اس کا مجرم کی حمایت سے اجتناب کرنا، شہادتوں کا درست ہونا۔ یہ وہ چار بنیادی تقاضے ہیں جن کے بغیر کسی معاشرے میں عدل و

انصاف کا بول بالا نہیں ہوسکتا۔

جج کو اپنی معلومات کے مطابق صحیح فیصلہ کرنا چاہیے اگر وہ بے علمی میں غلط فیصلہ کرتا ہے تو اس کا سارا گناہ غلط معلومات دینے والوں پر ہوگا۔ جانتے بوجھتے غلط فیصلہ کی بنیاد پر لیا ہوا مال حلال نہیں آگ کا ٹکڑا ہوگا۔ آپ ﷺ فیصلہ کرنے سے پہلے بعض اوقات یہ بات بیان بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے:

«عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ وَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ» (رواہ البخاری: کتاب الحیل، باب إذا غصب جارية فزعم أنها ماتت)

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا تم میرے پاس اپنے فیصلے لے کر آتے ہو میں ایک بشر ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تم میں کوئی دوسرے سے دلائل پیش کرنے میں زیادہ مہارت رکھتا ہو۔ میں تو اسی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہوں جو بات سنتا ہوں میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں۔ تو وہ اسے نہ لے کیونکہ میں اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ ۲۔ کسی شخص کو مجرم کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنی چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی رحیم اور بخشنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامِ عدل:

۱۔ فیصلہ انصاف سے کرنا چاہیے۔ (النساء:۵۸) ۲۔ فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے۔ (المائدۃ:۴۹)
۳۔ اللہ کا حکم نافذ نہ کرنے والے کافر ہیں۔ (المائدۃ:۴۴) ۴۔ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔ (المائدۃ:۴۵)
۵۔ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے فاسق ہیں۔ (المائدۃ:۴۷)

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اورنہ جھگڑیں آپ سے جولوگ خیانت کرتے ہیں اپنےنفسوں سے بیشک اللہ نہیں

يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ

دوست رکھتا جو ہو خائن گنہگار وہ چھپاتے ہیں سے لوگ

وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا

اورنہیں چھپاسکتے سے اللہ اوروہ ان کیساتھ جب وہ راتوں کومشورہ کرتے ہیں جو

لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

نہیں پسندکرتا سے بات اورہے اللہ اسکےساتھ جو وہ کرتے ہیں گھیرے ہوئے

''اوران لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو اپنے آپ میں خائن ہیں۔ یقیناً دغاباز، گنہگار کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔(۱۰۷) وہ لوگوں سے چھاتے ہیں، مگر وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں چھاسکتے۔ جب وہ رات کے وقت ناپسندیدہ باتوں کے بارے میں خفیہ مشورے کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے۔''(۱۰۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہونے والے مقدمہ کی روئیداد اس طرح ہے کہ انصار قبیلہ کے بنی ظفر خاندان میں سے ایک شخص نے انصاری کے گھر سے آٹے کی بوری اور ایک زرہ چوری کر لی۔ جب اس کا کھوج شروع ہوا تو اس نے اپنے آپ کو الزام سے بچانے کے لیے چوری کا سامان ایک یہودی کے گھر میں امانت کے طور رکھ دیا۔ اہلِ محلہ نے سامان یہودی کے گھر پا کر اسے چور ٹھہرایا لیکن یہودی نے انصاری کا نام لیا۔ جس پر انصاری کے رشتے داروں نے مل بیٹھ کر مشورہ کیا کہ رسول معظم ﷺ کے سامنے یہودی کو چور ثابت کیا جائے۔ جب مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا تو انہوں نے یہودی کو چور ثابت کر دیا۔ قریب تھا کہ آپ یہودی پر حد جاری کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نبی! یہ آپ کی شان نہیں کہ آپ خائن اور بددیانت لوگوں کی حمایت کریں۔ اب تک جو کچھ ہوا اس پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے آئندہ آپ کی طرف سے خائن لوگوں کی حمایت نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خائن اور مجرموں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگ دوسروں سے تو اپنے گناہ اور جرائم چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں چھپا سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار اور علم کے لحاظ سے ہر وقت لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جہاں تک یہ لوگ رات کے وقت ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوتی ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کی ہر بات اور عمل کا احاطہ کیے ہوتا ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ فَذَكَرَ الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ قَالَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ وَعَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ» (رواہ البخاری: کتاب الجہاد والسیر، باب الغلول وقول اللہ تعالیٰ ومن یغلل یأت بما غل)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر خیانت کا تذکرہ کرتے ہوئے خیانت اور ایسے معاملہ کو خطرناک قرار دیتے ہوئے فرمایا میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری ممیا رہی ہو اور کسی کی گردن پر گھوڑا ہنہنا رہا ہو وہ مجھ سے کہے اللہ کے رسول! میری مدد کیجیے۔ میں کہوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ میں نے تجھے پہنچا دیا اور کسی کی گردن پر اونٹ آواز نکال رہا ہو اور اس کا چور کہے اللہ کے رسول میری مدد کیجئے۔ تو میں کہوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا میں نے تجھے آگاہ کر دیا تھا۔''

مسائل

۱۔ خائن لوگوں کی حمایت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔
۲۔ آدمی لوگوں سے چھپ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے نہ چھپ سکتا ہے اور نہ کچھ چھپا سکتا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار، اختیار اور علم کی بنا پر ہر آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتا ہے:

۱۔ انسان جہاں کہیں بھی ہو اس کی ہر حرکت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے۔ (الحدید: ۴۔ التوبہ: ۴۰)
۲۔ اللہ تعالیٰ انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ (ق: ۱۶، الواقعہ: ۸۵)
۳۔ انسان جدھر بھی رخ کرے اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف ہوتی ہے۔ (البقرۃ: ۱۱۵)
۴۔ آدمی جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ (الحدید: ۴)
۵۔ آدمی تین ہوں تو چوتھا اللہ ہوتا ہے پانچ ہوں تو چھٹا اللہ ہوتا ہے اس سے زیادہ ہوں یا کم اللہ تعالیٰ ہر وقت آدمی کے پاس ہوتا ہے۔ (المجادلہ: ۷)

خائن کا انجام:

۱۔ خائن قیامت کے دن اپنی خیانت کے ساتھ پیش ہوگا۔ (آل عمران: ۱۶۱)
۲۔ خائن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ (الانفال: ۵۸)

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ

خبردار تم وہی تم نے جھگڑا کیا ان سے میں دنیوی زندگی سوکون جھگڑے گا

اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ

اللہ انکے بارے دن قیامت یا کون ہوگا ان پر وکیل اور جو

يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ

کام کرے برا یا ظلم کرے اپنی جان پر پھر بخشش چاہے اللہ وہ پائے گا

اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ

اللہ بخشنے والا مہربان اور جو کمائے گناہ تو فقط وہ کماتا ہے اپنی جان پر

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا

اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا اور جو کمائے غلطی یا گناہ

ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾

پھر تہمت لگادے اسکے ساتھ بے گناہ تو تحقیق اس نے اٹھایا بہتان اور گناہ صریح

''ہاں تم وہ لوگ ہو کہ دنیا میں ان کی حمایت کرتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا یا کون ہوگا ان کا ذمہ دار۔(۱۰۹) جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار طلب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا، مہربان پائے گا۔(۱۱۰) اور جو گناہ کرے اس کا بوجھ کرنے والے پر ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔(۱۱۱) اور جو گناہ یا خطا کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ لگائے اس نے بڑا بہتان اٹھایا اور واضح گناہ کیا۔''(۱۱۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جن لوگوں نے عزیز داری کی بنیاد پر چور کی حمایت اور تعصب کی بنا پر یہودی پر الزام لگایا تھا۔ اب انہیں مخاطب کیا جارہا ہے کہ تم ایسے لوگ ہو جو طرف داری اور تعصب کی بنیاد پر مجرم کے حق میں جھگڑتے ہو۔ بتاؤ قیامت کے دن رب ذوالجلال کے سامنے مجرموں کی طرف سے کون جھگڑا اور ان کی وکالت کر سکے گا؟

اس فرمان کا صاف مطلب ہے کہ کسی شخص کو مجرم کی پاسداری اور اس کے جرم کی وکالت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ فرمان ہر وکیل کے لیے تازیانۂ عبرت رکھتا ہے۔ اس کے بعد چار مرتبہ لفظ ''مَنْ'' استعمال کیا کہ دنیا میں کوئی بھی جان بوجھ کر یا بھول کر گناہ کرے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اسے معاف فرمادے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف

کرنے اور بڑی شفقت فرمانے والا ہے۔اس کے بعد پھر فرمایا کہ جو بھی گناہ کرے گا اس کا بوجھ دنیا اور آخرت میں اسے ہی اٹھانا پڑے گا۔اس سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم فلاں کے واسطے اور وسیلے سے نجات حاصل کرلیں گے اور بزرگوں کے طفیل ضرور جنت میں داخل ہوں گے۔قرآن مجید مختلف پیرائے میں یہ بات سمجھاتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا لہٰذا پیر ہو یا مرید، علماء ہو یا مقتدی ہر کسی کو اپنے اپنے اعمال کی جزا یا سزا پانا ہوگی۔ ہر شخص کو خوب جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیت وعمل کو اچھی طرح جانتا ہے۔اور جس شخص نے کوئی غلطی یا گناہ کیا اور پھر اس کا الزام ایسے آدمی پر لگایا جو اس سے بری الذمہ ہے۔ایسے شخص نے بیک وقت تہمت لگانے اور گناہ میں ملوث ہونے کا ارتکاب کیا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھلا گناہ ہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت {وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ}''اے نبی ﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ خرید لو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچا نہیں سکوں گا، اے بنی عبدِ مناف میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ پہنچا نہیں سکوں گا، اے عباس بن عبدالمطلب میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ کفایت نہیں کرسکوں گا، اور اے صفیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ کفایت نہیں کرسکوں گا، اور اے فاطمہ (محمد ﷺ کی بیٹی)! مجھ سے میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکوں گا۔''

(رواہ البخاری: کتاب الوصایا، باب ھل یدخل النساء والولد فی الأقارب)

مسائل

۱۔ قیامت کے دن کوئی کسی کی غلط حمایت نہیں کرسکے گا۔ ۲۔ گناہ سرزد ہونے کے بعد انسان کو فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر کسی کو معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔
۴۔ توبہ نہ کرنے کی صورت میں ہر کسی کو اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا اور اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔
۶۔ اپنے گناہ کو دوسرے کے ذمہ لگانے والا بہتان اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

گناہوں کا بوجھ خود اٹھانا ہوگا:

۱۔ کوئی نفس کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔(الانعام: ۱۶۴) ۲۔ ہر ایک اپنے معاملے کا خود ذمہ دار ہے۔(البقرہ: ۱۴۱)
۳۔ عزیز واقارب اور ہر کوئی ایک دوسرے سے بھاگ جائے گا۔(عبس: ۳۴، ۳۶)
۴۔ روزِ محشر دوست کام نہ آئیں گے۔(البقرہ: ۲۵۴)

وَلَوْ	لَا	فَضْلُ اللّٰهِ	عَلَيْكَ	وَرَحْمَتُهٗ	لَهَمَّتْ	طَّآئِفَةٌ	مِّنْهُمْ
اور اگر	نہ	اللہ کا فضل	آپ پر	اور اس کی رحمت	تو قصد کیا تھا	ایک جماعت	ان میں سے
اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ	وَمَا	يُضِلُّوْنَ	اِلَّآ	اَنْفُسَهُمْ	وَمَا	يَضُرُّوْنَكَ
یہ کہ آپ کو گمراہ کر دیں	اور نہیں	وہ گمراہ کرتے	مگر	اپنے آپ	اور نہیں	بگاڑ سکتے آپ کا
مِنْ	شَيْءٍ ؕ	وَاَنْزَلَ	اللّٰهُ	عَلَيْكَ	الْكِتٰبَ	وَالْحِكْمَةَ	وَعَلَّمَكَ
سے	کچھ	اور نازل کی	اللہ	آپ پر	کتاب	اور حکمت	اور آپ کو سکھایا
مَا	لَمْ تَكُنْ	تَعْلَمُ ؕ	وَكَانَ	فَضْلُ اللّٰهِ	عَلَيْكَ	عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾
جو	نہیں تھے	آپ جانتے	اور ہے	اللہ کا فضل	آپ پر	بڑا

''اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان کی ایک جماعت نے تمہیں بہکانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ اور وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ ہی کو اور یہ آپ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت اتاری اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جسے آپ نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔'' (۱۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خطاب جاری ہے۔

پہلے بیان ہونے والے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے پیغمبر ﷺ! اگر اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل وکرم نہ ہوتا تو ان میں سے ایک گروہ نے آپ کو عدل وانصاف کے راستے سے ہٹا دینے کا پکا منصوبہ بنا لیا تھا۔ اگر آپ ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ صادر فرما دیتے تو اس سے آپ کی سیرت پر حرف گیری ہوتی اور عدل وانصاف کا ترازو جھک جاتا۔ تاہم آپ کی ذات اقدس کا حقیقتاً نقصان نہ ہوتا کیونکہ آپ نے ظاہری شواہد کے مطابق فیصلہ کرنا تھا۔

معلوم ہوا کہ اگر جج سے غلط معلومات اور جھوٹی شہادتوں کے ذریعے ناحق فیصلہ کروالیا جائے تو وہ عنداللہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ البتہ آدمی کو شعوری اور لاشعوری طور پر ہونے والے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ جیسا کہ اوپر کی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے۔ لیکن سچ کو جھوٹ بنانے اور دوسروں پر الزام لگانے والے مجرم دنیا اور آخرت میں ضرور نقصان اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بروقت اس واقعہ کی حقیقت بتائی اور کتاب وحکمت عطا فرما کر وہ کچھ سکھلا دیا جو آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے۔ کسی شخص کو اللہ کی طرف سے کسی غلطی پر بروقت رہنمائی ہونا اس پر ''اللہ'' کا بڑا ہی فضل ہوا کرتا ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا اتنا فضل ہوا کہ دُنیا اور آخرت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہوگا ''مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' کے الفاظ سے ان لوگوں کے باطل عقیدہ کی نفی ہوتی ہے جو آپ کی ذات کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ جو ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ جانتے تھے جیسا کہ ضیاء القرآن کے مفسر نے ابنِ

جریر کے ضعیف قول سے اپنے عقیدے کو تقویت دینے کی ناکام کوشش کی ہے لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ''مَاکَانَ'' اور ''مَاھُوَ کَائِنٌ'' کا علم عطا فرمایا گیا تھا پھر انہوں نے مسلم شریف کی حدیث سے غلط مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب کچھ جانتے تھے حالانکہ خود ہی لکھتے ہیں:

''قرآنِ مجید نے کئی موقعوں پر آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کی ہے یہاں تک آپ کے بارے میں سورۃ الشوریٰ میں فرمایا کہ اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے نازل کیا اس سے پہلے نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے۔ اور بلاشبہ آپ رہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔''

{ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۭ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸ } (الأعراف:۱۸۸)

''آپ فرمادیں کہ ''مجھے خود اپنے نفع یا نقصان کا اختیار نہیں مگر اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو محض ایک ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں، ان کے لیے جو ایمان لے آئیں۔''

{ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۹ } (الانعام:۵۹)

''اور غیب کی چابیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا بحر و بر میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے اور کوئی پتہ تک نہیں گرتا جسے وہ نہ جانتا ہو نہ ہی زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو اور تر اور خشک جو کچھ بھی ہو سب کتابِ مبین میں موجود ہے۔''

مسائل

۱۔ دوسرے کو گمراہ کرنے والا خود گمراہ اور نقصان میں رہتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور وہ کچھ سکھلایا جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبی محترم ﷺ کے خلاف سازشیں:

۱۔ نبی ﷺ کو قتل اور ملک بدر کرنے کی سازش۔ (الانفال:۳۰)

۲۔ نبی ﷺ کو اللہ کی ہدایت سے پھیر دینے کی سازش۔ (البقرۃ:۱۰۹)

۳۔ منافقین کی سازش مسجد ضرار۔ (التوبہ:۱۰۷) (مزید دیکھیے البقرہ ۱۰۵)

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ

نہیں کوئی بھلائی میں اکثر سے ان کی سرگوشیاں مگر جو حکم دے

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ

خیرات کا یا اچھی بات کا یا اصلاح کرانا لوگوں کے درمیان اور جو کرے

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

یہ تلاش کرنا اللہ کی رضا سوعنقریب ہم اسے دیں گے ثواب بڑا

''ان کی اکثر سرگوشیاں خیر سے خالی ہیں۔ سوائے اس کے جو صدقہ کا یا نیک بات کا، یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے یہ کرے اسے ہم یقیناً اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔'' (۱۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کے کردار کے مختلف پہلو بیان کرنے کے ساتھ ان کی مجالس میں ہونی والی سازشوں کو طشت از بام کیا ہے۔

بُرے لوگوں کی مجالس بھی اکثر طور پر بُری ہی ہوا کرتی ہیں۔ خاص کر ان کی خفیہ مجالس کبھی شر سے خالی نہیں ہوا کرتیں۔ ایسے لوگ برائی، بے حیائی، چوری چکاری، سازش اور شرارت کے لیے ہی سوچ و بچار کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کی مجلس کو لوہار کی بھٹی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

«عَنْ أَبِي مُوسٰى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيْرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيْحًا خَبِيْثَةً»

(رواہ البخاری: کتاب الذبائح والصید، باب المسک)

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اچھے اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی میں پھونکنے والے کی طرح ہے۔ کستوری بیچنے والا یا تو تمہیں تحفہ دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا تم اس سے اچھی خوشبو پاؤ گے اور بھٹی میں پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا اس سے بُری بو محسوس کرے گا۔''

قرآنِ مجید نے ایسی مجالس کو خیر سے خالی قرار دیا ہے۔ سوائے اس کے جن میں صدقہ و خیرات، اچھے کام اور لوگوں کی فلاح اور اصلاح کے بارے میں کوئی پروگرام ترتیب دیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں اس آیت میں باہم مل بیٹھنے اور مجالس کی غرض و غایت کا اشارہ دیا ہے کہ بُرے لوگوں کو مل کر سازش اور شرارت کے منصوبے بنانے کی بجائے نیکی اور خیر کے پروگرام ترتیب دینے چاہئیں یہ پروگرام محض نمود و نمائش کے لیے نہیں بلکہ ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی نیت ہونی

چاہیے۔رسول اللہ ﷺ نے ایک موقعہ پر چوراہوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سماجی اور معاشرتی مجبوریوں کا ذکر کیا آپ نے ہدایت فرمائی کہ اگر تمہارے لیے چوراہوں میں بیٹھنا ناگزیر ہو تو تمہیں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدِ نِ الْخُدْرِيِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ قَالُوا يَارَسُوْلَ اللهِ! مَالَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَآ أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهُ قَالُوْا وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ» (رواہ مسلم: کتاب السلام، باب من حق الجلوس علی الطریق رد السلام)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا رستوں اور چوراہوں میں بیٹھنے سے بچا کرو۔صحابہ نے عرض کی کہ اللہ کے رسول! بیٹھنا ہماری مجبوری ہے ہم وہاں تبادلہ خیال کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر تمہارا بیٹھنا ضروری ہے تو راستے کا حق ادا کیا کرو۔صحابہ نے اس کا حق پوچھا تو آپ نے فرمایا نظر نیچی رکھنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔''

مسائل

۱۔ بے دین لوگوں کی اکثر مجالس خیر سے خالی ہوتی ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کام کرنے والا بڑا اجر پائے گا۔
۳۔ مجالس میں لوگوں کی فلاح و بہبود اور اچھے کاموں کی مشاورت اور منصوبہ بندی ہونی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

یہود و نصاریٰ اور کفار کی مجالس:

۱۔ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے دوغلی پالیسی اختیار کرنا۔(البقرۃ:۱۴)
۲۔ نئے مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے سازشیں کرنا۔(آل عمران:۷۳)
۳۔ مسلمانوں کو ارتداد کی طرف لانے کے لیے کوششیں اور منصوبے بنانا۔(البقرۃ:۲۱۷)
۴۔ زمین میں فساد کرنے کی کوشش کرنا۔(البقرۃ:۲۰۵) ۵۔ یہود و نصاریٰ کی سرگرمیاں۔(المجادلہ:۸)

وَمَنْ	يُّشَاقِقِ	الرَّسُوْلَ	مِنْۢ	بَعْدِ	مَا	تَبَيَّنَ
اور جو	مخالفت کرے	رسول	سے	بعد	جو	ظاہر ہو چکی

لَهُ	الْهُدٰى	وَيَتَّبِعْ	غَيْرَ	سَبِيْلِ	الْمُؤْمِنِيْنَ	نُوَلِّهٖ
اس کیلئے	ہدایت	اور چلے	خلاف	راستہ	مومن (جمع)	ہم پھیر دینگے

مَا	تَوَلّٰى	وَنُصْلِهٖ	جَهَنَّمَ ؕ	وَسَآءَتْ	مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾
جو	اس نے اختیار کیا	اور ہم اسے داخل کرینگے	جہنم	اور بری	پہنچنے کی جگہ

''جو شخص راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے سے الگ راستہ اختیار کرے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرنا چاہتا ہے اور دوزخ میں ڈال دیں گے۔ وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔'' (۱۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو لوگوں کے لیے رہنما اور مقتدا بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی پیروی اور اتباع کو اپنی اتباع قرار دیا، اپنی محبت اور بخشش کو رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔ اس لیے جلوت اور خلوت میں رسول کی اتباع ہر مسلمان پر فرض ہے۔

جو شخص یا جماعت رسول کی ہدایت اور سنت سامنے ہونے کے باوجود رسول معظم ﷺ کی پیروی سے انحراف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو چھوڑتے ہیں وہ لوگ جدھر چاہیں اور جس طرح چاہیں منہ اٹھا کر چل نکلیں وہ جہنم میں ہی گرنے والے ہیں جو بدترین جائے قرار ہے۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے اتباعِ رسول کے ساتھ صحابہ کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسالت مآب ﷺ سے براہِ راست رہنمائی اور فیض حاصل کیا۔ البقرۃ آیت ۱۳ اور آیت ۱۳۷ میں ان کے ایمان کو ہمیشہ کے لیے مثال اور نمونہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: {فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا} (البقرۃ:۱۳۷) ''اگر وہ تمہارے یعنی صحابہ جیسا ایمان لے آئیں تو یقیناً وہ ہدایت سے سرفراز ہو جائیں گے۔''

اس لیے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس کام پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو۔ وہ امت کے لیے دلیل اور واجبِ اتباع ہوگا۔ بعض لوگ حدیث رسول ﷺ اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر کسی ایک صحابی کے انفرادی عمل کو اپنے لیے قابلِ حجت سمجھتے ہیں۔ جو سراسر قرآن کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ جہاں تک کسی صحابی کے انفرادی عمل کا تعلق ہے اگر وہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس کی تاویل کرنا ہوگی کہ اس صحابی کو رسول معظم ﷺ کا فرمان نہیں پہنچا، یا اُسے سمجھنے میں سہو ہوئی ہے۔ جس کی مثال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تین دن سے زیادہ کسی چیز کو گھر میں رکھنا خلافِ شرع سمجھنا ہے۔ بعض لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے ایک آدھ انفرادی عمل کو اپنے لیے حجت قرار دیتے ہیں۔ تائید کے طور پر حدیث رسول پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ، فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ» (جامع الاصول من احادیث الرسول [موضوع])

''میرے صحابہ ہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں جس نے کسی صحابی کی پیروی کی وہ ہدایت پا جائے گا''

حالانکہ یہ روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے۔

«عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ»

(رواہ البخاری: باب لا یَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ)

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا میرے زمانہ کے لوگ سب سے بہتر ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد کچھ لوگ آئیں گے، جن کی گواہی کی قسم سے، اور ان کی قسم ان کی گواہی سے سبقت لے جائے گی۔''

جہاں تک کسی دور کے علماء کے اجماع کا تعلق ہے وہ قرآن وسنت کے تابع ہو تو قابل حجت ہوگا۔ بصورتِ دیگر اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ شریعت میں دلیل معیار ہے اقلیت اور اکثریت معیار نہیں۔ لہٰذا صحابہ کا اجتماعی طرزِ فکر اور عمل امت کے لیے حجت ہے۔ سورہ فاتحہ کے آخری کلمات اسی راستے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جو اس راستے سے جتنا ہٹے گا اتنا ہی گمراہی کی طرف جائے گا۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

{ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ } (الصف:۵)

''جب وہ سیدھی راہ سے ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں میں کجی پیدا کر دی۔''

{ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱۰ } (الانعام:۱۱۰)

''انہیں ان کی سرکشی میں رہنے دیتے ہیں اور وہ حیران پھرتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے راستے کو چھوڑنا جہنم کا راستہ اپنانے کے مترادف ہے۔ ۲۔ جہنم بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

اتباعِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

۱۔ انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلنے کی دعا۔ (الفاتحہ:۶) ۲۔ صحابہ کا ایمان ہدایت کی کسوٹی۔ (البقرۃ:۱۳۷)

۲۔ مومن کو مومنوں کا دوست ہونا چاہیے۔ (التوبۃ:۷۱) ۳۔ الٰہی ہمیں شاہدین کے ساتھ لکھنا۔ (آلِ عمران:۵۳)

۵۔ موت کے بعد نیک لوگوں کی رفاقت۔ (آلِ عمران:۱۹۳) ۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا۔ (یوسف:۱۰۱)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

بیشک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کا اور بخشے گا جو سوا اس

لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

جسکے لیے وہ چاہے گا اور جو شریک ٹھہرائے اللہ کا توتحقیق وہ گمراہ ہوا گمراہی دور

''ہرگز نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے البتہ شرک کے علاوہ جس کے چاہے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔'' (۱۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نئے خطاب کا آغاز۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا انکار کرنا کفر ہے اور اس کی ذات وصفات اور عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے جو سب سے بڑا گناہ، ظلمِ عظیم اور پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ شرک کرنے والے ہمیشہ، ہمیش جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔

کفر وشرک کے سوا اللہ تعالیٰ جسے چاہے اور جو چاہے معاف فرما دے گا اس میں حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ خاص کر ایسا شخص جو دوسروں کے حق کی ادائیگی اور اپنی زیادتی کی تلافی کرنا چاہتا تھا لیکن غفلت یا عدمِ وسائل کی وجہ سے تلافی نہیں کر سکا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اسے معاف فرما کر حق دار کی دادرسی فرما دے گا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں کئی مقامات میں رسولِ معظم ﷺ کا فرمان درج ہے جس میں آپ نے توحید کی برکات کا یوں ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محشر کے میدان میں اعلان فرمائیں گے جو دنیا میں کسی کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پاس چلا جائے۔ مشرک اپنے اپنے پیروں اور معبودوں کے پاس چلے جائیں گے لیکن کچھ لوگ کھڑے رہیں گے۔ جن میں فاجر لوگ بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرمائیں گے کہ تم کیوں نہیں جاتے؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم دنیا میں تیرے ساتھ کسی کو مشکل کشا، حاجت روا، دستگیر اور آپ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتے تھے اب بھی تیری ذاتِ کبریا کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ چنانچہ شرک سے اجتناب کرنے اور توحید کے صلہ میں انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ (رواہ مسلم: باب معرفۃ طریق الرؤیۃ)

مسائل

۱۔ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں دوسروں کو شریک کرنا شرک ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والا انتہا درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک کے نقصانات:

۱۔ شرک بدترین گناہ ہے۔ (النساء: ۴۸) ۲۔ شرک ظلم عظیم ہے۔ (لقمان: ۱۳)
۳۔ شرک سے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ (الزمر: ۶۵) ۴۔ شرک کے بارے میں انبیاء کو انتباہ۔ (الانعام: ۸۸)
۵۔ شرک کرنے سے آدمی ذلیل ہو جاتا ہے۔ (الحج: ۳۱) ۶۔ مشرک پر جنت حرام ہے۔ (المائدۃ: ۷۲)

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

نہیں وہ پکارتے سے اسکےعلاوہ مگرمؤنث(جمع) اورنہیں وہ پکارتے مگر شیطان سرکش

''یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف دیویوں کی پرستش کرتے ہیں۔حقیقت میں یہ صرف باغی شیطان کو پوجتے ہیں۔''(۱۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔مشرک صرف ایک ''اللہ'' کو پکارنے کی بجائے اس کے ساتھ دوسروں کو بھی پکارتا ہے حقیقت میں جو شیطان کو پکارتا ہے۔

یہاں شرک کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ دیویوں کی عبادت کرتے ہیں جو حقیقتاً شیطان کی عبادت کرنے کے مترادف ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔دنیا میں سب سے پہلے شرک نوح علیہ السلام کی قوم میں پیدا ہوا۔جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنے بزرگوں کے مجسمے تراشے ان میں سب سے بڑے بت کا نام سواع تھا سواع عورت کی شکل پر بنایا گیا اس کا معنی ہے ''انتظام وانصرام کرنے والی دیوی''۔مشرکینِ مکہ لات،منات اور عزیٰ کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ بناتے تھے۔یہ سب کے سب عورتوں کے نام ہیں۔ہندوؤں اور بدھ مت کے مندروں میں جا کر ملاحظہ فرمائیں جن مورتیوں کو وہ اللہ کا اوتار سمجھتے ہیں ان کی شکلیں نہایت ہی پرکشش،جاذب نظر اور خوبصورت عورتوں کے مشابہ بنائی گئی ہیں۔یونان میں بھی دیویوں کی پوجا ہوتی تھی اور بعض قومیں فرشتوں کی اس لیے عبادت کرتی ہیں کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی پاک اور خوبصورت بیٹیاں گردانتے ہیں۔گویا کہ دنیا میں ہر دور کے مشرکوں کی اکثریت عورتوں کی پرستار رہی ہے۔یہاں تک کہ عیسائی بھی حضرت مریم کو اللہ تعالیٰ کی بیوی یا ذات کبریا کا حصہ سمجھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں۔جس کی اللہ تعالیٰ نے یوں تردید فرمائی:اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمان کو کسی نمونے اور اسباب کے بغیر پیدا کرنے والا ہے لہٰذا اس کی اولاد اور بیوی کس طرح ہوسکتی ہے؟اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔[الانعام:۱۰۲] سورۂ اخلاص میں بڑے سادہ اور مختصر الفاظ میں ہر قسم کے شرک کی تردید کی گئی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارنے والے عورتوں اور شیطان کو پکارتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مشرک شیطان کی عبادت کرتا ہے:

۱۔ اے بنی آدم!شیطان کی عبادت نہ کرو۔(یٰس:۶۰)۲۔ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو شیطان کی عبادت نہ کرنے کی تلقین۔(مریم:۴۴)

بتوں کے نام عورتوں کے نام پر:

۱۔ مشرک ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔(النجم:۲۸)

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے بتوں کے نام۔(نوح:۲۳)۳۔مشرکین مکہ کے بتوں کے نام۔(النجم:۱۹،۲۰)

وقف لازم

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس نے کہا میں ضرور لوں گا سے تیرے بندے حصہ مقررہ

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ

اور انہیں ضرور بہکاؤں گا اور انہیں ضرور امیدیں دلاؤں گا اور انہیں ضرور حکم دوں گا وہ ضرور چیریں گے کان

الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ

جانور (جمع) اور انہیں ضرور حکم دونگا تو وہ ضرور بدلیں گے اللہ کی تخلیق اور جو پکڑے شیطان

وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ ﴿۱۱۹﴾

دوست سے اللہ کے سوا تو تحقیق وہ نقصان میں پڑا نقصان صریح

''(وہ اس شیطان کی عبادت کرتے ہیں) جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس نے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ (۱۱۸) اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں کہوں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں۔ سنو جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ کھلم کھلا نقصان میں پڑ جائے گا۔'' (۱۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شرک دراصل شیطان کا حکم ماننا اور اس کی عبادت کرنا ہے۔ شیطان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اس بنا پر مشرک پر بھی اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

شیطان نے صرف آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ وہ جرم پر جرم کرتا چلا گیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر معذرت کرنے کی بجائے اپنے جرم کے دلائل دیتے ہوئے قسمیں اٹھائیں کہ میں ہر حال میں بنی نوع انسان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کثیر تعداد کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ میں انہیں پرکشش اور دلفریب اُمیدیں دلاؤں گا اور انہیں جانوروں کے کان چیرنے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کا حکم دوں گا۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک مشرک یہی کچھ کرتے آئے ہیں کہ جن جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر وقف کرتے ہیں ان کے کان چیر کر مخصوص نشان لگاتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس نے شیطان کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا خیر خواہ اور دوست بنایا وہ بھاری اور صریح نقصان میں پڑ گیا۔

{ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ } (الأعراف:۱۶،۱۷)

''شیطان نے کہا تو نے مجھے اس کی وجہ گمراہی میں مبتلا کیا ہے لہٰذا اب میں بھی تیرے صراط مستقیم پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا۔ پھر انسانوں کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے غرض ہر طرف سے گھیر لوں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

{ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۸ } (الأعراف:۱۸)

''کہ جس نے لوگوں میں سے تیری پیروی کی میں تم سب سے جہنم کو ضرور بھروں گا۔''

لعنت کا معنیٰ: اللہ کا کسی کو خیر سے دور اور محروم کرنا۔ لعنت کرنا۔

«عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ يَا رَبِّ لَا أَبْرَحُ أُغْوِيْ عِبَادَكَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِيْ أَجْسَادِهِمْ، فَقَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰي وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِيْ» (رواه الحاكم في المستدرک: كتاب التوبة والانابة [صحيح])

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان نے کہا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روحیں موجود ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت اور جلال کی قسم! میں ہمیشہ انہیں معاف کرتا رہوں گا جب تک یہ مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے۔''

مسائل

۱۔ شیطان لعنتی ہے اور گمراہ ہے، دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

۲۔ شیطان نے انسان کو ہر طرح سے گمراہ کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ ۳۔ شیطان کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہمیشہ نقصان پائے گا۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کے ہتھکنڈے:

۱۔ شیطان آدمی کو ہر طرف سے گمراہ کرتا ہے۔ (الاعراف:۱۷) ۲۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلایا۔ (البقرۃ:۳۶)

۳۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلانے کے لیے قسمیں اٹھائیں۔ (الأعراف:۲۱)

۴۔ شیطان جھوٹی قسموں سے ورغلاتا ہے۔ (الاعراف:۲۱) ۵۔ شیطان اپنی فریب کاری سے پھسلاتا ہے۔ (الاعراف:۲۲)

۶۔ شیطان بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے۔ (البقرۃ:۱۶۹) ۷۔ شیطان برے اعمال کو فیشن کے طور پر پیش کرتا ہے۔ (النمل:۲۴)

۸۔ شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے قسمیں اٹھائیں۔ (الاعراف:۲)

۹۔ شیطان کی پیروی کرنے سے بچنے کا حکم ہے۔ (البقرۃ:۲۰۸) ۱۰۔ شیطان کی پیروی اس کی عبادت کرنا ہے۔ (یٰس:۶۰)

۱۱۔ قیامت کے دن شیطان جہنمیوں سے برأت کا اعلان کرے گا۔ (ابراہیم:۲۲)

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

وہ ان کو وعدہ دیتا ہے	اور انہیں امید دلاتا ہے	اور نہیں	وعدے دیتا انہیں	شیطان	مگر	فریب

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

یہی لوگ	ان کا ٹھکانہ	جہنم	اور وہ نہ پائیں گے	اس سے	بھاگنے کی جگہ

''اور ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے۔ اور ان سے شیطان کے وعدے مکر وفریب کے سوا کچھ نہیں۔ (۱۲۰) یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں سے وہ نجات نہیں پائیں گے۔'' (۱۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شیطان گمراہی پر آدمی کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ عمر بھر اس کے پھندے میں پھنسا رہے اور گناہوں میں آگے ہی بڑھتا چلا جائے۔ اسی وجہ سے شیطان انسان کو ہر قسم کی امیدیں دلاتا ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمہ اللہ نے شیطان کے پھندوں اور دلفریب وعدوں پر ''تلبیس ابلیس'' کے نام پر ایک مفصل کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے سینکڑوں ایسے واقعات درج کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان آدمی کی طبیعت اور اس کا رجحان دیکھ کر اسے گمراہ کرتا ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ وہ کسی سخی انسان کو کنجوسی کی طرف رغبت کرے بلکہ وہ سخی کو فضول خرچی و اسراف پر آمادہ کرتا ہے۔ بخیل کو فقر کا خوف دلا کر مزید کنجوس بناتا ہے۔ یہاں تک کہ ایسا آدمی اپنے آپ پر خرچ کرنے سے بھی گریز کرتا ہے۔ اسی طرح شیطان توحید کے نام پر یہ کہہ کر گناہوں پر دلیری دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ سب کچھ معاف کر دے گا۔ وہ بزرگوں کو محبت کے نام پر بے حیائی کا سبق دیتا اور بزرگوں کی عقیدت کے ذریعے شرک کے راستے پر ڈالتا ہے۔ یہ سراسر دین کے نام پر جھوٹی امیدیں دلانا اور دھوکہ دینا ہے۔ دین کے نام پر دھوکے کو قرآنِ مجید نے سورۃ آل عمران میں یوں بیان فرمایا ہے۔

{ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ... } (آل عمران:۲۴)

''انہوں نے کہا ہمیں چند گنتی کے دنوں کے علاوہ ہرگز آگ نہ چھوئے گی۔''

یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم صرف چند دنوں کے لیے جہنم میں جائیں گے۔ اس کے بعد ہمارے لیے دائمی عیش وعشرت ہوگی۔ اسی فریب کے ذریعے عیسائیوں کو شیطان نے عقیدہ سمجھایا کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹک کر تمہارے گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں۔ شیطان کی پیروی اور یہود و نصاریٰ کی دیکھا دیکھی مسلمانوں کی غالب اکثریت ابلیس کی فریب کاریوں میں آ کر یہ کہتے سنائی دیتی ہے کہ جنت میں جانے کے لیے بزرگوں کی عقیدت اور کسی پیر کا مرید ہونا کافی ہے۔ ایسے لوگ شیطان کی پیروی میں اس عقیدے پر بڑا ناز اور فخر کرتے ہیں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جس طرح زندگی بھر شیطان کے فریب

میں مبتلا رہے اور جھوٹی امیدوں میں گھرے رہے اسی طرح جہنم میں ہمیشہ کے لیے گھرے رہیں گے اور ان کے لیے اس سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

شیطان کے دھوکہ اور فریب کا انجام:

{ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ } (الحشر:۱۶،۱۷)

''شیطان کی طرح جب اس نے انسان کو کہا کہ کفر کر پھر اس نے کفر کر لیا تو کہنے لگا میں تجھ سے بری ہوں یقیناً میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔''

{ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ } (فاطر:۶)

حقیقت یہ ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے تم اپنا دشمن ہی سمجھو، وہ اپنے چاہنے والوں کو اس لیے بلاتا ہے کہ اس کے پیچھے لگنے والے جہنمیوں میں شامل ہو جائیں۔''

مسائل

۱۔ شیطان کے وعدے مکر و فریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔

۲۔ شیطان اور اس کے ساتھیوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اس سے کبھی نجات نہیں پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم سے چھٹکارا ممکن نہیں:

۱۔ جہنم سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ (البقرۃ:۱۶۷) ۲۔ جہنم سے چھٹکارا پانا مشکل ہے۔ (الزخرف:۷۷)

۳۔ جہنم میں موت و حیات نہیں ہوگی۔ (طٰہٰ:۷۴) ۴۔ جہنمی کی دنیا میں لوٹ آنے کی خواہش پوری نہیں ہوگی۔ (الانعام:۲۷)

۵۔ جہنم کی سزا میں وقفہ نہیں ہوگا۔ (فاطر:۳۶) ۶۔ جہنم کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ (الفرقان:۶۵)

۷۔ جہنم بدترین ٹھکانا ہے۔ (آل عمران:۱۹۷) ۸۔ جہنم کے عذاب سے پناہ مانگنی چاہیے۔ (الفرقان:۶۵)

۹۔ جہنمیوں کو آگ کے ستونوں سے باندھ دیا جائے گا۔ (الہمزہ:۹۰)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے عمل کیے اچھے ہم عنقریب انہیں داخل کرینگے باغات جاری ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ

سے ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ان میں ہمیشہ اللہ کا وعدہ سچا

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اورکون زیادہ سچا سے اللہ بات

''اور جو ایمان لائیں اور صالح کام کریں ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جہاں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کے اعتبار سے سچا ہو؟'' (۱۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرک جہنم میں جائیں گے شرک سے پاک ایمان اور نیک عمل کے حاملین جنت میں داخل ہوں گے۔

جولوگ ایمان لائے اور شریعت کے مطابق نیک عمل کرتے رہے ان کے بارے میں ربِ کریم فرماتے ہیں کہ ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری وساری ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق اور سچا ہے کہ مشرک جہنم میں اور مومن جنت میں جائیں گے۔ مومنوں کو انتہا درجے کی تسلی دینے کے لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سے بڑھ کر کسی اور کا وعدہ اور فرمان سچا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا صاحبِ ایمان لوگوں کو جنت کے حصول کے لیے پوری کوشش کرنی اور اس کے لیے دن رات ایک کر دینا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا میرے بندوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر وہ جنت دیکھ لیں؟ تو فرشتے جواباً کہتے ہیں پھر تو وہ مزید اس کی جستجو کریں گے۔ (روہ البخاری: کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل)

مسائل

۱۔ ایمان دار، صاحب کردار لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل فرمائے گا۔

۲۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اس کے وعدے اور بات سے سچی بات کسی کی نہیں ہوسکتی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچا اور اس کا وعدہ پکا ہے:

۱۔ اللہ کا وعدہ پکا ہے۔ (النساء: ۱۲۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۹)

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا

نہ تمہاری آرزوؤں پر اور نہ آرزوئیں اہل کتاب جو کرے گا برائی

يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اسے اسکا بدلہ دیا جائے گا اور نہ پائے گا اسکے لیے سے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ مددگار

''(انجام کار) نہ تمہاری آرزؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر۔ جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور وہ نہیں پائے گا اپنے لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حمایتی اور مددگار۔'' (۱۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: جنت محض دعووں' نعروں اور کسی فرقہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ جو برائی اور شرک سے بچے گا وہی جنت کا مستحق ہوگا۔ بصورت دیگر برا شخص جنت اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہے گا۔

قرآنِ مجید ایک بار پھر اپنے اسلوب بیان کا اعادہ فرماتے ہوئے دو قسم کے اعمال اور ان کے انجام کا بیک مقام موازنہ کرتا ہے تاکہ قرآن کا قاری تجزیہ کرے کہ اسے کس کردار کا انتخاب اور آخرت کی کونسی منزل کے لیے کوشش کرنی چاہیے؟ یہ حقیقت بار بار واضح کی گئی ہے کہ کسی شخص کی نجات نعروں اور دعووں کی بنیاد پر نہیں ہوگی بلکہ نجات سچے ایمان اور صالح عمل پر ہوگی۔ یہاں ایک مرتبہ پھر اہل کتاب کے دعوے کی تردید کی جارہی ہے کہ نجات کا دارومدار کسی خاندانی نسبت یا محض دعویٰ محبت پر نہیں بلکہ اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور شرک سے بچنا لازم ہے۔ جس شخص نے شرک کا ارتکاب کیا اور بُرے اعمال میں مبتلا رہا وہ قیامت کے دن اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی خیر خواہ اور مددگار نہیں پائے گا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہونے کے باوجود اپنے باپ کو جہنم سے نہیں بچا سکیں گے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ لَا تَعْصِنِي فَيَقُولُ أَبُوهُ فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيكَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَّنِي أَنْ لَا تُخْزِيَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ ثُمَّ يُقَالُ يَا إِبْرَاهِيمُ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ» (رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی گرامی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام روزِ قیامت اپنے باپ آزر سے ملیں گے اس کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام سے کہیں گے میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو تو وہ جواباً کہے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے اے میرے رب آپ

نے مجھ سے قیامت کے دن رسوانہ کرنے کا وعدہ کیا تھا میرے باپ سے زیادہ بڑھ کر اور کونسی رسوائی ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے۔ پھر کہا جائے گا ابراہیم اپنے پاؤں کی طرف دیکھو۔ وہ دیکھیں گے کہ ان کا باپ کیچڑ میں لتھڑا ہوا بجو بن چکا ہوگا۔ جسے اس کی ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ان کو توحید کی دعوت سے روکا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ کے بہت زیادہ حمایتی اور ہمدرد تھے ان کی ہمدردی کا اندازہ یہاں سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب قریش وفد لے کر ان کی خدمت میں پہنچے کہ اپنے بھتیجے کو روک لو ورنہ کوئی فتنہ کھڑا ہوگا۔ جناب ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ کو کہا کچھ نرمی اختیار کیجئے آپ نے جواب دیا چچا سورج میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند بائیں ہاتھ پر رکھ دیا جائے میں تب بھی دعوتِ توحید سے باز نہیں آؤں گا تب ابو طالب نے کہا بیٹا جاؤ جو جی چاہے کرو۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ؓ الْخُدْرِيِّ ؓ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِي مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ»

(رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

''حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ کے پاس آپ کے چچا ابو طالب کا تذکرہ کیا گیا آپ نے فرمایا شاید قیامت کے دن میری سفارش اسے فائدہ دے اور اسے جہنم کی اوپر والی سطح میں رکھا جائے جو اس کے ٹخنوں تک پہنچتی ہو اس سے اس کا دماغ کھول اٹھے گا۔''

{ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝} (التحریم: ۱۰)

''اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کو بطورِ مثال بیان کرتا ہے وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں مگر انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان دونوں کے کچھ کام نہ آسکے اور دونوں سے کہہ دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔''

مسائل

۱۔ جنت صرف دعووں اور آرزوؤں سے نہیں مل سکتی۔

تفسیر بالقرآن

آرزوؤں اور تمناؤں کی حیثیت:

۱۔ بلند و بانگ دعوے کام نہ آئیں گے۔ (البقرۃ: ۶۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو پرکھتے ہیں۔ (العنکبوت: ۳)

۳۔ یہود و نصاریٰ کے جنتی ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ (البقرۃ: ۱۱۱)

وَمَنْ	يَّعْمَلْ	مِنَ	الصّٰلِحٰتِ	مِنْ	ذَكَرٍ	اَوْ اُنْثٰى	وَهُوَ
اور جو	کرے گا	سے	اچھے کام	سے	مرد	یا عورت	اور وہ ہو
مُؤْمِنٌ	فَاُولٰٓئِكَ	يَدْخُلُوْنَ	الْجَنَّةَ	وَلَا	يُظْلَمُوْنَ	نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾	
مومن	تو ایسے لوگ	داخل ہوں گے	جنت	اور نہ	ان پر ظلم ہوگا	تل برابر	

''ایمان کی حالت میں جو مرد یا عورت نیک اعمال کرے گا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر تل برابر بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔'' (۱۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومنوں کو دوبارہ تسلی دی گئی ہے کہ نیک عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت اسے بہترین جزا ملے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذات پات اور مذکر و مؤنث کا کوئی امتیاز نہیں۔

اعمال کا انجام ذکر کرنے کے بعد حسبِ معمول صالح کردار لوگوں کا صلہ بیان کرتے ہوئے مرد و زن کو تسلی دی گئی ہے کہ نیک عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ اس نے نیک عمل حالتِ ایمان میں کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے گا اور اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائے گا اور ان کے اجر و ثواب میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی بات کو تفصیل کیساتھ یوں بیان فرمایا ہے۔

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنیوالے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔'' (الاحزاب: ۳۵)

مسائل

۱۔ نیک عمل کرنے والا صاحبِ ایمان مرد ہو یا عورت جنت میں داخل ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

نیکی میں ہرگز کمی نہ ہوگی:

۱۔ کسی کا عمل ضائع نہ کیا جائے گا۔ (آل عمران: ۱۹۵) ۲۔ اجر میں مرد و زن برابر ہیں۔ (الاحزاب: ۳۵)
۳۔ ذرہ برابر نیکی اور بدی کا بدلہ ملے گا۔ (الزلزال: ۷، ۸) ۴۔ آدمی کے سامنے اسکا ہر عمل پیش کیا جائے گا۔ (الکہف: ۴۹)
۵۔ کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل: ۷۱)

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ

اورکون زیادہ بہتر دین اس سے جو جھکادیا اپنا چہرہ اللہ کیلئے اوروہ نیکوکار اوراس نے پیروی کی

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

دین ابراہیم یکسوہونا اور بنایا اللہ ابراہیم دوست اوراللہ کیلئے جو میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع

آسمانوں اورجو میں زمین اورہے اللہ ہر چیز احاطہ کئے ہوئے

''دین کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہوگا جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کردے اور وہ یکسوئی کے ساتھ نیکی کرنے والا ہو۔ ابراہیم کے دین کی پیروی کرتا ہو اس ابراہیم کی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا تھا۔ (۱۲۵) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔'' (۱۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اچھی تمناؤں کے لیے اچھے اعمال کرنا ضروری ہیں جن کی بنیاد ملّتِ ابراہیم ہے۔

اس سے پہلے اہلِ کتاب کی بے بنیاد تمناؤں کی نفی کر کے وضاحت فرمائی کہ جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ محض نیک تمناؤں، خوش کن جذبات اور بلند بانگ دعووں کی بنیاد پر حاصل نہیں ہوسکتا۔ کامیابی کا انحصار ایمان اور نیک اعمال پر ہے جس کی دینِ اسلام رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام نام ہے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے کا۔ جس سے مراد کلی طور پر اپنے جذبات اور اعمال کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان کرنا ہے۔ ایسا شخص ہی محسن یعنی نیکوکار کہلانے کا حقدار ہے۔ اس کے لیے یہودیت، عیسائیت اور دائیں بائیں کے راستے نہیں بلکہ ایک اور صرف ایک ہی راستہ ہے جسے ملت ابراہیم کے نام سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے ہر تعلق سے لاتعلق ہو کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان کر دیا تھا۔ جس کا یہ صلہ عطا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت میں صرف ایک ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر امّت کو اور خاص کر آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو حکم ہوا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے خواہاں اور دنیا و آخرت کی کامیابی چاہتے ہو تو پھر تمہیں ملت ابراہیم پر چلنا ہوگا۔ یہاں یہ بھی وضاحت فرمائی کہ ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ تسلیم خم کرنا تھا۔ یہ عمل اور نظریہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان اور زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور مملوک کا فرض ہے کہ وہ اپنے مالک کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے اس کے سامنے مکمل طور پر سرنگوں رہے۔ جس طرح زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی ڈیوٹی نبھا رہی ہے۔ ایسے ہی انسان کو بھی اپنے خالق و مالک کا تابع فرمان ہونا چاہیے اور یاد رکھو! کوئی اللہ کا تابعدار ہو یا نافرمان وہ اللہ کے اقتدار اور اختیار سے باہر نہیں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ اور دعا:

{ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ } (الانعام:۷۹)

''بلاشبہ میں نے ہو کر اپنا چہرہ اس کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ابتداء نماز میں یہ دعا پڑھتے:

{ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا . . . } (الانعام:۷۹) ''میں نے تو اپنا چہرہ یکسو ہو کر اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔'' (رواہ ابو داؤد: باب مایستفتح بہ الصلاۃ من الدعاء)

خلیل کا معنیٰ:

خلیل کا لفظ خلت سے ہے جس کا معنی ہے ایسا دوست کہ جس سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ ہو دلی دوست۔ خیر خواہ۔ کمزور بدن والا۔

«عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَلَا إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى كُلِّ خِلٍّ مِنْ خِلِّهِ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا إِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللهِ» (رواہ مسلم: باب مِنْ فَضَائِلِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ہر ایک کی دوستی سے برأت کا اظہار کرتا ہوں اگر میں کسی کو اپنا جگری دوست بناتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتا تمھارا ساتھی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔ یعنی اللہ کی دوستی سب سے مقدم ہے۔''

مسائل

۱۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والا بہترین مسلمان ہے۔ ۲۔ ہر حال میں ملتِ ابراہیم کی پیروی کرنا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنایا ہے۔ ۴۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور تابع ہے۔

تفسیر بالقرآن

کس کا دین بہتر؟

۱۔ اللہ کے سامنے مطیع ہونے والے کا دین سب سے بہتر ہے۔ (النساء:۱۲۵)
۲۔ اللہ کے سامنے جھک جانے والا محسن ہے۔ (لقمان:۲۲)
۳۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے مطیع و تابع فرمان تھے۔ (البقرۃ:۱۳۱، الانعام:۷۹)
۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے۔ (البقرۃ:۶۸)
۵۔ نبی محترم ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا حکم۔ (النحل:۱۲۳)
۶۔ امت محمدیہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم۔ (آل عمران:۹۵)
۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں سے بیزاری کا اعلان کیا۔ (الانعام:۱۴)
۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اسوۂ حسنہ قرار پائی ہے۔ (الممتحنۃ:۴)

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى

اور وہ تجھ سے فتوی مانگتے ہیں میں عورتیں آپ فرمادیں اللہ تمہیں فتوی دیتا ہے انکے بارہ میں اور جو پڑھا جاتا ہے

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

تم پر میں کتاب میں یتیم (جمع) عورتیں وہ جو نہیں تم انہیں دیتے جو لکھا گیا ان کیلئے

وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا

اور تم چاہتے ہو یہ کہ ان کو نکاح میں لے لو اور بے بس سے بچے اور یہ کہ تم قائم رہو

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

یتیموں کیلئے انصاف کے ساتھ اور جو تم کروگے سے بھلائی تو بیشک اللہ ہے اس کو جاننے والا

''آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے۔ کتاب میں سے جو تم پر یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھا جاتا ہے۔ جن کا حق مہر تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کے خواہش مند ہو۔ اور کمزور بچوں اور یتیموں کے بارے میں انصاف کرو اور جو تم نیکی کرو گے بلاشبہ اللہ اسے جاننے والا ہے۔'' (۱۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گھریلو معاملات میں بھی اپنے رب کی فرماں برداری کرو۔

قرآنِ مجید میں یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی ترغیب وفضیلت کے بارے میں تیئس مقامات پر ذکر ہوا ہے۔ جن میں یتیم بچیوں کے متعلق اس سورت کی آیت ۴ میں حکم دیا تھا کہ یتیم بچیاں نکاح کے قابل ہو جائیں تو ان سے نکاح کرلو بشرطیکہ ان کا حق مہر خوشی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ یہ لوگ پھر آپ سے یتیم لڑکیوں کے بارے میں فتویٰ چاہتے ہیں انہیں فرمائیں فتویٰ تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی دے چکے ہیں لہٰذا اس پر عمل کرو۔ جن کے دلوں میں چور ہے وہ چاہتے ہیں کہ یتیموں کے حقوق سے جان چھوٹ جائے حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ یتیم بچیوں کے مال اور جمال کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کرنا اور ان کے مال اور نام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں لیکن حقوق دینے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا فتویٰ اور حکم وہی ہے جو یتیموں کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے اس میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے نہ ہوگی۔ لہٰذا یتیموں کے بارے میں انصاف کرنے پر قائم ہو جاؤ اور اچھی طرح جان لو جو بھی نیکی کرو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور عمل کو پوری طرح جانتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

«كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى»

(رواہ مسلم: کتاب الزھد، باب الإحسان إلی الأرملۃ والمسکین والیتیم)

''اپنے یا عزیز رشتہ دار کسی یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے۔ راوی نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کا اشارہ کیا۔''

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

اوراگر کوئی عورت ڈرے سے اسکا خاوند زیادتی یا بے رغبتی تونہیں گناہ

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

ان دونوں پر یہ کہ وہ دونوں صلح کرلیں آپس میں صلح کرنا اورصلح بہتر اورحاضر کیے گئے نفس

الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

بخل اوراگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو توبیشک اللہ ہے اسکے ساتھ جوتم کرتے ہو خبر رکھنے والا

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بدسکونی اور بے پرواہی کا خوف ہوتو دونوں آپس میں کچھ حقوق کی کمی دبیشی پر صلح کرلیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ صلح بہت بہتر ہے اور لالچ ہر نفس میں پایا جاتا ہے۔ اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو تم جو کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے۔'' (۱۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خطاب کا تسلسل جاری ہے جس میں یتامیٰ اور عورتوں کے حقوق کا تعین کیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید نے بار بار مردوں کو حکم دیا ہے کہ عورتوں کے حق مہر خندہ پیشانی اور دل کی خوشی کے ساتھ ادا کرو۔ اگر وہ اپنی خوشی سے حق مہر معاف کریں تو بھی اس انداز سے کھاؤ اور استعمال کرو کہ انہیں تمہارے بارے میں ہلکے پن اور حریص ہونے کا گمان پیدا نہ ہو۔ یہاں عورتوں کو تلقین فرمائی جارہی ہے کہ اگر کسی عورت کو ایسے خاوند کے ساتھ واسطہ پڑا ہے جو حریص اور لالچی ہے یا کسی وجہ سے مجبور ہو کر چاہتا ہے کہ اسے حق مہر معاف کر دیا جائے، بصورت دیگر خاوند کی طرف سے اعراض اور اختلاف کا خطرہ ہے تو تنازعہ کھڑا کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ عورت اختلاف اور اپنے خاوند کے اعراض سے بچنے کے لیے اپنے حقوق سے دست بردار ہونے کے بارے میں غور کرے۔ ایسا کرنے کا اسے اختیار ہے اس پر اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ گھر اجاڑنے سے بہتر ہے کہ عورت اپنے حقوق میں نرمی اختیار کرلے۔ اس سے عورت کا بھرم قائم رہنے کے ساتھ گھریلو ماحول میں خوشگوار تبدیلی آئے گی۔ یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خوش حال اور تمہارے گھروں کو آباد دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں دونوں کو ہر حال میں صلح کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے گو انسان حریص واقع ہوا ہے لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کر کے اختلافات سے بچنا چاہیے۔ اگر عورت بوڑھی ہو چکی ہو یا خاوند کو اس کی کوئی عادت پسند نہیں تو بھی نباہ کرنا چاہیے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اچھی طرح خبر گیر ہے کہ کون تم میں صلح جو، ایثار پسند اور گھر آباد رکھنا چاہتا ہے اور کون ایسا نہیں کرنا چاہتا۔

مسائل

۱۔ میاں بیوی کے درمیان صلح جوئی اور اصلاح کا ماحول ہونا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے والے کو جانتا ہے۔

وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ

اور ہرگز نہیں تم طاقت رکھتے یہ کہ عدل کرو درمیان عورتوں کے اگرچہ تم حریص ہو پس نہ جھک جاؤ بالکل جھک جانا

فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

کہ ایک کو چھوڑ دو جیسے لٹکتی ہوئی اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرو تو یقیناً اللہ ہے بخشنے والا مہربان

''تم سے یہ نہیں ہو سکے گا کہ اپنی بیویوں میں پوری طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی خواہش کرو۔ اس لیے بالکل ایک طرف مائل ہو کر دوسری کو لٹکتی ہوئی نہ چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے اور مہربانی کرنے والا ہے۔'' (۱۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سورت کی تیسری آیت میں عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ بیک وقت چار تک عورتیں نکاح میں رکھنے کی اجازت دی تھی۔ اب ایک سوال کے جواب میں اس کے متعلقات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ پہلے حکم میں عدل کا مفہوم مالی اور اخلاقی معاملات کے ساتھ ہے۔ اب اخلاقی معاملے میں حکم ہے۔

جہاں تک قلبی میلان کا تعلق ہے اس میں تم بیویوں کے درمیان مساوات اور انصاف کرنا چاہو بھی تو پوری طرح انصاف نہیں کر سکتے کیونکہ دل کے رجحانات اور جذبات پر قابو پانا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ اگر کسی بیوی کا حسن و جمال اور اس کے اخلاق کی وجہ سے تمہارا دل اس کی طرف زیادہ مائل ہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن کوشش کرو کہ تم ایک ہی کے ہو کر نہ رہ جاؤ۔ بلکہ ظاہری محبت میں سب کی دلجوئی کرنی چاہیے تاکہ ایک بیچاری تمہارا منہ تکتے ہوئے معلق ہو کر نہ رہ جائے۔ لہٰذا جذباتِ محبت پر کنٹرول کرتے ہوئے بے انصافی سے بچو۔ اگر تم منصفانہ برتاؤ اور سب کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری کمزوریوں کو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا ہے:

«اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ» (رواہ أبو داؤد: کتاب النکاح [صحیح])

''اے اللہ! میرا عدل اور مساوات اسی حد تک ہے جو میرے اختیار میں ہے جو تیرے اختیار میں ہے وہ میرے اختیار میں نہیں اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے گا۔''

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ»

(رواہ ابو داود: باب القسمة بین النساء [صحیح])

''بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے والا روزِ قیامت فالج زدہ انسان کی طرح اٹھایا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کرنا فرض ہے۔ ۲۔ اصلاح کرتے ہوئے اللہ سے ڈرو گے تو اللہ کو بخشنے والا پاؤ گے۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں اللہ بے نیاز کر دیگا ہر ایک کو سے اپنی کشائش اور ہے اللہ کشائش والا حکمت والا

''اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی کشادگی سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا، حکمت والا ہے۔'' (۱۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بیویوں کے درمیان عدل کرنا ہے اگر اکٹھا رہنے کی کوئی شکل باقی نہ رہے تو جدائی کی صورت میں دونوں کو تسلی دی گئی ہے۔

گھر کی چار دیواری اور میاں بیوی کے تعلقات معاشرے کی اکائی اور بنیادی یونٹ کی حیثیت رکھتے ہیں یہ یونٹ جس قدر خوشحال اور اس کا ماحول جتنا خوشگوار ہوگا۔ اتنا ہی معاشرہ مضبوط اور اچھے خطوط پر استوار ہوگا۔ اس یونٹ کو توڑ پھوڑ سے بچانے کے لیے قرآنِ مجید نے متعدد ہدایات جاری فرمائی ہیں۔ لیکن بسا اوقات معاملات اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ان پر قابو پانا کسی کے اختیار میں نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں مرد کو طلاق دینے اور عورت کو خلع لینے کا اختیار دیا ہے۔ یہ انقطاع طلاق کی صورت میں ہو یا خلع کی شکل میں بہتر سے بہتر صورت میں وقوع پذیر ہونا چاہیے۔ یہاں تک فرمایا کہ میاں بیوی کو آپس میں علیحدگی اختیار کرتے وقت سابقہ تعلقات اور محبت کو نہیں بھولنا چاہیے۔ [البقرۃ: ۲۳۷] علیحدگی کی صورت میں فریقین کو یہ تسلی دی جارہی ہے کہ اگر تم نے آپس میں علیحدگی کا فیصلہ کرلیا ہے تو گھبرانے اور حوصلہ ہارنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے اپنے مقام پر اپنی رحمت سے نوازے گا اور ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وسعت وکشادگی کا مالک ہے۔ اگر اس نے تمہیں ناگزیر حالت میں ایک دوسرے سے الگ ہونے کی اجازت عنایت فرمائی ہے تو اس کے حکمت یہ ہے کہ مزید لڑائی جھگڑے سے بچو تاکہ معاشرے میں تمہاری عزت، خاندان میں بھرم اور اولاد کے مستقبل پر بہت زیادہ منفی اثرات مرتب نہ ہونے پائیں۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے اخلاق اور دین پر کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو حق مہر میں دیا ہوا اس کا باغ اسے واپس کرے گی؟ اس نے کہا ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو فرمایا باغ کو قبول کرو اور اسے ایک طلاق دے دو۔''

(رواہ البخاری: کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ)

مسائل

۱۔ ناگزیر صورتِ حال میں میاں، بیوی الگ ہو سکتے ہیں۔

۲۔ میاں بیوی کے درمیان تفریق ہونے کی صورت میں ہر کسی کا ''اللہ'' کفیل ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

اوراللہ کیلئے جو میں آسمانوں اور جو میں زمین اورالبتہ تحقیق ہم نے وصیت کی

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا

وہ لوگ دیے گئے کتاب سے تم سے پہلے اور تمہیں بھی یہ کہ ڈرتے رہو

اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

اللہ اوراگر تم کفر کرو گے توبیشک اللہ کے لئے جو میں آسمانوں اور جو

فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

میں زمین اور ہے اللہ غنی تعریف والا اوراللہ کے لیے جو میں آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور جو میں زمین اورکافی اللہ کارساز

''اورزمین وآسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے اور ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے تھے اور تمہیں بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو گے تو یاد رکھو اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ غنی اور تعریف کیا گیا ہے۔(۱۳۱) اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ کافی اور کارساز ہے۔''(۱۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پچھلی آیت میں علیحدگی کی صورت میں دونوں کو تسلی دی گئی ہے۔ یہاں فرمایا زمین وآسمان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور وہ سب کا رازق اور وارث ہے۔ اس کا تمہیں اور سب لوگوں کو یہی حکم تھا اور ہے کہ ظلم وزیادتی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو۔

یہاں مزید تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک گھر آباد نہیں رہا تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمان کا مالک ہے وہ تمہارے لیے کسی اور گھر کا انتظام کردے گا۔ یہی ہدایات ان لوگوں کو دی گئیں جنہیں تم سے پہلے تورات، انجیل، زبور اور آسمانی کتابیں دی گئیں تھیں۔ تمہیں بھی یہی نصیحت کی جاتی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم کفر، نافرمانی اور آپس میں ظلم وزیادتی کا رویہ اختیار کرو گے تو اللہ کی بادشاہی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ آسمانوں کا چپہ چپہ اور زمین کا ذرہ ذرہ اسی کے زیرِ اقتدار ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور حمد وستائش کے لائق ہے کیونکہ کسی گھر کا اُجڑنا اور خاندان کا بکھرنا معمولی بات نہیں لہٰذا بار بار اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہی اور اختیارات کا ذکر فرما کر دونوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے باز رہنے

اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی تلقین فرما رہا ہے تاکہ میاں بیوی اپنے معاملات درست رکھنے کی کوشش کریں۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا جَاءَهُ فَقَالَ أَوْصِنِي فَقَالَ سَأَلْتَ عَمَّا سَأَلْتُ عَنْهُ رَسُولَ اللهِ ﷺ مِنْ قَبْلِكَ أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ....»

(مسند احمد: كتاب باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي سعيد الخدري [حسن لغيره])

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک آدمی نے آ کر کہا مجھے نصیحت کیجئے انہوں نے کہا تو نے مجھ سے اس چیز کا سوال کیا ہے جس کے متعلق میں نے تجھ سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا۔ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ ہر خیر کا سرچشمہ ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ قَالَ تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ» (رواه الترمذي: كتاب البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق [حسن])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سوال جنت میں داخل کرنے والے عمل کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اللہ کا ڈر اور اچھا اخلاق۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب اور مسلمانوں کو تقویٰ کی وصیّت فرمائی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا مالک اور ہر چیز کا کارساز ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن کے چند وصایا کا ذکر:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وصیّت۔ (الشوریٰ: ۱۳)

۲۔ شرک نہ کرنے اور والدین کے ساتھ احسان کرنے کی وصیّت۔ (الانعام: ۱۵۱)

۳۔ یتیموں کے مال اور ماپ تول پورا کرنے کی وصیّت۔ (الانعام: ۱۵۲) ۴۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کی وصیّت۔ (الانعام: ۱۵۳)

۵۔ والدین سے احسان کرنے کی وصیّت۔ (العنکبوت: ۸، لقمان: ۱۴، الاحقاف: ۱۵)

۶۔ اہل کتاب اور مسلمانوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیّت۔ (النساء: ۱۳۱) ۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کی وصیّت۔ (مریم: ۱۳)

۸۔ وراثت کی تقسیم کے بارے میں وصیّت۔ (النساء: ۱۱) ۹۔ وارثوں کو تکلیف نہ دینے کی وصیّت۔ (النساء: ۱۲)

۱۰۔ جانوروں کی حلّت و حرمت کے بارے میں وصیّت۔ (الانعام: ۱۴۴)

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ

اگر وہ چاہے تمہیں لے جائے اے لوگو اور لے آئے دوسروں کو اور ہے

اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

اللہ پر یہ قدرت رکھنے والا جو ہے چاہتا دنیا کا ثواب

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

تو اللہ کے پاس ثواب دنیا کا اور آخرت اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا

''اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۱۳۳) جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔'' (۱۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اگر تم اللہ کی بغاوت اور نافرمانی کرو گے تو یاد رکھو تم اس کی قدرت سے باہر نہیں ہو وہ جب چاہے گا تمہاری صف لپیٹ کر کسی اور قوم کو زمین کا وارث بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا کرنا قطعاً دشوار نہیں ہے کیونکہ وہ کلی طور پر ایسا کرنے پر قادر ہے۔

دنیا کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب بھی کسی قوم نے حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر معاشرے کے کمزور طبقہ کو غالب کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش اس بات پر زندہ ثبوت ہے۔ یہودی اپنی حد سے باہر ہوئے تو ان پر عیسائیوں کو مسلط فرمایا۔ عیسائی حدود پھلانگنے لگے تو کسی دوسری قوم کو غلبہ عطا ہوا۔ مسلمانوں کی تاریخ بھی اسی صورت حال کی ترجمانی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک گروہ کو دوسرے پر کس طرح مسلط فرمایا۔ مکہ مکرمہ مرکز ہونے کے باوجود مدینہ والوں کے زیر نگین ہوا۔ حجاز پر شامیوں نے حکومت کی۔ امویوں کو اقتدار سے ہٹایا تو پانچ سو سال تک عباسیوں کا پھریرا بلند ہوا۔ پھر عباسیوں پر ترکوں کا غلبہ ہوا۔ علیٰ ھذا القیاس ہر دور اور قوم پر اللہ تعالیٰ کا فرمان غالب رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور فیصلہ صادر کرنے والا ہے۔ لہٰذا جو دنیا کے صلہ کے لیے کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوشش اور اپنی حکمت و مشیّت کے مطابق اسے دنیا نصیب فرمائے گا۔ جو دنیا کے ساتھ آخرت کا خواہاں ہوگا اللہ تعالیٰ اسے بھی اس کی کوشش اور اپنی حکمت اور تقسیم کے مطابق اجر عطا فرمائے گا۔ یہاں دنیا کے طالب کو دنیا کے اجر کا اشارہ فرما کر آخرت کے ثواب کا ذکر اس لیے کیا تاکہ لوگ صرف دنیا کے لیے نہیں بلکہ دنیا و آخرت کے اجر اور بہتری کے لیے کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو موجودہ انسانوں کو ختم کر کے دوسروں کو لا سکتا ہے۔

۲۔ دنیا اور آخرت میں اجر سے نوازنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

اے جولوگ ایمان لائے ہوجاؤ قائم رہنے والے انصاف کیساتھ گواہی دینے والے اللہ کیلئے

وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا

اگرچہ پر تمہارے نفس یاماں باپ اورقرابت دار اگر ہو کوئی مالدار

اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

یا محتاج پس اللہ خیرخواہ ان دونوں کا سونہ تم پیروی کرو خواہش یہ کہ انصاف کرو

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اوراگر تم زبان مروڑو یاپہلوتہی کروگے توبیشک اللہ ہے اسکے ساتھ جو تم کرتے ہو باخبر

''اے ایمان والو! اللہ ہی کے لیے عدل وانصاف پر مضبوطی کے ساتھ گواہی دینے والے ہوجاؤ۔ چاہے وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ داروں، عزیزوں کے وہ امیر ہو یا غریب اللہ ان دونوں کا زیادہ خیرخواہ ہے۔ تم خواہشات کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑو اور اگر تم نے غلط بیانی یا پہلوتہی کی تو جان لو جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔'' (۱۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بیویوں کے درمیان اور گھر سے لے کر عدالت تک انصاف کا بول بالا ہونا چاہیے۔ اس کے لیے گواہی مرکزی حیثیت رکھتی ہے اس بنا پر شہادت اور حق کے بارے میں تاکید کی گئی ہے۔

بنیادی طور پر امتِ مسلمہ فریضۂ شہادت کی ادائیگی کے لیے منتخب کی گئی ہے تاکہ دنیا میں اپنے قول اور فعل کے ساتھ حق کے ترجمان اور توحید کی گواہی دیتے رہیں۔ آخرت میں پہلی امتوں کے بارے میں انبیاء کی تائید اور ان کی نبوت کی شہادت دیں گے۔ جسے قرآنِ مجید اور رسولِ محترم ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے:

{ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ } (البقرۃ:۱۴۳)

''تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہوجاؤ۔''

«أَنْتُمْ شُهَدَآءُ لِلّٰهِ فِي الْأَرْضِ» (رواہ البخاری: کتاب الجنائز، باب ثناء الناس علی المیت)

''مسلمانو! تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔''

لیکن اس آیت میں لفظ ''قسط'' استعمال فرما کر عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی انبیاء کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے رسولوں کو واضح دلائل اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل قائم کریں اور لوہا نازل کیا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد ہیں۔ (الحدید:۲۵)

یہاں شہادت سے مراد وہ گواہی ہے جو کسی واقعہ یا مقدمہ کے ثبوت کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ اس پر قائم ہونے کا حکم

دیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اس پر پوری قوت اور صلاحیت کے ساتھ قائم رہا جائے۔ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل اور احترام کا جذبہ کارفرما ہونا چاہیے تاکہ معاشرے میں حق وانصاف کا بول بالا اور عدالتوں میں عدل کا ترازو قائم رہے۔ اس کے لیے گواہی کا عدل وانصاف کے اصول پر پورا اترنا اور قائم ہونا بے حد ضروری ہے۔ مقدمے کا ریکارڈ بھی تحریری شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔ جج اس کا پابند ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اچھی طرح گواہی کی چھان بین کرے کیونکہ گواہی کا مقدمے میں بنیادی کردار ہوتا ہے۔ کتنے مقدمات کے فیصلے اس بات پر شاہد ہیں کہ جھوٹی شہادتوں کی وجہ سے بے گناہ شخص پھانسی کے پھندے پر لٹک گیا اور اصل مجرم نہ صرف دندناتے پھرتے ہیں بلکہ مزید جرائم کا ارتکاب کرتے دکھائی دیتے ہے۔ لہٰذا گواہی اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر بلا رعایت اور لحاظ حقائق کے مطابق دینی چاہیے۔ بے شک یہ گواہی انسان کے اپنے نفس، والدین، اعزہ واقرباء، مالدار یا کنگال کے خلاف ہو خواہ ان کا مفاد اور جان کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ والدین کا رشتہ مقدس اور قابل صد احترام، اعزہ واقرباء بڑے پیارے، دولت مند موثر اور غریب قابل رحم اور خیر خواہی کے لائق ہے لیکن یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کا تم سے زیادہ خیر خواہ اور ہمدرد ہے۔ تم کسی کو نہ نفع دے سکتے ہو اور نہ نقصان سے بچا سکتے ہو لہٰذا تم اچھے بُرے جذبات کے پیچھے لگنے کی بجائے شہادتِ عدل پر قائم ہو جاؤ۔ اس میں بے انصافی، لچک اور کسی قسم کا اغراض نہیں ہونا چاہیے۔ یقین جانو اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْكَبَآئِرِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ» (رواه البخاری: کتاب الشهادات، باب ماقیل فی شهادة الزور)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہیں۔''

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو صرف اللہ کے لیے عدل وانصاف پر قائم ہونا چاہیے۔

۲۔ عدل وانصاف کے راستے میں کسی رشتہ دار اور خواہش کو رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

عدل وقسط کی اہمیت:

۱۔ نبی ﷺ کو عدل وانصاف کا حکم۔ (الاعراف: ۲۹) ۲۔ انصاف کی بات کہنے کا حکم۔ (الانعام: ۱۵۲)

۳۔ صلح بھی عدل وانصاف سے کروانا چاہیے۔ (الحجرات: ۹) ۴۔ رسولوں کی بعثت کا مقصد انصاف قائم کرنا تھا۔ (الحدید: ۲۵)

۵۔ کسی کی دشمنی عدل وانصاف میں رکاوٹ نہیں بننی چاہیے۔ (المائدۃ: ۸)

۶۔ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ (المائدۃ: ۴۲)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اٰمِنُوْا	بِاللّٰهِ	وَرَسُوْلِهٖ	وَالْكِتٰبِ
اے	جولوگ	ایمان لائے	ایمان لاؤ	اللہ پر	اوراس کارسول	اورکتاب

الَّذِيْ	نَزَّلَ	عَلٰى	رَسُوْلِهٖ	وَالْكِتٰبِ	الَّذِيْٓ	اَنْزَلَ	مِنْ
وہ جو	اس نے نازل کی	پر	اپنے رسول	اورکتاب	وہ جو	اس نے نازل کی	سے

قَبْلُ ؕ	وَمَنْ	يَّكْفُرْ	بِاللّٰهِ	وَمَلٰٓئِكَتِهٖ	وَكُتُبِهٖ	وَرُسُلِهٖ
پہلے	اور جو	انکار کرے	اللہ کا	اوراس کے فرشتوں	اوراس کی کتابوں	اس کے رسولوں

وَالْيَوْمِ	الْاٰخِرِ	فَقَدْ	ضَلَّ	ضَلٰلًا	بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾
اوردن	آخرت	توتحقیق	وہ بھٹک گیا	گمراہی	دور

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل کی گئی ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کرے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے گا۔'' (۱۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شہادتِ حق وعدل پر وہی قائم رہ سکتا ہے جو حقیقی معنوں میں ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہو جس نے ایمان کے تقاضے پورے نہ کیے وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔

قرآنِ مجید میں یہی ایک آیت ہے جس میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے دوبارہ ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے تین آراء قائم کی ہیں۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ یہاں ایمان داروں سے مراد صرف دعوی ایمان رکھنے والے منافقین کو خطاب کیا گیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ اور ان کے ہمنوا اہل علم کا خیال ہے۔ ''اٰمِنُوْا'' سے مراد یہودی ہیں کیونکہ یہودی علماء کا ایک وفد رسولِ مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور تورات پر ایمان رکھتے ہوئے۔ آپ اور قرآنِ مجید پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء اور آسمانی کتابوں کو نہیں مانتے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ اے لوگو! جو موسیٰ اور عزیر علیہما السلام اور محمد کریم ﷺ پر ایمان لانے کا اظہار کرتے ہو تمہیں اللہ، اس کے رسول اور قرآنِ مجید کے ساتھ تمام انبیاء پر ایمان لانا چاہیے۔ تیسرے طبقہ کا خیال ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ہی خطاب کیا گیا ہے جس کا معنی ہے اے ایمان کے دعویدارو! اسلام کو مکمل طور پر اپناتے ہوئے اس پر پوری استقامت کے ساتھ کاربند ہو جاؤ۔ یہاں اللہ، اس کے رسول اور قرآن مجید پر ایمان لانے کے ساتھ پہلے رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ پھر ایمان کے پانچ اجزاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جو ان کا انکار کرتا ہے وہ صرف گمراہ ہی نہیں بلکہ دور کی گمراہی میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ اُسے اس کی ذات اور صفات کے

لحاظ سے تنہا اور یکتا تسلیم کرتے ہوئے اس کے احکام کی پورے اخلاص کے ساتھ تسلیم کی جائے۔ ملائکہ کو ''اللہ'' کی بیٹیاں یا اس کے اختیارات میں شریک سمجھنے کی بجائے اس کی مخلوق تصور کیا جائے۔ پہلی کتابوں اور انبیاء پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے داعی اور اس کے فرستادہ تھے۔ آخرت پر ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا قائم ہونا یقینی ہے اور ہر کسی نے دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اچھے اور بُرے اعمال کا اچھا یا برا صلہ پانا ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس سے آدمی کے نظریات اور کردار میں سنوار اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔ آدمی اپنے آپ کو دنیا اور آخرت کے حوالہ سے ذمہ دار سمجھتا ہے۔

«عَنْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ لاَ يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلاَ يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ»

(رواہ مسلم: باب مَعْرِفَةِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس سیاہ بالوں والا جس پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے اور ہم سے کوئی اُسے پہچانتا نہیں تھا وہ آکر نبی ﷺ کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنی رانوں پر رکھتے ہوئے عرض کی مجھے ایمان کے متعلق بتایئے آپ نے فرمایا کہ تو اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔''

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو اللہ، اس کے رسول، قرآن مجید اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنا چاہیے۔ ۲۔ کامل ایمان ہی نجات کا ذریعہ ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب آسمانی، رسولوں اور قیامت کا انکار کرنے والا پرلے درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ایمان کے بنیادی ارکان:

۱۔ غیب پر ایمان لانا۔ (البقرۃ:۱) ۲۔ قرآنِ مجید اور پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ (البقرۃ:۴)
۳۔ اللہ اور کتب سماوی پر ایمان لانا۔ (البقرۃ:۱۳۶) ۴۔ آخرت پر یقین رکھنا۔ (البقرۃ:۴)
۵۔ انبیاء پر ایمان لانا اور ان میں فرق نہ کرنا۔ (آل عمران:۸۴)
۶۔ رسولوں اور مومنوں کے ایمان کی تفصیل۔ (البقرۃ:۲۸۵)
۷۔ فرشتوں اور رسولوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی کرنا ہے۔ (البقرۃ:۹۸)
۸۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے درمیان فرق نہ کرنا۔ (النساء:۱۵۱)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	ثُمَّ	كَفَرُوْا	ثُمَّ	اٰمَنُوْا	ثُمَّ
بیشک	جولوگ	ایمان لائے	پھر	کافر ہوئے	پھر	وہ ایمان لائے	پھر
كَفَرُوْا	ثُمَّ	ازْدَادُوْا	كُفْرًا	لَّمْ	يَكُنِ	اللّٰهُ	لِيَغْفِرَ	لَهُمْ
وہ کافر ہوئے	پھر	وہ بڑھتے رہے	کفر میں	نہیں	ہے	اللہ	کہ بخش دے	انہیں
وَلَا	لِيَهْدِيَهُمْ	سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾						
اور نہ	دکھائے گا انہیں	راستہ						

''جن لوگوں نے ایمان لا کر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر اپنے کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے اللہ تعالیٰ انہیں نہ معاف کرے گا اور نہ انہیں ہدایت کی توفیق دے گا۔'' (۱۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ لوگ پکا اور سچا ایمان لائیں اور اس کے تقاضے پورے کریں لیکن جو لوگ ایمان کے بعد کفر اور پھر کفر پر ڈٹے ہیں ایسے لوگ ہدایت اور بخشش کے مستحق نہیں رہتے۔

اس آیت کا مفہوم مفسرین نے دو طرح اخذ کیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس آیت کے مخاطب یہود ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے اور انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے اعتکاف کے بعد طور پہاڑ سے نیچے اترے تو ان کے سمجھانے پر یہودی دوبارہ ایمان لائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور پھر کفر میں یہ آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ نبی آخر الزمان ﷺ کے بھی منکر ہوئے۔ دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا پھر ایمان لانا اور اس کے بعد ایسا کفر اختیار کرنا کہ اس میں سخت سے سخت ہوتے گئے۔ ان سے مراد منافق ہیں جو ہمیشہ کفر و نفاق کی کشمکش میں رہتے ہیں۔

اس آیت کا یہی مفہوم لینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اگلی آٹھ آیات میں منافقوں کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے کہ وہ دنیا کے مفاد کی خاطر کبھی اسلام کی طرف آتے ہیں اور کبھی کفر میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کا یہ حال ہو انہیں اللہ تعالیٰ نہ معاف کرتا ہے اور نہ ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے کیونکہ ہدایت کے لیے اخلاص اور استقامت نہایت ضروری ہے۔ منافقین دنیا کے مفاد کی خاطر دونوں کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مرتد کو دنیا میں ہی قتل کر دینے کا حکم ہے۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ»

(رواہ البخاری: کتاب الجھاد والسیر، باب لا یعذب بعذاب اللہ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے اپنا دین تبدیل کر لیا اسے قتل کر دو۔''

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ قَالَ كَانَ مِنَّا رَجُلٌ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ قَدْ قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَكَانَ يَكْتُبُ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَانْطَلَقَ هَارِبًا حَتّٰى لَحِقَ بِأَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ فَرَفَعُوْهُ قَالُوْا هٰذَا قَدْ كَانَ يَكْتُبُ لِمُحَمَّدٍ فَأَعْجِبُوْا بِهٖ فَمَالَبِثَ أَنْ قَصَمَ اللهُ عُنُقَهٗ فِيْهِمْ فَحَفَرُوْا لَهٗ فَوَارَوْهُ فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ قَدْ نَبَذَتْهُ عَلٰى وَجْهِهَا ثُمَّ عَادُوْا فَحَفَرُوْا لَهٗ فَوَارَوْهُ فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ قَدْ نَبَذَتْهُ عَلٰى وَجْهِهَا ثُمَّ عَادُوْا فَحَفَرُوْا لَهٗ فَوَارَوْهُ فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ قَدْ نَبَذَتْهُ عَلٰى وَجْهِهَا فَتَرَكُوْهُ مَنْبُوْذًا»

(رواہ مسلم: کتاب صفات المنافقین وأحکامھم، باب)

''حضرت انس بن مالک ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے بنی نجار قبیلے کا ایک آدمی تھا جو سورۃ البقرۃ اور سورۃ آلِ عمران پڑھ چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس کتابت کیا کرتا تھا۔ بھاگ کر اہلِ کتاب کے ساتھ جا ملا۔ راوی کہتے ہیں انہوں نے یہ کہتے ہوئے اسے مقام دیا کہ یہ محمد ﷺ کا کاتب تھا تو وہ اس وجہ سے متعجب ہوئے کچھ ہی عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے ان میں ہی اس کی گردن توڑ دی۔ انہوں نے گڑھا کھود کر اسے دفن کیا صبح زمین نے اسے باہر پھینکا ہوا تھا۔ انہوں نے پھر گڑھا کھود کر اسے دفن کیا زمین نے اسے پھر باہر پھینک دیا پھر انہوں نے گڑھا کھود کر دفنایا زمین نے پھر اسے باہر پھینک دیا پھر انہوں نے اسے باہر ہی رہنے دیا۔''

مسائل

۱۔ بار بار کفر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نہ معاف کرتا ہے اور نہ ہی انہیں ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت اور بخشش سے محروم لوگ:

۱۔ ظالموں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (البقرۃ: ۲۵۸) ۲۔ مرتدین ہدایت اور بخشش سے محروم ہوں گے۔ (النساء: ۱۳۷)
۳۔ کافروں کو معافی اور ہدایت نہیں دی جاتی۔ (النساء: ۱۶۸) ۴۔ فاسقوں کو ہدایت سے نہیں نوازا جاتا۔ (المائدۃ: ۱۰۸)
۵۔ جھوٹوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (الزمر: ۳) ۶۔ مشرک اللہ کی ہدایت سے محروم ہوتا ہے۔ (النساء: ۴۸)

بَشِّرِ	الْمُنٰفِقِيْنَ	بِاَنَّ	لَهُمْ	عَذَابًا	اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾
خوشخبری دیں	منافقوں کو	کہ یقیناً	ان کے لیے	عذاب	دردناک

''منافقوں کو خوشخبری دیں کہ یقیناً ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (۱۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق کفر اور ایمان کے درمیان رہتا ہے لیکن آخر میں اس کا انجام کفر پر ہوتا ہے۔

پہلے پارے کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں واضح کیا جا چکا ہے کہ منافق کا لفظ نفق سے نکلا ہے۔ جس کا معنی ہے چوہے کی ایسی بل جس کے دو منہ ہوں۔ جب تک دونوں طرف سے بل بند نہ کی جائے چوہا قابو نہیں آسکتا۔ یہی حالت منافق کی ہوتی ہے اسے مسلمانوں کی طرف سے فائدہ ہو تو اسلام، اسلام کرتا ہے اگر کفار کی طرف سے فائدہ پہنچنے کی اُمید ہو تو ان کا طرف دار ہو جاتا ہے۔ گویا کہ منافق عقیدے کے اعتبار سے کذّاب، کردار کے لحاظ سے دغا باز اور اخلاق کے حوالے سے مکّار اور مفاد پرست ہوتا ہے۔ اگلی آٹھ آیات میں منافق کی آٹھ بدترین عادتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس بنا پر اسے خوفناک عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

① ۔ بار بار کفر اختیار کرنا۔ ② ۔ مسلمانوں کی کامیابی کا مخالف ہونا اور کفار سے دلی ہمدردی رکھنا۔
③ ۔ ایمان میں ہمیشہ متذبذب رہنا۔ ④ ۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا اور ان کا مذاق اُڑانا۔
⑤ ۔ اللہ اور اس کے رسول کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنا۔ ⑥ ۔ جان بوجھ کر نماز میں غفلت اور سستی اختیار کرنا۔
⑦ ۔ اللہ تعالیٰ کی بجائے کفار سے عزت طلب کرنا۔ ⑧ ۔ نماز اور نیکی کے کام نمائش کے لیے کرنا۔

مسائل

۱۔ منافقوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دینی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

عذاب کی خوشخبری کے مستحق:

۱۔ منافقوں کے لئے اللہ کی طرف سے دردناک عذاب کی خوشخبری ہے۔ (النساء: ۱۳۸)
۲۔ کافروں کے لئے دردناک عذاب کی خوشخبری ہے۔ (التوبہ: ۳)
۳۔ گانے بجانے والا اور متکبر۔ (لقمان: ۷) ۴۔ متکبر گنہگار و بہتان باز۔ (الجاثیۃ: ۸)
۵۔ انبیاء اور منصف لوگوں کے قاتل۔ (آل عمران: ۲۱) ۶۔ زکوٰۃ نہ دینے والے۔ (التوبہ: ۳۴)

الَّذِيْنَ	يَتَّخِذُوْنَ	الْكٰفِرِيْنَ	اَوْلِيَآءَ	مِنْ	دُوْنِ	الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ
جو لوگ	پکڑتے ہیں	کافر (جمع)	دوست (جمع)	سے	سوائے	مومن (جمع)

اَيَبْتَغُوْنَ	عِنْدَهُمُ	الْعِزَّةَ	فَاِنَّ	الْعِزَّةَ	لِلّٰهِ	جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ ؕ
کیا تلاش کرتے ہیں	ان کے پاس	عزت	تو یقیناً	عزت	اللہ کیلئے	ساری

''جو لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست بناتے ہیں کیا یہ کفار سے عزت چاہتے ہیں۔ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔'' (۱۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس آیات میں منافقین کے کردار اور ان کے انجام کے متعلق بیان ہو رہا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے اسی طرح وہ عزت و ذلت کا بھی مالک ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس کے حسنِ کردار کی وجہ سے عزت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا اس کے گناہوں کی وجہ سے ذلت سے دوچار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ کوئی عزت دے سکتا ہے اور نہ ہی آدمی کو کوئی ذلیل کر سکتا ہے۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس عقیدہ کی ترجمانی اور عزت کی طلب، ذلت سے محفوظ رہنے کے لیے آلِ عمران آیت ۲۶ میں دُعا سکھلائی گئی ہے۔

دعا کیجیے کہ اے کائنات کے مالک تو جسے چاہتا ہے حکومت سے سرفراز کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے اور جسے تو چاہے عزت سے سرفراز فرماتا اور جس کو چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ ہر قسم کی خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ بلاشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

لیکن منافق کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا کی عزت کی خاطر کافر اور بے ایمان شخص سے بھی عزت کا طالب ہوتا ہے۔ اس کی کاسہ لیسی اور چاپلوسی کرتا ہے چاہے اسے اپنی غیرت اور ایمان کا سودا کرنا پڑے حالانکہ ہر قسم کی عزت و رفعت اللہ ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے۔

مسائل

۱۔ ہر قسم کی عزت ''اللہ'' کے اختیار میں ہے۔ ۲۔ کفار کو دلی دوست نہیں بنانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

عزت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے:

۱۔ عزت اللہ کے پاس ہے۔ (فاطر: ۱۰) ۲۔ عزت اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔ (المنافقون: ۸)

۳۔ اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ (آل عمران: ۲۶)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا

اور تحقیق اس نے نازل کیا تم پر میں کتاب یہ کہ جب تم سنو اللہ کی آیتیں انکار کیا جاتا ہے ان کا

وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ

اور مذاق اڑایا جاتا ہے ان کا تو نہ بیٹھو ان کیساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہوں میں بات اسکے سوا

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾

یقیناً تم اس وقت ان جیسے بیشک اللہ جمع کرنیوالا منافق (جمع) اور کافر (جمع) میں جہنم اکٹھے

''اور اللہ تعالیٰ تمہاری طرف یہ حکم اتار چکا ہے کہ جب تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ جب تک وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں ورنہ تم بھی ان جیسے ہو گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔'' (۱۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ منافقین کا کردار بیان ہو رہا ہے۔

منافق اور برے لوگوں کی مجالس کے بارے میں اسی سورت کی آیت ۱۱۴ میں نشان دہی کی گئی ہے کہ ان کی اکثر مجلسیں خیر اور نیکی کے کام سے خالی ہوتی ہیں۔ وہاں ایسی مجالس سے اجتناب کا اشارہ دیا گیا ہے اور یہاں واضح حکم دیا ہے کہ جب تم کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار اور مذاق ہوتا ہوا سنو۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی بجائے وہاں سے اٹھ جایا کرو۔ (الانعام: ۶۸) سوائے اس کے کہ تمہارے سمجھانے یا تمہاری حاضری کا احساس کر کے وہ لوگ اس قسم کی گفتگو ترک کر دیں جس کا مطلب ہے کہ سماجی، معاشرتی ضرورت کے تحت ایسے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا گناہ نہیں لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور مذاق ہوتا ہوا دیکھو اور بیٹھے رہو۔ تو تم بھی ان میں شمار ہو گے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے منافقین اور کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے لیکن جہنم میں ان سب کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ کیونکہ دنیا میں کافر اور منافق حقیقتاً ایک جیسا کردار اور عقیدہ رکھتے تھے لہٰذا قیامت میں ان کا انجام اور مقام جہنم ہو گا۔ البتہ منافق جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ (النساء: ۱۴۵)

مسائل

۱۔ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار اور مذاق کیا جا رہا ہو اس میں بیٹھنا کفر و استہزاء کا ساتھ دینا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بری مجالس کا بائیکاٹ کرو:

۱۔ جہاں اللہ کی آیات سے مذاق ہو وہاں نہ جاؤ۔ (الانعام: ۶۸)

۲۔ دین کو کھیل تماشا بنانے والوں کو چھوڑ دو۔ (الانعام: ۷۰) ۳۔ سازشیوں کی مجلسیں اچھی نہیں ہوتیں۔ (النساء: ۱۱۴)

اِلَّذِيْنَ	يَتَرَبَّصُوْنَ	بِكُمْ ۚ	فَاِنْ	كَانَ	لَكُمْ	فَتْحٌ
جولوگ	انتظار کرتے ہیں	تمہارے ساتھ	پھر	اگر ہو	تم کو	فتح
مِّنَ	اللّٰهِ	قَالُوْٓا	اَلَمْ	نَكُنْ	مَّعَكُمْ ۖ	وَاِنْ	كَانَ
سے	اللہ	کہتے ہیں	کیا نہیں	ہم تھے	تمہارے ساتھ	اور اگر	ہو
لِلْكٰفِرِيْنَ	نَصِيْبٌ ۙ	قَالُوْٓا	اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ	عَلَيْكُمْ	وَنَمْنَعْكُمْ	مِّنَ
کافروں کے لیے	حصہ	کہتے ہیں کیا ہم غالب نہیں آئے تھے		تم پر	اور ہم نے منع کیا تھا تمہیں	سے
الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ	فَاللّٰهُ	يَحْكُمُ	بَيْنَكُمْ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ	وَلَنْ
مسلمان (جمع)	سو اللہ	فیصلہ کریگا	تمہارے درمیان	قیامت کے دن	اور ہرگز نہیں
يَّجْعَلَ	اللّٰهُ	لِلْكٰفِرِيْنَ	عَلَى	الْمُؤْمِنِيْنَ	سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾
بنائے گا	اللہ	کافروں کیلئے	پر	مومن (جمع)	راہ

''یہ (منافق) لوگ تمہارے انجام کا انتظار کرتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے اور اگر کافروں کو کامیابی ملے تو کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب آنے ہی لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا نہ تھا۔ پس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔'' (۱۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق ابن الوقت اور مفاد کا بندہ ہوتا ہے اس لیے کافر اور مسلمان کا ساتھ دینے میں مخلص نہیں ہوتا۔ اپنے مفاد کا غلام ہونے کی وجہ سے وہ اس انتظار میں ہوتا ہے کہ جدھر سے اسے فائدہ پہنچے وہ اس فریق کے ساتھ اپنی رفاقت اور ہمدردی کا اظہار کردے۔

رسولِ محترم ﷺ کے زمانہ کے منافقوں کی یہی حالت تھی۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر مسلمانوں سے الگ ہوکر کفار کی تقویت کا باعث بنے اور فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کی قوت دیکھ کر ان سے وفا کا دم بھرتے رہے۔ جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کامیابی حاصل ہوتی تو وہ اپنی نمازوں اور ظاہری مسلمانی کا واسطہ دے کر یقین دہانی کرواتے کہ ہم ذاتی مجبوریوں اور جماعتی مصلحت کی خاطر کفار کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ جبکہ ہمارا اٹھنا بیٹھنا تمہارے ساتھ ہے لیکن جوں ہی کفار کا پلڑا بھاری دیکھتے ہیں تو انہیں اعتماد دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں۔ حقیقت میں ہم ہی نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو انتباہ کر رہا ہے کہ دنیا میں تمہیں مہلت دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے تم مسلمانوں اور کافروں کے ساتھ خلط ملط ہوئے رہتے ہو۔ قیامت کے دن کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرکے ان کے درمیان فیصلہ کردیا

جائے گا۔ اللہ تعالیٰ منافقوں کو مومنوں پر ہرگز فوقیت نہیں دے گا۔ آیت کے آخر میں منافق کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے کافر کا لفظ استعمال فرما کر واضح کیا ہے کہ یہ منافق حقیقتاً کافر ہیں۔ اس آیت کے آخری الفاظ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اے مومنو! پورے اخلاص اور استقامت کے ساتھ ڈٹے رہو۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ایسے حالات پیدا کرے گا کہ منافق مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر منافقوں کو آپ سے سرِ عام معافی مانگنا پڑی۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے:

{ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ } (التوبۃ: ۹۴تا۹۶)

''جب تم ان کے پاس آؤ گے وہ تمہارے سامنے معذرت کریں گے۔ ان سے فرما دیں کہ بہانے نہ بناؤ ہم تمہاری باتوں پر یقین نہیں کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات بتلا دیے ہیں اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہارے کام دیکھ لیں گے پھر تم ایسی ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے سب حالات جانتا ہے وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں عبداللہ بن اُبی کو قتل کروں لیکن آپ نے مجھے یہ فرما کر منع کیا کہ اس طرح لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ساتھیوں کو قتل کروانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ آپ کی حکمت عملی کا یہ نتیجہ نکلا کہ منافقین ہمارے سامنے بے بس ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ دنیا میں ہی پورا ہوا۔ (البدایۃ والنہایۃ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار کو مومنوں پر ہرگز فوقیت نہیں دے گا۔ ۲۔ مسلمان فتح حاصل کریں تو منافق ان کے ساتھ مل جاتے ہیں۔
۳۔ کفار فاتح بنیں تو منافق ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ ۴۔ قیامت کو اللہ تعالیٰ سب کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

مسلمانوں کی کفار پر بالادستی:

۱۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔ (السجدۃ: ۱۸) ۲۔ مومن اور کافر برابر نہیں ہیں۔ (الانعام: ۱۲۲)
۳۔ مومن کافروں سے سربلند ہیں۔ (آل عمران: ۵۵) ۴۔ متقین قیامت کو سربلند ہوں گے۔ (البقرۃ: ۲۱۲)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا

بیشک منافق (جمع) دھوکہ دیتے ہیں اللہ اور وہ انکے دھوکے کو ناکام کرنیوالا اور جب کھڑے ہوتے ہیں

اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ

طرف نماز کھڑے ہوتے ہیں سست وہ دکھاتے ہیں لوگ اور نہیں وہ یاد کرتے

اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۫ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

اللہ کو مگر بہت کم شک کرنے والے درمیان اس نہ طرف ان کی

وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

اور نہ طرف ان کی اور جو گمراہ کرے اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لیے کوئی راہ

''بے شک منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں فریب میں مبتلا کرتا ہے اور جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی غفلت کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں محض لوگوں کو دکھلانے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔(۱۴۲) وہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان لٹکے ہوتے ہیں نہ پورے ان کی طرف اور نہ صحیح طور پر ان کی طرف۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ نہیں پاسکتے۔''(۱۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں منافقین کا کردار۔

آدمی جب مسلسل دھوکہ اور فراڈ کرنے کا روّیہ اختیار کرلے اور اس پر اس کی گرفت نہ ہو تو شیطان اس کے دل میں یہ خیال اور دلیری پیدا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور ہے اگر اللہ کو یہ بات اس قدر ناپسند ہوتی تو مجھے ایسا کرنے کی اجازت اور طاقت نہ دیتا۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی مہلت دینے کے اصول کو بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے گھناؤنے کردار میں آگے ہی بڑھتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت اس کے لیے خود فریبی اور دھوکے کا باعث بن جاتی ہے اس مہلت کو وہ شخص اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کے مترادف سمجھتا ہے حالانکہ مکڑی کے جالے کی طرح خود ہی اس میں پھنسا رہتا ہے۔ مسلمان کا ایمان اور حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر اور باطن ماضی، حال اور مستقبل جانتا ہے۔ اس کا علم لامحدود ہے اس لیے اُسے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا ہے۔ نماز میں سستی اور غفلت جسمانی کمزوری اور ذہنی پریشانی کی وجہ سے ہو تو اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں جمائیاں لینے کو شیطانی عمل قرار دے کر اسے روکنے کا حکم دیا ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ التَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ» (رواہ الترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ التثاؤب فی الصلاۃ [صحیح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں جمائی شیطان کی طرف سے آتی ہے جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ پوری کوشش سے اسے روکے۔''

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا سستی سے پناہ مانگنا:

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَدْعُوْ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَفِتْنَةِ الْمَسِيْحِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ» (رواه الترمذی: باب ماجاء فی جامع الدعوات [صحیح])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سستی، بڑھاپے، بزدلی، بخیلی، مسیح الدجال کے فتنے اور عذابِ قبر سے پناہ چاہتا ہوں۔''

فطری سستی اور غفلت منافقت کے زمرہ میں نہیں آتی۔ منافق تو جان بوجھ کر نماز میں لاپرواہی اور غفلت اختیار کرتا ہے کیونکہ اس کے دل میں اخلاص کے بجائے کھوٹ ہوتا ہے۔ اسی سبب وہ اپنے اعتقاد اور عمل کے حوالہ سے اسلام کے بارے میں متذبذب رہتا ہے۔ نہ مسلمانوں سے مخلص ہوتا ہے اور نہ پوری طرح کفار کے ساتھ ہوتا ہے۔ کافر اور گنہگار کے لیے توبہ کی چار شرطیں ہیں (۱) آئندہ گناہ کرنے سے رکنے کا عہد (۲) سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرنا (۳) گناہ پر شرمندگی اور ندامت (۴) اگر کسی کا حق ضبط کیا ہو تو ادا کرے۔ جبکہ منافق کی توبہ کے لیے مزید دو شرائط رکھی گئی ہیں کہ توبہ اور اصلاح کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ایمان باللہ پر اخلاص کے ساتھ استقامت اور اپنے دین میں مخلص ہو جائے۔

«عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى فِي الصَّلٰوةِ عَنْ ثَلَاثٍ نَقْرِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَأَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَقَامَ الْوَاحِدَ كَإِيْطَانِ الْبَعِيْرِ»

(رواه احمد: کتاب مسند المکیین، باب زیادة فی حدیث عبدالرحمن بن شبل [حسن لغیرہ])

''حضرت عبدالرحمٰن بن شبل انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تین کاموں سے منع کیا۔ (۱) کوے کی طرح ٹھونگیں مارنا (۲) درندے کی طرح بازو بچھانا۔ (۳) اور اونٹ کی طرح ایک جگہ کو پکڑے رکھنا۔''

مسائل

۱۔ منافق دھوکہ باز اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر سے جی کترانے والا ہوتا ہے۔ ۲۔ منافق کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا۔ ۳۔ منافق نماز میں جان بوجھ کر سستی کرتا ہے۔ ۴۔ منافق دکھلاوے کے لیے نیک عمل کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافقین کی نماز:

۱۔ نماز میں سستی۔ (الماعون: ۵) ۲۔ نماز میں ریاکاری۔ (الماعون: ۶)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

اے جولوگ ایمان لائے نہ پکڑو کافر (جمع) دوست (جمع) سے سوائے

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ

مومن (جمع) کیاتم چاہتے ہو یہ کہ تم کرواللہ کے لیے تم پر حجت/دلیل واضح بیشک

الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

منافق (جمع) میں سب سے نیچے کادرجہ سے آگ اورآپ ہرگز نہ پائینگے ان کیلئے کوئی مددگار

''اے صاحب ایمان لوگو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کرلو؟۔(۱۴۴) یقیناً منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔تم ان کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔''(۱۴۵)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کے کفر اور منافقین کے گھناؤنے کردار کی وجہ سے قرآنِ مجید مسلمانوں کو بار بار حکم دیتا ہے کہ ان کے ساتھ دوستی سے اجتناب کرو کیونکہ یہ غیرتِ ایمانی اور ملّی مفاد کے خلاف ہے۔

کفار اور منافقین کے ساتھ معاشرتی، سیاسی اور کاروباری تعلقات رکھے جاسکتے ہیں لیکن انہیں اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھنا مسلمانوں کا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے کیونکہ یہ ملتِ اسلامیہ کے نقصان کے خواہاں، اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں جس کا مشاہدہ میدانِ اُحد سے لے کر ہر دور میں کیا گیا ہے۔2003ء میں جب امریکہ نے عراق پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو ابتداء میں روس سمیت کئی ملکوں نے مخالفت کی لیکن جونہی امریکہ نے انہیں مفادات کا لالچ دیا تو روس عراق کا پرانا حلیف ہونے کے باوجود امریکہ کے ساتھ کھڑا ہوا۔اس طرح پوری دنیا کا کفر مسلمانوں کے خلاف متحد ہوگیا۔جب مسلمان کسی نکتہ پر اکٹھا ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو کفار مسلمانوں کو تنگ نظری کا طعنہ دیتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ دوسری جنگِ عظیم 1939 میں برطانیہ نے اپنے کئی شہریوں کو اس لیے حراست میں رکھا تھا کہ ان کے تعلقات جرمن قوم کے ساتھ پائے جاتے تھے۔یہاں تک کہ متحدہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کا والد جو برطانوی بحری فوج کا اعلیٰ افسر تھا اسے بھی زیرِ حراست رکھا گیا کیونکہ وہ جاپانی نژاد تھا اور جاپان جرمن کا حلیف تھا حتیٰ کہ جرمنوں کے ساتھ اس جنگ میں امریکہ نے اپنے ملک میں بعض لوگوں کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا جب کہ اسلام کفار کے ساتھ دلی دوستی اور کفار کو مسلمانوں سے مقدم سمجھنے کے سوا ان کے ساتھ سیاسی معاشرتی اور کاروباری تعلقات رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔منافق اپنے دوغلے پن کی وجہ سے جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔کفار اور منافقوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ کفار کو دوست بنا کر ایمانداروں کو اپنے خلاف حجت قائم نہیں کرنی چاہیے۔

۲۔ منافق جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔

اِلَّا	الَّذِيْنَ	تَابُوْا	وَاَصْلَحُوْا	وَاعْتَصَمُوْا	بِاللّٰهِ	وَاَخْلَصُوْا
مگر	وہ لوگ	انہوں نے توبہ کی	اور اصلاح کی	اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا	اللہ کو	اور خالص کر لیا
دِيْنَهُمْ	لِلّٰهِ	فَاُولٰٓئِكَ	مَعَ	الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ	وَسَوْفَ	يُؤْتِ	اللّٰهُ
اپنا دین	اللہ کیلئے	تو یہی لوگ	ساتھ	مومن (جمع)	اور عنقریب	دے گا	اللہ
الْمُؤْمِنِيْنَ	اَجْرًا	عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾	مَا يَفْعَلُ	اللّٰهُ	بِعَذَابِكُمْ	اِنْ	شَكَرْتُمْ
مومن (جمع)	اجر	بڑا	کیا کرے گا	اللہ	تمہیں عذاب کے ساتھ	اگر	تم شکر کرو گے
وَاٰمَنْتُمْ ؕ	وَكَانَ	اللّٰهُ	شَاكِرًا	عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾			
اور ایمان لے آؤ	اور ہے	اللہ	قدردان	خوب جاننے والا			

''سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور اصلاح کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دین اختیار کریں تو یہ مومنوں کے ساتھی ہیں اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت اجر عطا فرمائے گا۔(۱۴۶) تمہیں سزا دینے سے اللہ تعالیٰ کو کیا فائدہ؟ اگر تم شکر گزار ہو جاؤ اور ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور علم رکھنے والا ہے۔''(۱۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفر اور منافقت سے سچی توبہ اور اپنے کیے کی اصلاح کرنے والوں کے لیے اجرِ عظیم کا وعدہ اور اس بات کی وضاحت کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کفر پر نہیں وہ تو شکر پر راضی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور شکر گزاروں کا قدردان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی انتہا ہے کہ منافقوں کا کردار اور ان کا انجام ذکر کرنے کے باوجود ان کے لیے نہ صرف توبہ اور بخشش کا دروازہ کھلا رکھا بلکہ انہیں توبہ کرنے کی صورت میں انعام و اکرام اور مومنوں کی رفاقت کی خوشخبری سنائی ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مومنوں کے ساتھ اجرِ عظیم سے سرفراز کرے گا اور تمہارے اعمال و خدمات کی قدر افزائی کی جائے گی بشرطیکہ گناہوں پر اصرار کرنے کے بجائے توبہ کرو، فساد اور بگاڑ کی جگہ اپنی اصلاح کرتے ہوئے مومنوں کا ساتھ دو، متذبذب رہنے اور ابن الوقت بننے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان کا مضبوط رشتہ قائم کر کے اس کی رضا کے لیے اپنے دین میں مخلص ہو جاؤ۔ تمہارے عمل اور اخلاص کو نہایت ہی نظرِ استحسان سے دیکھا اور تمہیں بے پناہ اجر دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سزا دینے کی بجائے جزا دینا زیادہ پسند کرتا ہے بشرطیکہ وہ تسلیم و رضا کا رویہ اختیار کریں۔ بندے کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور نعمتوں پر دل سے مطمئن ہو، زبان سے شکر و اعتراف کرے اور اپنے عمل سے محسن حقیقی کا اطاعت گزار بن کر رہے۔ اللہ تعالیٰ کے شاکر ہونے سے مراد بندے کی حقیر اور ناچیز اطاعت کی قدر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بندے کی قدر افزائی کرنا:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فُلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ» (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو آدمی کھجور کے برابر اپنی حلال کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ کے ہاں صرف پاک چیز ہی قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے قبول کر کے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کو اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی بچھڑے کو پالتا ہے حتیٰ کہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔''

توبہ کا فائدہ:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ» (رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ [حسن])

''گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہے۔''

مسائل

۱۔ توبہ اور اپنی اصلاح کرنے اور اللہ سے تعلق مضبوط رکھنے والے مومن کو اجرِ عظیم دیا جائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو عذاب دے کر خوش نہیں ہوتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور شرک سے بچنے والے کی قدر افزائی کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اخلاص فی الدّین:

۱۔ پہلے لوگوں کو اخلاص کا حکم۔ (البینہ: ۵) ۲۔ نبی ﷺ کو خالص اللہ کی عبادت کرنے کا حکم۔ (الزمر: ۱۱)

۳۔ سب کو خالص اللہ کی خالص عبادت کرنے کا حکم۔ (المومن: ۶۵)

۴۔ نبی کریم ﷺ کو مخلص لوگوں کے ساتھ رہنے کی ہدایت۔ (الکہف: ۲۸)



عنوان	صفحہ
✿ عظمتِ قرآنِ مجید	5
✿ تلاوتِ قرآن کی فضیلت	5
✿ آدابِ تلاوت	6
✿ نزولِ قرآن کے مراحل	7
✿ تدوینِ قرآن	7
✿ ترتیبِ قرآن	8
✿ ربطِ قرآن	8
✿ تفسیر کا تعارف	9
✿ فہم القرآن اور اعترافِ حقیقت	10
✿ مفسّر کا تعارف	10

پارہ۔ ۱

1	فاتحہ کے اسمائے گرامی اور ان کی وجہ تسمیہ	11
2	فاتحہ اور قرآنِ مجید کے مضامین	11
3	فاتحہ کی فضیلت و فرضیت	12
4	فاتحہ کی عظمت	13
5	فاتحہ اور نماز	13
6	ہر کام کی ابتدا اللہ کے نام سے کرنے کا مفہوم	14
7	اسم ''اللہ'' کی خصوصیت، قرآن میں 2697 مرتبہ ذکر	15
8	اللہ تعالیٰ کا نظامِ پرورش	17
9	مانگنے کا صحیح طریقہ اور اسلامی تہذیب	17
10	رسول اللہ ﷺ کا ''اللہ'' کی حمد و ثنا بیان کرنے کا انداز	18
11	الرحمن اور الرحیم کے معانی	19
12	اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا	20
13	رسولِ اکرم ﷺ کی دعا	20
14	الرحمن الرحیم کے بعد یوم الدین۔ کے تذکرہ کی حکمت	21
15	جب زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں گے	21
16	دین کے معانی	22
17	قیامت کے مختلف نام	22
18	نمازی کی اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکساری	24
19	نبی ﷺ کا سکھلایا ہوا عقیدہ	24
20	ہدایت کی چار اقسام	26
21	وحی اور ہدایت	27
22	صراطِ مستقیم کا عملی نقشہ	27
23	اختلافات کا حل	28
24	انبیائے کرام علیہم السلام ایک دوسرے کے بھائی تھے	29
25	انعام یافتہ لوگ کون ہیں؟	29
26	آمین اور اس کی فضیلت	30
27	سورۃ البقرۃ کا تعارف	31
28	حروفِ مقطعات کے معانی	33
29	تلاوتِ قرآن مجید کا ثواب	33
30	''هٰذَا'' کی بجائے ''ذٰلِكَ'' کیوں؟	34
31	قرآن کی تصدیق میں میونخ یونیورسٹی کی رپورٹ	34
32	قرآنِ مجید پر ایک اعتراض کا جواب	35
33	تقویٰ کا مفہوم	36
34	غیب پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟	37
35	اقامتِ صلوٰۃ	37
36	زکوٰۃ کی فرضیت	38
37	زکوٰۃ کی بجائے لفظ ''رَزَقْنٰهُمْ'' کیوں استعمال ہوا؟	39
38	ایمان کی افضل اور ادنیٰ شاخ	40
39	ایمان اور ایقان کا معنیٰ	41
40	فلاح کا جامع مفہوم	42

	عنوان	صفحہ
41	لفظِ کفر کا معنی	43
42	ایمان لانے یا نہ لانے کے متعلق ایک اعتراض کا جواب	43
43	جنت کی نعمت اور جہنم کی سزا کا موازنہ	44
44	نفاق کا معنٰی اور اقسام	45
45	تین قسم کے لوگ	45
46	منافق کے کردار کی مثال	46
47	دل درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے	47
48	دل پر گناہوں کا اثر	48
49	منافق مخلص آدمی کو کیوں اچھا نہیں سمجھتا؟	49
50	آدمیوں میں بڑے بڑے شیطان	51
51	ولی اللہ سے دشمنی اللہ سے دشمنی کے مترادف ہے	52
52	گناہ کیا ہے؟	53
53	منافق ایمانی بصیرت سے کیوں محروم ہوتا ہے؟	54
54	منافقین کی نشانیاں	55
55	منافقوں کی مثال	56
56	اسلام روشنی اور نفاق اندھیرا ہے	56
57	نبی ﷺ کی نبوت کی مثال	56
58	محض گوشت پوست کے انسان	58
59	فکری طور پر تین قسم کے انسان	60
60	عبادت کا معنٰی	61
61	عبادت کے تین طریقے	61
62	قرآنِ مجید میں عبادت کا وسیع تر مفہوم	62
63	ایک مبلّغ کا فرض	62
64	"اَنْدَاد" کا معنٰی	63
65	نبی ﷺ کی نبوت پر مختلف اعتراضات اور ان کا جواب	64
66	قرآن مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کفار کو بار بار چیلنج	64
	تاثیرِ قرآن کا غیر مسلموں کو اعتراف	65
	نیکی میں تین چیزیں لازم ہیں	67
	جنت کے پھل دنیا کے پھلوں کے مشابہ ہونے کی حکمت	67
	جنت کی حور کا حسن و جمال	68
	"اَزْوَاج" کا معنٰی	68
	جنت کے درخت کا طول و عرض	68
	جنت میں مومنوں کے وسیع و عریض خیمے	69
	جنتیوں کا حسن و جمال	69
	مکڑی کا جالا اور شرک کی بے ثباتی	70
	عہد سے مراد	72
	اللہ کے حضور حاضر ہوئے بغیر چارہ کار نہیں	74
	قیامت کے دن ایک آدمی کی راکھ اکٹھی کرنے کا حکم	74
	جہنمیوں کا اعتراف	75
	اللہ تعالیٰ کے "استوا" ہونے کا معنٰی	76
	ملائکہ کی آدم علیہ السلام کی خلافت پر تشویش کی وجوہات	77
	حضرت آدم علیہ السلام کی علمی برتری اور فضیلت کا بیان	79
	شیطان کی کٹ حجتیاں	81
	حسد اور تکبر کی مذمت	82
	غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں	82
	تعظیمی سجدہ جائز نہیں: پیر محمد کرم شاہ	83
	حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرانے کی حکمت	84
	حضرت آدم علیہ السلام سے شیطان کا پہلا انتقام	85
	انسان کے جسم میں خون کی طرح شیطان کا گردش کرنا	85
	توبہ کب تک قبول ہوتی ہے؟	87
	ایک غلط عقیدے کی تردید	87
	قرآن کے دستورِ حیات پر عمل کرنے والا بے خوف و غم ہوگا	89

	عنوان	صفحہ
93	جہنم کی آگ کی شدّت	90
94	بنی اسرائیل کا مختصر تعارف	91
95	قرآن کی ابتدا میں ان کا تذکرہ کیوں کیا گیا؟	91
96	امتِ محمدیہ یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر	92
97	ابتداءً بنی اسرائیل کو 16 باتیں ارشاد فرمائیں گئیں	93
98	سچائی قبول کرنے میں سب سے پہلی رکاوٹ	94
99	اللہ تعالیٰ کی آیات تھوڑی قیمت پر بیچنے کا مطلب	94
100	دنیا کی حیثیت بکری کے مردہ بچے سے بھی بدتر ہے	95
101	روزِ قیامت بھاری بھرکم انسان نہایت ہی بے وزن ہوگا	95
102	پادریوں کی دنیا پرستی تاریخ کے آئینہ میں	95
103	بنی اسرائیل کے علماء سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کر دیتے ہیں	97
104	بائبل کے نسخوں میں تبدیلیاں	97
105	باجماعت نماز اکیلے نماز پڑھنے سے 27 درجہ افضل ہے	98
106	نماز باجماعت کے تارک کو زبردست تنبیہ	99
107	اہلِ کتاب کے مذہبی پیشواؤں کا کردار	100
108	بدعمل علماء کے بارے میں رسولِ معظم ﷺ کا ارشاد	101
109	کڑی آزمائش کے وقت ابراہیم علیہ السلام کا نماز پڑھنا	102
110	اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل پر عظیم الشان احسانات	104
111	دنیا کی عدالت سے مجرم چار طریقوں سے بچ نکلتا ہے	106
112	روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ کی سفارش سے محروم لوگ	107
113	بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم کی وجوہات	108
114	ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے	109
115	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی مختصر تاریخ اور بنی اسرائیل کا منفی کردار	110
116	بنی اسرائیل کی توبہ کے لیے کڑی شرط	112
117	توبہ کے متعلق نبی کریم ﷺ کے ارشادات	111
118	بنی اسرائیل کے 70 نمائندوں کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے لیے حاضری اور ہلاکت	113
119	اللہ تعالیٰ کی زیارت کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ	113
120	بنی اسرائیل پر من وسلویٰ کا نزول	115
121	سینائی جزیرہ کا حدود اربعہ	115
122	بنی اسرائیل کے 12 آدمیوں کا فلسطین کا مطالعاتی دورہ	116
123	بنی اسرائیل کی بزدلی	116
124	بنی اسرائیل نے فلسطین کب فتح کیا؟	117
125	کھنبی "مَنٌ" سے ہے (من اور سلویٰ)	117
126	بنی اسرائیل کے بیت المقدس میں داخلے کے متعلق دو نقطہ نگاہ	118
127	بنی اسرائیل کی بیت المقدس میں داخل ہوتے ہوئے سرکشی	119
128	طاعون کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد	119
129	فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عاجزی	119
130	اللہ کے احسانات اور بنی اسرائیل کی نافرمانی کی انتہا	121
131	''صابی'' کا معنیٰ	122
132	نبی ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت فرض ہے	123
133	اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً ہدایت نہیں دیتا	124
134	جبری ہدایت دیرپا نہیں ہوتی	124
135	جبر کس پر کرنا چاہیے؟	125
136	اصحابِ سبت کا انجام	126
137	جمعہ کی فضیلت و اہمیت	127
138	سنجیدہ مسئلہ کو مذاق بنانا جہالت ہے	128
139	بنی اسرائیل کے مختلف حیلے بہانے	130
140	قیامت کے دن حقوق العباد میں پہلا فیصلہ	130
141	گائے کے گوشت سے قتل کا فیصلہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا	131

	عنوان	صفحہ
142	دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوجاتے ہیں	132
143	دل نرم کرنے کے طریقے	133
144	آسمانی کتابوں میں ردّوبدل کرنے والے لوگ	134
145	منافقوں کی عادت بد کا تذکرہ	135
146	خواہشات کو دین تصور کرنا جہالت اور گمراہی ہے	136
147	اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کا ایک انداز	136
148	تورات وانجیل میں ترمیم واضافے	137
149	یہودیوں کی خوش فہمی	139
150	ایمان کی قدر وقیمت	140
151	اللہ کے ہاں محبوب ترین عمل!	141
152	والدین کا مقام ومرتبہ	141
153	یتیم کا کفیل نبی ﷺ کا ساتھی ہوگا	142
154	یہود ونصاریٰ سے کشت وخون نہ کرنے کا عہد لیا گیا	143
155	اہلِ کتاب کی عہد شکنیاں	144
156	اہلِ کتاب کے ایک دوسرے پر مظالم	145
157	جہنم کے عذاب کی معمولی ایک جھلک	147
158	اہلِ کتاب کی متکبرانہ روش	148
159	تکبر کا معنیٰ اور انجام	149
160	بعثتِ رسول سے پہلے اہلِ کتاب کی ایمان لانے کی خواہش	150
161	حضرت معاذ اور بشر بن براء رضی اللہ عنہما کا یہود کو عار دلانا	150
162	ابوجہل کا چھپ کر قرآن سننا	151
163	"بَغْيًا" کا معنیٰ	152
164	یہود کو ایمان لانے کی دعوت اور چند سوالات	153
165	سخت ترین عذاب میں مبتلا شخص	154
166	یہودیوں کے بلند وبانگ دعوے	155
167	مومن جھوٹ نہیں بولتا	156
168	یہودی سب سے زیادہ حریص ہیں	157
169	مسلمانوں کے خلاف کفار کا اٹھ کھڑا ہونا	158
170	کافر اور مومن کی موت میں فرق	158
171	یہود کی حضرت جبرائیل سے عداوت کی وجہ	160
172	عہد یاد کروانے کے باوجود نافرمانی کا وطیرہ	162
173	بدعہد دیندار نہیں ہوتا	162
174	قیامت کے دن غدار کی پیٹھ پر غداری کا جھنڈا	163
175	حضرت سلیمان علیہ السلام جادو نہیں کیا کرتے تھے	167
176	جادو کی تاریخ	167
177	جادو کا معنیٰ	167
178	جادو کی اقسام	168
179	جادوگر بننے کے گھٹیا طریقے	169
180	جادو کی فتنہ انگیزیاں	169
181	رسولِ کریم ﷺ پر جادو کے اثرات اور اعتراضات کا جواب	170
182	جادو ٹونے کا شرعی علاج	171
183	یہود کی نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخیاں	173
184	یہودی انبیاء کے گستاخ ہیں	174
185	شاتم رسول کی سزا۔اس کے لیے معافی نہیں ہے	174
186	گستاخِ رسول کے بارے میں احکامات	176
187	ہر دور میں یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی بجائے کفار اور مشرکین کا ساتھ دیا ہے	180
188	رحمت سے مراد	180
189	نسخ کا معنیٰ اور اس کی صورتیں	181
190	ناسخ ومنسوخ کے حوالے سے اعتراض	181
191	حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام کی برأت	183
192	بے جا سوالات کرنے کی ممانعت	184

	عنوان	صفحہ
193	یہود ونصاریٰ کا رسولِ محترم ﷺ کی رسالت سے انکار کا بنیادی سبب	185
194	ایمان، نماز اور زکوٰۃ اللہ کی مدد کے وسیلے ہیں	187
195	نماز اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے	187
196	زکوٰۃ غریبوں کے ساتھ تعاون کا بہترین ذریعہ ہے	188
197	جنت میں جانے کا حق دار کون؟	189
198	یہودی، عیسائی گٹھ جوڑ	189
199	یہودی خون چوسنے والی چمگادڑ ہیں، امریکی صدر	190
200	یہود ونصاریٰ کی باہمی منافرت	191
201	عیسائیوں اور یہودیوں کی باہم ہرزہ سرائی	192
202	مسلمانوں نے ہمیشہ عبادت خانوں کا احترام کیا ہے	194
203	مساجد میں شور وغوغا کی ممانعت	195
204	ظاہر پرستی سے حقیقی روح ختم ہوجاتی ہے	196
205	بیت اللہ میں چار مصلے فرقہ پرستی کی بنیاد ثابت ہوئے	196
206	یہود ونصاریٰ اللہ تعالیٰ کے گستاخ ہیں	197
207	اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے لوگ	197
208	اہلِ کفر کے بے ہودہ اعتراضات	199
209	پہلے انبیاء پر رسول اللہ ﷺ کی پانچ فضیلتیں	200
210	حقیقی ہدایت کیا ہے؟	202
211	قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنے کا حکم	202
212	روزِ قیامت کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا	204
213	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آزمائش میں پورا اترنے پر انعام ومقام	206
214	آزمائش کا مقصد	206
215	تعمیر کعبہ	208
216	مشرکوں کو کعبہ کے قریب نہ آنے دیا جائے	209
217	اہلِ مکہ کے لیے خاص دعا کرنے کی وجوہات	211
218	ثمرات کا معنیٰ	211
219	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بانی کعبہ کا اعزاز ملا	213
220	تاریخ کعبۃ اللہ	213
221	تعمیر کعبہ کے بعد ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی دعائیں	214
222	ملت ابراہیم سے انحراف کرنے والا بے وقوف ہے	216
223	انجام کا دارومدار آدمی کے خاتمے پر ہے	217
224	کردار نہ ہو تو حسب ونسب بے مقصد ہے	219
225	اہلِ کتاب کی روایات کی تصدیق یا تکذیب نہ کرو	220
226	فکر وعمل کے لحاظ سے کمزور جماعتوں کا رویہ	220
227	اپنی پہچان کے لیے مختلف مذاہب کے شعار	222
228	توحید کی وجہ سے کشمکش	225
229	یہود ونصاریٰ کا عقل سے عاری دعویٰ	226

پارہ ۔ ۲

	عنوان	صفحہ
1	قبلہ کا معنیٰ اور مطلب	228
2	مدینہ میں نبی ﷺ کا قبلہ اور اس کی تبدیلی	228
3	ہدایت رسم ورواج کا نام نہیں ہے	229
4	"كَذٰلِكَ" کا اشارہ کیوں استعمال کیا؟	230
5	پہلے انبیاء کے حق میں امت محمدیہ کی گواہی	230
6	قبلہ کی سمت کی وسعت	231
7	الرؤف کا معنیٰ	232
8	قرآنی دلائل کے باوجود یہود ونصاریٰ کا رویہ	234
9	اہلِ کتاب کی خواہشات پر عمل کرنا ظالموں میں شمار ہونا ہے	234
10	کتے کے کاٹے کی طرح خواہشات کا جسم میں سرایت کرنا	235
11	اہلِ کتاب کا نبی کریم ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچاننا	236

	عنوان	صفحہ
12	یہودیوں کا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو بوسہ دینا	237
13	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے والد اور چچا کا اعترافِ حقیقت	237
14	ہر مذہب کی ایک سمت ہے	238
15	نیکیوں میں سبقت لے جانے کا حکم ہے	239
16	صحابہ رضی اللہ عنہم کا نماز میں ہی قبلہ تبدیل کر لینا	239
17	ایک ہی مسئلہ میں نبی ﷺ کو تین مرتبہ حکم	240
18	نبوت کے مرکزی اور بنیادی فرائض	241
19	عورتوں کی الگ تعلیم کا اہتمام	242
20	علم کی عظمت وفضیلت	242
21	حکمت کے معانی	243
22	ذکر کی اہمیت	245
23	فضیلتِ شکر	246
24	صبر کا معنیٰ اور اس کو اختیار نہ کرنے کے نقصانات	247
25	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتہائی پریشانی کے وقت نماز پڑھنا	248
26	زیادہ اجر پانے والا مومن	249
27	شہداء اور ان کا مرتبہ ومقام	250
28	انبیائے کرام کے اجسامِ اطہر کو مٹی نہیں کھاتی	250
29	شہید کا دنیا میں لوٹنے کی خواہش کرنا	251
30	آزمائش شرط ہے	253
31	تکلیف پہنچنے پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھنا	253
32	صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں	255
33	اسلام سے پہلے مکہ والوں کے چار بت	255
34	اللہ کی آیات چھپانے کا گناہ	257
35	حالتِ کفر میں مرنے والوں کی سزا	259
36	بنی اسرائیل میں پہلا عیب اور خرابی	259
37	علم چھپانے کی سزا	260
38	ایک آسمان کی موٹائی اور دوسرے تک فاصلہ	262
39	اللہ کی ربوبیت کے آٹھ آفاقی دلائل	263
40	ایماندار کا اللہ تعالیٰ کی محبت میں شدید تر ہونا	264
41	محبت کرنے کے اسباب اور وجوہات	265
42	قیامت کو مرید اپنے پیروں سے بھاگ جائیں گے	266
43	حلال اور طیب مال کھانے کا حکم	268
44	تین طبقات کو حلال کھانے کا حکم	268
45	حرام خوری کے نقصانات	269
46	حرام سے اجتناب نہ کرنے کے نقصانات	270
47	مقلدین کے شریعت کے مقابلے میں دلائل	271
48	کفار جانوروں کی مانند ہیں	272
49	ائمہ کرام کی توہین کرنے والے لوگ؟	272
50	رزقِ حلال مشتبہ چیزیں اور سرکاری چراگاہ	273
51	حلال کے بارے میں احادیث	274
52	چار حرام چیزیں	275
53	غیر اللہ کے نام کی چیز ایمان کے لیے سمِ قاتل ہے	276
54	جانور کہاں ذبح کرنے منع ہیں؟	276
55	غیر اللہ کے نام پر ذبح کے متعلق غلط تصور	277
56	اللہ کے احکام چھپانے والوں کی سزا	278
57	نیکی کی روح	279
58	جب اسلام کے ظاہری ارکان باقی رہ جائیں گے	281
59	قصاص لازم ہے	282
60	مقتول کے ورثاء کو تین میں سے ایک چیز کا اختیار	282
61	مجرم کو از خود سزا دینے کا اختیار نہیں	283
62	پہلی قوموں کی تباہی کا سبب	283
63	مظلوموں کو معافی کا حق دینے کی وجہ	284

	عنوان	صفحہ
64	غلط وصیّت کی اصلاح کرنے کا کوئی گناہ نہیں	285
65	وصیّت اور وراثت کی اصلاحات	285
66	مال میں وصیّت کرنے کی آخری حد	286
67	وارث کے لیے وصیّت نہیں کی جاسکتی	286
68	روزوں کی فرضیت	287
69	روزے دار کے لیے آسانیاں	287
70	روزے کا معنیٰ	288
71	برکاتِ رمضان	288
72	فضیلتِ صوم	289
73	ثواب کی حد ہی نہیں	289
74	دو مقبول ترین سفارشیں	289
75	جنت کے ایک دروازے کا نام ''الریان'' ہے	290
76	نزولِ قرآن اور رمضان المبارک	291
77	روزے کا مقصد	291
78	اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانیاں	292
79	اللہ تعالیٰ بندے کے قریب تر ہے	293
80	دعا کا معنیٰ ومفہوم	293
81	دعا کی اہمیت	294
82	دعا کے آداب	294
83	ہاتھ آگے بڑھایئے اللہ تعالیٰ کو ان کی بڑی حیا ہے	295
84	یقین کے ساتھ مانگیے	296
85	ہر دعا قبول ہونے کی گارنٹی	296
86	اللہ تعالیٰ کی رفعت اور قربت	296
87	رمضان کی راتوں میں مباشرت جائز ہے	298
88	اعتکاف میں مباشرت منع ہے	298
89	یہود کے ہاں روز ں کا دستور	298
90	سحری کھانا باعثِ برکت ہے	299
91	ناجائز طریقے سے مال کھانا منع ہے	301
92	غلط مقدمہ کی کمائی جہنم کا ٹکڑا پانا ہے	302
93	کمائی کے حرام طریقے	302
94	چاند گھٹنے اور بڑھنے کی حقیقت اور فائدہ	303
95	چاند کے بارے میں جدید تحقیق	304
96	جہاد کا حکم اور مسائل	305
97	جہاد کے متعلق 12 ہدایات	306
98	حرمت کے بدلے کے بارے میں	307
99	نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ کی شرائط	308
100	رسولِ محترم ﷺ کے غزوات کا تجزیہ	308
101	اسلام میں جہاد کا تصور	309
102	حج اور عمرہ کے چند مسائل	310
103	حج میں مشرکین کا تلبیہ	311
104	حج وعمرہ میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو؟	311
105	حج میں فسق وفجور کی ممانعت	313
106	حج کے مہینے	313
107	حج کی فرضیت	314
108	توکل علی اللہ کا مفہوم	314
109	دورانِ حج خرید وفروخت کی اجازت	315
110	مشعرِ حرام ایک پہاڑی کا نام ہے	315
111	مزدلفہ میں قیام کا طریقہ	316
112	عرفات کے متعلق قریش کا خود ساختہ عقیدہ	317
113	عرفات میں سمع اطاعت کا نقطۂ عروج	317
114	عرفات میں رسول اللہ ﷺ کے خطبہ کے چند نکات	318
115	حج کا مختصر طریقہ	318

	عنوان	صفحہ
116	عورت کا احرام اور مخصوص ایام	319
117	احرام میں جائز اور ناجائز کام	319
118	اقسامِ حج	320
119	حج ایک نظر میں	320
120	مومن اور کافر کی سوچ اور کوشش میں فرق	322
121	قصے، کہانیوں کی بجائے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے	323
122	دنیا پرست اور اللہ کی رضا کے متلاشی کا کردار	324
123	فاسق و فاجر کی موت پر مخلوق کا خوش ہونا	325
124	اسلام میں کلی طور پر داخل ہونے کا حکم	326
125	ملائکہ کی آمد کے بعد فیصلہ میں تاخیر نہیں ہوتی	327
126	کفار کے لیے دنیا کی زندگی خوبصورت ہے	329
127	رزق میں کمی بیشی کا انحصار اللہ کی مرضی پر ہے	329
128	مستشرقین اور نام نہاد دانش مندوں کا پروپیگنڈا	330
129	نومولود فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے	331
130	شرک کی ابتدا کب ہوئی؟	331
131	دین کی ناقدری کا بنیادی سبب	331
132	جنت میں داخلہ مشکلات اور مصائب کے بعد	333
133	اللہ کی مدد کب آتی ہے؟	333
134	جنت کے اردگرد رکاوٹیں	334
135	صدقات کے مصارف	335
136	سائل کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟	336
137	قتال فی سبیل اللہ کی فرضیت	337
138	حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنا گناہ ہے	338
139	فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے	338
140	کفار کا صحابہ پر الزام اور اس کا جواب	339
141	کفار کا گھناؤنا کردار	340

	عنوان	صفحہ
142	اللہ کی رحمت کے حق دار لوگ	341
143	خمر کا معنیٰ	342
144	شراب اور جوئے کے نقصانات	342
145	شرابی کی سزا	343
146	میسر کا معنیٰ اور وجہ تسمیہ	343
147	جوئے اور شراب کا اکٹھا ذکر کیوں؟	344
148	"عَفْو" کا معنیٰ	345
149	یتیموں کی اصلاح کرنی چاہیے	346
150	یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کی فضیلت	347
151	مشرک مردوں سے نکاح جائز نہیں	348
152	عورت کے ساتھ چار وجوہات کی بنا پر نکاح	349
153	حیض کی حالت میں میاں بیوی کس حد تک قریب ہو سکتے ہیں؟	351
154	دورانِ حیض جماع کرنے والے کی سزا	351
155	ازدواجی زندگی کا بنیادی مقصد	352
156	ازدواجی زندگی کے متعلق احادیث	353
157	نیکی سے باز رہنے کی قسمیں نہ کھاؤ	354
158	کس قسم پر مؤاخذہ ہوگا؟	355
159	قسم کا کفارہ	355
160	مطلقہ عورت کی عدّت	357
161	تین باتیں مذاق کے طور پر بھی واجب ہو جاتی ہیں	357
162	عورت کو رحم کا معاملہ چھپانا نہیں چاہیے	358
163	جان بوجھ کر نسب خلط ملط کرنا بڑا گناہ ہے	358
164	''طلاق دو مرتبہ ہے'' اس کا پسِ منظر	360
165	خلع اور اس کا معنیٰ	361
166	تین طلاقوں کے بعد بیوی حرام ہو جاتی ہے	362

	عنوان	صفحہ
167	حلالہ کیا ہے؟ اور اس کی حرمت	362
168	تین طلاقوں کے بعد میاں بیوی کے رجوع کا طریقہ	362
169	طلاق حلال ہونے کے باوجود ناپسندیدہ عمل	363
170	طلاق سے پہلے شریعت کے مقرر کردہ اقدامات	364
171	مطلقہ عورت پر ظلم سے چار دفعہ منع کیا گیا ہے	364
172	میاں بیوی کے رجوع میں رکاوٹ نہ ڈالیے	365
173	بچوں کو دودھ نہ پلانے والی ماؤں کی سزا	368
174	مسئلہ رضاعت اور اس کی اہمیت	368
175	بیوہ کی عدّت	370
176	عدّت کے دوران بیوہ گھر سے باہر جاسکتی ہے	370
177	دورانِ عدّت بیوہ سے نکاح کی بات کرنا منع ہے	371
178	نکاح کی بات کنایہ سے کرنے کی حکمت	371
179	عدّت کے مسائل	372
180	خلوت سے پہلے طلاق ہوجائے تو؟	374
181	نکاح وطلاق کے مسائل کے دوران نماز کا تذکرہ کیوں؟	375
182	صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد	376
183	بیوہ عدّت گزرنے کے بعد خود مختار ہے	377
184	طاعون سے بھاگنے والوں کا انجام	379
185	رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے	380
186	صدقہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے	380
187	صدقہ میں برکت	381
188	قوم کی تباہی کا باعث طبقہ	383
189	جنگ کی تمنا نہیں کرنی چاہیے	383
190	طالوت کی بادشاہی پر اعتراض کرنے والے	384
191	حکمران کے اوصاف	385
192	فوج کی ٹریننگ ضروری ہے	387
193	لشکرِ طالوت کی تعداد	387
194	جہاد میں دعا کی اہمیت	389
195	بنی اسرائیل اور اہلِ مکہ کے حالات کا موازنہ	389
196	ہر جگہ دین پہنچ کر رہے گا	391

پارہ۔ ۳

	عنوان	صفحہ
1	انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت	392
2	واضح دلائل کے باوجود بعض لوگوں کا کفر اختیار کرنا	392
3	انبیاء ایک خاندان کی حیثیت سے	392
4	انبیاء کے مراتب میں تفاوت سمجھنے کے لیے ایک مثال	393
5	جلدی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرلو	395
6	آیت الکرسی کا معنیٰ اور اس کی عظمت	396
7	اللہ تعالیٰ کے معبودِ برحق ہونے کی چودہ صفات	398
8	دین کا معنیٰ اور اس میں سختی کا جواز	399
9	''دین میں جبر نہیں'' کا مفہوم	400
10	اللہ تعالیٰ کے ولی اور دوست	402
11	ولی اللہ سے دشمنی اللہ سے لڑائی کے مترادف	402
12	حضرت ابراہیمؑ پہلے پیغمبر جس کا حکمران سے مکالمہ ہوا	404
13	حضرت عزیر علیہ السلام کا دوبارہ زندہ ہونا	406
14	اس واقعہ میں قدرت کے عجب نظائر	407
15	ابراہیم علیہ السلام کی اطمینانِ قلب کی درخواست	408
16	پرندے اڑنے کی بجائے دوڑتے ہوئے کیوں آئے؟	409
17	انفاق فی سبیل اللہ کی مثال ایک دانے کے ساتھ	409
18	اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقہ کی نشوونما بچھڑے کی طرح کی جاتی ہے	411
19	صدقے کی برکت	411

	عنوان	صفحہ
20	احسان نہ جتلانے والے کا اجر	412
21	صحت مند سائل کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ردِعمل	413
22	صدقہ ضائع ہونے کی مثال	414
23	جہنم میں داخل ہونے والے سخی، شہید اور عالمِ دین	415
24	اللہ کی رضا کی خاطر کیے گئے صدقہ کی مثال	416
25	صدقہ حلال کمائی سے کرنا چاہیے	418
26	شیطان کا ڈراوا اور اللہ کا وعدہ	418
27	حلال کھانے کے بارے میں مومنوں اور رسولوں کو ایک ہی حکم	419
28	حکمت کا معنی ومفہوم	420
29	نذر ماننے کے مسائل	421
30	اعلانیہ اور چھپا کر صدقہ کرنا دونوں جائز ہیں	422
31	ہدایت انبیاء کی نہیں اللہ کی مرضی پر موقوف ہے	423
32	صدقہ کی وسعتیں اور برکتیں	424
33	خوددار فقراء کی تعریف	425
34	اصحاب صفہ کی خودداری	426
35	دن رات، پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرنے والے	427
36	تجارت حلال اور سود حرام ہے	428
37	ربا کا معنی، سود کی حرمت مختلف مذاہب میں	428
38	افلاطون کا سود کے بارے میں نظریہ	429
39	سود خور اور اس کے انجام کے متعلق احادیث	429
40	تجارت اور سود میں بارہ نمایاں فرق	431
41	سود کا متبادل	432
42	صدقہ	433
43	سود خوروں سے اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ	435
44	سات مہلک گناہ	436
45	تنگ دست کو مہلت دینی چاہیے	437
46	صحابی کا قرض دار کے ساتھ سلوک	437
47	لوگوں کے ساتھ آسانی کرنے والے پر اللہ کی طرف سے آسانی	438
48	لین دین کے معاملات کے متعلق وضاحتیں	440
49	عورتیں دماغی طور پر مردوں سے کمزور ہوتی ہیں	441
50	مقروض کی کوئی چیز گروی رکھنا	443
51	گروی کے بارے میں چند مسائل	443
52	شہادت چھپانے والے کا دل گنہگار ہوتا ہے	444
53	دل کے خیالات پر محاسبہ کے متعلق دو قسم کے اصول	445
54	دل کی پاکیزگی کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی دعائیں	446
55	ایمانِ مفصّل	447
56	رسولوں کے درمیان فرق جائز نہیں	447
57	البقرۃ کی آخری دو آیات کی فضیلت	448
58	انسان اپنی طاقت کے مطابق ہی مکلّف ہے	449
59	ایمان داروں کی دعائیں	449
60	نبی اکرم ﷺ کی دعائیں	450

سورۃ آلِ عمران

61	سورۂ آلِ عمران کا تعارف اور آیات کی تعداد	451
62	سورت کی ابتدا توحید باری تعالیٰ سے کیوں ہوئی؟	454
63	اللہ تعالیٰ ہی ماں کے رحم میں شکل وصورت بناتا ہے	456
64	پیدائشِ انسانی کے مختلف مراحل	457
65	قرآنِ مجید میں محکم اور مشابہہ آیات	458
66	فتنہ جو لوگ متشابہ آیات کو مقدم سمجھتے ہیں	458
67	متشابہ آیات کی تعداد کے متعلق اہلِ علم کا نقطۂ نظر	459

	عنوان	صفحہ
68	دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے	460
69	کفار کے مال واولاد انہیں آگ سے نہیں بچا سکتے	461
70	معرکہ بدر کو فرقان کیوں کہا گیا؟	462
71	ہدایت کی راہ میں رکاوٹیں	464
72	انسان کی حرص وہوس دیکھیے	465
73	پرہیز گاروں کے اوصاف	466
74	جنتیوں کو افضل ترین عطا کون سی ہوگی؟	467
75	اللہ تعالیٰ کے ایک الٰہ ہونے پر سب کی شہادت	468
76	اللہ کا پسندیدہ دین صرف اسلام ہے	469
77	مختلف مذاہب کے فرقوں کی تعداد	470
78	حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا نجاشی کے سامنے خطاب	470
79	اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور انبیاء کے قاتلوں کی سزا	472
80	جہنم میں سب سے زیادہ عذاب پانے والا	473
81	دین کی وجہ سے گمراہ ہونے والوں کی خوش فہمیاں	474
82	عزت وذلت، اقتدار وزوال، سب اللہ کے اختیار میں ہیں	476
83	رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہود کا حسد وبغض	478
84	کفار کو دلی دوست نہ بنانے کا حکم	478
85	قیامت کو مجرم اپنے جرائم سے پیچھا چھڑائے گا	479
86	اتباعِ رسول ہی اللہ کی محبت اور بخشش کا ذریعہ ہے	480
87	مختلف مذاہب میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے طریقے	480
88	نبی اکرم ﷺ کی اتباع ہر کسی پر فرض ہے	481
89	دنیا میں اللہ تعالیٰ کے منتخب لوگ	482
90	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاندانی پسِ منظر	482
91	حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں پرورش پائی	483
92	حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات	485
93	کلمہ سے مراد اور حصوراً کا معنیٰ	485
94	زکریا علیہ السلام کا بیٹے کی خوشخبری پر اظہارِ تعجب	486
95	حضرت مریم علیہا السلام اپنے وقت کی عورتوں میں سب سے زیادہ معزز	488
96	بنی نوع خواتین میں معزز ترین خواتین	489
97	حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخرت میں عزت والے	490
98	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وجیہ اور مسیح کہنے کی وجوہات	490
99	قربِ قیامت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں آمد	491
100	یہودیوں پر حرام کردہ چیزیں	494
101	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان کہ ایک رب کی عبادت کرو	495
102	حواریوں کا اعلان کہ ہم انصار ہیں	497
103	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواریوں کو مدد کے لیے بلانا اور ان کا جواب	497
104	بارہ سال کی عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زبردست خطاب	497
105	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور افلاطون	497
106	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صرف بارہ ساتھی	498
107	یہودیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کرنا	499
108	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمان پر یہودیوں، عیسائیوں اور مرزائیوں کے اعتراضات کا جواب	500
109	مرزا کی موت کہاں واقع ہوئی؟	501
110	قربِ قیامت غرقد درخت کے علاوہ ہر چیز یہودیوں کی مخبری کرے گی	502
111	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے	504
112	حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان فرق	505
113	نبی محترم ﷺ کا پادریوں کو مباہلہ کا چیلنج اور اسکا نتیجہ	506
114	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر غلط استدلال کا جواب	507
115	اہلِ کتاب کو توحید کی دعوت	508

	عنوان	صفحہ
116	اہلِ کتاب کو دی جانے والی دعوت کے تین بنیادی اصول	508
117	تورات وانجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئیں	509
118	حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ مسلمان	509
119	امت اور تقلید	510
120	اہلِ کتاب کی سازشیں	511
121	جنگِ جمل اور جنگِ حنین کس کی سازش کا نتیجہ تھیں؟	512
122	یہودی پر یہودی کی طرف داری کرنا لازم ہے	515
123	یہودیوں کے بارے میں اسرائیلی اخبار ''بزنس ڈیٹا'' کی رپورٹ	516
124	انسان شرعی اور فطری طور پر تین باتوں کا مکلّف ہے	517
125	مذہبی مجرموں کے لیے پانچ سزاؤں کا اعلان	518
126	فرقہ پرستوں کی سوچ اور طرزِ عمل	519
127	جسے اللہ کتاب وحکمت سے نوازے وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کی دعوت دے	520
128	غیر اللہ کو سجدہ جائز ہوتا تو بیوی خاوند کو سجدہ کرتی	521
129	انبیائے کرام سے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق وتائید کا عہد	522
130	فَمَنْ تَوَلّٰی کے الفاظ سے مغالطہ	523
131	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت	523
132	ہر چیز اللہ کی فرمانبرداری میں لگی ہوئی ہے	524
133	دین کی روح اور مدعا	525
134	ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے والوں کی سزا	526
135	توبہ کی تکمیل کے لیے دو باتیں ضروری ہیں	527
136	کافروں سے قیامت کے روز زمین کے برابر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا	528

پارہ ۔ ۴

	عنوان	صفحہ
1	اللہ کے راستے میں محبوب ترین چیز خرچ کرنی چاہیے	530
2	''بر'' کا معنیٰ	530
3	حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے آپ پر اونٹ کا گوشت کیوں حرام کیا تھا؟	532
4	اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے ظالم ہیں	534
5	ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم	534
6	بیت اللہ اور مکہ کی فضیلت	535
7	حج کن لوگوں پر فرض ہے؟	535
8	مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کی درمیانی مدت	535
9	تعمیر کعبہ کی تاریخ	536
10	جان بوجھ کر حقائق کا انکار کرنا اہلِ کتاب کی روش ہے	538
11	یہود ونصاریٰ کی پیروی ارتداد کے دہانے پر	539
12	قرآن صراطِ مستقیم کی راہنمائی کا ذریعہ ہے	539
13	ہمہ وقت اسلام کے تابع رہنے کا حکم	540
14	تقویٰ کا جامع مفہوم	540
15	اتفاق واتحاد کا حکم اور نقطۂ اتحاد	541
16	اللہ کی رسی، اللہ کی کتاب ہے	541
17	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے	542
18	بنی اسرائیل سے سرزد ہونے والی پہلی کمزوری	542
19	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کشتی سے مثال	543
20	حقیقت جاننے کے باوجود اختلاف کرنا عذاب عظیم کو دعوت دینا ہے	544
21	ظلم اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں	546
22	ہر قسم کی زیادتی اور ظلم حرام ہے	546

	عنوان	صفحہ
23	امتِ محمدیہ کے افضل ہونے کے دلائل	547
24	سب سے کمزور ایمان والا کون؟	547
25	یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے	548
26	اہلِ کتاب کی ذلت کی وجوہات اور اس سے بچنے کا حکم	549
27	اسرائیل غیر قانونی ریاست	550
28	امریکہ کی مالی امداد کا سہارا	551
29	اہلِ کتاب میں بہتر کون؟	552
30	کفار کے مال و اسباب کی حقیقت	554
31	ایمان کے بغیر عملِ صالح کی کوئی حیثیت نہیں	555
32	کفار سے قلبی دوستی کی ممانعت	556
33	اہلِ کتاب کی دشمنی کی تصویر کا ایک رخ	556
34	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غیر مسلموں سے رویہ	557
35	اہلِ کتاب کی مسلمانوں سے نفرت	558
36	یہود کا غیظ و غضب	559
37	مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے	560
38	غزوہ اُحد کی صورتِ حال	560
39	غزوہ بدر میں فرشتوں کا نزول	562
40	غزوۂ بدر کا خاکہ	562
41	کلی اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں	564
42	سود کھانے کی ممانعت	566
43	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت موجبِ رحمت ہے	566
44	جنت کے درخت کی طوالت	567
45	جنت کے ایک خیمہ کی لمبائی	567
46	متقین کی چھ صفات	568
47	قرآن کی ہدایت اور نصیحت	570
48	ایمان پختہ ہو تو مسلمانوں کا غالب آنا یقینی ہے	571
49	دن ایک جیسے نہیں رہتے	571
50	جنت کے لیے آزمائش شرط ہے	573
51	حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں آپ پہلے انبیاء کی طرح فوت ہوں گے	574
52	جنگ میں سپہ سالار کی اہمیت	574
53	نبی کریم ﷺ فوت ہو چکے ہیں	575
54	موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے	576
55	لوگوں میں سے بہترین زندگی والا شخص کون ہے؟	576
56	حوصلہ مند لوگوں کی مثال سامنے رکھیں	577
57	اللہ والے دب کر نہیں رہتے	578
58	کفار کی اطاعت گھاٹے کا موجب ہے	580
59	مشرکین کے دلوں میں مومنوں کا رعب ہوتا ہے	580
60	غزوۂ اُحد کے بعد منافقوں کے پروپیگنڈے	581
61	نقصان انسان کی کمزوریوں کی بنا پر ہوتا ہے	582
62	اُحد کے بارے میں نبی ﷺ کا خواب اور تعبیر	582
63	بیشک ہمیں پرندے نوچ رہے ہوں، در نہ چھوڑنا	583
64	نبی ﷺ کے قتل کی افواہ	585
65	جہاد میں اونگھ اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتی ہے	586
66	آدمی اپنی موت کی جگہ پر خود پہنچ جاتا ہے	587
67	عقیدہ توحید کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی بچوں کو تعلیم	590
68	اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا کے مال و متاع سے کئی گنا بہتر ہے	591
69	طبیعت کی نرمی اللہ کی رحمت کے سبب ہے	592
70	مشاورت کی اہمیت اور غرض و غایت	593
71	نبی محترم ﷺ کی مجالس مشاورت کا تذکرہ	593
72	صحابہ کی مشاورت کے واقعات	594
73	فیصلہ کا طریقہ کار اور ''فَاِذَا عَزَمْتَ'' کا مفہوم	597

	عنوان	صفحہ
74	جسے اللہ رسوا کردے اس کی مدد کرنے والا کون ہے؟	600
75	توکل کا معنیٰ	600
76	خائن کا انجام	601
77	''غل'' کا معنیٰ	601
78	پکے منافق کی چار خصلتیں	602
79	اللہ کو خوش اور ناراض کرنے والا برابر نہیں ہوسکتا	603
80	اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر احسانِ عظیم	604
81	آمدِ مصطفی ﷺ سے پہلے گمراہی کا راج	604
82	نقصان انسان کی غلطی کے سبب ہوتا ہے	606
83	اُحد کی شکست کے دو نمایاں اسباب	607
84	جنگِ اُحد میں منافقین کا کردار	607
85	کوئی اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا سکتا	609
86	شہداء زندہ اور اللہ کے ہاں خوش ہیں	610
87	اللہ تعالیٰ مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا	610
88	شہید سے اللہ تعالیٰ کا سوال اور اس کا مطالبہ	611
89	مشرکینِ مکہ کا اعصاب شکن حملہ اور صحابہ کا ردِ عمل	612
90	مومن شیطان سے نہیں ڈرتا	614
91	کفار کی محرومیاں	615
92	کفار کے لیے ڈھیل بہتر نہیں ہے	616
93	انبیاء عالم الغیب نہیں تھے	616
94	بخل کرنا بہتر نہیں، اس کا انجام	619
95	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہودی کے منہ پر طمانچہ	620
96	یہود انبیاء کے گستاخ اور قاتل ہیں	620
97	یہودیوں کی اللہ تعالیٰ پر الزام تراشی	622
98	حقیقی اور دائمی کامیابی کیا ہے؟	624
99	مسلمان ضرور آزمائے جائیں گے	625
100	اللہ تعالیٰ کا اہلِ کتاب سے عہد اور اہل کتاب کی عہد شکنی	626
101	حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی حجاج بن یوسف کے سامنے جرأت	626
102	تعریف کے خواہش مند عذابِ الیم کے مستحق	627
103	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی تعریف پر افسوس	628
104	لُب کا معنیٰ	629
105	حقیقی عقل مندوں کا کائنات پر تبصرہ	630
106	سائنسدانوں کے مشاہدات	631
107	ایمان والوں کی دعائیں	633
108	اللہ تعالیٰ کا جنت میں خصوصی اعلان	634
109	کفار کے کروفر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے	636
110	اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حیثیت	636
111	اللہ تعالیٰ کی مہمان نوازی کے مستحق حضرات	637
112	دوہرا اجر پانے والے حضرات	638
113	''رَابِطُوْا'' کا معنیٰ	639
114	سورۃ النساء کا تعارف، آیات کی تعداد اور ربطِ سورت	640
115	بنی نوع انسان کی ابتدا ایک جان سے	641
116	لفظِ ارحام کی تفسیر	641
117	صلہ رحمی کی حقیقت	642
118	لفظ خبیث استعمال کرنے کا محل	643
119	یتیموں کے مال کھانے کی بجائے انہیں واپس کرو	644
120	چار بیویوں کا حکم نہیں اجازت ہے	646
121	چار بیویاں رکھنے کی حقیقت	646
122	رسولِ محترم ﷺ اور امہات المومنین کی تعداد	647
123	اسلام سے قبل عورت پر ظلم کی چار صورتیں	648
124	''نحلۃ'' کا مفہوم	648
125	حق مہر کا تعین	649

	عنوان	صفحہ
126	یتیم کا شعور اور اس کے مال کی واپسی	650
127	یتیموں کا مال واپس کرتے وقت گواہ بناؤ	650
128	یتیم کا مال تجارت میں لگانا چاہیے	651
129	ترکہ میں مرد وزن کا حصہ مقرر ہے	652
130	اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنے والے	652
131	اللہ سے ڈر کر سیدھی بات کہو	652
132	دنیا میں تقسیم وراثت کے چار قانون نافذ العمل ہیں	652
133	وراثت کی تقسیم کے وقت غرباء کو کھلاؤ پلاؤ	653
134	آیاتِ وراثت	654
135	تقسیم وراثت سے قبل تین باتوں کا خیال رکھنا	656
136	قرآن کے بیان کردہ ورثاء	656
137	اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا صلہ	659
138	اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی سزا	659
139	وراثت سے محروم لوگ	659
140	حدود اللہ کی مثال	659
141	موحد گنہگار بالآخر جنت میں جائے گا	660
142	فاحشہ عورتوں کی سزا	661
143	"وَالَّذَانِ" کا معنیٰ	662
144	کن لوگوں کی توبہ مقبول اور کن کی مسترد؟	663
145	جہالت کی تعریف حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں	663
146	توبہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات	664
147	دورِ جہالت میں بیوہ سے چار قسم کا سلوک	665
148	عورتوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم	666
149	عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے	666
150	جنتی عورت کے اوصاف	666
151	بیوی کو دیے گئے تحائف واپس لینا منع ہے	667
152	"افطی" کا معنیٰ	667
153	جن عورتوں سے شادی نہیں کی جاسکتی	668

پارہ۔ ۵

1	قیدیوں کے بارے میں اسلامی حکومت کا اختیار	670
2	بلا اجازت مالِ غنیمت سے کوئی چیز لینا حرام ہے	672
3	لونڈی سے مجامعت کب جائز ہوگی؟	672
4	غلام کو وہی کچھ کھلاؤ پلاؤ جو تم خود کھاتے پیتے ہو	672
5	غلام کو سزا دینے کی بجائے آزاد کر دینا بہتر ہے	673
6	نکاح کا مقصد	673
7	لونڈی کی سزا میں تخفیف کی بنیادی وجوہات	675
8	لونڈی سے نکاح کرنے کی قباحتیں	675
9	دین تو آسان ہے	676
10	دین پر چلنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیے	677
11	ظلماً کسی کا مال کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا ہے	678
12	سود اور اس کی تمام قسمیں حرام ہیں	679
13	ماپ تول میں کمی کرنا جائز نہیں	679
14	تجارت میں دھوکا دینا حرام ہے	679
15	کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا غلط ہے	680
16	چوری کا مال خریدنا جائز نہیں	680
17	صغیرہ گناہ کیسے ختم ہوتے ہیں؟	681
18	کبیرہ گناہ توبہ کرنے سے معاف ہوتے ہیں	681
19	کبیرہ گناہوں کی مختصر فہرست	682
20	لوگوں کے درمیان تفاوت کی حکمت	683
21	فضیلت کسے حاصل ہے؟	683
22	بُرے گمان سے بچو	684

	عنوان	صفحہ
23	جان بوجھ کر وارثوں کو محتاج چھوڑنا اچھا نہیں	685
24	"قَوَّامُ" کا معنیٰ	686
25	مرد کو منتظم بنانے کی وجوہات	687
26	عورت کی ملازمت کے نقصانات	687
27	نیک بیوی کی خوبیاں	687
28	عورت کے بری عادت نہ چھوڑنے پر اقدام	687
29	عورت کے حقوق	688
30	عورت کی سربراہی جائز نہیں	688
31	عورت کی حکمرانی اور اسلام	688
32	یونانی اور رومی معاشرے میں عورت کا مقام	689
33	اللہ اور رسول کے بعد اطاعت کے حق دار کون؟	691
34	ہمسایوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کا حکم	691
35	مسافر کے حقوق	692
36	بخل کی بجائے سخاوت کا مظاہرہ کرنا چاہیے	693
37	ریاکار اللہ پر ایمان نہیں رکھتا	693
38	بخیل اور سخی کی مثال	694
39	فرشتے کی سخی کے لیے دعا، بخیل کے لیے بددعا	694
40	اللہ تعالیٰ کا صدقے کو افزائش دینا	695
41	محشر کے مختلف مراحل	696
42	نبی ﷺ کا قرآن سن کر رونا	696
43	امتِ محمدیہ کی گواہی	697
44	نیند کا غلبہ ہو تو نماز پڑھنا منع ہے	698
45	سکاری سے مراد	799
46	غسل کا اور تیمم کا طریقہ	799
47	تکلیف میں غسل کی بجائے تیمم کافی ہے	700
48	اہلِ کتاب کو کتاب کا کچھ حصہ دیے جانے سے مراد	701
49	گمراہی کے خریدار	702
50	یہودیوں پر لعنت کیوں کی گئی؟	704
51	اصحاب السبت سے مراد	704
52	شرک کیا ہے؟	705
53	تمام گناہوں کا منبع شرک ہے	705
54	مشرک شفاعت کا حق دار نہیں	706
55	اللہ کے نزدیک پاک دامن کون ہے؟	707
56	پاک دامنی کا دعویٰ کرنے کی ممانعت	707
57	کسی کی تعریف کس طرح کی جائے؟	708
58	طاغوت کا مفہوم	709
59	کعبہ کو ہر قسم کی کثافت سے پاک رکھنا	710
60	قبر کو برابر کرنے کا حکم	710
61	رسول اللہ ﷺ سے یہودیوں کے حسد کرنے کی وجوہات	711
62	قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی پیشین گوئی	711
63	حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے	712
64	جنت کی نعمتیں اور جہنم کی سختیاں	712
65	اللہ کے منکروں کو سزائیں	713
66	جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے 69 گناہ زیادہ ہے	714
67	جہنم کی آگ سے دماغ کا ابلنا	714
68	جنت کی نعمتیں آدمی کے تصور سے باہر ہیں	715
69	جنت کی عورت کے حُسن کی ایک جھلک	716
70	امانت کا جامع تصور	717
71	نااہل کو ذمہ داری دینے والا ملعون ہے	718
72	صحیح مشورہ دینا امانت ہے	718
73	مجالس بھی امانت ہوتی ہیں	719
74	اولی الامر کی مشروط اطاعت ہونی چاہیے	720

	عنوان	صفحہ
75	امیر کے انتخاب کا طریقہ اور اس کی اطاعت	721
76	رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ	722
77	منافق کو وعظ و نصیحت کرتے رہنا چاہیے	724
78	رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے قتل سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روک دیا	725
79	محض دعووں سے کامیابی حاصل نہیں ہوتی	726
80	ایک مفسر کا غلط استدلال	726
81	رسول اللہ ﷺ قبر میں کسی کی پکار نہیں سنتے	727
82	وفات النبی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطاب	727
83	ایمان کب قابلِ قبول نہیں ہوتا؟	728
84	شجر کا معنیٰ	728
85	فَلَا وَرَبِّكَ ..... آیت کا شانِ نزول	728
86	حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی مثالی اطاعت	729
87	اللہ تعالیٰ کے احکام نرمی اور آسانی پر مبنی ہیں	730
88	رسول اللہ ﷺ کا دو میں آسان کام اختیار کرنا	730
89	جان قربان کرنے کا حکم ملتا تو صحابہ ایسا بھی کر گزرتے	731
90	رسول کی اطاعت کرنے والے کو آٹھ قسم کے فوائد	732
91	صدیق، شہید اور صالحین کا مفہوم	733
92	مسلمانوں کو ہر وقت چوکس رہنے کا حکم	734
93	مجاہد ہر حال میں ثواب کا حق دار ہے	736
94	اسلامی جہاد کی تین اقسام	737
95	انسانیت کا تحفظ اور مسلمانوں کا ریکارڈ	737
96	ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی رستم کے سامنے جہاد کی ترجمانی	738
97	طاغوت کون ہے؟	739
98	کفار کی کمزوری	739
99	مسلمان کفار پر کب غالب آسکتے ہیں؟	739
100	اس آیت کے مفاہیم مفسرین کی نگاہ میں	740
101	جنگ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے	741
102	موت اپنے وقت پر ہی آئے گی	742
103	منافقوں کی عادتِ بد	743
104	تکلیف انسان کی اپنی کوتاہی کا نتیجہ ہوتی ہے	744
105	رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے	744
106	نفع و نقصان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عقیدہ	745
107	منافقوں کی عادتِ بد اور آپ ﷺ کو حکم	746
108	قرآن من جانب اللہ نہ ہوتا تو اس میں اختلافات ہوتے	747
109	تدبر قرآن کی اہمیت	748
110	تدبر کے اصول	748
111	قرآن کے بارے میں دیہاتی کی غلط فہمی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب	749
112	افواہ جیسی بھی ہو اسے تحقیق کے لیے ذمہ داروں تک پہنچایا جائے	751
113	رسول اللہ ﷺ کو جہاد کا حکم	753
114	دشمن کی جارحیت سے بچنے کے لیے بنیادی اصول	753
115	رسول اللہ ﷺ کا جذبۂ جہاد	754
116	مجاہد کے خون سے کستوری کی خوشبو	754
117	سفارش کی دو اقسام	755
118	عہدہ امانت ہے کمزور آدمی کو اٹھانے سے بچنا چاہیے	756
119	نااہل کو عہدہ نہیں سونپنا چاہیے	756
120	تحائف کی قسمیں	757
121	حضرت آدم علیہ السلام کا سلام اور فرشتوں کا جواب	757
122	ملاقات کا طریقہ	758

	عنوان	صفحہ
123	مسلمانوں کو منافقوں کی حمایت نہیں کرنی چاہیے	760
124	ہجرت کا لغوی معنیٰ	761
125	کن حالات میں ہجرت کا حکم؟	761
126	ہجرت ایمان کی کسوٹی ہے	762
127	کون سے کفار سے لڑنے کی اجازت نہیں؟	763
128	منافقوں کو کب قتل کیا جا سکتا ہے؟	764
129	قتلِ خطا کی مختلف صورتیں	765
130	قتلِ خطا کے دو واقعات زمانہ نبوی میں	766
131	غیر ارادی طور پر مومن کو قتل کرنے کی سزا	767
132	مسلمان کی شان بیت اللہ سے بڑھ کر ہے	768
133	میدانِ کارزار میں اگر کوئی کلمہ پڑھ لے تو اسے قتل نہ کیا جائے	768
134	مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کے لیے پانچ سزائیں	768
135	اذان تحفظ کی علامت ہے	769
136	جنت میں سو درجات مجاہدین کے لیے ہیں	772
137	شہید کے لیے اللہ کے ہاں چھ انعامات	772
138	انبیاء کی ہجرتیں	773
139	ہجرت ایمان کی کسوٹی ہے	774
140	مہاجر کے لیے رزق کی فراوانی کا وعدہ	775
141	ہجرت کے دوران فوت ہو جائے تو؟	776
142	حالتِ جنگ میں نماز ادا کرنے کی چند صورتیں	778
143	نمازِ قصر کے لیے مسافت کی تعیین میں علماء کی مختلف آراء	779
144	قصر نماز کے احکامات	779
145	رسول اللہ ﷺ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے	781
146	کھجوریں پھینک کر اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا	782
147	نزولِ قرآن کا مقصد	783

	عنوان	صفحہ
148	ایک حد کا نفاذ چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے	783
149	عدل وانصاف کا بول بالا کرنے کے بنیادی تقاضے	783
150	جھوٹے دلائل کی بنیاد پر فیصلہ لینے والا آگ کا حصہ لیتا ہے	784
151	خائن لوگوں کی حمایت کرنا جائز نہیں	785
152	روزِ قیامت خائن لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کا اعلانِ برأت	786
153	کسی مجرم کی وکالت نہیں کرنی چاہیے	787
154	رسول اللہ ﷺ کا اپنے خاندان والوں سے خطاب	788
155	غلط معلومات کی بنا پر فیصلہ دینے سے جج گنہگار نہیں ہوتا	789
156	ایک عالم کا علمِ غیب کے بارے میں کمزور استدلال	790
157	غیب کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں	790
158	بری اور اچھی مجلس کی مثال	791
159	رسولِ معظم ﷺ اور صحابہ کا راستہ چھوڑنا جہنم میں جانا ہے	793
160	اجماع صحابہ امت کے لیے دلیل ہے	793
161	علماء کا کون سا اجماع قابلِ حجت ہے؟	794
162	محشر کے میدان میں توحید کی بنیاد پر معافی ملنا	795
163	مشرک دیویوں کی پوجا کرتے ہیں	796
164	شیطان کا اللہ تعالیٰ کے سامنے قسمیں اٹھانا	797
165	شیطان انسان کی طبع کے مطابق ورغلاتا ہے	799
166	شیطان کا یہودیوں اور عیسائیوں پر وار	799
167	شیطان کب برأت کا اظہار کرتا ہے؟	800
168	نجات کا دارومدار خاندانی نسبتوں پر نہیں	802
169	روزِ قیامت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا حال	802
170	رسول اللہ ﷺ کا چچا ابو طالب جہنم کی لپیٹ میں	803
171	حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں جہنم میں	803
172	ملتِ ابراہیم کی اتباع کرنے والا نیکوکار ہے	807

	عنوان	صفحہ
173	یتیموں کے بارے میں احکام	807
174	یتیم کی کفالت کی فضیلت	807
175	عورت خاوند کے اعراض سے بچنے کے لیے اپنے حق مہر سے دست بردار ہو سکتی ہے	808
176	بیویوں کے درمیان عدل کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے	809
177	بیویوں میں انصاف نہ کرنے والا فالج زدہ اٹھایا جائے گا	809
178	عورت خلع لے سکتی ہے	810
179	تقویٰ اور اچھا اخلاق جنت میں داخلے کا سبب ہوگا	812
180	جو قوم حد سے تجاوز کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر کمزور لوگوں کو غالب کر دیتا ہے	813
181	امتِ مسلمہ پہلے انبیاء کی شہادت دے گی	814
182	شہادت سے مراد	814
183	گواہی کیوں مبنی بر انصاف ہونی چاہیے؟	815
184	جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہے	815
185	مرتد کے ایمان لانے کے بارے میں مفسرین کی آراء	816
186	بنی اسرائیل کے آدمی نے اللہ کے خوف سے اپنی میت کو جلوایا اور اس کا انجام	817
187	ایمان کے بعد کفر پھر ایمان کے بعد کفر کے دو مفہوم	818
188	مرتد کو قتل کرنے کا حکم	818
189	مرتد کو زمین نے قبول نہ کیا	819
190	منافق کا معنیٰ	820
191	منافق کی آٹھ بدترین عادات	820
192	عزت اللہ کے اختیار میں ہے	821
193	جہاں اللہ کی آیات کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہو وہاں نہ بیٹھا جائے	822
194	منافق بھاری پلڑا دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے	822
195	رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے قتل سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روک دیا	824
196	منافق دھوکہ باز اور نماز میں سست ہوتا ہے	825
197	نبی ﷺ کاسستی سے پناہ مانگنا	826
198	کافر اور منافق کے لیے توبہ کی شرائط	826
199	نماز میں ممنوع کام	826
200	کفار سے دوستی کیوں منع ہے	827
201	توبہ اور اپنی اصلاح کرنے والے مومنوں کے ساتھی	828
202	اللہ تعالیٰ کے شاکر ہونے سے کیا مراد ہے؟	828
203	اللہ تعالیٰ کا صدقے کو بڑھانا	829
204	توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہوتا ہے	829

	مضامین	صفحہ
	پارہ۔ ۱	
1	حمد اللہ کے لیے	18
2	اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعتیں	20
3	قیامت برپا ہو کر رہے گی	22
4	قیامت کے اہم ترین نام	22
5	عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے	25
6	صراطِ مستقیم	28
7	انعام یافتہ اور مغضوب لوگ	30
8	قرآن مجید کی عظمت وصداقت	36
9	قرآنِ مجید کے اسمائے گرامی	36
10	نماز کی اہمیت	39
11	آخرت پر یقین محکم ہونا چاہیے	41
12	کامیاب کون؟	42
13	جن کے اعضا پر اللہ نے مہریں لگائی ہیں	44
14	منافق کا جھوٹا دعویٰ	46
15	منافق کی دھوکہ بازیاں	46
16	روحانی بیماریاں	48
17	فسادی کون؟	49
18	بیوقوف کون؟	50
19	استہزاء اور اس کی سزا	53
20	منافق کا کردار اور انجام	55
21	دین ایک روشنی ہے	57
22	کان آنکھ اور دل کو استعمال کیجئے	58
23	عبادت اور انبیاء کی دعوت	63
24	تخلیق انسانی کے مراحل	63
25	قرآن کا چیلنج	66
26	جنت کی ازواج	69
27	توحید وشرک کے بارے میں چند امثال	71
28	نقصان پانے والے لوگ	73
29	فسادی لوگ	73
30	اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کا کوئی جواز نہیں	75
31	خلافت اور اس کی ذمہ داریاں	78
32	مخلوق کے علم کا ماخذ	80
33	متکبرین	83
34	ظالم کون؟	84
35	آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالنے کے شیطانی ہتھکنڈے	86
36	اللہ رحم کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے	88
37	بے خوف کون؟	89
48	جہنم میں ہمیشہ رہنے والے لوگ	90
49	اقامت صلوٰۃ کے تقاضے	99
40	قول وفعل کے تضاد کی ممانعت	101
41	سفارش کی گنجائش نہیں	106
42	فرعون کے مظالم	108
43	اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ	110
44	فرقان کیا ہے؟	110
45	توبہ کی اہمیت	112
46	شکر کی اہمیت	114
47	ظالم کی حیثیت	117
48	ہدایت یافتہ لوگ پریشانیوں سے محفوظ ہوں گے	123
49	بنی اسرائیل کے منحرف ہونے کے واقعات	125
50	جاہل کون؟	128
51	دل کی سختی کے اسباب	133

	مضامین	صفحہ
52	کلام اللہ میں اہلِ کتاب کی تحریف کے مختلف طریقے	134
53	آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت	138
54	قیامت کے دن کا معاملہ	139
55	مقام والدین	142
56	لعنتی کون؟	149
57	رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار تھا۔	151
58	قتل انبیاء بدترین جرم	154
59	بنی اسرائیل کے بچھڑے کا انجام	154
60	موت یقینی ہے	159
61	جبریل امین کا مرتبہ ومقام	161
62	عہد شکن کون اور اس کی سزا؟	163
63	جادو کیا ہے؟	172
64	یہودیوں کے بے ہودہ سوالات	184
65	اہلِ کتاب کا حسد وبغض	186
66	زکوٰۃ کی اہمیت	188
67	جنت کے تقاضے	190
68	یہود ونصاریٰ کے باہمی اختلافات	193
69	مسجد کا مقام واحترام	195
70	اللہ تعالیٰ ایک ہے	198
71	زمین وآسمان کی تخلیق	198
72	اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا	200
73	خواہشات کی پیروی کرنا جرم ہے	203
74	تلاوتِ قرآن کے حقوق	203
75	قیامت کے دن فدیہ قبول نہ ہوگا	205
76	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ومنزلت	207
77	بیت اللہ کا مقام ومرتبہ	210
78	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں	212
79	بیت اللہ کی فضیلت	214
80	حضرت ابراہیم علیہ السلام سب کے پیشوا ہیں	217
81	اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے	219
82	انبیاء کا مقام اور کتب آسمانی کا احترام	221
83	شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم	224
84	اخلاص کی اہمیت	225
85	بڑا ظالم کون؟	227
	پارہ۔ ۲	
1	ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے	229
2	شہادتِ حق امت محمدیہ کا اعزاز ہے	232
3	خواہشات کی پیروی کرنے کے نقصانات	235
4	ہر امت کا قبلہ	239
5	اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم اور اس کا صلہ	240
6	نبوت کے اغراض ومقاصد	244
7	شکر کی فضیلت	246
8	صبر کی اہمیت اور اجر	249
9	شہداء کا مقام اور ان کی زندگی کی حقیقت	251
10	آزمائش	253
11	شعائر اللہ کی تعریف	256
12	توبہ اور اس کی قبولیت کی شرائط	258
13	قیامت کے دن مہلت نہیں	260
14	اللہ تعالیٰ ہی الٰہ اور رب ہے	263
15	لیل ونہار کی گردشیں	263
16	غیر اللہ کی عبادت حرام ہے	265
17	باطل عابد ومعبود میں نفرتیں اور بیزاریاں	267

	مضامین	صفحہ
18	اکل حلال کی اہمیت	269
19	اندھی تقلید کا انجام	272
20	اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء	277
21	دنیا کی حیثیت	279
22	دعا کا مفہوم قرآن مجید میں	297
23	روزوں کے مسائل	300
24	حجِ بیت اللہ	312
25	اللہ ہی مختارِ کل ہے	327
26	اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلنے کی سزا	329
27	نبوت کے مقاصد	332
28	آزمائش شرط ہے	334
29	انفاق فی سبیل اللہ کا نظام	336
30	مرتد کی سزا	340
31	خدا کی رحمت کے مستحق کون؟	341
32	شراب وجوا کے نقصانات	345
33	یتیموں کے حقوق کا تحفظ	347
34	کن عورتوں سے نکاح جائز نہیں	349
35	صفائی اور پاکی کی فضیلت	351
36	بیوی کی حیثیت	353
37	جھوٹی قسم کا گناہ	356
38	عدّت کے مسائل	359
39	اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے	366
40	رضاعت کے اصول	369
41	مطلقہ کے حقوق	374
42	بہترین قرضِ حسنہ	381
43	طالوت وجالوت کا واقعہ اور حکمرانوں کے اوصاف	390

	مضامین	صفحہ
	پارہ۔ ۳	
1	انبیاء کے باہمی مراتب	394
2	اللہ تعالیٰ کی عدالت کے ضابطے	395
3	اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہنے والا ہے	398
4	قیامت کے دن سفارش کے اصول	398
5	دین میں جبر نہیں	401
6	اللہ تعالیٰ کی ذات نور ہے	403
7	اللہ ہی موت حیات کا مالک ہے	405
8	موت کے بعد زندہ ہونا	407
9	صدقہ میں برکت	411
10	ریاکاری اور احسان جتلانا	415
11	لِوَجْهِ اللهِ خرچ کرنے کا ثواب	417
12	شیطان کے وعدے تباہی کا پیش خیمہ ہیں	419
13	انبیاء تعلیم وحکمت کے داعی تھے	420
14	ہدایت اللہ کی توفیق سے ملتی ہے	424
15	خوف وغم سے مبراء حضرات	427
16	سود کی تباہ کاریاں	431
17	خوف سے بے نیاز حضرات	434
18	سچی گواہی کی اہمیت وفضیلت	444
19	انبیاء کے درمیان فرق نہیں کرنا چاہیے	448
20	دین میں آسانیاں	450
21	فرقان کا مفہوم	455
22	اللہ تعالیٰ صورتیں بنانے اور اولاد دینے والا ہے	457
23	نبی ﷺ کی ذات کے متعلق محکم آیات	459
24	قوموں کی تباہی کے اسباب	463
25	مومنین کی صفات	467

	مضامین	صفحہ
26	اللہ تعالیٰ کی شہادت	468
27	تابعداری کا حکم	471
28	یہودیوں کا گھناؤنا کردار	473
29	کتاب اللہ سے اعراض کا نتیجہ	475
30	اللہ تعالیٰ مختار کل ہے	477
31	کفار سے قلبی دوستی کی اجازت نہیں	479
32	رسول معظم ﷺ کی اطاعت کے ثمرات	481
33	اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ حضرات	483
34	حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت	485
35	اولاد کی بشارت	485
36	اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں اولاد دینے پر قادر ہے	487
37	اللہ کا ذکر اور اس کے فوائد	487
38	رسول اللہ حاضر و ناظر نہیں ہیں	489
39	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف	491
40	تمام انبیاء کی دعوت	496
41	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری	498
42	رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام	501
43	دنیا و آخرت میں عذاب پانے والے	503
44	الحق سے مراد	505
45	قصص قرآن کی حقیقت	507
46	رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق خاص	510
47	اہل کتاب کے مذموم خیالات	512
48	نبوت کا حق دار کون؟	514
49	ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے	514
50	اہل کتاب کی اکثریت بددیانت اور حرام خور ہے	516
51	ایفائے عہد کا حکم	517
52	انبیاء ایک دوسرے کے مصدق تھے	523
53	اسلام کی اہمیت	525
54	توبہ کی شرائط	527
55	قیامت کو کفار سے کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا	529

پارہ ۔ ۴

1	نیکی تک پہنچنے کا راستہ	531
2	ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع	534
3	بیت اللہ کی عظمت	537
4	اتحاد نعمت اور اختلاف آگ ہے	541
5	امتِ محمدیہ کے اجتماعی فرائض	543
6	جنتیوں اور جہنمیوں کے چہروں میں فرق	545
7	مشرکین اور اہلِ کتاب کی پسپائیاں	548
8	یہود و نصاریٰ کی ذلت کے اسباب	551
9	اہلِ کتاب میں اچھے لوگوں کے اوصاف	553
10	قیامت کے دن کفار کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی	555
11	کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی منع ہے	557
12	اللہ تعالیٰ کن کا دوست؟	561
13	اللہ تعالیٰ اپنے کمزور بندوں کی مدد کرتا ہے	563
14	اللہ ہی مختارِ کل ہے	565
15	اطاعتِ رسول کے فائدے	567
16	جنت کے حصول کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے	569
17	اللہ کا حکم اور مومن سربلند رہیں گے	572
18	گردشِ ایام	572
19	نبی ﷺ اور ہر کسی نے فوت ہونا ہے	575
20	دنیا اور آخرت کے طلب گار میں فرق	577

	مضامین	صفحہ
21	انبیاء اور ان کے مجاہد ساتھی	579
22	شرک بے بنیاد نظریہ ہے	581
23	اللہ صاحبِ فضل وکرم ہے	583
24	غم کا بہترین ردِعمل	585
25	ظن کے معانی	588
26	موت ہر کسی کا مقدر ہے	588
27	حسرت زدہ لوگ	590
28	اللہ کی رحمت وبخشش دنیا کے خزانوں سے بہتر	591
29	داعی اور قائد کے اوصاف	599
30	نبی خائن نہیں ہوتا	602
31	مومن اور کافر برابر نہیں ہیں	603
32	اللہ تعالیٰ کے احسانات	605
33	منافق کی نشانیاں	608
34	اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے	613
35	اللہ کا خوف	614
36	کفار کے لیے مہلت مفید نہیں	617
37	بخل اور بخیل کا انجام	619
38	اللہ تعالیٰ غنی ہے فقیر نہیں	621
39	اللہ تعالیٰ ظلم پسند نہیں کرتا	621
40	حقائق کو جھٹلانا اہلِ کفر کا وطیرہ ہے	623
41	نیکی کا پورا پورا اجر ملے گا	624
42	اپنی تعریف کروانا بہتر نہیں ہے	628
43	سب کچھ اللہ ہی کی ملکیت ہے	629
44	دعوتِ فکر	632
45	اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا	635
46	اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان نوازی	637
47	صبر کی تلقین	639
48	نسلِ انسانی کی افزائش کے مراحل	642
49	یتیموں کے حقوق	644
50	ہم جنسی کرنے والوں کی سزا	662
51	بدکاری کی سزا	662
52	کس کی توبہ قبول نہیں ہوتی	664
53	بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے	666

پارہ۔ ۵

	مضامین	صفحہ
1	محصنات کا مفہوم	673
2	دین تو آسان ہے!	677
3	مال کمانے کے باطل طریقے	680
4	قرآنِ مجید میں مذکور کبیرہ گناہ	682
5	فضل کا معنیٰ ومفہوم	684
6	نیک عورتوں کے اوصاف	690
7	حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مختصر خلاصہ	692
8	شیطان بدترین ساتھی ہے	694
9	اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا	695
10	قیامت کے دن ظالم کی آرزو	697
11	وضو وتیمم کے مسائل اور طریقہ	700
12	اہلِ کتاب کی بدترین تجارت	702
13	شرک بدترین گناہ ہے	706
14	اہلِ کتاب کی کذب بیانی	708
15	طاغوت	710
16	عذاب کی مختلف شکلیں	714
17	ازواجِ جنت کا حسن وجمال	716

	مضامین	صفحہ
18	عدل وانصاف کرنے کا حکم	719
19	اختلافات کا حل	721
20	شیطانی ہتھکنڈے	723
21	منافقین کی چالیں	725
22	وعظ ونصیحت کا انداز کیا ہونا چاہیے؟	725
23	اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کی دعوت	727
24	مقامِ نبوت	729
25	ہر حال میں مضبوط دفاع	735
26	منافق کی حسرتیں	735
27	مجاہد کا اجر وثواب	736
28	مظلوم کی مدد کرنا چاہیے	738
29	منافق اور کفار انبیاء کو منحوس سمجھتے تھے	743
30	عالم گیر نبوّت	745
31	قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے	750
32	افواہیں اڑانا جرم ہے	752
33	جہاد کی ترغیب	754
34	نیکی اور برائی کی سفارش کا صلہ	756
35	تحائف کا تبادلہ کرتے رہیں	759
36	منافق وکفار کو دوست نہ بناؤ	762
37	جہاد کی حدود	764
38	قتل کی سزا	767
39	دورانِ جہاد تحقیق کرنا	770
40	ہجرت کی اہمیت	776
41	قیامِ عدل	784
42	اللہ تعالیٰ ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتا ہے	786
43	خائن کا انجام	786

	مضامین	صفحہ
44	گناہوں کا بوجھ خود اٹھانا ہوگا	788
45	نبی محترم ﷺ کے خلاف سازشیں	790
46	یہود ونصاریٰ اور کفار کی مجالس	792
47	اتباعِ صحابہ رضی اللہ عنہم	794
48	شرک کے نقصانات	795
49	مشرک شیطان کی عبادت کرتا ہے	796
50	بتوں کے نام عورتوں کے نام پر	796
51	شیطان کے ہتھکنڈے	798
52	جہنم سے چھٹکارا ممکن نہیں	800
53	اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچا اور اس کا وعدہ پکا ہے	801
54	محض آرزوؤں اور تمناؤں کی حیثیت	803
55	اجر میں ہرگز کمی نہ ہوگی	804
56	کس کا دین بہتر ہے؟	806
57	قرآن کے وصایا	812
58	عدل وقسط کی اہمیت	815
59	ایمان کے بنیادی ارکان	817
60	ہدایت اور بخشش سے محروم لوگ	819
61	عذاب کی خوشخبری کے مستحق	820
62	عزت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے	821
63	بُری مجالس کا بائیکاٹ کرو	822
64	مسلمانوں کی کفار پر بالادستی	824
65	منافقین کی نماز	826
66	اخلاص فی الدین	829

ابو ہریرہ شریعہ کالج میں داخلہ لیجیے

حضرات آپ یقیناً واقف ہوں گے کہ ملک میں یہ واحد ادارہ ہے جس میں 1997ء سے درسِ نظامی کے ساتھ لازمی (Compulsary) ایف۔اے، بی۔اے کروایا جاتا ہے۔ اب تک جو بیک وقت عالمِ دین اور گریجویٹ علماء فارغ ہوئے ہیں۔ چند ایک کو چھوڑ کر باقی تمام فوج، پولیس اور ایجوکیشن کے شعبے میں اہم پوسٹوں پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت بھی کر رہے ہیں۔

داخلہ میٹرک کے امتحان کے فوراً بعد

میرٹ: میٹرک۔ تاہم میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء داخلہ لے سکتے ہیں البتہ فیل ہونے کی صورت میں طالب علم کو فارغ کر دیا جائے گا۔

سہولیات: تعلیم، رہائش، کھانا فری تاہم درس نظامی اور کالج کی کتب طالب علم کے ذمہ ہونے کے ساتھ اسے استعداد کے مطابق کچھ ماہانہ زرتعاون جمع کروانا ہوگا۔ تاکہ مفت خوری سے اجتناب اور طلباء میں خودداری پیدا ہو سکے۔

نصاب شریعہ کالج

سال اوّل: ترجمۃ القرآن سورۃ الفاتحہ تا الاعراف، مشکوٰۃ اوّل، علم النحو، علم الصرف، ابواب الصرف، دروس اللغۃ العربیۃ (دو حصے) تجوید القرآن **فرسٹ ائیر نصاب بمطابق لاہور بورڈ**

سال دوم: ترجمۃ القرآن سورۃ الاعراف تا النمل، مشکوٰۃ ثانی، نحو میر شرح مائۃ عامل، کتاب الصرف، اطیب النحو، معلم الانشاء (دو حصے) تجوید القرآن **سیکنڈ ائیر نصاب بمطابق لاہور بورڈ**

سال سوم: ترجمۃ القرآن، مسلم شریف، ترمذی شریف، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، السراجی، شرح نخبۃ الفکر، تجوید القرآن **تھرڈ ائیر نصاب بمطابق پنجاب یونیورسٹی**

سال چہارم: بخاری شریف، ہدایہ، الوجیز، شرح ابن عقیل، الفوز الکبیر، تجوید القرآن **فورتھ ائیر نصاب بمطابق پنجاب یونیورسٹی**

ابو ہریرہ شریعہ کالج کے امتیازات

❁ کمبائن نصابِ تعلیم کا محرک ❁ تفسیر فہم القرآن اور دیگر کتب کا ناشر ❁ پاکستان میں تحریک دعوتِ توحید کا بانی

ابو ہریرہ اکیڈمی کی نشریات۔ از قلم میاں محمد جمیل

منفرد تفسیر: فہم القرآن

تفسیر کی انفرادیت

1۔ اُردو، عربی تفاسیر کے اہم نکات پر مشتمل تفسیر۔
2۔ محاورۃً اور لفظی ترجمہ۔
3۔ بہت سی تفاسیر سے زیادہ ربط کلام کا اہتمام۔
4۔ ہر آیت میں پائے جانے والے مسائل کا نمبر وار بیان
5۔ ہر آیت کے مرکزی مضمون کی تفسیر دیگر آیات کے حوالوں سے جو ایک مکمل تقریر ہے۔ مکمل سیٹ کی قیمت: --/4200

فہم الحدیث

تمام مکاتب فکر کے مدارس میں پڑھائی جانے والی حدیث شریف کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح سے متفق علیہ اور بخاری و مسلم کی مکمل روایات۔ ان روایات کے متن پر محدثین، دیوبند، بریلوی اور اہلحدیث علماء کا اتفاق ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد تعلیم یافتہ طبقہ کو 80 فیصد مسائل کسی عالم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تعلیم و تعلم سے وابستہ حضرات کے لیے انتہائی مفید ہے۔ قیمت فی سیٹ:---/1000

① دین تو آسان ہے (100 روپے) ② ماہِ رمضان (80 روپے) 40% رعایت
③ آپ ﷺ کا حج (40 روپے) ④ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ دعا (80 روپے)
⑤ سیرت ابراہیم علیہ السلام (100 روپے) ⑥ زکوٰۃ کے مسائل و فوائد (90 روپے)
⑦ اتحاد امت اور علم جماعت (100 روپے) ⑧ آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن (90 روپے)
⑨ فضیلت قربانی اور اس کے مسائل (40 روپے) ⑩ مشکلات کیسے ہٹائے گئے (90 روپے)
⑪ جادو کی حقیقت اور اس کا علاج (80 روپے) ⑫ آپ ﷺ کی نماز (مکمل تصاویر) (40 روپے)

جدید مالی مسائل پر عصر حاضر کی منفرد کتب

① دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم قیمت 200/
② معیشت و تجارت کے اسلامی احکام قیمت 180/
③ اسلام کا قانونِ وراثت

از قلم: حافظ ذوالفقار علی، شیخ الحدیث ابو ہریرہ شریعہ کالج

ملنے کے پتے

☆دارالسلام ☆نعمانی کتب خانہ ☆اسلامی اکیڈمی ☆سلفیہ ☆قدوسیہ ☆مکتبہ اسلامیہ لاہور
دارالرقم فیصل آباد میں دستیاب ہیں۔ برائے راست منگوانے والوں کو 40% فی صد رعایت

042-35417233/0333-4095308
میاں محمد جمیل پرنسپل ابو ہریرہ شریعہ کالج 37 کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور: 0306-4621016/0305-4036012

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریک دعوتِ توحید کے مقاصد، نظم اور طریقہ کار

قُوْلُوْا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: تُفْلِحُوْا

لوگو! لا الہ الا اللہ پڑھو (اور اس کے تقاضے پورے کرو) کامیاب ہو جاؤ گے

خلافت کی تحریک ہو یا جہاد فی سبیل اللہ، شانِ صحابہ ہو یا وطن عزیز کی سالمیت، حقوق انسانیت کی بات ہو یا دیگر نیکی کے کام کی افادیت درجہ بدرجہ لیکن کوئی عمل تحریک ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی عظمت و برکات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تحریک دعوتِ توحید کا مقصد الگ جماعت کی بنیاد، سیاسی قوت کا اظہار، دنیوی مفاد اور شخصیت کا ابھار نہیں بلکہ اللہ کی رضا کا حصول رسالت مآب ﷺ کی اطاعت اور بندوں کو اللہ کی خالص بندگی پر آمادہ کرنا ہے، یہی انسان کی تخلیق کا مقصد اور اسی پر آدمی کی نجات ہے۔ ① ۔لہٰذا توحید سمجھیں۔ ② ۔اس پر پکے ہو جائیں۔ ③ ۔اسے آگے پھیلائیں۔ ④ ۔اس کے تقاضے پورے کریں تاکہ ہمارے اخلاق، اعمال، وطن عزیز کے حالات سنور جائیں اور ہم جنت کے وارث قرار پائیں۔

مرحلہ وار اقدامات

① ۔بسوں اور ویگنوں پر اسٹیکرز چسپاں کرنا۔ ② ۔ملک بھر میں اہم مقامات پر دیواریں لکھوانا۔ ③ ۔خاص و عام میں توحید و سنت پر مبنی لٹریچر تقسیم کرنے کے ساتھ ان سے رابطہ رکھنا۔ ④ ۔تبلیغی اجتماعات منعقد کرنا۔ ⑤ ۔میلہ جات کے موقعہ پر اجتماعی خطبات جمعہ کا انتظام کرنا۔ ⑥ ۔بلدیہ ہالز میں توحید خالص سیمینار رکھنا اور چوراہوں میں توحید و سنت کا ابلاغ کرنا اور لوگوں کو شرک و بدعت کے نقصانات سے آگاہ کرنا۔ یاد رہے کہ تحریک کے پروگرامز کا کسی پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔

اپنی مدد آپ کے تحت رمضان تا رمضان ہونے والے سالانہ پروگرام

2007ء سندھ، سرحد، پنجاب کے دورہ جات تعداد: 119۔ 2008ء سندھ، بلتستان، پنجاب، آزاد کشمیر کے دورہ جات: 155۔ 2009ء سندھ، سرحد، پنجاب، آزاد کشمیر کے دورہ جات: 168۔ 2010ء سندھ، سرحد، پنجاب، آزاد کشمیر کے دورہ جات: 160۔ 2011 تا 2012ء 135 2012 تا 2013ء 145

تحریک کا نظم آپ بھی رکنیت اختیار فرمائیں

یاد رہے کہ یہ ایک تحریک ہے معروف معنوں میں جماعت نہیں لہٰذا آپ اپنی اپنی جماعت اور منصب پر رہتے ہوئے اپنے علاقہ میں تحریک کی ذمہ داری قبول فرمائیں! اگر آپ کو یہ بات پسند ہے کہ مساجد سے باہر بھی توحید و سنت کا پرچار ہو اور شرک و بدعت کے خلاف آواز اٹھائی جائے تو آئیں تحریک دعوتِ توحید کی رکنیت اختیار کریں درج ذیل کوائف ہیڈ آفس میں ارسال کریں اور رابطہ رکھیں۔

نام بمع لقب.....ولدیت:.....تعلیم.....فون:.....

کاروبار/ملازمت.....عارضی اور مستقل ڈاک ایڈریس:.....

تحریک دعوتِ توحید پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ پیغامِ توحید

خود پڑھیں اور پاکستان کے گوشہ گوشہ تک پہنچائیں (سالانہ چندہ:--/250)

ہیڈ آفس: ابو ہریرہ شریعہ کالج 37 کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور: 0423-5417233/0333-4566379

